

# احسن الوقایہ

شرح اردو

# شرح الوقایہ

تالیف

مفت محمد رفیع صاحب  
مدظلہ العالی

ابو زکریا علی محمد اویسی

جلد اول



مکتبہ صدیقینہ

محله عیسی خیل نیوروڈ مینگورہ سوات فون: 0334-9332627, 0334-9452042

## انتساب

مادر علمی جامعہ دارالعلوم کراچی اور مدرسہ دارالقرآن رحیم آباد سوات کے نام

جہاں کے بام و در میں بیتے ہوئے شب و روز نے

اس کاوش کو علماء و طلباء کی خدمت میں پیش کرنے کا قابل بنایا

ابوزکریا علی محمد

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
21	امام شافعی کی دلیل	13	عرض ناشر
22	احناف کی دلیل	14	تقریظ مولانا صدیق احمد صاحب
23	وہذا الاستثناء منقطع		تقریظ مولانا حمید اللہ صاحب
23	وہنا وادو حجر معین	15	تقریظ مفتی محمد اسحاق صاحب
26	ڈمیر سے ایک صاع کو فروخت کرنا	15	یہاں چند امور کی معرفت ضروری ہے
26	حضرات صاحبین کی دلیل	16	امراول بیع کی تعریف
26	امام ابوحنیفہ کی دلیل	16	امردوم بیع کے اعتبار سے بیع چار قسم پر ہے
26	ایک ریوڑ سے ایک بکری کی بیع جائز نہیں	16	بیع باعتبار شرم چار قسم پر ہے
26	وصح البیع فی العوض المشار الیہ	16	امردوم شرائط بیع
27	امام ابوحنیفہ کی دلیل	16	امردوم چار قسم حکم بیع
27	ڈمیر بیان کردہ مقدار سے کم یا زیادہ نکلے تو	16	امردوم عمل بیع
27	وان باع المدورع حکذا	16	امردوم شرم رکن بیع
27	وصف اور اصل کی تعریف	17	شرعیت بیع حدیث سے
28	فالکبیرۃ الحمدۃ	17	اجماع سے
28	وان قال کل ذراع بدرم	17	قیاس سے
29	گھر سے دس گز کی بیع جائز نہیں اور دس حصوں کی بیع جائز ہے	17	<b>کتاب البیع</b>
29	حضرت امام ابوحنیفہ کی دلیل	18	بیع کا انعقاد کس سے ہوتا ہے
31	حضرت امام ابو یوسف کا مسلک	19	بلفظی الماضي
31	دلائل	19	قولہ مبارکۃ المال بالمال علیہ صوریہ
31	حضرت امام ابو یوسف کی دلیل	19	ولم یقل علی سبیل التراضی
31	امام ابوحنیفہ کی دلیل	19	بیع تعاملی اشیاء خسیہ اور نفیہ سب میں جائز ہے
33	پہل کی بیع کی مختلف صورتیں	19	اشیاء نفیہ اور خسیہ کی تعریف
34	استثناء قدر معلوم	20	کیا احناف کے نزدیک خیاب مجلس ثابت ہے
35	بیع پر جو خرچہ آئے گا وہ کون ادا کرے گا	20	مالم یقبل بطل الایجاب
35	وفی بیع سلعۃ شرم	21	خیاب مجلس کی تفصیل
		21	امام شافعی کی دلیل

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
54	خیار رویت کن کن تصرفات سے باطل ہوتا ہے	36	باب خیار الشرط
55	مقصود دیکھنے سے خیار رویت ساقط ہوتا ہے	36	خیار شرط میں امام ابوحنیفہ کا اور صاحبین کا اختلاف
55	ونظر وکیلہ بالشراء او بالقبض	37	خیار تعیین میں اختلاف
55	وکیل بالقبض اور رسول بالقبض کا فرق	37	انما اذخل الفاء فی قولہ فان شرعی
55	حضرت امام صاحب کی دلیل	38	خیار بائع سے بائع کی ملکیت ختم نہیں ہوتی
56	مکان یا باغ کو باہر سے دیکھنے سے خیار رویت ساقط نہیں ہوتا	39	اگر خیار مشتری کیلئے ہو تو بیع کس کے قبضہ میں داخل ہوگی
56	ناہیہ کا خیار رویت کب ساقط ہوگا	39	صاحبین کی دلیل
57	جب دو تھانوں میں خیار رویت ہو تو یادوں کو لے گا یا دونوں واپس کرے گا	40	حضرت امام ابوحنیفہ کی دلیل
60	فصل فی خیار العیب	40	امام صاحب اور صاحبین کے اختلاف پر متفرع مسائل
61	قولہ عطف علی معمولی عاملین مختلفین	40	فشرعہ
62	غلام کی چوری کی تفصیل	41	وان وطمسار دھا
64	اگر مشتری کی ملکیت بیع کے ساتھ مخلوط ہو گئی تو	41	ولا من شراہ قانکا ولا استبراء علی البائع
66	اگر اختلاف ہو موت کے بعد رویت میں	46	صاحب خیار دوسرے کی عدم موجودگی میں بیع صحیح نہیں کر سکتا
68	اخروث اور انڈوں کا فاسد پانا	47	حضرت امام صاحب کی دلیل
69	بیع کا بائع ثانی پر واپس ہونا	47	قان فسخہ وعلہ
70	قال فی الہمدلیۃ	47	ولا یورث خیار العیب والتعین
70	قلنا لم یجعل الا قرار حیمہ متعدیۃ	48	ثالث کیلئے خیار تعیین کی شرط لگانا
71	والفرق بین اقرارہ	49	حق ان فی سورۃ الجوز
73	وان نصب قولہ او بتقیم فلدوبہ	50	خیار تعیین صرف تین دن تک ثابت ہے
75	اگر مشتری کے گواہ غائب ہوں تو	51	واخذہ بالشفحہ دارا
76	قان قلت حد الاحتمال ثابت فی قولہ نقد باعد و سلمہ وما ینق خط	51	صاحبین کی دلیل
76	قلت کلمۃ قد تانی حد السنی	52	فصل فی خیار الرویۃ
78	حضرات صاحبین کی دلیل	52	خیار رویت کا ثبوت
78	حضرت امام ابوحنیفہ کی دلیل	52	ہماری دلیل
80	وکذلک اذا اتفقنا فی قدر البیع	52	عقلی دلیل
81	دو غلاموں کو ایک صفحہ کے ساتھ خرید لیا اور ایک میں عیب پایا	53	وان رضی قلمہا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
102	بالا خانہ اور زمینی منزل کی بیع کی تفصیل	82	ملکی اور موزونی چیزوں میں عیب کا ظاہر ہونا
102	غلام اور باندی الگ الگ جنس ہیں بھیر اور میڈھا ایک جنس ہے	84	دلو قطع بعد قبضہ اول سبب کان عند البائع رودہ واخذ حرمہ
103	دونوں سکوں میں فرق	85	صاحبین کی دلیل
104	شراء ماباع باقل ماباع قبل نقد الاثن جائز نہیں ہے	85	حضرت امام ابوحنیفہ کی دلیل
104	چند صورتیں	86	ہر قسم عیب سے برائت کا اظہار کرنا
105	حضرت امام شافعی کی دلیل	86	ہماری دلیل
105	ہماری دلیل	88	<b>باب البیع الفاسد</b>
105	عقلی دلیل	89	تمہید
106	شراء ماباع فسخ شی ماخر	89	بیع فاسد کا حکم
107	روغن زیتون کو فروخت کرنا اور دس رطل مستحبی کرنا	89	بیع فاسد باطل سے عام ہے
107	پانی کی گزرگاہ کی بیع اور ہبہ کرنا	90	خرادر خنزیر کو اگر بیع بنایا جائے تو بیع باطل ہے ورنہ فاسد ہے
110	مسلمان ذمی کو شراب فروخت کرنے کا دلیل بنا سکتا ہے	90	مال اور غیر مال کو بیع میں جمع کرنا
111	صاحبین کی دلیل	91	دفعہ بیع العرض بالخیر
111	حضرت امام صاحب کی دلیل	92	بیع باطل اور بیع فاسد کی مختلف صورتیں
111	صاحب ہدایہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے	93	واعلم انہ نظم کثیرا من المسائل
111	بیع میں شرائط کی تفصیل	94	اون کی بیع بھیر کی پشت پر
113	باندی کے حمل کا استثناء کرنا	96	بیع مزاہرہ کی تعریف
114	نوروز اور مہر جان کو اجل ٹہرانا	96	بیع عاقلہ کی تعریف
114	دفعہ ان اسقط الاجل قبل طولہ	96	بیع ملامسہ اور سائبہ کی تعریف
114	امام زفر کے نزدیک	97	چرا گاہ کی بیع اور اجارہ
115	بیع باطل کا حکم	99	عورت کے دودھ کی بیع میں فقہاء کا اختلاف
116	بیع فاسد کا حکم	100	امام ابو یوسف کے نزدیک
118	متعاقدین میں سے ہر ایک پر فساد کرنا لازم ہے	100	امام ابوحنیفہ کا مسلک
119	فان باء المشتري اودھبہ وسلمہ	100	حضرت امام شافعی کے استدلال سے جواب
121	جو چیزیں متعین کرنے سے متعین ہوتی ہیں اس میں خبث مؤثر ہوتا ہے	100	امام ابو یوسف کے استدلال سے جواب
		101	خنزیر کے اجزاء کی بیع باطل ہے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
82	اگر باندی کی آنکھ مشتری نے پھوڑ دی ہوتو	82	کسی پر مال کا دعویٰ کرنا مال لینے کے بعد دعویٰ ترک کرنا
123	قبضہ سے پہلے منقولی اشیاء کی بیع جائز نہیں ہے	123	امام محمد کا امام ابو یوسف کی روایت نہ کرنے سے انکار
126	کیلی اور وزنی چیزوں کا وزن کرنا ضروری ہے	126	<b>فصل فی البیوع المکروۃ</b>
127	محمل الحدیث	127	بخش کی تعریف
128	شمن قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز ہے	128	والسوم علی سوم غیرہ
128	وتعلق الاستحقاق بالجمع	128	تلقی جلب کردہ ہے
129	اگر اضافی کی شرط اجنبی کی طرف سے ہوتو اضافہ کس پر لازم ہوگا	129	بیع الحاضر للبادی کی دو قسم کی تشریح کی گئی ہے
130	وکل دین اجل الی اجل	130	والبیع عنداذان الجمعہ
130	ہماری دلیل	130	وتفریق صیغین ذی رحم محرمہ
131	<b>باب الربوی</b>	131	ولا بیع من یزید
132	ربوا کے لغوی معنی	132	<b>باب الاقالہ</b>
133	ربوا کے اصطلاحی معنی	133	اقالہ کی تعریف
134	ربوا اللسیہ کی تعریف	134	اقالہ بیع ہے یا بیع بیع
135	ربوا الفضل کی تعریف	135	اقالہ بیع ہے یا بیع بیع اس میں حضرات حنفیہ کا اختلاف
137	سود کھانے والوں کی سزا	137	<b>باب المرابحة والتولیة</b>
137	ربوی کی تعریف اور فوائد قیود	137	شمن کے اعتبار سے بیع کے اقسام
138	علت ربوا میں ائمتہ کا اختلاف	138	بیع مرابحہ اور تولیہ کی تعریف
138	علت ربوا پر تفریح	138	مرابحہ اور تولیہ کے جواز کی شرط
139	جو معیار شرعی میں داخل نہیں اس میں ربوا متحقق نہیں	139	بیع مرابحہ اور تولیہ میں اٹھانے کی حدود اور اس المال کے ساتھ ملائی جائے گی
140	حضرت امام شافعی کے استدلال کا جواب	140	ضابطہ
141	جب قدر اور جنس دونوں موجود ہوں یا دونوں معدوم ہوتو اس کی تفصیل	141	بیع مرابحہ کی بنیاد امانت پر ہے تو فروخت کی ہوئی چیز سے سابقہ صلح منہا کرے
142	جو چیز عہد رسالت میں کیلی تھی وہ تاقیامت کیلی رہے گی	142	حضرات صاحبین کی دلیل
	فلوس کی بیع میں کمی اور زیادتی کی تفصیل		
143	حضرات شیخین کی دلیل	143	مولیٰ کا اپنے غلام سے خریدنا مرابحہ کے حق میں معتبر نہ ہوگا
145	امام ابو حنیفہ کی دلیل	145	رب المال حاصل شدہ بیع کے نصف اور اصل مال پر مرابحہ کر سکتا ہے
146	عقلی دلیل	146	باندی اگر خود عیب دار ہو جائے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
194	امام شافعی کے نزدیک حیوان میں بیع مسلم جائز ہے	172	انگور اور کشمش کی بیع ایک دوسرے کے عوض
194	اطراف حیوان میں بیع مسلم	173	مختلف الاجناس گوشت کی بیع
194	کلوئیوں میں بیع مسلم	176	آقا اور غلام کے درمیان ربوہ تحقق نہیں
195	بیع مسلم جواہرات میں	177	<b>باب الحقوق والاستحقاق</b>
195	بیع مسلم جواہرات میں	178	دار، منزل، بیت کی بیع میں کون سے حقوق داخل ہوں گے
195	غیر مبین صاع اور ذراع سے	179	راستہ اور پانی کا حصہ زمین کی بیع میں داخل نہ ہوگا
195	بیع مسلم کیلئے بیع کا ہر وقت موجود رہنا ضروری ہے	180	<b>فصل فی الاستحقاق</b>
196	حضرت امام ابوحنیفہ کی دلیل	181	بینہ حجت مطلقہ ہے اور اقرار حجت قاصرہ ہے
107	بیع مسلم کے شرائط	184	مکان میں حق مجہول کا دعویٰ کرنا
197	عبارت کی وضاحت	185	لصم من صحیح الصلح عن المجہول
199	بخلاف ما اذا کان رأس المال ثوبا	185	<b>فصل فی بیع الفضولی</b>
200	سابقہ اختلاف پر تفریح	186	فضولی کی بیع موقوف ہے مالک کی اجازت پر
202	سابقہ اختلاف پر تفریح	187	غائب سے لیکر آزاد کرنا
202	تفریحات	188	امام محمد کی دلیل
203	بخلاف خیال العیب	188	حضرات شیخین کی دلیل
203	امام زفر کا اختلاف	189	غائب سے لیکر فروخت کرنا
203	امام زفر کے استدلال کا جواب	191	<b>باب السلم</b>
204	مسلم فیہ میں شرکت اور تولیہ کی صورت	191	بیع مسلم کی تعریف
204	قبضہ سے پہلے رأس المال اور مسلم فیہ میں تصرف کرنا	191	بیع مسلم کی مشروعیت
204	رأس المال میں تصرف کی صورت	191	کتاب اللہ سے
204	مسلم فیہ میں تصرف کی صورت	191	حدیث سے
204	اقالہ کے بعد مسلم ایہ سے رأس المال کے عوض کوئی چیز خریدنا	191	اجماع سے
206	رب السلم کا مسلم ایہ کے حکم کے مطابق خریدی ہوئی گندم پر قبضہ کرنا	191	قیاس سے
206	قرض میں دو بار کیل شرط نہیں ہے	192	بیع مسلم کے شرائط
209	مشتری اور رب السلم غائب ہو	193	مچھلی کی بیع مسلم
209	بخلاف کیلہ فی ظرف المشتري	193	عبارت کی وضاحت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
227	<b>کتاب الصرف</b>	210	دین اور عین سے کیا مراد ہے
227	بیع صرف کے لغوی و اصطلاحی معنی	210	دین اور عین کا جمع ہو جانا
227	بیع صرف کے شرائط	212	باندی کو ایک کرگندم کا راس المال بنانا
228	بیع صرف میں جنس جب خلاف جنس کے عوض ہو	213	عبارت کی وضاحت
228	بیع صرف کے عوض پر قبضہ سے پہلے تصرف کرنا	213	اگر مطلق بیع میں باندی مرگئی
229	ایک باندی جس کی گردن میں چاندی کا ہار ہو دو ہزار کے عوض خرید	214	وصف اور اجل کے بارے میں رب اسلم اور اسلم الیہ کا اختلاف
232	جس نے چاندی کا برتن بیچ دیا اور بعض خمن پر قبضہ کرنا	215	<b>الاستصناع</b>
235	دو درہم اور ایک دینار کو دو دینار اور ایک درہم کے عوض بیچنا	215	استصناع کے معنی
235	امام زقر اور امام شافعی کی دلیل	215	استصناع کا جواز
236	جوہر کا اعتبار ساقط ہے	216	استصناع بیع ہے یا وعدہ بیع
239	درہم میں اگر کوٹ غالب ہو	216	تفریح
240	اگر کرنی کا چلن بند ہو جائے	217	بیع عین ہے یا عمل
242	نصف درہم فلوس اور نصف دانق کا بیان	217	صانع کو بیچنے کا حق حاصل ہے
242	امام زقر کے نزدیک	217	جن اشیاء میں تعادل نہ ہو
242	قیراط کی مقدار	218	<b>مسائل شتی</b>
243	صرف سے آدھے درہم کے عوض فلوس خریدنے کا بیان	218	کئے اور درندوں کی بیع
245	<b>کتاب الکفالة</b>	219	ذمی بیوعات میں مسلمان کی طرح ہے
245	کفالہ کے لغوی و اصطلاحی معنی	219	باندی کا نکاح کرنا قبضہ سے پہلے
245	اصطلاحی الفاظ	220	سودا کرنے کے بعد مشتری کا غائب ہونا
245	کفالے کے ارکان	221	مشتری دو آدمی ہوں اور دونوں میں سے ایک غائب ہو
246	کفالہ کے شرائط	222	امام ابو یوسف کا مسلک
246	کفالہ کے اقسام	222	وزن سبھی کی تحقیق
247	کفیل کب بری ہوگا	224	ایک آدمی نے دوسرے سے کوئے درہم وصول کئے کرے کے بجائے
248	اگر قاضی کے درہم ہار میں سپرد کرنا شرط کیا ہو	225	اگر پرندوں نے زمین میں انڈے دئے یا بیجے نکالے
248	مسائل کی مزید تفصیل	226	و بخلاف ما اذا غسل الرجل
249	اگر سکول لہ مر جائے		



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
276	حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل	250	کفیل نے کفالت بانفس اور کفالت بالمال دونوں کو جمع کیا
276	حدیث شریف سے استدلال کا جواب	250	امام شافعیؒ کے نزدیک کفالت بالمال صحیح نہیں ہے
277	کفالت میں مکفول لڑکا قبول کرنا شرط ہے مجلس میں	252	کفیل نے مکفول لڑکا حاضر کرنے کی صورت میں کفالت بالمال کی ضمانت لے لی
277	اگر کوئی مریض کی طرف سے کفیل بن جائے	253	امام محمدؒ کی طرف سے عدم جواز کی دو عینیں ذکر کی گئی ہیں
278	مال کتابت کی کفالت لینا	254	حدود اور قصاص میں کفالت بانفس پر جہر نہیں ہے
279	اگر مکفول عتہ نے کفیل کو پیشگی رقم ادا کی	255	اگر مدعی علیہ خود کفیل بانفس دیدے
280	اگر کفیل نے کفالت کی رقم سے کوئی نفع حاصل کیا	257	خراج میں کفالت
281	اگر کفیل نے گندم میں نفع حاصل کیا	257	اگر کفیل متعدد ہوں
282	بیع عینہ کس کے واسطے ہوگی	258	کفالت بالمال کی تفصیل
283	بیع عینہ کیا ہے	259	کفالت بالمال منعقد ہونے کے الفاظ
284	اگر کفیل باقتضی یعنی ماضی کا عینہ استعمال کرے	259	ضمان درک
286	اگر مکفول لڑنے کفیل پر مال مطلق کی کفالت کا دعویٰ کیا	259	کفالت کو شرط پر معلق کرنا
287	درک کا ضامن ہونا	261	کفیل کی تصدیق کتنی مقدار میں کی جائے گی
289	ضمان خلاص کا بیان	262	عبارت کی وضاحت
290	مضارب اور وکیل کا ضامن ہونا جائز نہیں ہے	263	مکفول لڑکس سے مطالبہ کرے گا
291	دو شرطیوں میں سے ایک کا دوسرے کیلئے کفیل ہونا	264	کفیل رجوع کرے گا یا نہیں
292	خران نواب اور قسمت کی کفالت جائز ہے	265	اصیل کو بری کرنے سے کفیل بری ہو جائے گا
292	نواب	267	اگر کفیل نے غیر جنس پر صلح کی کفیل کو بری کرنا
293	دوسری قسم -- پہلی قسم	268	اگر کفیل نے مکفول لڑکے ساتھ موجب کفالت سے صلح کی
293	قسمت	270	کفالت سے بری کرنے کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے
294	اگر کفیل نے کفالت میں میعاد مقرر کر دی	271	جس حق کا وصول کرنا کفیل سے ممکن نہ ہو
294	دونوں مسلوں میں فرق	271	بیع کی کفالت جائز ہے یا ناجائز
295	درک کے ضامن پر نفس استحقاق سے ضمان نہ ہونا	274	بار بردار سواری کی کفالت
295	اگر ہر ایک مدیون دوسرے کی طرف سے کفیل ہو جائے	275	میت کی طرف سے دین کا کفیل ہونا
	دو آدمی اصیل کی طرف سے کفیل ہوئے اور پھر دونوں میں سے	275	صاحبین کی دلیل
297	ہر ایک دوسرے کی طرف سے کفیل ہوا	249	حدیث سے استدلال

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
225	دعوت میں حاضر ہونا	299	اگر مکلفوں نے ایک کفیل کو بری کر دیا
225	قاضی کے فرائض منہی	300	اگر شرکت مفاد ضح ہو جائے تو قرض خواہ اپنا دین کس سے مانگے
226	کیا قاضی مجرم کو قید کر سکتا ہے	303	دو مکاتب اگر ایک دوسرے کی کفالت کریں
227	جب صاحب حق کا حق ظاہر ہو جائے تو فریق کی گرفتاری کا کیا ہوگا	304	آقائے دونوں غلاموں میں سے ایک کو آزاد کر دیا
228	کن کن حقوق میں آدمی کو قید کیا جاسکتا ہے	305	نام کی طرف سے ایسے بل کا کس ہونا تمام پر واجب ہو جن میں الحال میں بل کا ذمہ ہونے کے بعد
228	مذکورہ حقوق کے علاوہ میں قید کرنا	306	قائض پر غلام کا دعویٰ کرنا
229	ایک قاضی کا دوسرے قاضی کے نام خط	307	اگر آقا اور غلام ایک دوسرے کی طرف سے کفالت کریں
330	کتاب القاضی الی القاضی کی ایک صورت	308	<b>کتاب الحوالہ</b>
232	کن کن چیزوں میں کتاب القاضی الی القاضی قبول ہوتی ہے	308	حوالہ کے لغوی و اصطلاحی معنی
332	نکاح اور نسب کی صورت	308	اصطلاحات ضروریہ
333	جانکدہ کی صورت	308	حوالہ کس چیز کا صحیح ہے
333	امانت اور مضاربت سے انکار	309	حوالہ کی صورت
334	عبدالیق کے مسئلہ میں کتاب القاضی الی القاضی کا طریقہ	309	مختمال نہ محیل پر رجوع کر سکتا ہے یا نہیں
336	قاضی مکتوب الیہ خط مدعی علیہ کے حضور میں قبول کرے	314	اس صورت میں مختمال علیہ کا قول مجتہد ہوگا
336	خط قبول کرتے وقت دو آدمیوں کی گواہی بھی ضروری ہے	325	اگر مختمال نے نہ محیل پر دین کا دعویٰ کیا تو
337	قاضی کا خط اس وقت قبول کرے گا جبکہ وہ منصب قضاء پر فائز ہو	317	سفاح اور ہنڈی کا بیان
337	کیا عورت قاضی بن سکتی ہے	318	<b>کتاب القضاء</b>
339	قاضی اور وکیل اپنا نائب نہیں بنا سکتے اجازت کے بغیر	319	فاسق قاضی بن سکتا ہے یا نہیں
341	اگر مقدمہ دوسرے قاضی کے دربار میں پیش ہو جائے	319	قاضی کیلئے مجتہد ہونا ضروری ہے یا نہیں
343	اجماع کیلئے تمام مجتہدین کا متفق ہونا ضروری ہے یا اکثر کا اجماع کافی ہے	320	امام شافعی کے نزدیک جاہل کو قاضی بنانا جائز نہیں
345	قضاء شہادۃ الزور نافذ ہے یا نہیں	320	منصب قضاء قبول کرنا
347	قضاء کے ظاہر اور باطن نافذ ہونے کیلئے چند شرائط ہیں	321	منصب قضاء قبول کرنے کے بعد سب سے پہلا کام
358	اگر قاضی اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ صادر کرے	321	قاضی قیدیوں کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا
350	اگر قاضی پر دعویٰ کرنا شرط ہو حاضر پر دعویٰ کرنے کیلئے	322	قاضی کی دیگر ذماریاں
351	قاضی یتیم کا مال قرض دے سکتا ہے	323	قاضی مسجد میں فیصلہ کر سکتا ہے
		325	قاضی کا ہدیہ قبول کرنا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
389	وصی کو اپنے وصی ہونے کا علم شرط نہیں	353	<b>باب التحکیم</b>
391	کن کن تصرفات میں صرف عدد یا عدالت کافی ہے	353	تحکیم کے معنی
394	قاضی اور قاضی کے امین پر ضمان نہیں آتا	353	تحکیم کا جواز کتاب اللہ سے
394	قاضی کا قول کس صورت میں ماننا ضروری ہے	354	کس کو حکم بنانا جائز ہے
305	معزول ہونے کے بعد دیون کا قاضی کے ساتھ تازہ	305	حکم کا حکم ہے والدین کے حق میں نافذ نہ ہوگا
397	<b>کتاب الشهادات والرجوع عنہا</b>	356	حکم کا حکم حدود اور قصاص میں نافذ نہیں ہوتا
397	کتاب اشہادت کی کتاب القضاء کے ساتھ مناسبت	357	تمام اجتہادی مسائل میں حکم بنانا جائز ہے
397	شہادت کے لغوی و اصطلاحی معنی	359	حکام عاقلہ پر بیت کا فیصلہ نہیں کر سکتا
398	شہادت کا رکن	360	<b>مسائل شتی منہ</b>
398	شہادت کا جواز	360	مسائل شتی کی تعریف
398	اخبار کی قسمیں	360	دو منزلہ مکان میں ایک ساتھی دوسرے کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا
398	جن اخبار کا تعلق حقوق العباد سے ہے ان کی تین قسمیں	361	زائد مستطیلہ اور مدورہ کی تفصیل
399	گواہی دینا تکب واجب ہوتا ہے	364	مطلق تاقص مانع نہیں ہے صحت دعویٰ کیلئے
400	حدود میں گواہی چھپانا مستحب ہے	366	مشتری خریداری سے انکار کرے تو
400	سرقہ میں اخذ کئے سرق نہ کہے	367	دراہم پر قبضہ کرنے کے بعد اس میں عیب کا دعویٰ کرنا
401	شہادت کا نصاب کتنا ہے	368	دراہم زریف، نہرہجہ، اور ستوقہ کی تعریف
404	گواہی میں عدالت اور لفظ شہادت شرط ہے	368	دراہم نہرہجہ کس درہم کو کہتے ہیں
405	عبارت کی وضاحت	369	اقرار و دکر کرنے کے بعد پھر اقرار کرنا
405	فریق مقابل کے طعن کے بغیر قاضی خود بخود گواہ کی تفتیش نہ کرے	372	میں تو آپ کو جانتا نہیں
407	تزکیہ کا طریقہ کار	377	بیع اسے انکار کے بعد ہر قسم عیب سے برائت کا دعویٰ قبول نہ ہوگا
407	مدعی علیہ کی تعدیل صحیح نہیں	379	تحریر کے اخیر میں ان شاء اللہ لکھنا
408	تزکیہ اور ترجمانی کیلئے ایک آدمی کافی ہے	380	بیوی نے شوہر کی وفات کے بعد اسلام قبول کیا اور شوہر اس کا انکار کرتے ہیں
409	تزکیہ علانیہ میں امام خصاص کے نزدیک عدد شرط ہے	382	میت کے بیٹے کے واسطے ودیعت کا اقرار کیا
409	جن چیزوں میں گواہ بن سکتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں	382	کیا قاضی قرض خواہوں اور ورثہ سے کفیل لے گا
410	شہادت علی اشہادت کا بیان	385	اگر ایک وارث حاضر ہو اور دوسرا غائب
411	اپنی تحریر کو دیکھ لیا لیکن واقعہ یاد نہ ہو تو گواہی دینا جائز نہیں	387	میرا مال صدقہ ہے اس کا اطلاق کس مال پر ہوگا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
431	ادمان سے کیا مراد ہے	412	شہادت بالتسامع کون کون سے معاملات میں جائز ہے
433	کبوتر بازی کی گواہی	414	عبارت کی ترکیبی وضاحت
434	نزدکھیلنا موجب فسق ہے	415	شہادت بالتسامع اگر تفصیل کے ساتھ ہو تو قبول نہیں ہے
434	شطرنج کھیلنے والے کی گواہی	416	جس نے گواہی دی کہ وہ زید کی نماز جنازہ میں حاضر ہوا ہے
435	ہدایہ کی عبارت کی وضاحت	416	<b>باب قبول الشہادۃ وعدمہ</b>
435	جو شخص خفیف و حقیر حرکات کرتا ہو اس کی گواہی قبول نہیں	417	گواہی قبول نہ ہونے کی بنیاد تہمت ہے
436	پانچ مسائل	417	اہل ہوا کی گواہی اور اس کی تفصیل
437	قاضی غائب کی طرف سے اپنے اختیار سے وکیل تقرر نہیں کر سکتا	418	فرقہ خطابیہ
438	جرع کے اقسام	419	ذمی اور مسامح کی گواہی کی تفصیل
440	جرع غیر مجرد پر گواہی قبول نہیں ہوتی	419	امام شافعی، امام مالک کے نزدیک ذمی گواہی قبول نہیں
442	اگر شاہد نے مجلس شہادت میں یہ کہا کہ مجھ سے گواہی میں غلطی ہوگئی ہے	422	عداوت دینہ کی وجہ سے گواہی رد نہ ہوگی
444	دعویٰ اور شہادت میں اتفاق شرط ہے	422	کبائر سے اجتناب
448	گواہی دینے کے بعد ایک گواہ نے ادائگی کی گواہی دی تو قبول نہ ہوگی	423	غیر مختون اور خصی کی گواہی قبول ہے ولد الزنا کی گواہی
449	دو فریقین کی گواہی میں اگر ایک کو ترجیح دینا مشکل ہو	423	ولد الزنا کی گواہی قبول ہے
450	گائے کی چوری میں رنگ کا اختلاف	423	عمال کی گواہی قبول ہوتی ہے
452	اگر اختلاف عقد بیع میں ہو تو گواہی قبول نہ ہوگی	424	اپنے بھائی اور چچا کیلئے گواہی قبول ہوتی ہے
457	میاں بیوی کا اختلاف ہو مہر میں	424	نابینا کی گواہی قبول نہیں ہوتی
458	میت کا مال وارث کی نخل نہ ہوگا جب تک میراث کا ثبوت نہ کیا جائے	435	غلام کی گواہی قبول نہیں
460	قبضے کے اقسام	427	معدود فی القذف کا فر اگر مسلمان ہو جائے تو اس کوئی شہادت حاصل ہوتی ہے
461	شہادت علی الشہادت کے قبول ہونے کے شرائط	427	اصول اور فروع کے حق میں گواہی قبول نہیں ہوتی
463	شہادت علی الشہادت کا طریقہ	427	زوجین کی گواہی
463	شہادت علی الشہادت کے تین طریقے ہیں	428	آقا کا اپنے غلام اور مکتوب کیلئے گواہی دینا
464	اگر شوہر فروع نے شہود اصل کی تعدیل کی تو جائز ہے	429	مزدور کی گواہی کی تفصیل
	فروع نے اصول کی شہادت پر شہادت دیتے وقت مشہود	430	مغضت کی گواہی
466	علیہ کی معرفت سے انکار کیا	430	ناخدا اور مغضبیہ کی گواہی قبول نہیں ہے
467	قاضی کا خط قاضی کے نام پر ایسے ہی مزید گواہوں کا مطالبہ کیا جائے گا	431	دائمی شراب خور کی گواہی قبول نہیں

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
		468	نسبت عام کافی نہیں ہے بلکہ نسبت خاص کا ذکر ضروری ہے
		469	جمہولی گواہی کی سزا
		470	<b>فصل</b>
		471	شہادت سے رجوع کرنا
		472	امام شافعیؒ نزدیک گواہوں پر ضمان نہیں ہے
		473	رجوع من الشہادت میں اعتبار باقی کا ہے نہ کہ رجوع کرنے والے کا
		475	نکاح میں مہر مثل پر گواہی دینے کے بعد رجوع کرنا
		478	بچہ میں گواہوں کی گواہی سے رجوع کرنے کی صورت میں ضمان کس پر آتا ہے
		479	ہدایہ کی عبارت سے مشتری کا دعویٰ معلوم ہوتا ہے
		480	گواہی سے طلاق قبل الدخول واقع ہو جائے تو ضمان کس پر ہوگا
		481	قتل کی گواہی میں گواہوں پر دیت لازم ہوگی
		482	اگر فروغ نے گواہی سے رجوع کیا تو ضامن ہوں گے
		483	فروع کا اصول پر جموت کی تہمت لگانے سے اصول کا ذب نہیں ہوتے
		484	تزکیہ سے رجوع کرنے والے ضامن ہوں گے
		484	لاشاہد الا حصان
		485	کما ضمن شاہد الیسین

## عرض ناشر

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مکتبہ صدیقیہ قارئین کی خدمت میں احسن الوقایہ کے نام سے شرح الوقایہ اخیرین کی شرح پیش کر رہا ہے۔ اس شرح میں چند اہم باتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔

(۱) یہ کہ مکمل عربی عبارت لگائی گئی ہے (۲) سلیس اور با محاورہ ترجمہ کا التزام یا گیا ہے (۳) ہر مسئلہ کی صورت الگ الگ مثالوں کے ساتھ واضح کی گئی ہے (۴) شارح نے جہاں پر نحو کا کوئی مسئلہ ذکر کیا ہے اس کی مکمل وضاحت کی گئی ہے اور جہاں پر پورا قاعدہ لکھنے کی ضرورت محسوس کی گئی ہے وہاں پر نحو کا مکمل قاعدہ ذکر کیا گیا ہے (۵) مشکل مقامات کی تشریح میں عام فہم مثالیں دی گئیں ہیں تاکہ طلباء کو سمجھنے میں آسانی ہو (۶) ہر مسئلہ کیلئے الگ الگ جلی عنوان قائم کیا گیا ہے تاکہ مسئلہ معلوم کرتے وقت مشکلات نہ ہوں (۷) کتاب کے اول میں فہرست قائم کیا گیا ہے تاکہ مسئلہ معلوم کرنے میں وقت ضائع نہ ہو۔

ہم نے اپنی طرف سے عبارت کی تصحیح کی پوری کوشش کی ہے لیکن پھر بھی انسان ہے غلطی سے محفوظ ہونا انسان کی قدرت میں نہیں ہے لہذا اگر کہیں پر کتابت کی غلطی، یا کسی جگہ علمی اور فنی غلطی نظر آئے تو وہ یقیناً ہماری کوتاہی ہوگی لہذا قارئین کی خدمت میں درخواست ہے کہ اس جیسے غلطیوں کی نشاندہی فرما کر ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کی جاسکے۔ ہم آپ کے ممنون ہوں گے۔

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، اس کیلئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرمائے اور جلد کو ثانی کو جلد از جلد زب قرطاس فرما کر نظیر قارئین فرمائے و ما ذلک علی اللہ عزیز۔ اور یہ کام برادر کرم جناب ابو زکریا مولوی علی محمد صاحب، ان کے اساتذہ اور والدین کیلئے نجات دارین کا ذریعہ بنائے اور اس خدمت کو اپنے دربار عالی میں قبول فرمائے آمین یا رب العالمین۔

حنیف اللہ حنیف

Madrasa  
Dar-ul-Quran

(Regd.)

Rahimabad Swat N.W.F.P. (Pak)  
Ph: 0946-700913

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



مدارس دار القرآن (رجسٹرڈ)

رجیم آباد سوات سوہرہ روڈ پاکستان

فون: 0946-700913

تاریخ

حوالہ نمبر

درس نظامی کے متداول فقہی کتب میں شرح الوقایہ کی اہمیت و افادیت اہل علم پر عیناً ہے۔ یہ وجہ ہے کہ  
دفاع المدارس العربیہ پاکستان کے ارباب حل و عقد نے شرح الوقایہ (اخیرین) کو درس نظامی میں داخل کرنا  
اس حقیقت کا بڑا مصلحتاً اعتراف و اعتراف کیا۔  
اسلاف کے علمی ذوق کے مطابق شرح الوقایہ کے بعض مباحث بھی علمی تحقیق پسند گروہوں سے مبرا ہیں۔  
بالخصوص نئی زمانہ جبکہ علمی پیشگی اور قوی علمی استعداد کی کمی بھی حیا ہے اس بات کی ابتدا انی مدرسین کرام اور  
طلباء کو یہ خدمت محسوس ہوتی رہی کہ شرح الوقایہ (اخیرین) کے علمی نکات اور فقہی دقائق کو تفصیل و  
تشریح کے ساتھ واضح کیا جائے۔ پرچہ کہ بعض مترجمین حضرات نے صرف لفظی ترجمہ کرنا اس کو سہل  
بنانے کی کوشش کی ہے لیکن ظاہر ہے کہ ان کا نقطہ نظر صرف آسان ترجمہ پیش کرنا ہے۔ جس سے یہ تشکیلی  
دور نہ ہو سکی۔

خواجہ عزیز محمد مولانا علی محمد صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کو جب پہل مرتبہ یہ کتاب  
پڑھانے کا موقع ملا تو انہوں نے خود بھی اس خدمت کو محسوس کیا۔ اپنے ذوق مطالعہ اور تحقیقی صلاحیتوں  
کو بروئے کار لیتے ہوئے انہوں نے اس اہم علمی خدمت کا بیڑا اٹھایا۔ اپنے اساتذہ کرام کے باہمی مشاورت  
سے ہندوستانی شرح الوقایہ (اخیرین) کا آسان اور سہل انداز میں باقاعدہ ترجمہ اور تشریح اس انداز میں  
کیا کہ فقہاء کرام کے فقہی اختلافات کو مدلل بیان کیا۔ لفظی تحقیقات اور عرفی، نحوی قواعد و مباحث کے پیش نظر  
بہتین قیمت تحقیقات رقم کیں۔ جس سے یہ علمی تشکیلی کامی حد تک کم ہو سکی۔ اللہ اعلم علی ذلک  
فاضل شرف ماسٹار عائشہ مددہ دارالقرآن رحیم آباد سوات کے قابل فخر اور ممتاز فضلہ و مدرس  
ہیں جو تحقیقی علم کے دریاں ہیں ممتاز ترین طلباء و ماسٹروں سے رہے ہیں۔ اب ان کی پہلی علمی و تحقیقی خدمت  
"احسن الوقایہ" آئیے ہاتھوں میں ہے۔

ناپسند تو بالاسیباب اپنے موقوفیات کے باعث نہ کر سکا لیکن چند مختلف مقامات کو دیکھ کر اندازہ ہوا  
کہ موقوف نے جانفشانی کے ساتھ دہشتین انداز میں شرح الوقایہ (اخیرین) کی افادیت کو سہل بنانے کی جگہ کی  
فرمان ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس شرح کی لغات کو عام اور عام بنائیں اور اسے فاضل مولف حفظہ اللہ کے مزید  
علمی دروہان ترقیات کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔ و ملائک علی اللہ بعزیز!

محمد رفیق اعظمی  
مدیر دارالقرآن رحیم آباد - سوات

مدیر دارالقرآن رحیم آباد - سوات

تقریظ حضرت شیخ القرآن والحديث مولانا حمید اللہ دیروسی صاحب دامت برکاتہم

مہتمم مدرسہ عربیہ مظہر العلوم ینکورہ سوات

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبي بعده:-

اما بعد: محترم المقام ابو زکریا مولانا علی محمد صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی، حالاً مدرس مدرسہ تعلیم القرآن کلاتھہ مارکیٹ ینکورہ سوات نے شرح الوقایہ آخرین کی شرح اردو زبان میں تحریر کی ہے۔ بندہ نے چیدہ چیدہ مقامات کا مطالعہ کیا بجز اللہ بسیار کاوش، انتھک کوشش، اور کافی عرق ریزی سے وسیع معلومات کا یہ خزانہ جمع کیا ہے۔ علم فقہ میں شرح الوقایہ کا مقام مسلم عند الکل ہے شرح کی سات خصوصیات اور امتیازات مؤلف دام عمرہ نے خود تحریر کی ہیں شرح الوقایہ کے بعض مقامات ہدایہ سے بھی زیادہ مفصل ہیں جیسے کہ طہر متخلل میں یہ بات واضح ہے۔ اگرچہ صاحب ہدایہ، صاحب شرح الوقایہ سے پہلے گزرے ہیں لیکن پھر بھی کبھی کبھی صاحب شرح الوقایہ، صاحب ہدایہ کا قول نقل کرتے ہیں۔۔۔ قال صاحب الهدایة کذا وقال کذا، دو وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔

(۱) اپنی تائید کیلئے کہ اس بات اور مسئلہ میں میں اکیلا نہیں ہوں صاحب ہدایہ نے بھی یوں کہا ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ کبھی صاحب ہدایہ پر اعتراض ہوتا ہے۔

اللہ رب العالمین سے التجاء ہے کہ مؤلف کی اس محنت کو قبولیت تام نصیب فرمائیں آمین اور علماء کرام و طلباء عظام اور عوام کیلئے یکساں فہم دین اسلام اور نجات دارین کا ذریعہ بنائیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

والسلام:

از خاکپائے اکابر دیوبند

حمید اللہ دیروسی۔ مہتمم مدرسہ مظہر العلوم ینکورہ سوات

۵ شوال المکرم ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۷ء بروز جمعرات



# تقریظ حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب دامت برکاتہم

استاذ مدرسہ دارالقرآن رحیم آباد سوات

شرح الوقایہ جو درس نظامی کی مشہور و معروف کتاب اور فقہ اسلامی کا بہترین مجموعہ ہے یہ وہ عظیم کتاب ہے جو تمام مدارس اسلامیہ کے نصاب میں داخل ہے اور اس کے بغیر مدارس اسلامیہ کا نصاب نامکمل سمجھا جاتا ہے۔ اس کتاب کی عربی زبان میں حواشی تو لکھی جا چکی ہیں لیکن اب تک اردو زبان میں شرح الوقایہ کی کوئی مبسوط اور مکمل شرح منظر عام پر نہیں آسکی ہے۔ شدید ضرورت کے باوجود اردو کا دامن ابھی تک شرح الوقایہ کی ایسی شرح سے خالی تھا جو اساتذہ کرام اور طلباء عظام سب کیلئے یکساں مفید ہو۔ بالآخر برادر کرم فاضل نوجوان مولانا علی محمد صاحب زادہ اللہ علما وفضلاً (جو ملاکنڈ وپٹن کے قدیم اور اولین عظیم دینی درسگاہ مدرسہ تعلیم القرآن کلاتھ مارکیٹ یتکورہ قائم شدہ 1965ء بانی الحاج حضرت النظر گل باباجی صاحب دامت برکاتہم العالیہ۔ کے قابل و جدید اساتذہ کرام میں سے ہیں اور خود شرح الوقایہ پڑھاتے ہیں) نے قلم اٹھایا اور بہت حد تک اس ضرورت کو پورا کیا۔ اب تک احسن الوقایہ کے نام سے شرح الوقایہ کی جلد ثالث سے متعلق دو جلدیں (جلد اول منظر عام پر آچکی ہے اور جلد ثانی زیر طبع ہے) موصوف کے قلم سے آچکی ہیں۔

راقم الحروف اپنی عدیم الفرستی کی وجہ سے بالاستیعاب تو نہیں دیکھ سکا البتہ بعض اہم مباحث کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوا کہ مؤلف موصوف نے تشریح، صورت مسئلہ، اور نقل مذاہب ائمہ کرام کے سلسلہ میں بڑی جانفشانی کے ساتھ تحقیق کی ہے۔ اور پھر تمام مذاہب کو روایات و درایات کے زیور سے آراستہ کیا ہے۔ انداز بیان شستہ، شگفتہ اور دلنشین ہے۔ زبان سلیس اور شیرین ہونے کے ساتھ سادہ اور تدریسی لب و لہجہ کے قریب تر ہے۔ ان شاء اللہ یہ شرح حضرات مدرسین و طلباء کرام دونوں کیلئے مفید ثابت ہوگی۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ احسن الوقایہ کو اسم باسٹی بنائے اور اصل کتاب کی طرح اس کے فیض کو عام سے عام تر فرمائے اور برادر کرم، ان کے اساتذہ کرام، شیوخ، اور والدین کو بہترین صلہ عطا فرمائے آمین  
محمد اسحاق

مفتی و مدرس مدرسہ دارالقرآن رحیم آباد سوات

۶ شوال المکرم ۱۴۳۸ھ

امام و خطیب سنہری مسجد سنہری محلہ، نزیو یتکورہ سوات

## کتاب البیع

کتاب البیع کی کتاب الوقف سے مناسبت:

کتاب البیع سے پہلے کتاب الوقف تھی دونوں میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں ازالہ ملک ہوتا ہے لیکن وقف میں ازالہ ملک الابی مالک ہوتا ہے اور بیع میں ازالہ ملک الی مالک ہوتا ہے۔ تو وقف بمنزلہ مفرد اور بیع بمنزلہ مرکب ہوئی اور مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔

یہاں چند امور کی معرفت ضروری ہے:

(۱) اول تعریف بیع۔ (۲) اقسام بیع (۳) شروط بیع (۴) حکم بیع (۵) محل بیع (۶) رکن بیع (۷) مشروعیت بیع

**تشریح: (۱) تعریف بیع:** لفظ بیع از قبیل اضداد ہے خرید و فروخت دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ترمذی شریف کی حدیث میں ہے۔ لا یبیع بعضکم علی بیع بعض ولا یخطب بعضکم علی خطبة بعض " یہاں بیع سے بیتری مراد ہے اسلئے کہ منہی عنہ شراء ہے نہ کہ بیع اسی طرح لفظ شراء بھی اضداد میں سے ہے۔ خرید و فروخت دونوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے، " وشروه بئمن بخس " سے بیع مراد ہے۔

حقیقت اور لغت کے اعتبار سے تو یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں لیکن عرف عام میں لفظ بیع بائع کے ساتھ اور لفظ شراء مشتری کے ساتھ مخصوص ہوئے ہیں۔ لفظ بیع متعدی بدو مفعول ہوتا ہے براہ راست جیسے بعت زید الدار، اور کبھی مفعول اول پر بغرض تاکید من یا لام داخل کر دیتے ہیں، جیسے بعت من زید الدار، بعت لک نعت میں: بیع وشراء مطلق مبادلہ شیء بشیء کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ شیء مال ہو یا نہ ہو۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول: ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم و اموالہم بان لہم الجنة۔ اولئک الذین اشتروا الضلالة بالہدی، وشروه بئمن بخس: چونکہ حضرت یوسفؑ مال نہ تھے۔

### بیع کی اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔ لیکن ان میں سے بہتر تعریف وہ ہے جو صاحب کنز نے کی ہے کہ: ہو مبادلة المال بالما بالتراضی: یعنی آپس کی رضامندی سے ایک مال کو دوسرے مال سے بدل لینا بیع کی حقیقت ہے۔

تعریف مذکور میں بالتراضی کی قید قول باری تعالیٰ سے ماخوذ ہے: الا ان تكون تجارة عن تراض منکم: اور مبادلہ سے

مرا دبادلہ شرعیہ ہے یعنی ارتباط ایجاب و قبول۔ تراضی کی قید بیع شرعی کے مفہوم میں داخل تو نہیں لیکن شرعاً اسکے حکم کے ثبوت کیلئے شرط ہے تو قید احترازی نہیں ہے بلکہ ایک مستقل حکم کی طرف اشارہ ہے۔ یا یوں کہیں کہ یہ تعریف بیع صحیح اور بیع نافذ کی ہے نہ کہ مطلق بیع کی۔

(۲) امر دوم: بیع باعتبار ذات چار قسم پر ہے۔ (۱) بیع نافذ (۲) بیع موقوف (۳) بیع فاسد (۴) بیع باطل:

ان سب کی تعریفیں اپنی جگہ آئیں گی:

بیع کے اعتبار سے بیع چار قسم پر ہے۔ (۱) بیع مطلق، بیع العین بالثمن (۲) بیع مقایضہ، بیع العین بالعین، (۳) بیع صرف بیع الدین بالدین (۴) بیع سلم بیع الدین بالعین۔

بیع باعتبار ثمن چار قسم پر ہے: (۱) بیع مراجمہ: ثمن اول سے زائد کے عوض بیچنا (۲) تولیہ ثمن اول پر بیچنا (۳) (۴) بیع باعبار ثمن چار قسم پر ہے: (۱) مساومہ اس ثمن کے عوض بیچنا جس پر عاقدین راضی ہو جائیں قطع لحاظ ثمن اول سے

(۳) امر سوم شروط بیع: (۱) عاقدین کا عاقل ہونا (۲) بیع کا مال متقوم ہونا (۳) مقذور التسلیم ہونا (۴) مملوک ہونا (۵) موجود ہونا

(۴) امر چہارم حکم بیع: ملک: یعنی مشتری کو بیع میں تصرف کا حق حاصل ہونا اور بائع کو ثمن میں تصرف کا حق حاصل ہونا۔

(۵) امر پنجم: محل بیع: مال کا متقوم ہونا۔

(۶) امر ششم: رکن بیع: ایجاب اور قبول۔

مشروعیت بیع۔ بیع کی مشروعیت: قرآن۔ حدیث۔ اجماع اور قیاس۔ سب سے ثابت ہے۔ قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

نمبر (۱): "یا ایہا الذین امنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارة عن تراض منکم۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ باہمی رضامندی سے بیع و شراء جائز اور مشروع ہے۔

احل الله البيع وحرم الربوا: یہ آیت بھی جواز بیع پر دلالت کرتی ہے۔

**مشروعیتا بیع حدیث سے:** عن قیس بن ابی عزرۃ قال کنا فی عهد رسول اللہ ﷺ نسمنی السماسرة فمر بنا النبی ﷺ فسمانا باسم هو احسن منه فقال یامعشر التجاران البیع یحضره اللغو والحلف فثوبوه بالصدقة (ابو داود) ۲: عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال التاجر الصدوق الامین مع النبین والصدیقین والشهداء ۳: التجار یبعثون یوم القیامة فجارا الامن التقی وبر وصدق ان روایات میں سے ہر ایک میں تاجروں کو صدقہ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ دیانت داری کی ستائش کی گئی ہے۔ یہ تینوں بیع اور تجارت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں نیز، اصحاب سیر کے یہاں حضور ﷺ کا حضرت خدیجہؓ کا مال لیکر شام جانا مشہور ہے۔

اجماع سے۔۔، عہد رسالت مآب ﷺ سے لیکر آج تک مسلمان بیع کے جواز پر متفق چلے آ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے خود ضرورت کی اشیاء خریدی ہیں۔ اور اکابر صحابہ کرام، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ وغیرہ صحابہ کرام نے تجارت کی ہے۔

**قیاس:** قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بیع جائز ہونی چاہیے اسلئے کہ ایک آدمی اپنی تمام ضروریات زندگی پورا کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ اب اپنی ضرورت کی چیزیں یا تو کسی سے زبردستی لے گا۔ تو فساد برپا ہوگا۔ اسی طرح بسا اوقات ایک انسان کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اشیاء ہوتی ہیں۔ وہ اسکو دیکر اسکے مقابلے میں دوسری اشیاء لینا چاہتا ہے۔ اگر یہ باہمی رضامندی اور لین دین سے ہو جائے تو فساد نہ ہوگا اور یہی بیع ہے۔

## کتاب البیع

(۱) هو مبادلة المال بالمال ینعقد بايجاب وقبول بلفظی الماضي وبتعاط فی النفیس والخمیس فمبادلة المال بالمال علة صورية للبیع والایجاب والقبول والتعاطی علة مادية له والمبادلة یكون بین اثنین فهما العلة الفاعلیة ولم یقل علی سبیل التراضی لیشمل مالا یكون بالتراضی کبیع المکره فانه ینعقد هو الصحیح انما قال هذا الان عند البعض انما ینعقد بالتعاطی فی الخمیس لا فی النفیس والتعاطی عند البعض الاعطاء من الجانبین ویکفی عند البعض

من احد الجانبين كما اذا ساوم احد المبيع ولم يكن معه و عاء يجعل المبيع فيه فكال ففارقه فجاء بالوعاء واعطى الثمن فهو جائز ولو قال كيف تبیع الحنطة فقال قفیزاً بدرهم وقال كلنی خمسة اقفرة فكال فذهب بها فهذا بیع و علیه خمسة دراهم و اذا اوجب واحد قبل الاخر فی المجلس كل المبيع بكل الثمن او ترك الا اذا بین ثمن كل ای اذا قال بعث هذا بدرهم و ذلك بدرهم فقبل احدهما بدرهم يجوز و مالم يقبل بطل الايجاب ان رجع الموجب او قام احدهما عن مجلسه۔

ترجمہ: بیع مال سے مال بدل لینا ہے۔ اور وہ منعقد ہوتی ہے ایجاب اور قبول سے جبکہ دونوں لفظ ماضی کے ہوں اور تعاطی یعنی باہمی لینے دینے سے عمدہ اور گھٹیا اشیاء میں۔ مبادلۃ المال بالمال علت صوری ہے بیع کے لئے ایجاب و قبول علت مادی ہے اور دو آدمیوں کے درمیان مبادلۃ علت فاعلی ہے۔ علی سبیل التراضی کی قید نہیں لگائی تاکہ شامل ہو جائے اس بیع کو بھی جو باہمی رضامندی سے نہ ہو جیسے بیع مکہ: اور یہی صحیح ہے مصنف نے یہ فرمایا اسلئے کہ بعض کے نزدیک بیع تعاطی خیس اشیاء میں منعقد ہوتی ہے نہ کہ نفیس میں۔ اور تعاطی میں بعض کے نزدیک جائزین سے دینا ہے اور بعض کے نزدیک جانب واحد سے دینا کافی ہے۔ جیسے کوئی آدمی سامان کا بھاؤ لگا دے اور اس کے پاس برتن نہ ہو جس میں بیع کر کے اس نے ناپا تو وہ بائع سے جدا ہو اور برتن لیکر آیا اور شرن دیدیا تو یہ جائز ہے اور اگر کہا کہ تو گندم کیسے بیچتا ہے اس نے کہا کہ ایک قفیز ایک درہم میں پس ان سے کہا کہ میرے لئے پانچ قفیز ناپ لو اس نے ناپا مشتری اس کو لے گیا تو بیع ہوئی اور اس پر پانچ درہم لازم ہیں۔ اور جب ایک نے ایجاب کیا تو دوسرا قبول کریں مجلس کے اندر پوری بیع کو یا چھوڑ دے الا یہ کہ بیان کرے ثمن ہر ایک کا یعنی یہ کہے کہ یہ ایک درہم میں اور وہ ایک درہم میں تو اس نے ایک کو قبول کیا۔ ایک درہم میں یہ جائز ہے اور جب دوسرا قبول نہ کریں تو ایجاب باطل ہوا اگر ایجاب کرنے والے نے رجوع کیا اور یا ایک ان دونوں میں سے کھڑا ہوا مجلس سے۔

تشریح: بیع کا انعقاد کس سے ہوتا ہے: بیع کے لغوی اور اصطلاحی معنی پہلے گزر چکے ہیں۔ انعقاد عاقدین میں ایک کے کلام کا دوسرے کے کلام کے ساتھ شرعاً اس طرح پیوست ہونا کہ اس کا اثر عمل یعنی بیع میں ظاہر ہو جائے یعنی بیع بائع کی ملکیت سے نکل کر مشتری کی ملکیت میں داخل ہو جائے۔ ایجاب کے معنی ہیں اثبات۔ کیونکہ دوسرے کیلئے خیار قبول کو ثابت کرتا ہے چاہے بائع ہو یا مشتری یعنی جس کا کلام پہلے صادر ہو وہ ایجاب ہے اور جس کا کلام بعد میں صادر ہو وہ قبول ہے۔

**بلفظی الماضی بیع منعقد ہو جاتی ہے** دوا لیے لفظوں سے جو دونوں ماضی کے لفظ ہوں اسلئے کہ بیع انشاء تصرف کا نام ہے اور انشاء ہونا شریعت سے معلوم ہوتا ہے۔ ماضی اگرچہ اخبار ہے لیکن شارع نے اسکے لئے ماضی کے صیغے استعمال فرمائے ہیں۔ ماضی سے مراد یہ ہے کہ وہ امر اور مستقبل کا صیغہ نہ ہو۔ ماضی ہو یا حال کا صیغہ جسکے حال ہونے پر قرینہ موجود ہو جیسے ابیح الان قوله مبادلة المال بالمال علة صوریة: ہر کام کے لئے علل اربعہ ہوا کرتی ہیں۔ بیع کیلئے علل اربعہ یہ ہیں۔

(۱): علت صوری وہ مبادلة المال بالمال ہے (۲): علت مادی وہ ایجاب و قبول اور تعاظمی ہے

(۳): علت فاعلی عاقدین ہے (۴): علت غائی وہ ملکیت اور تصرف ہے

ولم یقل علی سبیل التراضی: مصنف نے بیع کی تعریف میں علی سبیل التراضی کی قید نہیں لگائی جس طرح کہ صاحب کنز نے لگائی ہے تاکہ بیع کرہ بھی بیع کی تعریف میں داخل ہو جائے۔ بیع کرہ بیع تو ہے لیکن صحیح اور بیع نافذ نہیں ہے اسلئے صاحب کنز نے تراضی کی قید کا اضافہ کیا ہے۔

**بیع تعاظمی اشیاء نفیسیہ اور حسیسیہ سب میں جائز ہے:** بیع بالتعاظمی نفیس و حسیس اشیاء دونوں میں جائز اور منعقد ہے یا صرف حسیس اشیاء میں بیع تعاظمی کہتے ہیں بغیر ایجاب اور قبول کے بیع اور ثمن کا لین دین کرنا جسمیں ایجاب و قبول کے الفاظ بالکل نہ ہو بائع میچ دیدیں اور مشتری ثمن دیدے کلام کسی جانب سے نہ ہو تو یہاں ایجاب اور قبول اگرچہ نہیں لیکن معنی بیع پائے گئے ہیں۔ اسلئے یہ بیع درست ہے۔ بیع تعاظمی صحیح قول کے مطابق اشیاء حسیسیہ اور نفیسیہ دونوں میں جائز ہے۔ البتہ امام کرخی کے نزدیک اشیاء حسیسیہ میں جائز اور نفیسیہ میں ناجائز ہے۔ صحیح قول کے مطابق اشیاء نفیسیہ میں جواز کی دلیل یہ ہے کہ عاقدین کی طرف سے باہمی رضامندی پائی گئی ہے اور یہی مقصود ہے اسلئے بیع تعاظمی جائز ہے رضامندی کبھی صراحت ہوگی۔ جیسے ایجاب و قبول میں اور کبھی حکماً ہوگی جیسے تعاظمی میں۔

اشیاء نفیسیہ اور حسیسیہ کی تعریف: اشیاء نفیسیہ وہ ہیں جسکی قیمت زیادہ ہو اور اشیاء حسیسیہ وہ ہیں جس کی قیمت کم ہو۔ بعض کے نزدیک اشیاء نفیسیہ وہ ہیں جسکی قیمت مقدار سرقہ سے زیادہ ہو اور اگر اس کی قیمت مقدار سرقہ سے کم ہو وہ اشیاء حسیسیہ ہیں۔

کیا بیع تعاظمی میں جانبین سے دینا ضروری ہے: بعض کے نزدیک تعاظمی اس وقت ہوگی جبکہ دونوں جانبین سے کلام نہ ہو بلکہ ایک نے بیع حوالہ کر دی دوسرے نے ثمن دیدیا دونوں نے کلام نہ کیا۔ اور بعض کے نزدیک تعاظمی جانب واحد

سے بھی ہو سکتی ہے۔ کہ ایک جانب میں کلام ہو اور دوسری جانب میں کلام نہ ہو۔ جیسے کسی نے بیع کاریت معلوم کیا اور بائع نے اسکو تول کر رکھ دیا اور مشتری کے پاس برتن نہ تھا پھر جا کر برتن لے آیا اور بیع کو اس میں رکھ دیا اور ثمن بائع کے حوالے کیا تو اس صورت میں تعاطی مشتری کی جانب سے ہوئی نہ کہ بائع کی جانب سے اسلئے کہ بائع نے تو ریٹ بنا کر بیع کو لفظوں میں ظاہر کیا۔ یا جیسے کسی نے پوچھا کہ بھائی گندم ایک قفیز کتنے پر ہے بائع نے کہا کہ ایک درہم میں مشتری نے کہا کہ مجھے پانچ قفیز دیدو۔ بائع نے ناپ کر دیا تو یہ تو تعاطی بائع کے جانب سے ہے اسلئے کہ اس نے ایجاب یا قبول الفاظ میں بیان نہیں کیا ہے۔ بہر حال تعاطی میں یہ تو شرط ہے کہ رضامندی جائین سے موجود ہو اگر کوئی راضی نہ ہو تو پھر تعاطی سے بیع صحیح نہ ہوگی۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جائین سے کلام نہ بلکہ اگر ایک جانب سے کلام ہو اور دوسری جانب سے کلام نہ تو وہ بھی بعض کے نزدیک بیع تعاطی میں داخل ہے

کیا احناف کے نزدیک خیار مجلس ثابت ہے؟ جب ایک نے ایجاب کیا تو دوسرے کو اختیار ہے چاہے پوری بیع کو قبول کرے اسی مجلس میں چاہے رد کرے اور یہ خیار خیار مجلس کہلاتا ہے مجلس کے اختتام تک اسکو خیار رہے گا تاکہ اسکی رضا کامل پائی جائے لیکن یہ نہیں کر سکتا کہ بعض بیع کو قبول کریں اور بعض کو رد کرے اسلئے کہ اس سے لازم آتی ہے تفریق الصفقہ قبل التمام لازم تا ہے اور تفریق الصفقہ قبل التمام ناجائز ہے۔ ہاں البتہ ہر ایک کا ثمن الگ الگ ذکر کر دے کہ یہ ایک درہم میں اور دوسرا بھی ایک درہم میں تو اس صورت میں بعض کو قبول کرنا اور بعض کو قبول نہ کرنا جائز ہے اسلئے کہ یہ صفقہ واحدہ نہیں ہے بلکہ صفقات متفرقہ ہیں۔

مالم یقبل بطل الایجاب: جب ایک نے ایجاب کیا اور دوسرے نے قبول نہ کیا دوسرے کے قبول کرنے سے پہلے موجب نے اپنے ایجاب سے رجوع کیا تو یہ رجوع کرنا صحیح ہے اسلئے کہ ابھی تک اس سے کسی کا حق وابستہ نہیں ہوا تو آئیں ابطالی حق غیر لازم نہیں آتا۔ یا ان دونوں میں سے ایک مجلس سے کھڑا ہو یا ہر ایک نے ایسا کام شروع کیا جو اعراض پر دلالت کرتا ہے تو ایجاب باطل ہو گیا۔

واذا وجب المبیع للمبتاع

لا یشب خیار المجلس خلافاً للشافعی رحمه الله۔ ولما ذکر ایجاب والقبول اراد ان یدکر الثمن والمبیع وانما قدم ذکر الثمن لانه وسیلة الی حصول المبیع وهو المقصود والوسائل متقدمة علی المقاصد فقال وصح البیع فی العوض المشار الیه بلا علم بقدره ووصفه لافی غیر المشار الیه فانه حیثئذ لا بد من ان یدکر قدره ووصفه وبشمن حال وای اجل علم وبالشمن المطلق ای

ان لم یذکر صفته بان قبیل بعت بعشرۃ دراہم فان استوت مالیۃ النقود فعلی ما قدرہ من  
ای نوع ای یقع البیع علی عشرۃ دراہم من ای نوع کان ای یعطے المشتري ای نوع شاء وان  
اختلف فعلی الاروج وفسدان استوی رواجها ای فی صورۃ اختلاف مالیۃ النقود الا ان یبین  
احدہا ای احد النقود و هذا استثناء منقطع لان البحث فی البیع بالثمن المطلق فلا یكون حال  
بیان احد النقود من جنس احوال اطلاق الثمن - ثم بعد ذکر الثمن شرح فی ذکر المبیع فقال  
وفی الطعام والحبوب کیلا وجزا فان بیع بغير جنسہ وباناء او حجر معین لم یدر قدرہ۔

ترجمہ: اور جب ایجاب اور قبول پائے گئے تو بیع لازم ہوگی یعنی خیار مجلس کسی کیلئے ثابت نہ ہوگا خلاف ثابت ہے امام شافعیؒ  
کیلئے اسلئے جب مصنف نے ایجاب و قبول ذکر کیا تو ارادہ کیا کہ ذکر کریں ثمن اور بیع کو اور ثمن کا ذکر مقدم کیا اسلئے کہ یہ وسیلہ ہے  
بیع حاصل کرنے کا اور وسائل مقدم ہوتے ہیں مقاصد پر چنانچہ فرمایا: اور صحیح ہے بیع اس عرض میں جو سامنے موجود ہوا اسکی مقدار  
اور وصف کے علم حاصل کئے بغیر نہ اسمیں جو سامنے نہ ہوا اسلئے کہ اس وقت ضروری ہے مقدار اور وصف کا بیان کرنا: اور صحیح ہے بیع  
نقد دام کے ساتھ اور ادھار کے ساتھ جبکہ ادھار کی مدت معلوم ہو۔ اور ثمن مطلق کے ساتھ کہ اسکی صفت بیان نہ کرے اسی طرح  
کہ کہا جائے کہ بیع دیا دس درہم میں اگر نقد کی مالیت برابر ہو تو انداز کرے گا جس نوع سے چاہے یعنی بیع واقع ہوگی دس درہم پر جس  
نوع سے بھی ہو یعنی مشتری دے جس نوع سے چاہے اور اگر نقد مختلف ہو تو پھر جو زیادہ رائج ہے اور اگر رواج میں برابر ہے تو بیع  
فاسد ہے یعنی مالیت مختلف ہونے کی صورت میں ہاں اگر مشتری ایک کو متعین کرے اور یہ استثناء منقطع ہے۔ اسلئے کہ بحث اس بیع  
میں ہے جو ثمن مطلق کے ساتھ ہو تو احد النقود کا حال بیان کرنا مطلق ثمن کے احوال سے نہیں ہے۔

ثمن ذکر کرنے کے بعد بیع کا ذکر شروع کر دیا فرمایا: صحیح ہے بیع کھانے کی چیزوں میں اناج میں ناپ کر یا انکل اگر اپنی جنس  
سے غیر کے ساتھ بیجا جائے معین برتن اور معین پتھر کے ساتھ جسکی مقدار معلوم نہ ہو۔

تشریح: خیار مجلس کی تفصیل: اور جب ایجاب اور قبول پورے ہو گئے تو بیع لازم ہوگی۔ اب کسی کو خیار مجلس  
حاصل نہ ہوگا سوائے خیار عیب اور خیار رویت کے: امام شافعیؒ کے نزدیک ایجاب و قبول کے بعد بھی بائع اور مشتری کیلئے خیار  
مجلس ثابت ہے یعنی ایجاب و قبول کے بعد اگر مجلس میں احد المتعاقبین اس بیع کو ختم کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: لقوله عليه السلام المتبايعان بالخيار مالم يتفرقا۔ اور وہ تفرق سے مراد  
تفرق ابدان لیتے ہیں۔



جبکہ احناف کے نزدیک خیارج مجلس ثابت نہیں۔

احناف کی دلیل دلیل نمبراً باری تعالیٰ کا قول،، یا ایہا الذین امنوا افو بالعقود،، ایفاء عقد لازم ہے اور واجب ہے اور بیع بھی ایک عقد ہے ایجاب و قبول کے بعد اسکی ایفاء لازم ہے۔ خیارج دینے کی صورت میں نص کا ابطال لازم

آتا ہے اور نص کا ابطال درست نہیں

۲: یا ایہا الذین امنوا لاتاکلو اموالکم بینکم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض منکم۔

اور یہ ظاہر ہے کہ ایجاب اور قبول کے بعد اس پر تجارت صادق ہے جب تجارت ہے تو عقد تمام ہونے کے بعد بلا رضاء غیر باطل کرنا ابطال حق غیر ہے۔

۳: وانشہدوا زانبا یعتم: اشہاد برائے توثیق عقد ہوتا ہے تاکہ کوئی انکار نہ کر سکے اور خیارج دینے کی صورت میں اشہاد کا فائدہ باقی نہیں رہتا تو یہ بھی ابطال نص ہے جو کہ ناجائز ہے۔

امام شافعیؒ کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں خیارج سے مراد خیارج قبول ہے۔ کہ ایک نے ایجاب کیا دوسرے

نے ابھی تک قبول نہیں کیا تو ہر ایک کو اختیار ہے کہ عقد تمام کریں یا واپس کریں اور حدیث میں اسکی طرف اشارہ بھی موجود ہے اسلئے کہ المتبايعان اسم فاعل ہے۔ اگر بیع سے پہلے ان کو متبايعان کہا جائے تو یہ مجاز ہے باعتبار ما یکون اور اگر ایجاب و قبول کے بعد متبايعان کہیں گے تو یہ مجاز ہے باعتبار ما کان اور جب ایک نے ایجاب کیا دوسرے نے ابھی تک قبول نہیں کیا تو یہ متبايعان ہیں حقیقہ اور حقیقت پر محمول کرنا اولیٰ ہے۔ اسی طرح ما لم یضرقا میں تفرق سے مراد تفرق احوال ہے نہ کہ تفرق ابدان یعنی ایک نے ایجاب کیا دوسرے نے قبول نہ کیا ہے تو احوال دونوں متفرق نہیں جب ایجاب و قبول ہو گیا تو اب تفرق ہو گیا اب کسی کو خیارج نہیں ہوگا۔

مصنفؒ نے ایجاب و قبول کے بعد ثمن اور بیع کا ذکر شروع فرمایا اور دونوں میں پھر ثمن کا تذکرہ مقدم کیا ہے اسلئے کہ ثمن وسیلہ ہے حصول بیع اور وسائل مقاصد پر مقدم ہوتے ہیں اسلئے ثمن کو مقدم کیا۔

وصح البیع فی العوض المشار الیہ: اور صحیح ہے بیع اس عوض میں جو سامنے موجود ہو اسکی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ اگرچہ اسکی مقدار اور وصف کا علم نہ ہو مثلاً یہ کہے کہ گندم کا یہ ڈھیر مجھے اس رقم کے مقابلے میں دیدو جو یہ میرے ہاتھ میں ہے اس نے قبول کیا تو یہ درست ہے اسلئے کہ مفہمی الی النزاع نہیں ہے لیکن جب عوض سامنے موجود نہ ہو تو اسکا وصف اور مقدار بیان کرنا ضروری ہے تاکہ اعطاء کے وقت نزاع نہ ہو۔

وہنم حال والی اجل علم: بیع صحیح ہے چاہے ثمن فی الحال ادا کرنا ہو یا ادھار ہو لیکن ادھار کی مدت معلوم اور معین ہو۔  
وبالذمّن المطلق: اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں:

(۱) کرنسیوں کی مالیت برابر ہو اور رواج بھی برابر ہو تو بیع درست ہے جس کرنسی کو چاہے ادا کریں۔

(۲) مالیت مختلف ہو اور رواج بھی مختلف ہو جو جس کا رواج زیادہ ہے وہ ادا کریں۔

(۳) رواج برابر ہو اور مالیت مختلف ہو تو اس صورت میں بیع فاسد ہے اسلئے کہ مفہمی الی النزاع ہے مشتری کم قیمت والی کرنسی دیکھا اور بائع زیادہ قیمت والی مانگے گا۔

(۴) رواج برابر ہو مالیت مختلف ہو لیکن ایک کرنسی کو متعین کر دیا کہ فلاں کرنسی دی جائے گی تو بیع صحیح اور وہی کرنسی دینا لازم ہوگا لہذا تین صورتوں میں بیع جائز اور ایک صورت میں فاسد ہے۔

وهذا استثناء منقطع الا ان یبین احدہ اس میں جو استثناء ہے یہ متشقی منقطع ہے متشقی متصل نہیں ہے اسلئے کہ پہلے سے بحث چلی آ رہی کہ بیع جب ثمن مطلق کے ساتھ ہو ایک بھی ثمن اور کرنسی متعین نہ ہو، تو ایک کو جب متعین کر دیا تو متعین چونکہ غیر متعین اور مطلق کی جنس سے نہیں تو متشقی منقطع ہوا نہ کہ متصل

ثم بعد ذکر الثمن شمع فی الذکر المبیع وفی الطعام والحیوب: ثمن ذکر کرنے کے بعد مصنف نے بیع کی بحث شروع فرمادی۔ فرمایا کہ طعام اور اناج بیع جائز ہے چاہے ناپ کر ہو یا انکل کے ساتھ اس شرط پر کہ خلاف الجبس کے ساتھ بیچنا ہو۔ اگر آپس میں ہم جنس چیزوں کا تبادلہ ہو تو انکل اور اندازے سے بیچنا جائز نہیں اسلئے کہ اس میں احتمال ربوا ہے اور احتمال ربوا بھی ایسا ہی حرام ہے جیسے کہ جیسے کہ ربوا حرام ہے اور خلاف الجبس میں اسلئے انکل سے جائز ہے کہ حدیث میں ہے "فاذا اختلف هذه الاصناف فبیعوا کیف شئتم نیز اس صورت میں مقدار کا مجہول ہونا مفہمی النزاع نہیں ہے۔

وبناء او حذر معین: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک معین برتن جسکی مقدار معلوم نہ ہو یا ایک معین پتھر جسکی مقدار معلوم نہ ہو ان کے ساتھ بیع کرنا جائز ہے مثلاً ایک شخص نے 10 روپے دیکر کہا کہ اسکے عوض مجھے ایک بالٹی گندم دیدو اس نے دیدیا تو یہ جائز ہے اگرچہ بالٹی کی مقدار معلوم نہیں یا ایک پتھر اٹھا کر کہا کہ اسکے بقدر مجھے گندم دیدو میں دس روپے دوں گا تو یہ جائز ہے اسلئے کہ یہ مفہمی النزاع نہیں ہے۔ اور ہلاکت نادر ہے۔ یعنی بظاہر یہ بات نادر ہے کہ وہ معین برتن اور معین پتھر بیع کے ناپنے، تولنے سے پہلے پہلے ہلاک ہو جائے کیونکہ یہ تو ہاتھ در ہاتھ بیع ہے برخلاف بیع سلم کے کہ اس میں حواگی بیع یعنی مسلم فیہ کی حواگی ایک مدت کے بعد ہوتی ہے تو اس میں ہلاکت برتن و پتھر کا امکان قوی ہے لہذا بیع سلم مجہول مقدار کے بدلے جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں ہلاکت نادر نہیں ہے

وفى صاع فى بيع صبرة كل صاع بكذا اى اذا قال بعث هذا الصبرة كل صاع بدرهم صح  
 فى صاع واحد وفى كلها ان سمي جملة قفزاتها اى اذا قال بعث هذا الصبرة وهى عشرة  
 اقفزة كل قفيز بدرهم صح فى الكل

وفسد فى الكل فى بيع ثلة او ثوب وكل شاة او ذراع بكذ الان البيع لايجوزا لافى واحد  
 وذلك الواحد متفاوت

وكذا كل معدود متفاوت فان باع صبرة على انها مائة صاع بمائة وهى اقل او اكثر اخذ  
 المشتري الاقل بحصة او فسخ البيع وما زاد للبائع لانه لم يبيع الامائة صاع فالزائد له

وان باع المزروع هكذا اخذ الاقل بكل الثمن او تركه والاكثر له بلا خيار للبائع لان  
 الذرع فى الثوب وصف والمراد بالوصف الامر الذى اذا قام بالمحل يوجب فى ذلك المحل  
 حسناً او قبحاً فالكمية المحضة لا يكون من الاوصاف بل هى اصل لان الكمية عبارة عن قلة  
 الاجزاء او كثرتها والشئ انما يوجد بالاجزاء والوصف ما يقوم بالشئ فلا بد ان يكون موخرا  
 عن وجود ذلك الشئ فالكمية التى تختلف بها الكيفية كالذرع فى الثوب امر يختلف به حسن  
 المزيد عليه فان الثوب اذا كان عشرة اذرع تساوى عشرة دنانيز وان كان تسعة اذرع لاتساوى  
 تسعة دنانيز لانه لايكفى جبة والعشرة تكفى فوجود الذرع الزائد على التسعة يزيد التسعة  
 حسناً فيصير كالاوصاف الزائدة فلا يقابلها شئ من الثمن اى الثمن لا يتقسم على الاجزاء  
 كما يتقسم فى الحنطة فانه اذا كان عشرة اقفزة بعشرة دراهم كان قفيز واحد بدرهم ولا  
 كذلك فى الثوب فاذا باع عشرة اذرع كما فى مسالتنا لا ياخذ به تسعة بل ان شاء اخذ وان  
 شاء فسخ وان كان زائداً كان للمشتري فانه باع هذا الثوب فوجد المشتري امر غوباً كان  
 للمشتري كما اذا اشترى عبداً فوجده كاتباً وان قال كل ذراع بدرهم اخذ الاقل بحصة او

ترك وكل الاكثر كل ذراع بدرهم او فسخ لانه افرد كل ذراع بدرهم فلا بد من رعاية هذا  
 المعنى - واعلم ان المسألة فيما اذا باع ثوباً على انه عشرة اذرع بعشرة دراهم كل ذراع بدرهم  
 فاذا هو تسعة اذرع او احد عشر ذراعاً حتى لو كان تسعة ونصفاً او عشرة ونصفاً فحكمه ليس  
 كذلك على ما سياتى فى هذه الصفحة -

وصح بیع عشرۃ اسہم من مائۃ سہم لا بیع عشرۃ اذرع من مائۃ ذراع من دار هذا عندابی حنیفۃ وقالصح فی الوجہین لانہ باع عشرامشاعامن الدارولہ ان فی الثانی المبیع محل الذراع وهو معین مجہول لا مشاع بخلاف السہم۔

ترجمہ: اور بیع صحیح ہے ایک صاع میں ایک ڈھیر سے جب کہا کہ ہر ایک صاع اتنے میں۔ جب کہا کہ میں نے بیچ دیا اس ڈھیر کو ہر ایک صاع ایک درہم کے عوض۔ تو صحیح ہے ایک صاع میں اور سب میں صحیح ہے جب کہ ڈھیری کے تمام قفیزوں کو بیان کرے۔ یعنی اس طرح کہے کہ میں نے اس ڈھیری کو بیچ دیا اور یہ دس قفیز ہے ہر ایک قفیز ایک درہم میں تو سب میں صحیح ہو جائے گی۔ اور سب میں بیع فاسد ہے بکریوں کے ریوڑ یا کپڑا بیچنے میں کہ ہر ایک بکری یا گز اتنے میں۔ اس لئے کہ بیع جائز نہیں مگر ایک میں اور وہ بھی مختلف ہے۔ اور اس طرح ہر عددی متفاوت چیز ہے۔ اگر کسی نے اناج کی ایک ڈھیری بیچ دی۔ اس شرط پر کہ وہ سو صاع ہے سو روپے میں اور وہ سو سے کم نکل آئی یا زیادہ تو مشتری لے لے کم اسکے حصے کو بقدر یا بیع فتح کر دے۔ اور جو زیادہ ہے وہ بائع کا ہے اسلئے کہ اس نے صرف سو صاع بیچا ہے تو زیادہ اسکی ہوگی۔ اور اگر کسی نے کپڑے کے تھان کو اس طرح بیچا تو کم نکل آنے کی صورت میں مشتری کل ٹمن کیساتھ لے یا چھوڑ دے اور زیادہ نکل آنے صورت میں مشتری کا ہوگا۔ بائع کا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ اسلئے کہ گز کپڑے میں وصف ہے اور مرد و صف وہ چیز ہے۔ کہ جب وہ کسی محل کے ساتھ قائم ہو تو اس محل میں حسن پیدا کر دے یا فتح۔ تو مقدار محض اوصاف میں سے نہیں ہے بلکہ یہ اصل ہے اسلئے کہ کیت اور مقدار عبارت ہے قلت اجزاء اور کثرت اجزاء سے اور شیء اجزاء کیساتھ موجود ہوتی ہے۔ اور وصف وہ جو کسی شیء کیساتھ قائم ہو تو ضروری ہے کہ اسکا وجود اس شیء کے وجود سے مؤخر ہو: تو وہ کیت جس سے کیفیت مختلف ہوتی ہے جیسے گز کپڑے میں یہ ایک ایسا امر ہے کہ اس سے مزید علیہ کا حسن مختلف ہوتا ہے۔ اسلئے کہ کپڑا جب دس گز کا ہو تو وہ دس دینار کے برابر ہے لیکن اگر وہ نو گز ہو جائے تو نو دینار کے برابر نہیں اسلئے کہ وہ جبہ کیلئے کافی نہیں ہے اور دس گز کافی ہے تو جو گز نو پر زائد ہے اس نے نو میں حسن پیدا کر دیا تو یہ اوصاف زائدہ کے مانند ہو گیا تو اس کے مقابلے میں ٹمن نہیں ہوگا۔ یعنی ٹمن اجزاء پر منقسم نہیں ہوتا جس طرح گندم میں اجزاء پر منقسم ہوتا ہے۔ اسلئے کہ جب وہ دس قفیز ہو تو دس درہم کے برابر ہے تو ایک قفیز ایک درہم میں ہوگا۔ وہ کپڑا اس طرح نہیں ہے اسلئے کہ جب بیچا دس گز دس روپے میں اور کپڑا نو نکل آیا۔ جس طرح کے ہمارے مسئلے میں تو وہ نو میں نہیں لے گا بلکہ اگر چاہے تو دس میں لے لیں اور اگر چاہے تو بیع فتح کر دے اور اگر زیادہ ہو تو مشتری کا ہوگا۔ اسلئے کہ اس نے یہ کپڑا بیچا ہے اور مشتری نے اس میں ایک وصف پسندیدہ پایا ہے تو وہ مشتری کا ہوگا جیسے کوئی غلام خرید لے اور اسکو کا تب پالے۔

اور اگر کہا کہ ہر ایک گز ایک ایک درہم میں تولے گام کو اسکے حصے کو بقدر یا چھوڑ دے۔ اور زیادہ پورا کا پورا ہر ایک گز ایک درہم میں یا فتح کر دے اسلئے کہ الگ الگ ذکر کیا ہے ہر ایک گز کو ایک درہم کے عوض میں۔ تو اس معنی کی رعایت ضروری ہے۔ جان لو کہ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے۔ کہ جب بیچ دیا کپڑا اس شرط پر کہ دس گز ہے دس درہم میں۔ اور وہ نو گز نکل آیا گیا۔ اگر ساڑھے نو نکل آیا یا ساڑھے دس، تو اسکا حکم یہ نہیں ہے جیسے بعد میں آئے گا۔

اور صحیح ہے دس حصوں کا سو حصوں میں سے نہ بیچ دس گز کی سو گز میں سے گھر میں یہ حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ صحیح ہے دونوں صورتوں میں اسلئے کہ اس نے بیچا ہے دس گز مشاع کو گھر سے اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ ثانی میں بیچ محل ذراع ہے اور وہ معین مجہول ہے نہ کہ مشاع اور یہ بہم کے خلاف ہے۔

**تشریح** ڈھیر سے ایک صاع کو فروخت کرنا: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اناج کا ایک ڈھیر یہ کہہ کر فروخت کر دیا کہ ہر ایک صاع ایک درہم کے عوض میں ہے تو حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک صاع میں بیچ صحیح ہے اور باقی ڈھیر میں فاسد ہے۔ ہاں اگر اسی مجلس عقد میں تمام قفیروں کی مقدار بیان کر دی گئی یا کیل کیا گیا تو تمام میں بیچ صحیح ہو جائے گی۔ اور حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں پوری ڈھیر کی بیچ صحیح ہے خواہ تمام قفیروں کی مقدار بیان کی گئی ہے یا بیان نہ کی گئی ہو

- حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ اسمیں جو مقدار کی جہالت ہے اسکا ازالہ ان کے ہاتھوں میں ہے کہ فی الحال کیل کر کے معلوم کر لیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ کی دلیل: حضرت امام صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اسمیں بیچ کی مقدار مجہول ہے کہ وہ کتنی ہے لہذا تمام قفیروں میں ناجائز ہے اور ایک قفیروں میں اسلئے جائز ہے کہ وہ ایک تو متعین اور معلوم ہے۔ برخلاف اسکے کہ تمام قفیروں کی مقدار بیان کرے تو اسمیں جہالت مقدار باقی نہیں رہی تو پھر کل میں جائز ہے۔

ایک ریوڑ سے ایک بکری کی بیچ جائز نہیں: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے بکریوں کا ایک ریوڑ بیچا یہ کہہ کر کہ ایک بکری ایک درہم میں یا کپڑے کا ایک تھان کہ ایک گز ایک درہم میں۔ تو حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ فاسد ہے ایک بکری اور ایک گز میں بھی اور جمع میں بھی۔ اور اسی طرح اسمیں داخل ہے ہر وہ چیز جو عدد کے ساتھ بیچی جاتی ہے اور اسکے افراد میں تفاوت کثیر ہو جیسے خر بوزے وغیرہ۔

حضرات صاحبین کے نزدیک اس صورت میں دلیل یہ ہے کہ جہالت کا دور کرنا خود ان کے ہاتھوں میں ہے کہ فی الحال ریوڑ کو شمار کرے اور کپڑے کو گز کرے یا مقدار بیان کرے۔ یہ تپورے کی بیع جائز ہو جائے گی۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: یہ ہے کہ گلے کی مقدار اور تھان کے گزوں کی مقدار کے نامعلوم ہونے کی بناء پر تو ریوڑ اور پورے تھان میں بیع صحیح ہے تو صرف ایک فرد کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ اور وہ فرد واحد بھی تفاوت کی وجہ سے متعین نہیں ہو سکتا اسلئے کہ مفصلی الی النزاع ہے مشتری اس سے موٹی اور قستی بکری لینا چاہے گا۔ بائع دہلی اور کم قیمت والی حوالہ کریگا تو نزاع ہوگا

یاد رہے کہ کپڑے کے تھان کے افراد میں تفاوت یہ اس وقت ہے کہ ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا ہو جیسے پہلے ہوتا تھا لیکن اگر ایک میل یا کارخانے کا بنا ہوا کپڑا ہو اور اس کے افراد میں یہ تفاوت نہ ہو جیسے آج کل تو اس کا حکم یہ نہیں بلکہ کیلی، مثلی، اشیاء کی طرح ہے لہذا ایک فرد میں بھی بیع جائز نہ ہوگی برخلاف گندم کے ڈھیر کے۔ کہ اسکے افراد میں تفاوت نہیں تو ایک صاع میں بیع جائز ہے۔

ڈھیر بیان کردہ مقدار سے کم یا زیادہ نکلے تو: اگر بائع نے یوں کہا کہ ڈھیر سو صاع ہے سو روپے میں اور کم نکل آئے یعنی نانویں نکل آئے تو مشتری نانویں روپے میں لے گا یا بیع فسخ کرے گا اسلئے کہ وصف مرغوب فوت ہو اور اگر ایک سو ایک نکلے تو زیادہ بائع کو واپس کرے گا اسلئے کہ اس نے صرف سو صاع بیچا ہے لہذا جو زائد ہوا وہ اسی کا حق ہے۔

**وان باع المزروع هكذا:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک کپڑا اس شرط پر خریدا کہ یہ دس گز ہے دس روپے میں لیکن جب اسکو ناپا تو وہ بیان کردہ گزوں سے کم نکلا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے اس کم کو پورے ثمن کے عوض لے لیں یا بیع فسخ کر دے اور اگر وہ کپڑا دس گز سے زیادہ نکل آیا یعنی گیارہ گز تو مشتری پھر بھی دس روپے میں لے گا اور بائع کو اختیار نہ ہوگا اسلئے کہ زراع کپڑے میں وصف ہے اور اوصاف کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا اسلئے کہ زراع طول اور عرض کا نام ہے اور طول اور عرض اوصاف کے قبیل سے ہیں تو اوصاف کے کم یا زیادہ ہونے سے اصل ثمن میں کمی یا زیادتی نہیں ہوتی۔

وصف اور اصل کی تعریف: شارح فرماتے ہیں کہ وصف کس چیز کو کہتے ہیں؟ وصف کی تعریف یہ ہے کہ۔۔۔۔۔

(۱) کہ جب وہ کسی محل کیساتھ قائم ہو تو اس محل میں حسن یا قبح پیدا کر دے اور اگر کسی چیز کے اضافہ سے محل میں حسن یا قبح پیدا نہ ہو وہ وصف نہیں بلکہ اصل ہے جیسے وزن اور کیل۔

(۲) جس چیز میں جمعیت اور تشخیص سے عیب پیدا ہوتا ہے تو اس میں زیادہ اور نقصان وصف ہے اور جسمیں جمعیت اور تشخیص سے

عیب پیدا نہیں ہوتا اسمیں زیادہ اور نقصان وصف نہیں بلکہ اصل ہے۔

(۳) وصف وہ ہے جس کے وجود کیلئے تاثیر ہو تقویم غیر میں اور عدم کیلئے تاثیر ہو نقصان غیر میں اور اصل وہ ہے جو ایسا نہ ہو۔

(۴) جس چیز کے فوت ہونے سے باقی بیع کی قیمت کم ہو جاتی ہے وہ وصف ہے اور جس چیز کے فوت ہونے سے باقی بیع کی قیمت کم نہیں ہوتی وہ اصل ہے۔ تو ذرا ع ایسا ہے کہ اس کے فوت ہونے سے باقی کپڑے کی قیمت کم ہو جاتی ہے لہذا ذرا ع وصف ہے ثوب میں۔

**فالكمية المحضه:** شارح فرماتے ہیں۔ کیت اور مقدار جو مخصوص کر کے بیان کیا جائے تو اس وقت یہ کیت عبارت

ہے قلت اجزاء اور کثرت اجزاء سے اور شئی اپنے اجزاء کیساتھ موجود ہوتی ہے۔ اور وصف شئی کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور شئی سے موخر ہوتا ہے اور ایک ہے وہ کیت جس سے کیفیت مختلف ہوتی ہے جیسے ذرا ع کپڑے میں ایسی کیت ہے اسکی وجہ سے کپڑے میں حسن یا قبح پیدا ہوتی ہے لہذا یہ کیت وصف ہے اسلئے کہ کپڑا جب دس گز ہے تو یہ دس دراہم کے برابر ہے لیکن جب نو گز ہو تو نو دراہم کے برابر نہیں اسلئے کہ دس گز تو مقصود یعنی سوٹ وغیرہ کیلئے کافی ہے۔ لیکن نو گز مقصود کیلئے کافی نہیں تو وہ نو روپے کے برابر بھی نہیں لہذا جو ذرا ع نو پر زیادہ ہے اس نے نو میں حسن پیدا کر دیا تو یہ وصف ہے اور وصف میں ثمن اجزاء پر منقسم نہیں ہوتا جیسے حطہ میں اجزاء پر منقسم ہوتا ہے اسلئے کہ حطہ میں کیل بمنزلہ عین ہے اور ثمن عین پر منقسم ہوتا ہے نہ کہ اجزاء پر۔ لہذا کپڑا اگر کم نکلا نو دس درہم میں لے لیں یا بیع فتح کر دے۔ اور اگر زیادہ نکلا تو بلا اختیار اسلئے کہ اسمیں مشتری کا فائدہ ہے وہ ایسا ہے جیسے کہ کسی نے غلام خریدا کہ وہ ان پڑھ ہے لیکن وہ کاتب نکلا تو وہ مشتری لے گا بلا اختیار۔

**وان قال کل ذراع بدرهم:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دس گز کپڑا بیچا اس شرط پر کہ یہ دس گز ہے

دس روپے میں۔ ایک گز ایک روپے میں اور پھر وہ کپڑا کم نکلا تو مشتری اسکو لے گا اسکے بقدر ثمن کے ساتھ اور اگر زیادہ نکلا تو اسکے بقدر ثمن کے ساتھ لے گا وجہ اسکی یہ ہے کہ جب اس نے ہر گز کو الگ الگ ذکر کیا اور ہر ذراع کے مقابلے میں ثمن ذکر کر دیا تو اب وہ ذراع وصف نہیں بلکہ اصل ہو گیا ایک ذراع بمنزلہ ایک کپڑے کا ہو گیا اور کپڑے کے مقابلے میں ثمن ہوتا ہے لہذا کی یا زیادتی کی صورت میں ثمن بھی کم یا زیادہ ہوگا۔ اور دونوں صورتوں میں مشتری کو اختیار ہوگا لینے کا اور فتح کرنے کا تاکہ اس پر ضرر لاحق نہ ہو جائے۔

شارح فرماتے ہیں یہ مسئلہ اس وقت ہے جب کپڑا پورا نو گز یا پورا دس گز نکلا اگر ساڑھے نو یا ساڑھے دس نکلا تو اسکا مسئلہ بعد میں آنے والا ہے۔

گھر سے دس گز کی بیع جائز نہیں اور دس حصوں کی بیع جائز ہے: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو کہا کہ میں نے آپ کو اس گھر کے سوحصوں میں سے دس حصے بیچ دئے۔ تو بیع درست ہے اور اگر یوں کہا کہ سو گز میں سے دس گز بیچ دیئے تو یہ صحیح نہیں

یہ حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں بیع جائز ہے دلیل یہ ہے کہ سو گزوں میں سے دس گز بیچنا عشر الدار ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے سوحصوں میں سے دس حصے بیچنا اور جب وہ جائز ہے تو یہ بھی جائز ہونا چاہئے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ ذراع اس پیمانے اور آلے کا نام ہے جس سے کسی چیز کو ناپا جاتا ہے یہاں اس کا مراد لینا تو ناممکن ہے کیونکہ بیع آلہ نہیں بلکہ مکان کا ایک حصہ ہے تو مجازاً وہ محل مراد ہوگا جسکو ناپا جاتا ہے اور وہ محل معین ہے نہ کہ مشاع لیکن معین ہونے کے باوجود مجہول بھی ہے کہ وہ دس گز کس جانب ہے اور گھر کے جوانب قیمت میں مختلف ہوتی ہیں۔ مشتری وہ حصہ مانگے گا جو زیادہ قیمت والا ہے اور بائع وہ حصہ دیگا جو کم قیمت والا ہے تو مفصی الی النزاع ہوگا اور جو عقد مفصی الی النزاع ہو وہ فاسد ہوتا ہے۔ برخلاف دس حصوں کے کہ وہ غیر معین ہیں مشاع ہیں مشتری و بائع گھر کے ہر حصے میں مشترک ہیں اور اپنے حصوں کے بقدر مکان سے نفع اٹھائیں گے تو مفصی الی النزاع نہیں ہے۔

ولا بیع عدل انه عشرة اثواب وهو اقل او اکثر لانه اذا كان اقل لا یدری ثمن مالیس  
بموجود فیکون حصۃ الموجود مجهولة وان کان اکثر لایکون المبیع معلوما ولو بین لکل ثمن  
صح فی الاقل بقدره وخیر وفسد فی الاکثر لان المبیع مجهول۔

ترجمہ: اور صحیح نہیں بیع ایک ٹک کی اس شرط پر کہ وہ دس کپڑے ہیں اور وہ کم نکلے یا زیادہ اسلئے کہ جب کم نکلے تو معلوم نہیں اسکا ثمن جو موجود نہیں تو موجود کا حصہ بھی مجہول ہو گیا اور اگر زیادہ ہو تو بیع معلوم نہیں اور اگر بیان کر دیا ہر ایک کا ثمن تو صحیح ہے کم میں اسکے بقدر اور فاسد ہے زیادہ میں اسلئے کہ بیع مجہول ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے کپڑوں کا ایک ٹک خرید اس شرط پر کہ اس میں دس تھان ہیں دس روپے میں اور ہر تھان کا علیحدہ علیحدہ ثمن بیان نہیں کیا پھر وہ نو تھان نکلے یا گیارہ دونوں صورتوں میں بیع فاسد ہے کیونکہ نو تھان نکلنے کی صورت میں ثمن مجہول ہے اور گیارہ تھان نکلنے کی صورت میں بیع مجہول ہے۔ نو تھان نکلنے کی صورت میں ثمن اسلئے مجہول ہے کہ ایک تھان جو غائب ہے اسکا ثمن کم کرنا ہے لیکن اسکا ثمن مجہول ہے اسلئے کہ ہر تھان کا ثمن بیان نہیں کیا گیا تو معلوم نہیں ہے



کہ وہ ادنیٰ ہے یا متوسط یا عمدہ۔ اب ہم کس اعتبار سے ثمن کم کریں۔ تو ثمن مجہول ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے۔ اور گیارہ نکلے کی صورت میں بیع اسلئے مجہول ہے کہ ایک تھان جو زیادہ آیا ہے وہ بیع نہیں اسکو واپس کرنا ہے لیکن اب معلوم نہیں کہ کس کو واپس کریں؟ ادنیٰ، عمدہ یا متوسط تو اس ایک کے مجہول ہونے کی وجہ سے باقی بیع بھی مجہول ہے اور جب بیع مجہول ہو تو بیع فاسد ہوتی ہے۔

اور اگر ہر ایک تھان کا ثمن بیان کریں کہ نگ دس روپے میں آسمیں دس تھان ہے اور ہر ایک تھان ایک روپے میں اور پھر نو نکلے تو آسمیں بیع جائز ہے اسلئے کہ جو غائب ہے اسکا ثمن معلوم ہے کہ ایک روپیہ ہے جب وہ معلوم تو باقی ثمن بھی معلوم ہے جو کہ نو روپے ہیں۔

اور مشتری کو اختیار ہوگا لینے اور نہ لینے کا اسلئے کہ تفریق الصفہ قبل التمام ہو گیا اور اگر گیارہ تھان نکلے تو بیع فاسد ہوگی اسلئے کہ بیع مجہول ہے تو باقی بھی مجہول رہے گی لہذا اس صورت میں بیع فاسد ہے۔

وفی بیع ثوب علی انه عشرة اذرع کل ذراع بدرہم اخذ بعشرة فی عشرة ونصف بلا

خیار وبتسعة فی تسعة ونصف ان شاء وقال ابو یوسف رحمہ اللہ ان شاء اخذ باحد عشر

فی الاول وبعشرة فی الثانی وقال محمد ان شاء اخذ بعشرة ونصف فی الاول وبتسعة

ونصف فی الثانی لان من ضرورة مقابلة الذراع بالدرہم مقابلة نصفه بنصفه ولا بی یوسف انه

لما افرد کل ذراع ببذل نزل کل ذراع منزلة ثوب وقد انتقص ولا بی حنیفة ان الذراع وصف

وانما اخذ حکم المقدار بالشروط وهو مقید بالذراع ففر الاقل عادا لحکم الی الاصل۔

ترجمہ: اور کپڑا اس شرط پر کہ وہ دس گز ہے دس درہم پر ہر ایک گز ایک درہم میں تو لے گا دس روپے میں جبکہ ساڑھے دس گز نکلے بغیر خیار کے۔ اور نو روپے میں جبکہ ساڑھے نو گز نکلے اگر چاہے اور امام ابو یوسف نے فرمایا اگر چاہے تو پہلی صورت میں گیارہ روپے میں لے لیں اور دوسری صورت میں دس روپے میں۔ اور امام محمد نے فرمایا اگر چاہے تو ساڑھے دس میں لے لیں اول میں اور ساڑھے نو میں لے لیں ثانی میں اسلئے کہ جب ذراع درہم کے مقابلہ میں ہے تو نصف ذراع نصف درہم کے مقابلہ میں ہوگا۔

امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ جب الگ ذکر کیا ہر گز بدل کے مقابلہ میں تو ہر ایک گز ایک کپڑے کے مانند ہو گیا اور کپڑا کم نکلا امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ ذراع وصف ہے اور مقدار کا حکم شرط کی وجہ سے حاصل کیا تھا اور شرط ذراع کے ساتھ مقید

ہے تو کم کی صورت میں حکم اصل کی طرف لوٹے گا۔

**تشریح:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی نے ایک تھان اس شرط پر خریدا کہ وہ دس گز ہے دس روپے میں ایک گز ایک روپے میں اور وہ ساڑھے نو یا ساڑھے دس گز نکلا۔ تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ زیادتی کی صورت میں مشتری دس درہم میں لے گا اور لینے اور نہ لینے کا اختیار نہیں ہوگا بلکہ لینا ضروری ہوگا اور کم نکلنے کی صورت میں مشتری نو روپے میں لے گا اور لینے یا نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہ ہے کہ زیادتی کی صورت میں گیارہ روپے اور کمی کی صورت میں نو روپے میں لے گا۔ دونوں صورتوں میں مشتری کو لینے یا نہ لینے کا اختیار ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک زیادتی کی صورت میں ساڑھے دس روپے میں اور کمی کی صورت میں ساڑھے نو روپے میں لے گا۔

**دلائل:** حضرت امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب ایک گز کے مقابلے میں ایک درہم ہے تو نصف گز کے مقابلے میں نصف درہم ہوگا اور ربع گز کے مقابلے میں ربع درہم ہوگا۔ تو صورت اول میں ساڑھے دس میں لے گا اور صورت ثانی میں ساڑھے نو میں صورت اول میں صفہ کم ہو گیا تو پھر بھی مشتری کو اختیار دیا جائیگا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ کل ذراع بدرہم کہہ کر جب ہر گز کے مقابلے میں ثمن ذکر کر دیا گیا تو اب ذراع وصف نہ رہا بلکہ اصل ہو گیا اور دس ذراع ہنز لہ دس تھان کے ہو گئے پس زیادتی کی صورت میں مشتری نے گویا کہ گیارہ تھان خریدے ہیں مگر گیارہواں تھان کچھ کم نکلا نقصان کی صورت میں گویا کہ دس تھان خریدے تھے۔ مگر دسواں تھان کچھ کم نکلا اور ذراع کے کم ہونے سے ثمن میں کمی نہیں آتی اسلئے پورے ذراع کا ثمن لازم ہوگا۔ یعنی پہلی صورت میں گیارہ اور دوسری میں دس لازم ہوں گے اور مشتری کو دونوں صورتوں میں اختیار ہوگا۔ دونوں صورتوں میں اگرچہ نصف ذراع زیادہ ہوا لیکن ثمن بھی زیادہ ہوا تو زیادتی کا ضرر بھی شامل ہے تو اختیار ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ذراع اصل میں وصف ہے اور وصف کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا لیکن کل ذراع بدرہم کی شرط کیساتھ اس نے اصل کا حکم لے لیا اور شرط مقید ہے ذراع کیساتھ اور نصف ذراع چونکہ ذراع نہیں ہے اسلئے نصف ذراع وصف ہوگا اور وصف کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا لہذا دس یا نو پر جو نصف ذراع زیادہ ہوا اسکے مقابلے میں ثمن نہیں ہوگا۔ زیادتی کی صورت میں مشتری کو اختیار نہیں ہوگا اسلئے کہ اس میں مشتری کا نفع ہے اور نقصان کی صورت میں صفہ بدل گیا ہے

وصف مرغوب فوت ہوا ہے تو نقصان کی صورت میں اختیار ہوگا، آج کل عمل حضرت امام محمدؑ کے قول پر ہے صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ یہ اختلاف اس کپڑے اور تھان میں ہے جسکی جوانب متفاوت ہو لیکن اگر کپڑے کی جوانب متفاوت نہ ہو جیسے آج کل مشینوں سے بنا ہوا کپڑا تو ہمیں زیادتی اگر آجائے تو مشتری کیلئے حلال نہیں بلکہ بائع کو واپس کرنا ہوگا۔

وصح بیع البر فی سنبلہ والباقلی والارزوالمسمس فی قشرها بیع البر فی سنبلہ یجوز عندنا وعن الشافعی قولان وبيع الباقلی الاخضر لا یجوز عنده والجوز واللوز والفسق فی قشرها الاول انما قال فی قشرها الاول لان فيه خلاف الشافعی اما فی قشرها الثاني فیجوز اتفاقاً وبيع ثمره لم۔

ترجمہ: صحیح گندم کا بچنا اپنے خوشوں میں اور لوبیا، چاول، تل کا اپنے چھلکوں میں گندم کے بیج خوشوں میں جائز ہے ہمارے نزدیک اور امام شافعیؒ سے دو قول ہیں۔ سبز لوبیے کی بیج خوشوں میں جائز نہیں ان کے نزدیک جائز ہے اخروٹ، بادام، پستے کی بیج اپنے پہلے چھلکے میں پہلے والے چھلکے میں امام شافعیؒ خلاف ثابت ہے اب رہا دوسرے چھلکے میں تو جائز بالاتفاق۔

**تشریح:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے گندم کو خوشوں کے اندر بیچ دیا تو ہمارے نزدیک یہ بیج درست ہے اسلئے کہ خوشی فی نفسہ بھی اور اسکے اندر جو گندم ہے وہ بھی مال ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس بارے میں دو قول ہیں۔

(۱): قول جدید میں اس طرح بیج جائز نہیں اسلئے کہ مال مستور ہے معلوم نہیں کہ ہے بھی یا نہیں

(۲): قول قدیم میں اس طرح کی بیج جائز ہے

ہماری دلیل حدیث ہے انه علیہ السلام نہی عن بیع السنبل حتیٰ یبیض جب تک پک نہ جائے تو جائز نہیں لیکن جب پک جائے تو پھر جائز ہے چاہے خوشوں میں ہو یا بغیر خوشوں کے۔ اور سبز لوبیا کے بارے میں امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ یہ بیج جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں بیج معدوم ہے لیکن احناف فرماتے ہیں کہ مال منتفع بہ ہے لہذا بیج جائز ہے۔

اخروٹ وغیرہ کی بیج چھلکوں میں جائز ہے اسلئے کہ یہ چیزیں چھلکوں کے بغیر پائی ہی نہیں جاتی

فی قشرها الاول اسلئے فرمایا کہ امام شافعیؒ کا اختلاف قشر اول میں ہے جو سب سے اوپر والا چھلکا ہوتا ہے تو قشر ثانی جو مغز کے ساتھ متصل ہے کیونکہ ہمیں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

یبد صلاحها او قد بدأ ویجب قطعها وشرط ترکها علی الشجر یفسد البیع کا استثناء

قدر معلوم منها ای باع الثمر علی النخیل واستثنی قدر معلوما لا یجوز البیع لانه ربما لا

یبقے شیء بعد المستثنی واجرة الکیل والوزن والعدد والذرع علی البائع۔

ترجمہ: اور پھل کا بیچنا جسکی صلاح ظاہر نہ ہوئی ہو یا صلاح ظاہر ہوئی ہو یہ جائز ہے اور واجب ہے اسکا توڑنا اور درختوں پر رہنے کا شرط لگانا اسکو فاسد کر دیتا ہے جیسے کہ مقدار معلوم کا استثنا کرنا یعنی بیچ دیا پھل درختوں پر اور مقدار معلوم کا استثنا کیا یہ بیچ جائز نہیں اسلئے کہ بسا اوقات مستثنیٰ کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔

تشریح: پھل کی بیع کی مختلف صورتیں: صلاح کے ظاہر ہونے سے مراد ہمارے نزدیک پھل کا آندھی وغیرہ کے آفات سے محفوظ ہونا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک بدو الصلاح سے مراد مٹھاس کا شروع ہونا ہے۔ درختوں پر پھلوں کے بیچنے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱): یہ کہ ظہور ثمر سے پہلے بیچ کرنا کہ ابھی تک پھل ظاہر ہی نہیں ہوا ہو

(۲): ظہور ثمر کے بعد: کہ پھل درختوں پر ظاہر ہوا ہے پہلی صورت تو بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ بیع معدوم ہے اور دوسری میں یا صلاح ظاہر ہوئی ہوگی یا نہیں۔

اگر صلاح ظاہر ہوتی تو بالاتفاق جائز ہے اور اگر صلاح ظاہر نہیں ہوئی تو احناف کے نزدیک جائز ہے اسلئے کہ یہ پھر بھی مال متفق بہ ہے یا فی الحال یا فی المسأل اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے

انه علیه السلام نهى عن بيع الثمر حتى يبدو صلاحها:

دوسری دلیل یہ ہے کہ بیع مال متقوم کیساتھ مخصوص ہے اور صلاح ظاہر ہونے سے پہلے پھل مال متقوم نہیں اسلئے بدو صلاح سے پہلے بیع ناجائز ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ پھل مال متقوم ہے کیونکہ صلاح ظاہر ہونے کے بعد فی الحال متفق بہ ہے اور اگر صلاح ظاہر نہیں ہوئی تو آئندہ چل کر متفق بہ ہو جائیگا اور جو چیز قابل انتفاع ہو وہ مال متقوم ہوتی ہے اور مال متقوم کی بیع جائز ہے اسلئے مذکورہ دونوں صورتوں میں بیع جائز ہے۔

حدیث مذکورہ کا جواب یہ ہے کہ حدیث باب محمول ہے اس پر کہ درخت پر چھوڑنے کی شرط لگائی ہو یا یہ کہ بیع مسلم اس طریقے سے کہ صلاح ظاہر نہ ہوئی ہو جائز نہیں اور قرینہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں حضور ﷺ نے فرمایا

"ارأیت ان منع الله الثمرة فبم يستحل احدكم مال اخيه"

کہ جب پھل ہی نہ ہو جائے تو تم اپنے بھائی کا مال کس طرح حلال سمجھ کر کھاؤ گے اور یہ بات بیع مسلم میں ہی ہو سکتی ہے کیونکہ بیع

سلم میں بیع ادھار ہوتی ہے تو صلاح ظاہر ہونے سے پہلے بیع سلم جائز نہیں تو اس مطلق بیع کی صورت میں قبل بدو صلاح کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

ووجب قطعها الخ: مسئلہ کی وضاحت: اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں۔

(۱): بشرط القطع: کہ بائع بیع کے وقت یہ شرط لگا دے کہ مشتری اسکو کاٹ لیے گا یہ صورت جائز ہے بالاتفاق۔

(۲): بیع بشرط الترتک: کہ بائع مشتری بیع تو ابھی کر لیں اور عقد بیع میں یہ شرط لگائیں کہ پکنے تک درخت پر رہے گا یہ صورت ناجائز ہے بالاتفاق۔

(۳): مطلق عن الشرط: کہ بیع تو ابھی کر لیں اور قطع یا ترک کی کوئی شرط وقت عقد میں نہ لگائی جائے تو ایسی بیع کو مطلق

عن الشرط القطع والترتک کہتے ہیں یہ صورت جائز ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسکی مزید تفصیل حدایہ میں اور تقریر ترمذی (حضرت مفتی محمد تقی عثمانی) میں دیکھی جائے۔

استثناء قدر معلوم: مصنفؒ نے بشرط الترتک کی عدم جواز کی تشبیہ دی ہے استثناء مقدار معلوم کیساتھ۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے باغ بیچا اور اپنے لئے ارطال معلومہ کا استثناء کر لیا کہ اس باغ میں سے ایک من پھل بائع کا ہوگا اور بقایا مشتری کو بیچ دیا تو یہ صورت جائز نہیں اسلئے کہ بسا اوقات مستثنیٰ کے بعد کوئی چیز ہی باقی نہیں رہتی تو مشتری کو کیا دیا گیا یہ حسن ابن زیاد کی روایت حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اور امام طحاوی کا بھی یہی قول ہے لیکن ظاہر الروایت میں ہے کہ یہ استثناء کرنا صحیح ہے اسلئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کا علیحدہ بیچنا صحیح ہو اسکا استثناء بھی صحیح ہے اور معین پھلوں کا باغ کے بغیر بیچنا صحیح ہے تو استثناء بھی صحیح ہے۔

واجبة الكيل والوزن والعدد والذرع على البائع واجرة وزن الثمن وتقده على المشتري وفي بيع

سلعة بثمن سلم هو اولاً وفي غيره سلماً معاً أي في بيع السلعة بالثمن أي بالدراهم أو الدينار سلم

الثمن أولاً لان السلعة يتعين بالبيع والدراهم والدينار لا يتعين الا بالتسليم فلا بد من تعيينه لئلا يلزم

الربوا وفي غيره أي في بيع السلعة بالسلعة وهو بيع المقايضة وفي بيع الثمن بالثمن أي الصرف سلماً

معاً لتساويهما في التعيين وعدمه۔

ترجمہ: اور ناپنے، وزن کرنے، اور گننے، اور کپڑا ناپنے کی مزدوری بائع پر ہوگی۔ اور قیمت کے وزن کرنے اور پرکھنے کی

مزدوری مشتری پر ہوگی۔ سامان کو قیمت کے بدلے میں خریدنے وقت ثمن پہلے حوالہ کرے گا۔ اور اس کے غیر میں دونوں ایک

ساتھ حوالہ کریں گے۔ یعنی سامان کو دراہم یا دنانیر کے بدلے بیچنا ہو۔ تو ثمن پہلے حوالہ کریں۔ اسلئے کہ سامان تو بیع سے متعین ہو گیا۔ اور دراہم اور دنانیر متعین نہیں ہوتے۔ مگر سپردگی سے تو اسکی تعین ضروری ہے تاکہ ربوا لازم نہ ہو جائے۔ اور اسکے غیر میں یعنی سامان سامان کے بدلے ہو یہ بیع مقایضہ ہے۔ یا ثمن ثمن کے بدلے ہو۔ یہ بیع صرف دونوں ایک ساتھ حوالہ کریں۔ اسلئے کہ برابر ہیں تعین اور عدم تعین میں

**تشریح: بیع پر جو خرچہ آئے گا وہ کون ادا کرے گا؟ مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ:** بیع کے کیل ناپ اور تولے پر جو خرچہ آتا ہے۔ یا آجکل اشیاء کی پکنگ پر جو خرچہ آتا ہے اسکی مزدوری بائع پر لازم ہوگی اور ثمن کے وزن یا پرکھنے پر یا آج کل بینک ڈرافٹ بھیجنے پر جو خرچہ آتا ہے وہ مشتری پر لازم ہوگی

**وفی بیع سلعہ ثمن:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنا سامان ثمن یعنی دراہم اور روپے وغیرہ کے عوض میں فروخت کر دیا۔ اور سامان اسی جگہ موجود ہے کہ بائع اور مشتری کا اختلاف ہو گیا۔ مشتری کہتا ہے کہ پہلے بائع سامان حوالہ کریں تب میں ثمن دوں گا۔ بائع کہتا ہے کہ پہلے مشتری ثمن حوالہ کریں تب بیع دوں گا۔ تو اس صورت میں مشتری سے کہا جائے گا کہ بھائی تم ثمن پہلے حوالہ کرو۔ اسلئے کہ عقد بیع میں مساوات شرط ہے اور انعقاد بیع سے مشتری کا حق بیع میں متعین ہو گیا۔ لیکن ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا۔ تو بائع کا حق ثمن میں ثابت نہیں ہوا۔ اور جب بائع کا حق متعین نہیں ہوا تو ضروری ہے کہ پہلے مشتری ثمن حوالہ کرے تاکہ بائع کا حق متعین ہو جائے۔ اگر بائع مشتری کو بیع پہلے حوالہ کریں تو مشتری بیع کا بھی مالک ہو اور ثمن کا بھی۔ تو یہ ایک قسم شبر بوا ہے۔ اور اگر سامان سامان کے عوض ہو جیسے کہ بیع مقایضہ میں یا ثمن ثمن کی عوض ہو جیسے کہ بیع صرف میں تو دونوں کو کہا جائے گا کہ ایک ساتھ سپرد کریں۔ اسلئے کہ دونوں تعین میں برابر ہیں جیسے بیع مقایضہ میں یا عدم تعین میں بھی برابر ہیں۔ جیسے بیع صرف میں تو ایک پہلے سپردگی پر مجبور کرنا ترجیح بلا مرجح ہے۔

## باب الخیار

یہ باب ہے خیار کے بیان میں

صح خیار الشرط لكل من العاقدين ولهما ثلثة ايام او اقل لا اكثر الا انه يجوز ان اجاز في الثلث اي اذا بيع و شرط الخیار اكثر من ثلثة ايام لا يجوز البيع خلافا لهما لكن ان اجيز في ثلثة ايام جاز البيع عند ابی حنیفة خلافا لزرّ۔

ترجمہ: صحیح ہے خیار شرط عاقدين میں سے ہر ایک کیلئے اور دونوں کیلئے تین دن تک یا اس سے کم نہ کہ زیادہ ہاں جائز ہو جائے گی۔ اگر اجازت دیدی تین دنوں میں یعنی جب بیع ہوئی اور خیار کی شرط لگائی تین دن سے زیادہ تو جائز نہیں برخلاف حضرات صاحبین کے۔ لیکن اگر اجازت دیدی تین دن کے اندر تو جائز ہے حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔ برخلاف امام زرّ کے۔

تشریح: خیار شرط میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف:

بیع ابتداء دو قسم پر ہے (۱) بیع لازم (۲) بیع غیر لازم بیع لازم وہ ہے جس میں کسی قسم کا خیار نہ ہو اور بیع غیر لازم وہ ہے جس میں خیار ہو بیع لازم اصل ہے اسکو مقدم کیا۔ اور غیر لازم خلاف اصل ہے اسلئے اسکو مؤخر کیا۔ فاضل مصنف نے سب سے پہلے خیار شرط کو اور پھر خیار روت کو ذکر کیا۔ اسلئے کہ وہ تمام حکم کیلئے مانع ہے پھر خیار عیب کو ذکر کیا اسلئے کہ وہ لزوم حکم کیلئے مانع ہے۔ خیار شرط کی تین قسمیں

(۱) بالاتفاق فاسد: وہ یہ کہ مثلاً مشتری یوں کہے کہ میں نے یہ چیز اس شرط پر خریدی مجھے ہمیشہ کیلئے خیار ثابت ہوگا یا خیار کیلئے کوئی مدت معین نہ کریں یہ صورت بالاتفاق فاسد ہے۔

(۲) بالاتفاق جائز: وہ یہ کہ تین دن یا تین دن سے کم خیار شرط لگانا

(۳) مختلف فیہ: وہ یہ کہ تین دن سے زیادہ کے خیار شرط لگانا جبکہ مدت متعین ہو۔ مثلاً ایک ماہ یا دو ماہ وغیرہ۔ امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام زرّ کے نزدیک یہ صورت فاسد ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک یہ صورت جائز ہے۔ حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے لحدیث ابن عمر "انه اجاز الخیار الی شہرین

دوسری دلیل یہ ہے کہ خیار شروع ہوا ہے س بات کیلئے کہ غبن اور دھوکہ ختم ہو جائے سوچ و فکر کا موقع مل جائے۔ اور یہ ضرورت بسا اوقات تین دن میں پوری نہیں ہوتی۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس باب میں اصل حضرت حبان بن مہذہ انصاریؓ کی حدیث ہے۔

قال قال رسول الله ﷺ اذا بايعت فقل لا خلافة ولا خلافة ولا خلافة ايام

حضرت امام صاحب فرماتے ہیں کہ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ خیاری سرے سے ثابت ہی نہ ہوتا۔ اسلئے کہ یہ مقتضی عقد کے خلاف ہے۔ لیکن حدیث میں وارد ہونے کی وجہ سے ہم نے قیاس کو چھوڑ دیا۔ لہذا یہ اپنے مورد کے ساتھ خاص ہوگا غیر کو اس پر قیاس نہ کیا جائے اور وہ تین دن کا ہے۔ لیکن اگر تین دن سے زیادہ کی شرط لگادی اور پھر تین دن کے اندر اس شرط کو ساقط کر دیا۔ تو بیع جائز ہو جائے گی۔ لیکن امام زفرؒ کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں۔ اسلئے کہ جب عقد فاسد منعقد ہو گیا تو اب وہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مفید کے آنے سے پہلے پہلے فساد زائل ہو گیا تو عقد صحیح ہے۔

فان شردى على انه ان لم ينقد الثمن الى ثلثة ايام فلا بيع صح والى اربعة لافان نقد الثمن فى الثلث جاز انما ادخل الفاء فى قوله فان شرى لانه فرع مسالة خيار الشرط لان خيار الشرط انما شرع ليدفع بالفسخ الضرر عن نفسه سواء كان الضرر تاخير اداء الثمن او غيره فاذا كان الخيار لضرر الناخير من صور خيار الشرط فالتصريح به يكون من فروع خيار الشرط بهذا الذى ذكر قول ابى حنيفة و ابى يوسف خلافاً لمحمد فانه يجوز فى الاكثر فهو جرى على اصله فى التجويز فى الاكثر و ابو حنيفة جرى على اصله فى عدم التجويز فى الاكثر امام ابو يوسف انما لم يجوز نهنا جرياً على القياس وجوز ثمة لانه عمر فانه جوز الى شهرين۔

ترجمہ: اگر کسی نے خرید اس شرط پر کہ اگر تین دن تک ثمن ادا نہیں کیا تو بیع نہ ہوگی۔ یہ صحیح ہے۔ اور چار دن تک صحیح نہیں ہے۔ اگر ثمن ادا کیا تین دنوں میں تو جائز ہے۔ مصنف نے اپنے قول فان شردى میں فاء داخل کر دی ہے، اسلئے کہ یہ مسئلہ فرع ہے مسئلہ خيار الشرط کی۔ کیونکہ خيار الشرط اسلئے مشروع ہوا ہے۔ تاکہ فسخ کے ذریعے اپنے آپ سے ضرر رفع کریں۔ چاہے وہ ضرر تاخیر اداء ثمن کا ہو یا کوئی اور جب ضرر تاخیر خيار الشرط کی صورتوں میں سے ہے تو اس پر تفریح کرنا خيار الشرط کی فروع میں سے ہے یہ جو ذکر ہوا امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے اور امام ابو یوسفؒ نے یہاں اجازت نہیں دی قیاس پر چلتے ہوئے اور وہاں اجازت دی ابن عمرؓ کی اثر کی وجہ سے دو مہینوں تک۔

تشریح: خيار تعین میں اختلاف: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے کوئی چیز خرید لی اور اپنے آپ کیلئے خيار نقد رکھ دیا۔ اس مسئلے کی بھی چار صورتیں ہیں۔



(۱) خیار نقد کا زمانہ بالکل ذکر نہ کریں یوں کہے کہ اگر میں نے ثمن ادا نہ کیا تو بیچ نہ ہوگی۔

(۲) خیار نقد کا زمانہ مجہول ذکر کریں جیسے کہ اگر کئے دنوں تک ثمن ادا نہ کیا تو بیچ نہ ہوگی۔ یہ دونوں صورتیں ناجائز ہے بالاتفاق

(۳) خیار نقد کا زمانہ تین دن یا اس سے کم ذکر کریں تو یہ صورت جائز ہے بالاتفاق خیار شرط کے مانند

(۴) خیار نقد کا زمانہ تین دن سے زیادہ اور متعین ہو۔ مثلاً یوں کہے کہ اگر میں نے دس دن تک ثمن ادا نہ کیا تو بیچ نہ ہوگی۔ یہ

صورت مختلف فیہ ہے حضرت امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ صورت ناجائز

ہے اور بیچ فاسد ہے

حضرت امام محمدؒ اپنی اصل پر قائم ہے جو مقیس علیہ یعنی خیار شرط میں بیان کیا ہے کہ تین دن سے زیادہ جائز ہے

اور امام ابو حنیفہؒ اپنی اصل پر قائم ہیں جو مقیس علیہ یعنی خیار شرط میں تین دن سے زیادہ جائز نہیں

البتہ امام ابو یوسفؒ نے خیار نقد میں تین دن سے زیادہ میں جائز قرار نہیں دیا قیاس پر عمل کرتے ہوئے اور خیار شرط کو تین دن سے

زیادہ جائز قرار دیا حدیث ابن عمرؓ پر عمل کرتے ہوئے۔۔۔ یہ تو مسئلہ کی وضاحت ہوئی، اب عبارت کی وضاحت

انما دخل الفاء فی قولہ فان شری شارح فرماتے ہیں کہ فان شری میں جو فاء ہے یہ قافریعہ ہے اور خیار نقد کا مسئلہ خیار

شرط پر متفرع ہے۔ تفریح اس طریقے پر ہے کہ خیار شرط اسلئے مشروع ہوا ہے کہ من لہ الخیار اپنے آپ سے ضرر دفع کرے فسخ کے

ذریعے اب چاہے ضرر ثمن کی ادائیگی کی تاخیر کی صورت میں ہو یا کوئی اور صورت ہو تو جب تاخیر ضرر کا خیار۔ خیار شرط کی صورتوں

میں سے ہے تو اس پر تفریح کرنا خیار شرط کی فروغ میں سے ہوا اور فاء تفریحیہ کا داخل کرنا صحیح ہوا

ولا یخرج المبیع عن ملک بائعہ مع خياره فان قبضه المشتري فهلك فی یدہ یجب علیہ

القیمۃ ای بیع بشروط خيار البائع فقبضه المشتري فهلك فی یدہ یجب علیہ القیمۃ لانه مقبوض

علی سوم الشراء وهو مضمون بالقیمۃ

ترجمہ۔ اور بیچ نہیں نکلے گی بائع کی ملک سے اسکے خیار کے ساتھ۔ اگر مشتری نے اس پر قبضہ کر لیا اور ہلاک ہوئی تو اس پر قیمت

لازم ہے یعنی بیچا گیا بائع کے خیار شرط کے ساتھ اور مشتری نے اس پر قبضہ کر لیا اور اس کے ہاتھ میں ہلاک ہوئی تو اس پر قیمت

واجب ہوگی اسلئے کہ یہ مشتری کے قبضے میں بھاؤ کرنے کے طریقے پر باقی ہے اور اس کا ضمان قیمت کے ساتھ ہوتا ہے

تشریح خیار بائع سے بائع کی ملکیت ختم نہیں ہوتی: ما قبل میں گزر چکا ہے کہ خیار شرط کبھی مشتری کیلئے ہوتا ہے اور

کبھی بائع کیلئے اور کبھی دونوں کیلئے تو جب خیار شرط صرف بائع کیلئے ہو تو اس صورت میں بیچ بائع کی ملکیت سے نہیں نکلے گی اسلئے

کہ عقد بیع بائع اور مشتری کی رضامندی پر موقوف ہے اور یہاں بائع کی طرف سے رضامندی نہیں پائی گئی لہذا بائع کی ملک سے نہیں نکلے گی۔ جب بیع بائع کی ملک سے نہیں نکلی اور مشتری نے بیع پر قبضہ کر لیا اور اس دوران یعنی خیار شرط کے زمانے کے اندر اندر بیع مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی تو مشتری پر اس کی قیمت دینا لازم ہے اسلئے کہ یہ مقبوض علی سوم مشتری کی طرح ہے یعنی مشتری دکاندار سے کہے کہ بھائی یہ بالٹی کتنے کی ہے مجھے دیدوتا کہ میں دیکھ لوں اور اس دوران وہ بالٹی اسکے ہاتھ میں ٹوٹ گئی تو مشتری پر اسکی قیمت دینا لازم ہے نہ کہ من اسی طرح یہاں بھی مشتری پر قیمت دینا لازم ہے البتہ اگر خیار شرط کا زمانہ ختم ہو گیا اور اسکے بعد ہلاک ہوگئی تو اب مشتری پر من دینا لازم ہوگا نہ کہ قیمت اسلئے کہ بیع تام ہوگئی ہے

ويخرج عن ملك البائع مع خيار المشتري وهلكه في يده بالثمن كتعيبه اي اذا كان الخيار للمشتري وقبض المشتري فهلك او تعيب في يده يجب الثمن ولا يملكه المشتري اي اذا كان الخيار للمشتري لا يملكه المشتري عن ابي حنيفة خلافا لهما

ترجمہ اور بیع نکلتی ہے بائع کی ملک سے مشتری کے خیار کے ساتھ اور مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہونا من پر ہوگا جیسے عیب دار ہونا یعنی جب خیار مشتری کیلئے ہو اور مشتری نے قبضہ کر لیا وہ ہلاک ہوئی یا عیب دار ہوئی مشتری کے ہاتھ میں تو من واجب ہوگا۔ اور مشتری اس کا مالک نہیں ہوتا یعنی جب خیار مشتری کیلئے ہو تو مشتری اس کا مالک نہیں ہوتا حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک مشتری اس کا مالک ہوتا ہے

**تشریح اگر خیار مشتری کیلئے ہو تو بیع کس کے قبضے میں داخل ہوگی؟**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مشتری کیلئے خیار شرط لگا دیا گیا تو اس صورت میں بیع بائع کی ملکیت سے نکلتی ہے کیونکہ بیع اس شخص کے حق میں غیر لازم ہے جس کیلئے خیار ہو اور جس کیلئے خیار نہ ہو اس کے حق میں غیر لازم نہیں بلکہ لازم ہے لہذا جب بیع بائع کی ملک سے نکل گئی اور مشتری نے اس پر قبضہ کر لیا اور بیع مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی تو مشتری پر من دینا لازم ہوا نہ کہ قیمت اسلئے کہ بائع تو من پر راضی ہو چکا ہے اور ہلاکت کی صورت میں واپس کرنا ممکن نہیں تو من لازم ہوگا اب رہی یہ بات کہ جب بائع کی ملک سے نکل گئی تو مشتری کی ملک میں داخل ہوگی یا نہیں۔ اس میں اختلاف ہے

حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک مشتری کی ملک میں داخل نہیں ہوگی اور حضرات صاحبین کے نزدیک مشتری کی ملک میں داخل ہوگی اور مشتری اس کا مالک ہو جائے گا

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جب بیع بائع کی ملک سے خارج ہوگئی اور مشتری کی ملک میں داخل نہ ہوئی تو یہ زوال ملک لالی

مالک ہے اور شریعت میں اسکی کوئی نظیر نہیں

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب ثمن مشتری کی ملک سے خارج نہیں ہوا اور بیع بھی اس کی ملک میں دخل ہو جائے تو شخص واحد عوضین (ثمن و بیع) کا مالک ہو جائے گا اور شریعت میں اس کی کوئی نظیر نہیں اسلئے کہ عقد بیع مساوات کو چاہتا ہے اور اس صورت میں مساوات فوت ہو رہا ہے۔ رہا آپ نے جو زوال ملک لالی مالک کی عدم نظیر کا عذر پیش کیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اس کی نظیر ہے جیسے املاک وقف اور ترکہ مستغرقہ بالذین

و ثمرية الخلاف انما تظهر في هذه المسائل وهي قوله فشرء عرسه بالخيار لا يفسد نكاحه عند ابى حنيفة لعدم الملك وعندهما يفسده وان وطبها ردھا لانه بالنكاح الا في البكر اى ان وطبها المشتري في ايام الخيار يملك ردھا عند ابى حنيفة لان الوطى بالنكاح فلا يكون اجازة الا ان تكون بكرة لانه نقصها بالوطى فلا يملك الرد وعندهما لا يملك الرد وان كانت ثيبا لان المشتري قد ملكها فيفسد النكاح فالوطى يكون بملك اليمين فيكون اجازة

ترجمہ: اختلاف کا ثمرہ ان مسائل میں ظاہر ہوگا اپنی بیوی تین دن کے خیار کے ساتھ خریدنا نكاح کو فاسد نہیں کرتا حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک اور حضرات صاحبین کے نزدیک فاسد کر دیتا ہے اور اگر اسکے ساتھ وطی کی تو واپس کر سکتا ہے اسلئے کہ یہ نكاح کی وجہ سے ہے ہاں اگر باکرہ ہو یعنی اگر مشتری نے خیار کے دنوں میں اسکے ساتھ وطی کی تو اس کو واپس کرنے کا مالک ہے حضرت امام صاحب کے نزدیک کیونکہ یہ وطی نكاح کی وجہ سے ہے تو یہ اجازت نہیں ہے ہاں اگر باکرہ ہو اسلئے کہ وطی سے نقصان آگیا تو واپسی کا مالک نہیں ہے اگرچہ ثیبہ ہو کیونکہ مشتری اسکا مالک ہو چکا ہے تو نكاح فاسد ہوا اور وطی ملک اليمين کے ساتھ ہوئی تو یہ اجازت ہے

تشریح امام صاحب اور صاحبین کے اختلاف پر متفرع مسائل:

خیار مشتری کی صورت میں حضرت امام صاحب اور صاحبین کا جو اختلاف ہے اس اختلاف پر یہاں ماتن نے مسائل تسعة متفرع فرمائے ہیں ان مسائل میں سے مسئلہ

(۱) یہ ہے، فشرء عرسه، یعنی ایک شخص نے اپنی بیوی خرید لی جو کسی کی باندی تھی خیار شرط کے ساتھ تو اس سے نكاح فاسد نہ ہوگا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسلئے کہ مشتری اسکا مالک ہی نہیں ہوا تو ملک اليمين اور ملک نكاح جمع نہ ہوئیں اور جب مالک نہ ہو تو نكاح فاسد نہ ہوگا اور حضرات صاحبین کے نزدیک نكاح فاسد ہوگا اسلئے کہ مشتری اسکا مالک ہو گیا ہے جب مشتری اسکا

مالک ہو چکا ہے تو نکاح بھی فاسد ہوگا اسلئے کہ ملک یحییٰ اور ملک نکاح جمع نہیں ہو سکتی

وان وطیھا ردھا؛ (۲) یہ دوسرا مسئلہ ہے صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری مذکور نے اس باندی کے ساتھ وطی کر لی مدت خیار میں تو حضرت امام صاحب کے نزدیک تب بھی بشرط خیار واپس کر سکتا ہے اسلئے کہ مشتری اسکا مالک نہیں ہوا اور وطی ملک نکاح کے ساتھ ہوئی ہے نہ کہ ملک یحییٰ کے ساتھ لھذا وطی کرنا اجازت بیچ پر دلیل نہیں ہے البتہ اگر وہ محترمہ باندی باکرہ ہو اور پھر اسکے ساتھ وطی کر لی تو واپس نہیں کر سکتا اسلئے کہ باکرہ کے ساتھ وطی کرنے سے وہ عیب دار ہوتی ہے اور جب بیچ عیب دار ہو جائے تو قابل واپسی نہیں رہتی یہ سب تفصیل حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ مشتری نے جب باندی کے ساتھ وطی کر لی تو اب واپس نہیں کر سکتا اسلئے کہ مشتری اسکا مالک ہو چکا ہے اور وطی ملک نکاح کے ساتھ نہیں ہوئی بلکہ ملک یحییٰ کے ساتھ ہوئی ہے چاہے وہ باکرہ ہو یا شہیدہ تو اب واپس نہیں کر سکتا اسلئے کہ وطی کرنا دلیل اجازت ہے

ولا یعتق قریبہ علیہ فی مدۃ خیارہ ای ان شری قریبہ بالخیار لا یعتق عندابی حنیفۃ فی ایام الخیار خلافاً لہما ولا من شراہ قائلان ان ملک عبدافھو حر ای قال ان ملک عبدافھو حر فشراہ بالخیار لا یعتق فی ایام الخیار عندابی حنیفۃ لعدم الملك

ترجمہ: اور اس کا قرہبی رشتہ دار اس پر آزاد نہ ہوگا مدت خیار میں یعنی اگر کسی نے اپنا قرہبی رشتہ دار خرید لیا خیار شرط کے ساتھ تو اس پر آزاد نہ ہوگا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مدت خیار میں اور صاحبین کے نزدیک آزاد ہوگا۔ اور آزاد نہ ہوگا جس نے خرید لیا یہ کہتے ہوئے کہ اگر میں غلام کا مالک ہو تو وہ آزاد ہوگا پھر خیار شرط کے ساتھ غلام خرید لیا تو آزاد نہ ہوگا مدت خیار میں حضرت امام صاحب کے نزدیک کیونکہ ملک ثابت نہیں ہے

تشریح (۳) اصل سابق پر تفریح ہے اور یہ تیسرا مسئلہ ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنا قرہبی رشتہ دار ذی رحم محرم خرید لیا خیار شرط کے ساتھ تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ غلام اس پر آزاد نہ ہوگا اسلئے کہ مشتری اسکا مالک ہی نہیں ہوا مدت خیار میں تو کیسے آزاد ہوگا اور حضرات صاحبین کے نزدیک یہ غلام مشتری پر آزاد ہوگا کیونکہ مشتری اسکا مالک ہو چکا ہے ولا من شراہ قائلان (۴) یہ اصل سابق پر متفرع چوتھا مسئلہ ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ، ان ملک عبدافھو حر، اور پھر خیار شرط کے ساتھ غلام خرید لیا تو امام صاحب کے نزدیک یہ غلام مدت خیار میں آزاد نہ ہوگا کیونکہ مشتری اسکا مالک نہیں ہوا اور صاحبین کے نزدیک یہ غلام آزاد ہوگا اسلئے کہ مشتری اسکا مالک ہوا ہے

ولا يعد حیض المشترأة من استبرائها ای ان اشترى امة بالخيار فحاضت في ايام الخيار فهذه الحيضة لا تعد من الاستبراء عند ابى حنيفة لان الاستبراء انما يجب بعد ثبوت الملك ولا استبراء على البائع ان ردت عليه بالخيار ای ان ردت الامة المشترأة بالخيار لا يجب الاستبراء على البائع عند ابى حنيفة لان الاستبراء انما يجب بالانتقال من ملك الى ملك ولم توجد عند ابى حنيفة حيث لا يملكها المشتري

ترجمہ: اور خریدی ہوئی باندی کا حیض مدتِ خیار میں اسکے استبراء سے شمار نہ ہوگا یعنی اگر باندی خریدی خیار کے ساتھ پھر اس کو حیض آیا مدتِ خیار میں تو یہ حیض استبراء سے شمار نہ ہوگا حضرت امام صاحب کے نزدیک اسلئے کہ استبراء واجب ہے ملکیت ثابت ہونے کے بعد۔۔۔ اور استبراء نہیں ہے بائع پر اگر واپس کر دی گئی ان کو خیار کے ساتھ یعنی اگر خیار کے ساتھ خریدی ہوئی باندی واپس کر دی گئی بائع پر تو استبراء واجب نہیں ہے بائع پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسلئے کہ استبراء اس وقت واجب ہے جبکہ ملکیت منتقل ہوتی ہو ایک ملک سے دوسری ملک کی طرف اور وہ نہیں پائی گئی امام صاحب کے نزدیک کیونکہ مشتری اس کا مالک ہی نہیں ہوا۔

تشریح (۵) اصل سابق پر متفرع پانچواں مسئلہ ہے

پہلے بطور تمہید یہ جان لینا ضروری ہے کہ جب باندی ایک ملک سے دوسری ملک کی طرف منتقل ہوتی ہے تو مالک ثانی کیلئے اس وقت تک اس کے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں ہے جب تک اس سے استبراء نہ کرا لے یعنی ایک حیض کامل نہ گزر جائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ باندی حاملہ ہے یا نہیں ہے؟

اب مسئلہ کی صورت یہ ہے ایک شخص نے تین دن کے خیار کے ساتھ ایک باندی خریدی اور اتفاق سے مدتِ خیار میں اس باندی کو حیض بھی آ گیا پھر مشتری نے اس بیچ کو جائز قرار دیا تو حضرت امام صاحب کے نزدیک یہ حیض استبراء سے شمار نہ ہوگا کیونکہ مدتِ خیار میں مشتری کیلئے ملک ثابت نہیں تو یہ حیض مشتری کی ملک میں نہیں پایا گیا لہذا اس کے بعد ایک اور حیض کا انتظار کرنا ہوگا۔ اور صاحبین کے نزدیک چونکہ باندی مشتری کی ملک میں داخل ہو گئی ہے اور حیض مشتری کی ملک میں پایا گیا لہذا یہ حیض کافی ہے مزید دوسرے حیض کے انتظار کی ضرورت نہیں ہے۔

لا استبراء علی البائع (۶) اصل سابق پر متفرع چھٹا مسئلہ ہے

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مشتری مذکور نے خیار شرط کے ساتھ یہ مذکورہ باندی بائع کو واپس کر دی تو حضرت امام صاحب کے نزدیک بائع

پراستبراء واجب نہیں چاہے مشتری نے اس پر قبضہ کیا ہو یا نہ ہو کیونکہ مشتری اس کا مالک نہیں ہوا ہے تو واپس کرنا انتقال ملک نہیں پایا گیا تو استبراء واجب نہیں اور حضرات صاحبین کے نزدیک اگر مشتری نے باعدی پر قبضہ کر لیا ہے اور پھر واپس کیا مدت خیار میں تو بائع پر استبراء واجب ہے اسلئے کہ مشتری اس کا مالک ہو چکا ہے اب واپس کرنا انتقال ملک ہے اور ایسی صورت میں استبراء واجب ہوتا ہے لہذا بائع پر استبراء واجب ہے واپسی کی صورت میں

ومن ولدت فی المدة بالنکاح لاتصیر ام ولد له ای ان اشتری زوجته بالخیار فولدت فی ایام الخیار فی ید البائع لاتصیر ام ولد للمشتری فیملک الرد عند ابی حنیفة وعندہما تصیر ام ولد لانہا ولدت فی سلك المشتري فلا یملک الرد وانما قلنا فی ید البائع حتی لو قبض المشتري وولدت فی یدہ تصیر ام ولد له بالاتفاق لانہا تعیبت بالولادة فلا یملک الرد فصارت ملكا للمشتري فالولادة وقعت فی ملك المشتري لا فی ملكه فتصیر ام ولد له

ترجمہ: اور اگر خریدی ہوئی باعدی نے بچہ جن لیامت خیار میں تو وہ مشتری کی ام ولد نہ ہوگی یعنی کسی نے اپنی بیوی خرید لی خیار شرط کے ساتھ اور مدت خیار میں اس نے بچہ جن لیا بائع کے ہاتھ میں تو یہ مشتری کی ام ولد نہ ہوگی تو یہ واپس کرنے کا مالک ہے حضرت امام صاحب کے نزدیک اور حضرات صاحبین کے نزدیک یہ مشتری کی ام ولد ہے کیونکہ اس نے بچہ جن لیا ہے مشتری کے ہاتھ میں تو واپس کرنے کا مالک نہ ہوگا۔ ہم نے کہا کہ بائع کے ہاتھ میں اسلئے کہ اگر مشتری نے قبضہ کر لیا اور پھر بچہ جن لیا اس کے ہاتھ میں تو یہ ام ولد ہوگی بالاتفاق کیونکہ ولادت کی وجہ سے اس میں عیب آ گیا ہے تو واپس کرنے کا مالک نہیں تو وہ مشتری کی ملک بن گئی اور ولادت مشتری کی ملک میں واقع ہوئی نہ کہ بائع کی ملک میں تو یہ مشتری کی ام ولد ہوگی

تشریح (۷) اصل سابق پر متفرع ساتواں مسئلہ ہے

صورت مسئلہ یہ ہے ایک شخص نے اپنی منکوحہ باعدی خرید لی تین دن کے خیار کے ساتھ اور ابھی تک مشتری نے اس پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ مدت خیار میں باعدی نے بائع کے پاس بچہ جن لیا تو یہ باعدی مشتری کی ام ولد نہ ہوگی اسلئے کہ مشتری اس کا مالک ہی نہیں ہوا۔ تو واپس کر سکتا ہے خیار شرط کی وجہ سے یہ حضرت امام صاحب کا مسلک ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک یہ باعدی مشتری کی ام ولد بن گئی تو واپس نہیں کر سکتا اس لئے کہ مشتری اس کا مالک ہو چکا ہے اور ولادت کی وجہ سے اس میں عیب پیدا ہو گیا ہے لہذا واپس کرنا جائز نہیں ہے

انما قلنا فی ید البائع... حضرت امام صاحب کے نزدیک ام ولد نہ بننا اور واپس کرنے کا حق ثابت ہونا یہ اس وقت ہے جبکہ باعدی بائع کے قبضے میں ہو اگر مشتری نے باعدی پر قبضہ کر لیا اور پھر مدت خیار میں مشتری کے قبضے میں بچہ جن لیا تو یہ مشتری کی ام ولد ہوگی اور

واپس کرنے کا حق نہ ہوگا بالاتفاق اس لئے کہ باعنی میں عیب آ گیا ہے اب واپس نہیں کر سکتا کیونکہ ولادت مشتری کی ملک میں واقع ہوئی ہے لہذا یہ مشتری کی ام ولد ہوگی

وهلكه فى يد البائع عليه ان قبضه المشتري باذنه واوعه عنده لارتفاع القبض بالرد لعدم الملك اى المشتري باختيار ان قبض مشتراه ثم اودعه عند البائع فهلك فى يد البائع فهلكه فى يده يكون على البائع لان القبض قد ارتفع بالرد لان المشتري لم يملكه فلم يصح الايداع بل رده الى البائع يكون رفعا للقبض فيكون الهلاك قبل القبض على البائع -وعندهما لما ملكه المشتري صح ايداعه ولم يرتفع القبض فكانه هلك فى يد المشتري فيكون الهلاك من ماله

ترجمہ: اور بیع کا ہلاک ہونا بائع کے ہاتھ میں تاوان اس پر ہوگا اگر مشتری نے اس پر قبضہ کر لیا بائع کی اجازت سے اور امانت رکھو ادیا بائع کے پاس کیونکہ قبضہ اٹھ گیا واپس کرنے سے ملک نہ ہونے کی وجہ سے یعنی اگر مشتری نے خیار کے ساتھ خرید اور خریدی ہوئی چیز پر قبضہ کر لیا اور پھر امانت رکھو ادیا بائع کے پاس اور وہ ہلاک ہوئی بائع کے پاس تو اس کے ہلاک ہونے کا تاوان بائع پر ہوگا کیونکہ قبضہ اٹھ گیا ہے واپس کرنے سے اسلئے کہ مشتری اس کا مالک نہیں ہوا تو امانت رکھنا صحیح نہیں بلکہ واپس کرنا بائع کو قبضہ کو ختم کرنا ہے تو ہلاکت قبضے سے قبل ہوئی تو تاوان بائع پر ہوگا اور صاحبین کے نزدیک جب مشتری اس کا مالک ہو تو امانت رکھنا صحیح ہوا اور قبضہ ختم نہ ہوا تو گویا کہ مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہوئی تو یہ ہلاک ہونا مشتری کے مال سے ہے

تشریح (۷) اصل سابق پر متفرع سا تو اس مسئلہ ہے

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک چیز خریدی خیار شرط کے ساتھ اور پھر اس پر قبضہ کر لیا قبضہ کرنے بعد وہ چیز اس بائع کے پاس امانت رکھدی اور بائع سے وہ چیز ہلاک ہوگئی تو نقصان بائع کا ہوگا نہ کہ مشتری کا کیونکہ مشتری جب اس کا مالک نہیں ہوا اور چیز بائع کو واپس کردی تو مشتری کا قبضہ ختم ہو گیا اور وہ بریء الذمہ ہو گیا تو چیز بائع کی ہلاک ہوئی تو نقصان بھی اسی کا ہوگا اور مشتری پر ثمن یا قیمت لازم نہ ہوگی یہ حضرت امام صاحب کے نزدیک ہے حضرات صاحبین کے نزدیک جبکہ مشتری اس کا مالک ہو گیا ہے تو امانت رکھنا صحیح ہے اور قبضہ ختم نہیں ہوا تو اب جو چیز ہلاک ہوگی تو وہ ہلاک ہوگی مشتری کے مال سے تاوان اور نقصان مشتری پر لازم ہوگا

وبقى خيار ماذون شرى بالخيار وابرئنه بائعه عن ثمنه فى المدة لان الماذون يلى عدم التملك اى ان شرى عبد . ماذون شيئاً بالخيار وابرئنه بائعه عن ثمنه فى مدة الخيار بقى خياره عند ابى حنيفة وعندهما لا يبقى له الخيار لانه ان بقى كان له ولاية الرد فرده يكون تمليكاً بغير عوض والماذون لا يملك ذلك وعند ابى حنيفة لمالم يملكه كان رده امتناعاً عن التملك وللماذون ولاية ذلك فانه اذا وهب له شىء

له ولاية ان لا يقبله

ترجمہ اور باقی ہے عبد ماذون کا خیارجس نے خیارجس کے ساتھ خرید اور بائع نے اس کو ٹمن سے بری کر دیا مدت خیارجس میں کیونکہ ماذون کو حق ہے مالک نہ بننے کا۔ یعنی اگر خرید عبد ماذون نے کوئی چیز خیارجس کے ساتھ اور بائع نے ٹمن سے بری کر دیا مدت خیارجس میں تو اس کا خیارجس باقی ہے حضرت امام صاحب کے نزدیک۔ اور صاحبین کے نزدیک اس کا خیارجس باقی نہیں رہتا کیونکہ اگر باقی رہ جائے تو اس کو واپسی کی ولایت حاصل ہوگی اور واپس کرنا تملیک بلا عوض ہے اور ماذون اس کا مالک نہیں۔ اور امام صاحب کے نزدیک جب اس کا مالک ہی نہیں ہوا تو واپس کرنا مالک بننے سے رکنا ہے اور ماذون کو یہ حق حاصل ہے کیونکہ جب اس کو کوئی چیز ہیہ کی جائے تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کو قبول نہ کرے

### تشریح (۸) اصل سابق متفرع آٹھواں مسئلہ ہے

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دیدی تو یہ غلام ماذون فی التجارت ہو گیا۔ اب اس عبد ماذون نے ایک تھان خرید اور روپے میں خیارجس کے ساتھ اسکے بعد بائع نے اس کو ٹمن سے بری کر دیا تو یہ عبد ماذون اب بھی کپڑا واپس کر سکتا ہے اسلئے کہ غلام کا کپڑا واپس کرنا اس پر ہے کہ خیارجس کی وجہ سے وہ اس کا مالک نہیں ہوا تو یہ واپس کرنا مالک بننے سے رک جانا ہے اور غلام ماذون کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مالک بننے سے رک جائے جیسے کوئی اس عبد ماذون کو کوئی چیز ہیہ کرنا چاہے تو یہ غلام قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے یہ حضرت امام صاحب کے نزدیک ہے۔ اور حضرات صاحبین کے نزدیک عبد ماذون اس چیز کو واپس نہیں کر سکتا کیونکہ جب مشتری اس کا مالک ہو گیا اور پھر بائع نے اس کو ٹمن سے بری کر دیا تو بائع کو واپس کرنا تملیک بلا عوض ہے اور عبد ماذون تملیک بلا عوض نہیں کر سکتا۔

وبطل شراء ذمی من ذمی خمرًا بالخیار ان اسلم لثلا یتملکها مسلما باسقاط خیاره ای اشتري ذمی بشرط خیاره من ذمی خمرًا ثم اسلم المشتري بطل شرائه لانه ان بقى فعند اسقاط الخیار یتملک المشتري فیلزم تملک المسلم الخمر۔ وعندهما ینفذ الشراء وبطل الخیار لانه لو بقى یملك ردھا والرذ یتكون تملیکًا والمسلم لا یملك تملیک الخمر فهذه المسائل ثمرۃ الخلاف

ترجمہ اور باطل ہے ذمی کا ذمی سے شراب خریدنا خیارجس کے ساتھ اگر اس نے اسلام قبول کیا تاکہ وہ مالک نہ ہو جائے مسلمان ہونے کی حالت میں اپنا حق ساقط کر کے۔ یعنی جب خریدی ذمی نے ذمی سے شراب خیارجس کے ساتھ پھر مشتری مسلمان ہوا تو اسکی خریداری باطل ہے کیونکہ اگر باقی رہ جائے تو خیارجس ساقط کرنے کے وقت مشتری اس کا مالک ہو جائے گا تو لازم ہوگا مسلمان کا شراب کا مالک ہونا۔ اور حضرات صاحبین کے نزدیک اس کی خریداری نافذ ہے اور خیارجس باطل ہے اسلئے کہ اگر خیارجس باقی رہ جائے تو مشتری واپس کرنے کا مالک ہو جائے گا اور واپس کرنا تملیک ہے اور مسلمان کو تملیک شراب کا حق نہیں۔ ان مسائل میں ثمرۃ اختلاف ظاہر ہوتا ہے



تشریح (۹) اصل سابق پر متفرع نواں مسئلہ ہے

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک ذی کافر نے دوسرے ذی کافر سے شراب خریدی خیار شرط کے ساتھ اور پھر مشتری نے مدت خیار میں اسلام قبول کیا تو خریداری باطل ہے کیونکہ اگر مشتری اپنا خیار باطل کر کے بیع کو نافذ کرنا چاہے تو مسلمان ہونے کی حالت میں وہ شراب کا مالک بن جائے گا اور مسلمان تملک خمر نہیں کر سکتا لہذا یہ بیع سرے سے باطل ہے یہ حضرت امام صاحب کے نزدیک ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک جب مشتری اس کا مالک ہوا تھا اس وقت یہ کافر تھا تو بیع نافذ ہے اور واپس کرنے کا اختیار مشتری کو نہ ہوگا کیونکہ واپس کرنا تملک خمر ہے اور مسلمان تملک خمر کا مالک نہیں ہے لہذا بیع سابق جائز اور واپس کرنا باطل ہے (یہ مسائل تسعہ ثمرہ اختلاف ہے)

ومن له الخيار یجیز وان جهل صاحبه ولا ینفسخ بلا علمه ای ان فسخ من له الخيار لا ینفسخ بلا علم صاحبه خلافا لابی یوسف والشافعی لهما انه ان شرط علم صاحبه لم ینق فائدة فی شرط الخيار لان صاحبه ان اختفی فی مدة الخيار فلم یصل الخبر الیه فیتم العقد

فیتضرر من له الخيار فان فسخ وعلمه فی المدة انفسخ والا تم العقد ویورث خيار العیب

والتعین لا الشرط والرؤية خيار التعین ان یشتری احد الثوبین بعشرة علی ان یمین ایا شاء وخيار الشرط یورث عند الشافعی ایضاً وخيار الرؤية لا یتأتی علی مذهب لان شراء مالم یره لا یجوز عنده فی اظهر القولین

ترجمہ اور جس کیلئے خیار ہے وہ بیع جائز کر سکتا ہے اگرچہ دوسرے کو علم نہ ہو اور فسخ نہیں کر سکتا دوسرے کے علم کے بغیر یعنی اگر صاحب خیار فسخ کرنا چاہے برخلاف امام ابو یوسف اور امام شافعی کے ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر دوسرے کا علم شرط کیا جائے تو پھر خیار شرط میں کوئی فائدہ ہی باقی نہیں رہتا اسلئے کہ دوسرا صاحب اگر مدت خیار میں چھپ جائے اور ان کو خبر نہ پہنچے تو عقد تام ہو جائے گا۔ تو صاحب خیار کو ضرر لاحق ہو جائے گا اور اگر فسخ کر دیا اور مدت میں ان کو خبر پہنچادی تو فسخ ہو جائے گا اور عقد تام ہوگا اور میراث میں ملتا ہے خیار عیب اور خیار تعین نہ کہ خیار شرط اور خیار رؤیت۔ خیار تعین یہ ہے کہ دو کپڑوں میں سے ایک کو خرید لے دس روپے پر اس شرط پر کہ جو نسا چاہے لے لے اور خیار شرط میراث میں ملتا ہے امام شافعی کے نزدیک اور خیار رؤیت اگلے مذہب میں ہے ہی نہیں اسلئے کہ اس چیز کو خریدنا جس کو نہ دیکھا ہو اگلے نزدیک جائز نہیں ظاہر قول کے مطابق

تشریح صاحب خیار دوسرے کی عدم موجودگی میں بیع فسخ نہیں کر سکتا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ من له الخيار یعنی جس کیلئے خیار ثابت ہے چاہے بائع ہو یا مشتری وہ اگر مدت خیار میں عقد کو نافذ کرنا چاہے تو نافذ کر سکتا ہے دوسرے ساتھی کو بتانا ضروری بھی نہیں کیونکہ اس میں کسی جانب بھی مضرت نہیں اور وہ فسخ کرنا چاہے تو دوسرے ساتھی کو اطلاع

کے بغیر فتح نہیں کر سکتا

حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جس طرح نافذ کرنا درست ہے دوسرے کو بتائے بغیر اسی طرح فتح کرنا بھی درست ہے دوسرے کو اطلاع کئے بغیر۔ اسلئے کہ اگر دوسرے کے علم کے بغیر فتح کرنا جائز نہ ہو جائے تو بسا اوقات وہ صاحب اخراجات خیار میں چھپ جاتا ہے ظاہر ہوتا ہی نہیں اور اس کو خبر پہنچانا ممکن نہیں ہوتا لہذا اگر اس کا علم شرط کیا جائے تو صاحب خیار پر بیع لازم ہو جائے گی اور اس کا ضرر ہوگا

حضرت امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے کے علم کے بغیر اسلئے جائز نہیں کہ جب اس کو علم نہ ہو اور مدت گزر جائے تو اس نے یہ اعتماد کیا ہوگا کہ عقد تام ہو گیا ہے اور ادھر سے فتح ہو جائے گا تو اس کا نقصان ہو جائے گا اور عقد میں الزام ضرر جائز نہیں لہذا صاحب آخر کو بتانا ضروری ہے

فان فتح وعلمہ اگر من له الخیار نے عقد فتح کیا اور مدت خیار میں صاحب آخر کو اطلاع کر دی تو عقد فتح ہو جائے گا اور اگر مدت میں اطلاع نہ ہوئی تو عقد تام ہو جائے گا

ولا یورث خیار العیب والتعین... صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب من له الخیار کا انتقال ہو جائے تو اس کے انتقال کے بعد خیار شرط وارث کو میراث میں ملتا ہے یا نہیں یعنی جس طرح اصل مورث کو بیع جائز کرنے یا فتح کرنے کا حق حاصل ہے وارث کو بھی یہ حق حاصل ہوگا یا نہیں؛ تو احناف فرماتے ہیں کہ وارث کو خیار شرط اور خیار ردیت میراث میں منتقل نہیں ہوتے کیونکہ یہ نفس ارادے اور مشیت کا نام ہے جو انتقال کو قبول نہیں کرتا۔ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک خیار شرط میراث میں وارث کو منتقل ہوتا ہے خیار عیب اور خیار تعین کی طرح اور خیار ردیت تو ان کے مذہب پر ثابت ہی نہیں کیونکہ جس چیز کو نہ دیکھا ہو اس کا خریدنا ان کے نزدیک جائز نہیں

احناف فرماتے ہیں کہ خیار شرط کو خیار تعین پر قیاس کرنا درست نہیں اسلئے کہ خیار عیب میں جس طرح مورث بیع سلیم کا حقدار تھا اسی طرح وارث بھی بیع سلیم کا حقدار ہے اور خیار تعین میں وارث بیع کا مالک ہو چکا ہے لیکن بیع غیر بیع کے ساتھ مخلوط ہے تو اس کو ممتاز کرنے کا حق ہے نہ یہ کہ خیار منتقل ہو خیار یہاں بھی مورث کی موت سے باطل ہو جاتا ہے

وان اشتری وشرط الخیار لغيره فای اجاز او نقض صح ذلك فان اجاز احدهما وفسخ الآخر فالاول اولی واذا وجد امعاً فالفسخ اولی قالوا لان شرط الخیار لغير العاقد انما یثبت بطریق النیابة عن العاقد فیثبت له اقتضاء اقول اذا اشتری علی ان الغير بالخیار لا یثبت الخیار الا برضاء المتعاقدین فیكون نائباً عن المتعاقدین ثم رضی البائع بخیار الغير لا یقتضی رضاه بخیار المشتري

ترجمہ: اگر کسی نے کوئی چیز خرید لی اور خیار غیر کیلئے رکھا تو جس نے بھی اجازت دیدی یا عقد توڑ دیا تو صحیح ہے اگر ایک نے اجازت دیدی

اور دوسرے نے فسخ کیا تو پہلا ادلی ہے اور اگر دونوں ایک ساتھ پائے گئے تو فسخ اولیٰ ہے۔ فقہاء نے فرمایا ہے کہ خیاری شرط غیر کیلئے عاقد سے نیابت ثابت ہوتا ہے تو عاقد کیلئے اتقضاء ثابت ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ جب خرید لیا اس شرط پر کہ خیاری غیر کیلئے ہوگا تو ثابت نہیں ہوتا خیاری مگر متعاقدین کی رضامندی سے تو وہ غیر (اجنبی) نائب ہے دونوں متعاقدین کا پھر بائع کی رضامندی غیر (اجنبی) کے خیاری پر تقاضا نہیں کرتا مشتری کے خیاری پر راضی ہونے کا

### تشریح حالت کیلئے خیاری تعیین کی شرط لگانا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی نے کوئی چیز خرید لی اور خیاری شرط غیر یعنی کسی اجنبی کیلئے رکھا تو یہ جائز ہے۔ اسلئے کہ خیاری شرط حاجت کیلئے مشروع ہوا ہے اور کبھی حاجت اس بات کی بھی ہوتی ہے کہ غیر کیلئے خیاری رکھا جائے جو زیادہ مہارت رکھتا ہے تو اب مسئلہ یہ ہے کہ جب خیاری شرط غیر کیلئے رکھا تو اب مشتری یا اس اجنبی جس کیلئے خیاری ہے میں سے جس نے بھی بیع کی اجازت دیدی یا بیع کو فسخ کر دیا تو اسکے کلام کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر ایک اجازت دیدی اور دوسرے نے فسخ کیا تو جس نے پہلے کلام کیا ہے اس کے کلام کا اعتبار ہوگا کیونکہ اس وقت اس کا کوئی مزاحم موجود نہ تھا اور اگر دونوں کلام بیک وقت پائے گئے ایک نے اجازت دیدی اور دوسرے نے فسخ کیا یا بیک زبان ہو کر تو بعض کے نزدیک عاقد کا قول معتبر ہوگا چاہے اجازت ہو یا فسخ اور ایک روایت میں ہے جیسے کہ کتاب میں مذکور ہے کہ جس نے فسخ کیا ہو اس کا قول معتبر ہوگا

اس مسئلے کا ایک اصول اور قاعدہ ہے وہ یہ کہ خیاری شرط غیر عاقد کیلئے نیابت ثابت ہوتا ہے اور عاقد کیلئے اصالت ثابت ہوتا ہے پھر غیر عاقد کیلئے ثابت ہوتا ہے نیابت تو غیر عاقد یعنی اجنبی جس کیلئے خیاری ثابت ہے اسکے لئے خیاری ثابت ہوتا ہے متعاقدین کی رضامندی سے تو یہ غیر۔ دونوں متعاقدین کا نائب ہو گیا

ثم رضا البائع بخيار الغير۔ بائع جب غیر عاقد یعنی اجنبی کے خیاری پر راضی ہوا تو یہ اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ وہ مشتری کے خیاری پر بھی راضی ہے یعنی بائع مشتری کو خیاری شرط دینا نہیں چاہتا اور غیر کو دینا چاہتا ہے تب بھی مشتری کیلئے خیاری ثابت ہوگا اور یہ اتقضاء ہے کیونکہ جب بائع غیر کے خیاری پر راضی ہے اور غیر کیلئے اصالت تو خیاری ثابت ہے ہی نہیں بلکہ مشتری کے نائب ہو کر ثابت ہے تو مشتری کیلئے بھی خیاری شرط ثابت ہوا اتقضاء لہذا مشتری کا قول بھی معتبر ہوگا جبکہ مقدم ہو..... فالہم

وبيع عبدین بالخيار فی احدہما صح ان فصل ثمن کل وعین محل الخيار وفسد فی الاوجه الباقية وهی ما اذا لم يفصل الثمن ولم يعین محل الخيار او فصل الثمن ولم يعین او عین ولم يفصل لجهالة الثمن والبيع او جهالة احدہما بقى ان فی صورة الجواز وان لم يوجد الجهالة لكن قبول ماليس بمبيع جعل شرطاً لقبول ما هو مبيع فينبغى ان يفسد بالشرط الفاسد عنده والجواب ان البيع بشرط الخيار داخل فی الايجاب فلا يصدق عليه انه ليس بمبيع من كل وجه بل هو مبيع من وجه فاعتبرنا الوجهين

نفی صورة الجهالة اعتبرنا انه ليس بمبيع حتى يفسد العقد وفي صورة ان يكون كل واحد منهما معلوما اعتبرنا انه مبيع حتى لا يفسد العقد

ترجمہ۔ اور دو غلاموں کا بیچنا کہ ایک میں خیار صحیح ہے اگر ہر ایک کا ثمن بیان کیا ہو اور محل خیار معین کیا ہو اور فاسد ہے باقی وجہوں میں اور وہ یہ ہیں (۱) نہ ثمن بیان کیا ہو نہ محل خیار معین کیا ہو (۲) یا ثمن بیان کیا ہو لیکن محل خیار معین نہ کیا ہو (۳) یا محل خیار معین کیا ہو لیکن ثمن بیان نہ کیا ہو۔ ثمن اور بیچ کی جہالت کی وجہ سے یا ایک کی وجہ سے۔ باقی رہ گئی یہ بات کہ جواز کی صورت میں جہالت اگرچہ موجود نہیں لیکن جو چیز بیچ نہیں ہے اس کو قبول بیچ کیلئے شرط بنایا گیا ہے تو شرط فاسد کی وجہ سے فاسد ہونا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ بیچ بشرط الخیار داخل ہے ایجاب میں نہ کہ حکم میں تو اس پر یہ صادق نہیں ہوتا کہ یہ بالکل بیچ نہیں ہے بلکہ وہ من وجہ بیچ ہے تو ہم نے دونوں وجہوں کا اعتبار کیا جہالت کی صورت میں ہم نے یہ اعتبار کیا کہ یہ بیچ نہیں ہے تو عقد فاسد ہوگا اور اس صورت میں کہ ہر ایک معلوم ہو یہ اعتبار کیا کہ وہ بیچ ہے حتیٰ کہ عقد فاسد نہ ہوگا

تشریح۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے خالد کے ہاتھ دو غلام فروخت کئے ایک ہزار روپے کے عوض اس شرط پر کہ خالد (مشری) کو ایک غلام میں خیار شرط حاصل ہوگا تو یہ عقد فاسد ہے اور تفصیل کے ساتھ یوں بتلا دیا کہ دو غلام ایک ہزار کے عوض اس شرط پر کہ ہر ایک کی قیمت پانچ سو روپے ہے اور خالد کو ایک میں مثلاً زیارت گل میں خیار ہے تو یہ بیچ جائز ہے حقیقت میں اس مسئلے کی چار صورتیں ہیں

(۱) فصل و عین؛ کہ ہر ایک کی قیمت بھی الگ الگ بتلا دی اور محل خیار بھی متعین کیا یہ صورت جائز ہے کیونکہ اس میں نہ جہالت ثمن ہے اور نہ جہالت بیچ

(۲) لم یفصل ولم یعین؛ یہ صورت فاسد ہے جہالت ثمن اور بیچ دونوں کی وجہ سے

(۳) فصل ولم یعین؛ ہر ایک کا ثمن تو الگ الگ بتلا دیا لیکن محل خیار معین نہ کیا ہو تو یہ صورت فاسد ہے جہالت بیچ کی وجہ سے

(۴) عین ولم یفصل؛ محل خیار معین کیا ہو لیکن ثمن الگ الگ بیان نہ کیا ہو یہ صورت فاسد ہے جہالت ثمن کی وجہ سے

حقہ ان فی صورة الجواز..... یہ ایک اعتراض کا جواب ہے

اعتراض یہ ہے کہ صورت نمبر (۱) میں اگرچہ بیچ یا ثمن مجہول نہیں ہے لیکن ایک اور خرابی ہے وہ یہ کہ: قبول مالیں بسمعی جعل شرط القبول المبیح؛ ہے یعنی وہ چیز جو بیچ نہیں ہے اس کو قبول کرنا شرط قرار دیا ہے قبول بیچ کیلئے اور یہ شرط فاسد ہے جس سے بیچ فاسد ہوتی ہے جیسے کوئی آدمی ایک زر (آزاد) اور ایک غلام کو بیچ کرے اگرچہ ہر ایک کا ثمن الگ الگ ذکر کرے تب بھی بیچ فاسد ہوتی ہے یا ایک مردار بکری اور ایک ذبح شدہ بکری کو بیچ کرے اور ایک ساتھ فروخت کرے تو دونوں کی بیچ فاسد ہے اسی طرح یہاں بھی بیچ فاسد ہونی چاہئے شارح

نے اس کا جواب دیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ بیع بشرط الخیار ایجاب میں داخل ہے حکم میں داخل نہیں یعنی جس غلام میں خیار ہے وہ محل بیع ہے وہ ایجاب میں داخل ہے وہ مال بیع نہیں ہے بلکہ بیع ہے لیکن حکم بیع یعنی ملکیت میں داخل نہیں لہذا وہ غلام جس میں خیار ہے نہ وہ محل بیع ہے اور نہ محل بیع نہیں ہے بلکہ ذمہ ہے لہذا ہم نے دونوں جہوں کا اعتبار کیا۔ ثمن یا بیع کے مجہول ہونے کی حالت میں ہم نے یہ اعتبار کیا کہ وہ بیع نہیں ہے تو بیع فاسد ہوگی اور جب دونوں معلوم ہوں تو ہم نے اس کا اعتبار کیا کہ وہ بیع ہے لہذا بیع فاسد نہ ہوگی

وشرء احد الثوبین او احد ثلثة على ان يعین ایا شاء فی ثلثة ایام صح لا ان لم یشرط تعیینه ولا فی احد اربعة لان القیاس عدم الجواز لکننا استحسننا فی الثلثة لمكان الحاجة لان الثلثة مشتملة على الجید والردي والمتوسط وفي الزائد على الثلثة ابقینا على الاصل وهو عدم الجواز واخذہ بالشفعة دارا بیعت بجنب ما شرط فيه الخیار رضاء ای اشتری دارا علی انه بالخیار فی بیعت دار بجنب تلك الدار واخذها المشتري بشفعة فهذا الاخذ دلیل رضاء بشرء تلك الدار لان الاخذ بالشفعة یقتضی اجازة فی شراء المشفوع به

ترجمہ اور خریدنا دو کپڑوں میں سے ایک کا یا تین میں سے ایک کا اس شرط پر کہ متعین کرے جس کو چاہے تین دن میں تو یہ صحیح ہے اور صحیح نہیں ہے اگر تعین کی شرط نہ لگائی ہو اور نہ چار میں سے ایک کا کیونکہ قیاس تو ہے عدم جواز کا لیکن ہم نے استحسان کی وجہ سے تین کی اجازت دیدی کیونکہ اس میں حاجت ہے اسلئے کہ تین مشتمل ہے اعلیٰ گھیا اور متوسط پر اور تین سے زیادہ میں ہم نے اپنی اصل پر باقی رکھا اور وہ عدم جواز ہے اور شفعة کے ذریعہ اس گھر کو خریدنا جو بک گیا ہو اس کے گھر کے پڑوس میں جس میں خیار ہے یہ رضامندی ہے یعنی کسی نے گھر خرید لیا اس شرط پر کہ اس کو خیار ہے اور اس کے پڑوس میں گھر بک گیا اور مشتری نے اس کو لے لیا شفعة کے ساتھ تو یہ لینا دلیل ہے رضامندی کی اس گھر کی خریداری پر کیونکہ شفعة کے ساتھ لینا تقاضا کرتا ہے اجازت کا اس گھر میں جس کے ذریعے شفعة کیا ہے

تشریح خیار تعین صرف تین دن تک ثابت ہے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دو کپڑوں میں سے یا تین کپڑوں میں سے ایک کپڑا خریدا اس شرط پر کہ مشتری کو اختیار ہے جو ناسا چاہے دس روپے میں لے لے اس طرح بیع کرنا صحیح ہے اور یہ خیار تعین کہلاتا ہے خیار تعین بھی خیار شرط کی طرح ضرورت اور حاجت کی وجہ سے جائز ہے کیونکہ ایک آدمی دو چیزوں میں سے ایک کو لینا چاہتا ہے لیکن تعین کیلئے گھر لجاتا ہے اور بائع بغیر فروخت کرنے کے حوالہ نہیں کرتا تو ضرورت پیش آئی کہ اس کو فروخت کرے خیار تعین کے ساتھ ورنہ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ جائز نہ ہوتا کیونکہ بیع فقط ایک کپڑا ہے اور وہ مجہول ہے اور بیع مجہول ہونے کی صورت میں بیع فاسد ہوتی ہے لیکن ہم نے استحساناً جائز قرار دیدیا وجہ حاجت اور

ضرورت اور حاجت تین پر پوری ہوتی ہے کیونکہ تین مشتکل ہے اعلیٰ ادنیٰ اور متوسط پر تین سے زیادہ کی ضرورت نہیں لہذا وہ اپنے اصل قیاس یعنی عدم جواز پر باقی ہے اسی طرح جب تعین کی شرط نہ لگائی ہو تب بھی قاسد ہے کیونکہ جہالت مفہمی الی النزاع ہے اور تین میں اگرچہ جہالت تو ہے لیکن مفہمی الی النزاع نہیں ہے اسلئے کہ من لہ الخیار کو تعین کا اختیار دیا گیا ہے

واخذہ بالشفعة داراً... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے گھر خریدا خیار شرط کے ساتھ پھر اس گھر کے قریب دوسرا گھر یک گیا تو مشتری نے مدت خیار کے اندر اس گھر پر شفے کا دعویٰ کیا اور شفے کے ذریعے وہ گھر لے لیا تو یہ شفے کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مشتری اپنے خیار ساقط کرنے پر اور سابقہ گھر کی بیچ کے تمام ہونے پر راضی ہے ورنہ شفے نہ کرنا شفعا اس بات کی دلیل ہے کہ بیچ سابق تام ہوگئی

وخيار المشتريين يسقط برضاء احدهما وكذا خيار العيب والرؤية لانه ان رده الآخر يكون معيبا بعيب الشركة وعندهما للاخر ولاية الرد لان الخيار ثابت لكل واحد وعبد مشري بشرط خبزه او كته ووجد بخلافه اخذه بضمنه اوترك لان الاوصاف لا يقابلها شيء من الثمن

ترجمہ۔ دو مشتریوں کا خیار شرط ساقط ہوتا ہے ایک کی رضامندی سے اسی طرح خیار عیب اور خیار رؤیت بھی ہے کیونکہ اگر دوسرا واپس کرے گا تو وہ عیب دار ہوگی عیب شرکت کے ساتھ اور صاحبین کے نزدیک دوسرے کو واپس کرنے کا حق ہے کیونکہ خیار ہر ایک کیلئے ثابت ہے اور وہ غلام جو خریدا گیا ہو اس شرط پر کہ وہ نان پز ہے یا کاتب ہے اور وہ اس کے خلاف پایا گیا تو لے پورے ثمن کے ساتھ یا چھوڑ دے کیونکہ اوصاف کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا

تشریح۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک چیز دو آدمیوں کو فروخت کر دی اور دونوں کیلئے خیار شرط رکھا پھر دونوں میں سے ایک نے اپنا خیار ساقط کیا یعنی واپس کرنے سے رک گیا اور بیچ کو جائز کر دیا تو دوسرا اس چیز کو بائع کی طرف واپس نہیں کر سکتا اسی طرح خیار عیب میں بھی کہ دو شخصوں نے ایک چیز خریدی اور وہ عیب دار نکل آئی ایک عیب پر راضی ہوا تو دوسرا ب عیب کی وجہ سے واپس نہیں کر سکتا اسی طرح خیار رؤیت بھی ہے کہ دونوں میں سے ایک دیکھنے کے بعد اس پر راضی ہوا تو اب دوسرا خیار رؤیت کی وجہ سے واپس نہیں کر سکتا یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے

حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ جب ایک راضی ہوا تو دوسرا اپنا خیار استعمال کر سکتا ہے یعنی خیار کی وجہ سے واپس کر سکتا ہے

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جب خیار ثابت ہے دونوں کیلئے تو ہر ایک کیلئے بھی ثابت ہوگا اور ایک کے ساقط کرنے کی وجہ سے دوسرے کا خیار ساقط نہ ہوگا

حضرت امام صاحب فرماتے ہیں کہ بیچ بائع کی ملک سے صحیح سالم نقلی تھی اس میں کوئی عیب شرکت نہ تھا اور اب جب ایک آدمی واپس کرے گا تو اس میں عیب شرکت موجود ہے جسکی وجہ سے بائع پر ضررزا مند لازم ہوتا ہے جو اس کا مستحق نہیں لہذا واپسی کا اختیار نہ ہوگا

وعمد مشتری؛... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک غلام خرید لیا اس شرط پر کہ یہ نان پڑے روٹی پکانے والا ہے یا وہ کاتب ہے جب گھر لایا تو پتہ چلا کہ وہ نان پڑ نہیں بلکہ نان خور ہے روٹی پکانے کا نام ہی نہیں جانتا اور نہ کاتب ہے تو اس صورت میں مشتری کو اختیار ہیں (۱) یہ کہ پورے ٹمن کے ساتھ لے لے (۲) یا قسح کر دے اور غلام چھوڑ دے اسلئے کہ وصف مرغوب فی فوت ہو گیا ہے۔ یہ نہیں کر سکتا کہ غلام کو اپنے پاس رکھے اور قیمت کم کرے اسلئے نان پڑ ہونا یا کاتب ہونا اوصاف ہیں اور اوصاف کے مقابلہ میں ٹمن نہیں ہوتا۔

## فصل فی خيار الرؤية

( یہ فصل ہے خيار رؤیت کے بیان میں )

صح شراء مالم يره خلافا للشافعي ولمشتره الخيار عندها اي عند الرؤية الي ان يوجد مبطله وان رضی قبلها اي ان رضی قبل الرؤية يكون له حق الفسخ اذا راه لكن لو فسخ قبل الرؤية ينفذ الفسخ بحكم انه عقد غير لازم حتى لا يجوز اجازته عند الرؤية لا لبائعه اي اذا باع شيئاً لم يره لا يكون الخيار اذراه

ترجمہ صحیح ہے اس چیز کا خریدنا جس کو نہ دیکھا ہو برخلاف امام شافعی کے اور مشتری کو اختیار ہے دیکھنے کے وقت یہاں تک کہ اسکو باطل کرنے والا پایا جائے اگر چہ وہ اس سے پہلے راضی ہو چکا ہو یعنی اگر چہ وہ دیکھنے سے پہلے راضی ہو چکا ہو تب بھی اس کو قسح کرنے کا حق حاصل ہے جب دیکھ لے لیکن اگر دیکھنے سے پہلے قسح کرنا چاہے تو قسح نافذ ہوگا اس وجہ سے کہ یہ عقد غیر لازم ہے یہاں تک کہ جائز نہیں اسکی اجازت دیکھنے کے وقت نہ کہ بائع کیلئے یعنی بیچ دی وہ چیز جس کو نہ دیکھا ہو تو اس کو اختیار نہیں جب دیکھ لے

تشریح خيار رؤیت کا ثبوت: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بغیر دیکھنے کوئی چیز خرید لی تو یہ جائز ہے اور مشتری جب اس چیز کو دیکھ لے تو اس کو اختیار ہوگا چاہے تو لے لے یا عقد قسح کر دے۔ حضرت امام شافعی کے نزدیک ایسی چیز کی خریداری جائز نہیں جس کو نہ دیکھا ہو کیونکہ جب مشتری نے بیع کو دیکھا نہیں تو بیع مشتری کے حق میں مجہول ہے اور مجہول کی بیع درست نہیں ہوتی

ہماری دلیل یہ حدیث ہے، من اشتری شيئاً لم يره فلا خيار اذا راه، یہ حدیث اس باب میں نص ہے کہ بغیر دیکھے بیع کو خریدنا جائز ہے

عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ جہالت مفہمی الی النزاع نہیں ہے تو عقد فاسد نہ ہوگا اور مشتری کو اختیار اس وقت تک حاصل ہوگا جب تک کوئی مبطل نہ پایا جائے

وان رضی قبلھا... اگرچہ مشتری دیکھنے سے پہلے بیع پر راضی ہو چکا ہو تب بھی اس کو خیار رؤیت حاصل ہوگا اور دیکھنے کے وقت اگر پسند نہ آئے تو واپس کر سکتا ہے کیونکہ خیار رؤیت دیکھنے کے وقت حاصل ہوتا ہے اس سے پہلے حاصل نہیں ہوتا اور جب حاصل نہیں تو ختم بھی نہیں کر سکتا دیکھنے سے پہلے

لکن لو فتح قبل الرؤیۃ... ایک سوال کا جواب ہے

سوال یہ ہے کہ جب دیکھنے سے پہلے اپنا خیار ختم نہیں کر سکتا تو دیکھنے سے پہلے عقد فتح کرنے کا حق بھی حاصل نہ ہونا چاہئے کیونکہ فتح کرنا بھی ثبوت خیار ہی کا نتیجہ ہے جب خیار ثابت نہیں تو فتح کرنے کا حق بھی حاصل نہ ہونا چاہئے

جواب یہ ہے کہ رؤیت سے پہلے مشتری کیلئے عقد فتح کو فتح کرنے کا حق اس خیار کی وجہ سے نہیں ہے جسا حدیث تقاضا کرتی ہے بلکہ یہ حق اسلئے ہے کہ خیار رؤیت کی وجہ سے عقد فتح لازم نہیں ہے اور غیر لازم عقد کو ہر وقت فتح کیا جاسکتا ہے اور جب غیر لازم عقد کو فتح کر دیا تو دوبارہ اس کی اجازت دینا جائز نہیں رؤیت کے وقت

لا البائعہ.. خیار رؤیت مشتری کیلئے تو ثابت ہے لیکن بائع کیلئے ثابت نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے

من اشتری شیئاً لم یرہ فلد الخیار اذا رآه، اس میں خیار رؤیت خریدار کیلئے ثابت کیا ہے نہ کہ فروخت کرنے والے کیلئے

نیز حضرت عثمان بن عفان نے حضرت طلحہؓ کو ایک زمین بیچی تھی بصرہ میں جو دونوں نے نہیں دیکھی تھی اور ہر ایک خیار رؤیت کا مدعی تھا حضرت جبیر بن مطعم نے حضرت طلحہؓ کیلئے خیار رؤیت ثابت کیا حضرت عثمانؓ کیلئے ثابت نہیں مانا کیونکہ حضرت عثمانؓ بائع تھے اور یہ فیصلہ صحابہ کرام کے مجمع میں تھا تو اس پر اجماع ثابت ہوا

ویبطله وخیار الشرط تعیبہ وتصرف لا ینفسخ کالاعتاق والتدبیر او یوجب حقاً لغيره کالبيع المطلق ای بدون شرط الخیار والرهن والاجارة قبل الرؤیۃ او بعدھا ای هذه التصرفات تبطل خیار الرؤیۃ سواء كانت قبل الرؤیۃ او بعدھا وما لا یوجب حقاً لغيره کالبيع بالخیار والمساومة والهبة بلا تسلیم ینطل بعدھا لا قبلھا لان هذه التصرفات لا تزید علی صریح الرضاء وهو انما ینطله بعد الرؤیۃ اما التصرفات الاول فہی اقوی لان بعضها لا یقبل الفسخ وبعضھا یوجب حقاً لغيره فلا یمکن ابطاله

ترجمہ... خیار رؤیت اور خیار شرط کو باطل کرتا ہے بیع کو عیب دار کرنا اور یا ایسا تصرف کرنا جو قابل فتح نہ ہو جیسے غلام کو آزاد کرنا یا مدبر بنانا۔ یا غیر کا حق ثابت کرنا جیسے بیع مطلق یعنی بغیر خیار شرط کے یا رہن رکھنا یا کرایہ پر دینا دیکھنے سے پہلے یا دیکھنے کے بعد یعنی یہ تصرفات خیار رؤیت کو باطل کرتے ہیں چاہے دیکھنے سے پہلے ہو یا بعد اور جو غیر کا حق ثابت نہیں کرتے جیسے بیع خیار شرط کے ساتھ اور بھاؤ کرنا اور ہبہ



کرنا بغیر تسلیم کے باطل کرتے ہیں دیکھنے کے بعد نہ کہ دیکھنے سے پہلے کیونکہ یہ تصرفات صراحتہ رضامندی سے زیادہ نہیں ہیں اور اس میں رؤیت کے بعد باطل ہوتے ہیں اب رہے پہلے تصرفات تو وہ زیادہ قوی ہیں کیونکہ اس میں بعض تو بالکل صحیح کو قبول نہیں کرتے اور بعض دوسرے کا حق واجب کرتے ہیں تو اس کو باطل کرنا ممکن نہیں ہے

### تشریح خیار رؤیت کن کن تصرفات سے باطل ہوتا ہے:

فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ خیار شرط اور خیار رؤیت باطل ہوتے ہیں مجمع کو عیب دار کرنے سے یا مجمع میں ایسے تصرف کرنے سے جو قابل صحیح نہ ہو جیسے غلام کو بن دیکھے خرید اور پھر غلام کو آزاد کر دیا یا مدبر کر دیا تو یہ ایسا تصرف ہے جو قابل صحیح نہیں ہے لہذا اس صورت میں مشتری کا خیار رؤیت باطل ہو گیا یا مجمع میں ایسا تصرف کیا جس کی وجہ سے غیر کا حق ثابت اور لازم ہو گیا جیسے کوئی چیز بن دیکھے خریدی اور اس کو آگے بیچ دیا بیع مطلق کے ساتھ بغیر خیار شرط کے یا رہن میں رکھ دیا کسی کو کرایہ پر دیدیا تو ان تصرفات کی وجہ سے غیر کا حق مجمع کے ساتھ بیوستہ ہو گیا اور مجمع قابل واپسی نہ رہی لہذا ان جیسے تصرفات سے خیار رؤیت باطل ہو گا چاہے یہ تصرفات رؤیت سے پہلے ہو یا رؤیت کے بعد۔ اور اگر مجمع میں ایسا تصرف کیا جسکی وجہ سے غیر کا حق مجمع کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتا جیسے بیچنا خیار رؤیت کے ساتھ یا بھاؤ کیلئے پیش کرنا یا بہہ کرنا جو ابھی تک موہوب لہ کے قبضہ میں نہ دیا ہو تو اس جیسے تصرفات اگر رؤیت کے بعد ہو تو خیار باطل ہوتا ہے اور اگر رؤیت سے پہلے ہو تو خیار باطل نہیں ہوتا کیونکہ رؤیت سے پہلے صراحتہ رضامندی سے بھی خیار باطل نہیں ہوتا حالانکہ یہ تو دلالتہ رضامندی ہے اس سے تو بطریقہ اولی باطل نہ ہوگا اور رؤیت کے بعد صراحتہ رضامندی سے خیار باطل ہوتا ہے تو دلالتہ رضامندی سے بھی باطل ہوگا

اب رہے تصرفات سابقہ اعماق اور بیع وغیرہ تو ان میں سے بعض تو قابل صحیح نہیں جیسے اعماق اور تدبیر اور بعض کے ساتھ غیر کا حق وابستہ ہے جیسے بیع مطلق اور رہن اجارہ وغیرہ کہ ان میں کسی بھی صورت میں خیار باقی نہیں رہے گا

والنظر الی وجه الامتة والصبرة ووجه الدابة وكفها وظاهر ثوب مطوی غر معلم الی موضع

علمه معلما ونظرو وكيله بالشراء او بالقبض كاف لانظر رسوله الوكيل بالقبض هو الذي ملكه القبض فقال له كن وكيلا عنى بقبضه بخلاف الرسول فانه الذي امره بقاء الرسالة بالتسليم فالبائع اذا لم يسلم اليه لا يملك الخصونة بخلاف الوكيل وعندهما نظر الوكيل بالقبض غير كاف لانه وكله بالقبض لا بالنظر ولا بى حنيقة ان القبض الكامل بالنظر ليعلم ان هذا هو الذي امره بقبضه

ترجمہ اور دیکھنا پابندی کے چہرے کو اور غلے کے ڈھیر کو اور سواری کے چہرے اور سرین کو اور تہہ کئے ہوئے کپڑے کے ظاہر کو جو نقش و نگار والا نہ ہو اور نقش و نگار کی جگہ کو جو نقش ہو اور خریداری کے وکیل یا قبضہ کرنے کے وکیل کا دیکھنا کافی ہے نہ کہ قاصد کا دیکھنا وکیل یا قبضہ وہ ہے جس کو قبضہ کرنے کا وکیل بنایا ہو کہ ان سے کہا ہو کہ تو میری طرف سے قبضہ کرنے کا وکیل بن جا بخلاف قاصد کے کیونکہ یہ وہ ہے جس کو حکم کیا ہو پیغام پہنچانے کا حوالگی کا اگر بائع ان کو حوالہ نہ کرے تو یہ خصوصیت کا مالک نہیں بر خلاف وکیل کے۔ اور صاحبین کے نزدیک قبضہ

کے وکیل کی نظر کافی نہیں ہے کیونکہ وہ وکیل ہے قبضہ کرنے کا نہ کہ دیکھنے کا، حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قبضہ کامل دیکھنے سے ہوتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ وہی چیز ہے جس پر قبضہ کرنے کا حکم ملا ہے

**تشریح مقصود دیکھنے سے خیار رؤیت ساقط ہوتا ہے:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے باندی خرید لی اور اس کا چہرہ دیکھ لیا یا غلطے کا ڈھیر خرید لیا اور ڈھیر کا ظاہری حصہ دیکھ لیا یا سواری خریدی اور اس کا چہرہ اور سرین دیکھ لئے یا کپڑے کا ایک تھان خرید لیا اور تھان کا ظاہری حصہ دیکھ لیا اور بقیہ کپڑا پلٹا ہوا ہے تو ان سب صورتوں میں مشتری کا خیار رؤیت ساقط ہو گیا کیونکہ مقصود کے دیکھنے سے خیار رؤیت ساقط ہوتا ہے اسلئے کہ پوری بیچ کو تو دیکھنا محذور ہے جب پوری بیچ کو دیکھنا محذور ہو تو جو چیز بیچ میں مقصود ہوتی ہے اس کے دیکھنے سے خیار ساقط ہوگا ورنہ نہیں جیسے چہرہ آدمی میں مقصود ہے جانور میں چہرہ اور سرین کپڑے کے تھان کا ظاہر اور گندم کے ڈھیر کا ظاہری حصہ لہذا اس کا دیکھنا کافی ہوگا البتہ اگر کپڑے میں کوئی نقش و نگار یا پھول وغیرہ مقصود ہو تو پھر اس نقش و نگار کی جگہ کو دیکھنا ضروری ہوگا اس کے بغیر ساقط نہ ہوگا

**قولہ ونظر وکیلہ بالشرع او بالقبض:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو وکیل بنایا کہ تم میرے واسطے یہ چیز خرید لو، یا چیز تو بائع نے خود خرید لی لیکن ابھی تک دیکھی نہیں ہے اور دوسرے شخص کو وکیل بناتا ہے کہ جاؤ تم اس پر قبضہ کر لو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وکیل کے دیکھنے سے مشتری کا خیار رؤیت ساقط ہو جاتا ہے پھر مشتری کو خیار رؤیت کی وجہ سے واپس کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا اور اگر مشتری نے بن دیکھے کوئی چیز خریدی اور پھر کسی کو قاصد بنا کر بائع کے پاس بھیج دیا کہ میری طرف سے قاصد بن جا اور بائع سے بیچ قبضہ کر تو قاصد کے دیکھنے سے مشتری کا خیار رؤیت ساقط نہ ہوگا

### وکیل بالقبض اور رسول بالقبض کا فرق:

وکیل اور رسول میں فرق یہ ہے کہ رسول صرف پیغام پہنچانے کا مالک ہے مزید کارروائی نہیں کر سکتا اور وکیل بالقبض قبضہ کرنے کے ساتھ خصوصیت اور مقدمہ چلانے کا بھی مالک ہے یہ امام صاحب کا مذہب ہے حضرت صاحبین کے نزدیک وکیل بالقبض بھی رسول کی طرح ہے یعنی اس کے دیکھنے سے مشتری کا خیار رؤیت باطل نہیں ہوتا جیسے کہ رسول کے دیکھنے سے باطل نہیں ہوتا اسلئے کہ وہ وکیل ہے قبضہ کرنے کا نہ کہ نظر کرنے کا یعنی وہ خیار رؤیت باطل کرنے کا وکیل نہیں تو اس کے دیکھنے سے خیار رؤیت بھی باطل نہ ہوگا

**حضرت امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ قبضہ دو قسم پر ہیں (۱) قبضہ کامل (۲) قبضہ ناقص** قبضہ کامل رؤیت کے ساتھ ہوتا ہے اور قبضہ ناقص بغیر رؤیت کے ہوتا ہے جب مؤکل خود قبضہ کی دونوں قسموں کا مالک ہے تو وکیل بھی دونوں قسموں کا مالک ہوگا جب قبضہ کامل (یعنی دیکھنے) سے مؤکل کا خیار ساقط ہوتا ہے تو وکیل کے قبضہ کامل یعنی دیکھنے سے بھی مؤکل کا خیار ساقط ہوگا نیز وکیل کی نظر اسلئے بھی

ضروری ہے کہ وہ دیکھ لے کہ یہ وہی چیز ہے جس کے قبضہ کرنے پر دکیل بنایا گیا ہے یا کوئی دوسری چیز ہے بہر حال دکیل کی نظر بھی مؤکل کی نظر کی طرح ہے

وشرط رؤیة داخل الدار اليوم انما قال اليوم لان الروایة انه اذا رأى حیطان الدار واشجار البستان من خارج كان كافیا وذلك لان دورهم وبساتینهم لم تكن متفاوتة فرؤیة الخارج كانت مغنیة عن رؤیة الداخل اما الان فالتفاوت فاحش فلا بد من رؤیة الداخل

ترجمہ اور شرط ہے گھر کو اندر سے دیکھنا آجکل فرمایا، الیوم، کیونکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب گھر کی دیواریں اور باغ کے درختوں کو باہر سے دیکھ لیا تو یہ کافی ہے۔ یہ اس لئے کہ اس دور کے گھر اور باغات متفاوت نہیں ہوتے تھے باہر سے دیکھنا اندر کے دیکھنے سے بے نیاز کر دیتا تھا اور اب تو تفاوت فاحش ہے تو اندر سے دیکھنا ضروری ہے

**تشریح مکان یا باغ کو باہر سے دیکھنے سے خیار رؤیت ساقط نہیں ہوتا:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مکان خرید لیا اور اس کو باہر سے دیکھ لیا تو اس کا خیار رؤیت ساقط نہ ہوگا جب تک مکان کو اندر سے نہ دیکھ لے اور اسکے کردوں کو نہ دیکھے۔ مصنف نے جو، الیوم، فرمایا یہ اس لئے کہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ باہر سے دیکھنا یا دیواروں کو دیکھنا یا باغ کے درختوں کو باہر سے دیکھنا کافی ہے اس سے خیار رؤیت ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ اختلاف، اختلاف زمان اور اختلاف مکان، پر محمول ہے کیونکہ اس زمانے میں اہل کوفہ کے مکانات باہر اور اندر سے یکساں ہوتے تھے اس میں تفاوت نہ ہوتا تھا لیکن اس زمانے میں ایسا نہیں ہے بلکہ باہر اور اندر میں بہت فرق ہوتا ہے لہذا صرف باہر پر اکتفاء نہ کیا جائے گا جب تک اندر کردوں کو نہ دیکھے یہ حضرت امام زفر کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے

وبیع الاعمی وشرائه صح وله الخیار مشتریا ویسقط بمسه المبیع وشمه وذوقه ای بمسه فیما یدرك بالمس وبشمه فیما یدرك بالشتم وبذوقه فیما بالذوق وبوصف العقار ولا اعتبار لوقوفه فی مکان لو كان بصیرا یراه كما هو قول ابی یوسف

ترجمہ: اور ناپینا کا بیچنا اور خریدنا صحیح ہے اور اس کو اختیار ہوگا اگر خرید لے اور اس کا خیار ساقط ہوگا شیخ کو چھونے سے اور سونگھنے سے اور دیکھنے سے یعنی چھونے سے جو چیز چھونے سے پہچانی جاتی ہو اور دیکھنے سے جو چیز دیکھنے سے پہچانی جاتی ہو اور سونگھنے سے جو چیز سونگھنے سے پہچانی جاتی ہو اور جائیداد کے وصف بیان کرنے سے اور اعتبار نہیں ہے اسکے کھڑے ہونے کیلئے ایسے مکان میں کہ اگر یہ بیٹا ہوتا تو دیکھ لیتا جیسے کہ امام ابو یوسف کا قول ہے

**تشریح ناپینا کا خیار رؤیت کب ساقط ہوگا؟ مسئلہ یہ ہے کہ ناپینا آدمی کی خرید اور فروخت جائز ہے اور اگر وہ مشتری ہو تو**

اس کیلئے خیار رؤیت بھی ثابت ہوگا کیونکہ اس نے ایسی چیز خریدی ہے جس کو دیکھا نہیں اب اسکا خیار رؤیت اس طریقے پر ساقط ہوگا کہ جو چیز ٹوٹنے اور چھونے سے معلوم ہوتی ہے اس کو چھونے سے ساقط ہوگا اور جو چیز سوگھنے سے معلوم ہوتی ہے اس کو سوگھنے سے ساقط ہوگا اور جو چیز ایسی ہو جو چھکنے سے معلوم ہوتی ہے اس کو چھکنے سے خیار رؤیت ساقط ہوگا

اور اگر ناپینا نے جائیداد یا زمین خرید لی تو اس کا خیار رؤیت ساقط نہ ہوگا تا وقتیکہ اسکا بھر پور طریقے سے وصف بیان نہ کیا جائے کیونکہ وصف بیان کرنا رؤیت کے قائم مقام ہے اور جب ناپینا کے سامنے زمین یا مکان کا وصف بیان کر دیا گیا اور وہ اسی پر راضی ہوا تو اس کا خیار ساقط ہو گیا

حضرت امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ اس ناپینا کو زمین یا مکان کی کسی ایسی جگہ میں کھڑا کیا جائے کہ اگر یہ پینا ہوتا تو دیکھ لیتا۔ اگر ایسا کیا گیا اور ناپینا نے کہا کہ میں راضی ہوں تو اسکا خیار ساقط ہوگا۔ شارح فرماتے ہیں کہ اسکا کوئی اعتبار نہیں چاہے وہ مکان میں کھڑا ہوا دوسری جگہ میں دونوں برابر ہیں

ومن رأى احد الثوبين ثم شرهما فله ردهما لارد الاخر وحده لثلا يلزم تفريق الصفقة قبل التمام ومن رأى شيئا ثم شره اخيرا وجده متغيرا والا والقول للبائع في عدم تغيره وللمشتري في عدم رؤيته اى اذا اشترى شيئا قد رآه فقال البائع انه لم يتغير حتى لا يكون لك الخيار فالقول للبائع مع حلفه ولو قال المشتري لم اره ولم يالخيار فالقول للمشتري مع الحلف

ترجمہ۔ اور جس نے دو تھانوں میں سے ایک کو دیکھ کر پھر دونوں کو خرید لیا پھر دوسرے کو دیکھ لیا تو دونوں واپس کر سکتا ہے نہ کہ اکیلے دوسرے کو تاکہ تفریق صفقہ قبل التمام لازم نہ ہو اور جس کسی نے کسی چیز کو دیکھ لیا اور پھر خرید لیا تو اس کو اختیار ہوگا اگر بدلا ہوا پائے ورنہ نہیں اور قول بائع کا معتبر ہوگا عدم تغیر میں اور مشتری کا قول معتبر ہوگا عدم رؤیت میں یعنی جب کوئی چیز خرید لی جس کو دیکھا تھا تو بائع نے کہا کہ اس میں تغیر نہیں آیا لہذا آپ کیلئے خیار نہیں تو قول بائع کا معتبر ہوگا قسم کے ساتھ اور اگر مشتری نے کہا کہ میں نے نہیں دیکھا تھا اور میرے لئے خیار ہے تو قول مشتری کا معتبر ہوگا قسم کے ساتھ

**تشریح جب دو تھانوں میں خیار رؤیت ہو تو یا دونوں کو لے گا یا دونوں واپس کرے گا:**

صورت مسئلہ یہ ہے ایک شخص نے کپڑوں کے دو تھانوں میں سے ایک کو دیکھ لیا پھر دونوں کو ایک صفقہ کے ساتھ خرید لیا پھر جب دوسرے تھان کو دیکھ لیا تو اس کو خیار رؤیت ہے اور اسی خیار رؤیت کی وجہ سے یا دونوں کو واپس کرے گا یا دونوں کو لے گا صرف ایک تھان کو واپس نہیں کر سکتا اسلئے کہ لازم آتا ہے تفریق صفقہ قبل التمام اور تفریق صفقہ قبل التمام ناجائز ہے اور تفریق صفقہ قبل التمام اس لئے لازم آتا ہے کہ خیار رؤیت کے ساتھ صفقہ تام نہیں ہوتا خواہ مشتری نے صحیح پر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہے لہذا یا دونوں کو واپس کرے گا یا دونوں کو لے گا

ومن رأى شيئا: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک چیز دیکھ لی پھر کچھ زمانہ بعد اس کو خرید لیا اگر یہ چیز اسی صفت پر ہے جس صفت پر دیکھا تھا تو مشتری کیلئے خیار ردیت حاصل نہ ہوگا کیونکہ ردیت سابقہ سے مشتری کو بیع کے اوصاف کا علم ہو چکا ہے اور جب بیع کے اوصاف کا علم حاصل ہوا تو خیار ردیت حاصل نہ ہوگا اور اگر مشتری نے بیع کے اوصاف سابقہ سے خیر پایا تو مشتری کو خیار ردیت حاصل ہوگا کیونکہ سابقہ اوصاف بیع میں نہیں ہیں یہ ایسا ہے گویا کہ دیکھا ہی نہ تھا اور جب دیکھا نہیں تو اب خیار ردیت حاصل ہوگا

والقول للبائع: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر بائع اور مشتری کا اختلاف پیدا ہو جائے تغیر اور عدم تغیر میں مشتری کہتا ہے کہ بیع میں تغیر آیا گیا ہے یہ سابقہ اوصاف پر باقی نہیں ہے بلکہ خیر ہوئی ہے لہذا میرے لئے خیار ردیت از سر نو ثابت ہوگا اور بائع کہتا ہے کہ بیع میں کوئی تغیر نہیں آیا بلکہ سابقہ اوصاف پر باقی ہے اور آپ نے پہلے دیکھا تھا دوبارہ خیار ردیت آپ کیلئے ثابت نہیں ہے تو اس صورت میں بائع کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ اسلئے کہ مشتری مدعی ہے اثبات تغیر کا اور اس کے پاس گواہ نہیں ہیں اور بائع منکر ہے اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے یمین کے ساتھ لہذا قول بائع کا معتبر ہوگا

اور اگر مشتری نے کہا کہ میں نے بیع کو دیکھا نہیں تھا لہذا میرے لئے خیار ردیت حاصل ہے اور بائع کہتا ہے کہ تم نے دیکھا تھا تو اس صورت میں بائع ردیت کے اثبات کا مدعی ہے اور اس کے پاس گواہ نہیں ہیں اور مشتری ردیت کا منکر ہے لہذا مشتری کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ

ولو اشترى عدل زطى وقبضه فباع منه ثوباً او هب وسلم لم يرد به بخيار رؤية او شرط بل بعيب الزط جيل من الناس فى سواد العراق والثوب الزطى ينسب اليهم الاصل فيه ان رد البعض يوجب تفریق الصفقة وهو قبل التمام لا يجوز وبعد التمام يجوز ثم خيار الشرط والرؤية يمنعان تمام الصفقة وخيار العيب يمنعه قبل القبض لا بعده وهذا لانه اذا شرط الخيار لاحدهما لم يتحقق الرضاء الكامل وكذا لم ير المشتري مشتراه اما اذا لم يشترط الخيار او شرط الخيار فاجاز من له الخيار او المشتري قد رأى المبيع فرضى به فبعد ذلك ان قبض فقد تم الصفقة لحصول الرضاء الكامل لكن مع ذلك يمكن ان يكون المبيع معيباً والمشتري لا يرضى به فيفسخ العقد فذلك امر متوهم فلا يمنع تمام الصفقة وان لم يقبض المبيع فالبيع فى معرض الفسخ بان يهلك فى يد البائع فيرتفع العقد فاذا اجتمع الامران اى عدم القبض ووجود العيب فيتقوى احدهما بالاخر فلا يتم الصفقة ويظهر هذا فى المسئلة التى تاتى وهى قوله ولو اشترى عهدين صفقة وقبض احدهما ووجد به او بالاخر عيباً

ترجمہ جس نے زطی کپڑے کی ایک گٹھڑی خرید لی اور اس پر قبضہ کر لیا اور ان میں ایک کپڑا فروخت کر دیا یا ہبہ کر دیا اور پھر دکر دیا تو واپس

نہیں کر سکتا خیار رؤیت اور شرط کی وجہ سے البتہ عیب کی وجہ سے کر سکتا ہے۔ زط۔ ایک قبیلہ ہے عراق کے شہروں میں سے ثوب زطی ان کی طرف منسوب ہے اصل اس میں یہ ہے کہ بعض کو واپس کرنا واجب کرتا ہے تفریق صفقہ اور یہ قبل التمام ناجائز ہے اور تمام ہونے کے بعد جائز ہے پھر خیار شرط اور خیار رؤیت روک دیتے ہیں تمام صفقہ کو اور خیار عیب روک دیتا ہے قبل قبضہ کے نہ کہ بعد قبضہ کے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ جب شرط ہو خیار دونوں میں سے ایک کیلئے تو رضاء کامل تحقق نہیں ہے اسی طرح مشتری نے اپنی خریدی ہوئی چیز کو نہ دیکھا ہو۔ اور جب خیار کی شرط نہ لگائی گئی ہو یا شرط ہو لیکن جس کیلئے خیار تھا اس نے اجازت دیدی اور یا مشتری نے بیع کو دیکھا اور عیب پر راضی ہو گیا اگر قبضہ کر چکا ہے تو صفقہ تام ہوا کیونکہ رضاء کامل حاصل ہو چکی لیکن اس کے باوجود ممکن ہے کہ بیع عیب دار ہو اور مشتری اس پر راضی نہ ہو تو عقد کو صحیح کر گیا یہ ایک امر متوہم ہے یہ تمام صفقہ کیلئے مانع نہیں ہے اور اگر بیع پر قبضہ نہ کیا ہو تو بیع محل صحیح میں ہے بایں طور کہ وہ بائع کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو عقد ختم ہو جائے گا جب دونوں ہاتھ جمع ہو گئیں یعنی عدم قبضہ اور وجود عیب تو ایک نے دوسرے کے ساتھ قوت پکڑی تو صفقہ تام نہیں ہے اور ظاہر ہو گیا یہ اس مسئلے میں جو آ رہا ہے ولو مشتری عیب مانع میں

**تشریح تفریق صفقہ قبل التمام ناجائز ہے اور بعد التمام جائز ہے:**

صورت مسئلہ یہ ہے ایک شخص نے ایک گھڑی زطی تھا تو ان کی خریدی حالانکہ اس کو دیکھا نہیں تھا اور اس پر قبضہ بھی کر لیا پھر اس گھڑی میں سے ایک تھان فروخت کر دیا یا ہبہ کر کے سپرد کر دیا تو مشتری خیار شرط اور خیار رؤیت کی وجہ سے باقی تھا تو کو واپس نہیں کر سکتا اور اس کا خیار رؤیت اور خیار شرط ساقط ہو چکا ہے کیونکہ جو تھان مشتری کی ملکیت سے نکل گیا ہے اس کے ساتھ تو غیر کا حق متعلق ہو چکا ہے تو اس کا واپس کرنا محذور ہے اور جب اس ایک تھان کے بغیر باقی بیع کو واپس کرنا چاہے تو لازم آتا ہے تفریق صفقہ قبل تمام اور تفریق صفقہ قبل تمام ناجائز ہے اور بعد التمام جائز ہے کیونکہ خیار شرط اور خیار رؤیت تمام صفقہ ہونے سے مانع ہیں یعنی جب تک خیار شرط اور خیار رؤیت ثابت ہیں تو صفقہ تام نہیں ہوتا اور خیار عیب مانع ہے صفقہ تام ہونے سے قبضے سے پہلے نہ کہ قبضے کے بعد

وهذا لانه اذا شرط الخيار: شارح وجہ ذکر فرما ہے ہیں کہ خیار شرط اور خیار رؤیت کیوں مانع ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب بائع اور مشتری میں سے کسی ایک کیلئے خیار ثابت ہو یا مشتری نے بیع کو دیکھا نہ ہو تو رضائے کامل تحقق نہیں اور جب رضائے کامل تحقق نہیں تو صفقہ تام نہیں ہے اور اگر عقد میں سرے سے خیار نہ ہو یا خیار ہو لیکن من لہ الخيار نے اجازت دیدی یا مشتری نے بیع کو دیکھا اور اسی پر راضی ہو گیا اور اسکے بعد بیع پر قبضہ بھی کر لیا تو صفقہ تام ہو گیا کیونکہ رضاء کامل تحقق ہو چکی ہے

**لکن مع ذلک:** لیکن اس کے باوجود ممکن ہے کہ بیع میں کوئی عیب موجود ہو تو یہ احتمال ایک امر موہوم ہے اور تمام صفقہ سے مانع نہیں ہے لہذا خیار عیب تمام صفقہ سے مانع نہیں ہے البتہ اگر خیار عیب کی صورت میں مشتری نے بیع پر قبضہ نہ کیا ہو تو بیع محل صحیح اور مل زوال میں ہے اس طریقے پر کہ ہو سکتا ہے کہ بیع بائع کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے اور عقد ختم ہو جائے جب یہ احتمال موجود ہے اور اس صورت میں بیع

کے اندر عیب بھی پایا جائے اور بیع پر قبضہ بھی نہ کیا ہو تو ایک سبب نے دوسرے سبب سے تقویت حاصل کی لہذا اس صورت میں خیار عیب تمام صفتہ کیلئے مانع ہوگا کیونکہ اس جیسے خیار کے ہوتے ہوئے صفتہ تام نہیں ہوتا

ویظہر ہذا فی المسئلة التي تأتي: اس تحقیق کا فائدہ اس مسئلے میں ظاہر ہوگا جو آگے خیار عیب میں آرہا ہے یعنی مصنف کا یہ قول:؛؛ ولو اشتری عبدین وقبض احدہما ودجد بہ او بالآخر علیا؛؛ اسکی تحقیق اور تفصیل وہاں آجائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ

## فصل فی خیار العیب

﴿یہ فصل ہے خیار عیب کے بیان میں ہے﴾

ولمشتبر وجد بمشتریه عیباً نقص ثمنه عند التجار ردہ او اخذہ بکل ثمنه لا امساکہ واخذ نقصانہ ردہ مبتدأ ولمشتبر خبرہ ونقص ثمنه صفة العیب والا باق ولوالی مادون سفر والبول فی الفراش وسرقه صغیر یعقل عیب انما قال یعقل لان سرقة صغیر لا یعقل لیس بعیب وبالغ عیب آخر عطف علی معمولی عاملین مختلفین والمجرور مقدم۔

ترجمہ جس مشتری نے اپنی خریدی ہوئی چیز میں ایسا عیب پایا جو تاجروں کے نزدیک اسکا ثمن کم کر دیتا ہے تو اسکو حق ہے واپس کرنے کا یا لینے کا پوری ثمن کے ساتھ نہ کہ روکنا اور نقصان لینا: ردہ مبتداء ہے اور لمشتبر خبر ہے اور نقص ثمنہ صفت ہے عیب کی اور غلام کا بھاگنا اگر چند مدت سفر سے کم ہو اور بستر میں پیشاب کرنا اور چھوٹے بچے کا چوری کرنا جو سمجھدار ہو عیب ہے۔ یعقل اسلئے فرمایا کہ ایسا چھوٹا بچہ جو سمجھدار نہ ہو اسکی چوری عیب نہیں ہے اور بالغ کی چوری دوسرا عیب ہے یہ عطف ہے دو عاملین مختلفین کے دو معمولوں پر اور مجرور مقدم ہے

تشریح خیار رویت اور خیار شرط کو خیار عیب پر کیوں مقدم کیا؟

مصنف نے خیار شرط اور خیار رویت کو مقدم کیا خیار عیب پر کیونکہ یہ دونوں مانع ہیں تمام صفتہ کے لئے اور خیار عیب مانع نہیں ہے تمام صفتہ کیلئے بلکہ مانع ہے لزوم بیع کیلئے تو خیار عیب اضعف ہو اور وہ دونوں اقوی ہیں اقوی کو اضعف پر مقدم کر دیا: عیب وہ ہے جس سے شئی کی اصل فطرت سلیمہ خالی ہو: خیار عیب میں خیار کی اضافت عیب کی طرف اضافتہ السبب الی السبب کے قبیل سے ہے کیونکہ اس خیار کا سبب ہی عیب ہے۔

اس تشریح کے بعد اب صورتہ مسئلہ یہ ہے جب مشتری نے اپنی خریدی ہوئی چیز میں ایسا عیب پایا جو تاجروں کے ہاں بیع کی قیمت کم کر دیتا ہے تو مشتری کو اختیار ہے چاہے پوری بیع کو واپس کر دے اور اپنا ثمن واپس لے لیس یا بیع کو لے لیس پورے ثمن کے ساتھ یہ اختیار مشتری

کو حاصل نہیں کہ بیع کو اپنے پاس روکے رکھے اور بائع سے نقصان ٹھن لے لیں مثلاً عیب دار نہ ہونے کی صورت میں بیع کی قیمت ایک ہزار روپے ہے اور عیب دار ہونے کی صورت میں بیع کی قیمت آٹھ سو روپے ہے تو بیع کو اپنے پاس رکھے اور دو سو روپے واپس لے لیں یہ حق حاصل نہیں ہے کیونکہ عیب کی وجہ سے بیع کا وصف فوت ہو چکا ہے اور وصف کے فوت ہونے سے بیع کا ٹھن کم نہیں کیا جاتا کیونکہ اوصاف کے مقابلے میں ٹھن نہیں ہوتا۔

**قولہ ردہ مبتداء ..** اس عبارت سے شارح متن کی عبارت کی ترکیب فرما رہے ہیں کہ متن میں ردہ مبتداء سو خر ہے اور مشتری خریدار اور نقص مند یہ جملہ صفت ہے عیب کیلئے:

**والا باق والبول فی الفراش :** غلام کا ہماگ جانا بھگوزا ہونا چاہے مسافت سفر سے کم مقدار تک ہو یہ عیب ہے غلام میں اسی طرح غلام کا بستر میں پیشاب کرنا بھی عیب ہے۔ یعنی ایسا عیب بائع کے ہاں تھا پھر مشتری کے ہاں بھی پیدا ہوا تو یہ عیب ہے اسی طرح چھوٹا غلام جو بھگدار ہوا اس کا چوری کرنا عیب ہے یعنی اگر چھوٹے بھگدار غلام نے بائع کے ہاں چوری کی پھر غلام نے بچپن ہی میں مشتری کے ہاں چوری کی تو مشتری اس عیب کی وجہ سے واپس کر سکتا ہے صغیر بھگدار اسلئے فرمایا کہ اگر وہ غلام بھگدار نہ ہو تو پھر اسکی چوری کرنا عیب نہیں ہے کیونکہ یہ چوری خباث کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ قلت مبالغات (لا پرواہی) کی وجہ سے ہے۔

**وبالغ عیب آخر:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک غلام نے اپنے آقا کے ہاں بچپن میں چوری کی پھر موتی نے بیچ دیا پھر جا کر مشتری کے ہاں بائع ہونے کے بعد چوری کی تو یہ عیب وہ پرانا عیب نہیں ہے بلکہ دوسرا عیب انیس یا عیب پیدا ہوا ہے اور اس عیب کی وجہ سے مشتری غلام واپس نہیں کر سکتا کیونکہ دونوں عیبوں کے اسباب مختلف ہیں اسلئے کہ چوری بچپن میں قلت مبالغات کی وجہ سے ہوتی ہے اور بائع ہونے کے بعد باطنی خباث کی وجہ سے اور یہ عیب بائع کے پاس نہیں تھا بلکہ مشتری کے پاس پیدا ہوا ہے اس وجہ سے مشتری اس غلام کو واپس نہیں کر سکتا۔

**قولہ عطف علی معمولی عاملین مختلفین:** اس عبارت سے شارح متن کی عبارت کی ترکیب واضح کرنا چاہتا ہے کہ متن میں سرقۃ صغیر بھگدار عیب و بالغ عیب آخر جو کے ایک قاعدہ پر متفرع ہے وہ قاعدہ یہ ہے۔

العطف علی معمولی عاملین مختلفین جائز ان کان المعطوف علیہ مجروراً مقدماً والمعطوف كذا لک: ایک حرف عطف کے ذریعے دو مختلف عاملین کے دو معمولین پر دو مختلف اسمین کا عطف جائز ہے اس شرط پر کہ معطوف علیہ میں معمول مجرور مقدم ہو مرفوع یا منصوب پر اسی طرح معطوف میں بھی مجرور مقدم ہو مجرور یا منصوب پر جیسے فی الدار یزید والجرۃ عمرو۔

ایک عامل فی ہے اور ایک عامل ابتداء ایک معمول الدار ہے اور ایک معمول زید حرف عطف صرف ایک واؤ ہے الجرۃ معطوف ہے الدار پر اور عمرو معطوف ہے زید پر مجرور دونوں میں مقدم ہے۔ اسی طرح سرقۃ صغیر عیب: میں ایک عامل سرقۃ ہے اور ایک عامل ابتداء سرقۃ نے



صغیر کو جر دیا ہے اور ابتداء نے عیب کو رفع دیا ہے و بالغ عیب میں بالغ معطوف ہے صغیر پر اور عیب معطوف ہے سابقہ عیب پر اور دونوں میں مجرور مقدم ہے تو یہ عطف ایک حرف عطف کیساتھ جائز ہے:

فلوسرق عندهما ای عند البائع والمشتري فی صغره ای فی صغره مع العقل رده وان حدث عنده فی صغره وعند مشتريه فی كبره لا و جنون الصغیر عیب ابدأ فیرد من جن فی صغره عنده ثم عند مشتريه فيه او فی كبره والبحر والذفر والزنا والتولد منه عیب فيها لا فيه والكفر عیب فیهما والاستحاضة وارتفاع حیض بنت سبع عشرة سنة لا اقل عیب فان ظهر عیب قدیم بعد ما حدث عنده آخر فله نقصانه لارده الابرضی بانه كشوب شره فقطعه فظهر عیب وللبائع اخذه كذلك فلا یرجع مشتريه ان باعه ای لا یرجع المشتري بالنقصان ان باعه لان البائع كان له ان یقول له انا اخذه معیباً فالمشتري بالبیع یكون حاسباً للمبیع فلا یرجع بالنقصان۔

ترجمہ: اگر چوری کی دونوں کے پاس یعنی بالغ اور مشتری کے پاس بچپن میں عقل کیساتھ تو واپس کر سکتا ہے۔ اور اگر بالغ کے پاس عیب پایا گیا بچپن میں اور مشتری کے پاس بڑا ہونے کے بعد تو واپس نہیں کر سکتا۔ اور صغیر کا پاگل ہونا ہمیشہ عیب ہے لہذا وہ غلام واپس کر دیا جائے گا جس پاگل ہو گیا ہو بالغ کے پاس بچپن میں پھر مشتری کے پاس بچپن میں یا بالغ ہونے کے بعد، منہ کی بد بو اور بغل کی بد بو زنا ہونا عیب ہے۔ باندی میں نہ کہ غلام میں اور کفر دونوں میں عیب ہے۔ اور حیض کا جاری ہونا یا حیض کا ختم ہونا سترہ سال کی لڑکی میں عیب ہے نہ کہ کم عمر میں اگر ظاہر ہوا پرانا عیب اسکے پاس نئے عیب نکلنے کے بعد تو اسکو حق ہے نقصان لینے کا نہ کہ واپس کرنے کا مگر بالغ کی رضامندی کے ساتھ جیسے کپڑا خرید لیا پھر کاٹ ڈالا پھر عیب ظاہر ہوا بالغ کے لئے اسی طرح لینا جائز ہے رجوع نہیں کر سکتا مشتری اگر بیچ دیا اسکو یعنی مشتری نقصان کا رجوع نہیں کر سکتا اگر اسکو بیچ دیا کیونکہ بالغ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں عیب کے ساتھ لیتا ہوں تو مشتری بیچ کیوجہ سے بیچ کو رد کئے والا ہے تو رجوع نہیں کر سکتا نقصان کا۔

تشریح: غلام کی چوری کی تفصیل: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک نابالغ غلام ہے اس نے بچپن میں بالغ کے پاس چوری کی پھر بچپن ہی میں مشتری کے پاس چوری کی اور یہ غلام سمجھ دار بھی ہو تو مشتری خیار عیب کیوجہ سے واپس کر سکتا ہے دونوں عیبوں کا سبب ایک ہے وہ لا پرواہی ہے۔ اور سمجھ دار کی قید اسلئے لگائی کہ اگر وہ بالکل نا سمجھ بچہ ہے تو اسکی چوری عیب نہ سمجھا جائے گا۔ اور اگر غلام نے چوری کی بالغ کے پاس بچپن میں اور پھر مشتری کے پاس بالغ ہونے کے بعد تو مشتری یہ غلام خیار عیب کیوجہ سے بالغ کو واپس نہیں کر سکتا کیونکہ دونوں سرقوں کے اسباب مختلف ہیں۔ کیونکہ چوری بچپن میں لا پرواہی کیوجہ سے ہوتی ہی اور بالغ ہونے کے بعد چوری باطنی خباثت کیوجہ سے ہوتی ہے جب یہ عیب مشتری کے پاس پایا گیا تو مشتری اب اس غلام کو واپس نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے اندر ایک ایسا عیب موجود ہے جو بالغ کے پاس نہیں تھا۔

**وجنون الصغیر عیب ابد:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک نابالغ غلام بائع کے پاس مجنون ہو اور پھر مشتری کے پاس بھی اسکو لائق ہوا خواہ بچپن میں ہو یا بالغ ہونے کے بعد تو مشتری کو واپس کرنے کا حق ہوگا کیونکہ جنون چاہے بچپن میں ہو یا بالغ ہونے کے بعد سب کا سبب ایک ہے اور وہ ہے عقل کا ناسد ہونا:

**والبخر والذفر:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر باعدی کے منہ یا بغل سے بدبو جاری ہو تو یہ باندی میں عیب ہے نہ کہ غلام میں اسلئے کہ موٹی باندی سے بوس و کنار کریگا اور یہ باتیں اسیں غل ہیں اور غلام سے یہ مقصود نہیں تو غل مقصود بھی نہیں کیونکہ مقصود اس سے خدمت لینا ہے اسی طرح زنا اور ولد زنا ہونا باندی میں عیب ہے نہ کہ غلام میں کیونکہ باعدی کیساتھ موٹی جماع کریگا اور زانیہ کے ساتھ جماع کرنے سے طبیعت سلیمہ نفرت کرتی ہے اسی طرح ولد زنا ہونا باعدی میں اسلئے عیب ہے کہ اگر اس سے بچہ پیدا ہو جائے تو لوگ ان کو عار دلائیں گے کہ تو زانیہ کا بچہ ہے۔ لیکن غلام میں یہ چیزیں عیب نہیں ہیں اسلئے کہ مقصود غلام سے خدمت لینا ہے اور یہ باتیں اس سے بائع نہیں ہیں لیکن اگر غلام کا عادت ہی زنا کرنا ہے تو پھر زنا غلام میں بھی عیب ہے۔ کیونکہ پھر تو وہ عورتوں کی چکر میں لگا رہے گا آقا کی خاک خدمت کریگا لہذا اس کو بھی واپس کر سکتا ہے۔

**والاستحاضة:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے ایک باعدی خریدی جو بلوغ کی انتہائی عمر کو پہنچ چکی ہے یعنی سترہ سال کو اور پھر اسکو بالکل حیض ہی نہیں آتا یا حیض مسلسل جاری ہے یعنی مستحاضہ ہے تو دونوں صورتیں عیب کی ہے اس عیب کی وجہ سے مشتری اس باندی کو واپس کر سکتا ہے۔

**والکفر عیب:** اور غلام اور باعدی کا کافر ہونا عیب ہے دونوں میں کیونکہ کافر سے مسلمان کی طبیعت نفرت کرتی ہے۔

**فان ظهر عیب قدیم:** صورت مسئلہ یہ ہے مشتری نے بائع سے کوئی چیز خریدی اور اس پر قبضہ بھی کر لیا قبضہ کرنے کے بعد مشتری کی ملکیت میں بیع میں عیب پیدا ہو گیا اس عیب پیدا ہونے کے بعد مشتری نے ایک دوسرا عیب بیع میں دیکھ لیا جو بائع کے ہاں پیدا ہوا تھا تو اس صورت میں مشتری بیع کو واپس نہیں کر سکتا۔ بلکہ بائع سے نقصان عیب لینے کا حقدار ہوگا یعنی عیب کی وجہ سے جو شمن میں نقصان ہوا ہے وہی واپس لے گا۔ مثلاً ایک ہزار روپے میں خریدی قبضہ کرنے کے بعد مشتری کے ہاں وہ عیب دار ہوئی اسکے بعد سابقہ عیب ظاہر ہوا۔ اب اس عیب کے بغیر بیع کی قیمت ہزار روپے تھی اور عیب کے ہوتے ہوئے قیمت آٹھ سو روپے ہے ہزار اور آٹھ سو کے درمیان جو دو سو روپے کا فرق اور نقصان ہے مشتری کو وہی دو سو روپے واپس ملیں گے۔ لیکن بائع اگر بیع کو واپس لینا چاہتا ہے عیب ثانی کیساتھ تو یہ جائز ہے کیونکہ جب وہ اپنے نقصان پر خود راضی ہے تو اس پر کچھ جبر نہیں لیکن اگر مشتری نے یہ عیب دار چیز اگر دوسرے کو بیچ ڈالی اور بائع سے نقصان لینا چاہتا ہے تو مشتری کو یہ حق حاصل نہیں ہے کیونکہ بائع یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے بیع واپس کر دو میں عیب کیساتھ لینا

ہوں کیونکہ مشتری بیچ کر روکنے والا ہو گیا آگے فروخت کرنے کی وجہ سے لہذا اس صورت میں رجوع بھقصان العیب نہیں کر سکتا۔

فان خاطه او صبغه احمر اولت السويق بسمن ثم ظهر عيبه لايأخذه بائعه ورجع بقصانه اي رجوع المشتري بنقصان العيب ولا يكون للبائع ان يقول ان اخذه معيباً لاختلاط ملك المشتري بالمبيع وهو الخيط والصينغ والسمن۔

ترجمہ: اگر کپڑے کو سیا یا اسکو سرخ رنگ دیدیا یا ستو کو گھی کے ساتھ ملایا پھر عیب ظاہر ہوا تو بائع اسکو نہیں لے سکتا۔ بلکہ اسکے نقصان کا رجوع کرے گا یعنی مشتری نقصان عیب کا رجوع کریگا اور بائع کیلئے یہ حق نہیں کہ وہ کہے کہ میں عیب کے ساتھ لیتا ہوں کیونکہ مشتری کی ملک مل گئی ہے بیچ کے ساتھ اور وہ دھا کہ رنگ اور گھی ہیں۔

تشریح: اگر مشتری کی ملکیت بیچ کے ساتھ مخلوط ہوگئی تو؟ صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے کپڑا خریدا پھر اسکو کاٹ کر سلوادیا یا سفید کپڑا خریدا سرخ یا سبز وغیرہ رنگ میں رنگ دیا یا ستو خرید کر گھی کے ساتھ ملا دیا اسکے بعد بیچ میں عیب ظاہر ہوا تو اس صورت میں مشتری بیچ کو واپس نہیں کریگا بلکہ عیب کی وجہ سے جو نقصان ٹھن ہوا ہے وہی نقصان واپس لے گا اور بائع کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ کہے کہ میں عیب کے ساتھ واپس لیتا ہوں کیونکہ اس صورت میں بیچ کے ساتھ مشتری کی ملکیت ایسی مل گئی ہے کہ اس سے جدا نہیں ہو سکتی اور بیچ میں ایسا اضافہ ہوا ہے کہ اسکو الگ کر کے بیچ واپس کرنا ممکن نہیں لہذا اس صورت میں رجوع بھقصان العیب متعین ہے۔

كالمو باعه بعد روية عيبه اي كما يرجع المشتري بنقصان العيب ان باع الثوب المخطئ او المصبوغ والسويق الملتوت بعد روية عيبه لانه بالمبيع لم يصرحاً بساً للمبيع اذ قبل المبيع لم يكن للبائع اخذه معيباً لاختلاط ملك المشتري به فلم يبطل حق الرجوع بالنقصان۔

ترجمہ: جیسے کہ اسکو بیچ دے عیب دیکھنے کے بعد یعنی جس طرح مشتری نقصان عیب کا رجوع کرتا ہے اگر بیچ دیا سلا ہوا کپڑا یا رنگا ہوا کپڑا گھی میں ملا ہوا ستو عیب دیکھنے کے بعد اسلئے کہ بیچنے سے وہ بیچ کر روکنے والا نہیں ہوا اسلئے کہ بیچ سے پہلے بھی بائع کو لینے کا حق نہیں تھا عیب کیساتھ مشتری کی ملک اسکے ساتھ ملنے کی وجہ سے لہذا بائع نہیں ہو اور رجوع بھقصان کا حق۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے کپڑا خریدا اور اسکو سلوادیا یا رنگ دیا یا ستو کو گھی کیساتھ ملا دیا اور پھر اس میں عیب ظاہر ہوا اور اسکے بعد مشتری نے کپڑا مذکورہ یا ستو کو فروخت کر دیا تب بھی بائع پر رجوع بھقصان عیب کر سکتا ہے کیونکہ مذکورہ کاموں کی وجہ سے بائع کو واپسی منتع ہوئی ہے چاہے مشتری اپنے پاس رکھے یا فروخت کرے اسلئے کہ مشتری کی ملکیت بیچ کیساتھ مل گئی ہے تو فروخت کرنے سے مشتری حابس بیچ (بیچ روکنے والا) نہیں ہے تو اسکا حق رجوع باقی رہے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جہاں مشتری حائس للمبیع ہوتا ہے وہاں رجوع بالنقصان نہیں کر سکتا اور جہاں حائس للمبیع نہیں ہوتا وہاں رجوع کر سکتا ہے۔

او اعتقه قبلها مجاناً او دبره او استولدھا او مات عنده قبلھا ای قبل روية العيب صورة المسائل انه اعتق المشتري العبد مجاناً او دبره او استولد المشتراً او مات المشتري في يد المشتري ثم اطلع على عيب رجع بالنقصان وان اعتقه على مال او قتله او اكل الطعام كله او بعضه او لبس الثوب فتخرق لم يرجع الحاصل ان الموت لا يبطل الرجوع بنقصان العيب لانه لا صنع للمشتري فيه والاعتاق مجاناً لا يبطله ايضاً استحساناً والقياس ان يبطله لان الاعتاق لصنعه فصار كالقتل - وجه الاستحسان ان للاعتاق له شبهان شبه بالقتل في انه بصنع المشتري وشبه بالموت في ان الاصل في الأدمى الحرية فكان الملك موقتا الى زمان العتق فهو عود الى الحالة الاصلية فان كان بعد روية العيب اعتبر ذلك الشبهة فلا رجوع له بخلاف الموت بعد روية العيب فان حق الرجوع فيه ثابت له وان كان قبل روية العيب اعتبر هذه الشبهة حتى يكون له فيه حق الرجوع واما المسائل الأخر فلا رجوع بالنقصان فيها۔

ترجمہ: یا غلام کو آزاد کر دیا عیب دیکھنے سے پہلے مفت میں یا مدبر بنا دیا، یا ام ولد بنا دیا، یا غلام مر گیا۔ اسکے پاس عیب دیکھنے سے پہلے:- صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے غلام آزاد کر دیا مفت میں یا مدبر اور ام ولد بنا دیا۔ یا خریدا ہوا غلام مشتری کے ہاتھ میں مر گیا پھر عیب پر مطلع ہوا۔ تو رجوع بنقصان عیب کریگا۔ اگر اسکو آزاد کر دیا مال پر یا قتل کر دیا۔ یا طعام کو کھا لیا پورا یا بعض حصہ یا کپڑا پہن لیا تو وہ پھٹ گیا تو رجوع نہیں کریگا۔ حاصل یہ ہے کہ موت باطل نہیں کرتی نقصان عیب کا رجوع۔ اس لئے کہ مشتری کا فعل اس میں کارگر نہیں۔ اور مفت میں آزاد کرنا بھی باطل نہیں کرتا استحسان کی وجہ سے ورنہ قیاس تو یہ ہے کہ باطل کر دے۔ کیونکہ اعتاق اسکے فعل سے ہوا ہے تو قتل کے مانند ہو گیا۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ اعتاق کی دو مشابہتیں ہیں۔

ایک مشابہت قتل کیساتھ اس طرح کہ مشتری کے فعل سے ہوا ہے۔ اور ایک مشابہت موت کے ساتھ اس طرح کہ اصل آدمی میں حریت ہے تو ملک ثابت رہے گی زمانہ آزادی تک یہ لوٹتا ہے حالت اصل کی طرف۔ اگر عیب دیکھنے کے بعد ہو تو اس میں وہ مشابہت معتبر ہوگی اور اس کو حق رجوع نہ ہوگا بخلاف موت کے عیب دیکھنے کے بعد کیونکہ حق رجوع اس میں ثابت ہے۔ اور اگر عیب دیکھنے سے پہلے ہو تو یہ مشابہت معتبر ہوگی یہاں تک کہ ان کیلئے رجوع کا حق ہوگا۔ اور دوسرے مسائل میں رجوع

بالتقصان نہیں ہے۔

تشریح اگر اختلاف ہو موت کے بعد رویت میں:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے غلام خرید لیا پھر اسکو آزاد کر دیا مفت بغیر کسی عوض کے عیب دیکھنے سے پہلے۔ یا اسکو مدبر بنا دیا۔ یا باندی کو ام ولد بنا دیا۔ یا غلام خود طبعی موت مر گیا۔ اسکے بعد مشتری نے غلام یا باندی میں عیب پایا جو بائع کے پاس سے آیا تھا۔ تو ان سب صورتوں میں مشتری نقصان عیب کا رجوع کریگا بائع پر۔ اور اگر اس غلام کو آزاد کر دیا مال کے عوض میں۔ یا مشتری نے اسکو خود قتل کر دیا۔ یا کھانا خرید اٹھا اسکو پورا کھالیا۔ یا بعض حصہ کھالیا۔ یا کپڑا خرید کر اسکو پھاڑ دیا پھر ان چیزوں میں سابقہ عیب ظاہر ہوا تو نقصان عیب کا رجوع نہیں کر سکتا۔

الحاصل :- سے شارح فرماتے ہیں کہ پورے کلام کا حاصل یہ ہے کہ اگر غلام اپنی طبعی موت مر گیا تو یہ موت مانع نہیں ہے رجوع نقصان العیب کیلئے۔ کیونکہ موت میں مشتری کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اور اعتاق: مفت آزاد کرنا اسمیں قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ رجوع کا حق حاصل نہ ہوتا۔ کیونکہ اعتاق مشتری کے فعل سے ہوا ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے قتل کرنا:

لیکن استحسان کیوجہ سے اعتاق میں رجوع کا حق حاصل ہے۔ اور وجہ استحسان یہ ہے کہ اعتاق کی دو مشابہتیں ہیں ایک مشابہت ہے قتل کیساتھ اور ایک ہے موت کیساتھ۔ قتل کیساتھ مشابہت اسی طرح ہے کہ جس طرح قتل مشتری کے فعل سے ہوا ہے اسی طرح اعتاق بھی مشتری کے فعل سے ہوا ہے۔ اور موت کیساتھ مشابہت اس طرح ہے کہ جس طرح موت سے ملک اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے اسی طرح اعتاق سے بھی ملک انتہا تک پہنچ جاتی ہے۔ اعتاق سے ملک انتہا کو پہنچ جانا اس طرح ہے کہ اصل خلقت کے اعتبار سے آدمی محل ملک بنا کر پیدا نہیں کیا گیا۔ بلکہ غلام کے اندر ملک ایک محدود وقت تک یعنی آزادی کے وقت تک ثابت ہے۔ پس غلام کو آزاد کرنا گویا کہ اس ملک کو انتہا تک پہنچانا ہے اور شیء جب انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ تو وہ کامل ہو جاتی ہے۔ تو غلام آزاد کرنے سے اپنے اصلی حالت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ جب موت کے وجہ سے ملکیت انتہا کو پہنچ گئی تو واپسی معتذر ہو گئی۔

لہذا اگر اعتاق دیکھنے سے پہلے ہو تو موت کے مانند ہے لہذا رجوع کا حق ہوگا۔ اور اگر اعتاق و تدبیر عیب دیکھنے کے بعد ہو تو قتل کے مانند ہے لہذا رجوع کا حق نہ ہوگا۔

وان شرئ بیضاً او بطیخاً او قشائاً وخیاراً او جوزاً فکسرفو جدفا سداً فله تقصانه فی المنتفع به  
وکل ثمنه فی غیره ومن باع مشربیه ورد علیہ بعیب بقضاء باقرار او بینة او نکول رد علی بائعه

وان رد برضاہ لا اشتري شيئاً ثم باعه فادعى المشتري الثاني عيباً على المشتري الاول واثبت ذلك بالبينة او بالنكول او بالاقرار فقضى القاضى فرد على بائعه كان له ان يخاصم البائع الاول قال فى الهداية معنى القضاء بالاقرار انه انكر الاقرار فاثبت بالبينة فان قيل المشتري الاول اذا انكر اقراره بالعيب فاثبت هذا بالبينة صار كأنه اقر عند القاضى فان الثابت بالبينة كالثابت عياناً فينبغى ان لا يكون له ولاية الرد على البائع الاول سواء اقر عند القاضى او انكر الاقراره فيثبت بالبينة لان الاقرار حجة قاصرة فإى فائده فى قوله معنى القضاء بالاقرار انه انكر الاقرار قلنا نحن لم نجعل الاقرار حجة متعديه ولم نقل ان الرد على المشتري الاول رد على بائعه بل له ان يخاصم بائعه فان المشتري الثاني اذا اثبت ان العيب كان فى يد المشتري الاول ورد عليه فى المشتري الاول ان اثبت ان العيب كان فى يد بائعه رد عليه والا فلا او الفرق بين اقراره عند القاضى وبين اثبات اقراره بالبينة انه اذا اقر عند القاضى يكون طائعا فى اخذ المبيع فصار كما اشتري من المشتري الثاني فلا يكون له ولاية الرد على البائع الاول اما اذا انكر اقراره بالعيب فيثبت بالبينة لم يكن طائعا فى الاخذ فيكون اخذه بحكم الفسخ كأنه لم يبيع فيكون له المخاصمة مع بائعه- وقد قيل هذه المسالة فيما اذا ادعى المشتري الثاني على المشتري الاول ان العيب كان فى يد البائع الاول فحينئذ للمشتري الاول ان يخاصم على بائعه اما اذا ادعى ان العيب كان فى يد المشتري الاول فليس له ان يخاصم على بائعه- اقول فيه نظر لانه اذا ادعى ان العيب كان فى يد البائع الاول واقام عليه البينة وقضى على المشتري الاول فهذا القضاء ليس قضاءً على البائع الاول وهذا البينة لم تقم على البائع الاول ولا على نائبه لان ما يدعى على الغائب ليس سبباً لم يدعى على الحاضر-

ترجمہ: اور اگر خریدار نے یا خریدار یا خریدار یا خریدار اسکو توڑ ڈالا اور اسکو فاسد پایا تو اسکا نقصان لینے کا حق ہے۔ اسمیں جو قابل انتفاع ہو اور پورا مشن اسکے علاوہ میں اور جس نے بیچ دیا اپنی خریدی ہوئی چیز۔ اس پر لوٹادی گئی عیب کی وجہ سے قاضی کے حکم سے اقرار کے ساتھ یا گواہوں کے ساتھ، یا انکار کے ساتھ، تو واپس کر سکتا ہے اپنے بائع پر۔ اور اگر واپس کر دی گئی انکی رضامندی سے تو نہیں۔ کوئی چیز خرید لی پھر آگے بیچ دی۔ مشتری ثانی نے اسمیں عیب کا دعویٰ کیا مشتری اول پر۔ اور یہ ثابت کر دیا

گواہوں سے یا انکار سے یا اقرار سے قاضی نے فیصلہ دیا تو واپس کر دیا اپنے بائع پر جائز ہے بائع ثانی کیلئے۔ کہ جھگڑا کرے بائع اول کے ساتھ۔ ہدایہ میں فرمایا۔ وفضلاً بالاقدرار۔ کا معنی یہ ہے کہ اس نے اقرار سے انکار کیا۔ اس نے گواہوں سے ثابت کر دیا۔ اگر کہا جائے کہ مشتری اول نے اپنے اقرار سے انکار کیا عیب پر اور اس نے گواہوں سے ثابت کر دیا۔ یہ ایسا ہو گیا کہ اس نے خود اقرار کیا قاضی کے پاس کیونکہ جو ثابت ہو گا وہوں سے ایسا ہے جو کہ ثابت ہو سانسے تو مناسب یہ ہے کہ اس کیلئے واپس کرنے کا حق نہ ہو بائع اول پر۔ چاہے اقرار قاضی کے پاس کرے یا اپنے اقرار سے انکار کرے۔ اور گواہوں سے ثابت کرے۔ کیونکہ اقرار بحت قاصرہ ہے۔ تو کیا فائدہ ہے ہدایہ کے اس قول میں کہ قضا بالاقدرار کا معنی یہ ہے کہ وہ اقرار سے انکار کرے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم نے اقرار کو بحت متعدد یہ نہیں بنایا اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ واپس کرنا مشتری اول پر واپس کرنا ہے اسکے بائع پر بلکہ اسکے لئے حق ہے کہ وہ جھگڑا کرے اپنے بائع کیساتھ اسلئے کہ مشتری ثانی نے جب ثابت کر دیا کہ عیب مشتری اول کے ہاتھ میں تھا تو اس پر لوٹا دے ورنہ نہیں۔ اور فرق اسکا قاضی کے پاس اقرار کرنے میں اور اسکا اقرار گواہوں سے ثابت کرنے میں یہ ہے کہ جب اس نے قاضی کے پاس اقرار کیا۔ تو یہ رضامندی سمجھا جائیگا۔ بیع کو واپس لینے میں یہ ایسا ہوا گویا کہ مشتری ثانی سے خرید لیا۔ تو اسیں اس کیلئے نہ ہو گا واپس کرنے کا حق بائع اول پر۔ اور جب اس نے انکار کیا اپنے اقرار سے عیب پر اور اس نے گواہوں سے ثابت کر دیا تو رضامند نہ ہو گا لینے میں۔ تو اسکا لینا فتح کرنے کے حکم میں ہوگا۔ گویا کہ اس نے بیچا ہی نہیں۔ اس کے لئے جھگڑے کا حق ہو گا اپنے بائع کے ساتھ۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے کہ جو مشتری اول کیلئے جائز ہے کہ جھگڑا کرے اپنے بائع کیساتھ اور اگر یہ دعویٰ کیا کہ عیب مشتری اول کے ہاتھ میں تھا تو اس کیلئے نہیں ہے یہ حق کہ جھگڑا کرے اپنے بائع کے ساتھ میں کہتا ہوں کہ اسیں نظر ہے۔ کیونکہ جب اس نے دعویٰ کیا کہ

عیب بائع اول کے ہاتھ میں تھا اور اس پر گواہ بھی قائم کر دیئے اور مشتری اول پر فیصلہ کر دیا تو یہ فیصلہ فیصلہ نہیں ہے بائع اول پر اور یہ گواہ قائم نہیں ہوئے بائع اول پر نہ اس کے نائب پر۔ کیونکہ جو دعویٰ کر رہا ہے غائب پر یہ سبب نہیں ہے حاضر پر دعویٰ کرنے کا۔

**تشریح:** اخروٹ اور انڈوں کا فاسد پایا: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے اخروٹ، انڈے، خرپوزہ یا ککڑی کھیرا وغیرہ میوہ جات خرید لئے۔ پھر عیب پر واقف ہوئے بغیر اسکو توڑ دیا تو پورے کے پورے خراب پائے گئے اور خراب بھی ایسا کہ بالکل قابل انتفاع نہیں ہے نہ انسان اسکو کھا سکتا ہے اور نہ جانوروں کا چارہ بن سکتا ہے۔ تو ایسی صورت میں مشتری کو پورے ٹمن واپس کرنے کا حق ہے۔ کیونکہ معلوم ہوا کہ وہ مال نہیں۔ کیونکہ مال وہ ہوتا ہے جو قابل انتفاع ہوتا ہے فی الحال یا آئندہ زمانے میں۔ اور اشیاء مذکورہ قابل انتفاع نہیں ہیں۔ تو مال نہ ہونے کی وجہ سے محل بیع نہیں رہا۔ اور جب محل بیع نہیں ہے۔ تو بیع باطل

ہے اور جب بیع باطل ہوگئی تو مشتری کو پورا ثمن واپس کرنے کا اختیار ہوگا۔ اور اگر توڑنے کے بعد ایسا فاسد پایا گیا۔ کہ خراب ہونے کے باوجود قابل انتفاع ہے۔ تو اس صورت میں واپس کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا مشتری کو۔ کیونکہ مشتری نے انہیں عیب جدید پیدا کیا ہے یعنی اسکو توڑ دیا ہے۔ لہذا قابل واپسی نہیں ہے بلکہ مشتری کو نقصان عیب لینے کا حق ہوگا۔ صحیح اور فاسد کے درمیان جتنا نقصان ہے اسی کے بقدر رجوع کرے گا۔

### ومن باع مشریہ ورد علیہ بعیب بقضاء "بیع کا بائع ثانی پر واپس ہونا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے ایک غلام خرید لیا اور اس پر قبضہ بھی کر لیا۔ اسکے بعد زید نے یہ غلام خالد کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس صورت میں زید مشتری اول ہے اور خالد مشتری ثانی اور زید نے یہ غلام عمران سے خریدا تھا۔ تو عمران بائع اول ہے اور زید بائع ثانی۔

اب سمجھ لو کہ زید نے جب غلام خالد کو فروخت کر دیا۔ اور خالد نے غلام میں عیب پایا اور اس عیب کے وجہ سے خالد نے یعنی مشتری ثانی نے غلام مشتری اول (زید) کو واپس کر دیا قاضی کے فیصلے سے۔ تو زید (مشتری اول) یہ غلام عمران (بائع اول) کو واپس کر سکتا ہے۔ کیونکہ قاضی کا فیصلہ تین بنیادوں پر ہوتا ہے۔

(۱): بینہ کے ذریعے یعنی مشتری ثانی نے گواہوں سے یہ ثابت کر دیا کہ یہ عیب مشتری اول کے ہاں موجود تھا۔

(۲): کول کے ذریعے۔ یعنی مشتری ثانی نے عیب کا دعویٰ کیا اور مشتری اول نے عیب سے انکار کر دیا۔ مشتری ثانی کے پاس گواہ نہیں تھے تو قاضی نے مشتری اول سے قسم کا مطالبہ کیا۔ کہ تم قسم کھاؤ کہ اس میں عیب نہیں تھا اور مشتری اول نے قسم سے انکار کر دیا۔ چنانچہ انکار کی وجہ سے اس پر دعویٰ عیب لازم کر دیا گیا اور بیع اسکو واپس کر دی گئی۔

(۳): یا اقرار کے ذریعے یعنی مشتری ثانی نے یہ دعویٰ کیا کہ مشتری اول یہ اقرار کر چکا ہے کہ بیع میں عیب موجود ہے۔ اور مشتری اول نے اس اقرار سے انکار کر دیا۔ تو مشتری ثانی نے گواہوں سے اسکا اقرار عیب ثابت کر دیا۔ اس صورت میں بیع اسکو واپس کر دی جائیگی۔

ان تینوں صورتوں میں مشتری اول یہ غلام بائع اول یعنی عمران کو عیب کی وجہ سے واپس کر سکتا ہے جب اسکی یہ ہے کہ جب مشتری ثانی کو قاضی کے فیصلے سے واپس کر دیا گیا تو بیع اصل سے فسخ ہوگئی۔ جب فسخ ہوگئی تو بیع ثانی گویا کہ واقع ہی نہیں ہوئی۔ اور بیع اول موجود ہے۔ تو مشتری اول کو عیب کی وجہ سے بیع واپس کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

اور اگر مشتری ثانی نے مشتری اول کو بیع واپس کر دی باہمی رضامندی سے نہ کہ قضاء قاضی سے تو اس صورت میں مشتری اول یہ



میج بائع اول کو واپس نہیں کر سکتا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ باہمی رضامندی سے واپس کرنا مشتری اول اور مشتری ثانی کے درمیان فسخ عقد ہے لیکن ثالث کے حق میں میج جدید ہے اور بائع اول ثالث ہے ان دونوں کے حق میں۔ لہذا بائع ثانی نے اپنی رضامندی سے میج میں دو تصرف کر لئے ہیں۔

(۱) ایک تو اسکو فروخت کر دیا ہے۔ (۲) دوم اسکو پھر واپس خریدا ہے اور یہ عیب پر رضامندی کی دلیل ہے۔

یہ متن کی عبارت کی تشریح ہوئی۔ اب شرح کی عبارت کی تشریح پیش خدمت ہے۔

"قال فی الهدایة" :- صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ قضا بالا قرار کے معنی یہ ہیں کہ مشتری اول نے عیب پر اقرار سے انکار کر دیا۔ اور مشتری ثانی نے گواہوں سے اسکا اقرار بالعیب ثابت کر دیا۔

"فان قیل" :- سے صاحب ہدایہ کی عبارت اور تشریح پر ایک اعتراض ذکر کر رہے ہیں اور پھر اسکا جواب دے رہے ہیں۔

اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ جب مشتری نے اقرار بالعیب سے انکار کر دیا کہ میں نے تو عیب کا اقرار نہیں کیا تھا۔ اور پھر مشتری ثانی نے گواہوں سے اسکا اقرار ثابت کر دیا۔ کہ تو نے عیب کا اقرار کیا تھا۔ تو یہ اقرار ایسا ہی ہوا جیسے کہ مشتری اول نے قاضی کے پاس خود عیب کا اقرار کر لیا کہ جی میں اقرار کرتا ہوں کہ میج میں عیب موجود ہے۔ کیونکہ جو چیز ثابت ہو جائے گواہوں سے وہ ایسا ہی ہوتی ہے جو کہ ثابت ہو جائے مشاہدہ۔ پھر تو دونوں صورتوں میں مشتری اول کو بائع اول پر واپس کرنے کا حق حاصل نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ اقرار حجت قاصرہ ہے اپنی ذات پر لاگو ہوتا ہے نہ کہ غیر پر۔ تو صاحب ہدایہ کے قول :- "ومعنى القضاء بالاقرار انه انكر الاقرار" کا کیا فائدہ ہے

"قلنا لم نجعل الاقرار حجة متعدية" سے اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں جواب کا حاصل یہ

ہے کہ ہم نے اقرار کو حجت متعدیہ قرار نہیں دیا اور نہ ہم نے یہ کہا ہے کہ مشتری اول پر واپسی یہ بعینہ واپسی ہے بائع اول پر بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ مشتری اول کو حق حاصل ہے کہ بائع اول کیساتھ مخاصمت کرے۔ کیونکہ جب مشتری ثانی نے ثابت کر دیا کہ عیب مشتری اول کے پاس موجود تھا۔ اور مشتری ثانی نے عیب کی وجہ سے میج مشتری اول کو واپس کر دی اسکے بعد اگر مشتری اول نے یہ ثابت کر دیا کہ عیب بائع اول کے ہاں بھی موجود تھا۔ تو اسکو بائع اول پر واپس کرنے کا حق حاصل ہوگا اور اس کے لئے دوبارہ قاضی کا فیصلہ لازم ہوگا نہ کہ سابقہ فیصلے سے یہ واپسی ہوگی۔ اور اگر مشتری اول بائع اول کے پاس میج میں عیب ثابت نہ کر سکے تو پھر واپس نہیں کر سکتا۔

**والفرق بین اقرارہ** سے شارح (رحمہ اللہ) دونوں میں فرق بیان کر رہے ہیں کہ دونوں اقراروں میں فرق یہ ہے کہ جب مشتری اول نے خود قاضی

کے پاس عیب پر اقرار کر لیا اور پھر اسکو بیچ واپس کر دی گئی تو یہ ایسا ہوا جیسے کہ اس نے خود اپنی رضامندی سے بیچ واپس کر دی گویا اس نے مشتری ثانی سے بیچ واپس خرید لی لہذا اس صورت میں یہ بائع اول پر واپس کرنے کا حقدار نہ ہوگا۔ اور جب مشتری اول نے اقرار سے انکار کر دیا اور مشتری ثانی نے گواہوں سے اسکا اقرار ثابت کر دیا اور بیچ واپس کر دی گئی تو اس واپس کرنے میں یہ مشتری اول راضی نہیں ہے بلکہ یہ واپس کرنا بحکم فتح ہوگا۔ اور جب فتح ہو گئی تو ایسا ہوا گویا کہ بیچ ہوئی ہی نہیں ہے۔ جب بیچ ثانی نہیں ہوئی اور بیچ اول موجود ہے اور بیچ میں عیب پایا گیا تو بائع اول کیساتھ خاصمت کا حق اور واپس کرنے کا حق ثابت ہوگا۔

**وقد قيل هذه المسئلة** بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ مسئلہ اسی صورت میں ہے۔ کہ مشتری ثانی نے مشتری اول پر یوں دعویٰ کیا کہ عیب بائع اول کے پاس موجود تھا۔ تو اس صورت میں مشتری اول کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خاصمت کرے بائع اول کے ساتھ۔ اور اگر مشتری ثانی نے یوں دعویٰ کیا کہ عیب مشتری اول کے پاس موجود تھا تو پھر مشتری اول کو بائع اول کیساتھ خاصمت کا حق حاصل نہیں ہے۔

**"اقول فيه نظر"** شارح فرماتے ہیں کہ اس میں نظر ہے۔ کیونکہ جب دعویٰ کیا مشتری ثانی نے کہ عیب بائع اول کے پاس موجود تھا اور اس پر گواہ بھی قائم کر لئے۔ اور پھر قاضی کے فیصلے سے بیچ مشتری اول کو واپس کر دی تو یہ قضاء قضاء نہیں ہے بائع اول پر اور یہ گواہ بھی قائم نہیں ہوئے اور نہ اسکے نائب پر کیونکہ قضاء علی الغائب معتبر نہیں ہوتی۔

اور یہ مسئلہ ان مسائل میں سے بھی نہیں ہے جس میں غائب پر قضاء کرنا، غائب پر فیصلہ کرنا سبب ہو حاضر پر فیصلہ کرنے کیلئے یہ کتاب القضاء کا ایک مسئلہ ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ قضاء علی الغائب جائز نہیں البتہ اگر غائب پر فیصلہ کرنا سبب ہو حاضر پر فیصلہ کرنے کیلئے۔ تو ایسی صورت میں قضاء علی الغائب جائز ہے اسکی تفصیل کتاب القضاء میں آجائے گی۔ لیکن مذکورہ مسئلہ ان مسائل میں سے بھی نہیں ہے جس میں قضاء علی الغائب جائز ہے۔ لہذا اس میں مشتری اول پر فیصلہ بائع اول پر فیصلہ نہ سمجھا

**وَاللَّهُ أَعْلَمُ**

جائیگا۔

فان قبض مشريه وادعى عيبا لم يجبر على دفع ثمنه حتى يحلف بانه او يقيم بينة فقولہ او يقيم مرفوع عطف على قوله لم يجبر وليس عطفا على قوله يحلف بانه لانه حينئذ يكون اقامة البينة غاية لعدم الجبر فان اقام البينة ينتهي عدم الجبر فيلزم الجبر على دفع الثمن عند اقامة البينة على العيب

فالحاصل ان المشتري اذا ادعى عيبا يقيم بينة على دعواه ويرد وان لم يكن له بينة يحلف بانه لا عيب وحينئذ يجبر على الثمن لا قبل الحلف فاحد الامرين ثابت اما اقامة البينة على وجود العيب او عدم الجبر على دفع الثمن حتى يحلف - وان نصب قوله او يقيم فله وجه وهو ان يكون المراد بعدم الجبر على دفع الثمن عدم الجبر على دفعه بشرط ان يكون الثمن واجبا بحكم البيع وهو مغنيا باحد الامرين اما الحلف على انه لا عيب فحينئذ يجبر على دفع الثمن او اقامة البينة على وجود العيب فحينئذ يفسخ البيع ولا يبقى الثمن واجبا فينتهي عدم الجبر بشرط كونه واجبا

ترجمہ۔ اگر قبضہ کر لیا اپنی خریدی ہوئی چیز پر تو ان کو مجبور نہ کیا جائے گا اسکے ثمن حوالہ کرنے پر یہاں تک کہ بائع قسم کھالے یا گواہ قائم کرے۔ مصنف کا قول اولیٰ قسم مرفوع ہے عطف ہے اسکے قول لم تجبر پر اور عطف نہیں ہے محلف پر کیونکہ اس وقت گواہ قائم کرنا غایت ہو جائے گا عدم جبر کا اگر گواہ قائم کر دئے تو عدم جبر قہری ہو جائے گا اور لازم ہو جائے گا کہ جبر کیا جائے گا ثمن حوالہ کرنے پر عیب پر گواہ قائم کرنے کے وقت۔ حاصل یہ ہے کہ مشتری نے جب عیب کا دعویٰ کیا تو اپنے دعویٰ پر گواہ قائم کریگا اور واپس کرے گا اور اگر اس کے پاس گواہ نہ ہو تو بائع قسم کھائے گا کہ عیب نہیں ہے تو اس وقت اس کو مجبور کیا جائے گا ثمن حوالہ کرنے پر نہ کہ قسم سے پہلے تو دو باتوں میں سے ایک ثابت ہے یا گواہ قائم کرنا ہے عیب کے موجود ہونے پر یا عدم جبر ہے ثمن کے حوالہ کرنے پر یہاں تک کہ بائع قسم کھالے۔

اور اگر منصوب ہو مصنف کا قول اولیٰ قسم تو اسکی وجہ ہے وہ یہ کہ مراد عدم جبر سے ثمن کے حوالہ کرنے پر عدم جبر ہے اس کے حوالہ کرنے پر اس شرط پر کہ وہ ثمن واجب تھا بیع کے حکم سے اور یہ عدم جبر مغنی ہے احد الامرین کے ساتھ یا تو قسم ہے اس بات پر کہ اس میں عیب نہیں ہے تو اس وقت مجبور کیا جائے گا ثمن کے حوالہ کرنے پر یا گواہ قائم کرنا ہے عیب کے موجود ہونے پر تو اس وقت بیع فسخ ہوگی اور ثمن واجب نہیں رہے گا تو عدم جبر قہری ہو جائے گا اس شرط پر کہ وہ ثمن واجب تھا

تشریح۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی نے کوئی چیز خریدی اور قبضہ کرنے کے بعد اس میں عیب کا دعویٰ کیا تو قاضی مشتری کو ثمن ادا کرنے پر مجبور نہ کرے بلکہ یا تو مشتری گواہ پیش کرے کہ بیع میں عیب موجود ہے تو اس وقت مشتری کو واپس کرنے کا اختیار مل جائے گا اور اگر مشتری گواہ پیش نہ کر سکا تو پھر بائع سے قسم لی جائیگی چنانچہ اگر بائع نے عیب موجود نہ ہونے پر قسم کھالی تو اس صورت میں مشتری کو ثمن ادا کرنے پر مجبور کیا جائیگا۔ یہ تو صورت مسئلہ کی وضاحت ہوئی اب عبارت کا حل پیش خدمت ہے اس عبارت میں تھوڑی سی چیدگی اور اشکال ہے۔ اصل موضع اشکال یہ ہے کہ عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب مشتری نے بیع میں عیب کا دعویٰ کیا تو اس کو ثمن حوالہ کرنے پر مجبور نہ کیا جائیگا یہاں تک کہ بائع قسم کھالے پس اگر بائع نے عیب موجود نہ ہونے پر قسم کھالی تو پھر مشتری کو ثمن حوالہ کرنے پر مجبور کیا جائیگا۔

یا مشتری عیب موجود ہونے پر گواہ قائم کرے۔ اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ عیب پر بینہ قائم کرنے کے بعد بھی مشتری کو ضمن ادا کرنے پر مجبور کیا جائیگا حالانکہ عیب پر گواہ قائم کرنے کے بعد ضمن ادا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس مشکل کو حل کرنے کیلئے شارح نے ایک توجیہ یہ پیش کی ہے کہ: "اودیقیم بیئہ"؛ اگر؛ "یقیم"؛ مرفوع پڑھا جائے منصوب نہ پڑھا جائے اور عطف ہو جائے؛ "لم یجبر"؛ پر نہ کہ حتی تکلف؛ پرتو پھر یہ خرابی لازم نہیں آتی اور اگر منصوب پڑھا جائے تو پھر یہ خرابی لازم آتی ہے

منصوب پڑھنے کی صورت میں خرابی یہ ہے کہ مشتری پر عدم جبر ثابت ہوگا یہاں تک کہ گواہ قائم کر لے یعنی اقامت بینہ کرے پس جب اقامت بینہ کر لیا تو پھر عدم جبر ختم ہو جائیگا اور جبر شروع ہو جائیگا ضمن کے حوالہ کرنے پر حالانکہ اقامت بینہ غایت اور انتہاء عدم جبر کیلئے نہیں ہے بلکہ غایت ہے جبر کیلئے کہ پھر جبر ختم ہو جائے گا اور اگر؛ "اودیقیم"؛ کو منصوب نہ پڑھا جائے بلکہ مرفوع پڑھا جائے تو پھر معنی یہ ہوگا کہ مشتری نے جب عیب کا دعویٰ کیا اس کو مجبور نہ کرے ضمن ادا کرنے پر بلکہ گواہ قائم کرے عیب کے وجود پر اور بیع کو فسخ کرے اور اسکے پاس گواہ نہ ہو تب بھی اس کو مجبور نہ کرے یہاں تک کہ بائع قسم کھالے عیب کے موجود ہونے پر تب اس کو مجبور کیا جائیگا ضمن ادا کرنے پر یہی مطلب ہے شارح کا: "فالخاص ان مشتری سے لاقبل الحلف"؛ تک

فاحدا الامرین ثابت: ... دو باتوں میں سے ایک بات ثابت ہے یا اقامت البیئہ ہے عیب کے وجود پر مشتری کی جانب سے تو اس وقت بیع کو واپس کر لیا گیا عدم جبر ہے ضمن حوالہ کرنے پر یہاں تک کہ بائع قسم کھالے پھر ضمن حوالہ کرنے پر جبر ہوگا ان نصب قولہ اودیقیم فله وجہ:

شارح فرماتے ہیں کہ مذکورہ توجیہ تو ہم نے اودیقیم کو مرفوع بنا کر کی ہے لیکن اگر اودیقیم کو منصوب بھی پڑھا جائے تو اسکی بھی توجیہ ممکن ہے

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مشتری پر جو ضمن بیع کی وجہ سے واجب تھا اس پر جبر ہونا چاہئے تھا کہ ضمن بائع کو حوالہ کر دتا کہ ضمن میں بائع کا حق متعین ہو جائے جس طرح کہ بیع میں مشتری کا حق متعین ہو چکا ہے لیکن جب مشتری نے بیع کے اندر عیب موجود ہونے کا دعویٰ کیا تو اب اس پر جبر نہ کیا جائیگا ضمن حوالہ کرنے کیلئے یعنی اب مشتری پر عدم جبر ثابت ہوگا اور یہ عدم جبر مغیا ہے یعنی عدم جبر ثابت رہے گا تا وقتیکہ امرین میں سے ایک امر ثابت نہ ہو جائے (۱) یا تو بائع قسم کھالے کہ بیع میں عیب نہیں تھا تو اب مشتری پر جبر کیا جائے گا ضمن حوالہ کرنے کے واسطے (۲) یا مشتری خود بینہ قائم کرے عیب کے موجود ہونے پر تو اب مشتری پر جبر نہ کیا جائے

گا بلکہ اس کو بیع فسخ کرنے اور واپس کرنے کا اختیار ہوگا اور ثمن واجب نہیں رہے گا لہذا جو عدم جبر مغنیاً تھا وہ انتہاء کو پہنچ گیا اور اسکے لئے غایت امرین میں سے امر واحد ہوا یا حلف یا اقامۃ البینہ ☆ ﴿واللہ اعلم﴾ ☆

وعند غيبة شهوده دفع الثمن ان حلف بائعه ولزم عيبه ان نكل ای ان قال المشتري شهودی غيب دفع الثمن ان حلف بائعه ان لا عيب وان نكل البائع ثبت العيب فان ادعى اباقة اقام بينة اولا انه ابق عنده ثم حلف بائعه بالله لقد باعه وسلمه اما بيق قط او بالله ماله حق الرد عليك من دعواه هذه او بالله ما بيق عندك قط لا بالله لقد باعه وما به هذا العيب ولا بالله لقد باعه وسلمه وما به هذا العيب انما لم يحلف بهذين الطريقتين اذ في الاول يمكن ان لا يكون العيب وقت البيع فيحدث بعد البيع قبل التسليم وعلى هذا التقدير للمشتري حق الرد ايضاً واما في الثاني فلان البائع يمكن ان يأول كلامه بان يكون المراد ان العيب لم يكن موجوداً عند البيع والتسليم بمعنى ان وجود العيب عند كل واحد منهما منتف فيمكن انه كان موجوداً عند التسليم لا لبيع فان قلت هذا الاحتمال ثابت في قوله لقد باعه وسلمه وما بيق قط اي وجد كل واحد منهما وما بيق عند وجود كل واحد فيمكن انه ق ابق عند وجود التسليم لا لبيع - قلت كلمة قط تنافي هذا المعنى لانها موضوعة لعموم السلب في الماضي وذلك المعنى هو سلب العموم

ترجمہ :- اور گواہوں کے غائب ہونے کے وقت ثمن حوالہ کریگا اگر بائع نے قسم کھالی اور اس پر عیب لازم ہوگا اگر انکار کیا یعنی جب مشتری نے کہا کہ میرے گواہ غائب ہے تو ثمن حوالہ کریگا اگر بائع نے قسم کھالی عیب نہ ہونے پر اور اگر بائع نے انکار کیا تو عیب ثابت ہو جائے گا۔ اگر دعویٰ کیا غلام کے بھاگنے کا تو گواہ قائم کرے اول اس بات پر کہ وہ بھاگ گیا ہے اس کے پاس سے پھر بائع کو قسم دلائی جائیگی کہ اللہ کی قسم کہ اس نے بیچا ہے اور سپرد کیا ہے اور وہ کبھی نہیں بھاگا ہے یا اس طرح کہ خدا کی قسم کہ مشتری کا تجھ پر واپسی کا حق اس طرح نہیں ہے جس کا وہ دعویٰ کر رہا ہے یا خدا کی قسم وہ تیرے پاس کبھی نہیں بھاگا ہے۔ ایسی قسم نہیں دلائی جائیگی کہ خدا کی قسم کہ بائع نے اس کو بیچا ہے اور اس میں یہ عیب نہیں تھا اور نہ اس طرح کہ خدا کی قسم بائع نے اس کو بیچا ہے اور سپرد کیا ہے اور اس میں یہ عیب نہیں تھا۔ ان دونوں طریقوں سے قسم نہیں دلائی جائیگی کیونکہ اول صورت میں ممکن ہے عیب بیع کے وقت موجود نہ ہو بلکہ بعد میں پیدا ہو گیا ہو سپرد کرنے سے پہلے اور اس تقدیر پر بھی مشتری کو واپس کرنے کا حق ہے اور دوسری

صورت میں ممکن ہے کہ بائع اپنے کلام کی یوں تاویل کرے کہ مراد یہ تھی کہ عیب بیع اور تسلیم کے وقت موجود نہ تھا معنی یہ ہے کہ وجود عیب دونوں کے وقت منقہ تھا تو ممکن ہے کہ موجود ہو جاوے گی کے وقت نہ کہ بیع کے وقت۔ اگر تو کہے کہ یہ احتمال ثابت ہے اس قول میں بھی،، لہذا بعد و سلمہ و ما لبق قط،، یعنی موجود ہے ہر ایک اور نہیں بھاگا ہر ایک کے موجود ہونے کے وقت تو ممکن ہے کہ بھاگا ہو تسلیم کے وقت نہ کہ بیع کے وقت۔ میں کہتا ہوں کہ کلمہ قط اس معنی کے منافی ہے کیونکہ یہ وضع ہے عموم سلب کیلئے اور وہ معنی سلب عموم ہے

### تشریح اگر مشتری کے گواہ غائب ہو تو:

صورت مسئلہ یہ کہ جب مشتری نے بیع پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد بیع میں عیب کا دعویٰ کیا اور بائع نے عیب ثابت ہونے پر گواہوں کا مطالبہ کیا تو مشتری نے کہا کہ میرے پاس گواہ تو ہیں لیکن وہ غائب ہیں یعنی مسافت شرعی کے سفر پر ہیں لہذا مجھے مہلت دیجائے تاکہ وہ حاضر ہو سکے تو مشتری کو مہلت نہ دی جائیگی بلکہ بائع سے قسم کا مطالبہ کیا جائیگا اگر بائع نے عیب نہ ہونے پر قسم کھالی تو مشتری سے ثمن لیکر بائع کو حوالہ کیا جائیگا مزید انتظار نہ کیا جائیگا کیونکہ اس میں بائع کا ضرر ہے کہ بیع تو اسکے ہاتھ سے نکل چکی ہے اور ثمن ہاتھ میں آیا نہیں ہے اور اگر بائع نے قسم کھانے سے انکار کیا تو پھر عیب اس پر لازم ہو جائیگا اور مشتری کو بیع واپس کرنے کا اختیار ہوگا کیونکہ بائع کا قسم سے انکار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بیع میں عیب موجود ہے اور جب بیع میں عیب موجود ہے تو واپس کرنے کا حق بھی حاصل ہوگا

فان ادعی ابا قہ: غلام کے اندر ابا قہ اور بھگوڑا ہونا عیب ہے اور ابا قہ کی وجہ سے مشتری کو غلام واپس کرنے کا حق اس وقت حاصل ہوگا جبکہ عیب بائع کے پاس موجود ہو اور مشتری کے پاس بھی اسی حالت میں عود کرے جس حالت میں بائع کے پاس ظاہر ہوا تھا چنانچہ اگر غلام بائع کے پاس بھاگا تھا اور مشتری کے پاس بالکل نہیں بھاگا یا بائع کے پاس بائع ہونے سے پہلے بھاگا تھا اور مشتری کے پاس بائع ہونے کے بعد بھاگا تو اس صورت میں مشتری کو واپس کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا البتہ اگر بائع کے پاس بھی بائع ہونے کے بعد بھاگا اور پھر مشتری کے پاس بھی بھاگا گیا تو اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری سب سے پہلے قاضی کے دربار میں گواہوں کے ذریعے یہ ثابت کریگا کہ غلام میرے پاس بھی بھاگا گیا ہے اگر مشتری نے یہ ثابت کر دیا گواہوں سے تو قاضی اسکا دعویٰ اور مقدمہ سنے گا اور پھر مشتری کی طرف دوبارہ متوجہ ہوگا کہ اب یہ ثابت کر دو کہ غلام بائع کے پاس بھی اسی سبب سے بھاگا تھا اگر مشتری نے گواہوں سے اسکا بائع کے پاس بھاگنا بھی ثابت کر دیا تو اب قاضی غلام بائع کو واپس کرے گا اور مشتری کو ثمن واپس دلائے گا اور اگر مشتری کے پاس گواہ نہیں ہیں بائع کے پاس بھاگنے پر تو اب قاضی بائع کی طرف

متوجہ ہو جائے گا کہ تم قسم کھاؤ کہ یہ غلام تیرے پاس کبھی نہیں بھاگا اگر بائع نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اس پر عیب ثابت ہو جائے گا اور اگر وہ قسم کھانے کیلئے تیار ہو گیا تو قاضی ان کو یوں قسم دلائے گا: باللہ لقد باعہ وسلمہ وما ابق قط؛ خدا کی قسم میں نے اس کو بیچا ہے اور سپرد کیا ہے اور یہ کبھی نہیں بھاگا یا یوں کہے کہ خدا کی قسم مشتری کو میری طرف بیچ واپس کرنے کا حق اس وجہ سے نہیں ہے جس کا وہ دعویٰ کر رہا ہے یا یوں کہے کہ خدا کی قسم یہ غلام میرے پاس کبھی نہیں بھاگا

مذکورہ تین طریقوں پر ان کو قسم دلائی جائے گی اور آئندہ دو طریقوں پر قسم نہ دی جائے گی (۱) خدا کی قسم میں نے یہ غلام فروخت کیا ہے اور اس میں یہ عیب نہ تھا (۲) خدا کی قسم میں نے یہ غلام فروخت کیا ہے اور سپرد کیا ہے اور اس میں یہ عیب نہ تھا ان دو طریقوں پر قسم نہ دی جائے گی اس لئے کہ صورت اول میں ممکن ہے کہ بائع یہ تاویل کرے کہ فروخت کرنے کے وقت اس میں عیب نہ تھا بلکہ فروخت کرنے کے بعد اور سپرد کرنے سے پہلے اس میں عیب پیدا ہو گیا ہے اس تاویل کی بنا پر بائع حائث نہ ہوگا اور مشتری کا نقصان ہو جائے گا حالانکہ فروخت کرنے کے بعد اور سپرد کرنے سے پہلے عیب پیدا ہونے کی وجہ سے واپسی کا حق مشتری کو حاصل ہوتا ہے

اور دوسری صورت میں بھی بائع یوں تاویل کریگا کہ فروخت کرنے اور سپرد کرنے دونوں کے وقت عیب نہ تھا حالانکہ یہ درست ہے کہ دونوں کے وقت عیب موجود نہ تھا بلکہ فروخت کرنے کے بعد اور سپرد کرنے سے پہلے عیب پیدا ہوا ہے اس صورت میں بائع حائث نہ ہوگا اور مشتری کا نقصان ہو جائے گا تو مشتری کو نقصان سے بچانے کیلئے ہم کہتے ہیں کہ بائع سب پر قسم نہ کھائے بلکہ حاصل پر قسم کھائے تاکہ بائع تاویلات نہ کر سکے اور مشتری بھی نقصان سے بچ جائے

فان قلت هذا الاحتمال ثابت في قوله لقد باعہ وسلمہ وما ابق قط:

ما قبل میں فرمایا تھا کہ اس طریقے پر قسم نہ دی جائے گی: لقد باعہ وسلمہ وما ابقہ العیب... کیونکہ اس صورت میں ممکن ہے کہ بائع یہ تاویل کرے کہ بیچ اور تسلیم دونوں کے وقت عیب موجود نہ تھا بلکہ صرف تسلیم کے وقت موجود تھا... اب ایک معترض کہتا ہے کہ یہ احتمال تو سابقہ تین طریقوں میں سے اس طریقے میں بھی موجود ہے "لقد باعہ وسلمہ وما ابق قط" کہ بائع یوں تاویل کرے کہ بیچ اور تسلیم دونوں کے وقت عیب موجود نہ تھا بلکہ صرف تسلیم کے وقت موجود تھا

قلت کلمة قط تاني هذا المعنى: شارح اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ دونوں طریقوں میں فرق ہے کہ... لقد باعہ وسلمہ وما ابق قط... میں کلمہ قط استفراقی فی الماضي کیلئے آتا ہے کہ ماضی میں یہ کام کبھی نہیں ہوا ہے نہ قریب میں نہ بعید میں جس کو استفراقی فی الماضي یا عموم السلب فی الماضي سے تعبیر کرتے ہیں اور آپ نے جو احتمال نکالا ہے یہ سلب العموم ہے۔ عموم السلب اور

سلب العموم میں منافات ہے کیونکہ عموم السلب کا معنی ہے نفی کو عام کرنا ماضی کے تمام زمانوں میں کہ یہ کام ماضی کے تمام زمانوں میں نہیں ہوا ہے جس کو اسنر ان نفی فی الماضی بھی کہا جاتا ہے اور سلب العموم کا معنی ہے عموم کو سلب کرنا یعنی خصوص پیدا کرنا کئی تمام زمانوں کو عام نہیں بلکہ بعض زمانوں کے ساتھ خاص ہے جس کو نفی فی الجملہ بھی کہا جاتا ہے

وعند عدم بينة المشتري على العيب عنده يحلف بئعه عند هما انه ماتعلم انه ابق عنده  
واختلفوا على قول ابي حنيفة قد ذكر ان المشتري اقام بينة اولا انه ابق عنده فان لم تكن له  
بينة يحلف البائع عندهما انك ماتعلم انه ابق عند المشتري لقوله عليه السلام،، البينة على  
المدعى واليمين على من انكر،، فكل شيء يثبت بالبينة فعند العجز عنها يتوجه اليمين على  
المنكر واختلف المشائخ على قول ابي حنيفة ووجه عدم الاستحلاف ان اليمين لا يتوجه الا على  
الخصم ولا يصير خصما الا بعد قيام العيب عنده فلا يمكن اثبات هذا بالحلف لانه دورا ما البينة  
فقد تقام ليصير خصما لكن لا يحلف ليصير خصما والفرق ان وجوب الحلف ضرر فاذا لم يكن  
خصما فلا وجه للزام الضرر عليه بخلاف اقامة البينة اذ المدعى مختار في اقامتها فهي اهون من  
الزام الضرر عليه فجعل اقامة البينة طريقا لاثبات كونه خصما لا التحليف

ترجمہ اور مشتری کے پاس عیب ثابت کرنے پر گواہوں کے موجود نہ ہونے کی صورت میں بائع سے یوں قسم لی جائے گی  
صاحبین کے نزدیک کہ خدا کی قسم تجھے معلوم نہیں کہ وہ بھاگا ہے مشتری کے پاس سے اور اختلاف کیا ہے فقہاء نے امام ابوحنیفہؒ  
کے قول میں... ماقبل میں ذکر ہو چکا کہ مشتری اول گواہ قائم کرے اس بات پر کہ وہ بھاگا گیا ہے مشتری کے پاس بھی اگر اسکے  
پاس بینہ نہ ہو تو بائع سے قسم لی جائے گی صاحبین کے نزدیک کہ خدا کی قسم تجھے معلوم نہیں کہ وہ بھاگا گیا ہے مشتری کے پاس  
حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے،، البينة على المدعى واليمين على من انكر،،؛ ہر وہ شکی جو گواہوں سے ثابت کی  
جاتی ہے تو اس سے عاجز ہونے کے وقت یمن متوجہ ہوگی مگر پر۔ اور مشائخ کا اختلاف ہوا ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول میں  
-قسم نہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ یمن متوجہ نہیں ہوتی مگر خصم پر اور مشتری خصم نہیں بنتا مگر عیب قائم ہونے کے بعد اس کے پاس اور  
ممکن نہیں اس کو ثابت کرنا قسم کے ذریعے کیونکہ یہ دور ہے۔ اور گواہ تو وہ اس لئے قائم کئے جاتے ہیں تاکہ مدعی خصم بن جائے  
لیکن قسم نہ دی جائے گی کہ وہ خصم بن جائے۔ اور فرق یہ ہے کہ قسم واجب کرنے میں ضرر ہے جب تک وہ خصم نہ ہو تو کوئی وجہ نہیں  
ہے اس پر ضرر لازم کرنے کی برخلاف گواہ قائم کرنے کے کیونکہ مدعی اس میں خود مختار ہے تو یہ گواہ قائم کرنے کا ضرر کم ہے اس پر



ضرر لازم کرنے سے تو گواہ قائم کرنا طریقہ ہوا اس کو خصم ثابت کرنے کیلئے نہ کہ قسم دینا

تشریح: اور اگر مشتری اپنے پاس عیب ثابت کرنے پر بینہ پیش نہ کر سکا اور اس نے مطالبہ کیا کہ میرے پاس تو گواہ نہیں ہے لہذا بائع سے قسم لی جائے تو اس صورت میں حضرات صاحبین کے نزدیک بائع سے اس طریقے پر قسم لی جائے گی کہ بائع یوں کہے کہ خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں کہ یہ غلام مشتری کے پاس بھاگا ہے اگر بائع نے یہ قسم کھالی تو مشتری کو غلام واپس کرنے کا حق نہ ہوگا اور اگر بائع نے قسم کھانے سے انکار کیا تو واپس کرنے کا حق ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول میں فقہاء کا اختلاف ہوا ہے بعض نے امام ابوحنیفہؒ کا قول حضرات صاحبین کے ساتھ ذکر کیا ہے اور بعض نے فرمایا ہے کہ حضرت امام صاحب کا قول یہ ہے کہ بائع سے قسم نہ لی جائے گی بلکہ اگر مشتری نے اپنے پاس سے بھاگنا گواہوں سے ثابت کیا تو پھر مقدمہ چلے گا ورنہ مشتری کو واپس کرنے کا حق ثابت ہی نہ ہوگا

حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ،، الیہ ین علی المدعی والیسین علی من انکر،، استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ مدعی کا دعویٰ صحیح ہے اس لئے تو اس پر شہادت کا ترتب ہوا ہے کہ عیب ثابت کرنے کیلئے گواہوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور جب دعویٰ صحیح ہے اور گواہ پیش نہ کر سکے گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو جائے تو مد مقابل پر قسم لازم ہوگی اور قسم اس طرح ہوگی کہ خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں کہ یہ غلام مشتری کے پاس بھاگا ہے

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: ان مشائخ کے قول کے بنا پر جو یہ فرماتے ہیں کہ بائع سے قسم نہ لی جائے گی ان کی دلیل یہ ہے کہ قسم کا ترتب دعویٰ صحیح پر ہوتا ہے اور دعویٰ صحیح ہوتا ہے خصم کی طرف سے اور مشتری مسئلہ مذکورہ میں اس وقت تک خصم نہیں ہو سکتا جب تک اپنے پاس عیب یعنی غلام کا بھاگنا دلیل شرعی یعنی شہادت سے ثابت نہ کرے حالانکہ مشتری ثبوت عیب پر گواہ پیش نہ کر سکا تو مشتری خصم بھی نہیں ہوگا اور جب خصم نہ ہو تو اس کی طرف سے دعویٰ صحیح نہ ہو تو اس پر قسم کا ترتب بھی نہ ہوگا جب مشتری عیب ثابت نہ کرنے کی وجہ سے خصم نہیں بنا تو بائع بھی اس کا خصم اور مد مقابل نہ ہوگا اور جب بائع خصم نہیں بنا تو اس پر قسم بھی لازم نہ ہوگی لہذا مشتری کے پاس عیب ثابت کرنا قسم کے ذریعے ممکن نہیں ہے۔

لانہ دور... اور اس میں دور بھی لازم آتا ہے اس طریقے پر کہ دعویٰ مشتری موقوف ہے وجود عیب پر اور وجود عیب موقوف ہے حلف بائع پر اور حلف بائع موقوف ہے دعویٰ مشتری پر تو دعویٰ مشتری موقوف ہو دعویٰ مشتری پر اور یہ توقف الشئ علی نفسہ ہے جو کہ باطل ہے لہذا مذکورہ طریقے پر بائع سے قسم لینا باطل ہے

و اما الہدیۃ فقد تقام... یہ ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ جب تک بائع کا خصم ہونا ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر قسم لازم نہیں ہے کیونکہ مشتری خود خصم نہیں ہے تو بائع بھی خصم نہ ہوگا اسی طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ جب مشتری خود خصم اور مدعی نہیں ہے تو تم اس پر بیئہ پیش کرنا کیوں لازم کرتے ہو جب تک وہ مدعی نہیں ہے تو اس پر گواہ پیش کرنا بھی لازم نہ کرنا چاہئے

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بیئہ پیش کرنا مدعی بننے کیلئے نہیں ہے بلکہ خصم بننے کیلئے ہے یعنی بیئہ پیش کرنے کے بغیر نفس دعوے سے آدمی مدعی بن سکتا ہے لیکن بیئہ کے بغیر آدمی خصم نہیں بن سکتا جب مشتری نے بیئہ پیش کئے تو مدعی خود خصم بن گیا اب اپنے مد مقابل کو بھی خصم بنا سکتا ہے لہذا مدعی بیئہ پیش کرنے سے پہلے مدعی بن سکتا ہے البتہ خصم نہیں بن سکتا۔ لیکن بائع کو قسم نہ دی جائے گی اس کو خصم بنانے کیلئے کیونکہ قسم دینا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ قسم دینے والا پہلے سے خصم ہو اور ابھی تک مشتری خصم نہیں بنا تو بائع کو قسم بھی نہیں دے سکتا اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ حلف واجب کرنے میں ضرر ہے بائع پر جب تک وہ خصم نہ ہو اس پر ضرر زیادہ لازم نہ کیا جائے گا۔

ولو قال البائع بعد التقابض بعثك هذا المعيب مع اخر وقال المشتري بل هذا وحده فالقول له اى اذا ظهر فى المبيع بعد التقابض عيب فيرده المشتري ويطلب الثمن فيقول البائع هذا الثمن مقابل بهذا الشئ مع شئ اخر ويقول المشتري بل هو مقابل بهذا الشئ وحده فالقول له مع اليمين لان الاختلاف وقع فى مقدار المقبوض فالقول للبايع كما فى الغصب وكذا اذا اتفقا فى قدر المبيع واختلفا فى المقبوض اى اتفقا فى ان المبيع شئان واختلفا فى المقبوض فقال المشتري قبضت احدهما فقط وقال البائع بل قبضتهما فالقول للمشتري على ما مر

ترجمہ اور اگر بائع نے کہا قبضہ کرنے کے بعد کہ میں نے تجھے فروخت کی ہے یہ عیب دار چیز دوسری کے ساتھ اور مشتری نے کہا کہ صرف یہ چیز تھی اکیلی تو قول مشتری کا ہوگا یعنی جب بیع میں قبضہ کرنے کے بعد عیب ظاہر ہوا اور مشتری اس کو واپس کرنا چاہتا ہے اور ثمن لینا چاہتا ہے تو بائع کہتا ہے کہ یہ ثمن مقابلہ میں ہے اس چیز کے دوسری چیز کے ساتھ اور مشتری کہتا ہے کہ نہیں بلکہ صرف ایک شئی کے مقابلے میں ہے تو قول مشتری کا معتبر ہوگا قسم کے ساتھ کیونکہ یہ اختلاف واقع ہوا ہے مقدار مقبوض میں اور اس میں قول قابض کا معتبر ہوتا ہے جیسے کہ غصب میں اسی طرح اگر دونوں کا اتفاق ہو تو بیع میں اور اختلاف ہو مقدار مقبوض میں یعنی اس پر اتفاق ہو کہ بیع دو چیزیں ہیں اور اختلاف مقدار مقبوض میں ہو مشتری کہتا ہے کہ میں نے ایک پر قبضہ کیا ہے اور

باع کہتا ہے کہ نہیں بلکہ تم نے دونوں پر قبضہ کیا ہے تو قول مشتری کا معتبر ہوگا جیسے کہ گزر چکا ہے

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک غلام خرید لیا اور اس پر قبضہ بھی کر لیا اور قبضہ کرنے کے بعد مشتری نے یہ دعویٰ کیا کہ بیع میں عیب موجود ہے اور غلام واپس کر کے پوراٹمن واپس کرنا چاہتا تو بائع نے کہا کہ میں نے تم کو صرف ایک غلام نہیں بلکہ دو غلام ایک ہزار روپے کے عوض فروخت کئے تھے اب تم نے ایک غلام واپس کیا ہے لہذا تم کو ہزار روپے نہیں بلکہ صرف پانچ سو روپے واپس ملیں گے اور مشتری نے کہا کہ نہیں تم نے مجھ کو صرف ایک غلام ہزار روپے کے عوض فروخت کیا تھا لہذا میں پوراٹمن یعنی ہزار روپے واپس لوں گا اور اتفاق سے گواہ کسی کے پاس بھی نہیں ہے تو اس صورت میں مشتری کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ کیونکہ یہ اختلاف واقع ہوا ہے مقدار مقبوض میں اور جب اختلاف واقع ہو جائے مقدار مقبوض میں تو اس میں قابض کا قول معتبر ہوتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ بائع مشتری پر زیادتی کا دعویٰ کر رہا ہے کہ تم کو میں نے دو غلام فروخت کئے تھے اور مشتری زیادتی سے انکار کر رہا ہے اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے یمن کے ساتھ اس صورت میں مشتری جو کہ قابض ہے منکر بھی ہے لہذا مشتری کا قول معتبر ہوگا۔ جیسے کہ کوئی شخص کسی کا غلام غصب کرے اور پھر واپسی کے وقت منسوب منہ یہ دعویٰ کرے کہ تم نے دو غلام غصب کئے تھے اور غاصب کہتا ہے کہ نہیں بلکہ میں نے ایک غلام غصب کیا تھا تو غاصب کا قول معتبر ہوتا ہے قسم کے ساتھ اس لئے کہ وہ قابض ہے اور زیادتی کا منکر ہے اور منکر کا قول معتبر ہوتا ہے قسم کے ساتھ

و كذلك اذا اتفقنا في قدر المبيع: اسی طرح جب اتفاق ہو بیع کی مقدار میں کہ بائع نے کہا کہ میں نے تم کو دو غلام فروخت کئے تھے اور تم نے دونوں پر قبضہ کیا تھا اور مشتری کہتا ہے کہ ٹھیک ہے دو غلام فروخت تو کئے تھے لیکن میں نے دونوں پر قبضہ نہیں کیا تھا بلکہ صرف ایک پر قبضہ کیا تھا تو اس صورت میں مشتری کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ کیونکہ وہ قابض ہے اور زیادتی کا منکر ہے اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے قسم کے ساتھ

ولو اشترى عبدین صفقة وقبض احدھما وجد به او بالآخر عیبا اخذھما او ردھما ولو

قبضھما رد المعیب خاصة لان الصفقة انما تتم بالقبض فقبل القبض لا يجوز تفريق الصفقة

وبعد القبض يجوز

ترجمہ: اگر کسی نے خرید لئے دو غلام ایک عقد میں اور ایک پر قبضہ کیا اور پھر اس میں یا دوسرے میں عیب پایا تو دونوں کو لیے یا دونوں کو واپس کر دے اور اگر دونوں پر قبضہ کر لیا تو پھر صرف عیب دار واپس کر سکتا ہے کیونکہ عقد تام ہوتا ہے قبضے سے تو قبضہ سے پہلے تفریق صفحہ جائز نہیں اور قبضہ کے بعد جائز ہے

تشریح دو غلاموں کو ایک صفحہ کے ساتھ خرید لیا اور ایک میں عیب پایا گیا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دو غلام خرید لئے ایک ہی عقد کے تحت۔ مثلاً بائع نے یوں کہا کہ میں نے یہ دونوں غلام تم کو ایک ہزار روپے میں فروخت کئے اور مشتری نے ایک غلام پر قبضہ کر لیا اور ایک پر ابھی تک قبضہ نہیں کیا تھا کہ ایک غلام میں عیب ظاہر ہوا چاہے مقبوض میں ہو یا غیر مقبوض میں تو اس صورت میں مشتری کو یہ حق نہیں ہے کہ صرف عیب دار غلام کو واپس کرے اور سلیم کو لے لے بلکہ یا تو دونوں کو واپس کرے گا یا دونوں کو لے گا۔ کیونکہ خیار عیب کی صورت میں بیع پر قبضہ کرنے کے بعد صفحہ نام ہوتا ہے لیکن قبضہ کرنے سے پہلے نام نہیں ہوتا اور اس مسئلے میں صفحہ اس وقت تمام ہوگا جبکہ دونوں غلاموں پر قبضہ کر لیا جائے پس مشتری کا عیب دار غلام کو واپس کرنا اور غیر عیب دار کو لینا یہ تفریق صفحہ قبل التمام ہے اور تفریق صفحہ قبل التمام ناجائز ہے۔ البتہ اگر مشتری نے دونوں غلاموں پر قبضہ کر لیا اور پھر کسی ایک غلام میں عیب پایا گیا تو اس صورت میں صرف عیب دار کو واپس کر کے اور دوسرے غلام کو اپنے پاس روک سکتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اس صورت میں اگرچہ تفریق صفحہ ہے لیکن یہ تفریق بعد التمام ہے اور تفریق صفحہ بعد التمام ناجائز نہیں ہے بلکہ جائز ہے

و کیلی او وزنی قبض ان وجد بعبضه عیبارد کله او اخذه لانه اذا کان من جنس واحد فهو کشیء واحد وقیل هذا اذا کان فی وعاء واحد حتی لو کان فی وعائین فهو بمنزلة عبدین فیرد الوعاء الذی فیہ المعیب ولو استحق بعضه لم یرد باقیہ بخلاف الثوب لانه لا یضره التبعض والاستحقاق لا یمنع تمام الصفقة لان تمامها برضاء العاقدین وهذا بعد القبض اما لو استحق البعض قبل القبض فللمشتری حق الفسخ فی الباقی لتفریق الصفقة قبل التمام اما فی الثوب فالتبعض یضره فله الخیار فی الباقی

ترجمہ: جو چیز نپ کر پائل کر سکتی ہے اس پر قبضہ کے بعد اس کا کوئی حصہ عیب دار پایا گیا تو پورا واپس کر دے یا پورا لے لے کیونکہ یہ ایک جنس ہے تو وہ ایک شئی کے مانند ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب کہ ایک برتن میں ہو اگر دو برتنوں میں ہو تو یہ بمنزلہ دو غلاموں کے ہے تو واپس کرے وہ برتن جس میں عیب ہے اور اگر اس کا بعض حصہ مستحق ہو گیا تو باقی کو واپس نہیں کر سکتا برخلاف کپڑے کے کیونکہ اس میں گلڑے کرنا اس کیلئے معزز نہیں اور استحقاق تمام صفحہ کیلئے مانع ہوتا نہیں ہے کیونکہ صفحہ کا تمام ہونا عاقدین کی رضامندی سے ہے اور یہ اس وقت ہے جبکہ قبضہ کے بعد (استحقاق) ہو اور اگر استحقاق قبضے سے پہلے ہو تو مشتری کو فسخ کرنے کا حق ہے باقی میں کیونکہ تفریق صفحہ قبل التمام لازم آگئی اب رہا کپڑے میں تو گلڑے کرنا اسکے لئے مضر ہے تو اس کو

اختیار ہو گا باقی میں

## تشریح مکملی اور موزونی چیز میں عیب کا ظاہر ہونا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کیلی چیز جیسے گندم۔ جو۔ وغیرہ یا دزنی چیز جیسے لوہا وغیرہ اگر کسی نے خرید لی اور اس پر قبضہ کر لیا اس کے بعد اس کا کوئی حصہ عیب دار نظر آیا تو اس کو اختیار ہے چاہے تو پورا کا پورا لے لے یا پورا کا پورا واپس کر دے صرف معیب واپس کرنا اور غیر معیب کو روکنا جائز نہیں ہے بلکہ یا تو پوری شیج کو لے گا یا پوری کو واپس کرے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ جب یہ ایک جنس ہے تو پوری شیج بمنزلہ شئی واحد ہے اور شئی واحد میں ایک حصہ اگر عیب دار ہو تو پوری چیز واپس کی جاتی ہے نہ کہ صرف عیب دار حصہ یہی وجہ ہے کہ ایک جنس ہونے کی وجہ سے اس پر ایک نام بولا جاتا ہے مثلاً ایک من یا ایک سیر وغیرہ اور اس کے اجزاء کی الگ الگ قیمت نہیں ہوتی مثلاً ایک دانہ گندم کی کوئی قیمت نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ مجموعہ شئی واحد ہے اور شئی واحد میں عیب کی وجہ سے پوری شئی واپس کرنا ہوتا ہے لہذا مکملی اور موزونی چیز عیب کی صورت میں پوری واپس کرنا ہوگا یہ اصل مسئلہ ہے لیکن بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہی مکملی چیز یا موزونی چیز اگر دو برتنوں میں ہو مثلاً دو بوری گندم ہو ایک بوری صحیح ہو اور ایک بوری میں کوئی عیب نکلا تو جس بوری یا برتن میں عیب نکلا ہے صرف اسی کو واپس کرے نہ کہ دوسری کو کیونکہ یہ دو الگ الگ برتن اب بمنزلہ دو غلاموں کے ہیں جس میں عیب ہو وہی واپس کر دے

ولو استحق بعضہ لم یرد باقیہ بخلاف الثوب: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے مکملی یا موزونی چیز خرید کر اس پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد اس کا کوئی حصہ مستحق ہو گیا یعنی کسی نے اس شئی موزون یا مکملی میں کچھ حصے کا دعویٰ استحقاق کیا اور مستحق کو وہ حصہ دے دیا گیا تو مشتری کو ماقہی شیج واپس کرنے کا اختیار نہ ہوگا بلکہ جتنا حصہ اس کے پاس رہ گیا سورہ گیا اور جو حصہ استحقاقاً چلا گیا اسکے بقدر ثمن واپس لے گا یہ درحقیقت ایک سوال کا جواب ہے

سوال یہ ہے کہ مکملی اور موزونی چیز جب شئی واحد کے مانند ہے مثلاً ایک غلام یا ایک کپڑے کے مانند۔ تو ایک غلام جب فروخت کیا جائے یا کپڑا فروخت کیا جائے اور پھر اس غلام یا کپڑے میں کسی کا حق ثابت ہو جائے تو مشتری کو غلام یا کپڑا واپس کرنے کا حق حاصل ہے کیونکہ اس میں شرکت ثابت ہوگئی اور شیج میں شرکت عیب ہے اسی طرح مکملی اور موزونی اشیاء میں مستحق نکل آنے سے شرکت ثابت ہوگئی تو اس میں بھی عیب پیدا ہو گیا لہذا اباقیہ شیج واپس کرنا چاہئے

جواب... یہ ہے کہ مکملیات اور موزونات میں شرکت عیب نہیں ہے کیونکہ مکملی اور موزونی چیز کو نکلنے سے کرنا مشتری کیلئے معتبر نہیں

ہے تو مستحق کا حصہ نکل جانے کے بعد جو کچھ رہ گیا وہ مشتری لے لے اور ما بقیہ کی قیمت بائع سے واپس کر دے اس کے برخلاف ثوب واحد اور غلام واحد ہے کہ اس میں شرکت عیب ہے اور تجبعض سے وہ چیز خراب ہو جاتی ہے اور ما بقیہ بسا اوقات مقصود کیلئے کافی نہیں ہوتا تو مستحق نکل آنے کی صورت میں مشتری کو اختیار ہوگا ما بقیہ کو واپس کرنے میں

والاستحقاق لا يمنع تمام الصفقة: یہ ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ مشتری کو ما بقیہ بیع کو واپس کرنے کا اختیار نہ ہونا مستلزم ہے تفریق صفقہ قبل التمام کو کیونکہ اصل مالک یعنی مستحق تو بیع پر راضی نہیں ہے تو یہ تفریق صفقہ قبل التمام ہے

جواب... صفقہ کا تمام ہونا موقوف ہے عاقدین یعنی بائع اور مشتری کی رضامندی پر اور عاقدین راضی ہو چکے ہیں اور مالک (جو کہ مستحق ہے) کی رضامندی پر موقوف نہیں ہے جب عاقدین راضی ہو چکے تو صفقہ بھی تام ہو چکا اور جب صفقہ تام ہے تو اسکے بعد تفریق صفقہ بعد التمام ہے اور تفریق صفقہ بعد التمام جائز ہے

وهذا بعد القبض... یعنی استحقاق ثابت ہونے کے باوجود ما بقیہ بیع میں واپس کرنے کا حق نہ ہونا یہ اس وقت ہے کہ مکمل یا موزونی اشیاء پر مشتری قبضہ کر چکا ہو اگر مشتری نے ابھی تک مکمل یا موزونی اشیاء پر قبضہ نہیں کیا ہے اور قبضے سے پہلے اس کا کوئی مستحق ثابت ہو جائے تو پھر مشتری کو ما بقیہ بیع واپس کرنے کا حق ہوگا کیونکہ یہ تفریق صفقہ قبل التمام ہے اور تفریق صفقہ قبل التمام ناجائز ہے کیونکہ صفقہ تمام ہونے کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں (۱) ایک عاقدین کی رضامندی (۲) دوم مشتری کا بیع پر قبضہ کرنا جب دونوں نہ ہوں یا دونوں میں سے ایک نہ ہو تو پھر صفقہ تام نہیں ہوگا اور جب صفقہ تام نہ ہو اور اس صورت میں مستحق نکل آئے تو یہ تفریق صفقہ قبل التمام ہے اور تفریق صفقہ قبل التمام ناجائز ہے اس لئے قبضہ کرنے سے پہلے مستحق نکل آنے کی صورت میں مشتری کو ما بقیہ بیع واپس کرنے کا اختیار ہوگا

ومداواة العيب ور كويه في حاجته رضاء ولور كب لرده اوسقيه او علفه ولا بد له منه فلا ولو قطع بعد قبضه او قتل بسبب كان عند بائعه ره واخذ ثمنه الرد في صورة القطع اما في القتل فلا رد بل اخذ الثمن عند ابي حنيفة لان هذا بمنزلة الاستحقاق عنده واما عندهما فيرجع بالنقصان لان هذا بمنزلة العيب فيقوم بدون هذا العيب ثم بهذا العيب فيضمن البائع تفاوت ما بينهما كما لو اشترى جارية حاملاً فماتت في يده بالولادة فانه يرجع بفضل ما بين قيمتها حاملاً وغير حامل ولا يحنيفة ان سبب الهلاك كان في يد البائع فاذا هلك في يد المشتري يكون مضافا الى ذلك السبب بخلاف الحمل فان الحمل ليس سببا للهلاك

ترجمہ: اور عیب دار چیز کا علاج کرنا اور اس پر سوار ہونا اپنی حاجت کیلئے رضامندی ہے اور اگر سوار ہوا اس کو واپس کرنے کیلئے یا پانی پلانے کیلئے یا چارہ خریدنے کیلئے حالانکہ اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں تو یہ رضامندی نہیں ہے اور غلام کا (ہاتھ) کاٹنا گیا یا قتل کیا گیا اس سبب سے جو بائع کے پاس تھا تو غلام لوٹا دے اور ثمن واپس لے لے۔ واپس کرنا ہاتھ کاٹنے کی صورت میں ہے اور رہا قتل کرنے میں تو اس میں واپس کرنا نہیں ہے بلکہ صرف ثمن لینا ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کیونکہ یہ بمنزلہ استحقاق ہے امام صاحب کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک رجوع بالتقصان کرے گا کیونکہ یہ بمنزلہ عیب ہے۔ تو قیمت لگائی جائے گی بغیر اس عیب کے اور پھر اس عیب کے ساتھ تو بائع ضامن ہوگا دونوں کے درمیان تفاوت کا جیسے کہ کوئی خرید لے حاملہ باندی کو اور وہ مر جائے مشتری کے ہاتھ میں ولادت کی وجہ سے تو وہ رجوع کرتا ہے اس کے حاملہ اور غیر حاملہ ہونے کے درمیان زیادتی کا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہلاکت کا سبب متحقق ہو چکا ہے بائع کے ہاتھ میں جب ہلاک ہو جائے مشتری کے ہاتھ میں تو اس کی نسبت ہوگی اس سبب کی طرف۔ برخلاف حمل کے کیونکہ حمل سبب نہیں ہے ہلاکت کا

**تشریح:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے گھوڑا خرید لیا اور اس میں زخم پایا اور واپس کرنے کے بجائے اس کا علاج کیا یا گھوڑے پر سوار ہوا اپنی حاجت کیلئے تو یہ علاج کرنا یا اپنی حاجت کیلئے سوار ہونا مشتری کی طرف سے عیب پر رضامندی کی دلیل ہے لہذا اسکے بعد مشتری اس بیع کو عیب کی وجہ سے واپس نہیں کر سکتا اور اگر مشتری گھوڑے پر سوار ہوا واپس کرنے کے واسطے تو یہ رضامندی نہ سمجھی جائے گی بلکہ یہ واپسی کی دلیل ہے۔ اور اگر مشتری اس پر سوار ہوا پانی پلانے کے واسطے یا گھاس خریدنے کے واسطے اور مشتری کیلئے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہو یعنی یا تو گھوڑا سرکش ہو سوار ہوئے بغیر نہ چلتا ہو یا مشتری کمزور ہو سوار ہوئے بغیر نہیں چل سکتا تو یہ بھی رضامندی کی دلیل نہیں ہے اور اگر سوار ہونے سے چارہ کار ہو تو پھر سوار ہونا رضامندی کی دلیل ہے لہذا اب عیب کی وجہ سے واپس نہیں کر سکتا

**ولو قطع بعد قبضہ او قتل بسبب کان عند البائع ردہ واخذ ثمنہ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ایسا غلام خرید لیا جس نے بائع کے پاس رہتے ہوئے چوری کی تھی یا بائع کے پاس رہتے ہوئے کسی کو ناحق قتل کیا تھا اور مشتری نے اس غلام پر قبضہ کر لیا اور مشتری کو نہ بیع کے وقت اس عیب کا علم تھا اور نہ قبضہ کے وقت۔ جب مشتری نے غلام پر قبضہ مکمل کر لیا تو قاضی نے غلام کا ہاتھ سابقہ چوری میں کاٹ دیا یا غلام کو سابقہ قتل کے بدلے قصاصاً قتل کر دیا تو اس صورت میں مشتری کو اختیار ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی صورت میں غلام واپس کر دے اور اپنا پورا ثمن بائع سے واپس لے لے یا غلام اپنے پاس روکے رکھے اور بائع سے آدھا ثمن واپس لے لے۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے کہ مشتری نقصان عیب نہیں لے گا بلکہ یا غلام واپس کرے گا یا

اپنے پاس رکھے گا اور آدھا ٹخن واپس لے گا۔ جبکہ حضرات صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں مشتری کو غلام واپس کرنے کا اختیار نہ ہوگا بلکہ مشتری بائع سے نقصان عیب واپس لے گا کہ چور اور غیر چور کی قیمتوں میں جو تفاوت اور فرق ہے وہ واپس لے گا مثلاً چور غلام کی قیمت پندرہ سو روپے (۱۵۰۰) ہے اور صحیح سالم غلام کی قیمت دو ہزار (۲۰۰۰) روپے ہے تو مشتری بائع سے صرف پانچ سو روپے واپس لے گا غلام واپس نہیں کرے گا کیونکہ غلام میں ایسا عیب پیدا ہوا ہے جو اس میں پہلے موجود نہ تھا اور وہ مشتری کے پاس پیدا ہوا ہے لہذا اس جدید عیب کی وجہ سے اب وہ قابل واپسی نہیں ہے اس لئے واپسی مستحضر ہے اور نقصان عیب واپس کرنا لازم ہے۔ اسی طرح قتل کی صورت میں بھی نقصان عیب واپس لے گا۔ اس طریقے پر کہ ایک مباح الدم اور واجب القتل غلام کی قیمت اور معصوم اور غیر واجب القتل غلام کی قیمت معلوم کی جائے گی پھر دونوں کے درمیان جو فرق ہے وہ نقصان عیب ہے لہذا صرف وہ واپس کرے گا مثلاً مباح الدم غلام کی قیمت پانچ سو (۵۰۰) روپے ہے اور معصوم الدم غلام کی قیمت دو ہزار (۲۰۰۰) روپے ہے تو درمیان میں پندرہ سو (۱۵۰۰) روپے کا فرق ہے لہذا مشتری کو پندرہ سو (۱۵۰۰) روپے واپس کئے جائیں گے حضرات صاحبین کے نزدیک۔

حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ بائع کے پاس ہاتھ کے کانے جانے کا یا قتل کئے جانے کا سبب موجود ہونا بمنزلہ عیب ہے کہ بائع کے پاس غلام میں عیب موجود تھا اور اب مشتری کیلئے اس عیب دار غلام کا واپس کرنا مستحضر ہو گیا اور جس صورت میں بیع عیب دار ہو اور واپس کرنا مستحضر ہو جائے تو رجوع بھقان العیب کیا جاتا ہے تو یہاں بھی اس طرح ہوگا۔ جیسے کہ کسی مشتری نے ایک حاملہ باندی خرید لی اور خریدنے کے وقت اس کو حمل کا علم نہ تھا اور نہ قبضہ کرنے کے وقت علم تھا پھر ولادت کی وجہ سے وہ باندی مرگئی تو مشتری بائع پر رجوع بھقان العیب کرتا ہے نہ کہ پورے ٹخن کا اسی طرح یہاں بھی ہے

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ بائع کے پاس قطع ید یا قتل کے سبب کا پایا جانا بمنزلہ استحقاق ہے کہ بیع پر قبضہ کرنے کے بعد جب بیع کا کوئی مستحق ظاہر ہو جائے اور بیع کو لے جائے تو مشتری کو واپس کرنے کا حق ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی ہے گویا کہ غلام بائع کا نہیں تھا بلکہ وہ مستحق کا تھا تو مشتری پورے ٹخن کا حقدار ہوگا نیز بائع کے ہاتھ میں قطع ید اور قتل کا سبب پایا گیا تو گویا ہاتھ کا کاشایا قصاصاً قتل کرنا واجب ہوا ہے بائع کے پاس اور وجوب منقضى الی الوجود ہوتا ہے تو گویا غلام کا ہاتھ کاٹنا یا قتل کرنا بائع ہی کے ہاتھ میں موجود ہوا اور جب سبب وجود بائع کے ہاتھ میں پایا گیا اور مشتری کے ہاں اس پر سزا جاری کی گئی تو یہ ہلاکت منسوب ہوگی اس سبب سابق کی طرف لہذا یہ غلام مستحق ہوا اور شئی مستحق ہونے کی صورت میں مشتری کو ٹخن واپس کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ برخلاف حمل جاریہ کے کہ حمل ہلاکت کا سبب نہیں ہے لہذا اس صورت میں رجوع بھقان العیب



کرے گا

ولو باع وبرئ من كل عيب صح وان لم يعدها وعند الشافعي لا يصح بناء على اصله ان البرائة عن الحقوق المجهولة لا يصح عنده وعندنا يصح اذا سقط المجهول لا يضر لانه لا يفضى الى المنازعة ثم هذه البرائة تشمل العيب الموجود وايضاً العيب الحادث قبل القبض عن ابي يوسف وعند محمد لا يشمل العيب الحادث

ترجمہ: اور اگر کسی نے کوئی چیز بیچی اور ہر قسم عیب سے بری ہونے کی شرط لگا دی تو یہ صحیح ہے اگرچہ اس نے عیوب کو گن گن کر نہ بتایا ہو اور امام شافعی کے نزدیک صحیح نہیں ہے ان کے مذہب پر بناء کرتے ہوئے کہ حقوق مجہولہ سے بری کرنا صحیح نہیں ہے ان کے نزدیک اور ہمارے نزدیک صحیح ہے کیونکہ مجہول کو ساقط کرنے میں کوئی ضرر نہیں اسلئے کہ یہ مفضی الی النزاع نہیں ہے پھر یہ برائت عیوب موجودہ کو بھی شامل ہے اور اس عیب کو بھی جو پیدا ہو جائے قبضے سے پہلے حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام محمد کے نزدیک اس کے بعد پیدا ہونے والے عیب کو شامل نہیں۔

تشریح: ہر قسم عیب سے برائت کا اظہار کرنا: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی چیز فروخت کی اور بائع یعنی فروخت کرنے والے نے ہر قسم عیب سے بری ہونے کی شرط لگا دی یعنی یوں کہا کہ میں اس چیز کے ہر عیب سے بری ہوں اور مشتری نے اس شرط کو قبول کر لیا تو اب مشتری کو کسی بھی عیب کی وجہ سے واپس کرنے کا حق نہیں ہے خواہ ان عیوب کو نام بنام شمار نہ کرایا ہو اور مشتری کو ان عیوب کا علم ہو یا نہ ہو

حضرت امام شافعی کے نزدیک یہ برائت درست نہیں ہے یعنی ہر عیب سے بری ہونے کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے اور ایک روایت ان سے یہ بھی ہے کہ بیع تو صحیح ہے لیکن شرط باطل ہے اور اصل انکا مذہب یہ ہے کہ حقوق مجہولہ سے برائت صحیح نہیں ہے کیونکہ بری کرنے میں تملیک کا معنی پایا جاتا ہے اور برائت رد کرنے سے رد ہوتی ہے تو اس میں معنی تملیک ہے اور شئی مجہول کی تملیک صحیح نہیں ہے اس وجہ سے مجہول عیوب سے برائت کی شرٹ لگانا بھی صحیح نہیں ہے

ہماری دلیل: یہ ہے کہ بری کرنا اسقاطات کے قبیل سے ہے نہ کہ تملیکات کے قبیل سے کیونکہ لفظ ابراء سے تملیک عین درست نہیں ہے پس جب لفظ ابراء سے عین شئی کا مالک کرنا درست نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ ابراء تملیک نہیں ہے بلکہ اسقاط ہے اور جہالت اسقاطات میں مفضی الی النزاع نہیں ہوتی کیونکہ جہالت اس وقت مفضی الی النزاع ہوتی ہے جبکہ کسی چیز کو حوالہ کرنا ہوتا ہے اور اسقاطات میں حوالہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تو جہالت مفضی الی النزاع بھی نہیں ہے لہذا مفسد بیع بھی نہ ہوئی

اور عیوب مجہولہ سے برائت کی شرط لگانا درست ہوا

پھر حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ عیب بھی اس میں داخل ہوگا جو بیع کے وقت موجود ہو اور وہ عیب بھی داخل ہوگا جو عقد بیع کے بعد اور قبضہ کرنے سے پہلے پیدا ہوا ہو

اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس میں وہ عیب تو داخل ہوگا جو عقد بیع کے وقت موجود ہو لیکن وہ داخل نہ ہوگا جو عقد بیع کے بعد اور قبضہ کرنے سے پہلے پیدا ہوا ہو..... واللہ اعلم

..... ۱۶ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ

..... ۱۵ فروری ۲۰۰۶ء

..... نورانی مسجد نونکلے یتنورہ سوات

## باب البيع الفاسد

( یہ باب ہے بیع فاسد کے بیان میں )

بطل بیع مالیس بمال کالدم والمیتة والحر والبیع به وكذا بیع ام الولد والمدبر  
والمکاتب وبیع مال غیر متقوم کالخمر والخنزیر بالثمن اعلم ان المال عین ینجری فیہ  
التنافس والابتذال فیخرج التراب ونحوه والدم والمیتة التي ماتت حتف انفه اما التي خنت او  
جرحت فی غیر موضع الذبح كما هو عادة بعض الکفار وذبائح المعجوس فمال الا انها غیر  
متقومة کالخمر والخنزیر ویخرج منه الحر لانه لا ینجری فیہ الا بتذال بل هو مبتذل والمال الغیر  
المتقوم مال امرنا باهانتہ لکنہ فی غیر دیننا مال متقوم فکل مالیس بمال فالبیع فیہ باطل سواء  
جعل مبیعا او ثمنا وکل ما هو مال غیر متقوم فان بیع بالثمن ای بالدرهم والدنانیر فالبیع باطل  
وان بالعرض او بیع العرض به فالبیع فی العرض فاسد فالباطل هو الذی لا ینجری صحیحاً باصله  
ووصفه والفساد هو الصحیح باصله لا بوصفه عند ابی حنیفة وعند الشافعی لافرق بین الباطل  
والفساد وتحقیق هذا فی اصول الفقہ

ترجمہ باطل ہے بیع اس چیز کی جو مال نہیں ہے جیسے خون۔ مردار۔ آزاد۔ اور ان چیزوں سے بیچنا اسی طرح ام ولد اور مکاتب کا  
بیچنا اور غیر قیمتی مال کو بیچنا جیسے شراب اور خنزیر کو ثمن کے بدلے۔ جان لو کہ مال وہ چیز ہے جس میں لوگوں کی رغبت پائی جاتی ہو اور  
لوگ اس کو خرچ کرتے ہوں تو اس سے مٹی خارج ہوگی اور اس جیسے اور بھی یعنی خون اور مردار جو اپنی طبیعت موت مرا ہوا ہو اور وہ  
جانور جس کا گلہ گھونٹ دیا جائے یا جس کو زخمی کیا جائے زخ کی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ میں جیسے کہ بعض کفار کی عادت ہے اور  
مجوس کے زخ شدہ وہ مال تو ہے لیکن قیمتی نہیں ہے شراب اور خنزیر کی طرح۔ اور اس سے آزاد نکل گیا کیونکہ اس میں خرچ کرنا  
جاری نہیں ہوتا بلکہ وہ تو خرچ کرنے والا ہوتا ہے اور مال غیر متقوم وہ مال ہے کہ اس کی اہانت کا ہمیں حکم دیا گیا ہے لیکن وہ اور  
دینوں میں متقوم ہے لہذا جو چیز بالکل مال نہیں اس میں بیع باطل ہے چاہے اس کو بیع بنایا جائے یا ثمن اور جو چیز مال ہو لیکن متقوم  
نہ ہو اگر اس کو ثمن کے بدلے بیچا جائے یعنی درہم اور دنانیر کے بدلے تو بیع باطل ہے اور اگر ان کو سامان کے بدلے بیچا جائے یا  
سامان کو ان کے بدلے بیچا جائے تو بیع سامان میں فاسد ہے۔ پس بیع باطل وہ ہے جو کہ اصل اور وصف دونوں کے اعتبار سے صحیح

نہ ہو اور بیع فاسد وہ ہے جو کہ صحیح ہواصل کے اعتبار سے نہ کہ وصف کے اعتبار سے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک باطل اور فاسد میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس کی تحقیق اصول فقہ میں ہے

تمہید:۔ بیع صحیح کی دونوں قسموں یعنی لازم اور غیر لازم کے بیان سے فارغ ہو کر اس باب میں بیع غیر صحیح کے احکام بیان فرما رہے ہیں چنانچہ بیع غیر صحیح کی چار قسمیں ہیں (۱) بیع باطل (۲) بیع فاسد (۳) بیع مکروہ (۴) بیع موقوف

(۱) بیع باطل وہ ہے جو ذات اور وصف دونوں کے اعتبار سے مشروع نہ ہو جیسے معدوم یا مردار کی بیع (۲) اور بیع فاسد وہ ہے جو ذات کے اعتبار سے مشروع ہو لیکن وصف کے اعتبار سے مشروع نہ ہو جیسے غیر مقدور تسلیم چیز کی بیع کرنا۔ یا بیع میں متفقہ عقد کے خلاف شرط لگانا (۳) اور بیع مکروہ وہ ہے جو ذات اور وصف دونوں کے اعتبار سے مشروع ہو لیکن فعل منہی عنہ اس کے ساتھ متصل ہو گیا ہو جیسے آذان جمعہ کے وقت بیع کرنا (۴) بیع موقوف وہ بیع ہے جو ذات اور وصف دونوں کے اعتبار سے مشروع ہو لیکن اس کا نفاذ عاقدین کے علاوہ کسی تیسرے کی اجازت پر موقوف ہو جیسے غلام کی بیع مولیٰ کی اجازت کے بغیر۔ مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہے

بیع فاسد کا حکم: بیوع اربعہ میں سے ہر ایک کا حکم... بیع باطل کا حکم یہ ہے کہ یہ بالکل مفید ملک نہیں ہے لہذا اگر کسی نے مردار کے عوض غلام خرید لیا اور غلام پر قبضہ کر کے اسکو آزاد کر دیا تو وہ غلام آزاد نہ ہوگا۔ اور بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ بیع پر قبضہ کرنے کے بعد وہ مفید ملک ہے لہذا اگر کسی نے شراب کے عوض غلام خرید لیا اور اس پر قبضہ کر کے اس کو آزاد بھی کر دیا تو آزاد ہو جائے گا۔ اور بیع مکروہ کا حکم یہ ہے کہ وہ مفید ملک ہے کراہت کے ساتھ۔ اور بیع موقوف کا حکم یہ ہے کہ وہ مفید ملک ہے علی سبیل التوقف

بیع فاسد بیع باطل سے عام ہے: بیع فاسد چونکہ کثرت اسباب کی وجہ سے کثیر الوقوع ہے اس لئے عنوان میں فاسد کا لفظ ذکر فرمایا اگرچہ اس باب میں باطل۔ فاسد۔ مکروہ۔ موقوف۔ سب کے احکام مذکور ہیں۔ اس تمہید کے بعد اب مسائل کی تشریح غور سے پڑھئے

تشریح: مصنفؒ نے تمام بیوع پر باطل کا حکم لگایا ہے حالانکہ ان میں سے بعض فاسد ہیں اور بعض باطل۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جو چیز کسی بھی دین سماوی میں مال نہ ہو اس کی بیع باطل ہے چاہے اس کو بیع بنایا جائے یا شمن جیسے۔ خون، مردار۔ اور آزاد آدمی۔ لہذا ان چیزوں میں بیع باطل ہے چاہے اس کو شمن بنایا جائے یا بیع۔ ام ولد، مدبر، اور مکاتب۔ کی بیع باطل ہے ام ولد میں تو اس لئے کہ ام ولد کیلئے آزادی کا استحقاق ہو چکا ہے فرمایا حضور ﷺ نے،، اعتمھا ولدھا،، اور مدبر کے حق میں فی الحال آزادی

کاسب ثابت ہو چکا ہے اور مکاتب میں اس لئے باطل ہے کہ مکاتب اپنی ذات پر تصرف کا مستحق ہو چکا ہے اور یہ تصرف مولیٰ کے حق میں لازم ہے کہ مولیٰ مکاتب کی اجازت کے بغیر عقد کتابت ختم نہیں کر سکتا اور مکاتب مولیٰ کی اجازت کے بغیر عقد کتابت ختم کر سکتا ہے لہذا ان تینوں صورتوں میں بیع باطل ہے مشتری کو قبضہ کرنے سے بھی ملکیت حاصل نہ ہوگی۔

**خمر اور خنزیر کو اگر بیع بنایا جائے تو بیع باطل ہے ورنہ فاسد ہے:**

خمر اور خنزیر چونکہ فی نفسہ مال غیر متقوم ہے لہذا اس کی بیع میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر خنزیر کو بیع بنایا گیا اور اہم اور دنا نیر کے عوض میں تو پھر بیع باطل ہے کیونکہ بیع مقصود اور قابل احترام ہوا کرتی ہے ثمن تو صرف ایک وسیلہ ہوتا ہے اور شریعت نے خمر اور خنزیر کی اہانت کا حکم دیا ہے نہ کہ اعزاز کا اور اس صورت میں اعزاز لازم آتا ہے لہذا بیع باطل ہے اور اگر خمر اور خنزیر کو ثمن بنایا گیا اور عام اشیاء کو بیع بنایا گیا تو اس صورت میں سامان میں بیع فاسد ہے کیونکہ مقصود اور قابل احترام عرض ہے نہ خمر اور خنزیر لہذا اس صورت میں بیع فاسد ہوگی اور اگر خمر اور خنزیر کو خرید گیا عرض اور سامان کے عوض میں تب بھی سامان میں بیع فاسد ہے کیونکہ یہاں صحیح عقد ممکن ہے کہ عرض اور سامان کو بیع بنایا جائے اور خمر اور خنزیر کو ثمن بنایا جائے تو بیع بطلان سے بیع جائے گی۔ اس تفصیل کے بعد اب عبارت کو حل کرنا آسان ہے

وبیع قن ضم الی حر و ذکیۃ ضمت الی میت وان سمی ثمن کل وصح فی قن ضم الی مدبر او قن غیرہ بحصتہ لان المدبر محل للبیع عند البعض فبطلانه لایسری الی الغیر کملک ضم الی وقف فی الصحیح وفسد بیع العرض بالخمر وعکسہ ای البیع فاسد فی العرض حتی یجب قیمتہ عند القبض ویملک ہو بالقبض لکن البیع من الخمر باطل حتی لایملک عین الخمر

ترجمہ۔ اور صحیح نہیں ہے غلام کی بیع جو ملایا گیا ہو آزاد آدمی کے ساتھ اور ذبح شدہ بکری کی بیع جو ملائی گئی ہو مردار کے ساتھ اگر چہ بیان کر لے ہر ایک کا ثمن۔ اور صحیح ہے غلام میں جو ملایا گیا ہو مدبر کے ساتھ یا غیر کے غلام کے ساتھ اس کے حصے کے بقدر کیونکہ مدبر محل بیع ہے بعض کے نزدیک تو اسکا بطلان غیر کی طرف سرایت نہیں کرتا۔ جیسے کہ اپنی ملکیت جو ملائی گئی ہو وقف کے ساتھ بنا بر قول صحیح اور فاسد ہے سامان کی بیع شراب کے عوض اور اس کا عکس یعنی بیع فاسد ہے سامان میں یہاں تک کہ اس کی قیمت لازم ہوگی قبضے کے وقت اور مشتری قبضے سے مالک ہو جائے گا لیکن بیع شراب میں باطل ہے کہ مشتری عین شراب کا مالک نہیں ہو سکتا

**تشریح مال اور غیر مال کو بیع میں جمع کرنا:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید کے پاس ایک قن یعنی خالص غلام ہے اور ایک

آزاد آدمی ہے زید نے غلام اور آزاد دونوں کو خالد کے ہاتھ ہزار (۱۰۰۰) روپے میں فروخت کیا اسی طرح زید کے پاس ایک ذبح شدہ بکری ہے اور ایک مردار بکری ہے زید نے دونوں کو خالد کے ہاتھ ہزار (۱۰۰۰) روپے میں فروخت کیا ایک ہی صفحہ اور ایک ہی عقد کے ساتھ ہوا ان دونوں صورتوں میں یعنی آزاد اور غلام۔ ذبح شدہ بکری اور مردار بکری دونوں میں بیع باطل ہے وجہ بطلان یہ ہے کہ، قبول مالیں بمبیع جعل شرط القبول المبیع،، کے قبیل سے ہے یعنی جو چیز بیع نہیں ہے جیسے آزاد اور مردار اس میں قبول کو شرط قرار دیا ہے غلام اور ذبح شدہ بکری میں قبول کیلئے اور اس سے عقد باطل ہو جاتا ہے اگرچہ ہر ایک کا شمن بھی الگ الگ ذکر کیا ہے کہ پانچ سو روپے غلام کے ہیں اور پانچ سو آزاد کے تب بھی عقد درست نہ ہوگا اس لئے کہ آزاد اور مردار بالکل مال نہیں ہے جب مال نہیں تو بیع بھی نہیں بن سکتی اور جب بیع نہیں ہے تو بیع باطل ہے۔

اور اگر ایک غلام اور ایک مدبر کو بیع کیا یا ایک اپنے غلام اور ایک غیر کے غلام کو جمع کیا اور دونوں کو ایک صفحے کے ساتھ فروخت کیا تو اپنے غلام میں بیع درست ہے اس کے حصہ شمن کے بقدر اور مدبر اور غیر کے غلام میں باطل ہے کیونکہ مدبر بنی نفسہ محل بیع ہے بعض حضرات کے نزدیک جیسے امام شافعی کے نزدیک مدبر کی بیع جائز ہے اسی طرح دوسرے کا غلام بھی بنی نفسہ محل بیع ہے تو قبول مالیں بمبیع جعل شرط القبول المبیع کے قبیل سے نہیں ہے لہذا اپنے حصے میں بیع نافذ ہوگی جیسے کہ ایک شخص نے اپنی زمین اور وقف کی زمین کو ملا کر بیچ دیا تو اپنی زمین میں بیع درست ہے اور وقف کی زمین میں درست نہیں کیونکہ وقف کی زمین بنی نفسہ مال ہے محل ملک ہے تو جو اس کے ساتھ متصل ہو اس میں بیع باطل نہ ہوگی کیونکہ قبول مالیں بمبیع جعل شرط القبول المبیع کے قبیل سے نہیں ہے

وفسد بیع العرض بالخمر... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے شراب کے بدلے سامان خرید لیا یا اس کا عکس کیا کہ سامان کے عوض میں شراب خرید لی تو دونوں صورتوں میں سامان کے اندر بیع فاسد ہے اگر مشتری نے سامان پر قبضہ کر لیا تو اب وہ شراب کو حوالہ نہیں کرے گا بلکہ اس کی قیمت حوالہ کرے گا اور مشتری سامان پر قبضہ کرنے سے سامان کا مالک ہو جائے گا لیکن شراب میں بیع باطل ہے یعنی شراب کا خریدار شراب کا مالک نہ ہوگا اگرچہ اس پر قبضہ بھی کر لے لہذا اس کو شراب کے بجائے اس کی قیمت دی جائے گی نہ کہ عین شراب کیونکہ مسلمان نہ شراب کا مالک بن سکتا ہے اور نہ تملیک کر سکتا ہے

ولم یجوز بیع سمک لم یصد او صید والقی فی حظیرة لایؤخذ منها بلا حيلة وصح ان اخذ منها بلا حيلة الا اذا دخل بنفسه ولم یسد مدخله حتی لو دخل بنفسه وسد مدخله یجوز بیعه لان سد المدخل فعل اختیاری موجب للملك واعلم انه نظم کثیرا من المسائل فی سلك واحد وقال لم یجوز لکن لم یبین ان البیع باطل او فاسد وانا ابین ان شاء الله تعالی فی السمک الذی

لم یصد ینبغی ان یکون البیع باطلا فیہ اذا کان بالدرہم والدنانیر ویکون فاسد اذا کان بالعرض  
لانہ مال غیر متقوم لان التقوم بالاحراز والاحراز فیہ وامالسمک الذی صید والقی فی حظیرة  
لا یؤخذ منها بلا حیلۃ ینبغی ان یکون البیع فیہ فاسدا لانہ مملوک لکن فی تسلیمہ عسر ولا بیع  
طیر فی الهواء ینبغی ان یکون باطلا کبیع السمید قبل ان یصطاد وبیع الحمل والنتاج ینبغی ان  
یکون باطلا لان النتاج معدوم فلا یکون مالا والحمل مشکوک الوجود فلا یکون مالا واللبن فی  
الضرع ذکروا فیہ علتین احدهما انہ لا یعلم وجودہ انہ لبن اودم اوریح فعلی هذا یبطل البیع لانہ  
مشکوک الوجود فلا یکون مالا واثانۃ ان اللبن یوجد شیئا شیئا فملک البائع یختلط بملک

المشتری

ترجمہ۔ اور جائز نہیں ہے مچھلی کی بیع شکار سے پہلے یا شکار کی گئی ہو اور ڈالی گئی ہو گھڑے میں کہ جس کو نہیں پکڑا جاتا بغیر حیلے کے  
ہاں اگر داخل ہو گئی خود بخود اور اسکے داخل ہونے کی جگہ بند کی گئی ہو تو اس کی بیع جائز ہے کیونکہ جائے دخول بند کرنا فعل اختیاری  
ہے ملک کو ثابت کرنے والا ہے جان لو کہ مصف نے بہت سارے مسائل ایک لڑی میں پروئے ہے اور فرمایا کہ یہ سب ناجائز  
ہیں لیکن یہ بیان نہیں کیا کہ اس میں بیع باطل ہے یا فاسد اور میں ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کروں گا تو اس مچھلی میں جو شکار نہ کی گئی ہو  
مناسب یہ ہے کہ بیع باطل ہو جبکہ دراہم و دنانیر کے مقابلہ میں ہو اور فاسد ہونا چاہئے جبکہ سامان کے عوض میں ہو کیونکہ یہ مال غیر  
متقوم ہے اس لئے کہ تقوم آتا ہے محفوظ کرنے سے اور یہ مچھلی محفوظ نہیں ہے اور وہ مچھلی جو شکار کی گئی ہو اور گھڑے میں ڈالی گئی ہو  
جس سے بغیر حیلہ کے نہیں نکالی جاسکتی مناسب یہ ہے کہ بیع فاسد ہو کیونکہ یہ مال مملوک ہے لیکن اس کے سپرد کرنے میں دشواری  
ہے اور نہ پرندوں کی بیع ہو اس میں مناسب یہ ہے کہ بیع باطل ہو مچھلی کو شکار کرنے سے پہلے کی طرح اور نہ حمل اور نہ حمل کے حمل کی  
بیع مناسب یہ ہے کہ یہ بیع باطل ہو کیونکہ نتاج معدوم ہے تو وہ مال نہیں ہے اور حمل کا وجود مشکوک ہے تو وہ بھی مال نہیں ہے اور نہ  
دودھ کی تھنوں میں علماء نے اس میں دو علتیں ذکر کی ہے ایک یہ کہ یہ معلوم نہیں ہے کہ دودھ ہے یا خون یا ہوا بنا بریں بیع باطل ہونا  
چاہئے کیونکہ اس کا وجود مشکوک ہے تو یہ مال نہیں ہے دوسری یہ کہ دودھ پیدا ہوتا ہے وقفہ وقفہ سے تو بائع کی ملکیت مل جاتی ہے  
مشتری کی ملکیت کے ساتھ

تشریح بیع باطل اور بیع فاسد کی مختلف صورتیں:

حظیرہ وہ جگہ ہے جو جانوروں کیلئے گھیر لیا گیا ہو مراد اس سے پانی کا گھڑا ہے۔ ان مسائل کے سمجھنے کیلئے یہ اصول ذہن میں رکھیے

کہ بیع کے جواز کے لئے یہ شرط ہے کہ بیع بائع کی مملوک ہو اور مقدوراً تسلیم بھی ہو پس اگر بیع بائع کی مملوک نہ ہو یا مملوک تو ہو لیکن مقدوراً تسلیم نہ ہو تو بیع جائز نہ ہوگی

اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ شکار کرنے سے پہلے دریا یا نہر وغیرہ میں مچھلیوں کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ جب تک مچھلی دریا میں ہے تو وہ کسی کی مملوک نہیں لہذا غیر مملوک کی بیع جائز نہیں ہے اور اگر مچھلی تالاب میں ہو تو وہ تالاب اور حظیرہ یا چھوٹا ہو گا یا بڑا اگر تالاب چھوٹا ہو اور اس میں مچھلی ڈالی گئی ہو اور بغیر حیلے کے اس سے صرف ہاتھ ڈال کر نکالی جاسکتی ہو تو اس کی بیع جائز ہے کیونکہ یہ مملوک ہے اور اگر تالاب بڑا ہو اور اس میں مچھلی ڈالی گئی لیکن بغیر حیلے کے اس سے نہیں نکالی جاسکتی تو تب بھی بیع ناجائز ہوگی کیونکہ اگرچہ مملوک ہے لیکن مقدوراً تسلیم نہیں اور تالاب چھوٹا ہو اس میں مچھلی خود بخود داخل ہوگئی ہو اور آنے جانے کا راستہ بند نہ کیا گیا ہو تو پھر بھی اس کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ بائع کی طرف اس میں کوئی فعل اور عمل نہیں پایا گیا ہے لہذا مملوک نہیں ہے اور آنے جانے کا راستہ بند کیا گیا ہو تو پھر اس کی بیع جائز ہے اس لئے کہ راستہ بند کرنا فعل اختیاری ہے اور مقدوراً تسلیم بھی ہے لہذا اس کی بیع جائز ہے

واعلم انه نظم کثیرا من المسائل... شارح فرماتے ہیں کہ مصنف نے کافی مسائل جمع کئے ہیں اور سب پر یہ حکم لگایا ہے کہ لم یحجز لیکن یہ تفصیل بیان نہیں کی کہ یہ بیع فاسد ہے یا باطل... میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی تفصیل بیان کروں گا کہ کس صورت میں بیع فاسد ہے اور کس صورت میں باطل۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ جو مچھلیاں شکار نہ کی گئی ہوں اور وہ دریا ہم و دنانیر کے عوض فروخت کی جائے تو بیع باطل ہے کیونکہ اس صورت میں مچھلیاں مال نہیں ہیں اور اگر اس کو سامان کلمے عوض فروخت کی جائے تو بیع فاسد ہے کیونکہ تصحیح عقد ممکن ہے اس طریقے پر کہ سامان کو بیع بنایا جائے اور مچھلی کو ثمن لیکن ثمن مقدوراً تسلیم نہیں اور مقنوم نہیں کیونکہ تقنوم آتا ہے احراز سے محفوظ کرنے سے اور ابھی تک وہ مچھلیاں محفوظ نہیں ہوئیں تو اس میں بیع فاسد ہے

ولا بیع طیر فی الهواء... اور پرندوں کی بیع ہو اس میں جائز نہیں پرندوں کی بیع ہو اس میں اس کیل تین صورتیں ہیں

(۱) شکار کرنے اور پکڑنے سے پہلے ہو اس میں فروخت کرنا یہ بیع باطل ہے کیونکہ اس صورت میں پرندے مملوک نہیں ہیں  
(۲) پکڑ لیا ہو پھر چھوڑ دیا ہو اس کی بیع فاسد ہے اس لئے کہ پکڑنے سے مملوک تو ہو گیا لیکن مقدوراً تسلیم نہیں ہے جس سے بیع فاسد ہوتی ہے

(۳) پرندہ عادی ہو چکا ہو آتا جاتا ہو جیسے کبوتر اس کا بغیر حیلے کے پکڑنا ممکن ہو تو اس کی بیع جائز ہے ورنہ فاسد ہے



و بیع الحمل والثناج... حمل اور حمل کے حمل کی بیع ناجائز ہے حمل کی بیع مثلاً مشتری یوں کہے کہ اس اونٹنی کے پیٹ سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ مجھے فروخت کر دے اور بائع یہ قبول کر دے اور حمل الحمل کی بیع جیسے مشتری یوں کہدے اس اونٹنی کے پیٹ میں جو بچہ ہے اور اس بچے کا جو حمل ہوگا وہ مجھے فروخت کر دو تو یہ ناجائز ہے اور دونوں صورتوں میں بیع باطل ہے کیونکہ حمل الحمل معدوم ہونے کی وجہ سے مال نہیں ہے اور حمل مشکوک الوجود ہونے کی وجہ سے مال نہیں ہے اور جب مال نہ ہو تو بیع باطل ہوتی ہے

واللبن فی الضرع... اور دودھ کا تھنوں میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے اس کے عدم جواز کی دو علتیں ذکر کی گئی ہیں (۱) یہ کہ یہ معلوم نہیں کہ تھنوں میں حقیقہ دودھ ہے یا ہوا بھری ہوئی ہے تو بیع مشکوک الوجود ہے بنا بریں بیع باطل ہونا چاہئے کیونکہ بیع مال نہیں ہے

(۲) یہ کہ دودھ تھنوں میں بیک وقت مجتمع نہیں ہوتا بلکہ وقفہ وقفہ سے قطرہ قطرہ آ رہا ہے تو جو دودھ تھنوں میں بیع کے وقت موجود ہے وہ بیع ہے اور جو دودھ بیع کے بعد پیدا ہوا ہے وہ غیر بیع ہے اور بائع کی ملکیت ہے اب یہاں بائع کی ملکیت مشتری کی ملکیت کے ساتھ ایسے مل گئی ہے کہ جدا کرنا ممکن نہیں جب جدا کرنا ممکن نہیں ہے تو بیع فاسد ہوگی لہذا اس صورت میں بیع فاسد ہے

والصوف علی ظہر الغنم لانه یقع التنازع فی موضع القطع و کل بیع یفرضی الی المنازعة فهو فاسد وجذع فی سقف و ذراع من ثوب ذکر موضع قطعه اولاً فان البیع فیہما فاسد والمراد ثوب یضربہ القطع ویعود صحیحان قلع او قطع الزراع قبل فسخ مشتری لان المفسد قد زال و ضربۃ القانس وہی ما یحصل من الصيد بضرب الشبکة مرۃ و هذا البیع ینبغی ان یکون باطلا لما ذکر فی الطیر فی الهواء

ترجمہ۔ اور ناجائز ہے اون کی بیع بھیڑ کی پشت پر کیونکہ محل قطع میں جھگڑا واقع ہوگا اور جو بیع مفقہی الی النزاع ہوتی ہے وہ فاسد ہوتی ہے اور شہتیر کی بیع چھت میں اور ایک گز کی بیع کپڑے میں کاٹنے کی جگہ کا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو کیونکہ بیع دونوں صورتوں میں فاسد ہے اور مراد کپڑے سے وہ کپڑا ہے جس میں کاٹنے سے نقصان ہوتا ہو اور بیع صحیح ہو جائے گی اگر شہتیر کو اکھاڑ دیا یا کپڑے کو کاٹ دیا مشتری کے فسخ کرنے سے پہلے کیونکہ فاسد کرنے والی چیز زائل ہوگئی اور شکاری کا ایک بار جال پھینکنا اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ جال مارنے سے جو شکار حاصل ہو جائے اور یہ بیع بھی باطل ہونی چاہئے جیسے کہ ذکر ہوا ہے پرندوں کی بیع ہوا میں

تشریح: اون کی بیع بھیڑ کی پشت پر: صورت مسئلہ یہ ہے کہ بھیڑ کی پشت پر اون فروخت کرنا جائز نہیں ہے اسلئے کہ یہ

مفصی الی النزاع ہے اس طریقے پر کہ مشتری جب اون کاٹے گا تو وہ بالکل ہی کھال کے ساتھ مل کر کاٹے گا اور بائع چاہے گا کہ تھوڑا اوپر اوپر کاٹ لے تو جھگڑا ہوگا موضع قطع میں اور جو بیع مفصی الی النزاع ہوتی ہے وہ فاسد ہوتی ہے نیز اس میں بائع کی ملکیت مشتری کی ملکیت کے ساتھ مل گئی ہے اس لئے کہ اون نیچے سے اوپر کی طرف بڑھتی ہے تو جو اون بیع کے وقت موجود تھی وہ مشتری کی ملکیت تھی اور جو اس کے بعد پیدا ہوئی ہے وہ بائع کی ملکیت ہے تو مشتری کی ملکیت بائع کی ملکیت کے ساتھ ایسی مل گئی ہے کہ جس کو جدا کرنا ممکن نہیں ہے لہذا اس صورت میں بیع فاسد ہے

وجذع فی السقف... صورت مسئلہ یہ ہے کہ چھت میں لگی ہوئی شہتر کی بیع جائز نہیں ہے اسی طرح ایسے کپڑے سے ایک گز کی بیع جائز نہیں ہے جس میں کاٹنے سے ضرر آتا ہو اگرچہ بائع اور مشتری نے کاٹنے کی جگہ متعین کی ہو ان دونوں صورتوں میں بیع فاسد ہے کیونکہ بیع کی تسلیم پر بائع قادر نہیں ہے مگر ضرر زائد کے ساتھ جس کا وہ مستحق نہیں ہے اور یہ ضرر مول لینا مقضی عقد کے خلاف ہے اس لئے یہ بیع فاسد ہے اور کپڑے سے وہ کپڑا مراد ہے جس میں کاٹنے سے نقصان پیدا ہوتا ہو پس اگر بائع نے چھت سے شہتر نکال کر مشتری کے حوالہ کیا یا بائع نے کپڑے سے ایک گز کاٹ کر مشتری کو حوالہ کیا اور ابھی تک مشتری نے بیع منع نہیں کیا تھا تو یہ بیع درست ہو جائے گی کیونکہ مفسد کے آنے سے پہلے پہلے فساد زائل ہو گیا

وضربۃ القانص.. شکاری کا ایک بار جاں بھینکنا کہ اس مرتبہ جاں میں جو بھی شکار پھنس گیا میں وہ نے آپ کو فروخت کر دیا اس روپے میں یہ ناجائز ہے کیونکہ اس میں غرر ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز بھی نہ پھنس جائے بلکہ یوں خالی واپس ہو جائے تو یہ بیع باطل ہونا چاہئے جیسے کہ پرندوں کی بیع ہوا میں پکڑنے سے پہلے باطل ہے اسی طرح یہ بھی غیر ملوک چیز کی بیع ہے لہذا باطل ہے

والمزابنة وهو بیع الثمر علی النخیل بتمر مجذوذ مثل کیلہ خرصا مثل کیلہ حال من الثمر علی النخیل وخرصا تمیز عن المثل ان یکون الثمر علی النخیل مثلا بطریق الخرص لکیل الثمر المجذوذ فهذا البیع من البیوع الفاسدة بشبهة الربوا والملاسة والقاء الحجر والمنابذة وهي ان يتساوما سلعة لزم البیع ان یمسها المشتري او وضع علیها حصة او نبذها البائع الیه فهذه البیوع فاسدة لان انعقاد البیع متعلق باحد هذه الافعال فیکون كالقمار

ترجمہ۔ اور جائز نہیں ہے بیع مزابنہ اور مزابنہ کھجور کے درخت پر پھلوں کا بیچنا ٹوٹے ہوئے چھواروں کے عوض اندازے سے ان کے کیل کے مثل۔ مثل کیلہ حال ہے الثمر علی النخیل سے اور خرصا تمیز ہے مثل سے یعنی پھل درختوں پر ہے اس حال میں کہ وہ مثل کیل ہو اٹکل کے طریقے پر کٹے ہوئے کھجوروں کے کیل کے ساتھ تو یہ بیع بیوع فاسدہ میں سے ہے شہدہ الربوا کی وجہ سے

اور ناجائز ہے چھونے کے ساتھ اور بھتر پھینکنے کے ساتھ اور بیع پھینکنے کے ساتھ بیع ملامہ یہ ہے کہ دو آدمی سامان کا بھاؤ کریں تو بیع لازم ہو جائے گی اگر مشتری نے اس کو چھولیا یا اس پر کنکری رکھ دی یا بائع نے مشتری کو پھینک دیا تو یہ بیع فاسد ہیں کیونکہ بیع کا منعقد ہونا متعلق ہے ان افعال میں سے کسی ایک کے ساتھ تو یہ جو اسکے مانند ہے

**تشریح: بیع مزینہ کی تعریف:** بیع مزینہ ناجائز اور فاسد ہے بیع مزینہ اس کو کہتے ہیں کہ درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کا اندازہ لگا کر اس کے بقدر کٹی ہوئی کھجور دینا مثلاً یہ اندازہ لگایا کہ درخت پر لگی ہوئی کھجور دس من ہے پھر اس کے عوض صاحب شجر کو دس من کٹی ہوئی کھجور حوالہ کرنا اور وہی درخت پر لگی ہوئی کھجور لینا یہ بیع ناجائز ہے کیونکہ یہ بیع زمانہ جاہلیت کی بیع ہیں اور حدیث شریف میں ہے،، نہی رسول اللہ ﷺ عن امر لہذہ والحاقلہ،، دوسری دلیل یہ ہے کہ بیع مزینہ وحاقلہ میں اتحاد جنس بھی ہے اور اتحاد قدر بھی اتحاد جنس اور اتحاد قدر کے ساتھ انکل اور اندازے سے فروخت کرنا ناجائز نہیں ہے کیونکہ اس میں شتمہ الربوا ہے اور شتمہ الربوا اسی طرح حرام ہے جیسے کہ حقیقت ربوا حرام ہے

**بیع محاقلہ کی تعریف:** بیع محاقلہ اس کو کہتے ہیں کہ زمین کی خوشوں میں لگی ہوئی گندم بیچنا صاف گندم کے عوض مثلاً صاف گندم دس من ہے یہ دیکر اور بالیوں میں جو گندم ہے وہ لے لینا اس اندازے سے کہ یہ بھی دس من ہوگی یہ صورت بھی ناجائز ہے تو نہ مثل کیلہ،،؛ شارح عبارت کا اعراب بتا رہے ہیں مثل کیلہ منصوب ہے بنا برحالیٰ اور یہ اتر علی الخیل سے حال ہے اسی طرح خرصا منصوب ہے بنا برتیز یہ مثل کیلہ سے تیز ہے

**بیع ملامہ اور منابذہ کی تعریف:** اسی طرح بیع ملامہ۔ بیع بالقاء الحجر۔ اور بیع منابذہ بھی ناجائز ہے یہ تینوں زمانہ جاہلیت کی بیع تھیں۔ بیع ملامہ اس کو کہتے ہیں کہ بائع اور مشتری کسی چیز کے بارے میں بھاؤ کر رہے ہوتے ہیں اور مشتری یوں کہے کہ میں نے جس چیز پر ہاتھ رکھ دیا تو وہ مجھ کو فروخت کر یا بائع اور مشتری ایک دوسرے سے کہہ دیتے ہیں کہ جب میں نے تمہارے کپڑوں کو ہاتھ لگایا تو بیع تام ہوگی اگرچہ دوسرا اس پر راضی نہ ہوتا۔ اور بیع بالقاء الحجر کی صورت یہ ہوتی کہ مشتری جس چیز پر بھتر رکھ دیتا تو بیع لازم ہو جاتی اگرچہ بائع اس پر راضی نہ ہوتا۔ اور بیع منابذہ کی صورت یہ ہوتی کہ بائع اور مشتری کسی چیز کے بارے میں بھاؤ کر رہے ہوتے جب بائع مشتری کی طرف بیع پھینک دیتا تو بیع لازم ہو جاتی اگرچہ مشتری اس پر راضی نہ ہوتا تو یہ بیع زمانہ جاہلیت کی بیع تھیں حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے،، نہی رسول اللہ ﷺ عن المنابذہ و الملامہ،،

دوسری دلیل یہ ہے کہ ان بیوع میں تمنا کا معنی پایا جاتا ہے تمنا کہتے ہیں تملیک الملک علی الخطر، کو یعنی اپنی ملکیت کو خطرے میں ڈالنا کہ یا تو فائدہ کھنچ لے گا یا خود ہی ہلاک ہو جائے گا چنانچہ ان بیوع میں بیع ملامہ کے اندر بائع یوں کہتا ہے کہ تم نے جس چیز

پر ہاتھ لگایا میں نے وہ تم کو فروخت کی ہے اب معلوم نہیں کہ مشتری کس چیز کو ہاتھ لگائے گا اسی طرح بیع منابذہ میں بھی کہ بائع کیا چیز چھینے گا اور القاء الحجر میں معلوم نہیں کہ بھتر کس چیز کو لگے گا بیع تملیکات کے قبیل سے ہے اور تملیکات کو کسی امر مردد پر معلق کرنا قمار کے معنی میں ہے اور قمار ناجائز ہے اس لئے یہ بیوع ناجائز ہیں

ولا بیع ثوب من ثوبین الا بشرط ان یاخذ ایہما شاء ولا المراعی ولا اجارتها بیع المراعی ای الکلاء باطل لانه غیر محرز واما اجارتها فلانها اجارة علی استهلاك عین ولا النحل الامع الکوارۃ بالضم والتشدید معسل النحل اذا سوی من طین هذا عند ابی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ فینبغی ان یکون البیع باطلا عندہما لعدم المال المتقوم وعند محمدؒ والشافعیؒ یجوز اذا کان محرزاً

ترجمہ۔ اور جائز نہیں ہے بیچنا ایک کپڑے کا دو کپڑوں میں سے مگر اس شرط پر کہ مشتری جس کو چاہے لے لے اور نہ چراگاہ کو بیچنا اور نہ اس کو اجارے پر دینا چراگاہ یعنی گھاس کی بیج باطل ہے کیونکہ یہ غیر محفوظ ہے اور رہا اجارہ تو یہ اجارہ ہے عین شی کے ہلاک ہونے پر اور شہد کی کھبوں کی مگر چھتے کے ساتھ۔ الکواریہ کاف کے ضمے کے ساتھ اور واؤ کی تشدید کے ساتھ شہد کی کھبوں کے شہد بنانے کا گھر جو مٹی سے بنایا جاتا ہے یہ حضرت امام صاحب کا اور ابو یوسف کا مذہب ہے ان دونوں کے نزدیک یہ بیج باطل ہونی چاہئے کیونکہ اس میں مال متقوم نہیں ہے امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی بیج جائز ہے جبکہ محفوظ ہو

تشریح چراگاہ کی بیع اور اجارہ: مراعی سے مراد یہاں پر گھاس ہے نہ کہ زمین کیونکہ چراگاہ کی زمین فروخت کرنا اور کرایہ یا اجارہ پر دینا جائز ہے لیکن چراگاہ کی گھاس فروخت کرنا یا اجارے پر دینا جائز نہیں ہے اسلئے کہ چراگاہ کی گھاس کسی کی مملوک نہیں بلکہ مباح ہے جس نے پہلے پانی اسی کی ہے کیونکہ یہ غیر محفوظ گھاس ہے اس میں سب کا حق ہے حدیث شریف میں ہے،، السلسون شرکاء فی ثلاث الماء والکلاء والنار،، مراد اس سے وہ گھاس ہے جو محفوظ اور مملوک نہ کی گئی ہو۔ اور پانی سے مراد وہ پانی ہے جو نہریا کنویں میں ہو اور نار سے مراد اس کی روشنی اور تپش ہے اور گرمی حاصل کرنے کا حق ہے کہ اس سے روکنے کا حق کسی کو نہیں ہے لہذا چراگاہ کی گھاس فروخت کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح چراگاہ کو اجارے پر دینا بھی جائز نہیں ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اجارہ ہوتا ہے استہلاک منافع پر یعنی عین تو باقی رہے اور منافع حاصل ہوتے جائے جیسے تم نے ایک گدھا دس دن کیلئے کرایہ پر لیا کہ تم اس پر دس دن تک ایشیں لا دو گے اور دس دن بعد گدھا مالک کو واپس کرو گے اور اس کے ساتھ مالک کو ایک ہزار روپے کرایہ بھی ادا کرو گے تو یہاں عین گدھا تو باقی ہے لیکن اس کے منافع سے آپ نے فائدہ حاصل کر لیا اور اس منافع

کے عوض تم نے ایک ہزار روپے دیدئے تو یہ اجارہ کی حقیقت ہے اور یہاں پر (اجارۃ المراءى میں) منافع تلف نہیں ہوتے بلکہ عین شئی تلف ہوتی ہے یعنی گھاس کے روپے کے عوض گھاس حاصل ہوتی ہے اور اجارہ عین پر نہیں ہوتا بلکہ منافع پر ہوتا ہے لہذا یہ اجارہ عین پر واقع ہونے کی وجہ سے باطل ہے

ولا تخل الامع الكواراة... شہد کی مکھیوں کے بارے میں دحضرات شیخین اور امام محمد کا اختلاف ہے حضرات شیخین کے نزدیک شہد کی مکھیوں کی بیج ناجائز ہے اسلئے کہ یہ مال نہیں ہے بلکہ حشرات الارض زمین کے کیڑے مکوڑے ہیں اور حشرات الارض کی بیج ناجائز ہے جبکہ امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک شہد کی مکھیوں کی بیج جائز ہے جبکہ وہ محفوظ ہو کسی چیز میں کیونکہ یہ شرعاً اور حقیقتاً قابل انتفاع ہے اور ماکول نہ ہونا اس کی بیج کے منافی نہیں ہے جیسے کہ زمین ماکول نہیں ہے اور اس کی بیج جائز ہے اور فتویٰ بھی امام محمد کے قول پر ہے

ولا بیع ثوب من ثوبین... صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو یا تین کپڑوں میں سے ایک کپڑا بیچنا یا خریدنا ناجائز ہے کیونکہ بیع مجہول ہے اور مجہول بھی ایسی کہ مفہمی الی النزاع ہے کیونکہ اس میں مالیت کے اعتبار سے تفاوت ہوتا ہے اور جو بیع مفہمی الی النزاع ہوتی ہے وہ فاسد ہوتی ہے البتہ اگر بائع نے مشتری کو یہ اختیار دیدیا کہ مشتری کو اختیار ہے جس کپڑے کو چاہے سو (۱۰۰) روپے میں لے لے تو یہ بیع استحساناً جائز ہے جیسے کہ خیارتعین میں تفصیل گزر چکی ہے

ودود القز وبيضه فعند ابى حنيفةً بيعهما باطل وعند ابى يوسفٍ يجوز ان ظهر القز وعند محمدٍ يجوز مطلقاً والابق الامن زعم انه عنده زعم اى قال فهذا بيع فاسد لوجود المال المتقوم الا انه لاقدرة على تسليمه فانه اذا قال المشتري انه عندى فح يجوز ولين امرأة فى قدح انما قال فى قدح لان بيع اللين فى الضرع قد ذكر فلين امرأة انما يبطل بيعه لانه من اجزاء الأدمى فلا يكون سالاً وفيه خلاف الشافعى وعند ابى يوسفٍ يجوز بيع لبن الامة اعباراً للجزء بالكل ولا بى حنيفةً ان الرق غير نازل فى اللبن فهى باقية على اصل الأدمية

ترجمہ اور جائز نہیں ہے بیع ریشم کے کیڑوں اور اسکے انڈوں کی امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان دونوں کی بیع باطل ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اگر ریشم ظاہر ہو گئے ہو اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے مطلقاً اور نہ بھاگئے ہوئے غلام کی بیع مگر اس پر جو کہتا ہے کہ وہ غلام اس کے پاس ہے یہ بیع فاسد ہے کیونکہ مال متقوم موجود ہے لیکن اس کے سپرد کرنے پر قدرت نہیں اور جب مشتری نے کہا کہ وہ میرے پاس ہے تو پھر جائز ہے اور جائز نہیں ہے عورت کے دودھ کی بیع پمالے میں فی قدح اس لئے

فرمایا کہ دودھ کی بیع تھنوں میں پہلے اس کا ذکر ہو چکا ہے کہ یہ ناجائز ہے۔ اب فرماتے ہیں کہ عورت کے دودھ کی بیع باطل ہے اس لئے کہ یہ آدمی کا جز ہے تو یہ مال نہیں ہو سکتا اور اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک باندی کے دودھ کی بیع جائز ہے قیاس کرتے ہیں جز کو کل پر اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ رقیقت نہیں اترتی دودھ میں تو یہ باقی ہے اصل آدمیت پر

**تشریح ریشم کے کیڑوں کی بیع:** مسئلہ یہ ہے کہ ریشم کے کیڑوں کی بیع امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے اسی طرح ریشم کے کیڑوں کے انڈوں کی بیع بھی جائز نہیں ہے اسلئے کہ کیڑے اور کیڑوں کے انڈے مال منفع بہ نہیں ہے بلکہ حشرات الارض ہیں اور حشرات الارض کی بیع جائز نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر کیڑے پر ریشم ظاہر ہو گیا ہو تو پھر اسکی بیع جائز ہے ریشم کے تابع ہو کر جیسے شہد کی کھبوں کی بیع شہد کے تابع ہو کر جائز ہے۔ اور صرف اکیلے کیڑے کی بیع جائز نہیں ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک ریشم کے کیڑے کی بیع مطلقاً جائز ہے چاہے ریشم ظاہر ہو یا نہ ہو اور کیونکہ یہ ہر حال میں قابل انتفاع ہے یا فی الحال یا فی المال اور قابل انتفاع مال کی بیع جائز ہے اور ریشم کے کیڑوں کے انڈوں کی بیع امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے ضرورت کی وجہ سے

**والا بق....** مسئلہ یہ ہے کہ کامل طور پر بھاگے ہوئے غلام کی بیع جائز نہیں ہے کامل طور پر بھاگے ہوئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ غلام عاقدین یعنی بائع اور مشتری دونوں کے حق میں بھاگا ہوا ہو اور یہ ناجائز اس لئے ہے کہ حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے، نبی رسول اللہ ﷺ عن بیع الغرور عن بیع العبد الا بق،، دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ غلام اگر چہ مال متقوم ہے لیکن مقدوراً تسلیم نہیں ہے اور جو بیع مقدوراً تسلیم نہیں ہوتی اس میں بیع فاسد ہوتی ہے البتہ اگر یہ غلام ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کیا جائے جو یہ کہتا ہے کہ غلام میرے پاس ہے تو پھر جائز ہے کیونکہ یہاں پر غلام آبق کامل نہیں ہے اور غیر مقدوراً تسلیم بھی نہیں بلکہ مقدوراً تسلیم ہے مشتری کو سپرد کرنا مشکل نہیں ہے کیونکہ خود مشتری کے قبضے میں ہے لہذا اس صورت میں بیع صحیح ہوگی

**ولین امرأة فی قدح....** مسئلہ یہ ہے کہ عورت کے دودھ کی بیع ناجائز ہے خواہ پستان میں ہو یا کسی برتن وغیرہ میں عورت آزاد ہو یا باندی۔ مصنف نے فی قدح کی قید لگادی ہے یہ اسلئے کہ دودھ جب پستان میں ہو تو اسکا ماقبل میں ذکر آچکا ہے کہ اسکی بیع ناجائز ہے اب مسئلہ یہ رہ گیا کہ دودھ کی بیع برتن میں تو فرماتے ہیں کہ ناجائز ہے

اور امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کے دودھ کی بیع جائز ہے خواہ عورت آزاد ہو یا باندی، لانه مشروب طاهر،

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک آزاد عورت کے دودھ کی بیچ جائز نہیں لیکن باندی کے دودھ کی بیچ جائز ہے قیاس کرتے ہوئے کل کو جز پر کہ جس طرح باندی کی بیچ جائز ہے اسی طرح باندی کے دودھ کی بیچ بھی جائز ہوگی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ عورت کے دودھ کی بیچ جائز نہیں خواہ عورت آزاد ہو یا باندی جب اسکی یہ ہے کہ یہ جزء لادنی ہے اور آدی کے اجزاء سے انتفاع حاصل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ آدی اپنے تمام اجزاء کے ساتھ محترم ہے اور بیچ کے ذریعے بے وقار ہونا لازم آتا ہے لہذا بیچ نافذ کر کے اس کو بے وقار نہ کیا جائے گا

حضرت امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ مشروب سے مراد مطلق مشروب ہے یا مشروب بوقت ضرورت مگر اول ہے تو یہ ہمیں تسلیم نہیں کیونکہ مدت رضاعت کے بعد عورت کا دودھ پینا حرام ہے پس مطلق مشروب نہ ہو اور اگر ثانی مراد ہو تو یہ ہمیں تسلیم ہے کیونکہ عورت کا دودھ بوقت ضرورت یعنی مدت رضاعت کے اندر غذا ہے لیکن بوقت ضرورت غذا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مال بھی ہو جیسے مردار کا گوشت حالت اضطراری میں غذا ہے لیکن مال نہیں ہے لہذا عورت کا دودھ غذا ہے لیکن مال نہیں ہے پس جب بوقت ضرورت مشروب ہے اور مال نہیں تو اس کی بیچ بھی جائز نہ ہوگی

اور امام ابو یوسفؒ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ رقیق باندی کی ذات میں تو موجود ہے لیکن دودھ میں موجود نہیں ہے کیونکہ رقیق اس مقام میں تحقق ہوتی ہے جہاں اس کی ضد یعنی آزادی تحقق ہوتی ہے اور آزادی وہاں ہوتی ہے جہاں حیات موجود ہوتی ہے اور دودھ میں حیات نہیں ہے تو دودھ میں آزادی بھی نہیں آئے گی جب آزادی نہیں آتی تو دودھ میں رقیق بھی نہیں آتی اور جب دودھ میں رقیق نہیں آتی تو وہ مال بھی نہیں ہے اور جب مال نہیں تو اس کی بیچ بھی جائز نہ ہوگی لہذا دودھ کے حق میں باندی اپنی اصل آدمیت اور آزادی پر باقی ہے لہذا باندی کے دودھ کی بیچ جائز نہ ہوگی

وشعر الخنزیر فان البیع فیہ باطل و ن حل الانتفاع بہ للخرز ضرورة ولا شعر الادمی فان بیعہ باطل ولا الانتفاع بہ ولا جلد المیتة قبل دبغہ فان بیعہ باطل وان صح بیعہ والانتفاع بہ بعدہ کعظمها وعصبها و صوفها وشعرها وقرنها ووبرها فان بیع هذه الاشیاء صحیح و کذا الانتفاع بہا لان الموت غیر حال فی هذه الاشیاء والفیل کالسبع خلا فالمحمد حتی یجوز بیع عظمہ والانتفاع بعظمہ فانه کالخنزیر عنده

ترجمہ.. اور جائز نہیں ہے سور کے بالوں کی بیچ اس میں بیچ باطل ہے اگرچہ حلال ہے اس سے نفع اٹھانا سینے کیلئے ضرورت کی وجہ

سے اور انسان کے بالوں کی کہ اس میں بھی بیع باطل ہے اور نہ اس سے نفع اٹھانا اور نہ مردار کی کھال سے دباغت سے پہلے اس کی بیع باطل ہے اگر صحیح ہے اس کی بیع اور اس سے فائدہ اٹھانا دباغت کے بعد جیسے مردار کی ہڈی پھٹے اون بال اور سینگ اور اونٹ کے بال سے ان اشیاء کی بیع صحیح ہے اس طرح اس سے نفع اٹھانا کیونکہ موت نہیں اترتی ان چیزوں میں اور ہاتھی درندوں کے مانند ہے برخلاف امام محمدؒ کے یہاں تک کہ جائز ہے اس کی بیع اور فائدہ حاصل کرنا اسکی ہڈیوں سے اور امام محمدؒ کے نزدیک ہاتھی خنزیر کی طرح ہے

**تشریح خنزیر کے اجزاء کی بیع باطل ہے:** مسئلہ یہ ہے کہ سور کے بالوں کی بیع باقی ائمہ ناجائز ہے کیونکہ سورا پنے تمام اجزاء کے ساتھ نجس العین ہے لہذا اس کے کسی بھی جز کی بیع ناجائز ہے البتہ اگر جو تاجاموزہ سینے کیلئے سور کے بالوں کے علاوہ کوئی چیز نہ ہو تو پھر بوقت ضرورت اس سے سلائی کا نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ لیکن اگر سلائی کیلئے اس کے علاوہ کوئی چیز موجود ہو تو پھر سینے کیلئے بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح انسان کے بال بیچنا یا اس سے نفع حاصل کرنا باطل ہے اور یہ عدم جواز نجاست کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اعزاز اور اکرام کی وجہ سے ہے اسلئے کہ آدمی قابل اعزاز و اکرام ہے اور بیع کی وجہ سے اسکی اہانت اور تذلیل لازم آتی ہے لہذا آدمی کے اجزاء کی بیع اور اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے جیسے کہ حدیث شریف میں ہے،، قال علیہ السلام لعن اللہ الواصلة والمستوصلة،، لعنت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جزئی آدم سے فائدہ حاصل کرنا ہے جو کہ حرام ہے

**والا جلد المہیۃ:** مردار کی کھال بیچنا یا اس سے نفع حاصل کرنا دباغت سے قبل باطل ہے کیونکہ دباغت سے قبل یہ نجس ہے اور شئی نجس کی بیع جائز نہیں ہوتی اور دباغت کے بعد اس کی بیع اور اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے اسی طرح مردار کی ہڈی پھٹے مردار کے بال یا اون یا اس کی سینگ اسی طرح مردار اونٹ کے بال وغیرہ سے نفع حاصل کرنا جائز ہے اور ان اشیاء کی بیع بھی صحیح ہے اور ان سے فائدہ حاصل کرنا بھی صحیح ہے کیونکہ ان اشیاء میں موت حلول نہیں کرتی اور موت اس لئے حلول نہیں کرتی کہ اس میں حیات موجود نہیں جب حیات موجود نہیں تو اس میں موت بھی حلول نہیں کرتی اور جب موت حلول نہیں کرتی تو یہ چیزیں مردار بھی نہیں اور جب مردار نہیں تو اس کی بیع بھی جائز ہے اور اس سے فائدہ اٹھانا بھی جائز ہے

**والفیل کالسبع...** ہاتھی کے بارے میں امام محمدؒ کا اختلاف ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک ہاتھی خنزیر کی طرح نجس العین ہے لہذا اس کی بیع اور اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے جبکہ حضرات شیخین کے نزدیک ہاتھی عام درندوں کی طرح ایک درندہ ہے اس کا گوشت تو ناپاک ہے لیکن اس کی بیع اور اسکی ہڈیوں سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے خود حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ کیلئے ہاتی دانت کے دو ٹکڑے خریدے تھے اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھی سور کی طرح نجس العین نہیں ہے



ولا بیع علو بعد سقوطه ای اذا كان العلو لرجل والسفل لرجل فسقطا او سقط العلو وحده فباع صاحب العلو علوه بطل بیعه اذ بعد السقوط لم یبق الا حق التعلی وهو لیس بمال و بیع شخص علی انه امة وهو عبد فان البیع باطل بخلاف ما اذا اشتری كبشاً فاذا هو نعجة فان البیع منعقد وللمشتری الخيار والاصل فی ذلك ان الاشارة والتسمیة اذا اجتماعا فی مختلفی الجنس یتعلق بالمسمی و یبطل لانعدام المسمی و فی متحدی الجنس یتعلق بالمشار الیه و ینعقد بوجود المشار الیه لكن المشتری بالخیار لفوات الوصف فالذکر والانثی فی بنی آدم جنسان لفحش التفاوت واختلاف الاغراض و فی غیر بنی آدم جنس واحد

ترجمہ۔ اور جائز نہیں ہے بالا خانے کی بیع کرنے کے بعد یعنی بالا خانہ ایک شخص کا ہو اور نیچے مکان دوسرے شخص کا ہو دونوں گر گئے یا صرف بالا خانہ گر گیا اور بالا خانے والا نے اپنا بالا خانہ بیچ دیا تو یہ بیع باطل ہے کیونکہ کرنے کے بعد باقی نہیں ہے مگر اوپر ہونے کا حق اور اوپر ہونے کا حق مال نہیں ہے اور باطل ہے بیع ایک شخص کی اس شرط پر کہ یہ باندی ہے اور وہ غلام نکلا تو یہ بیع باطل ہے برخلاف اس کے کہ خریدار مینڈھا اور وہ بھیڑ نکلے تو یہ بیع منعقد ہوتی ہے اور مشتری کو اختیار ہے اور اصل اس میں یہ ہے کہ جب اشارہ اور تسمیہ جمع ہو جائے تو مختلف جنسوں میں عقد متعلق ہوگا کسی کے ساتھ اور باطل ہوگا کسی کے نہ ہونے سے اور متحد الجنس میں متعلق ہوگا مشار الیہ کے ساتھ اور منعقد ہوگا مشار الیہ کے موجود ہونے سے لیکن مشتری کو اختیار ہوگا وصف کے فوت ہونے سے تو مذکورہ مؤنث بنی آدم میں دو جنس ہیں تفاوت کی زیادتی اور اغراض کے مختلف ہونے کی وجہ سے اور بنی آدم کے علاوہ میں ایک جنس ہیں

تشریح بالا خانہ اور زمینی منزل کی بیع کی تفصیل: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص مکان کے نیچے کا مالک ہو اور دوسرا اس پر تعمیر شدہ بالا خانے کا مالک ہو اور یہ دونوں گر گئے یا صرف بالا خانہ گر گیا اور پھر صاحب بالا خانہ نے اپنا حق تعلی فروخت کر دیا تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں بیع حق تعلی ہے اور حق تعلی مال نہیں ہے تو بیع باطل ہے اور حق تعلی اس لئے مال نہیں ہے کہ حق تعلی تو صرف ہوا اور فضاء کا نام ہے اور ہوا مال نہیں ہے لہذا حق تعلی بھی مال نہ ہوگا اور جب مال نہیں تو بیع باطل ہے البتہ اگر بالا خانہ عمارت کے ساتھ باقی ہو تو پھر اس کی بیع جائز ہے کیونکہ عمارت مال ہے اور جب مال ہے تو بیع بھی جائز ہوگی

غلام اور باندی دونوں الگ الگ جنس ہیں بھیڑ اور مینڈھا ایک جنس ہیں:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے ایک باندی فروخت کی اور کہا کہ یہ باندی ہے اور مشتری نے اس شرط پر قبول کر لیا کہ یہ باندی ہے اور پھر معلوم ہوا کہ وہ غلام ہے تو یہ بیع باطل ہوگی اور اگر کسی نے مینڈھا فروخت کیا اور مشتری نے اس شرط پر قبول کیا کہ یہ مینڈھا ہے اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بھیڑ ہے تو یہ بیع درست ہے لیکن مشتری کو اختیار ہوگا کہ بیع کو فسخ کرے یا نافذ کرے

دونوں مسئلوں میں فرق: ان دونوں مسئلوں میں فرق بیان کرنے سے پہلے تین باتیں ذہن نشین فرمائیں

(۱) یہ کہ انسانوں میں مذکر اور مؤنث دو مختلف جنس ہیں کیونکہ ان کے اغراض مختلف ہیں اور اغراض اسلئے مختلف ہیں کہ مذکر۔ بیرون خانہ۔ خدمت۔ تجارت۔ زراعت۔ وغیرہ کیلئے موزوں ہے اور مؤنث اندرون خانہ۔ فراش بنانا۔ بچہ جنونا۔ وغیرہ کیلئے موزوں ہے اور جانوروں میں مذکر و مؤنث ایک جنس ہے کیونکہ ان کے اغراض متحد ہیں کہ سب سے غرض گوشت حاصل کرنا ہے یا سواری کرنا یا بوجھ لادنا مقصود ہے

(۲) یہ کہ جب مشارالیه اور مسمی جمع ہو جائے تو دونوں کی جنس اگر مختلف ہو تو عقد مسمی کے ساتھ متعلق ہوگا اور اگر جنس متحد ہو تو عقد مشارالیه کے ساتھ متعلق ہوگا

(۳) یہ کہ جب بیع معدوم ہو جائے تو بیع باطل ہوتی ہے اور اگر بیع موجود ہو لیکن وصف مرغوب فیہ معدوم ہو تو بیع درست ہوتی ہے مگر مشتری کو فسخ بیع کا اختیار ہوتا ہے

ان تین اصول کے بعد اب دونوں مسئلوں میں وجہ فرق ملاحظہ فرمائیں وجہ فرق یہ ہے کہ پہلے مسئلے میں مشارالیه غلام ہے اور مسمی جس کا نام لیا گیا ہے وہ باندی ہے اور غلام و باندی دونوں کی جنس مختلف ہے لہذا عقد بیع مسمی کے ساتھ متعلق ہوگا اور مسمی باندی ہے حالانکہ باندی موجود نہیں ہے بلکہ معدوم ہے اور معدوم کی بیع باطل ہوتی ہے تو اس صورت میں بیع باطل ہے اور دوسرے مسئلے میں چونکہ مشارالیه بھیڑ ہے اور مسمی مینڈھا ہے اور دونوں کی جنس متحد ہے اس لئے عقد کا تعلق مشارالیه کے ساتھ ہوگا اور مشارالیه بھیڑ ہے اور بھیڑ موجود ہے اور بیع موجود ہونے کی صورت میں بیع درست ہوتی ہے البتہ وصف مرغوب فیہ یعنی مذکر ہونا فوت ہوا ہے اسکی وجہ سے مشتری کو اختیار حاصل ہوگا کہ چاہے تو بیع فسخ کرے یا نافذ کرے

وشرایء ما باع باقل ما باع قبل تقد ثمنه الاول باع شیئاً بخمسة عشر ولم يأخذ الثمن ثم اشتراه بعشرة فتقاص العشرة بعشرة من خمسة عشر فبقي للبائع على المشتري خمسة ففهي ربح مالم يضمه ای الثمن وهو خمسة عشر لانه لمالم يقبضه البائع لم يدخل فی ضمانه وانما

الغنم بازاء الغرم فيكون الربح حراما فيكون هذا البيع فاسداً خلافاً للشافعي وشراء ما باع مع شيء الم يبعه بثمنه الاول فيما باع وان صح فيما لم يبع باع شيئاً بخمسة عشر ولم يأخذ الثمن ثم اشتراه مع شيء آخر فالبيع فاسد في المبيع الاول وجائز في الآخر فيقسم الثمن على قيمتها فيجوز في الشيء الآخر بحصته من الثمن وهو خمسة عشر

ترجمہ.. اور فاسد ہے خریدنا اس چیز کا جس کو بیچا ہے کم قیمت پر اس سے جس پر بیچا ہے ثمن اول ادا کرنے سے پہلے کسی نے کوئی چیز بیچ دی پندرہ روپے میں اور ثمن پر قبضہ نہ کیا پھر خرید اس چیز کو دس روپے میں پھر دس کو دس سے منہا کر دیا پندرہ میں سے تو بائع کا مشتری پر پانچ روپے رہ گئے اور یہ نفع ایسی چیز کا ہے جو مالک کے ضمان میں نہیں آئی یعنی ثمن اور وہ پندرہ روپے ہے اس لئے کہ جب تک بائع نے اس پر قبضہ نہیں کیا ہے تو اسکے ضمان میں داخل بھی نہیں ہے اور نفع نقصان کے مقابلے میں ہوتا ہے تو یہ نفع حرام ہے اور یہ بیع فاسد ہے برخلاف امام شافعیؒ کے (کہ ان کے نزدیک جائز ہے) اور خریدنا اس چیز کا جس کو بیچا ساتھ دوسری چیز کے جس کو نہ بیچا ہو ثمن اول کے ساتھ اس میں جس کو بیچا ہو اگر چھ مہینے ہیں اس میں جس کو نہ بیچا ہو ایک چیز کو بیچ دیا پندرہ روپے میں اور ثمن پر قبضہ نہ کیا پھر اسی چیز کو واپس خرید لیا دوسری چیز کے ساتھ پندرہ روپے میں تو بیع فاسد ہے بیع اول میں اور جائز ہے دوسری میں اور تقسیم کیا جائے گا ثمن اس کی قیمت پر تو شئی آخر میں بیع جائز ہوگی اس کے حصے کے بقدر اور وہ پندرہ روپے ہے۔

تشریح شراء ما باع باقل مما قبل نقد الثمن جائز نہیں ہے: صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے خالد کے ہاتھ ایک سائل پندرہ سو (۱۵۰۰) کے عوض فروخت کی اور زید نے پندرہ سو (۱۵۰۰) روپے پر قبضہ نہ کیا اور خالد تو سائل پر قبضہ کر چکا ہے پھر زید نے خالد سے یہی سائل مذکورہ ثمن سے کم مقدار میں واپس لیتا ہے مثلاً ہزار روپے میں تو ہمارے نزدیک یہ بیع جائز نہیں ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے

چند صورتیں: اس مسئلے کا عنوان: شراء ما باع باقل مما قبل نقد الثمن : ہے اس مسئلے کی چند صورتیں ہیں

(۱) اپنے مشتری سے براہ راست نہ خریدنا بلکہ واسطے سے خریدنا مثلاً زید نے تو خالد کو بیچا تھا اور خالد نے عمران کو بیچ دیا اور پھر زید نے عمران سے واپس خرید لیا تو یہ صورت جائز ہے بالافتاق خواہ ثمن اول پر ہو یا اس سے کم پر یا زیادہ پر

(۲) اپنے مشتری سے براہ واپس خریدنا تو پھر اس میں تین صورتیں ہیں

(الف) ثمن اول پر خریدنا

(ب) ثمن اول سے زیادہ پر خرید اہو

(ج) ثمن اول سے کم کے عوض خرید اہو

(د) ثمن اول کے بجائے کسی دوسرے سامان کے عوض خرید اہو

صورت نمبر (ج) کے علاوہ تمام صورتیں جائز ہیں بالاتفاق

اور صورت نمبر (ج) یعنی مشتری سے براہ راست واپس خرید اہو ثمن اول سے کم کے عوض تو اس میں ہمارے اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے ہمارے نزدیک یہ صورت ناجائز ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ صورت بھی جائز ہے بقیہ تمام صورتوں کی طرح حضرت امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب مشتری نے بیع پر قبضہ کر لیا تو اس کی ملکیت تام ہوگئی اب چاہے غیر بائع کے ہاتھ فروخت کرے یا بائع کے ہاتھ فروخت کرے دونوں برابر ہے اور جس طرح ثمن اول پر یا اس سے زیادہ یا سامان کے عوض فروخت کرنا جائز ہے اسی طرح ثمن اول سے کم کے عوض فروخت کرنا بھی جائز ہونا چاہئے

ہماری دلیل حضرت عائشہؓ کا اثر ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت نے ان سے پوچھا کہ میں نے زید بن ارقمؓ سے ایک باندی خریدی تھی آٹھ سو (۸۰۰) درہم میں بطور ادھار کہ جب بیت المال سے وظیفہ ملے گا تو ادا کر دوں گی پھر میعاد پورا ہونے سے پہلے میں نے وہی باندی زید بن ارقمؓ کے ہاتھ چھ سو (۶۰۰) نقد کے عوض فروخت کر دی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تو نے بہت بری خرید فروخت کی ہے زید بن ارقمؓ کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ اگر اس نے توبہ نہ کی تو وہ حج اور جہاد جو اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا تھا اللہ تعالیٰ اس کو باطل کر دے گا تو حضرت زید بن ارقمؓ حضرت عائشہؓ کے پاس عذر خواہی کرتے ہوئے آئے اور حضرت عائشہؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی،، فمن جائه موعظة من ربه فانتهى فله ما سلف،، حضرت عائشہؓ کا یہ فرمانا کہ حج و جہاد باطل ہو جائے گا۔ افعال کی ایسی جزاء عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی تو ضرور بالضرور حضور ﷺ سے سنا ہوگا پس معلوم ہوا کہ اس طریقے پر واپس خریدنا باطل اور ناجائز ہے

اور عقلی دلیل اس بیع کے عدم جواز کی یہ ہے کہ ثمن ابھی تک بائع کے قبضے میں نہیں آیا ہے تو ثمن بائع کے ضمان میں بھی داخل نہیں ہوا ہے اگر ثمن ہلاک ہو جائے تو نقصان مشتری کا ہوگا نہ کہ بائع کا تو معلوم ہوا کہ ثمن بائع کے ضمان میں نہیں آیا ہے اور جب ثمن بائع کے ضمان میں نہیں آیا اور پھر بھی بائع نے اس پر نفع حاصل کیا اس طریقے پر کہ پندرہ سو روپے میں سا نکل بیچی تھی پھر ہزار روپے میں واپس لے لی تو سا نکل بھی واپس مل گئی اور پانچ سو روپے بھی مل گئے حالانکہ یہ پانچ سو روپے نفع اس ہزار روپے کی وجہ سے حاصل ہوا ہے جو ابھی تک بائع کی ملکیت میں نہیں آئے ہیں لہذا یہ بیع مالم بضمین ہے اور ربح مالم بضمین

رہا ہے اور ربوا حرام ہے اس وجہ سے یہ بیع بھی حرام ہے

اور اگر سامان کے عوض واپس خرید لیا تو پھر جائز اس لئے ہے کہ سامان ٹرن اول نہیں ہے کیونکہ ٹرن اول کے ساتھ برابری اس وقت ہوگی کہ جب ٹرن کی جنس پر واپس کرے اور جب جنس بدل جائے تو پھر جائز ہے

وشرء ما باع مع شئ اخر... صورت مسئلہ یہ ہے کہ مسئلہ مذکورہ میں جب زید نے خالد کے ہاتھ سائل پندرہ سو روپے میں بیچی تھی اب اس سائل کو اور اس کے ساتھ چادر کو یعنی دونوں کو واپس خرید لیا پندرہ سو روپے میں حالانکہ یہ چادر زید نے خالد کو نہیں بیچی تھی تو اس صورت میں چادر کے اندر بیع صحیح ہے اس کی جتنی قیمت بنے گی وہ دیدی جائے گی اور سائل میں بیع صحیح نہیں ہے

وزيت على ان يوزن بظرفه ويطرح عنه بكل ظرف كذا رطلا انما يفسد لانه شرط لا يقتضيه العقد بل مقتضى العقد ان يطرح بازاء الظرف مقدار وزنه كما في المسئلة الثانية وهي ما قال بخلاف شرط طرح وزن الظرف عنه وان اختلفا في نفس الظرف وبقدره فالقول للمشتري اى اشتري سمنافى زق ورد الظرف وهو عشرة ابطال فقال البائع الزق غير هذا وهو خمسة ابطال فالقول للمشتري وبطل بيع المسيل وهبته وصحا في الطريق اى صح البيع والهبة في الطريق قيل ان اريد رقة المسيل والطريق فمقدار ما يسيل الماء مجهول فلا يجوز فيه البيع والهبة واما الطريق فمعلوم وان لم يبين فهو مقدر بعرض باب الدار كذا في باب القسمة فيجوز فيه البيع والهبة وان اريد حق التسييل فان كان على الارض فمجهول لما مروان كان على السطح فهو حق التعلی وهو حق متعلق بعین لا یبقی وحق المرور فیہ روایتان وجه البطلان انه غير مال وجه الصحة الاحتیاج به وهو حق معلوم متعلق باق

ترجمہ۔ اور فاسد ہے تیل کی بیع اس شرط پر کہ تولے گا مشتری برتن کے ساتھ اور پھر ہر برتن کے عوض اتنے رطل کم کرے گا یہ اس لئے فاسد ہے کہ عقد اس کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ عقد کا تقاضا تو یہ ہے کہ کم کرے برتن کے بدلے میں اس کے وزن کی مقدار جیسے آئندہ مسئلے میں اور وہ یہ کہ برخلاف اس کے کہ برتن کے وزن کے بقدر کم کرنے کی شرط لگائے اور اگر دونوں میں اختلاف ہو تو نفس برتن میں یا اسکی مقدار میں تو قول مشتری کا معتبر ہوگا۔ کسی نے بھی خرید لیا ٹپے میں اور برتن واپس کر دیا اور وہ دس رطل ہے تو بیع نے کہا کہ وہ اس کے علاوہ ہے اور وہ پانچ رطل ہے تو قول مشتری کا معتبر ہوگا اور باطل ہے پانی کی گزرگاہ کی بیع اور اس کا بہرہ کرنا اور صحیح ہے یہ دونوں راستے میں۔ کہا گیا ہے کہ اگر پانی کی گزرگاہ اور راستے سے اس کا رقبہ مراد ہو تو جتنی مقدار میں پانی

بہتا ہے وہ مجہول ہے تو اس میں بیع اور ہبہ جائز نہیں ہے اور راستہ تو معلوم ہے اور اگر بیان نہ کیا گیا ہو تب بھی مقدر ہے گھر کے دروازے کے عرض کے ساتھ جیسے کہ باب القسۃ میں ہے تو اس میں بیع اور ہبہ جائز ہے اور اگر پانی کی گزرگاہ سے حق تسبیل پانی بنے کا حق مراد ہو سوا گر یہ حق زمین پر ہو تو مجہول ہے جیسے کہ گزر چکا ہے اور اگر چھت پر ہو تو یہ اوپر ہونے کا حق ہے اور یہ حق ایسے عین کے سے وابستہ ہے جو باقی نہیں رہتا اور گزرنے کے حق میں دور و ایتیں ہیں باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حق مال نہیں ہے اور صحت کی وجہ احتیاج ہے اور یہ حق معلوم ہے متعلق ہے ایسے عین کے ساتھ جو باقی رہنے والا ہے

تشریح روغن زیتون کو فروخت کرنا اور دس رطل مستغنی کرنا: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے روغن زیتون اس شرط پر خریدا کہ بائع دس برتن بھر کر مشتری کے برتن میں ڈالے گا اور پھر آخر میں ہر برتن کے عوض دس دس رطل کم کرے گا تو یہ عقد فاسد ہے کیونکہ یہ شرط متقاضی عقد کے خلاف ہے اسلئے کہ معلوم نہیں کہ برتن کا وزن دس رطل ہے یا اس سے کم یا زیادہ اور جو شرط متقاضی عقد کے خلاف ہو اس سے بیع فاسد ہو جاتی ہے تو مذکورہ شرط کی وجہ سے عقد فاسد ہے ہاں اگر یہ شرط لگائے کہ برتن کے وزن کے بقدر کم کیا جائے گا تو یہ شرط عقد کے موافق ہے اس سے بیع فاسد نہ ہوگی

وان اختلفانی نفس الظرف: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک ٹپے میں گھی خریدا اور اس پر قبضہ بھی کر لیا پھر مشتری نے خالی کیا واپس کر دیا تو اس خالی ٹپے کا وزن دس رطل ہو بائع نے کہا کہ جس ٹپے میں گھی تھا وہ یہ نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ اور ہے اور اس کا وزن پانچ رطل ہے تو اس صورت میں مشتری کا قول معتبر ہوگا مع الیسین اگر بائع کے پاس گواہ نہ ہو۔ کیونکہ یہاں پر بائع اور مشتری کا اختلاف یا تو ٹپے کے تعین میں ہے یا گھی کی مقدار میں اگر اول ہو تو مشتری کا قول اس لئے معتبر ہے کہ مشتری قابض ہے اور بینہ نہ ہونے کی صورت میں قابض کا قول معتبر ہوتا ہے اور اگر اختلاف گھی کی مقدار میں ہو کہ بائع ٹپے کا وزن کم ثابت کرتا ہے تو درحقیقت وہ گھی کی مقدار زیادہ ثابت کرتا ہے اور جب گھی کی مقدار زیادہ ثابت کرتا ہے تو اختلاف درحقیقت ثمن کے اضافے میں ہے کہ بائع مشتری پر ثمن کے اضافے کا دعویٰ کرتا ہے اور مشتری اس اضافے کا منکر ہے اور جب بائع کے پاس گواہ نہ ہو تو منکر کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ لہذا یہاں پر بھی مشتری کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ

وبطل بیع المسیل وھبۃ: پانی کی گزرگاہ کی بیع اور ہبہ کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ پانی کی گزرگاہ کی بیع اور اس کا ہبہ کرنا باطل ہے اور راستے کی بیع اور اس کا ہبہ کرنا جائز ہے۔ شارح فرماتے ہیں کہ اس مسئلے کی دو صورتیں ہیں

(۱) رقبۃ المسیل اور رقبۃ الطریق مراد ہو یعنی عین طریق اور عین مسیل کا بیچنا یعنی اس زمین کا بیچنا جس پر انسان گزرتا ہے اور جس

پر پانی بہتا ہے

(۲) میل سے مراد حق تسبیل یعنی پانی بہانے کا حق اور طریق سے مراد حق مردور یعنی راستے پر گزرنے کا حق ہو۔

اگر صورت اول ہے یعنی میل اور عین طریق کا بیچنا مراد ہو تو عین طریق کی بیچ جائز ہے اور عین میل کی بیچ جائز نہیں ہے دونوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ راستہ ایک معلوم چیز ہے کیونکہ راستے کے طول و عرض معلوم ہے جبکہ راستے کے طول و عرض بیان کر دیا گیا ہو پھر تو معلوم ہونا ظاہر ہے اور اگر اس کا طول و عرض بیان نہ کیا گیا ہو تو تب بھی معلوم ہے کیونکہ راستے کا طول و عرض شرعاً مقدر ہے کہ راستے کی چوڑائی گھر کے صدر دروازے یعنی مین گیٹ کے برابر ہو اور لمبائی یہ ہوگی کہ عام راستے سے مل جائے۔ جب راستہ معلوم ہے تو اس میں کوئی نزاع نہیں ہے اور جب کوئی نزاع نہیں تو پھر اس کی بیچ بھی جائز ہوگی اور پانی کا رقبہ اسیل یعنی میل تو وہ مجہول ہے کیونکہ طول و عرض کے اعتبار سے یہ معلوم نہیں کہ پانی کتنی جگہ گھیر لے گا اور جب میل کا طول و عرض معلوم نہیں تو بیچ مجہول ہوئی اور بیچ مجہول کی بیچ جائز نہیں ہے اسلئے اس صورت میں عین میل کی بیچ جائز نہیں ہے لیکن یہ اس صورت میں جبکہ پانی کی گزرگاہ کا طول و عرض بیان نہ کیا گیا ہو اگر پانی کی گزرگاہ کا طول و عرض بیان کیا گیا ہو کہ پانی کے بہاؤ کی حدود اور اس کی جگہ اتنی اتنی ہوگی تو پھر اس کی بیچ جائز ہے

اور اگر دوسری صورت ہو یعنی طریق سے مراد حق مردور اور میل سے مراد حق تسبیل تو حق تسبیل کی دو صورتیں ہیں (۱) پانی کے بہنے کا حق زمین پر (۲) پانی کے بہنے کا حق چھت پر اگر تسبیل سے مراد پانی کے بہنے کا حق زمین پر ہو تو حق تسبیل مجہول ہے کیونکہ معلوم نہیں کہ پانی کس قدر جگہ کو گھیرے گا اور جب تسبیل مجہول ہے تو اس کی بیچ بھی جائز نہ ہوگی

(۲) تسبیل سے حق تسبیل چھت پر مراد ہو تو تسبیل کا تعلق ہوا کے ساتھ ہوا ہے اور ہوا مال نہیں اور حق تعلی کے مانند ہے اور حق تعلی کی بیچ جائز نہیں ہے تو حق تسبیل کی بیچ بھی جائز نہ ہوگی اور حق تسبیل چھت پر اس لئے ناجائز ہے کہ یہ حق متعلق ہے ایسے عین کے ساتھ جو باقی رہنے والا نہیں ہے یعنی چھت کیونکہ چھت ہمیشہ نہیں ہوتی بلکہ کبھی گر جاتی ہے اس کے لئے کوئی بقاء نہیں ہے تو اس کے ساتھ وابستہ حق کی بیچ بھی جائز نہ ہوگی۔

اور اگر طریق سے مراد حق مردور ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں

(۱) ابن ساعد کی روایت کہ حق مردور بیچنا جائز ہے

(۲) دوسری زیادات کی روایت ہے کہ حق مردور بیچنا جائز نہیں ہے۔ فقہ ابواللیث کا قول زیادات کی روایت کے موافق ہے کہ حق مردور اور حق تسبیل میں کوئی فرق نہیں ہے

اور ابن ساعد کی روایت کے موافق حق مردور کی بیچ جائز ہے اور حق تسبیل کی بیچ جائز نہیں ہے۔ دلیل ایک تو احتیاج ہے دوسری

بات یہ ہے کہ حق مرد اور ایک امر معلوم ہے اور امر معلوم اس لئے ہے کہ اس کا تعلق ایک معلوم جگہ کے ساتھ ہے اور وہ راستہ ہے اور راستے کا طول و عرض معلوم ہیں بیان کرنے سے یا شریعت کے مقرر کرنے سے جیسے کہ پہلے تفصیل گزر گئی لہذا راستہ معلوم ہے تو اس پر گزرنے کا حق بھی معلوم ہوگا اور جب حق مرد معلوم ہے تو اسکی بیع بھی جائز ہے۔۔ دوسری بات یہ ہے کہ حق مرد ایسے عین کے ساتھ متعلق ہے جو باقی رہنے والا ہے اور وہ ہے زمین برخلاف حق تسبیل کے کہ اگر زمین پر مراد ہو تو وہ مجہول ہے اور اگر چھت پر مراد ہو تو مجہول ہونے کیساتھ متعلق ہے ایسے عین کیساتھ جو باقی رہنے والا نہیں ہے یعنی چھت۔ فافترقا

وامر المسلم بیع خمر او خنزیر او شرائهما ذمیا وامر المحرم غیرہ بیع صیدہ فقوله وامر عطف علی الضمیر المرفوع المتصل فی قوله وصحا وهذا العطف جائز لوجود الفصل وهو قوله فی الطريق وهذا عند ابی حنیفہ وعندہما لایجوز لان المؤکل لایلیہ بنفسہ فلا یولی غیرہ ولہ ان العاقد وهو الوکیل یتصرف باہلیتہ والبیع بشرط یقتضیہ العقد کشرط الملك للمشتري او لایقتضیہ ولا نفع فیہ لاحد کشرط ان لایبیع الدابة المبیعة بخلاف شرط لایقتضیہ العقد وفیہ نفع لاحد العاقدین او المبیع یتستحقہ ای یکون المبیع اھلاً لاستحقاق النفع بان یکون آدمیاً فظہر ان قوله ولانفع فیہ لاحد اراد بہ لاحد من العاقدین والمبیع المستحق حتی لو کان النفع للمبیع الذی لایستحق النفع کشرط ان لایبیع الدابة المبیعة لایکون هذا الشرط مفسدا کشرط ان یقطعہ البائع او یخیطہ قباء او یحذوہ نعلأ او یشرکہ ای یجعل للنعل شراکاً هذا نظیر شرط لایقتضیہ العقد وفیہ نفع للمشتري وصح فی النعل استحساناً انما یجوز فی النعل للتعامل والقیاس ان لایجوز او یتخدمہ شہراً ای یتخدمہ البائع شہراً وهذا نظیر شرط لایقتضیہ العقد وفیہ نفع للبائع

ترجمہ۔ اور صحیح ہے حکم کرنا (وکیل بنانا) مسلمان کا ذمی کو شراب یا خنزیر بیچنے پر یا دونوں کے خریدنے پر اور محرم کا غیر محرم کو اپنے شکار بیچنے کا ماتن کا قول،، وامر المسلم،، یہ عطف ہے وصحا کی ضمیر مرفوع متصل پر اور یہ عطف جائز ہے فصل کے موجود ہونے کی وجہ سے اور وہ یہ قول ہے،، فی الطريق،، اور یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک یہ جائز نہیں کیونکہ مؤکل خود اس کا ولی نہیں تو دوسرے کو بھی اس کا ولی نہیں بنا سکتا اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ عاقد جو کہ وکیل ہے اپنی ولایت اور اہلیت کی وجہ سے خود تصرف کر رہا ہے۔ اور صحیح ہے ایسی شرط کے ساتھ جس کا عقد تقاضا کر رہا ہے جیسے ملکیت کی شرط



لگانا مشتری کیلئے یا عقد اسکا تقاضا نہیں کرتا لیکن اس میں کسی کیلئے نفع بھی نہ ہو جیسے یہ شرط لگانا کہ مشتری خریدے ہوئے جانور کو نہیں بیچے گا برخلاف اس شرط کے کہ جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا اور اس میں نفع عاقدین یا بیع کیلئے ہو جبکہ وہ نفع کا مستحق ہو یعنی بیع اہل استحقاق میں سے ہو اس طور پر کہ وہ آدمی ہو تو ظاہر ہوا کہ مصنف کا قول کہ،، ولا نفع لاحد،، سے مراد یہ ہے کہ اس میں نفع عاقدین اور بیع مستحق کیلئے ہوا اگر نفع اس بیع کیلئے ہو جو مستحق نفع نہیں ہے جیسے یہ شرط لگانا کہ مشتری خریدے ہوئے جانور کو نہیں بیچے گا تو یہ شرط فاسد کرنے والی نہیں ہے۔ جیسے یہ شرط لگانا کہ بائع اس کو کالے گا یا اس کو سائے گا یا اس سے جو تائے گا یا اس میں تسمہ ڈالے گا یعنی جوتے میں تسمہ ڈالے گا یہ اس شرط کی مثال ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا اور اس میں نفع ہو مشتری کیلئے اور جوتے میں صحیح ہے استحسان کی وجہ سے۔ اور جوتے میں جائز قرار دیا گیا ہے تعادل کی وجہ سے ورنہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جائز نہ ہو۔ یا غلام بائع کی خدمت کرے گا ایک ماہ تک اور یہ مثال ہے اس شرط کی جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا اور اس میں نفع ہے بائع کیلئے

تشریح: مسلمان ذمی کو شراب فروخت کرنے کا وکیل بنا سکتا ہے یا نہیں؟

مسئلہ کی وضاحت سے پہلے عبارت کی ترکیبی وضاحت سمجھ لیجئے

چنانچہ فرماتے ہیں کہ،، و امر المسلم بیع خمر،، اس طرح،، و امر الحرام غیرہ،، یہ عطف ہے وصحا کے اندر ضمیر مرفوع متصل پر اور قاعدہ یہ ہے کہ جب ضمیر مرفوع متصل پر اسم ظاہر کا عطف ہوتا ہے تو واجب ہے اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ اور یہاں پر ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید نہیں لائی گئی

شارح اسکا جواب دے رہے ہیں کہ تاکید کا قائم مقام موجود ہے اور وہ ہے معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فصل اس قول سے،، فی الطريق،، اور جب فصل آجائے تو پھر ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید لانا واجب نہیں ہے کیونکہ فصل قائم مقام تاکید ہے

اب مسئلہ کی وضاحت سن لیجئے اس عبارت میں تین مسائل ہیں

(۱) مسلمان نے کسی ذمی کو وکیل بنایا شراب کے خریدنے کا یا بیچنے کا

(۲) مسلمان نے ذمی کو وکیل بنایا خنزیر خریدنے کا یا بیچنے کا

(۳) ایک شخص نے احرام باندھنے سے پہلے شکار کیا تھا پھر حج یا عمرہ کیلئے احرام باندھا اور احرام باندھنے کے بعد کسی کو وکیل بنایا

اس شکار کو فروخت کرنے کا جو پہلے شکار کیا تھا۔۔ یہ تینوں صورتیں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہیں اور حضرات صاحبین

کے نزدیک جائز نہیں ہیں

حضرات صاحبین کی دلیل: یہ ہے کہ ان تینوں صورتوں میں مؤکل (یعنی خود مسلمان اور محرم) خود ان چیزوں کا مالک نہیں ہے تو دوسروں کو بھی اس کا مالک نہیں بنا سکتا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جو حکم وکیل کیلئے ثابت ہوتا ہے وہ مؤکل کی طرف منتقل ہوتا ہے تو ذمی کا شراب کو یا خنزیر کو یا وکیل کا شراب کو بیچنا مؤکل کی طرف منتقل ہوگا گویا کہ خود مؤکل نے یہ کام کیا ہے حالانکہ مسلمان نہ شراب بیچ سکتا ہے اور نہ خرید سکتا ہے اسی طرح محرم شراب نہیں بیچ سکتا تو کسی کو وکیل بھی نہیں بنا سکتا

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس باب میں دو اہلیتیں معتبر ہیں

(۱) وکیل کی اہلیت یعنی عاقد کی اہلیت تو عاقد کیلئے اہلیت تصرف ضروری ہے کہ عاقل بالغ ازاد ہو اور ذمی میں یہ اہلیت موجود ہے وہ تصرف کرنے کا اہل ہے

(۲) مؤکل کی اہلیت۔ مؤکل کی اہلیت کیلئے یہ ضروری ہے کہ حکم بیع یعنی بیع یا شمن کی ملکیت اس کی طرف منتقل ہو جائے اور مؤکل میں بھی یہ اہلیت موجود ہے اور اس مسئلے میں مؤکل کی طرف ملکیت غیر اختیاری طور پر منتقل ہوتی ہے اور ملکیت منتقل ہونے کا مسلمان اہل ہے جیسے کہ میراث میں کہ ایک ذمی کا بیٹا پہلے سے مسلمان تھا اور اس کا والد کافر تھا اور اسکی ملکیت میں شراب یا خنزیر ہو پھر وہ کافر بھی مسلمان ہو اور مر گیا اور اس نے میراث میں شراب یا خنزیر چھوڑا تو ان دونوں کی ملکیت اس مسلمان بیٹے کی طرف منتقل ہوگی اور یہ غیر اختیاری ہے اس طرح یہاں بھی جب وکیل نے اپنی اہلیت سے شراب یا خنزیر خرید لئے یا فروخت کئے تو بیع یا شمن کی ملکیت مؤکل کی طرف منتقل ہوگی غیر اختیاری طور پر لہذا ان امور میں ذمی کو وکیل بنانا یا محرم کا غیر محرم کو وکیل بنانا درست ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک پھر بھی یہ کام مکروہ ہے سخت کراہت کے ساتھ

اب سوال یہ ہے کہ جب مسلمان کیلئے شراب یا خنزیر یا اس کے شمن کی ملکیت ثابت ہوگئی تو اب مسلمان ان چیزوں کے ساتھ کیا کرے گا۔

صاحب ہدایہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ مسلمان پر واجب ہے کہ شراب سے سرکہ بنائے اور خنزیر کو چھوڑ دے اور اگر ان دونوں کا شمن ہو تو اس کو صدقہ کرے بلائیہ ثواب

والبیع بشرط یقتضیہ العقد: بیع میں شرائط کی تفصیل:

اس عبارت سے مصنف بیع کے اندر شرط لگانے پر روشنی ڈال رہے ہیں اس باب میں عمدہ تفصیل وہ ہے جو محشی صاحب بحکمہ عمدہ

الرعاہ نے بیان کی ہے وہ قابل مطالعہ ہے۔ میں ان میں سے صرف چند شرائط کا ذکر کر رہا ہوں جن سے فساد اور عدم فساد کا

اصول سمجھ میں آجائے گا وہ ضابطہ اور اصول یہ ہے کہ بیع کے اندر شرط لگانے کی چند صورتیں ہیں

(۱) ایسی شرط لگانا جس کا عقد تقاضا کرتا ہے اور مقتضی عقد کے موافق بھی ہو جیسے کوئی چیز اس شرط کے ساتھ فروخت کرنا کہ مشتری اس کا مالک ہو گا یا بائع اس چیز کو مشتری کو حوالہ کرے گا یا مشتری بائع کو شمن دے گا تو یہ شرط لگانا جائز ہے کیونکہ اگر یہ شرط نہ بھی ہوتی تب بھی مشتری کیلئے ملکیت ثابت ہو جاتی اور بائع پر حوالہ کرنا لازم ہو جاتا شرط صرف تاکید کیلئے ہوتی ہے اور یہ شرط مقتضی عقد کے موافق ہے

(۲) ایسی شرط لگانا کہ عقد اس کا تقاضا نہیں کرتا لیکن اس میں کسی کا نفع نہ ہونہ عاقدین کا اور نہ معتود علیہ کا جیسے یہ شرط لگانا کہ مشتری خریدے ہوئے جانور کو نہیں بیچے گا تو اس شرط سے بیع یعنی جانور مطالبہ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اہل استحقاق نہیں تو اس سے عقد فاسد نہ ہوگا بلکہ شرط خود فاسد ہوگی

(۳) ایسی شرط لگانا جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا اور اس میں احد العاقدین کا نفع بھی ہو لیکن وہ شرط متعارف ہو یعنی عرف عام میں معمول بہ ہو مثلاً جو اس شرط پر خریدنا کہ بائع اس میں تسمہ ڈالے گا یا فرق اس شرط پر خریدنا کہ ایک سال تک مفت سروس کرے گا تو یہ بیع بھی فاسد نہ ہوگی اور یہ شرط درست ہوگی کیونکہ یہ حکم عرف عام سے ثابت ہے گویا کہ جماع سے ثابت ہے

(۴) ایسی شرط لگانا جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا یعنی مقتضی عقد کے خلاف ہو اور اس میں سے کسی ایک کا نفع ہو یا بیع کا نفع ہو جبکہ بیع اہل استحقاق ہو یعنی غلام یا باندی ہو تو اس صورت میں عقد فاسد ہوگا اور وجہ فساد یہ ہے کہ بائع اور مشتری نے جب بیع اور شمن کے درمیان مقابلہ کیا تو شمن بیع کے مقابل شہرا اور شرط عوض سے خالی ہوگی اور ایسی زیادتی جو عوض سے خالی ہو رہا کہلاتی ہے اور رہا تا جائز ہے اور جو چیز امرنا جائز کو شامل ہوتی ہے وہ خود بھی ناجائز ہوتی ہے لہذا ایسی شرط لگانا ناجائز ہے ان اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے اب کتاب کے مسائل کو اس پر متفرع فرمائیں۔ چنانچہ فرمایا

**بشرط ان یقطعہ البائع** :۔ کپڑا اس شرط پر خریدنا کہ بائع اس کو کانے گا یا اس کو بی کر قبائے بناے گا یا چیز خرید اس شرط پر کہ موچی اس کو جو بناے گا یا اس میں تسمہ ڈالے گا تو یہ بیع فاسد ہے کیونکہ عقد اس کا تقاضا نہیں کرتا اور اس میں مشتری کا فائدہ ہے البتہ نفع یعنی جوتے میں تعادل یہ ہے کہ لوگ چیز خرید کر موچی سے جوتا بھی بنواتے ہیں اور اس میں تسمہ بھی ڈلواتے ہیں تو تعادل اور عرف کی وجہ سے یہ جائز ہے ورنہ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ جائز نہ ہوتا

اویستھ ماہ شہر! غلام اس شرط پر خریدنا کہ بائع اس سے خدمت لے گا ایک ماہ تک تو یہ بھی مقتضی عقد کے خلاف ہے اور اس میں بائع کا فائدہ ہے اس وجہ سے یہ فاسد ہے

اولیٰ عققہ اوید برہ۔ غلام اس شرط پر فروخت کرنا کہ مشتری اس کو آزاد کرے گا یا سکود بر یا مکاتب بنائے گا تو یہ بھی فاسد ہے کیونکہ عقد اس کا تقاضا نہیں کرتا اور اس میں نفع ہے بیع کا یعنی غلام کا اور وہ اہل استحقاق میں سے ہے وہ اپنے مکاتب اور تدبیر کا مطالبہ کر سکتا ہے لہذا اس صورت میں بیع فاسد ہے

وبیع امة الا حملها عطف علی شرط لا یقتضیہ العقد والاصل ان کل ما لا یصح افرادہ بالعقد لا یجوز استثنائه من العقد فانه من توابع الشیء فیکون داخلاً فی المبیع تبعاً له فاستثنائه من العقد شرط لا یقتضیہ العقد فیکون مفسداً

ترجمہ۔ اور باندی کی بیع بدون حمل کے یہ قول عطف ہے ما قبل عبارت میں،، شرط لا یقتضیہ العقد،، پر اور اصل یہ ہے کہ جس چیز کا مہیا عقد کرنا صحیح نہیں اس کا عقد سے استثناء بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ شی کے توابع میں سے ہے تو بیع میں داخل ہوگی لیکن تابع ہو کر تو اس کا عقد سے استثناء کرنا ایسی شرط ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا تو یہ فاسد کرنے والا ہے

**تشریح:** باندی کے حمل کا استثناء کرنا: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے باندی فروخت کر دی لیکن اس کے حمل کا استثناء کیا تو یہ بیع فاسد ہے اور اس باب میں اصل اور ضابطہ یہ ہے کہ فقہاء کے نزدیک جس چیز کا تنہا فروخت کرنا جائز ہے اس کا عقد سے استثناء کرنا بھی جائز ہے اور جس چیز کا تنہا فروخت کرنا جائز نہیں اس کا عقد سے استثناء بھی جائز نہیں ہے اور حمل بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ حمل کو تنہا فروخت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ یہ حیوان کے توابع میں سے ہے جیسے کہ اطراف حیوان حیوان کے توابع میں سے ہوتے ہیں اور حیوان کی بیع میں داخل ہوتے ہیں اسی طرح حمل بھی توابع میں سے ہے اور حیوان کی بیع میں داخل ہے تو اس کا عقد سے استثناء کرنا ایسی شرط ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا اور جو شرط مقتضی عقد کے خلاف ہو اس سے عقد فاسد ہوتا ہے تو حمل کے استثناء سے بھی عقد فاسد ہوگا

والی النیروز والمہرجان وصوم النصارى و فطر الیہود ان لم یعرفا ذلك و قدوم الحاج والحصاد والدیاس والقطاف والجزاز القطاف جنی الثمر عن الاشجار والجزار قطع الصوف عن ظهر الغنم ویکفل الیہا ای یجوز الکفالة الی هذه الاوقات لان الجهالة البسیرة یحتملہ الکفالة و صح ان اسقط الّجل قبل حلولہ ای ان اسسقط هذه الاجال المجهولة قبل حلولها یتقلب البیع صحیحاً

ترجمہ۔ اور فاسد ہے نوروز، مہرگان، نصاری کے روزوں، اور یہود کے افطار تک جبکہ بالغ اور مشتری اس کو نہ پہچانتے ہوں اور

حاجیوں کے آنے، بھتی کانٹے، اور غلہ گاہنے، اور پھل کانٹے، اور اون کانٹے تک قطف کہتے ہیں درختوں سے پھل اتارنا اور جزا کہتے ہیں بھڑکی پشت سے اون کاٹنا اور ان اوقات تک کفالہ صحیح ہے کیونکہ تھوڑی سی جہالت کفالہ میں قابل برداشت ہوتی ہے اور اگر ان مدتوں کے آنے سے پہلے مدت کو ساقط کر دیا تو بیع صحیح ہو جائے گی یعنی ان مجہول اجال کو ان کے آنے سے پہلے ساقط کر دیا تو بیع صحیح ہو جائے گی

**تشریح نوروز اور مہر جان کو اجل ٹھہرانا:** نیروز نوروز کا معرب ہے۔ موسم ربیع کا پہلا دن اور مہر جان۔ مہرگان کا معرب ہے۔ موسم خزان کا پہلا دن

اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے کوئی چیز خرید لی اور ثمن ادا کرنے کیلئے نوروز یا مہرگان کا دن مقرر کر لیا یا یہ کہا کہ جس دن نصاریٰ روزے رکھیں گے یا جس دن یہود افطار کریں گے یعنی عید کریں گے اس دن ثمن ادا کروں گا اور بائع اور مشتری کو یہ دن معلوم نہ ہو تو بیع فاسد ہے اسلئے کہ میعاد اور اجل مجہول ہونے سے بیع فاسد ہوتی ہے۔ اور اگر بائع اور مشتری کو یہ دن معلوم ہو تو پھر بیع فاسد نہیں ہے اس لئے کہ اجل معلوم ہے

**والی قدم الحاج:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ایک چیز ادا یا خرید لی اور ثمن ادا کرنے کی مدت مجہول بیان کر دی تو بیع فاسد ہوگی مثلاً یوں کہا کہ ثمن اس وقت دوں گا جب حاجی حضرات حج سے واپس ہو جائے۔ یا جب بھتی کٹنے لگے یا غلہ گاہنے لگے یا انگور توڑے جانے لگے یا جانوروں کی پشت سے اون کاٹے جانے لگے یعنی ان اوقات کو ثمن ادا کرنے کا میعاد ٹھہرایا تو یہ ناجائز ہے کیونکہ یہ میعاد مجہول ہے اس میں تقدیم و تاخیر ہوتی ہے اور جب ثمن کی اجل مجہول ہو تو بیع فاسد ہوتی ہے اس لئے ان صورتوں میں بیع فاسد ہے البتہ اگر ان اوقات کو میعاد بنا کر کسی کے قرضے کی کفالت اور ضمانت لے لی جائے تو جائز ہے کیونکہ کفالت میں جہالت یہیہ قابل برداشت ہے اور جہالت فاحشہ قابل برداشت نہیں ہے لہذا ان اوقات تک کسی کی کفالت لینے سے کفالت باطل نہ ہوگی

**وصح ان اسقط الا اجل قبل حلولہ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے کوئی چیز فروخت کی اور ان مذکورہ اجال کو میعاد قرار دیا یعنی نوروز یا قدم الحاج وغیرہ کو اور پھر ان اجال کے آنے سے پہلے پہلے بائع اور مشتری اجل ساقط کرنے پر راضی ہو گئے تو بیع درست ہو جائے گی

اور امام زفر کے نزدیک پھر بھی بیع صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ جو عقدا ایک مرتبہ فاسد ہو کر منعقد ہو اب بدل کر جائز نہیں ہو سکتا

ہماری دلیل یہ ہے کہ معاد مجہول ہونے کی صورت میں بیع اس لئے ناجائز ہے کہ یہ شرط مفہمی الی النزاع ہوتی ہے اور جب اجل آنے سے پہلے پہلے بائع اور مشتری نے اجل ساقط کر دیا تو مفہم آنے سے پہلے فساد زائل ہو گیا اور بیع مفہمی الی النزاع نہ رہی جب بیع مفہمی الی النزاع نہ رہی تو فساد بھی ختم ہو گیا اور بیع صحیح ہو گئی

(احکام البیع الباطل والفساد) ثم اعلم ان الحكم في البيع الباطل ان المبيع ان هلك في يد المشتري فعند البعض امانة وعند البعض مضمون بالقيمة كالمقبوض علي سوم الشراء

ترجمہ: اور بیع فاسد باطل کے احکام۔ تو جان لو کہ حکم بیع باطل کا یہ ہے کہ بیع اگر مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو بعض کے نزدیک امانت ہے اور بعض کے نزدیک مضمون بالقیمت ہے جیسے کہ مقبوض علی سوم الشراء

تشریح: ثم اعلم ان الحكم في البیع الباطل بیع باطل کا حکم: یہاں سے مصنف بیع باطل اور بیع فاسد کا حکم بیان فرما رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ بیع باطل کا حکم یہ ہے کہ بیع مشتری کے قبضے میں ہلاک ہو جائے تو بعض کے نزدیک یہ امانت ہے یعنی مشتری پر ضمان نہیں ہوگا کیونکہ عقد تو ہو نہیں ہے اور بیع پر قبضہ بائع کی اجازت سے ہوا ہے تو بیع بطور امانت کے ہو گئی اور امانت ہلاک ہونے سے ضمان لازم نہیں آتا

اور بعض کے نزدیک ہلاک ہونے سے ضمان لازم آتا ہے کیونکہ یہ مقبوض علی سوم الشراء سے کم نہیں ہے اور اس میں ہلاکت سے ضمان لازم آتا ہے تو اس میں بھی ہلاک ہونے سے ضمان لازم ہوگا یہ بیع باطل کا حکم ہے اور بیع فاسد کا حکم تفصیل کے ساتھ متن میں فرما رہے ہیں

واما حكم البيع الفاسد ففي المتن شرع في احكامه فقال فان قبض المشتري المبيع بيعا فاسدا برضاء بائعه صريحا او دلالة كقبضه في مجلس عقده وكل من عوضيه مال يملكه فان قيل كلامنا في البيع الفاسد فيكون كل من عوضين مال البتة اذ لولم يكن لكان البيع باطلا قلنا قد يذكر الفاسد ويراد به الباطل كما ان في اول كتاب القدوري جعل البيع بالميتة فاسدا وهو باطل فلماذا قال وكل من عوضيه مال احتياطا حتى لو يشمل الفاسد الباطل يكون هذا القيد مخرجا له عن هذا الحكم وهو ان يصير ملكا على انه قد يكون البيع فاسدا مع انه لا يكون كل من عوضيه مالا كما اذباع وسكت عن الثمن فالبيع فاسد عندهما حتى يملك بالقبض ويجب الثمن اي القيمة ولزومه مثله حقيقة او معنى اي ان هلك في يد المشتري وجب

عليه المثل حقيقة في ذوات الامثال والمثل معني وهو القيمة في ذوات القيم

ترجمہ۔ بیع فاسد کا حکم متن میں ہے اس کے احکام شروع فرمائے چنانچہ فرمایا کہ اگر مشتری نے بیع فاسد میں بیع پر قبضہ کر لیا یا بائع کی رضامندی سے چاہے صراحت ہو یا دلالت کہ اس نے بیع پر قبضہ کر لیا مجلس عقد اور عوضین میں سے ہر ایک مال ہو تو مشتری اس کا مالک ہو جائے گا اگر کہا جائے کہ ہمارا کلام تو بیع فاسد میں ہے تو عوضین میں سے ہر ایک مال ہوگا ضرور بالضرور اس لئے کہ اگر دونوں مال نہ ہوں تو پھر بیع باطل ہو جائے گی ہم کہتے ہیں کہ کبھی فاسد ذکر ہوتا ہے اور مراد اس سے باطل ہوتا ہے جیسے کہ کتاب قدوری کے اول میں مردار کے بدلے بیع کو فاسد قرار دیا ہے حالانکہ وہ باطل ہے اس لئے فرمایا کہ عوضین میں سے ہر ایک مال ہو احتیاطاً یہاں تک کہ اگر فاسد باطل کو شامل ہو بھی تو یہ قید اس کو نکالنے والی ہو جائے گی اس حکم سے اور حکم یہ ہے کہ بیع بائع کی ملک ہو جائے اس کے ساتھ یہ بھی کہ کبھی بیع فاسد ہوتی ہے باوجود اس کے کہ دونوں عوض مال نہیں ہوتے جیسے کسی نے کوئی چیز بیچ دی اور ٹخن سے خاموش رہا تو بیع فاسد ہے صاحبین کے نزدیک یہاں تک کہ قبضے سے مشتری مالک ہو جائے گا اور ٹخن واجب ہوگا یعنی قیمت اور اس پر اسکا مثل لازم ہوگا ھقیقۃً یا معنی یعنی جب وہ ہلاک ہو جائے مشتری کے پاس تو اس پر اسکا مثل حقیقی واجب ہوگا ذوات الامثال میں اور مثل معنوی لازم ہوگا جو کہ قیمت ہے ذوات القیم میں

تشریح بیع فاسد کا حکم: یہاں سے مصنف نے بیع فاسد کا حکم بیان فرمایا ہے مسئلہ یہ ہے کہ اگر مشتری نے بائع کی اجازت سے بیع پر قبضہ کر لیا اور عقد میں دونوں عوضین مال ہوں تو مشتری بیع کا مالک ہو جائے گا اجازت عام ہے چاہے صراحت ہو یا دلالت اگر صراحت اجازت دی ہو تو مشتری بیع کا مالک ہو جائے گا خواہ بائع کی موجودگی میں قبضہ کیا ہو یا عدم موجودگی میں۔ اور دلالت اجازت کی صورت یہ ہے کہ مشتری نے مجلس عقد میں بائع کی موجودگی میں بیع پر قبضہ کر لیا اور بائع خاموش رہا تو یہ دلالت اجازت ہے اور اگر بائع کی عدم موجودگی میں مشتری نے بیع پر قبضہ کر لیا تو مشتری اس کا مالک نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں نہ صراحت اجازت ہے اور نہ دلالت

فان قيل كلامنا في البيع الفاسد ..

شارح متن کی عبارت وکل من عوضیه مال پر اعتراض کر کے پھر اس کا جواب دے رہے ہیں

اعتراض یہ ہے کہ بیع فاسد کے حکم بیان کرنے میں وکل من عوضیه مال کی قید لگانے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ تحصیل حاصل ہے کیونکہ بیع فاسد وہ ہوتی ہے کہ جس میں دونوں عوضین مال ہوں اگر عوضین مال نہ ہوں تو پھر وہ بیع بیع فاسد نہ رہے گی بلکہ باطل

ہو جائے گی لہذا اس قید لگانے کا کوئی فائدہ نہیں

جواب قلنا قدید کر الفاسد ویراد بہ الباطل... سے شارح اسکا جواب دے رہے ہیں جو اب کا خلاصہ یہ ہے کہ فاسد عام ہے بیع فاسد کو بھی شامل ہے اور بیع باطل کو بھی اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ فاسد بول کر اس سے باطل مراد لی جاتی ہے جیسے کہ کتاب قدوری کے اول میں امام قدوری نے مردار کے عوض بیع کو فاسد قرار دیا ہے حالانکہ وہ باطل ہے وہ اس لئے کہ فاسد کا اطلاق باطل پر بھی ہوتا ہے لہذا اکل من عوضیہ مال کی قید احتیاطاً لگا دی تاکہ اگر فاسد باطل کو شامل ہو بھی تو اس قید لگانے سے بیع باطل فاسد کے حکم سے نکل جائے گی اور بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ مشتری بیع کا مالک ہو جاتا ہے علیٰ انہ قد یکون البیع فاسدا... یہ ایک اعتراض کا جواب ہے

اعتراض یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ بیع فاسد میں دونوں عوضین کا مال ہونا ضروری ہے حالانکہ ہم آپ کو دکھادیں گے کہ دونوں عوضین مال نہ ہوں گے اور پھر بھی بیع فاسد ہوگی باطل نہ ہوگی جیسے کوئی آدمی ایک چیز بیچ دے اور اس کا ثمن بیان نہ کرے تو یہ بیع تو ہے لیکن اس میں ایک عوض مال نہیں ہے اور یہ بیع باطل ہونا چاہئے

جواب... اس مسئلے میں تفصیل ہے وہ یہ کہ حضرات صاحبین کے نزدیک مذکورہ صورت میں بیع منعقد ہے فساد کے ساتھ یعنی جب مشتری نے باقاعدہ طور بیع کر لی تو بیع نام ہے مبادلۃ المال بالمال کا تو گویا اس نے اپنے اوپر ثمن لازم کر لیا چاہے ثمن کا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو یا صراحتہ ثمن کی نفی کی ہو تب بھی اس پر ثمن لازم ہوگا یعنی بیع منعقد ہے فاسد طور پر اور مشتری پر ہلاکت کی صورت میں قیمت لازم ہوگی لہذا بیع میں بدلین مال ہیں اور بیع فاسد ہے نہ کہ باطل

اور امام ابوحنیفہؒ سے اس مسئلے کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت صاحبین کے مطابق ہے یعنی بیع منعقد ہے فاسد ہو کر اور ایک روایت یہ ہے کہ اس صورت میں بیع باطل ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ جب ثمن کی نفی کی تو بیع کارکن یعنی مبادلۃ المال بالمال ختم ہو گیا اور جب رکن بیع معدوم ہو گیا تو بیع باطل ہوگی۔

اور فاسد ہونے کی صورت میں جب بیع مشتری کے پاس ہلاک ہو جائے تو مشتری پر اسکا مثل لازم ہوگا ذوات الامثال میں اور اس کی قیمت لازم ہوگی ذوات القیم میں۔

ولکل منهما فسخ قبل القبض وكذا بعده مادام في ملك المشتري ان كان في صلب

العقد كبيع درهم بدرهمين اراد بالفساد في صلب العقد الفساد الذي يكون في

احد العوضين ولمن له الشرط ان كاشترط زائد كشرط ان يهدى له هدية ذكر في الذخيرة



ان هذا قول محمدٌ أما عندهما فللكل واحد حق الفسخ لان الفسخ لحق الشرع للاحق احد المتبايعين فانهما راضيان بالعقد فان باعه المشتري او وهبه او اعتقه صح وعليه قيمته وسقط حق الفسخ لانه تعلق به حق العبد وانما يفسخ حقالله تعالى واذا اجتمع حق الله وحق العبد يرجح حق العبد لحاجته ولا يأخذه البائع حتى يرد ثمنه اى البائع اذا فسخ البيع الفاسد لا يأخذ المبيع حتى يرد الثمن لان المبيع محبوب بالثمن بعد الفسخ فان مات هو فالمشتري احق به حتى يأخذ ثمنه اى باع شيئاً بيعاً فاسداً ووقع التقابض ثم فسخ البيع ثم مات البائع فللمشتري حق حبس المبيع حتى يأخذ الثمن ولا يكون اسوة لغرماء البائع

ترجمہ اور دونوں پر واجب ہے اس کا فسخ کرنا قبضے سے پہلے اسی طرح قبضے کے بعد بھی جب تک مبیع مشتری کی ملکیت میں ہو اگر فساد صلب عقد میں ہو جیسے ایک درہم کو دو درہم کے عوض بیچنا۔ صلب عقد میں فساد سے مراد وہ فساد ہے جو دونوں عوضین میں سے کسی ایک میں ہو اور اس پر واجب ہے جس کے واسطے شرط ہو اگر فساد شرط زائد کی وجہ سے ہو جیسے یہ شرط لگانا کہ مشتری اسکو ہدیہ دے گا ذخیرہ میں ہے کہ یہ امام محمد کا قول ہے اور حضرات فقہین کے نزدیک ہر ایک کو فسخ کرنے کا حق حاصل ہے کیونکہ فسخ کرنا حق شرع کی وجہ سے ہے نہ کہ متباہین کے حق کی وجہ سے کیونکہ وہ تو راضی ہیں عقد پر اگر مشتری نے اس کو بیچ دیا یا ہبہ کر کے سپرد کر دیا یا غلام تھا اس کو آزاد کر دیا تو صحیح ہے اور اس پر اس کی قیمت لازم ہے اور فسخ کرنے کا حق ساقط ہو گیا کیونکہ اس کے ساتھ متعلق ہو گیا ہے بندے کا حق اور جو فسخ کرنا تھا وہ اللہ کے حق کی وجہ سے تھا اور جب اللہ کا حق اور بندے کا حق جمع ہو جائے تو بندے کے حق کو ترجیح دی جاتی ہے اسلئے کہ بندہ محتاج ہے اور بائع اسکو نہیں لے سکتا یہاں تک کہ ثمن واپس کر دے کیونکہ بیع روکی ہوئی ہے ثمن کے عوض فسخ کرنے کے بعد۔ اور اگر مر جائے تو مشتری اسکا زیادہ حقدار ہے یہاں تک کہ ثمن لے لے یعنی کسی نے بیچ دی ایک چیز کو بیچ فاسد کے ساتھ اور اس پر قبضہ بھی کر لیا پھر بیچ کو فسخ کر دیا پھر بائع مر گیا تو مشتری کو بیچ روکنے کا حق ہے یہاں تک کہ ثمن واپس لے لے اور یہ بائع کے قرض خواہوں کے ساتھ برابر نہ ہوگا

تشریح متعاقدین میں سے ہر ایک پر فساد دور کرنا لازم ہے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ بیچ فاسد میں فساد دور کرنے کیلئے متعاقدین میں سے ہر ایک کو فساد دور کرنے کا اختیار ہے خواہ قبضے سے پہلے ہو یا قبضے کے بعد جب تک کہ مبیع مشتری کی ملکیت میں موجود ہو قبضے سے پہلے تو اس لئے فسخ کرنے کا اختیار ہے کہ بیچ فاسد مفید ملک نہیں ہوتی تو قبضے سے پہلے فسخ کرنا گویا کہ مالک بننے سے رک جانا ہے مالک ہونے سے رکنے کا اختیار بائع و مشتری

دونوں کو حاصل ہے تو دونوں کو فسخ کرنے کا اختیار بھی حاصل ہوگا اور اگر قبضے کے بعد مراد ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں یا فساد صلب عقد میں ہوگا یعنی احد البدلین میں فساد ہوگا جیسے کہ ایک درہم کو دو درہم کے عوض فروخت کرنا۔۔۔ یا شرط زائد کی وجہ سے فساد ہوگا جیسے بائع نے فروخت کرتے وقت یہ شرط لگا دی کہ مشتری بائع کو ہدیہ دے گا

پہلی صورت میں بائع و مشتری دونوں کو عقد فسخ کرنے کا اختیار ہوگا کیونکہ فساد قوی ہے اور فساد دور کرنا شریعت کا حق ہے اور حق شرع کی وجہ سے عقد فاسد لازم نہ رہا اور جب عقد غیر لازم ہے تو عاقدین میں سے ہر ایک کو فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے اور اگر دوسری صورت ہو یعنی فساد شرط زائد کی وجہ سے ہو تو پھر عقد فسخ کرنے کا اختیار اسکو ہے جس نے شرط لگائی ہے اور شرط کی وجہ سے جس کو فائدہ حاصل ہو رہا ہے اس کو فسخ کرنے کا حق ہے دوسرے کو نہیں ذخیرہ میں ہے کہ یہ امام محمد کا قول ہے اور حضرات شیخین کے نزدیک بائع و مشتری دونوں کو عقد فسخ کرنے کا اختیار ہے کیونکہ فسخ کرنا حق شریعت کی وجہ سے ہے نہ کہ عاقدین میں سے کسی ایک کی وجہ سے کیونکہ عاقدین تو شرط پر راضی ہو چکے ہیں لیکن شریعت اس پر راضی نہیں ہے لہذا فسخ کرنا حق شرع کی وجہ سے ہے اور حق شرع دونوں کو حاصل ہے لہذا دونوں اس عقد کو فسخ کر سکتے ہیں

فان باعہ المشتري او وهبه وسلمه....

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے شراہ فاسد کے ساتھ کوئی چیز خرید لی اور پھر مشتری نے بائع کی اجازت سے بیع پر قبضہ کر لیا اس کے بعد مشتری نے یہ چیز کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دی یا ہبہ کر کے سپرد کر دیا یا غلام تھا اس کو آزاد کر دیا تو مشتری کے یہ تصرفات صحیح ہیں اور مشتری پر ان چیزوں کی قیمت دینا لازم ہوگا اور بائع اول کی طرف واپس کرنا یعنی بیع اول کو فسخ کرنے کا حق ساقط ہو جائے گا کیونکہ مشتری ان تصرفات کا مالک ہے اور ان تصرفات کے نافذ ہونے کے بعد بیع کے ساتھ عبد کا حق وابستہ ہو گیا اور بندے کے حق کا تقاضا یہ ہے کہ بیع اول فسخ نہ کیا جائے اور حق شرع کا تقاضا یہ ہے کہ بیع اول فسخ کیا جائے اور جب حق عبد اور حق شرع جمع ہو جائے تو حق عبد کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ بندہ محتاج ہے اور شارع یعنی اللہ پاک غنی ہے تو حق عبد مقدم ہوگا محتاج ہونے کی وجہ سے لہذا بیع اول فسخ نہ کی جائے گی اور مشتری اول پر اس کی قیمت بائع اول کو حوالہ کرنا لازم ہوگا

ولایاخذہ البائع حتی یرد ثمنہ.... صورت مسئلہ یہ ہے کہ بیع فاسد میں جب بائع اور مشتری نے بیع فاسد فسخ کر دیا اور بائع مشتری سے بیع واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا جب تک مشتری کو ثمن واپس نہ کر دے کیونکہ فسخ کرنے کے بعد بیع محبوس ہے ثمن کے عوض جب تک بائع بیع کا عوض واپس نہ کرے گا اس وقت تک مشتری بیع کو بائع کے حوالہ نہیں کرے گا اور اگر بائع مرجائے تو مشتری بیع کا زیادہ حقدار ہے یہاں تک کہ مشتری اپنا دیا ہوا پورا ثمن وصول کر لے کیونکہ جب مشتری بائع کی زندگی میں بیع کا

زیادہ حقدار تھا تو اس کے مرنے کے بعد بھی قرض خواہوں اور وارثوں کے مقابلے میں زیادہ حقدار ہوگا اور باقی قرض خواہوں کے ساتھ برابر نہ ہوگا بلکہ ان سب پر اس کا حق مقدم ہوگا پس اگر اس سے کوئی چیز بیچ جائے تو پھر دوسروں کو ملے گی ورنہ نہیں

فطاب للبائع ربح ثمنه بعد التقابض للمشتري ربح مبيعه يتصدق به صورة المسئلة باع  
جارية بيعا فاسدا بالدرهم او بالدنانير وتقابضا فباع المشتري الجارية و ربح لا يطيب له الربح وان  
ربح البائع في الثمن يطيب له الربح والفرق ان المبيع متعين في العقد فيكون فيه خبث بسبب  
فساد الملك وفي فساد الملك شبهة عدم الملك والشبهة ملحقة بالحقيقة في الحرمة فان النسي  
عليه السلام نهى عن الربوا والريبة واما الدرهم والدنانير فغير متعينة في العقد ولو كانت  
متعينة كانت فيه شبهة الخبث بسبب الفساد فعند عدم التعين يكون في تعلق العقد بها  
شبهة فيكون فيها شبهة الشبهة ولا اعتبار لها هذا في الخبث بسبب فساد الملك اما الخبث  
بسبب عدم الملك فيشمل النه عين عند ابي حنيفة يعني ان الربح في المصوب لا يطيب له  
سواء كان المصوب مما يتعين كالجارية مثلاً او ما لا يتعين كالدرهم والدنانير حتى ان باع  
الدرهم المصوب به في حلاله ربح لا يكون طيباً لان في الاول حقيقة الخبث وفي الثاني شبهة  
الخبث والشبهة ملحقة بالحقيقة في الحرمة

ترجمہ۔ حلال ہے بائع کیلئے ثمن کا نفع قبضہ کے بعد نہ کہ مشتری کیلئے بیع کا نفع تو اس کو صدقہ کرے گا صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی  
نے ایک باندی بیچ دی بیع فاسد کے ساتھ درہم یا دنانیر کے عوض اور دونوں نے اس پر قبضہ کر لیا پھر مشتری نے باندی بیچ دی اور  
اس میں نفع کمایا تو اس کے لئے نفع حلال نہیں ہے اور اگر نفع کمایا بائع نے ثمن میں تو اس کیلئے نفع حلال ہے اور فرق یہ ہے کہ بیع  
متعین ہے عقد میں تو اس میں خیانت فساد ملک کی وجہ سے ہوگی اور فساد ملک میں شبہ ہے عدم ملک کا اور شبہ ملحق ہے حقیقت کے  
ساتھ حرمت کے باب میں کیونکہ حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے ربوا اور ریبہ سے، اور ہے درہم و دنانیر تو وہ غیر متعین ہیں عقد میں  
اور اگر متعین ہو بھی جائے تو پھر بھی اس میں خیانت کا شبہ ہے فساد کی وجہ سے تو متعین نہ ہونے کے وقت اس کے ساتھ عقد متعلق  
ہونے میں شبہ ہے تو اس میں شبہۃ اشبه ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے یہ تفصیل اس خبث میں ہے جو فساد ملک کی وجہ سے ہو اور  
رہا وہ خبث جو عدم ملک کی وجہ سے ہو تو وہ دونوں نوعوں کو شامل ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یعنی نفع مصوب میں اس کے  
لئے حلال نہیں ہے چاہے مصوب ان چیزوں میں سے ہو جو متعین ہوتی ہے جیسے باندی یا ان چیزوں میں سے جو متعین نہیں ہوتی

جیسے دراہم و دنانیر یہاں تک کہ اگر کسی نے بیچ دئے غصب کے دراہم اور اس میں نفع حاصل کیا تو یہ حلال نہیں ہے کیونکہ پہلی صورت میں حقیقت خبث ہے اور دوسری صورت میں شبہ خبث اور شبہ ملحق ہے حقیقت کے ساتھ حرمت میں

تشریح: جو چیزیں متعین کرنے سے متعین ہوتی ہیں اس میں خبث مؤثر ہوتا ہے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے بیچ فاسد کے طور پر کوئی باندی خرید لی دو ہزار (۲۰۰۰) دراہم کے عوض اور دونوں نے باہمی قبضہ کر لیا یعنی بائع نے ثمن پر اور مشتری نے باندی پر پھر مشتری نے یہ باندی پچیس سو (۲۵۰۰) دراہم کے عوض فروخت کر کے اس میں پانچ سو دراہم کا نفع حاصل کیا تو مشتری کیلئے یہ پانسو کا نفع حلال نہیں ہے بلکہ اس پر واجب ہے کہ یہ پانچ سو دراہم صدقہ کر دے اور اگر بائع نے ثمن پر یعنی دو ہزار دراہم سے تجارت شروع کی اور اس میں نفع حاصل کیا اور اس میں پانچ سو دراہم نفع کمایا تو بائع کے لئے یہ نفع حلال ہے ان صورتوں کے درمیان فرق بیان کرنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھئے کہ اموال دو قسم پر ہیں

(۱) وہ جو عقود میں متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں جیسے دراہم و دنانیر کے علاوہ دوسرے اشیاء جانور باندی وغیرہ  
(۲) دوسری قسم وہ ہے جو عقود میں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے جیسے دراہم اور دنانیر.. اسی طرح خبث (حرمت کی نجاست) کی بھی دو قسمیں ہیں

(۱) وہ خبث جو ملک فاسد ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اس کو خبث بسبب فساد الملک کہا جاتا ہے  
(۲) دوسرا خبث وہ ہے جو ملک نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اس کو خبث بسبب عدم الملک کہا جاتا ہے پہلا خبث ان چیزوں کے اندر مؤثر ہوتا ہے جو متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہیں لیکن جو متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی ان میں مؤثر نہیں ہوتا اور دوسرا خبث دونوں کے اندر مؤثر ہوتا ہے

اس تمہید کے بعد اب دونوں صورتوں کے درمیان فرق سمجھ لو۔ فرق یہ ہے کہ باندی ایسی چیز ہے کہ جو متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہے جب باندی متعین ہے تو عقد ثانی اس کی ذات کے ساتھ متعلق ہوگا اور یہ باندی عقد فاسد کی وجہ سے ملک فاسد تھی تو مشتری کا اس باندی کو بیچ کر نفع حاصل کرنا ملک فاسد سے نفع حاصل کرنا ہے اور جو نفع ملک فاسد سے حاصل ہوتا ہے اس میں خبث یعنی حرمت کی نجاست مؤثر ہوتی ہے تو اس میں خبث فساد ملک کی وجہ سے ہے اور فساد ملک میں عدم ملک کا شبہ ہے کیونکہ ملک فاسد علی شرف الزوال ہے گویا کہ یہ ملک عدم الملک ہے اور شبہ حرمت ملحق ہے حقیقت حرمت کے ساتھ باب حرمت میں کیونکہ نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے ربو اور ربہ سے اور ربہ سے مراد شبہ ہے لہذا باندی سے جو نفع حاصل کیا ہے اس میں خبث ہے

اور جس چیز میں خبث ہو اس کا صدقہ کرنا واجب ہے اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے لہذا باندی سے جو نفع حاصل ہوا ہے اس کا صدقہ کرنا واجب ہے

اور ہے دراہم و دانایر چونکہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے عقد میں اور اگر متعین ہو بھی جائے تو اس میں خبث فساد ملک کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور اگر فساد نہ ہو تو خبث بھی نہ ہوگا اور جب دراہم و دانایر متعین نہ ہوں تو عقد ثانی ان دراہم کی ذات کے ساتھ متعلق نہ ہوگا اور جب یہ عقد دراہم کی ذات کے ساتھ متعلق نہ ہو تو عقد کی وجہ سے جو نفع حاصل ہوگا اس میں خبث بھی پیدا نہ ہوگا اور جب اس میں خبث نہیں ہے تو اس کا صدقہ کرنا بھی واجب نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ عقد ثانی سے جو نفع حاصل ہوا ہے اس میں آپ یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ ان دراہم سے حاصل ہوا ہے جو میں نے عقد فاسد میں مشتری سے لئے تھے بلکہ نفع میں یہ بھی شبہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان دراہم سے حاصل ہوا ہو یا ہو سکتا ہے کہ ان کے علاوہ دوسرے دراہم سے حاصل ہوا ہو تو اس نفع میں شبہۃ الشبہ ہے اور حرمت کے باب میں شبہ کا اعتبار ہے شبہۃ الشبہ کا اعتبار نہیں ہے یہ تفصیل اس خبث کے بارے میں ہے جو فساد ملک کے سبب سے ہے اور جب خبث عدم ملکیت کے سبب سے ہو یعنی نفع میں عدم ملک کی وجہ سے جو فساد پیدا ہوا ہے تو وہ دونوں نوعین کو شامل ہے یعنی بیع سے جو نفع حاصل ہو جائے اس کو بھی شامل ہے اور دراہم سے جو نفع حاصل ہو جائے اس کو بھی، مثلاً کسی نے باندی غصب کی اور پھر اس کو فروخت کر کے نفع کمایا اس کے بعد مالک کو اس کا ضمان ادا کر دیا تو غاصب کیلئے یہ نفع حلال نہیں ہے بلکہ اس کو صدقہ کرنا واجب ہے یا دراہم غصب کر کے اس کو فروخت کر دیا اس میں نفع کمایا پھر مالک کو اصل دراہم کا ضمان ادا کر دیا تو غاصب کیلئے یہ نفع حلال نہیں ہے کیونکہ صورت اول میں حقیقت خبث ہے اور دوسری صورت میں شبہ خبث ہے اور شبہ خبث بھی ملحق ہے حقیقت خبث کے ساتھ باب حرمت میں

كما طاب ربح مال ادعاه فقضى به ثم ظهر عدمه بالتصادق اى ادعى على رجل مالا ففوضه فربح فيه المدعى ثم تصادقا على ان هذا المال لم يكن على المدعى عليه فالربح طيب لان المال المقضى به بدل الدين الذى هو حق المدعى والمدعى باع دينه بما اخذ فاذا تصادقا على عدم الدين صار كانه استحق ملك البائع وبدل المستحق مملوك ملكا فاسدا فيكون البيع فى حق البديل بيعا فاسدا فلا يؤثر الخبث فيما لا يتعين بالتعيين فان قيل ذكر فى الهداية فى المسئلة السابقة ثم اذا كانت دراهم الثمن قائمة أخذها بعينها لانها تتعين بالتعيين فى البيع الفاسد وهو الاصح لانه بمنزلة الغصب فهذا يناقض ما قلتم من عدم تعيين الدراهم والدنانير قلنا يكن التوفيق بينهما بان لهذا العقد شبهين شبهة الغصب وشبهة البيع فاذا كانت قائمة اعتبر شبهة

الغصب سعياً في رفع العقد الفاسد واذا لم تكن قائمة فاشترى بها شيئاً يعتبر شبهة البيع حتى لا يسرى الفساد الى بدله لما ذكرنا من شبهة الشبهة وايضاً لتداول الايدي تاتير في رفع الحرمة

على ما عرف

ترجمہ.. جس طرح حلال ہے نفع اس مال کا جس کا کسی نے دعویٰ کیا دوسرے پر اور اس نے ادا کیا پھر اس کا نہ ہونا ظاہر ہوا یا ہی سچائی سے یعنی ایک شخص نے دوسرے شخص پر مال کا دعویٰ کیا اور اس نے ادا کر دیا تو مدعی نے اس میں نفع کمایا یا پھر دونوں نے باہمی سچائی کا معاملہ کیا کہ یہ مال مدعی علیہ پر نہیں تھا تو نفع حلال ہے کیونکہ ادا شدہ مال عوض ہے اس دین کا جو مدعی کا حق ہے اور مدعی نے اپنا حق بیچ دیا ہے اس چیز کے عوض میں جو اس نے لیا ہے جب دونوں نے تصدیق کی دین نہ ہونے پر تو ایسا ہو گیا ہو گیا کہ بائع کی ملکیت کسی کی مستحق ہو گئی اور مستحق کا بدل ملوگ ہوتا ہے ملک فاسد کے ساتھ تو بیع بدل کے حق میں بیع فاسد ہے تو جبث مؤثر نہیں ہے ان چیزوں میں جو متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی۔۔ اگر کہا جائے کہ ہدایہ میں مذکور ہے پہلے مسئلے میں کہ اگر ثمن کے دراہم قائم ہوں تو عین دراہم کو لے گا کیونکہ یہ متعین ہوتے ہیں متعین کرنے سے بیع فاسد میں اور یہ صحیح ہے کیونکہ یہ بمنزلہ غصب ہے اور یہ منافی ہے اس سے کم جو تم نے کہا کہ دراہم و دنانیر متعین نہیں ہوتے۔ ہم کہتے ہیں کہ دونوں کے درمیان توفیق ممکن ہے کہ اس عقد کی دو مشابہتیں ہیں ایک مشابہت ہے غصب کے ساتھ اور ایک مشابہت ہے بیع کے ساتھ جب دراہم ہفتہ خود قائم ہوں تو غصب کی مشابہت کا اعتبار کیا جائے گا عقد فاسد کو ختم کرنے میں کوشش کرتے ہوئے اور جب موجود نہ ہوں اور اس کے عوض کوئی چیز خرید لی تو پھر بیع کے ساتھ مشابہت کا اعتبار کیا جائے گا یہاں تک کہ فساد سرائت نہیں کرے گا اس کے بدل کی طرف جیسے کہ ہم ذکر کیا ہے اس میں شہۃ الشہۃ ہے اور اسی طرح ہاتھوں کی تبدیل ہونے کیلئے تاثیر ہوتی ہے حرمت کے رفع کرنے میں جیسے کہ مشہور ہے

تشریح کسی پر مال کا دعویٰ کرنا مال لینے کے بعد دعویٰ ترک کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ خالد نے عمران پر دعویٰ کیا کہ میرا تجھ پر ایک ہزار روپے ہیں لہذا آپ مجھے وہ روپے ادا کر دے پس مدعی علیہ یعنی عمران نے ایک ہزار روپے ادا کرنے پھر دونوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ مدعی کا مدعی علیہ (خالد کا عمران) پر کچھ واجب نہیں ہے حالانکہ اس عرصے میں مدعی نے مدعی علیہ کی اس رقم سے نفع حاصل کیا ہے تو یہ نفع مدعی کیلئے حلال ہے اس کا صدقہ کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ یہاں جبث فساد ملک کی وجہ سے ہے اور فساد ملک کی وجہ سے جبث اس لئے ہے کہ مدعی کے ایک ہزار روپے کا دعویٰ کرتے وقت جب مدعی علیہ نے اقرار کر لیا تو مدعی کا مدعی علیہ پر ایک ہزار روپے کا دین (قرضہ) واجب ہو گیا اور

دین ماوجب فی الذمہ کو کہتے ہیں پھر جب مدعی علیہ نے مدعی کو ایک ہزار روپے واپس کر دئے اور مدعی نے اس پر قبضہ کر لیا تو ایک ہزار روپے دین کا بدل ہے نہ کہ دین کیونکہ دین مال نہیں ہوتا بلکہ دین حق ہوتا ہے جو مدیون کے ذمہ واجب ہوتا ہے پس مدعی نے ایک ہزار کے عوض اپنا دین مدعی علیہ کو فروخت کر دیا پھر جب دونوں اس بات پر متفق ہو گئے کہ مدعی کا مدعی علیہ پر کچھ واجب نہیں ہے تو گو یا دین مستحق ہو گیا یعنی ایسا ہوا کہ دین پر کسی نے استحقاق کا دعویٰ کیا اور اس کو لے گیا پس جب دین مستحق ہو گیا تو اس کا بدل یعنی ایک ہزار روپے میں مدعی کی ملک فاسد ہوگی اور مدعی پر اس ایک ہزار روپے کا واپس کرنا واجب ہے کیونکہ بدل مستحق مملوک ہوتا ہے ملک فاسد کے ساتھ لھذا بدل کے حق میں یعنی ایک ہزار روپے کے حق میں بیع فاسد ہے تو ایک ہزار روپے مستحق ہونے کے بعد مدعی کے مملوک تو ہے لیکن فاسد ہے اور ملک فاسد سے جو نفع حاصل ہوتا ہے اس میں خبث ہوتا ہے پس مدعی نے ایک ہزار روپے سے جو نفع حاصل کیا ہے وہ خبیث ہے مگر روپے یعنی دراہم و دنانیر متعین کرنے کے باوجود متعین نہیں ہوتے اس لئے اس میں خبث مؤثر نہیں ہوتا کیونکہ جو خبث فساد ملک کی وجہ سے ہوتا ہے وہ مالا متعین میں مؤثر نہیں ہوتا پس جب خبث مؤثر نہیں ہے تو مدعی کیلئے وہ نفع حلال ہے اور اس کا صدقہ کرنا واجب نہیں ہے

فان قيل... بشارح ہدایہ کی عبارت اور وقایہ کی عبارت میں تعارض نقل کر کے پھر اس کے درمیان تطبیق ذکر کر رہے ہیں

اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ ہدایہ میں صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ اگر دشمن کے دراہم موجود ہوں ابھی تک وہ خرچ نہ کئے ہوں تو ان میں دراہم کا واپس کرنا واجب ہے کیونکہ دراہم و دنانیر بیع فاسد میں متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں اور یہ صحیح مذہب ہے کیونکہ یہ بمنزلہ غصب ہے کہ غصب میں جب تک مغبوب شدہ دراہم قائم ہوں تو ان کا واپس کرنا واجب ہے بعینہ۔ اور یہاں کتاب میں فرماتے ہیں بیع فاسد میں دراہم و دنانیر متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے اور یہ صریح تناقض ہے کہ ایک جگہ فرماتے ہیں دراہم متعین کرنے سے متعین ہوتے ہیں اور دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ دراہم و دنانیر متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے

قلنا... لیکن التوفیق ینھما... اس قول سے شارح اس تناقض کا جواب دے رہے ہیں

جواب: کا حاصل یہ ہے کہ بیع فاسد میں دراہم و دنانیر کی دو مشابہتیں ہیں ایک مشابہت ہے غصب کے ساتھ اور ایک مشابہت ہے بیع کے ساتھ۔ جب بیع فاسد میں دراہم و دنانیر بعینہا قائم ہوں ابھی وہ کسی چیز کے عوض خرچ نہ کئے گئے ہوں اور نہ ہلاک ہوئے ہوں تو اس میں غصب کی مشابہت معتبر ہے اور غصب کی صورت میں غاصب پر شئی مغبوبہ کا بعینہ واپس کرنا لازم ہے لھذا جب دراہم موجود ہوں تو بعینہ اس کا واپس کرنا واجب ہے تاکہ عقد فاسد کی بنیاد ہی ختم ہو جائے اور جب دراہم بعینہ قائم

نہ ہوں بلکہ اس کو فروخ کر کے اس کے عوض دوسری چیز خریدی گئی ہو تو اس میں بیع کی مشابہت معتبر ہے اور فساد اس کے بدل میں سرایت نہیں کرے گا اور اس کے بدل میں جو نفع حاصل ہو جائے وہ بائع کے لئے حلال ہوگا کیونکہ اس میں شہتہ الشبہ ہے اور حرمت کے باب میں شہتہ کا تو اعتبار ہے لیکن شہتہ الشبہ کا اعتبار نہیں ہے

دوسرا جواب یہ ہے کہ تبدل ملک کیلئے تاثیر ہوتی ہے حرمت کو ختم کرنے میں جیسے کہ مشہور حدیث ہے حضرت بریرہؓ کی، لکب صدقہ و لنا حدیثہ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تبدل ملک سے تبدل عین ہوتا ہے جب دراہم بائع کی ملکیت سے نکل کر اس کی عوض اس کی ملکیت میں شئی اخرد داخل ہوگئی تو اس تبدل سے شئی آخر میں حرمت ثابت نہ ہوگی اگرچہ عین دراہم میں ثابت ہو

ولو بنا فی دار شراھا شراء فاسدا لزمہ قیمتھا وشک ابو یوسفؒ فیھا هذا عند ابی حنیفہؒ فان عندہما ینقض البناء وھذہ السئلۃ من المسائل الّتی انکر ابو یوسفؒ روايتها عن ابی حنیفہؒ فان ابا یوسفؒ قال لمحمدؒ مارویت لك عن ابی حنیفہؒ انه يأخذھا بقیمتھا بل رویت انه ینقض البناء وقال محمدؒ بل رویت الاخذ بالقیمۃ لكن نسیت فشک ابو یوسفؒ فی روايته عن ابی حنیفہؒ ومحمدؒ لم یرجع عن ذلك وحمله علی نسیان ابی یوسفؒ فانه ذکر فی کتاب الشفعة ان المشتري شراء فاسدا اذا بنا فیھا فللشفیع الشفعة عند ابی حنیفہؒ وعندہما لاشفعة له فهذا يدل علی انقطاع حق البائع ببناء المشتري عند ابی حنیفہؒ خلافا لہما

ترجمہ۔ اگر مشتری نے عمارت بنائی اس گھر میں جس کو خریدنا ہو شراہ فاسد کے ساتھ تو اس پر اس کی قیمت لازم ہے اور شک کیا ہے امام ابو یوسفؒ نے اس میں یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبین کے نزدیک عمارت توڑ دی جائے گی اور یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جس کی روایت کرنے میں امام ابو یوسفؒ نے انکار کیا ہے امام ابو حنیفہؒ سے کیونکہ امام ابو یوسفؒ نے امام محمدؒ سے کہا کہ میں نے تو روایت نہیں کی آپ کو امام ابو حنیفہؒ سے کہ وہ لے گا قیمت کے ساتھ بلکہ میں نے یہ روایت کی ہے کہ عمارت توڑے گا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ آپ نے روایت کی ہے کہ قیمت کے ساتھ لے گا لیکن آپ بھول گئے ہیں تو امام ابو یوسفؒ کو شک ہو اس کی روایت کرنے میں امام حنیفہؒ سے۔ اور امام محمدؒ نے اس سے رجوع نہیں کیا اور اس کو امام ابو یوسفؒ کا بھول قرار دیا کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے کتاب شفعہ میں کہ شراہ فاسد کے ساتھ خریدنے والا جب گھر بنائے زمین میں تو شفعہ کے لئے شفعہ کا حق ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک اس کے لئے شفعہ کا حق نہیں ہے یہ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ مشتری کی عمارت بنانے سے بائع کا حق منقطع ہو چکا ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک برخلاف



حضرات صحابین کے۔

تشریح: امام محمدؒ کا امام ابو یوسفؒ کی روایت نہ کرنے سے انکار: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے شراء فاسد کے ساتھ ایک احاطہ شدہ مکان یا زمین خرید کر اس میں مزید عمارت بنا ڈالی تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بائع کو بیع واپس کرنے کا حق نہیں رہا بلکہ مشتری پر زمین کی قیمت ادا کرنا لازم ہے یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جس میں کہ امام ابو یوسفؒ شک کرنے لگے تھے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے یہ مسئلہ روایت نہیں کیا یعنی امام ابو یوسفؒ یہ تو فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ مشتری عمارت نہیں توڑے گا بلکہ قیمت دینا لازم ہے یعنی امام ابو یوسفؒ کو امام ابو حنیفہؒ کے مسلک میں شک نہیں ہے بلکہ شک صرف روایت کرنے میں ہے امام ابو یوسفؒ نے امام محمدؒ سے کہا کہ میں نے آپ کو امام ابو حنیفہؒ کا مسلک روایت نہیں کیا ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ آپ نے مجھے امام صاحب کا مسلک یہ بیان کیا ہے کہ مشتری اس مکان کو لے گا اور اس کی قیمت دے گا اور فرمایا کہ آپ بھول گئے ہیں امام محمدؒ نے یقین کے ساتھ فرمایا کہ یہ روایت آپ نے مجھے ذکر کی ہے اور اس سے رجوع نہیں کیا اور اس کو امام ابو یوسفؒ کے نسیان پر محمول کیا امام محمدؒ نے کتاب الشفیعہ میں ذکر کیا ہے کہ جب مشتری نے شراء فاسد کے ساتھ ایک گھر خریدا اور پھر اس میں عمارت بنائی تو شفیع کیلئے حق شفیعہ ثابت ہوگا حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بائع کا حق ختم ہو چکا ہے مشتری کی عمارت بنانے سے لہذا بیع فاسد میں بھی مشتری کی عمارت بنانے سے واپسی کا حق ساقط ہو گیا ہے اور مشتری پر قیمت دینا لازم ہوگا اور عمارت نہیں توڑیگا۔ برخلاف حضرات صحابین کے کہ ان کے نزدیک مشتری کی عمارت بنانے سے واپسی کا حق ساقط نہیں ہوتا بلکہ مشتری پر لازم ہے کہ وہ عمارت توڑ دے اور گھر کو واپس کر دے تاکہ بیع فاسد ختم ہو جائے

۱۳-۳-۲۰۰۶ء

مطابق ۱۲-۲-۱۴۲۷ھ

## (فصل فی البیوع المکروهہ)

وكره النجش نجش الصيد بسكون الجيم اثارته والنجش جاء بفتح الجيم وسكونه وهوان يستام سلعة لا يريد شرائها باكثر من قيمتها ليرى الآخر فيقع فيه والسوم على سوم غيره اذ ارضيا بثمان وتلقى الجلب المضربا هل البلد الجلب المجلوب فان المجلوب اذا قرب من البلد تعلق به حق العامة فيكره ان يستقبل البعض ويشتريه ويمنع العامة عن شرائه وهذا انما يكره اذا كان مضرا باهل البلد - وقد سمعت ابياتا لطيفة لمولانا برهان الاسلام رحمه الله فكتبتها احماضا وهي -

ابوبكر الولد المنتخب :: اراد الخروج لامر عجب :: فقد قال لي اني عزمت الخروج ::  
لكفارة هي لي ام اب :: فقلت الم تسمعن يا بني :: بنهي اتى عن تلقى الجلب ::

### (یہ فصل ہے بیوع مکروہ کے بیان میں)

ترجمہ: مکروہ ہے نجش، نجش الصيد جیم کے سکون کے ساتھ کا معنی ہے شکار کو ابھارنا نجش جیم کے فتح کے ساتھ بھی آیا ہے نجش یہ ہے کہ سامان کا بھاؤ لگا دے اور اسکے خریدنے کا ارادہ نہ ہو اس کی قیمت سے زیادہ کے ساتھ تاکہ دوسرا دیکھ کر خریداری میں واقع ہو جائے اور دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ کرنا جب کہ دونوں راضی ہو گئے ہوں ایک ٹمن پر اور تلقی جلب جو کہ مضربا اہل شہر کیلئے جلب کے معنی ہے کھینچا ہوا کیونکہ کھینچا ہوا مال جب شہر کے قریب ہو جائے تو اس کیساتھ عام لوگوں کا حق متعلق ہو جاتا ہے تو مکروہ ہے کہ بعض لوگ آگے جا کر اس کو خرید لے اور عام لوگوں کو اس کی خریداری سے روک لیں اور یہ اس وقت مکروہ ہے کہ اس سے اہل شہر کو ضرر ہو اور میں نے کچھ لطیف اشعار سنے ہیں مولانا برهان الاسلام کے تو میں نے یہاں لکھ دئے ہیں دل چسپی کیلئے اور وہ یہ ہیں ابوبکر جو پیارا بیٹا ہے اس نے نکلنے کا ارادہ کیا ایک عجیب امر کیلئے تحقیق اس نے کہا کہ میں نے نکلنے کا ارادہ کیا ہے کفارہ کیلئے جو میرے باپ کی ماں ہے تو میں نے کہا کہ بیٹا تم نے نہیں سنا اس نمی کو جو وارد ہوئی ہے تلقی جلب کے بارے میں۔

تشریح: نجش کی تعریف: نجش جیم کے سکون کے ساتھ اس کا معنی ہے شکار کو ایک جگہ سے دوسری جگہ کیلئے بھڑکانا نجش نون اور جیم کے فتح کے ساتھ بھی آیا ہے۔ نجش کے معنی ہے بغیر ارادہ خریداری قیمت بڑھانا تاکہ دوسرا دیکھ کر اور زیادہ قیمت کے ساتھ خرید لے۔

اب سمجھ لو کہ بخش مکروہ ہے اور بخش یہ ہے کہ مشتری بیع کا شمن اس کی قیمت کے بقدر لگاتا ہے اس کے بعد ایک آدمی آتا ہے اور اس بیع کی قیمت زیادہ بتاتا ہے حالانکہ خود لینے کا ارادہ نہیں رکھتا لیکن صرف اس لئے یہ کام کرتا ہے تاکہ مخاطب اس چیز کو اس سے زیادہ قیمت کے ساتھ لے لے یہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں مشتری کو دھوکہ دینا ہے اور دھوکہ دہی امر قبیح ہے جو بیع کے ساتھ مجاور ہے اور بیع کے ساتھ امر قبیح کی مجاورت سے بیع مکروہ ہو جاتی ہے نیز حدیث شریف میں حضور ﷺ نے بخش سے منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے،، لا تباہوا،، تم بخش کا ارتکاب نہ کرو۔ ہاں اگر مشتری نے اس کا شمن اسکی قیمت سے کم لگایا ہو اور دوسرے نے قیمت بڑھا کر اصل قیمت تک پہنچا دیا تو یہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ اس میں ایک مسلمان یعنی بائع کی خیر خواہی ہے اور مشتری کا کوئی نقصان نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے

والسوم علی سوم غیرہ۔ بیوع مکروہ میں سے دوسری قسم دوسرے کے بھاد پر بھاد کرنا ہے یعنی بائع اور مشتری سامان کے بیچنے میں شمن کی ایک مقدار پر راضی ہو گئے ہیں مثلاً بائع نے مشتری سے کہا کہ یہ سائل میں نے آپ کو ہزار روپے کے عوض فروخت کی اور مشتری بھی اس پر راضی ہوا اتنے میں ایک تیسرا شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں یہ سائل گیارہ سو میں لیتا ہوں تو یہ عمل مکروہ ہے کیونکہ اس صورت میں احد المتعاقبین کے قلب میں وحشت ڈالنا ہے اور یہ بھی ایک امر قبیح ہے اور امر قبیح کی مجاورت سے بیع مکروہ ہو جاتی ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے،، لایستام الرجل علی سوم احیہ،، لیکن یہ بیع مکروہ اس وقت ہے جب کہ بائع اور مشتری ایک مقدار شمن پر راضی ہو چکے ہوں لیکن اگر وہ راضی نہ ہوئے ہوں اور ایک شخص ثالث نے قیمت بڑھا کر خرید لی تو یہ جائز ہے مکروہ نہیں ہے بلکہ بیع من یزید اور نیلام ہے اور یہ جائز ہے

اور تلقی جلب بھی مکروہ ہے... تلقی جلب کی چند صورتیں ہیں (۱) یہ کہ شہر میں قحط ہو اور شہر کے تاجروں کو قافلے کے آنے کی اطلاع مل جائے تو وہ شہر سے باہر جا کر قافلے والوں سے سارا غلہ خرید لیں تاکہ اہل شہر کو اپنی من مانی قیمت پر فروخت کریں (۲) یہ کہ شہر میں غلے کی کمی نہ ہو اور کچھ تاجروں نے شہر سے باہر جا کر سارا غلہ خرید لیا (۳) کچھ تاجروں نے شہر سے باہر جا کر قافلے والوں سے سستے داموں مال خرید لیا اور شہر کا بھاد ان پر غنی رکھا یا یہ کہا کہ شہر میں اس سے کم دام پر بکے گا اور خود قافلے والے بھی شہر کے دام سے واقف نہ ہو (۴) یہ کہ قافلے والوں سے سستے داموں تو خرید لیا لیکن ان پر شہر کا بھاد غنی نہیں رکھا بلکہ ان کو صاف تھلا دیا۔

ان میں سے پہلی اور تیسری صورت مکروہ ہیں پہلی صورت تو اس لئے مکروہ ہے کہ تاجروں کے اس فعل سے اہل شہر کو ضرر ہے ان کی پریشانی میں مزید اضافہ کرنا ہے اور کسی کو ضرر میں مبتلا کرنا امر قبیح ہے اور امر قبیح کی مجاورت سے بیع مکروہ ہو جاتی ہے۔ اور تیسری

صورت میں آنے والے قافلے سے بھاؤ مخفی رکھ کر ان کو دھوکہ دینا ہے اور دھوکہ دینا بھی امر بیع ہے اور امر بیع کی مجاہدت سے بیع مکروہ ہو جاتی ہے اور باقی دو صورتوں میں چونکہ یہ خرابیاں نہیں ہیں اس لئے ان میں بیع بلا کراہت درست ہے

شارح نے برہان الاسلام کے کچھ اشعار تحیظ اذان اور دلچسپی کیلئے بیان فرمائے ہیں اس کا ترجمہ تو گزر چکا ہے لیکن اس مقام میں اشعار کی مناسبت تلتی جلب کے ساتھ یہ ہے کہ ابوبکر نے جب کہا کہ میں نے خروج کا قصد کیا ہے تو اس نے کہا کہ خروج لازم ہے تلتی جلب کیلئے دوسرے یہ کہ اس نے کہا کہ میں داوی کے استقبال اور ملاقات کیلئے آگے جاؤں گا تو اس نے کہا کہ یہ مشابہ ہے تلتی جلب کے ساتھ اور تلتی جلب سے نبی وارد ہوئی ہے حدیث میں -- یہ محض ایک لطیفہ کے طور پر ذکر فرماتے ہیں ورنہ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے کہ داوی کے استقبال اور ملاقات کیلئے جانا مکروہ ہے

وبیع الحاضر للبادی طمعافی الثمن الغالی زمان القحط صورته ان البادی یجلب الطعام الی البلد فیطرحة علی رجل یسکن البلد لیبیع من اهل البلد بنمن غال فهذا یکره فی ایام العسرة والبیع عند اذان الجمعة وتفريق صغیر عن ذی رحم محرم منه

بلاحق مستحق هذا عند انی حنیفةً ومحمداً اما عند ابی یوسف اذا كانت القرابة قرابة ولاد لایجوز بیع احدهما بدون الآخر فانه علیه السلام قال ادرك افرك ولو كان البیع نافذاً لایمکنه الاستدراك ولو كان بحق مستحق كدفع احدهما بالجناية والرد بالعیب لایکره ولا بیع من یزید

ترجمہ۔ اور مشتری کا بیچنا دیہاتی کیلئے مہینے دام کی لالچ سے قحط کے زمانے میں صورت اس کی یہ ہے کہ دیہاتی طعام کو شہر لاتا ہے اور چھوڑتا ہے ایک آدمی کے پاس جو شہر میں رہتا ہے تاکہ وہ شہر والوں کو مہینے داموں بیچ دے یہ مکروہ ہے تنگی کے زمانے میں اور مکروہ ہے بیع اذان جمعہ کے وقت اور مکروہ ہے جدائی کرنا چھوٹے بچے اور اس کے ذی رحم محرم کے درمیان بغیر کسی حق مستحق کے یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک جب قرابت قرابت ولادت ہو تو ایک کی بیع دوسرے کے بغیر جائز نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے، کہ پھیر دو پھیر دو، اگر بیع نافذ ہو جائے تو ممکن نہ ہوگا واپس کرنا اور اگر (جدائی کرنا) حق مستحق کی وجہ سے ہو جیسے کہ ایک کو حوالہ کرنا جنایت میں یا واپس کرنا عیب کی وجہ سے تو پھر مکروہ نہیں ہے اور مکروہ نہیں ہے نیلام اور بولی لگا کر بیچنا

تشریح: بیع الحاضر للبادی: کی دو قسم کی تشریح کی گئی ہے: (۱) یہ کہ للبادی میں لام من کے معنی میں ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ قحط کا زمانہ ہو اور شہری تاجر اشیاء شہریوں کے ہاتھ فروخت نہیں کرتا بلکہ دیہاتیوں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے

کیونکہ شہریوں سے زیادہ قیمت وصول نہیں کر سکتا اسلئے کہ وہ قیمت سے واقف ہیں اور دیہات والے قیمت سے ناواقف ہوتے ہیں انکو زیادہ قیمت کے ساتھ فروخت کر سکتا ہے اگر تاجر کے اس عمل سے اہل شہر کو تنگی اور پریشانی لاحق ہوتی ہے تو یہ بیع مکروہ ہے ورنہ نہیں۔

(۲) یہ کہ لام اپنے معنی میں ہو اس کی صورت یہ ہے کہ ایک دیہاتی باہر سے غلہ لے کر شہر میں لاتا ہے اور ایک شہری اُن سے یہ کہتا ہے کہ تم اہل شہر کی عادت سے واقف نہیں ہو اور میں ان سے واقف ہوں لہذا تم خود مت بیچنا بلکہ میرے پاس چھوڑ دو۔ تاکہ میں زیادہ قیمت کے ساتھ فروخت کر سکوں تو شہری دیہاتی کا وکیل بن کر ان کیلئے بیچتا ہے گر ان قیمت کے ساتھ تو یہ بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ صورت بھی اہل شہر کیلئے ضرر رساں ہے اس لئے کہ دیہاتی اگر بذات خود فروخت کرتا تو اپنے حساب سے ارزان فروخت کرتا چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے،، دعو الناس بیزق اللہ بعضہم بعض،، کہ لوگوں کو خود کاروبار کرنے دو اسلئے کہ اللہ پاک ایک انسان کے ذریعے دوسرے انسان کو روزی پہنچاتا ہے لہذا دیہاتی کا وکیل بن کر اہل شہر کو بیچنے داموں فروخت کرنا مکروہ ہے جب کہ اہل شہر کو اس فعل سے ضرر ہو اگر اہل شہر کو ضرر نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے۔

والبیع عند اذان الجمعة: جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت کرنا مکروہ ہے۔ باری تعالیٰ کا قول ہے ”اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع،، کہ جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو نماز جمعا اور خطبہ کی طرف چل پڑو اور کاروبار بند کرو اس میں قباحت یہ ہے کہ بعض اوقات اذان کے بعد لوگ خرید و فروخت کرتے ہیں تو سعی الی الجمعة جو کہ واجب ہے اس میں خلل واقع ہوتا ہے اور امر واجب میں خلل واقع ہونا مرتجع ہے اور امر قبیح کی مجادرت کی وجہ سے بیع مکروہ ہوتی ہے اور اذان سے مراد اذان اول ہے بشرطیکہ زوال کے بعد ہوئی ہو۔

وتفریق صغیر عن ذی رحم محرم منہ... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص دو ایسے نابالغ غلاموں کا مالک ہو جو آپس میں ایک دوسرے کے ذی رحم محرم ہوں یا ان میں سے ایک بالغ ہو اور دوسرا نابالغ تو ان دونوں کے درمیان جدائی کرنا مکروہ ہے خواہ جدائی کرنا بیع کے ساتھ ہو یا ایک کو بہہ کر کے سپرد کر دینے کے ساتھ ہو یا وصیت کر دینے کے ساتھ بہر صورت دونوں کے درمیان تفریق مکروہ ہے ہاں اگر دونوں غلام بالغ ہوں تو پھر تفریق کرنا مکروہ نہیں ہے اصل اس باب میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے،، کہ جس نے ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے اور اس کے احباب کے درمیان جدائی کرے گا یہ وعید تفریق کی وجہ سے آئی ہے اور تفریق ایک امر قبیح ہے جس کی مجادرت سے بیع مکروہ ہوتی ہے

دوسرے حدیث۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت علیؑ کو دو نابالغ غلام بہہ کر دئے جو دونوں بھائی تھے پھر ان سے پوچھا کہ ان

غلاموں کا کیا ہوا تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ایک کو میں نے فروخت کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ،، ادرک ادرک،، کہ ان کو روکے رکھو روکے رکھو یا فرمایا کہ ارد در ارد پھیر دو پھیر دو کہ تفریق ختم کرو اور تفریق چونکہ بیع کی وجہ سے ہوتی ہے تو بیع بھی مکروہ ہوگی یہ مسلک امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا ہے کہ بیع جائز تو ہے فاسد نہیں ہے لیکن امر بیع کی مجاہرت سے اس میں کراہت آگئی ہے لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جب دونوں کے درمیان قرابت قرابت ولاد ہو یعنی باپ بیٹا ہو یا ماں اور بیٹا ہو یا دونوں بھائی ہو تو ان میں سے ایک کی بیع سرے سے جائز نہیں ہے اگر ایک کوچ بیع دیا تو بیع نافذ نہ ہوگی

دلیل حدیث شریف میں،، ادرک ادرک،، یا ارد در ارد،، آیا ہے کہ واپس کرو کیونکہ بیع نہیں ہوئی ہے اگر بیع کو نافذ قرار دیا جائے تو پھر استرداد یعنی واپس کرنا ممکن نہیں ہے

حضرات شیخین کے نزدیک چونکہ عقد میں فساد نہیں ہے لہذا عقد فاسد نہ ہوگا صرف امر بیع کی وجہ سے یعنی تفریق کی وجہ سے کراہت آگئی ہے لہذا عقد مکروہ ہوگا۔ اور ارد در ارد۔ کا معنی ہے کہ واپس کرو بطور اقالہ کہ سابقہ عقد کو فسخ کرو اور اقالہ کرو دونوں غلاموں میں تفریق کرنا بیع یا ہبہ کی وجہ سے تو صحیح نہیں ہے لیکن اگر دونوں کے درمیان تفریق حق مستحق کی وجہ سے ہو مثلاً دونوں میں سے ایک نے جنایت نفس کی یعنی کسی کو قتل کر دیا اور مالک نے یہ غلام جانی۔ ولی متقول کو دیدیا یا جنایت مال کی کہ کسی کا مال ہلاک کر دیا اور آقا نے بطور تادان یہ غلام جانی۔ مالک مال کو دیدیا تو یہ تفریق مکروہ نہیں ہے۔ یا دونوں کو ایک ساتھ خریدا تھا پھر ایک میں عیب نکل آیا اور مالک نے اسی عیب دار غلام کو واپس کر دیا دوسرے کے بغیر تو یہ تفریق مکروہ نہیں ہے کیونکہ یہ تفریق حق مستحق کی وجہ سے ہے اور مولیٰ کا مقصد اپنے اوپر سے ضرر دور کرنا ہے نہ کہ غلام کو ضرر پہنچانا اور اپنے آپ سے ضرر دور کرنے کا ہر ایک کو اجازت ہے اس لئے اس تفریق میں کوئی مضائقہ نہیں ہے

ولا بیع من یزید... اور بیع من یزید بلا کراہت جائز ہے یعنی کسی چیز کو نیلام کرنا بولی لگا کر بیچنا اس کا جواز حدیث انسؓ سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک انصاری کا کبیل اور پیالہ بیچا تھا اور فرمایا کہ کون اس کو خریدے گا ایک صحابی نے کہا کہ میں ایک درہم میں خرید لوں گا آپ ﷺ نے فرمایا کہ کون زیادہ دے گا حتیٰ کہ ایک صحابی نے دو درہم پر لے لیا تو اس سے اس بیع کا جواز ثابت ہوا۔ نیز یہ فقراء کی بیع ہے اور فقراء کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچانے کی ضرورت ہے اس لئے یہ بیع جائز ہے

ختم شد باب البيع الفاسد بفضلہ تعالیٰ

## ( باب الاقالة )

بنا بر لغت صحیح اقالہ قیل سے مشتق ہے نہ کہ قول سے اجوف واوی نہیں بلکہ اجوف یائی ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ، کُلْتُ البیع کہا جاتا ہے قاف کے کسرہ کے ساتھ نہ کہ کُلْتُ البیع قاف کے ضمہ کے ساتھ صحاح لغت کی کتاب ہے اس میں اقالہ کا لفظ قاف مع الیاء کی فصل میں ذکر کیا ہے نہ کہ قاف مع الواؤ کے ساتھ اس سے اس لفظ کا اجوف یائی ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اقالہ باب افعال کا مصدر ہے اس کا لغوی معنی ہے توڑنا اور ساقط کرنا اور اصطلاحی معنی، رفع العقد السابق بالثمن السابق، عقد سابق کو ختم کرنا ثمن سابق کے ساتھ۔ اقالہ کو بیع فاسد اور بیع مکروہ کے بعد اس لئے ذکر کیا کہ بیع فاسد اور بیع مکروہ معصیت اور گناہ کی وجہ سے واجب الرد ہے اور رد بیع اقالہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور اقالہ کرنا مندوب ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے

،، من اقال نادما بیعته اقال الله عشراته يوم القيامة ،،

جو کوئی نادم کو اس کی بیع کا اقالہ کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکی لغزشوں کو دور کر دے گا

ہی فسخ فی حق المتعاقدين وبيع فی حق ثالث الاقالة فسخ فی حق العاقدین بیع فی حق غیرہما عند ابی حنیفہ فان لم یمن جعلها فسخاً فی حقہما یبطل وفائدة انه بیع فی حق الثالث انه یجب الشفعة بالاقالة فان الشفیع ثالثہما ویجب الاستبراء لانه حق الله تعالیٰ والله ثالثہما وعند ابی یوسف ہی بیع فان لم یمن جعلها بیعاً تجعل فسخاً فان لم یمن تبطل وعند محمد عکس هذا فبطلت بعد ولادة المبیعة هذا تفریع علی کونها فسخاً اذ بعد الولادة لا یمن الفسخ فتبطل عند ابی حنیفہ وعندہما لا تبطل لانہا تکتون بیعاً

ترجمہ۔ اقالہ بیع کو فسخ کرنا ہے متعاقدین کے حق میں اور بیع ہے ثالث کے حق میں۔ اقالہ فسخ کرنا ہے متعاقدین کے حق میں اور بیع ہے ان دونوں کے علاوہ کے حق میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر ممکن نہ ہو فسخ قرار دینا ان دونوں کے حق میں تو باطل ہو جائے گا اور اس بات کا فائدہ کہ یہ بیع ہے ثالث کے حق میں یہ ہے کہ واجب ہوگا شفعة اقالے سے کیونکہ شفع ان دونوں کا ثالث ہے اور واجب ہے استبراء اس لئے کہ یہ اللہ کا حق ہے اور اللہ ان دونوں کا ثالث ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک یہ بیع ہے اگر اس کو بیع قرار دینا ممکن نہ ہو تو پھر فسخ قرار دیا جائے گا اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو باطل ہوگا اور امام محمد کے نزدیک اس کا عکس ہے تو باطل ہے خریدی ہوئی باندی کی بیع ولادت کے بعد یہ تفریع ہے اس کے فسخ ہونے پر کیونکہ ولادت کے بعد فسخ کرنا ممکن نہیں ہے تو باطل ہو جائے گا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک باطل نہیں ہے کیونکہ یہ بیع ہے

تشریح اقالہ کی تعریف: اقالہ کہتے ہیں بیع کو فسخ کرنا ثمن اول کے ساتھ یعنی مشتری پر بیع اول اور بائع پر ثمن اول واپس کرنا لازم ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اقالہ متعاقدین کے حق میں فسخ بیع ہے اور ان دونوں کے علاوہ کے حق میں بیع جدید ہے۔ اور اگر دونوں کے حق میں فسخ بیع ناممکن نہ ہو تو باطل ہوگا۔ متعاقدین کے حق میں فسخ ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ بائع پر فقط ثمن اول واپس کرنا واجب ہے ثمن سے زیادتی یا کمی کی شرط لگانا باطل ہے اگر یہ بیع ہوتی ان دونوں کے حق میں تو کمی یا زیادتی کی شرط لگانا باطل نہ ہوتا بلکہ جس مقدار پر دونوں راضی ہوتے وہی واجب ہوتی جب ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ ان دونوں کے حق میں فسخ بیع ہے نہ کہ بیع۔ اور ثالث کے حق میں بیع جدید ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں شفیع کیلئے شفعہ واجب ہوگا اقالہ کرنے کے بعد کیونکہ شفعہ ثالث ہے ان دونوں کے حق میں یعنی جس وقت بائع مشتری کو مکان دے رہا تھا اس وقت شفیع نے حق شفعہ چھوڑ دیا تھا لیکن اب جب مشتری مکان بائع کو واپس کر رہا ہے یعنی اقالہ کر رہا ہے تو شفیع کیلئے شفعے کا حق پھر ثابت ہوگا کیونکہ یہ اقالہ بیع جدید ہے شفیع کے حق میں اس لئے کہ شفعہ ثالث ہے۔ اسی طرح بائع پر استبراء واجب ہوگا یعنی بائع نے مشتری کو ایک باندی فروخت کی تھی ہزار روپے کے عوض پھر مشتری نے یہ باندی بائع کو بطور اقالہ واپس کر دی تو بائع پر استبراء واجب ہے کہ اس کے ساتھ وہی نہ کرے یہاں تک کہ اس کو ایک حیض آجائے اور رحم کی پاکی معلوم ہو جائے یہاں اگرچہ بائع اور مشتری کے حق میں یہ فسخ بیع ہے لیکن ثالث کے حق میں بیع جدید ہے لہذا استبراء واجب ہوگا کیونکہ استبراء حق اللہ ہے اللہ پاک ان دونوں کا ثالث ہے۔

اقالہ بیع ہے یا فسخ بیع: اصل تو یہ ہے کہ اقالہ فسخ بیع ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر اس کو فسخ قرار دینا ممکن نہ ہو تو پھر اقالہ ہی باطل ہوگا۔ جیسے کہ بائع نے ایک باندی مشتری کو فروخت کر دی اور باندی نے مشتری کے ہاں ایک بچہ جناب اگر عاقدین اقالہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتے کیونکہ بیع میں ایسی زیادتی ہوئی ہے جو بیع سے منفصل نہیں ہو سکتی اب اس بیع کو ثمن اول پر فسخ کرنا ممکن نہیں ہے تو بیع اول اپنے حال پر باقی رہے گی

حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اقالہ اصل میں بیع ہے اگر اس کو بیع قرار دینا ممکن نہ ہو تو فسخ قرار دیا جائے گا اور اگر فسخ قرار دینا ممکن نہ ہو تو اقالہ باطل ہوگا اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری نے بائع سے ایک ہزار روپے کے عوض ایک غلام خریدا اور مشتری نے غلام پر قبضہ بھی کر لیا اور پھر دونوں نے اقالہ کیا ایک ہزار روپے کے عوض تو یہ اقالہ بیع ہے یعنی مشتری نے بائع کو ایک ہزار روپے کے عوض غلام واپس فروخت کیا۔ اور اگر مشتری نے غلام پر قبضہ کرنے سے پہلے یہ غلام بائع کو واپس کر دیا تو اس اقالہ کو بیع قرار دینا ممکن نہیں ہے کیونکہ شئی منقول پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا لازم آتا ہے حالانکہ شئی منقول میں قبضہ



کرنے سے پہلے تصرف جائز نہیں ہے لہذا اس اقالہ کو فسخ پر حمل کیا جائے گا۔ اور اگر اس غلام پر قبضہ کرنے سے پہلے یہ غلام دس من گندم کے عوض بائع کو واپس کر دیا تو اس صورت میں اقالہ باطل ہے اسلئے کہ اس کو بیع قرار دینا تو اس لئے ممکن نہیں ہے کہ مشتری نے غلام پر قبضہ کئے بغیر اقالہ کیا ہے اور بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح فسخ بیع قرار دینا اس لئے ممکن نہیں ہے کہ فسخ بیع ثمن اول کے عوض ہوتا ہے اور یہاں پر دس من گندم کو عوض بنا لیا ہے جو ثمن اول کی جنس سے نہیں ہے اور ثمن اول کی جنس کے خلاف پر بیع فسخ نہیں ہوتی پس جب نہ بیع قرار دینا ممکن ہے اور نہ فسخ قرار دینا ممکن ہے تو اس صورت میں اقالہ ہی باطل ہو جائے گا اور جب اقالہ باطل ہو تو بیع اول اپنے حال پر باقی رہے گی۔

اور امام محمد کے نزدیک اس کا ٹکس ہے یعنی اقالہ اصل میں صحیح ہے اگر اس کو فسخ قرار دینا ممکن نہ ہو تو پھر بیع قرار دیا جائے گا اور اگر بیع قرار دینا بھی ممکن نہ ہو تو پھر اقالہ ہی باطل ہو جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری نے ایک ہزار کے عوض ایک باندی خرید لی اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد ایک ہزار روپے کے عوض بائع کو واپس کر دی تو یہ فسخ بیع ہے اور اگر باندی نے بچہ جنا تو اس کو فسخ قرار دینا ممکن نہیں کیونکہ بیع کے ساتھ زیادتی متعلقہ ہوتی ہے جو فسخ سے مانع ہے جب اس صورت میں فسخ قرار دینا ممکن نہیں تو ایک بیع قرار دیا جائے گا گویا کہ مشتری نے ایک ہزار کے عوض بائع کو باندی اور بچہ دونوں فروخت کر دئے اور اگر ایک ہزار کے عوض باندی خرید لی اور اس پر قبضہ کئے بغیر بائع کو دس من گندم کے عوض واپس کر دیا تو یہ نہ فسخ بیع ہے اور نہ بیع۔ فسخ بیع تو اس لئے نہیں ہے کہ فسخ ہوتا ہے ثمن اول پر اور یہاں ثمن اول کی جنس کے خلاف پر اقالہ ہوا ہے لہذا فسخ تو ممکن نہیں ہو سکتا اور بیع قرار دینا اسلئے نہیں ہے کہ بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کا ہونا لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے لہذا بیع قرار دینا بھی ممکن نہیں ہے جب نہ اس کو فسخ قرار دینا ممکن ہے اور نہ بیع قرار دینا ممکن ہے تو اقالہ ہی باطل ہو جائے گا اور جب اقالہ باطل ہو تو بیع اول اپنے حال پر باقی رہے گی۔۔ تینوں حضرات کے دلائل آپ ہدایہ میں پڑھ لیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ

وصححت بمثل الثمن الاول وان شرط غیر جنسہ او اکثر منہ اذا تقایلا علی غیر جنس

الثمن الاول و علی اکثر منہ فعند ابی حنیفۃ یجب الثمن الاول لان الاقالۃ فسخ عندہ والفسخ لا یكون الاعلی الثمن الاول فذلک الشرط شرط فاسد والاقالۃ لا تقسّد بالشرط الفاسد فصحت

الاقالۃ وبطل الشرط وعندہما یكون بیعا بذلک المسمی وکذا فی الاقل الا اذا تعیب ذلک

ای یجب الثمن الاول اذا تقایلا علی اقل منہ الا اذا تعیب فح یجب الاقل وهذا عند ابی حنیفۃ

وکذا عند محمد تکون فسخا بالثمن الاول الا انہ سکوت عن بعض الثمن الاول ولو سکت عن

الکل واقال کان فسخا فہذا الولی الا انہ اذا دخل عیب فانہ فسخ بالاقل ولم یمنعها ہلاک

الشمین بل هلاك المبيع وهلاك بعضه يمنع بقدره والله اعلم

ترجمہ.. اور اقالہ صحیح ہے ثمن اول کے مثل کیساتھ اگر شرط لگائی ہو غیر جنس کی یا اس سے زیادہ پراقالہ کی ثمن اول کی جنس کے علاوہ پر تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ثمن اول واجب ہوگا کیونکہ اقالہ فسخ ہے ان کے نزدیک اور فسخ نہیں ہوتا مگر ثمن اول پر تو یہ شرط شرط فاسد ہے اور اقالہ شرط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا تو اقالہ صحیح اور شرط فاسدہ ہے اور صاحبین کے نزدیک یہ بیع ہے اسی مسی کے ساتھ اسی طرح کمی کی شرط لگانے میں مگر یہ کہ عیب دار ہو جائے یعنی ثمن اول واجب ہوگا جب ثمن اول سے کم پراقالہ کیا مگر یہ کہ عیب دار ہو جائے تو پھر کم واجب ہوگا یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ بیع ہے ثمن اول سے کم قیمت پر کیونکہ اصل یہ ہے کہ یہ بیع ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ فسخ ہے ثمن اول پر کیونکہ یہ سکوت ہے بعض ثمن اول سے اگر وہ پورے ثمن سے سکوت اختیار کرتا اور اقالہ کرتا تو فسخ ہوتا تو یہ اولیٰ ہے مگر یہ کہ اس میں عیب داخل ہو جائے کیونکہ یہ فسخ ہے کم قیمت کے ساتھ اور اقالہ کو منع نہیں کرتا ثمن کا ہلاک ہونا بلکہ بیع کا ہلاک ہونا (منع کرتا ہے) اور بعض کا ہلاک ہونا منع کرتا ہے اسکے بقدر

تشریح اقالہ بیع ہے یا فسخ بیع اس میں حضرات حنفیہ کا اختلاف:

جب سابقہ اصل تمہاری سمجھ میں آگئی تو اب سمجھ لو کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اقالہ فسخ کا نام ہے اور اگر فسخ قرار دینا ممکن نہ ہو تو اقالہ باطل ہوگا۔ اس ضابطے کی روشنی میں ہم کہتے ہیں کہ جب ثمن اول سے زیادتی کی شرط لگائی یا غیر جنس کی شرط لگائی مثلاً ثمن اول ایک ہزار ہے مگر اب بائع اور مشتری نے اقالہ پندرہ سو روپے پر کیا تو اقالہ ایک ہزار کے عوض میں صحیح ہو جائے گا اور پانچ سو روپے کی شرط باطل ہوگی اس لئے کہ سابقہ ثمن ایک ہزار روپے تھا یا ہزار روپے کے بجائے اقالہ دس من گندم کے عوض کیا تو ایک ہزار روپے دینا لازم ہوگا اور دس من گندم کی شرط باطل ہوگی کیونکہ اقالہ نام ہے بیع کو فسخ کرنے کا اور فسخ ثمن اول سے زیادتی پر نہیں ہوتا اس لئے کہ فسخ نام ہے اس چیز کو دور کرنے کا جو پہلے سے ثابت ہو اور ثمن اول پر جو اضافہ ہے وہ پہلے سے ثابت ہے ہی نہیں تو اس کو دور کیسے کیا جائے گا لہذا ثمن اول پر اضافے کی شرط یا غیر جنس کی شرط باطل ہے لیکن اقالہ چونکہ شرط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا لہذا شرط خود فاسد ہوگی اور اقالہ درست ہوگا۔

حضرات صاحبین کے نزدیک چونکہ یہ بیع ہے لہذا ثمن اول سے اضافے کے ساتھ بھی صحیح ہے اور غیر جنس پر بھی صحیح ہے جس طرح عام بیع میں ہوتا ہے یعنی جس ثمن پر بائع اور مشتری راضی ہو جائے تو بیع درست ہوتی ہے اسی طرح یہ بھی ہے۔

اسی طرح اگر ثمن اول سے کمی کی شرط لگادی تو تب بھی ثمن اول پر فسخ ہوگا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یعنی ثمن اول ایک ہزار

روپے تھا اور بائع نے شرط لگائی کہ میں آٹھ سو روپے واپس کروں گا تو یہ شرط لگانا باطل ہے اور ایک ہزار روپے واپس کرنا لازم ہوگا ورنہ پھر تو غیر ثابت شدہ چیز کو دور کرنا لازم ہوگا اور یہ محال ہے اسلئے کہ سابقہ عقد میں ثمن ناقص ثابت نہیں تھا تو اس کو دور کیسے کیا جائے گا لہذا یہ شرط باطل ہے اور اقالہ ایک ہزار روپے پر کیا جائے گا۔ ہاں اگر بیع میں مشتری کے پاس عیب پیدا ہو گیا ہو تو اس صورت میں ثمن اول سے کم پر بھی اقالہ درست ہے کیونکہ عیب کی وجہ سے ثمن اول میں جو مقدار کم کی گئی ہے یہ بیع کے اس جز کے مقابلے میں ہے جو مشتری کے پاس رہ گیا ہے مثلاً ثمن اول ہزار روپے تھا عیب کی وجہ سے آٹھ سو روپے پر اقالہ ہوا تو دوسو روپے اس جز کے عوض میں ہو گئے جو مشتری کے پاس رہ گیا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ اقالہ بیع ہے کیونکہ ان کے نزدیک اقالہ کا بیع ہونا ہی اصل ہے لہذا بیع جس طرح ثمن اول سے زیادہ پر درست ہے اسی طرح ثمن اول سے کم پر بھی درست ہے۔

اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ بیع ہے ثمن اول پر یعنی بائع پر ثمن اول (ہزار روپے) دینا واجب ہے اور کمی کی شرط لگانا باطل ہے ہاں اتنی بات ہے کہ جب بائع نے کہا کہ میں ہزار کے بجائے آٹھ سو روپے دوں گا تو بائع نے ثمن کے ایک حصے (۲۰۰ روپے) سے سکوت اختیار کیا اگر بائع پورے ثمن سے خاموشی اختیار کرتا تو بھی ثمن اول ہی واجب ہوتا اسی طرح جب بعض حصے (۲۰۰ روپے) سے خاموشی اختیار کی تو تب بھی ثمن اول واجب ہوگا جب تک بیع پر عمل ممکن ہو تو بیع کی طرف صبر و رت نہ ہوگی برخلاف اسکے کہ ثمن اول پر اضافہ کیا جائے تو وہاں اضافے کے ساتھ بیع قرار دینا ممکن نہیں ہے لہذا مجبوراً بیع قرار دیا جائے گا البتہ اگر بیع میں عیب پیدا ہو گیا تو پھر امام محمدؒ کے نزدیک بھی یہ بیع کرنا ہے ثمن اقل کے ساتھ پھر سکوت اور خاموشی کی تاویل کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔

ولم یسنعھا ہلاک الثمن بل السبیح ... مسئلہ یہ ہے کہ ثمن کا ہلاک ہونا صحت اقالہ کیلئے مانع نہیں ہے لیکن بیع کا ہلاک ہو جانا صحت اقالہ کیلئے مانع ہے کیونکہ اقالہ نام ہے بیع کو دور کرنے کا اور بیع قائم ہوتی ہے بیع کے ساتھ نہ کہ ثمن کے ساتھ کیونکہ بیع میں بیع اصل ہے ثمن تو بمنزلہ وصف ہے جب تک بیع قائم ہو تو اس کا بیع کرنا یعنی اقالہ کرنا درست ہے اور جب بیع موجود نہ ہو تو اس کا بیع کرنا یعنی اقالہ کرنا درست نہیں ہے اور اگر بعض بیع ہلاک ہو گئی اور بعض باقی ہو تو جو موجود ہے اس میں اس کے ثمن کے بقدر اقالہ درست ہے اور جو ہلاک ہوئی ہے اس میں درست نہیں ہے کیونکہ وہ کان لم یکن ہے واللہ اعلم ☆

۳۰ جولائی ۲۰۰۶ء

۳۔ رجب۔ ۱۴۲۷ھ

## باب المراءجة والتولية

( یہ باب ہے مراءجہ اور تولیہ کے بیان میں )

تشریح :: ثمن کے اعتبار سے بیع کے اقسام : ابھی تک ان بیوع کا بیان تھا جن کا تعلق نفس بیع سے ہوتا ہے اب یہاں سے ان بیوع کا بیان فرما رہے ہیں جن کا تعلق ثمن سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ثمن کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں۔  
(۱) بیع مساومہ (۲) بیع وضعیہ (۳) بیع مراءجہ (۴) بیع تولیہ۔

تفصیل (۱) مساومہ۔۔ سامان کا بھاد کرنا قطع لحاظ ثمن اول سے (۲) وضعیہ ثمن اول سے کم کے عوض فروخت کرنا  
(۳) مراءجہ۔۔ ثمن اول سے زائد کے عوض فروخت کرنا (۴) تولیہ۔۔ ثمن اول کے مثل پر فروخت کرنا۔

المراءجة هي بيع المشتري بثمنه وفضل والتولية بيعه بلافضل والمراءجة هي ان يشترط ان البيع بالثمن الاول الذي اشترى به مع فضل معلوم والتولية ان يشترط انه بذلك الثمن بلافضل وشرطهما شرائه بمثلي لان فائدة هذين البيعين ان الغبي يعتمد على فعل الذكي فتطيب نفسه بمثل ما اشترى به هو او بمثله مع فضل وهذا المعنى انما يظهر في ذوات الامثال دون ذوات القيم لان ذوات القيم قد تطلب بصورتها من غير اعتبار ماليتها وايضاً القيمة مجهولة ومبني البيعين على الامانة

ترجمہ... بیع مراءجہ فروخت کرنا ہے مشتری کا ثمن اول پر کچھ اضافے کے ساتھ اور تولیہ فروخت کرنا ہے ثمن اول پر بغیر اضافے کے۔ مراءجہ یہ ہے کہ اس میں یہ شرط لگائی جائے کہ بیع ثمن اول پر ہے جس پر خریدا ہے کچھ معلوم اضافے کے ساتھ اور تولیہ میں یہ شرط ہو کہ فروخت کرنا ثمن اول پر بغیر اضافے کے : اور ان دونوں کی شرط یہ ہے کہ خریدی ہوئی ہو مثلی ثمن پر کیونکہ ان دونوں بیعوں کا فائدہ یہ ہے کہ غبی آدمی ایک ہوشیار کے فعل پر اعتماد کرتا ہے تو اس کا دل خوش ہوتا ہے اس کے مثل پر جس پر خریدا ہے یا اسکے مثل پر بیع کچھ اضافے کے اور یہ معنی ظاہر ہوتا ہے مثلی چیزوں میں نہ کہ قیمت والی چیزوں میں کیونکہ قیمت والی چیزیں کبھی اسکی صورت مطلوب ہوتی ہے مالیت کا اعتبار اس میں نہیں ہوتا اور یہ بھی کہ قیمت مجہول ہوتی ہے اور ان دونوں بیعوں کی بنیاد امانت پر ہے

تشریح :: بیع مراءجہ اور تولیہ کی تعریف : بیع مراءجہ یہ ہے کہ مشتری نے جس قدر ثمن کے عوض سامان خریدا ہے اس پر

معلوم نفع بڑھا کر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دے مثلاً ایک سائیکل دو ہزار روپے پر خریدی تھی اس پر دو سو (۲۰۰) روپے نفع بڑھا کر بائیس سو (۲۳۰۰) روپے میں فروخت کر دے یہ مراجمہ ہے۔

اور بیع تولیہ یہ ہے کہ جس قدر عوض پر سامان خریدا ہو اسی پر فروخت کر دے بغیر کچھ اضافے کے مثلاً سائیکل خریدی تھی دو ہزار (۲۰۰۰) روپے میں اور پھر کسی دوسرے کے ہاتھ پر دو ہزار (۲۰۰۰) روپے ہی میں فروخت کر دے۔ یہ دونوں بیوع جائز ہیں جواز کی وجہ ایک تو انہیں بیع کے جواز کے تمام شرائط موجود ہیں۔ دوم یہ کہ اسی طرح خرید و فروخت پر لوگوں کا تعامل ہے سوم یہ کہ اس قسم بیع کی ضرورت ہے (کما سیجی، تفصیلہ) چہارم یہ کہ بیع تولیہ خود حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ہجرت کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیق سے قصواء نامی ادنیٰ بطور تولیہ خریدی تھی کما فی الحدیث۔“

**بیع مراجمہ اور تولیہ کے جواز کی شرط:**... بیع مراجمہ اور تولیہ کے جواز کیلئے شرط یہ ہے کہ ثمن ذوات الامثال میں سے ہو یعنی ملکیتی موزونی اور عددی متقارب اشیاء میں سے ہو۔ ذوات القیم میں سے نہ ہو وجہ یہ ہے کہ جو سابقہ وجہ نمبر (۳) بھی ہے کہ بیع مراجمہ اور تولیہ اس قسم بیع کی ضرورت بھی ہے وہ اس طرح کہ ایک غبی آدمی جو تجارت کے معاملات سے ناواقف ہوتا ہے اس کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک تجربہ کار اور واقف کار شخص پر اعتماد کرے اور اپنے دل کو خوش کرے کہ یہ چیز اس قیمت پر لوں گا جس پر اس شخص نے لیا ہے یا کچھ معین اضافہ کے ساتھ اور یہ معنی ظاہر ہوتا ہے ذوات الامثال میں نہ کہ ذوات القیم میں کیونکہ ذوات الامثال میں ثمن معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہزار روپے پر چیز خریدی ہے اور گیارہ سو (۱۱۰۰) روپے پر فروخت کر رہا ہے یا ایک ہزار پر فروخت کر رہا ہے پہلی صورت میں مراجمہ ہے اور دوسری صورت میں تولیہ۔ اب اگر ثمن اول ہزار روپے کے بجائے ایک گھوڑا ہو تو مشتری ثانی تو وہی گھوڑا بعینہ دے نہیں سکتا بلکہ ضرور بالضرور اس کی قیمت لگائے گا اور قیمت میں یہ ضروری نہیں کہ یہ ہزار روپے ہی کا ہو بلکہ کم اور زیادہ بھی ہو سکتا ہے تو اس میں شبہ خیانت آ گیا اور مراجمہ تولیہ میں خیانت اور شبہ خیانت دونوں سے بچنا ضروری ہے اسی وجہ سے ہم نے کہا کہ ثمن اول ذوات الامثال میں سے ہو ذوات القیم میں سے نہ ہونی یہ بھی ہے کہ بسا اوقات ذوات القیم میں قیمت مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس چیز کی صورت مقصود ہوتی ہے مثلاً ایک گھوڑا ہے رنگت میں بہت ہی خوبصورت ہے لیکن کام کا بالکل نہیں ہے ایک آدمی رنگ کی وجہ سے ہزار روپے پر خریدتا ہے لیکن بازار میں اس کی قیمت معلوم کی جائے تو وہ پانچ سو کا بھی نہیں ہے اسی وجہ سے ذوات الامثال میں قیمت سے پتہ نہیں چلتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قیمت مجہول ہے اور ان دونوں بیوع کی بنیاد امانت پر ہے اور جہالت سے امانت میں شبہ خیانت آتا ہے جو کہ ناجائز ہے لہذا ذوات القیم میں ثمن اول کا پتہ نہیں چلتا۔

وله ضم اجرة القصار والصباغ والطراز والقتل والحمل الى ثمنه لكن يقول قام على بكذا لا اشتريته بكذا فان ظهر للمشتري خباية في المراجعة اخذه بثمنه او رده وفي التولية حط من ثمنه وعند ابي يوسف يحط فيهما وعند محمد خير فيهما

ترجمہ: اور بائع کیلئے جائز ہے ملانا دھوبی کی اجرت اور رنگساز کی اجرت اور نقش ونگار والے کی اجرت اور سی بٹنے کی اور اٹھانے کی اجرت اس کے ثمن کے ساتھ لیکن یوں کہے گا کہ یہ چیز مجھے اتنے میں پڑی ہے یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے میں خریدی ہے اگر مشتری کیلئے خیانت ظاہر ہوئی مراءضہ میں تولے لے پورے ثمن کے ساتھ یا واپس کر دے اور تولے میں کچھ کرے اس کے ثمن سے اور امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں میں کم کر دے اور امام محمد کے نزدیک دونوں میں اختیار ہے

**تشریح: بیع مراءضہ اور تولیہ میں اٹھانے کی مزدوری رأس المال کے ساتھ ملائی جائے گی:**

بیع مراءضہ اور تولیہ میں بیع کرتے وقت رأس المال کے ساتھ یعنی ثمن کے ساتھ دھوبی رنگساز وغیرہ کی اجرت ملانا جائز ہے مثلاً ایک تھان خریداً ہزار روپے پر پھر دھوبی سے پچاس (۵۰) روپے میں دھلوا یا تو اب وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ تھان مجھے (۱۰۵۰) روپے میں پڑا ہے اب اگر تولیہ کرے گا تو (۱۰۵۰) روپے پر کرے گا اور اگر مراءضہ کرے گا تو (۱۱۰۰) روپے پر دے گا یا مثلاً سفید کپڑا (۱۰۰) روپے میں خرید پھر (۵۰) روپے میں اس کو رنگ دیا تو مراءضہ کرے گا (۱۵۰) روپے پر یا ایک سادہ سفید کپڑا خرید (۱۰۰) روپے میں پھر اس کے اندر نقش ونگار کیا (۵۰) روپے میں تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کپڑا مجھے پڑا ہے (۱۵۰) روپے میں اسی پر مراءضہ یا تولیہ کر سکتا ہے یا ایک چادر پانچ سو (۵۰۰) روپے میں خریدی اور پھر اسکے جھالہ بٹوائے (۱۰۰) میں تولیہ (۶۰۰) روپے میں پڑ گئی لہذا اب بطور مراءضہ (۷۰۰) روپے میں بیچ سکتا ہے اور بطور تولیہ (۶۰۰) روپے میں اسی طرح اگر گندم لاہور میں خرید لی ہزار روپے فی من کے حساب سے لیکن اس پر وہاں سے سوات لانے کا خرچہ فی من سو روپے آگیا تو اب فی من گندم اس کو پڑ گئی گیارہ سو روپے میں۔

**ضابطہ:** اصل اور ضابطہ اس باب میں یہ ہے کہ جو چیز خود بیع یا اس کی قیمت میں اضافہ کرتی ہے اس کو رأس المال کے ساتھ ملانا جائز ہے اور مذکورہ سب صورتیں اسی قبیل سے ہے لیکن بائع یہ نہ کہے گا کہ میں نے یہ چیز اتنے میں خریدی ہے بلکہ یہ کہے گا کہ یہ چیز مجھے اتنے میں پڑی ہے تاکہ جھوٹ لازم نہ آئے کیونکہ جھوٹ بولنا حرام ہے

**فان ظہر للمشتري خيانة... صورت مسئلہ یہ ہے کہ عمران کے پاس ایک سائل ہے عمران نے حامد سے کہا کہ میں نے یہ**



اشتری بعشرة وباعه بخمسة عشر ثم اشتراه بعشرة فانه ان باعه مرابحة يقول قام على بخسة وان اشتراه بعشرة وباعه بعشرين ثم اشتراه بعشرة لايبيعه مرابحة اصلاً وعندهما يقول قام على بعشرة في الفصلين لان البيع الثاني بيع متجدد منقطع الاحكام عن الاول ولا يبي حنيقة ان قبل الشراء الثاني يحتمل ان يطلع على عيب فيرده عليه فيسقط الربح الذي ربحه فاذا اشتراه ثانياً تاكد ذلك الربح فصار للمشتري الثاني شبهة ان الربح حصل به فلا يكون منقطع الاحكام عن الاول -

ترجمہ: اگر کسی نے کوئی چیز خرید لی نفع پر بیچنے کے بعد پس اگر اس کو مرابحہ بیچنا چاہے تو اس سے کم کرے وہ نفع جو پہلے حاصل کیا ہے اور اگر نفع پورے ٹمن کو گھیر لے تو اس کو بطور مرابحہ فروخت نہ کرے یعنی ایک چیز دس روپے میں خرید لی اور پندرہ میں بیچ دی پھر واپس خرید لیا دس روپے میں پس اگر اس کو بطور مرابحہ بیچنا چاہے تو کہے کہ یہ مجھے پانچ روپے میں پڑی ہے اور اگر اس کو خرید لیا دس روپے میں تو اب بطور مرابحہ بالکل نہ بیچے اور صاحبین کے نزدیک کہے دونوں صورتوں میں کہ مجھے پڑی ہے دس روپے میں کیونکہ بیچ ٹانی ایک نئی بیچ ہے جس کے احکام پہلی بیچ سے بالکل جدا ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ شرا ثانی سے پہلے یہ احتیاط ل ہے کہ عیب پر نفع ہو جائے اور اسکو واپس کر دے تو ساقط ہو جائے گا وہ نفع جو اس نے کمایا ہے پس جب اس نے خرید لیا دوبارہ تو نفع یقینی ہو گیا پس ثابت ہوا کہ مشتری ثانی کیلئے یہ شبہ کہ نفع حاصل ہوا ہے اس سے تو اس کے احکام بیچ اول سے بالکل الگ نہیں ہیں۔

**تشریح: بیچ مرابحہ کی بنیاد امانت پر ہے تو فروخت کئی ہوئی چیز سے سابقہ نفع منہا کرے:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ خالد کے پاس کپڑے کا ایک تھان تھا جو خالد نے دس روپے میں خریدا پھر خالد نے یہ تھان حامد کے ہاتھ پندرہ روپے میں بیچ دیا پانچ روپے نفع کمایا پس خالد نے ٹمن اور حامد نے تھان پر قبضہ کر لیا پھر اس کے بعد خالد نے یہی تھان حامد سے دس روپے میں واپس خرید لیا خالد نے تھان پر اور حامد نے ٹمن یعنی دس روپے پر قبضہ کر لیا اب اگر خالد اس تھان کو بطور مرابحہ بیچنا چاہے تو وہ پانچ روپے پر مرابحہ کرے گا یعنی یوں کہے گا کہ یہ تھان مجھے پانچ روپے میں پڑا ہے یہ نہ کہے گا کہ یہ تھان مجھے دس روپے میں پڑا ہے کیونکہ بیچ سابق سے جو نفع حاصل ہوا ہے یعنی پانچ روپے اس کو اس المال سے کم کرے گا تو ٹمن پانچ روپے رہ جائے گا۔۔۔۔

اور اگر خالد نے دس روپے میں تھان خریدا تھا پھر حامد کے ہاتھ میں روپے میں بیچ دیا خالد نے ٹمن اور حامد نے تھان پر قبضہ کر لیا



پھر خالد نے یہی تھان حامد سے دس روپے میں واپس خرید لیا تو اب بطور مراءضہ بالکل نہیں بیچ سکتا کیونکہ مراءضہ کیلئے ضروری ہے کہ ثمن اول معلوم اور موجود ہو اور یہاں پر اس المال سے سابقہ نفع کم کرنے کے بعد ثمن اول باقی ہے ہی نہیں تو مراءضہ کس چیز پر کیا جائے گا ہاں اگر یہ صراحتہ بیان کرے کہ میں نے ایک بار بیچا تھا پھر واپس خرید لیا اور ثمن ثانی پر اتنا نفع حاصل کر رہا ہوں تو پھر یہ مراءضہ ٹھیک ہے۔

حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں (نفع ثمن کو گھیر لے یا نہ گھیرے) بغیر تفصیل بیان کئے دس روپے پر مراءضہ کر سکتا ہے

حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ بیع ثانی ایک عقد جدید ہے جس کے احکام بیع اول سے بالکل الگ ہیں جب اسکے احکام بیع اول سے بالکل الگ ہیں تو بیع ثانی کے ثمن یعنی دس روپے پر مراءضہ کر سکتا ہے جیسے کہ ایک تیسرا آدمی درمیان میں حائل ہو جائے مثلاً خالد نے تھان فروخت کیا حامد کو اور حامد نے فروخت کیا عمران کے ہاتھ اور پھر خالد نے عمران سے خرید لیا دس روپے میں تو خالد دس روپے پر مراءضہ کر سکتا ہے بلا بیان اسی طرح یہاں بھی مراءضہ کر سکتا ہے

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جو نفع عقد اول کی وجہ سے حاصل ہوا ہے یعنی پانچ روپے کا نفع تو اس نفع کے حصول کا شبہ عقد ثانی سے بھی ثابت ہے یعنی جب خالد نے یہ تھان حامد کے ہاتھ پندرہ روپے میں فروخت کیا اور پھر اس سے دس روپے میں واپس لے لیا تو پانچ روپے کا جو خالد کو نفع ہوا یہ عقد ثانی سے ثابت ہوا اس لئے کہ عقد ثانی سے پہلے اس کے ساقط ہونے کا امکان ہے اس طور پر کہ اگر حامد بیع کے اندر عیب پر مطلع ہو جائے تو وہ تھان خالد کو واپس کر دے گا اور اپنا پندرہ روپے واپس لے لے گا لہذا حامد کو جو پانچ روپے نفع حاصل ہو رہا تھا وہ ساقط ہو جائے گا لیکن جب خالد نے مذکورہ تھان حامد سے واپس دس روپے میں خرید لیا تو پانچ روپے کا نفع خالد کیلئے مضبوط اور متناکد ہو گیا پس پانچ روپے کا نفع ہیئتہً تو عقد اول سے حاصل ہوا ہے لیکن متناکد ہوا ہے عقد ثانی سے اس لئے اس میں یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ یہ نفع عقد ثانی سے حاصل ہوا ہے یہ ایسا ہو گیا گویا کہ خالد نے حامد سے دس روپے کے عوض ایک تھان اور پانچ روپے خرید لئے پانچ روپے تو پانچ روپے کے عوض ہو گئے اور تھان بھی پانچ روپے کے عوض میں ہو گیا اور جب تھان پانچ روپے کے عوض میں ہو گیا تو خالد پانچ روپے پر مراءضہ کر سکتا ہے کیونکہ دس روپے پر مراءضہ کرنے کی صورت میں خیانت کا شبہ ہو سکتا ہے اور بیع مراءضہ اور تولیہ میں خیانت اور شبہ خیانت دونوں سے احتراز ضروری ہے

ورابح سید شری من ماذونہ المحيط دینہ برقبته علی ماشری بائعہ اذا اشتری العبد الماذون

المحیط دینہ برقبته ثوباً بعشرة فباعه من مولاہ بخمسة عشر فالمولى ان باعه مراءجة يقول قام على بعشرة كماذون شرى من سيده اى اذا اشترى المولى بعشرة ثم باعه من ماذون المحيط دینہ برقبته بخمسة عشر فالماذون ان باعه مراءجة يقول قام على بعشرة لان بيع المولى من عبده الماذون وشرائه منه اعتبر عدما فى حق المراءجة لشبوته مع المنافى وانما قال المحيط دینہ برقبته لانه ح يكون للعبد الماذون ملك اما الماذون الذى لادين عليه فلا ملك له فلا شبهة فى ان البيع الثانى لا اعتبار له اما اذا كان عليه دين محيط فح يكون البيع الثانى بيعا ومع ذلك لا اعتبار له فى حق المراءجة فيثبت الحكم بالطريق الاولى فيما لادين عليه

ترجمہ.. اور مراءجہ پر بیچے آقا جس نے اپنے ایسے غلام سے خریدا جس کا دین اس کی گردن پر محیط ہو اس (مٹن) پر جس پر بائع نے خریدا ہے۔ عبد ماذون نے جس کی گردن پر دین محیط ہو ایک کپڑا خریدا اس روپے میں اور اپنے مولیٰ کو پندرہ روپے میں بیچا اب اگر مولیٰ بطور مراءجہ بیچنا چاہے تو کہے کہ مجھے دس روپے میں پڑا ہے جیسے کہ ایک ماذون غلام اپنے آقا سے خرید لے یعنی خریدا مولیٰ نے دس روپے میں پھر بیچ دیا اپنے ماذون کو جس کی گردن پر دین محیط ہو پندرہ روپے میں پس ماذون اگر بطور مراءجہ بیچنا چاہے تو کہے کہ مجھے پڑا ہے دس روپے میں اس لئے کہ مولیٰ کا بیچنا اپنے ماذون غلام کو یا اس سے خریدنا یہ غیر معتبر ہے مراءجہ کے حق میں کیونکہ یہ ثابت ہے منافی کے ساتھ اور مصنف نے کہا کہ دین اس کی گردن پر محیط ہو کیونکہ اس وقت عبد ماذون کی ملکیت ہوگی اب رہا وہ ماذون جس پر دین نہ ہو تو اس کی ملکیت نہیں ہے تو کوئی شبہ نہیں کہ بیچ عانی کا اعتبار نہ ہو اور جب اس پر دین محیط ہو تو اس وقت بیچ عانی بیچ ہے اور اس کے باوجود اس کا اعتبار نہیں مراءجہ کے حق میں تو ثابت ہوگا حکم بطریقہ اولیٰ اس صورت میں جس میں اس پر دین نہ ہو۔

تشریح مولیٰ کا اپنے غلام سے خریدا مراءجہ کے حق میں معتبر نہ ہوگا: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک غلام ماذون فی التجارت ہے اس نے دس روپے کے عوض ایک تھان خریدا اور اس عبد ماذون پر لوگوں کے اتنے قرضے ہیں کہ اس کی گردن پر پوری طرح احاطہ کئے ہوئے ہیں پھر اس عبد ماذون نے یہ تھان اپنے مولیٰ کے ہاتھ پندرہ روپے میں فروخت کیا اب اگر یہ تھان بطور مراءجہ فروخت کرنا چاہے تو وہ دس روپے پر مراءجہ کر سکتا ہے پندرہ روپے پر نہیں کر سکتا اسی طرح اگر مولیٰ نے ایک تھان دس روپے میں خریدا پھر اسی تھان کو اپنے عبد ماذون کے ہاتھ پندرہ روپے میں فروخت کیا اور عبد ماذون پر اتنے قرضے ہیں کہ اس کی گردن پر محیط ہیں اب اگر عبد ماذون یہ تھان بطور مراءجہ بیچنا چاہے تو دس روپے پر مراءجہ کر سکتا ہے پندرہ روپے پر نہیں

کر سکتا۔

دلیل یہ ہے کہ اس عقد میں یعنی مولیٰ کا غلام کے ہاتھ فروخت کرنا اور غلام کا مولیٰ کے ہاتھ فروخت کرنا اس میں بیع جائز نہ ہونے کا شبہ ہے ہقیقہ تو عدم جواز نہیں ہے کیونکہ غلام پر جب اتنے قرضے ہیں کہ اس کی گردن پر محیط ہیں تو غلام آقا کا نہیں رہا بلکہ قرض خواہوں کا ہو گیا تو ہقیقہ یہ خرید و فروخت جائز ہے لیکن جب تک غلام قرض خواہوں کے ہاتھوں میں نہیں گیا تو غلام آقا کا ہے یا آقا نے خود قرضے ادا کئے تو تب بھی غلام آقا کا ہے تو اس لئے غلام سے خریدنا درحقیقت اپنے آپ سے خریدنا ہے اور غلام پر فروخت کرنا درحقیقت اپنے آپ پر فروخت کرنا ہے اور یہ جائز نہیں تو اس میں عدم بیع کا شبہ آ گیا اور باب مراءضہ اور تولیہ میں شبہ بھی حقیقت کے مانند ہے لہذا بیع مراءضہ کے حق میں بیع ثانی معتبر نہ ہوگی بلکہ بیع اول معتبر ہوگی اور بیع اول ہوئی ہے دس روپے میں تو مراءضہ دس روپے پر جائز ہوگا اور پندرہ پر جائز نہ ہوگا

**ثبوتہ مع المنائی...** کا مطلب یہ ہے کہ اپنے غلام مازون سے خریدنا یا اس پر فروخت کرنا جائز ہی نہ ہونا چاہئے کیونکہ یہ تو اپنے آپ سے خریدنا ہے یا اپنے آپ پر فروخت کرنا ہے لیکن اس کے باوجود پھر بھی یہ جائز ہے کیونکہ غلام ہقیقہ مولیٰ کا ہے نہیں بلکہ قرض خواہوں کا ہے۔

**وانما قال المحیط دینہ برقبہ...** یہ ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ چاہے غلام پر دین محیط ہو یا محیط نہ ہو دونوں صورتوں میں بیع جائز ہونا چاہئے۔ جواب... شارح نے جواب دیدیا کہ نہیں بلکہ دونوں میں فرق ہے وہ یہ کہ جب غلام پر دین محیط ہو تو یہ اپنی کمائی کا مالک ہے اور مولیٰ اس کی کمائی کا مالک نہیں ہے تو اس صورت میں مولیٰ پر فروخت کرنا یا ان سے خریدنا جائز ہوگا کیونکہ اب یہ دونوں حکماً اجنبی کے حکم میں ہیں تو بیع ثانی اصلاً معتبر ہے البتہ مراءضہ کے حق میں معتبر نہیں۔ اور جب غلام پر دین محیط نہ ہو تو غلام اپنی کمائی کا مالک نہیں بلکہ اس کی کمائی کا مالک مولیٰ ہے تو اس وقت بیع ثانی بالکل معتبر نہیں ہے اور مراءضہ بیع اول کے ضمن پر ہوگی اب اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب غلام پر بالکل دین نہ ہو تو اس وقت بیع ثانی کا اعتبار بطریقہ اولیٰ نہ ہوگا اور مراءضہ ضمن اول پر ہوگی۔

ورب المال علی ماشرہ مضاربه بالنصف اولا ونصف ما ربح بشرائه ثانيا منه ای اشتري المضارب بالنصف ثوبا بعشرة وباعه من رب المال بخمسة عشر فالثوب قام علی رب المال باثنی عشر ونصف

ترجمہ اور مراہجہ کرے رب المال اس ثمن پر جس پر مضارب بالصف نے اولاً خریدا ہے اور آدھے ربح پر جب دوبارہ خریدا مضارب سے یعنی مضارب بالصف نے ایک کپڑا خریدا اس روپے میں اور اپنے رب المال کے ہاتھ پندرہ روپے میں بیچ دیا تو کپڑا رب المال کو ساڑھے بارہ روپے میں پڑا ہے۔

**تشریح رب المال حاصل شدہ نفع کے نصف اور اصل رأس المال پر مراہجہ کر سکتا ہے:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو دس روپے دیدئے کہ اس پر مضاربت کرو اور نفع آدھا آدھا ہوگا چنانچہ مضارب نے اسی دس روپے پر کپڑا خریدا اور اپنے رب المال کے ہاتھ پندرہ روپے میں بیچ دیا اب اگر رب المال اسکو بطور مراہجہ بیچنا چاہے تو وہ مراہجہ کرے گا ساڑھے بارہ روپے پر نہ کہ پندرہ روپے پر کیونکہ دس روپے تو بیچ اول کے ہیں اور ڈھائی روپے مضارب نے لے لئے اور ڈھائی روپے رب المال کیلئے رہ گئے تو وہ بیچ مراہجہ کے حق میں معتبر نہ ہوں گے لہذا بیچ مراہجہ ساڑھے بارہ روپے پر ہوگی

فان عورت المبيعة او وطيت ثيبا رابع بلا بيان اى لايجب عليه ان يقول انى اشتريها سليمة فاعورت فى يدى وعند ابى يوسف والشافعى لزمه بيان هذا لانه لاشك انه ينقص الثمن بالاعورار وما قيل ان الاوصاف لا يقابلها شىء من الثمن معناه ان الاوصاف لا يكون لها حصه معلومة من الثمن لان الثمن لا يزيد بسبب الوصف ولا ينقص بفواته على ان هذا البيع مبنى على الامانة فاحتياطات السابقة لاتناسب هذا لکننا نجيب بانہ لم يأت من البائع غرور فانه صادق فى قوله قامت على بكذا لکن المشتري اغتر بحماقته فعليه ان يسأله انك اشتريت بكذا سليمة او معورة فبين له الحال فاذا قصر فى ذلك لايجب على البائع كشف حال لم يسأل عنها

ترجمہ: اگر خریدی ہوئی باندى کانی ہوگئی یا شبہ کے ساتھ ولى کی گئی تو مراہجہ کر سکتا ہے بغیر بیان کے یعنی اس پر واجب نہیں کہ یہ کہے کہ میں نے صحیح سالم خریدی تھی پھر میرے پاس کانی ہوگئی امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک اسکا بیان کرنا لازم ہے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ثمن کم ہوتا ہے کانا ہونے سے اور جب یہ کہا گیا ہے کہ اوصاف کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا اس کا معنی یہ ہے کہ اوصاف کیلئے ثمن سے حصہ معلومہ نہیں یہ بات نیکہ کہ ثمن بڑھتا نہیں وصف کے سبب سے اور اس کے فوت ہونے سے گھٹتا نہیں نیز یہ بھی ہے کہ یہ بیچ مبنی ہے امانت پر تو سابقہ احتیاطات اس کے مناسب نہیں۔ لیکن ہم جواب دیتے ہیں

کہ بائع کی طرف سے کوئی دھوکہ نہیں پایا گیا کیونکہ وہ تو سچا ہے اپنے اس قول میں کہ مجھے اتنے میں پڑی ہے لیکن مشتری نے خود دھوکہ کھایا ہے اپنی حماقت سے اس پر لازم تھا کہ وہ یہ پوچھتا کہ تم نے اتنے میں خریدا ہے صحیح یا کانی تو وہ اسکو حال بیان کرتا جب اس میں قصور آ گیا تو واجب نہیں بائع پر اس حال کا واضح کرنا جس کے بارے میں نہیں پوچھا گیا

**تشریح باندی** اگر خود عیب دار ہو جائے: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ایک صحیح سالم باندی خریدی پھر وہ باندی کسی ساوی آفت سے یا خود بخود کانی ہوگئی یا وہ شبہ باندی تھی مشتری نے اس کے ساتھ وطی کر لی اور وطی کی وجہ سے اس میں کوئی نقصان بھی نہیں ہوا تو مشتری اس باندی کو اگر مر اسکا بیچنا چاہے تو بیچ سکتا ہے اور اس پر یہ بیان بھی واجب نہیں کہ میں نے صحیح سالم خریدی تھی میرے ہاتھ میں کانی ہوگئی یا اس کے ساتھ میں نے وطی کی ہے کیونکہ مشتری نے اپنے پاس ایسی کوئی چیز نہیں روکی جسکے مقابلے میں ثمن آتا ہے کیونکہ بیچ کا صحیح سالم ہونا اوصاف میں سے ہے اور اوصاف کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا بلکہ اصل کے مقابلے میں ثمن ہوتا ہے اور اصل یعنی باندی موجود ہے اور وصف یعنی سالم ہونا فوت ہوا ہے اور وصف کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا لہذا اصل ثمن پر مر اسکا درست ہے۔

منافع بضع بھی مال نہیں ہے لہذا اسکے مقابلے میں بھی ثمن نہیں ہوتا یہ اس وقت ہے جبکہ وطی کرنے سے باندی میں کوئی نقصان پیدا نہ ہوا اور اگر وطی کرنے سے نقصان پیدا ہوا ہو تو پھر اس کا بیان کرنا لازم ہے

حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا بیان کرنا ضروری ہے یعنی بیان کئے بغیر مر اسکا جائز نہیں ہے بلکہ یہ بیان ضروری ہوگا کہ میں نے صحیح سالم خریدی تھی پھر میرے پاس کانی ہوگئی کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اعمورار یعنی کانا ہونے سے ثمن کم ہو گیا ہے

**وما قبل ان الاوصاف لا یقابلھا....** حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر اعتراض واقع ہوتا ہے اس کا جواب دے رہے

ہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ صحیح سالم ہونا یا کانا ہونا وصف ہے اور اوصاف کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا تو یہاں آپ کیسے فرماتے

ہیں کہ ثمن کم ہوتا ہے۔ **جواب....** جواب کا حاصل یہ ہے کہ اوصاف کے مقابلے میں ثمن نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے

مقابلے میں ثمن کا حصہ معلوم نہیں ہوتا یہ بات نہیں ہے کہ وصف کے موجود ہونے سے ثمن زیادہ نہیں ہوتا اور وصف کے فوت

ہونے سے ثمن گھٹتا نہیں۔۔۔ دوسری بات یہ ہے کہ بیع مر اسکا کی بنیاد امانت پر ہے تو سابقہ احتیاطات یعنی بیان سے سکوت

اختیار کرنا اس باب کے مناسب نہیں ہے لہذا بیان کرنا ضروری ہے

لکنا نجیب.. حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب ہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بائع کی طرف سے کوئی دعوہ نہیں پایا گیا کیونکہ وہ تو اپنے اس قول میں صادق ہے کہ مجھے اتنے میں پڑی ہے لیکن مشتری کو خود دعوہ کہ لگ گیا ہے اپنی حماقت کی وجہ سے اسلئے کہ اس کو یہ پہلے معلوم کر لینا چاہئے تھا کہ تو نے یہ باندی کتنے میں خریدی ہے صحیح سالم خریدی ہے یا کانی تو بائع اس کو پوری کیفیت بیان کرتا جب تفصیر اور مشتری کی طرف سے پائی گئی ہے تو بائع پر کوئی الزام نہیں کہ وہ بیان کرے ایسا حال جس کے بارے میں بائع سے سوال نہیں ہوا

وان فقئت او و طعت بکرا لزمہ بیانہ وفرض فار و حرق نار للثوب المشتري كالاولى وتكسره  
بنشره وطيه كالثانية ومن اشترى بنساء و رابع بلا بیان خیر مشتریہ فان اتلفه ثم علم لزمہ کل  
ثمنه وكذا التولية فان ولی بما قام عليه ولم يعلم مشتریہ قدره فسد البیع وان علم فی المجلس  
خیر

ترجمہ.. اور اگر اس کی آنکھ پھوڑ دی گئی یا اس کے ساتھ دلی کی گئی اس حال میں کہ وہ باکرہ تھی تو اس پر لازم ہے اس کا بیان کرنا اور جو ہے کا کاٹنا یا آگ کا جلانا خریدے ہوئے کپڑے کو پہلے کے مانند ہے اور اس کا ٹوٹنا کھولنے سے یا لینے سے دوسرے کے مانند ہے اور جس نے خرید لیا ادھار اور مراہجہ کیا بیان کے بغیر تو مشتری کو اختیار ہوگا اگر اسکو ہلاک کر دیا پھر پتہ چلا تو اس پر لازم ہے پورا ثمن اسی طرح تولیہ بھی ہے اگر کسی نے بیع تولیہ کی اس ثمن پر جس پر پڑی ہے لیکن مشتری کو معلوم نہیں کہ کتنے میں پڑی ہے تو بیع فاسد ہے اور اگر مجلس میں معلوم ہوا تو اختیار ہے

تشریح: اگر باندی کی آنکھ مشتری نے پھوڑ دی تو؟: صورت مسئلہ یہ ہے کہ باندی کی آنکھ اگر مشتری نے خود پھوڑ دی ہو تو اس صورت میں بیان کرنا لازم ہوگا بیان کئے بغیر مراہجہ جائز نہیں ہے کیونکہ آنکھ پھوڑنے کی صورت میں بائع نے ایک جز اپنے پاس روک دیا ہے لہذا اس صورت میں اوصاف کے مقابلے میں ثمن ہوگا۔ اسی طرح جب باندی باکرہ ہو اور اسکے ساتھ مشتری نے دلی کر لی تو پردہ بکارت زائل کرنا گویا کہ ایک جز اپنے پاس روکنا ہے اور جز روکنے کی صورت میں ثمن کم ہوتا ہے لہذا اس کے مقابلے میں ثمن کم ہوگا اور بیان کرنا ضروری ہوگا

وفرض فار و حرق نار. مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کپڑا خریدا پھر اس کو چوہے نے کاٹ دیا یا آگ نے جلادیا تو یہ پہلے کے مانند ہے یعنی مشتری پر بیان کرنا لازم نہیں ہے بلکہ وہ بغیر بیان کے مراہجہ کر سکتا ہے اور اگر کپڑا بائع کے کھولنے یا لینے سے پھٹ گیا

تو یہ دوسرے کے مانند ہے یعنی بغیر بیان کے مراہجہ نہیں کر سکتا بلکہ بائع پر بیان کرنا لازم ہوگا اس لئے کہ اوصاف جب مقصود ہو جائے تو پھر اس کے مقابلے میں ثمن ہوتا ہے کپڑا کھولنے اور لپٹنے میں بائع کے فعل کا دخل ہے اسلئے تلف کرنے کی وجہ سے وصف سلامت مقصود ہو گیا اور جب وصف مقصود ہو گیا تو اس کے مقابلے میں ثمن بھی ضرور ہوگا اور جب وصف کے مقابلے میں ثمن ہے تو بغیر بیان کے مراہجہ جائز نہ ہوگا

ومن اشتری بنساء. صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ہزار روپے کے عوض ایک غلام بطور ادھار خریدا پھر اسی غلام کو سو روپے نفع کے ساتھ یعنی میارہ سو (۱۱۰۰) روپے میں فروخت کر دیا بطور بیع مراہجہ اور یہ بیان نہ کیا کہ میں نے ادھار خریدا ہے پھر مشتری ثانی کو علم ہوا کہ میرے بائع نے تو یہ ادھار خریدا تھا تو اس صورت میں مشتری کو اختیار ہے چاہے تو بیع واپس کر دے یا گیارہ سو روپے میں لے لے اور اگر یہ چیز مشتری ثانی کے پاس ہلاک ہوگئی پھر اس کو پتہ چلا کہ مشتری اول نے بطور ادھار خریدا تھا تو اب کوئی اختیار نہیں بلکہ ثمن سمسے پر لینا پڑے گا اور یہی تفصیل بیع تولیہ میں بھی ہے

فان ولی بما قام علیہ... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ یہ غلام میں آپ کو بطور بیع تولیہ فروخت کرتا ہوں جس قیمت پر مجھے پڑا ہے اس قیمت پر آپ کو دیتا ہوں لیکن مشتری کو معلوم نہیں کہ اس کو کتنے میں پڑا ہے تو اس صورت میں بیع فاسد ہے کیونکہ ثمن مجہول ہے اور ثمن کی جہالت سے بیع فاسد ہوتی ہے۔ اور اگر مجلس کے اندر مشتری ثانی کو علم ہوا کہ مشتری اول کو اتنے میں پڑا ہے پھر بھی اسکو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا لینے کا اختیار تو اسلئے ہے کہ ابھی تک مجلس نہیں بدلی تو فساد مستحکم نہیں ہوا مجلس کے آخر میں باخبر ہونا ایسا ہے جیسے کہ مجلس کے اول میں باخبر ہونا اور نہ لینے کا اختیار اسلئے ہے کہ ثمن کی مقدار معلوم ہونے سے پہلے مشتری کی رضامندی پوری نہیں ہوئی اور جب مشتری کی رضامندی پوری نہیں ہوئی تو بیع بھی پوری نہیں ہے اور بیع پوری نہ ہونے سے پہلے مشتری کو اختیار ہوتا ہے دل چاہے تو لے لے یا چھوڑ دے لہذا اس صورت میں بھی مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار حاصل ہوگا

**فصل** ولم یجز بیع مشری قبل قبضہ الا فی العقار والفرق بینہما ان نہی النبی ﷺ عن بیع مالم

یقبض معلل بان فیہ غرر انفساخ العقد علی تقدیر الہلاک والہلاک فی العقار نادر وعند محمد

لا یجوز فی العقار ایضاً عملاً باطلاق النہی

ترجمہ۔ اور جائز نہیں ہے خریدی ہوئی چیز کا بیچنا قبضے سے پہلے مگر جائداد میں اور فرق دونوں میں یہ ہے کہ نبی ﷺ کا روکنا اس

بیز کی بیج جس پر قبضہ نہ ہوا ہو معلل ہے کہ اس میں فسخ ہونے کا دھوکہ ہے ہلاک ہونے کی صورت میں اور ہلاک ہونا جائداد میں  
نادر ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک جائداد میں بھی جائز نہیں نبی کے اطلاق پر عمل کرتے ہوئے

تشریح: اس فصل میں مصنفؒ نے ان مسائل کا ذکر کیا ہے جو مراءضہ اور تولیہ کے قبیل سے تو نہیں لیکن مراءضہ اور تولیہ کی طرح  
ایک قید زائد کے ساتھ مقید ہیں

قبضے سے پہلے منقولی اشیاء کی بیج جائز نہیں ہے: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے منقولی چیز خرید لی تو جب تک اس پر  
قبضہ نہ کرے اس وقت تک اسکو آگے دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے البتہ اگر یہ خریدی ہوئی چیز جائداد ہو تو پھر اسکی  
بیج جائز ہے قبضے سے پہلے حضرات شیخین کے نزدیک۔

اور امام محمدؒ کے نزدیک جائداد میں بھی قبضہ کرنے سے پہلے بیج جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کا نبی فرمانا مطلق ہے اس حدیث میں  
”نہی عن بیع مالم یقبض“،، لا تبیعن شیئا حتی تقبضہ“، اس میں نبی مطلق ہے اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ  
سب کو شامل ہے اور قیاس بھی یہی ہے کہ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ پر قیاس ہیں اور علت جامعہ ان میں غیر منقول ہونا ہے  
اور حضرات شیخین کی دلیل یہ ہے کہ بیج کارکن یعنی ایجاب وقبول اہل یعنی عاقل بالغ سے صادر ہوئے ہیں اور بیج کے محل یعنی مال  
مملوک میں واقع ہوئے ہیں لہذا بیج جائز ہونا چاہئے اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ دونوں میں لیکن اشیاء منقولہ میں تخصیص آگئی ہے  
حدیث سے چنانچہ ارشاد ہے،، من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یستوفیہ“، اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میرے خیال  
میں ہر شی اس میں داخل ہے نیز اشیاء منقولہ میں ہلاک ہونے کا خطرہ غالب ہے تو اس میں دھوکہ ہے عقد اول کے فسخ ہونے کا  
یعنی یہ احتمال ہے کہ یہ اشیاء ہلاک ہو جائے اور بارح اول اس کے حوالہ کرنے پر قادر نہ ہو جائے تو بیج ثانی کیسے صحیح ہوگی اور اشیاء  
غیر منقولہ میں یعنی جائداد میں ہلاکت کا خطرہ غالب نہیں لہذا جائداد کی بیج درست ہوگی قبضے کرنے سے پہلے۔

ومن شری کیلیا کیلا ای بشرط الکلیل لم یبعہ ولم یا کله حتی یکیلہ فانہ علیہ السلام نہی  
عن بیع الطعام حتی یجری فیہ صاعان صاع البائع وصاع المشتري وشرط کیل البائع بعد بیعہ  
بحضرة المشتري حتی ان کالہ البائع قبل البیع لا اعتبار لہ وان کان بحضرة المشتري وکذا ان  
کالہ بعد البیع بغیبة المشتري وکفی بہ فی الصحیح ان کال البائع بعد بعد البیع بحضرة  
المشتري فهذا کاف ولا یشرط ان یکیل المشتري بعد ذلك ومحمل الحدیث المذكور ما  
اذا اجتمع الصفقتان بشرط الکیل علی ماسیاتی فی باب السلم وهو ما اذا سلم فی کربر فلما



حل الاجل اشتری المسلم الیہ من رجل کرا وامر رب السلم ان یقبضہ له ثم یقبضہ لنفسہ فکتالہ له ثم اکتالہ لنفسہ جاز وکذا ما یوزن او یعد ای لابیعہ ولایا کله حتی ینزہ او یعدہ ثانیاً ویکفی ان وزنہ او عدہ بعد البیع بحضرة المشتري لا ما یندرع ای لا یشترط ما ذکر فی المذروعات

ترجمہ۔ اور جس نے خریدی کیلی چیز ناپ کر تو نہ بیچے اور نہ کھائے یہاں تک کہ ناپ لے کیونکہ حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے طعام کے بیچنے سے یہاں تک کہ اس میں دو صاع جاری ہو جائے ایک صاع بائع کا اور ایک مشتری کا اور شرط ہے بائع کا ناپنا بیچنے کے بعد مشتری کے سامنے یہاں تک کہ اگر ناپ لیا بائع نے بیچ سے پہلے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا اگرچہ مشتری کے سامنے ہو اسی طرح اگر ناپ لیا بیچ کے بعد مشتری کے غائب ہونے کے وقت میں اور کافی ہے بنا بر قول صحیح اگر ناپ لیا بائع نے بیچ کے بعد مشتری کے سامنے تو یہ کافی ہے اور یہ شرط نہیں کہ مشتری ناپ لے اسکے بعد اور حدیث مذکور کا محل وہ ہے کہ دوسوے جمع ہو جائے کیل کی شرط پر جیسے کہ آئے گا باب سلم میں اور وہ یہ ہے کہ کسی نے بیچ سلم کی ایک کرگندم میں پس جب وقت آجائے تو مسلم الیہ ایک کرگندم خرید لے کسی آدمی سے اور کہے رب السلم سے کہ اس پر قبضہ کر میرے لئے پھر اپنے لئے تو وہ ناپ ہے اسی طرح وہ چیز جو وزن کی جاتی ہے یا گنی جاتی ہے یعنی نہ بیچے اور نہ کھائے یہاں تک کہ وزن کر لے یا گن لے دوبارہ اور کافی ہے اگر وزن کرے یا ناپ لے بیچ کے بعد مشتری کے سامنے نہ کہ وہ چیز جو پیمائش کی جاتی ہے یعنی شرط نہیں مذکورہ باتیں پیمائش والی چیزوں میں۔

تشریح کیلی اور وزنی چیزوں کا وزن کرنا ضروری ہے: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے کوئی چیز مثلاً گندم یا جو وغیرہ کیل کرنے کی شرط کے ساتھ خریدی، یہ ہاں میں نے یہ گندم ہزار روپے کے عوض خرید لی اس شرط پر کہ یہ دس من ہے یا موزونی چیز مثلاً لوہا کہ میں نے یہ لوہا خرید اس شرط پر کہ یہ دس من ہے پھر مشتری نے اس کو کیل کر لیا یا وزن کر لیا اور اس پر قبضہ بھی کر لیا پھر اس نے بشرط کیل یا بشرط وزن فروخت کیا تو اس مشتری ثانی کو اس بیچ میں تصرف کرنے کی اجازت نہیں چنانچہ وہ نہ اس کو بیچ سکتا ہے اور نہ اس کو کھا سکتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے، ان النسبی ﷺ نہی عن بیع الطعام حتی ینجری فیہ صاعان صاع البائع وصاع المشتري، حدیث میں بائع سے مراد مشتری اول ہے اور مشتری سے مراد مشتری ثانی ہے یعنی جب مشتری اول اپنے واسطے کیل یا وزن کر چکا ہو تب اس کو مشتری ثانی کے ہاتھ فروخت کرنا ناجائز ہے اسی طرح مشتری ثانی نے اپنے واسطے کیل یا وزن کر لیا تو تب کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنا ناجائز ہے نیز اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ مقدار شروط سے زیادہ ہو اور یہ زیادتی بائع کا حق ہے اور دوسرے کے مال میں تصرف کرنا حرام ہے اس لئے مشتری ثانی کے واسطے

اس میں تصرف کرنے سے احتراز واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ مشتری بائع کے کیل یا وزن پر اعتماد نہ کرے بلکہ خود بھی اس کو کیل یا وزن کرنا چاہئے۔

یہ اس وقت ہے جبکہ اس کیل یا وزنی چیز کو بشرط الکلیل یا بشرط الوزن فروخت کیا ہو لیکن اگر اس کو مجازفۃ یعنی اٹکل اور اندازے سے فروخت کیا ہو تو پھر دوبارہ کیل یا وزن ضروری نہیں کیونکہ موجودہ چیز جو سامنے موجود ہے وہ پوری کی پوری بیع ہے چاہے کم ہو یا زیادہ لہذا اس میں کیل یا وزن سے پہلے تصرف جائز ہے اور شرط یہ ہے کہ بائع کیل یا وزن کرے بیع کے بعد مشتری کے سامنے اگر بائع نے کیل یا وزن کیا بیع سے پہلے تو یہ معتبر نہیں اگرچہ مشتری کے سامنے ہو کیونکہ جب تک بیع نہیں ہوئی اس وقت تک بائع اور مشتری کا تحقق نہیں ہوا تو یہ صاع نہ صاع بائع ہے اور نہ صاع مشتری اور معتبر تو صاع بائع اور صاع مشتری ہے لہذا اس کیل کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اسی طرح اگر بائع نے کیل یا وزن کیا بیع کے بعد لیکن مشتری موجود نہ ہو تو پھر بھی اسکا اعتبار نہیں کیونکہ مشتری کی عدم موجودگی میں کیل سے بیع معلوم نہیں ہوتی اور جب بیع معلوم نہ ہوئی تو سپردگی معتبر نہ ہوگی اور جب سپردگی معتبر نہ ہوئی تو یہ کیل بھی معتبر نہ ہوگا لہذا مشتری کی عدم موجودگی میں کیل معتبر نہیں ہے۔

وکفی بہ فی الصبح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر بائع نے بیع کے بعد مشتری کی موجودگی میں کیل کیا تو اس پر اکتفاء جائز ہے یا نہیں چنانچہ اسکے بارے میں بعض حضرات فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ اس پر اکتفاء جائز نہیں بلکہ مشتری کیلے دوبارہ کیل کرنا ضروری ہے کیونکہ ظاہر حدیث، حتی یجری فیہ صاعان، سے معلوم ہوتا ہے کہ دو صاع یعنی ایک صاع بائع کا اور ایک صاع مشتری کا معتبر ہے لیکن صحیح مسلک جو اکثر فقہاء کا مسلک ہے یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں ایک بار کیل کرنے پر اکتفاء جائز ہے کیونکہ ایک بار کیل کرنے سے بیع بھی معلوم ہوگئی اور مشتری چونکہ موجود ہے اسکی طرف سپردگی بھی متحقق ہوگئی اور بیع کی مقدار مشروط سے زیادہ ہونے کا احتمال بھی ختم ہو گیا لہذا اس پر اکتفاء جائز ہے۔

ومحمل الحدیث::: سے ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض یہ ہے کہ جب آپ نے ایک بار کیل پر اکتفاء کیا تو حدیث میں، حتی یجری فیہ صاعان، آیا ہے اس کا کیا جواب دوگے۔

جواب::: جواب یہ ہے کہ حدیث کا محمل اور مصداق کہ دو بار کیل ضروری ہے اس وقت ہے جبکہ دو عقد جمع ہو جائے جیسے باب المسلم میں آرہا ہے کہ ایک شخص نے ایک کرگندم میں بیع مسلم کی مثلاً مسلم الیہ کو ہزار روپے دیدئے کہ ایک ماہ بعد مجھے ایک من گندم دینا جب وقت آگیا تو مسلم الیہ نے ایک من گندم کسی سے لے لی اور رب المسلم سے کہا کہ اس پر قبضہ کرو تو ایک مرتبہ کیل

کرنا کافی نہ ہوگا بلکہ یوں کہے گا کہ پہلے میرے واسطے (یعنی مسلم الیہ کے واسطے) قبضہ کرو اور پھر اپنے واسطے (یعنی رب المسلم کے واسطے) قبضہ کرو تو یہ جائز ہے کیونکہ اس صورت میں دو عقد بشرط الکلیل جمع ہو گئے ہیں اور دو مرتبہ کیل بھی پایا گیا لہذا یہ جائز ہوگا اور حدیث کا مصداق بھی یہی ہے اسی طرح وزنی یا عددی اشیاء بھی ہیں یعنی اسکا دوبارہ وزن کرنا یا گنتنا ضروری ہے اس کے بغیر اس میں تصرف جائز نہیں ہے اور اگر اسکا وزن یا شمار مشتری کے سامنے ہوا ہو تو اس پر اکتفاء جائز ہے کما مر۔

لامایزرع.... یعنی مذکورہ تفصیل کہ دوبار کیل کرنا یا وزن کرنا یہ مکملات اور موزونات میں ضروری ہے لیکن مذروعات میں دوبارہ زراع اور پیمائش کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ زراع کپڑے میں وصف ہے اور وصف کی کمی زیادتی کی وجہ سے اصل بیع میں فرق نہیں پڑتا لہذا اگر کسی نے دس گز کپڑا خریدا اور پھر پیمائش کئے بغیر آگے فروخت کیا تو یہ جائز ہے۔

وصح التصرف فی الثمن قبل قبضہ مثل ان یاخذ البائع من المشتري عوض الثمن ثوبا والحط عنه والمزید فیہ حال قیام المبیع لا بعدہ لاکہ قوله حال قیام المبیع یتعلق بالمزید فان الزیادۃ علی الثمن لا یصح بعدہ لاک المبیع لکن الحط یصح وفی المبیع ای صح الزیادۃ فی المبیع ویتعلق استحقاقہ بالجمع یمکن ان یراد بہ ان البائع یمکن مستحقا لجمع الثمن من الزائد والمزید علیہ والمشتري یمکن ان یراد بہ ان یراد انہ اذا استحق مستحق المبیع او الثمن فلا استحقاق یتعلق بجمع ما یقابله من المزید والمزید علیہ فلا یكون الزائد صله مبتدأ کما هو مذهب زفر والشافعی فی رابع یولی علی الكل ان زید وعلی مابقی ان حط فان الزیادۃ والحط التحقا باصل العقد والشفیع یاخذ بالاقبل فی الفصلین ای فی الزیادۃ علی الثمن والحط عنه اما فی الحط فلانہ التحق باصل العقد واما فی الزیادۃ فلان حقه تعلق بالثمن الاول فلا یمکن الغیر ابطال حقه الثابت۔۔

ترجمہ.. اور صحیح ہے تصرف کرنا ثمن میں قبضے سے پہلے مثلاً لیلہ بائع مشتری سے ثمن کے عوض ایک کپڑا اور ثمن سے کمی کرنا اور اس میں اضافہ کرنا جب کہ بیع باقی ہونے کے اس کے ہلاک ہونے کے بعد۔ حال قیام المبیع متعلق ہے مزید سے کیونکہ ثمن میں زیادتی صحیح نہیں ہے بیع کے ہلاک ہونے کے بعد لیکن کمی کرنا صحیح ہے اور بیع میں یعنی صحیح ہے زیادتی بیع میں اور استحقاق سب کے ساتھ متعلق ہوگا ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ بائع مستحق ہوگا پورے ثمن کا زائد (یعنی ابھی جو اضافہ ہوا ہے) اور مزید علیہ (یعنی پرانا ثمن) سب کا اور مشتری مستحق ہوگا پوری بیع کا زائد (یعنی ابھی جو اضافہ ہوا ہے) اور مزید علیہ (یعنی پرانی بیع) سب کا اور یہ

بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ جب بیع یا ثمن کا کوئی مستحق نکل آئے تو استحقاق متعلق ہوگا اس پوری چیز کے ساتھ جو اسکے مقابلے میں ہے یعنی مزید اور مزید علیہ سب کے تو یہ اصناف ابتدائی صلہ نہ ہوگا جیسے کہ امام زکریا اور امام شافعیؒ کا مذہب ہے تو مراہجہ اور تولیہ کرے گا پورے پر اگر اضافہ ہوا ہو اور باقی پر اگر کمی ہوئی ہو اسلئے کہ زیادتی اور کمی پیوست ہوتی ہے اصل عقد کے ساتھ اور شفیع لے گا دونوں فصلوں میں یعنی ثمن پر اضافے اور اس سے کمی میں۔ کمی کی صورت میں تو اس لئے کہ یہ لاحق ہوتی ہے اصل عقد کے ساتھ اور زیادتی کی صورت میں اسلئے کہ اس کا حق وابستہ ہو چکا ہے ثمن اول کے ساتھ تو کوئی دوسرا شخص اس کے ثابت شدہ حق کے باطل کرنے کا مالک نہیں ہے۔

**تشریح ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز ہے:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ عقد بیع کے بعد ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے بائع کیلئے ثمن کے اندر تصرف کرنے کی اجازت ہے خواہ ثمن مما لا یصحین کے قبیل سے ہو جیسے نقد یا مہمما صحین کے قبیل سے جیسے مکئی و موز و فی اشیاء مثلاً کسی نے ایک سائیکل ایک ہزار روپے کے عوض خرید لی ابھی تک بائع نے ہزار روپے پر قبضہ نہیں کیا کہ بائع نے مشتری سے ہزار روپے کے عوض ایک کپڑا خرید لیا تو یہ جائز ہے یا سائیکل خرید لی ایک من گندم کے عوض ابھی تک گندم پر قبضہ نہیں کیا کہ گندم کے عوض مشتری سے ایک کپڑا خرید لیا تو یہ جائز ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ عقد بیع کے بعد بائع ثمن کا مالک ہو چکا ہے خواہ اس پر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اور اپنی ملکیت میں تصرف کرنا جائز ہے اور تصرف سے مانع عقد کے فتح ہونے کا دھوکہ ہے ثمن کے ہلاک ہونے کی صورت میں لیکن ثمن کی ہلاکت سے عقد فتح نہیں ہوتا بلکہ اس کا مثل دیا جائے گا لہذا عقد فتح ہونے کا دھوکہ نہیں ہے تو قبضے سے پہلے بائع کیلئے ثمن میں تصرف کرنا جائز ہے۔

قولہ والحط عنہ... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مشتری بائع کیلئے ثمن میں اضافہ کرے مثلاً ایک سائیکل خریدی تھی ہزار روپے میں پھر مشتری نے سو روپے کا اضافہ کر کے گیارہ سو روپے دیدئے تو یہ جائز ہے لیکن یہ اضافہ اس وقت جائز ہے جبکہ بیع قائم اور موجود ہو اور اگر بیع موجود نہ ہو بلکہ ہلاک ہو چکی ہو تو پھر ثمن میں اضافہ جائز نہیں اسی طرح اگر بائع نے ثمن میں کمی کی مثلاً ایک ہزار روپے ثمن ہے بائع نے سو روپے کم کر کے نو سو روپے لے لئے تو یہ بھی جائز ہے خواہ بیع موجود ہو یا نہ ہو اسی طرح صحیح ہے اضافہ بیع میں مثلاً ایک شخص نے ہزار روپے کے عوض ایک من گندم خرید لی پھر بائع نے اس پر پانچ کلو کا اضافہ کیا تو یہ جائز ہے یہ اضافہ اور کمی اصل عقد کے ساتھ متعلق ہوگی یعنی اب بائع پورے ثمن کا حقدار ہے سابقہ ثمن اور اضافہ شدہ ثمن دونوں کا۔ اسکو بیع روکنے کا حق حاصل ہے ثمن کی وصول یابی کے واسطے۔ اسی طرح اگر ثمن کم کیا تو کم ثمن کے ساتھ بیع متعلق ہوگی جب وہ مقدار ادا کی گئی

تو بیع حوالہ کرنا لازم ہوگا۔

وہ متعلق استحقاقہ بالجمع.... بشارح فرماتے ہیں کہ اس عبارت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں

(۱) یہ کہ بائع مستحق ہو پورے ثمن کا مزید اور مزید علیہ سب کا اور مشتری مستحق ہو پوری بیع کا مزید اور مزید علیہ سب کا۔

(۲) یہ کہ جب بیع کا کوئی مستحق ظاہر ہو جائے یا ثمن کا کوئی مستحق ظاہر ہو جائے تو یہ استحقاق پورے ثمن یعنی سابقہ اور اضافہ شدہ

سب کو شامل ہوگا اسی طرح جب بیع کا کوئی مستحق ظاہر ہو گیا تو مستحق پوری بیع کو سابقہ اور اضافہ شدہ سب کو لے گا اور مشتری کو اس

پوری بیع کا مکمل ثمن واپس کر دیا جائے گا اور یہ زیادتی مشتری کی طرف سے احسان اور ابتداء صلہ شمار نہ ہوگا بلکہ اصل عقد کے

ساتھ متعلق ہوگا۔۔ جبکہ امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک یہ کمی اور زیادتی اصل عقد کے ساتھ متعلق نہ ہوگی بلکہ یہ اضافہ ثمن کے

انداز مشتری کی طرف سے احسان اور ہبہ ہوگا اور بیع کے اندر اضافہ کرنا بائع کی طرف سے احسان اور ابتداء صلہ ہوگا۔۔ تفصیل مع

الدلائل آپ ہدایہ وغیرہ بڑی کتابوں میں پڑھ لیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

**فی رابع ویولی علی الكل ان زید..** یہ تفریح ہے اس بات پر کہ یہ اضافہ اور کمی اصل عقد کے ساتھ متعلق ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ ثمن ہزار روپے طے ہوا تھا پھر مشتری نے ثمن میں سو روپے کا اضافہ کیا اب کل ثمن گیارہ سو روپے ٹھہرا اب اگر مشتری

اس چیز کو بطور بیع مباحہ بیچنا چاہے تو مباحہ اور تولیہ گیارہ سو روپے پر کرے گا یعنی اصل ثمن گیارہ سو روپے بتلائے گا نہ کہ ہزار

روپے اس لئے کہ اضافہ اصل عقد کے ساتھ ملحق ہو چکا ہے اور اگر بائع نے ثمن میں کمی کی یعنی ہزار روپے سے سو روپے کم کئے اور

ثمن نو سو روپے ٹھہرایا تو اب اصل ثمن نو سو روپے بتلائے گا کیونکہ کمی اصل عقد کے ساتھ ملحق ہو چکی ہے اور اصل ثمن نو سو روپے ہے

**والشفیع یاخذها بالاقل فی الفصلین....** یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ اضافہ اور کمی جب اصل

عقد کے ساتھ ملحق ہوتی ہے تو شفیع کے حق میں یہ زیادتی اور کمی اصل عقد کے ساتھ لاحق ہونی چاہئے مثلاً ایک مکان خرید مشتری

نے ہزار روپے میں پھر سو روپے کا اضافہ کیا تو ثمن گیارہ سو روپے بن گیا تو شفیع کے حق میں گیارہ سو روپے کا اعتبار کرنا چاہئے

حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ شفیع ہزار روپے میں لیتا ہے۔

جواب... یہ ہے کہ شفیع کا حق عقد اول یعنی ہزار روپے کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے اور مقدار زائد یعنی سو روپے اس پر واجب

کرنے میں اسکے ثابت شدہ حق کو باطل کرنا لازم آتا ہے اور بائع اور مشتری کو کسی غیر کے حق کو باطل کرنے کا اختیار نہیں ہے

کیونکہ اس میں غیر کا ضرر ہے البتہ کمی شفیع کے حق میں بھی معتبر ہوگی اسلئے کہ اس میں ضرر نہیں شفیع کا بلکہ محض نفع ہے لہذا اس کا اعتبار

کیا جائے گا نیز یہ کمی ملحق ہوتی ہے اصل عقد کے ساتھ اور شفیع کا حق بھی اصل عقد کے ساتھ متعلق ہوتا ہے تو اس کے حق میں کمی بھی ظاہر ہوگی۔

فلو قال بع عبدك من زيد بالف عـ انى ضامن كذا من الثمن سوا الالف اخذ الالف من زيد والزيادة منه ولو لم يقل من الثمن فالالف على زيد ولا شىء عليه وكل دين اجل الى اجل معلوم صح الا القرض فانه يصير بيع الدراهم بالدراهم نسيئة فلا يجوز لانه يصير ربوا لان النقد خير من النسيئة -

ترجمہ... اگر ایک شخص نے کہا کہ تو اپنا غلام زید کے ہاتھ فروخت کرو ہزار کے عوض اس شرط پر کہ میں ضامن ہوں اتنی مقدار کا ثمن سے ہزار کے علاوہ تو بائع لے ہزار روپے زید سے اور زیادہ اس سے اور اگر نہ کہا من الثمن تو ہزار زید پر ہے اور اس پر کچھ نہیں اور ہر وہ دین جس کیلئے معلوم میعاد مقرر کی تو صحیح ہے سوائے قرض کے کیونکہ پھر تو وہ دراہم کی بیع دراہم کے عوض ہو جائے گی ادھار اور یہ جائز نہیں اسلئے کہ یہ ربوا ہو جائے گا کیونکہ نقد بہتر ہے ادھار سے۔

تشریح اگر اضافے کی شرط اجنبی کی طرف سے ہو تو اضافہ کس پر لازم ہوگا؟

صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے عمران سے کہا کہ تو اپنا غلام خالد کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرو کہ سو روپے کا میں ضامن ہوں ثمن سے ہزار کے علاوہ اور عمران نے اس طرح کر لیا تو ہزار روپے خالد پر لازم ہے اور سو روپے زید پر کیونکہ ثمن کے اندر اضافہ جس طرح مشتری کی جانب سے صحیح ہے اسی طرح اجنبی کی جانب سے بھی صحیح ہے اور جب اس نے من الثمن نہیں کہا بلکہ مطلق یہ کہا ہو کہ سو روپے میں دوں گا تو اس صورت میں اس اجنبی پر سو روپے لازم نہیں کیونکہ یہ تبرع ہے اور تبرع میں الزام نہیں ہوتا۔

وكل دين اجل الى اجل.... مسئلہ یہ ہے کہ ہر وہ دین جس کی ادائیگی فی الحال واجب ہو اگر اس میں صاحب دین مدیون کے واسطے کوئی معلوم میعاد مقرر کر دے تو یہ دین مؤجل ہو جائے گا اور اس تاخیر کی پابندی لازم ہوگی یعنی میعاد مقررہ سے پہلے نہیں مانگ سکتا کیونکہ دین صاحب حق کا اپنا حق ہے وہ اپنا حق ساقط بھی کر سکتا ہے کہ مدیون کو بالکل بری کر دے تو اس میں تخفیف بھی کر سکتا ہے کہ مدیون کے واسطے کوئی معلوم میعاد مقرر کر دے لیکن اگر قرض ادا کرنے کیلئے کوئی میعاد مقرر کی گئی ہو تو ہمارے نزدیک یہ لازم نہیں بلکہ میعاد مقرر کرنے سے پہلے قرض مقروض سے فوری مطالبہ کر سکتا ہے۔

جبکہ امام مالک کے نزدیک قرض میں میعاد مقرر کرنا درست ہے اور اسکی پابندی ضروری ہوگی۔

دلیل ان کی یہ ہے کہ قرض مقروض کے ذمہ واجب ہوتا ہے جیسے کہ دوسرے دیون واجب ہوتے ہیں پس جس طرح دوسرے دیون میں میعاد کی پابندی لازم ہے اسی طرح قرض میں پابندی لازم ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ قرض ابتداء عاریت اور تبرع ہے اور انتہاء معاوضہ ہے ابتداء کا لحاظ کرتے ہوئے قرض میں میعاد لازم نہیں ہے کیونکہ تبرع ہے اور تبرع میں میعاد لازم نہیں ہوتی اور انتہاء کا لحاظ کرتے ہوئے میعاد مقرر کرنا صحیح ہونا چاہئے اس لئے کہ معاوضہ ہے کیونکہ مقروض جو چیز مقروض کو دیتا ہے مقروض اس چیز کا مثل واپس کرتا ہے نہ کہ عین شئی یہ تو معاوضہ ہو گیا لیکن یہاں پر انتہاء کے لحاظ سے بھی میعاد مقرر کرنا درست نہیں کیونکہ میعاد مقرر کرنے کی صورت میں "بیع الدراہم بالدراہم نسیئۃ" یعنی دراہم کا دراہم کے عوض ادھا خریدنا لازم آتا ہے اور یہ ربوا ہے اگر چہ دراہم میں کمی زیادتی نہ ہو اور ربوا کا لازم آنا فساد قرض کا تقاضا کرتا ہے حالانکہ شریعت اسلام میں قرض دینا مندوب اور مستحسن ہے لہذا ہم نے قرض کی ابتدائی حالت کا اعتبار کیا اور بغیر لزوم میعاد کے اس کے جواز کے قائل ہو گئے

واللہ اعلم

۸۔ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ

مطابق ۲۔ ستمبر ۲۰۰۶ء

## باب الربوا

ربوا کے لغوی معنی: ربوا کا لغوی معنی ہے مطلق زیادتی جیسے کہا جاتا ہے حد الشیء ربوا علی حد ایہ چیز اس چیز سے بڑھ کر ہے ربوہ بلند مقام کو کہا جاتا ہے کیونکہ وہ تمام امان سے بڑھ کر ہوتا ہے۔

ربوا کے اصطلاحی معنی: اصطلاح شریعت میں ربوا کا استعمال پانچ قسم کے معانی کیلئے ہوتا ہے لیکن زیادہ تر اسکا استعمال دو معنوں کیلئے ہوتا ہے۔

ایک ربوا النسیہ اور دوسرا ربوا الفضل۔

ربوا النسیہ کی تعریف۔ ”هو القرض المشروط فيه الاجل وزيادة مال علی المستقرض“ وہ قرض جس میں اجل کی شرط لگائی گئی ہو اور مستقرض پر اضافے کی شرط ہو۔ اس کو ربوا القرآن بھی کہا جاتا ہے سود اور ربوا کی یہ قسم حرام ہے تمام ادیان سادہ میں اور اسکی حرمت پر نصوص موجود ہیں تمام کتب سادہ میں یہاں تک کہ موجودہ انجیل میں بھی اسکی حرمت پر نصوص موجود ہیں۔

(تفصیل کیلئے دیکھئے مکتبہ المدینہ ج ۱ ص ۵۶۷)

ربوا الفضل کی تعریف خود کتاب میں آرہی ہے:

سود کھانے والوں کی سزاء: اللہ تعالیٰ نے سود کھانے والوں کیلئے پانچ قسم کی سزائیں بیان فرمائی ہے۔

(۱) تخبط۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ,, لا يقومون الا كما يقوم الذي يتخبطه الشيطان من المس -

(۲) محق۔ مٹانا محقق اللہ الربوا ویربی الصدقات -

(۳) اعلان جنگ۔ فاذنوا بحرب من اللہ ورسوله -

(۴) کفر۔۔ وذرروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین۔ یعنی حرمت کے بعد بھی سود نہ چھوڑو گے اور حلال سمجھو گے تو ایمان سے خارج ہو جاؤ گے۔

(۵) خلود فی النار۔ ومن عاد ذلك فاولئك اصحاب النار هم فیها خالدون -



حدیث شریف میں ہے، "لعن رسول ﷺ اکل الربوا وموكله وشاهديه وکاتبه"۔

هو بفضل خال عن عوض شرط لاحد العاقدین فی المعاوضة ای فضل احد المتجانسین علی الاخر بالمعیار الشرعی ای الکیل او الوزن ففضل قفیزی شعیر علی قفیزی بر لایکون من باب الربوا وكذا فضل عشرة اذرع من الثوب الهروی علی خمسة اذرع منه لایکون من هذا الباب وانما قال خال عن العوض احترازا عن بیع کربر وشعیر بکری بر وکری شعیر فان للثانی فضلا علی الاول لکن غیر خال عن العوض بصرف الجنس الی خلاف الجنس وقال شرط لاحد العاقدین حتی لو شرط لغيرهما لایکون من باب الربوا وقال فی المعاوضة حتی لم یکن الف فضل الخالی عن العوض الذی هو فی الهبة ربوا

ترجمہ یہ وہ زیادتی ہے جو خالی ہو عوض سے جو شرط کی گئی ہو عاقدین میں سے کسی ایک کیلئے عقد معاوضہ میں یعنی دو ہم جنس چیزوں میں ایک کی زیادتی دوسری پر معیار شرعی سے یعنی کیل یا وزن سے تو دو قفیز جو کی زیادتی ایک قفیز گندم پر یہ باب ربوا سے نہیں ہے اسی طرح دس گز ہروی کپڑے کا اضافہ پانچ گز ہروی کپڑے پر بھی باب ربوا میں سے نہیں ہے اور کہا کہ خالی ہو عوض سے اس سے احتراز ہے ایک کر گندم اور ایک کر جو کی بیج بمقابلہ دو کر گندم اور جو کی بیج سے کہ اس میں بھی ثانی کا اضافہ ہے اول پر لیکن یہ عوض سے خالی نہیں کیونکہ جنس کو خلاف الجنس کی طرف پھیر دیا جاتا ہے اور کہا کہ شرط ہو احد العاقدین کیلئے لیکن اگر شرط کی گئی ہو ان دونوں کے علاوہ کیلئے تو یہ بھی باب ربوا سے نہیں ہے اور کہا کہ عقد معاوضہ میں ہو تو وہ زیادتی جو خالی ہو عوض سے ہبہ میں ربوانہ ہوگی۔

تشریح بو کی تعریف اور فوائد قیود: اس عبارت میں مصنف نے ربوا کی تعریف کی ہے اور شارح نے فوائد قیود ذکر کئے ہیں چنانچہ فرمایا کہ ربوا کی تعریف یہ ہے هو فضل خال عن عوض شرط لاحد العاقدین فی المعاوضة۔ ربوا وہ زیادتی ہے جو خالی ہو عوض سے اور اس زیادتی کی شرط لگائی گئی ہو عاقدین میں سے کسی ایک کیلئے عقد معاوضہ میں۔

شارح فرماتے ہیں کہ فضل سے مراد مطلق زیادتی نہیں بلکہ وہ زیادتی مراد ہے جو دو ہم جنس چیزوں میں تبادلے کے وقت ایک طرف سے زیادتی کی شرط لگائی گئی ہو اور وہ چیز بھی معیار شرعی پر اترتی ہو یعنی ملکیتی یا موزونی چیز ہو چنانچہ اگر ایک طرف سے دو قفیز جو ہو اور دوسری طرف سے ایک قفیز گندم ہو تو یہ ربوانہ ہوگا اسلئے کہ اس میں جنس ایک نہیں اور ربوا کے متحقق ہونے کیلئے اتنا جنس ضروری ہے۔ اسی طرح ایک طرف سے دس گز ہرات والا کپڑا ہو اور دوسری طرف سے پانچ گز ہرات والا کپڑا ہو تو یہ

بھی ربوا نہیں ہے اس لئے کہ معیار شرعی موجود نہیں یعنی کیلی اور موزونی ہونا کیونکہ کپڑا نہ کیلی ہے اور نہ موزونی۔

قولہ **خال عن العوض**: اس قید کے ساتھ احتراز ہے اس صورت سے کہ ایک طرف سے ایک کرگندم اور ایک کر جو ہو اور دوسری طرف سے دو کرگندم اور دو کر جو ہو اس صورت میں بھی ایک کا دوسرے پر اضافہ موجود ہے لیکن یہ عوض سے خالی نہیں اس لئے کہ ایک کرگندم مقابلے میں دو کر جو کے ہے اور ایک کر جو مقابلے میں دو کرگندم کے ہے تو جنس کو خلاف الجنس کی طرف پھیر دیا گیا عقد کو صحیح کرنے کیلئے لھذا یہ زیادتی عوض سے خالی نہیں ہے تو یہ عقد جائز ہوگا اور ربوا نہ کہلائے گا۔

شرط **لاحد العاقدین**... زیادتی اس وقت ناجائز ہے کہ جب عاقدین میں سے کسی ایک کے واسطے شرط کی گئی ہو لیکن اگر عاقدین کیلئے زیادتی نہ ہو بلکہ اجنبی کیلئے زیادتی کی شرط لگائی گئی ہو مثلاً یہ کہا کہ مجھے ایک کرگندم دیدو بمقابلہ ایک کرگندم کے اس شرط پر کہ ایک کر اضانی گندم تم زید کو دو گے یہ زیادتی ربوا نہیں ہے اور یہ زید کو دینا لازم بھی نہیں۔

فی **المعاوضۃ**... زیادتی اس وقت ناجائز ہے جبکہ عقد معاوضہ میں اس کی شرط لگائی گئی ہو اگر عقد معاوضہ میں نہ ہو جیسے کہ ہبہ میں کہ ایک طرف سے اضافہ اور زیادتی ہوتی ہے بلکہ ہبہ تو پورا کا پورا زیادتی ہے عوض سے خالی ہے تو یہ بھی ربوا نہیں ہے اسلئے کہ ہبہ عقد معاوضہ نہیں ہے بلکہ عقد تبرع ہے۔

وعلته القدر مع الجنس المراد بالقدر الكيل في المكيلات والوزن في الموزونات وعند الشافعي  
الطعم في المطعومات والتمية في الاثمان والجنسية شرط والمساواه مخلص والاصل الحرمة  
وعند مالك علته الطعم والادخار۔

ترجمہ اور علت ربوا قدر مع الجنس ہے مراد قدر سے کیل ہے مکیلی اشیاء میں اور وزن ہے موزونی اشیاء میں اور امام شافعی کے نزدیک طعم ہے کھانے والی چیزوں میں اور تمیہ ہے ٹمن والی چیزوں میں اور ہم جنس ہونا شرط ہے اور مساوات چھڑانے والا ہے اور اصل حرمت ہے اور امام مالک کے نزدیک علت ربوا طعم اور ادخار ہے۔

تشریح علت ربوا میں ائمہ کا اختلاف: اس بات پر تمام مجتہدین کا اتفاق اور اجماع ہے کہ حرمت ربوا کا حکم صرف اشیاء ستہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ معلول ہلتہ ہے تو یہاں سے مصنف ائمہ کرام کے نزدیک جو علت ہے ربوا کیلئے وہ بیان فرما رہے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ احتاف کے نزدیک علت ربوا قدر مع الجنس ہے قدر سے مراد کیل ہے مکيلات میں اور وزن ہے موزونات

میں اور جنس سے مراد یہ ہے کہ دونوں چیزوں کی جنس ایک ہو اور دونوں کی جنس ایک ہو مثلاً دونوں طرف سے گندم ہو اور قدر بھی ہو یعنی دونوں مکملی ہو یا موز و نی ہو تو پھر تقاضل اور ادھار دونوں حرام ہے۔

اور امام شافعیؒ کے نزدیک علت ربوا طعم اور شمیت ہے یعنی مطعومات میں طعم اور اثمان میں شمیت ہے چنانچہ ہر اس چیز میں ربوا حرام ہوگا جس میں طعم ہونا یا شمن ہونا پایا جائے اور مطعوم سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عام طور پر کھائی جاتی ہے خواہ روزی بنا کر ہو یا سالن بنا کر یا بطور تلذذ اور تفریح ہو۔ اور شمن سے مراد ہر وہ چیز ہے جو خلقی طور پر شمن ہو جیسے سونا چاندی یا عرفی شمن ہو جیسے راج الوقت کرنسی۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اموال ربویہ میں اصل حرمت ہے لیکن حرمت ربوا سے چھٹکارہ دلانے والی چیز دونوں عوضوں کے درمیان مساوات اور برابری ہے یعنی علت ربوا پایا جانے کی صورت میں اگر مساوات موجود ہو تو پھر حرام نہ ہوگا بلکہ مباح ہوگا اور ربوا متحقق ہونے کیلئے جنسیت شرط ہے یعنی ربوا اس وقت متحقق ہوگا جبکہ دونوں چیزوں کی جنس ایک ہو۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک علت ربوا طعم اور ادھار ہے یعنی جو چیزیں کھائی جاتی ہیں یا اس کو ذخیرہ کیا جاتا ہے اس میں ربوا متحقق ہوگا ورنہ نہیں (مزید تفصیل آپ ہدایہ میں پڑھ لیں گے) ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فحرم بیع الکیلی والوزنی بجنسہ متفاضلا ولو غیر مطعوم کالجص والحدید الجص من المکیلات والحدید من الموزونات وفيهما خلاف الشافعی ومالك بناء علی ما ذکرنا من العلة وحل متماثلا ای البیع فی الاشیاء المذکورہ۔

ترجمہ۔ تو حرام ہے بیع کیلی اور موز و نی چیز کی اپنی جنس کے عوض زیادتی کے ساتھ اگرچہ وہ غیر مطعوم ہو جیسے چونا اور لوہا چونہ مکملات میں سے ہے اور لوہا موز و نیات میں سے اور ان دونوں میں امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا اختلاف ہے مٹی ہے اس علت پر جو ہم نے ذکر کی ہے اور حلال ہے برابری کے ساتھ یعنی بیع ان اشیاء مذکورہ میں۔

تشریح علت ربوا پر تفریح : حرمت ربوا کی علت پر تفریح ہے جس میں ثمرہ اختلاف ظاہر ہوتا ہے مسئلہ یہ ہے کہ مکملی اور موز و نی اشیاء کی بیع اپنی جنس کے عوض زیادتی اور تقاضل کے ساتھ جائز نہیں ہے بلکہ برابری ضروری ہے خواہ وہ چیز کھانے کے قبیل سے نہ ہو جیسے چونا اور لوہا مثلاً چونا جب چونے کے عوض میں فروخت کر رہا ہو تو برابری ضروری ہے اسلئے کہ ہمارے نزدیک علت ربوا موجود ہے یعنی جنس بھی ایک ہے اور قدر یعنی وزن بھی موجود ہے اسلئے کہ چونا موز و نی چیز ہے اسی طرح لوہا جب لوہے کے عوض فروخت کر رہا ہو تو برابری ضروری ہے اسلئے کہ جنس بھی ایک ہے اور قدر یعنی وزن بھی موجود ہے لہذا تقاضل جائز نہ ہوگا اور برابری کے ساتھ جائز ہوگا اس میں امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک چونا اور لوہا جب اپنے ہم

جنس کے عوض میں فروخت ہو رہے ہوں تو ربوا متحقق نہیں ہوتا اسلئے کہ ان کے نزدیک علت ربوا موجود نہیں کیونکہ چونکہ اور لوہانہ مطعومات میں سے ہیں اور نہ اثمان میں سے لہذا انفاضل کے ساتھ اپنی جنس کے عوض فروخت کرنا جائز ہوگا۔

وبلا معیار ای حل البیع متفاضلا ی المعیار کحفنة بحفنتین وتمرۃ بتمرین وعند الشافعی لا یحل بیع المطعومات حفنة بحفنتین بناء علی ما ذکرنا من العلة وبناء علی ان الاصل عندنا الحل وعندہ الحرمة فعندنا ما یدخل فی الکیل یشبہ فیہ الحرمة وما لا یدخل فیہ یبقی علی اصلہ وهو الحل وعند الشافعی<sup>۲۷</sup> الاصل الحرمة والمساوات مخلص فما لا یدخل فی المسوی الشرعی وهو الکیل یبقی علی الاصل وهو الحرمة وانما جعل الحرمة اصلا بقوله علیہ السلام لا تتبعوا الطعام بالطعام الا سواء بسواء فما لا یكون مساویا کان حراما قلنا المعنی لا تتبعوا الطعام الذی یدخل فی المسوی الشرعی الا سواء بسواء کما اذا قیل لا تقتلوا الحيوان الا بالسکین المراد الحيوان الذی یمکن قتله بالسکین لا القمل والبرغوث

ترجمہ۔۔ اور بغیر معیار کے یعنی حلال ہے بیچ زیادتی کے ساتھ ان چیزوں میں جو معیار شرعی میں داخل نہیں جیسے ایک لپ بھر کے دو لپ بھر کے بدلے میں اور ایک انڈا اور انڈوں کے عوض میں اور ایک کھجور کی بیچ دو کھجور کے عوض میں اور امام شافعی کے نزدیک حلال نہیں مطعومات کی بیچ ایک لپ بھر کی دو لپ بھر کے عوض میں مگر اس علت پر جو ہم نے ذکر کی ہے اور مثنیٰ ہے اس بات پر کہ اصل ہمارے نزدیک حلت ہے اور ان کے نزدیک حرمت ہے تو ہمارے نزدیک جو چیز داخل ہوگی مین اس میں حرمت ثابت ہوگی اور جو داخل نہ ہو وہ اپنی اصل پر باقی رہے گی اور وہ حلت ہے اور امام شافعی کے نزدیک اصل حرمت ہے اور برابر ہی چھٹکارہ دینے والا ہے تو جو آلہ شرعیہ میں داخل نہ ہو اور وہ کیل ہے تو وہ اپنی اصل پر باقی رہے گی اور وہ حرمت ہے اور حرمت کو اصل بنایا گیا حضور ﷺ کے اس قول کی وجہ سے کہ تم نہ بیچو طعام کو طعام کے عوض مگر برابر برابر تو جو برابر نہ ہو گا وہ حرام ہوگا ہم کہتے ہیں کہ معنی یہ ہے کہ تم اس طعام کو نہ بیچو جو آلہ شرعیہ میں داخل ہے مگر برابر برابر جیسے کہا جائے کہ تم حیوان کو قتل نہ کرو مگر چھری سے اس سے مراد وہ حیوان ہے جس کا قتل کرنا چھری سے ممکن ہو نہ کہ جو اور پسو۔

تشریح: حنفیہ: ایک مٹھی یا ایک لپ یعنی دونوں ہتھیلوں کو ملا کر جو لپ بن جاتا ہے اس کو حنفیہ کہتے ہیں۔

جو معیار شرعی میں داخل نہیں ہے اس میں ربوا متحقق نہیں ہے: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ایک لپ گندم فروخت کیا یا ایک کھجور کو دو کھجور کے عوض فروخت کیا تو ہمارے نزدیک یہ جائز ہے اور یہ اضافہ سود نہ کہلائے گا اور امام شافعی کے

نزدیک مذکورہ صورت میں ایک ہفتہ کی دو ہفتوں کے عوض جائز نہیں ہے اور ایک اٹھارے کی بیچ دو اٹھاروں کے عوض اور ایک کھجور کو دو کھجور کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ اختلاف منی ہے علت ربوا کے اختلاف پر کہ امام شافعیؒ کے نزدیک علت ربوا طعم ہے اور ان چیزوں میں طعم بھی موجود ہے اور جنس بھی ایک ہے اور مخلص ربوا یعنی ربوا سے خلاصی دینے والی چیز وہ مساوات ہے جو یہاں موجود نہیں ہے اور اصل ان کے نزدیک حرمت ہے لہذا ان چیزوں میں اضافے کے ساتھ تبادلہ کرنا ربوا ہوگا اور حرام ہوگا اور جو چیز معیار شرعی میں داخل نہ ہو اس میں اصل کے اعتبار سے حرمت ہے امام شافعیؒ کے نزدیک اموال ربویہ میں حرمت اصل اسلئے ہے کہ حدیث میں ہے،، لا تبيعوا الطعام الا سواہ بسواہ،، تو جہاں مساوات نہ ہوگی وہاں حرمت ہوگی جبکہ احناف کے نزدیک علت ربوا قدر اور جنس ہے اور مذکورہ صورت میں ہفتہ کی بیچ ہفتین کے عوض میں اسلئے جائز ہے کہ اس میں معیار شرعی موجود نہیں کیونکہ معیار شرعی کم سے کم نصف صاع ہے اور جو نصف صاع سے کم ہو اس میں کسی بیشی جائز ہے کیل نہ ہونے کی وجہ سے اسلئے کہ شریعت میں نصف صاع سے کم کا کوئی آلہ موجود نہیں ہے لہذا جو نصف صاع سے کم ہو وہ اپنی اصل یعنی حلت پر باقی رہے گا اسی طرح ایک اٹھارو اٹھاروں کے عوض فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ اٹھارہ مالکلی ہے اور نہ موزونی لہذا اس میں بھی کسی بیشی جائز ہوگی۔

حضرت امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ لا تبيعوا الطعام سے مراد یہ ہے کہ نہ بیچو اس طعام کو جو الہ شرعی میں داخل ہے مگر برابر برابر جیسے کہا جاتا ہے "لا تفتلوا الحيوان الا بالسكين" اس سے مراد یہ نہیں کہ کوئی بھی حیوان کوئی بھی ہڈی روح چیز چھری کے بغیر ذبح نہ کرو حتیٰ کہ جوڑوں اور پسوڑوں کو بھی چھری سے قتل کرنا لازم ہو جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ عرف و عادت میں جس حیوان کو چھری سے ذبح کیا جاتا ہے جیسے بیل بکری وغیرہ انکو چھری سے ذبح کرو عموم مراد نہیں ہے اسی طرح یہاں بھی عموم مراد نہیں بلکہ عرف و عادت میں جو طعام الہ شرعیہ سے بیچا جاتا ہے اسکو برابری کے ساتھ بیچو اور جو الہ شرعیہ میں داخل نہیں وہ اپنی اصل یعنی حلت پر باقی ہے یہ مراد نہیں کہ ہر طعم والی چیز نہ بیچو مگر برابری کے ساتھ۔

فان وجد الوصفان حرم الفضل والنساء وان عدما حلا وان وجد احدهما لا الاخر حل. التفاضل  
لا النساء كما اذا بيع قفيز حنطة بقفيزي شعير يدا بيد حل فان احد جزئي العلة وهو الكيل  
موجود هنا لا الجزء الاخر وهو الجنسية وان بيع خمسة اذرع من الثوب الهروي بستة اذرع منه  
يدا بيد جاز ايضا لان الجنسية موجودة دون القدر ولا يجوز النسبية في الصورتين مع التساوي  
والامعه وذلك لان جزء العلة وان كان لا يوجب الحكم لكنه يورث الشبهة والشبهة في باب

الربوا ملحقة بالحقیقة لكنها ادون عن الحقیقة فلا بد من اعتبار الطرفين ففي النسبئة احد البدلين معدوم وبيع المعدوم غير جائز فصار هذا المعنى مرجحا لتلك الشبهة فلا يحل وفي غير النسبئة لم يعتبر الشبهة لما قلنا ان الشبهة ادون من الحقیقة على ان الخبر المشهور وهو قوله عليه السلام اذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم بعد ان يكون يدا بيد يؤيد بما قلنا وعند الشافعی الجنس بانفراده لا يحرم النساء

ترجمہ۔ پس اگر دونوں وصف موجود ہوں تو حرام ہے کی بیشی اور ادھار اور اگر ایک موجود ہو دوسرا نہ ہو تو حلال ہے کی بیشی نہ کہ ادھار جیسے ایک ہر وہی کپڑا کی بیچ دو ہر وہی کپڑوں کے عوض اور گندم کو جو کے عوض یعنی اگر قدر اور جنس دونوں موجود ہوں تو حرام ہے کی بیشی جیسے ایک قفیز گندم دو قفیز گندم کے عوض فروخت کرنا اور ادھار اگر چہ برابری موجود ہو جیسے ایک قفیز گندم ایک قفیز کے عوض ادھار بیچا۔ یا دونوں ادھار ہوں اور اگر دونوں معدوم ہوں تو حلال ہے کی بیشی اور ادھار دونوں اور اگر ایک موجود ہو دوسرا نہ ہو تو حلال ہے کی بیشی نہ ادھار جیسے ایک قفیز گندم دو قفیز جو کے عوض ہاتھ در ہاتھ تو حلال ہے کیونکہ علت کے دو جزوں میں سے ایک یعنی کیل موجود ہے اور دوسرا جز موجود نہیں اور وہ جنسیت ہے اور اگر بیچا جائے پانچ گز ہر وہی کپڑا چھ گز ہر وہی کپڑے کے عوض ہاتھ در ہاتھ تو یہ جائز ہے کیونکہ جنسیت موجود ہے قدر نہیں اور دونوں صورتوں میں ادھار جائز نہیں چاہے تساری ہو یا نہ ہو اور یہ اسلئے کہ جز علت اگر چہ حکم ثابت نہیں کرتا لیکن شبہ پیدا کرتا ہے اور شبہ بھی باب ربوا میں ملحق ہے حقیقت کے ساتھ لیکن حقیقت سے کم ہے تو طرفین کا اعتبار ضروری ہے تو ادھار کی صورت میں بد لین میں سے ایک معدوم ہے اور معدوم کی بیچ جائز نہیں تو یہ معنی ترجیح دینے والا ثابت ہوا اس شبہ کیلئے تو حلال نہیں اور ادھار نہ ہونے کی صورت میں شبہ کا اعتبار نہیں اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ شبہ حقیقت سے کم ہے ساتھ خبر مشہور بھی ہے کہ جب نوع مختلف ہو جائے تو بیچو جیسے چاہو بعد اسکے کہ ہاتھ در ہاتھ ہو یہ ہماری بات کی تائید کرتا ہے اور امام شافعی کے نزدیک تھا جنس ادھار کو حرام نہیں کرتا۔

تشریح جب قدر اور جنس دونوں موجود ہوں یا دونوں معدوم ہوں تو اس کی تفصیل:

پہلے ثابت ہو چکی ہے کہ ہمارے نزدیک علت ربوا دو چیزیں ہیں (۱) قدر (۲) جنس۔ تو عقلی طور پر اسکی تین صورتیں ہیں (۱) یا دونوں موجود ہو (۲) یا دونوں معدوم ہوں (۳) یا ایک موجود ہو اور دوسری معدوم ہو۔

اگر دونوں چیزیں موجود ہوں تو تقاضا اور ادھار دونوں حرام ہیں اور اگر دونوں معدوم ہوں تو تقاضا اور ادھار دونوں جائز ہیں اور اگر ایک موجود ہو اور دوسرا معدوم ہو تو تقاضا جائز ہے اور ادھار حرام ہے۔ مثلاً ایک قفیز گندم دو قفیز جو کے عوض فروخت کرنا

جائز ہے ہاتھ در ہاتھ لیکن ادھار جائز نہیں اسلئے کہ علت کا ایک جز یعنی قدر یہاں پر موجود ہے لیکن دوسرا جز یعنی جنسیت معدوم ہے اسی طرح پانچ گز ہر دی کپڑا فروخت کرنا چھ گز ہر دی کپڑے کے عوض جائز ہے ہاتھ در ہاتھ لیکن ادھار جائز نہیں اس لئے کہ یہاں بھی علت کا ایک جز یعنی جنس تو موجود ہے لیکن دوسرا جز یعنی قدر موجود نہیں تو ادھار بالکل ناجائز ہے چاہے تساوی ہو یا نہ ہو کیونکہ علت کا ایک جز موجود ہے اور ایک جز موجود ہونے کی صورت میں ادھار جائز نہیں ہوتا

وذلك لان جزء العلة... سے شارحؒ یہ بات ثابت کرنا چاہتا ہے کہ علت ربوا کے ایک جز موجود ہونے کی صورت میں ادھار حرام ہے دلیل کی تفصیل یہ ہے

کہ باب ربوا میں ایک حقیقت ربوا ہے اور ایک شبہہ الربوا جب قدر اور جنس دونوں موجود ہوں تو وہاں حقیقت ربوا موجود ہوگا اور جہاں صرف قدر موجود ہو یا صرف جنس موجود ہو تو وہاں شبہہ الربوا موجود ہوگا صرف ایک جز یعنی صرف قدر یا صرف جنس حقیقت ربوا کو ثابت نہیں کر سکتا کیونکہ حقیقت ربوا ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں جز موجود ہوں لیکن ایک جز سے شبہہ الربوا ضرور ثابت ہوتا ہے اور شبہہ الربوا اس باب میں ملحق ہے حقیقت ربوا کے ساتھ تو جہاں قدر ہو جیسے گندم کی بیج جو کے عوض تو ادھار حرام ہوگا اس لئے کہ ایک عوض جب نقد ہو اور دوسرا ادھار ہو تو نقد ہونا مالیت میں زیادتی پیدا کرتا ہے جیسے کہ مشہور ہے اللقد خیر من المنسیدہ تو گویا کہ اس سے شبہہ الربوا ثابت ہو گیا لیکن یہ حقیقت ربوا پھر بھی نہیں تو ہم نے دونوں طرفین کا اعتبار کیا یعنی حقیقت علت موجود نہیں تو ہم نے کہا کہ کسی بیشی جائز ہے اور علت ربوا کا ایک جز موجود ہے تو ہم نے کہا کہ ادھار جائز نہیں نیز ادھار کی صورت میں بدلین میں سے ایک بدل معدوم ہوتا ہے اور معدوم کی بیج جائز نہیں ہوتی تو ادھار کی صورت میں یہ معنی (یعنی معدوم کی بیج جائز نہ ہونا) مرنج ہوگا لہذا علت کے ایک جز ہوتے ہوئے ادھار جائز نہ ہوگا اور ادھار نہ ہونے کی صورت میں شبہہ کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ ہم کہہ چکے ہیں کہ شبہہ حقیقت سے کم ہے۔ نیز ادھار حرام ہونے پر احادیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے چنانچہ حدیث میں ہے،، اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم بعد ان یکون یدایا بید،، کہ جنس کے مختلف ہونے کی صورت میں کی زیادتی تو جائز ہے لیکن باہمی قبضہ ضروری ہے اور باہمی قبضہ ضروری ہونا ادھار حرام ہونے کی دلیل ہے تو معلوم ہوا کہ علت کے ایک جز ہوتے ہوئے ادھار حرام ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ تنہا جنس ادھار کو حرام نہیں کرتی یعنی اگر دونوں عوضوں کی جنس ایک ہو اور طعم یا شمیت اس میں نہ ہو تو ان کے نزدیک ادھار بھی حرام نہیں جیسے کہ کئی بیشی حرام نہیں مٹلا ایک ہر دی کپڑا دوسری ہر دی کپڑوں کے عوض ادھار فروخت کر سکتا ہے کیونکہ اس میں نہ طعم ہے اور نہ شمیت جب علت ربوا موجود نہیں تو ادھار بھی حرام نہ ہوگا۔

الشعير والبر والتمر والملح كيلی والذهب والفضة وزنی ابدأ وان تركا فيها ای وان ترك الكيل  
 فی الاربعة المتقدمة والوزن فی الاخيرين لقوله عليه السلام الحنطة بالحنطة الحديث ويحمل  
 فی غيرها على العرف فلم يجز بيع البر بالبر متساويا وزنا والذهب بجنسه متمائلا كيلا كما لم  
 يجز مجازفة واعتبر تعيين الربوى فى غير صرف بلا شرط تقابض المعترف فى بيع الاموال الربوية  
 ان يكون المبيع معيناً حتى لو لم يكن معيناً كان سلماً فلا بد فيه من شرائطه اذا لم يوجد شرائط  
 السلم كان العقد بيعاً غير سلم فلا بد من التعيين ولا يشترط التقابض فى المجلس ان لم يكن  
 صرفاً حتى لو كان صرفاً يشترط وعند الشافعى يشترط التقابض فى المجلس فى بيع الطعام  
 سواء بيع بجنسه او خلاف جنسه هذا فى الاموال الربوية اما فى غيرها ان لم معيناً فان كان مما  
 يجرى فيه السلم فان وجد شرائط السلم يصح بشرائطه بطريق السلم فان لم توجد يفسد البيع  
 وان لم يوجد فيه السلم يفسد البيع لعدم التعيين -

ترجمہ۔ جو، گندم، کھجور اور نمک کیلی ہیں۔ سونا اور چاندی وزنی ہے ہمیشہ اگرچہ متروک ہوئے ہوں ان میں یعنی اگرچہ متروک  
 ہو چکا ہو کیل پہلے چاروں میں اور وزن اخیرى دونوں میں حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے الحنطۃ بالحنطۃ الخ اور ان اشیاء کے علاوہ  
 عرف پر محمول ہے تو جائز نہیں گندم کی بیج گندم کے عوض برابری کے ساتھ وزن کے اعتبار سے اور سونے کی اپنی ہم جنس کے  
 عوض کیل کے اعتبار سے جیسے کہ جائز نہیں انکل سے اور معتبر ہے تعیین ربوی اشیاء میں بیج صرف کے علاوہ قبضہ کی شرط کے بغیر  
 اموال ربویہ کی بیج میں معتبر یہ ہے کہ بیج معین ہو اگر معین نہ ہو تو یہ بیج سلم ہو جائے گی تو اس میں پھر سلم، کے شرائط ضروری  
 ہوں گے اور جب سلم کے شرائط نہ پایا جائیں تو یہ عقد بیج غیر سلم ہوگا تو تعیین ضروری ہے اور مجلس میں قبضہ شرط نہیں اگر یہ بیج  
 صرف نہ ہو اگر صرف ہو تو پھر قبضہ شرط ہے اور امام شافعی کے نزدیک شرط ہے قبضہ مجلس میں طعام کی بیج میں چاہے جنس کے عوض  
 بیجا جائے یا خلاف جنس کے عوض یہ اموال ربویہ میں ہیں اور اموال غیر ربویہ میں اگر معین نہ ہو اگر وہ ایسا ہے کہ اس میں سلم جاری  
 ہوتی ہے پس اگر سلم کے شرائط موجود ہوں تو وہ صحیح ہوگی ان کے شرائط کے ساتھ بطریق سلم اور اگر موجود نہ ہوں تو بیج فاسد ہوگی  
 اور اگر اس میں بیج سلم جائز نہ ہو تو بیج فاسد ہوگی معین نہ ہونے کی وجہ سے

تشریح جو چیزیں عہد رسالت میں کیلی تھیں وہ تا قیامت کیلی ہوں گی:

مسئلہ یہ ہے کہ عہد رسالت میں جو چیزیں کیلی تھیں یعنی آپ ﷺ اور صحابہؓ میں کیل کے ساتھ معاملہ کرتے تھے وہ ہمیشہ کیلی



ہی شمار ہوں گی اگرچہ لوگوں نے اس میں کیل کے ساتھ معاملہ کرنا ترک کر دیا ہو جیسے جو، گندم، کھجور، نمک اور جو چیزیں وزنی تھیں جیسے سونا، چاندی وہ ہمیشہ وزنی رہیں گی اگرچہ لوگوں نے اس میں وزن ترک کیا ہو پس اگر کسی نے گندم کو گندم کے عوض وزن کے ساتھ برابر بیچ دیا تو یہ جائز نہیں کیونکہ گندم عہد رسالت میں کیلی تھی اس میں قیامت تک کیل ہی کے ذریعے برابری معتبر ہوگی نہ کہ وزن کے ذریعے۔ اسی طرح اگر کسی نے سونے کو سونے کے عوض بیچ دیا اور برابری کیل کے ساتھ کی تو یہ جائز نہیں کیونکہ سونا آپ ﷺ کے دور میں وزنی تھا اس لئے اس میں برابری قیامت تک وزن کے ذریعے ہوگی نہ کہ کیل کے ذریعے جیسے کہ یہ چیزیں انکل فروخت کرنا جائز نہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول ﷺ کی اطاعت ہم پر واجب ہے پس جس چیز کو آپ ﷺ نے کیلی قرار دیا ہے وہ ہمیشہ کیلی ہوگی اور جس کو وزنی قرار دیا ہے وہ ہمیشہ وزنی ہوگی کیونکہ نص عرف کے مقابلے میں اقوی ہے اس لئے کہ عرف تو باطل پر بھی ہو سکتا ہے جیسے کے باغ کے درختوں پر پھل آنے سے پہلے بیچ کرنا اس پر لوگوں کا عرف ہے حالانکہ یہ عرف باطل پر ہے اور نص ثابت ہونے کے بعد باطل ہونے کا احتمال نہیں رکھتی اور یہ بھی ہے کہ عرف تو ان لوگوں کے حق میں حجت ہے جن کا عرف ہے لیکن جن لوگوں کا یہ عرف نہیں ان کے حق میں یہ حجت نہیں ہے اور نص سب کے حق میں حجت ہے تو عرف کے مقابلے میں نص اقوی ہے اور عرف ضعیف ہے ضعیف کی وجہ سے اقوی کو ترک نہیں کیا جاتا اور جن چیزوں کے کیلی یا وزنی ہونے پر نص موجود نہیں ان کا کیلی یا وزنی ہونا عرف پر محمول ہے یعنی تجارت کرنے والوں کی عادت پر محمول ہوگا اگر وہ ان چیزوں میں کیل کے ذریعے تجارت کرتے ہیں تو کیلی شمار ہوں گی اور اگر وہ وزن کے ذریعے تجارت کرتے ہیں تو وزنی شمار ہوں گی کیونکہ نص موجود نہ ہونے کی صورت میں عرف اور رواج بمنزلہ اجماع ہے اور اجماع حجت شرعی ہے۔

قولہ واعترتین الربوی .... مسئلہ یہ ہے کہ نقد یعنی سونا چاندی کے علاوہ باقی اموال ربویہ میں یعنی مکملات اور موزونات کی بیچ میں عوضین کا متعین کرنا معتبر اور ضروری ہے مجلس عقد کے اندر اس پر قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے شارح فرماتے ہیں کہ اگر بیع متعین نہ ہو جائے تو قبضہ تو اس پر ہوا نہیں ہے بلکہ گویا کہ بیع ادھار ہو گئی اور یہ بیع سلم کی صورت بن گئی تو اس میں سلم کے شرائط ضروری ہیں اور جب سلم کے شرائط موجود نہ ہوں تو پھر یہ عقد۔ عقد غیر سلم ہوگا تو اس میں تعین ضروری ہے۔

اس عبارت میں کچھ تسامح ہے کیونکہ عبارت کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گندم کی بیچ جو کے عوض یا گندم کی بیچ گندم کے عوض جب ہو پس اگر اس میں عوضین متعین ہوں تو بیع جائز ہے اور اگر عوضین متعین نہ ہوں تو پھر بیع سلم ہے تو اب اس میں سلم کے شرائط کا لحاظ ضروری ہوگا حالانکہ یہ معنی غلط ہے کیونکہ بیع سلم اموال ربویہ میں جائز نہیں ہے اگر ایک طرف سے گندم نقد ہو اور دوسری

طرف بطور سلم ایک ماہ بعد ہو تو یہ بیع سلم درست نہیں ہے

تو اب عبارت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جب آپ نے کوئی چیز بیچ دی اور بیع کو متعین نہ کیا تو یہ عقد۔ عقد سلم بن گیا کیونکہ عقد سلم میں بیع متعین نہیں ہوتی اس لئے کہ وہ معدوم ہوتی ہے اور جب یہ عقد عقد سلم بن گیا تو اسمیں عقد سلم کے شرائط کا لحاظ ضروری ہے اور عقد سلم کے شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عوضین اموال ربویہ میں سے نہ ہوں اور یہاں تو عوضین اموال ربویہ میں سے ہیں تو یہ عقد۔ عقد سلم تو نہیں ہو سکتا لہذا یہ عام بیع اور عام عقد ہوگا یعنی بیع مطلق ہوگی اور بیع مطلق میں عوضین کی تعیین ضروری ہے تقابض فی المجلس ضروری نہیں کیونکہ بیع نفس عقد کرنے سے متعین ہو جاتی ہے۔

اور اگر یہ بیع صرف ہو یعنی سونا چاندی کا معاملہ ہو تو پھر صرف تعیین کافی نہیں ہے بلکہ تقابض فی المجلس بھی ضروری ہے اور امام شافعی کے نزدیک اگر مطعوم کی بیع مطعوم کے عوض ہو خواہ جس متحد ہو جیسے گندم کی بیع گندم کے عوض یا مختلف ہو جیسے گندم کی بیع جو کے عوض تو اس صورت میں متعین کرنا کافی نہیں بلکہ قبضہ کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ حدیث شریف میں یدایبید سے قبضہ ہی مراد ہے نیز جس عوض پر مجلس عقد میں قبضہ کیا گیا وہ نقد ہو گیا اور جس پر قبضہ نہیں کیا گیا وہ ادھار ہو گیا اور اللھد خیر من النسیہ کے رو سے نقد کو غیر نقد پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہوتی ہے تو اس میں ربوا کا شبہ پیدا ہو گیا اور اس باب میں شبہ ربوا بھی حقیقت ربوا کی طرح حرام ہے لہذا عوضین پر قبضہ کرنا مجلس عقد میں ضروری ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اموال ربویہ میں سونا چاندی کے علاوہ تمام اموال متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں اس پر قبضہ کرنا شرط نہیں ہے اور جو چیز متعین ہو جاتی ہے اس پر قبضہ کرنا شرط نہیں ہے برخلاف بیع صرف کے کہ اسمیں نفس عقد سے نقد متعین نہیں ہوتے جب تک اس پر قبضہ نہ کیا جائے اور حدیث میں یدایبید سے مراد عینا بعین ہے عبادہ بن صامت کی حدیث میں یہی الفاظ موجود ہیں سواہ بسواہ عینا بعین فمن زاد او استزاد فقد ربوا۔۔ عین بعین سے مراد تعیین ہے پس بیع الطعام بالطعام میں متعین کرنا شرط ہے نہ کہ قبضہ کرنا۔

ہذا فی الاموال الربویۃ... شارح فرماتے ہیں کہ مذکورہ تفصیل (کہ بیع متعین کرنا ضروری ہے قبضہ کرنا ضروری نہیں) اموال ربویہ کے بارے میں ہے پس اگر بیع اموال ربویہ میں سے نہ ہو تو پھر دیکھا جائے گا اگر بیع ان میعات میں سے ہو جس میں بیع سلم جاری ہوتی ہے اور بیع سلم کے شرائط بھی اس میں موجود ہوں تو بیع صحیح ہو جائے گی سلم کے شرائط کے ساتھ اور یہ بیع۔ بیع سلم ہوگی اور اگر سلم کے شرائط اس میں موجود نہ ہوں تو بیع ہی فاسد ہوگی اور اگر ان میعات میں سے ہو جس میں بیع سلم جاری نہیں ہوتی تو سرے سے بیع ہی فاسد ہوگی بیع کے متعین نہ ہونے کی وجہ سے کیونکہ جب بیع مجہول ہو تو بیع فاسد ہوتی ہے۔

رجاز بیع الفلوس بفلسین باعیانہما خلافاً لمحمدؐ لہ ان الفلوس اثمان فلاتتعین بالتعین فصار  
 كما اذا كانا بغير اعیانہما وکیع الدرہم بالدرہمین ولہما ان ثمنیتہما بالاصطلاح واصطلاح  
 الغیر لایکون حجة علی المتعاقدين وھما ابطلا ثمنیتہما لانہما قصدا تصحیح العقد ولا وجہ لہ  
 الا بتعینہما وخروجهما عن الثمنیة لانہما اذا خرجا عن الثمنیة یکون اعیانہما مطلوبیة  
 لمالیتہما فیمكن ان یعطى فلسین ویأخذ فلسا طلباً لصورته واللحم بالحيوان خلافاً لمحمدؐ فان  
 عنده اذا بیع الحيوان بلحم حیوان من جنسه لایجوز البیع الا اذا كان اللحم اکثر من ذلك  
 الحيوان لیکون الزائد فی مقابلة السقط وعندہما یجوز مطلقاً لانہ بیع الموزون بما لیس بموزون  
 والدقیق بجنسه کیلا والرطب بالرطب والتمر عند ابی حنیفةؒ وعندہما وعند الشافعیؒ  
 لایجوز ان تقص الرطب بالجفاف -

ترجمہ۔ ایک متعین پیسہ دو متعین پیسوں کے عوض بیچنا جائز ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ فلوس  
 ثمن ہے متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے پس یہ ایسا ہو گیا جیسے کہ دونوں غیر متعین ہوں اور جیسے ایک درہم کی بیع دو درہم کے  
 عوض فروخت کرنا اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ فلوس کا ثمن ہونا ان دونوں کے اتفاق کرنے سے ثابت ہوا ہے اور غیر کا اتفاق ان  
 دونوں پر حجت نہیں ہے اور ان دونوں نے اس کی صمیمیت باطل کر دی ہے کیونکہ ان دونوں نے عقد کی تصحیح کا قصد کیا ہے اور تصحیح  
 عقد کی کوئی وجہ نہیں سوائے اس کے کہ ان دونوں کو متعین کر دیا جائے اور ثمنیت سے نکال دیا جائے کیونکہ جب یہ ثمنیت سے نکل  
 جائے تو پھر ان کی عین ہی مطلوب ہوگی نہ کہ ان کی مالیت تو ممکن ہے کہ دو پیسے دیدئے جائے اور ایک پیسہ لے لیا جائے اس کی  
 صورت مطلوب ہونے کی وجہ سے۔ اور جائز ہے گوشت کو حیوان کے عوض بیچنا برخلاف امام محمدؒ کے کیونکہ ان کے نزدیک جب  
 ایک حیوان کو حیوان کے گوشت کے عوض بیچا جائے اسی جنس سے تو جائز نہیں ہے یہ بیع مگر یہ کہ الگ کیا ہوا گوشت زیادہ ہو اس  
 گوشت سے جو حیوان میں ہے تاکہ زائد حیوان کے اجزاء کے مقابلے میں ہو جائے اور حضرات شیخین کے نزدیک جائز ہے مطلقاً  
 کیونکہ یہ موزون کی بیع ہے غیر موزون کے عوض اور جائز ہے آٹے کی بیع اپنی ہم جنس کے عوض ناپ کر کے اور پختہ تازہ کھجور کی  
 بیع پختہ تازہ کھجور اور پختہ خشک کھجور کے عوض یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور حضرات صاحبین اور امام شافعیؒ کے  
 نزدیک جائز نہیں اگر کم ہوتی ہو تازہ کھجور سوکنے سے۔

تشریح: فلوس کی بیع میں کمی اور: یادتی کی تفصیل:

فلس کے معنی ہے پیسہ یعنی خالص سونا اور چاندی کے علاوہ جتنے سکے ہیں ان کو فلوس کہتے ہیں۔

سلسلہ یہ ہے کہ فلوس کو فلوس کے عوض متفاضلاً بیچنے کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) ایک غیر متعین پیسہ کی بیچ دو غیر متعین پیسوں کے عوض۔

(۲) ایک متعین پیسہ کی بیچ دو غیر متعین پیسوں کے عوض۔

(۳) ایک غیر متعین پیسہ کی بیچ دو متعین پیسوں کے عوض۔

(۴) ایک متعین پیسہ کی بیچ دو متعین پیسوں کے عوض۔

ان میں اول تین صورتوں میں بیچ فاسد ہے بالاتفاق اور چوتھی صورت میں شیخین کے نزدیک بیچ جائز ہے اور امام محمد کے نزدیک ناجائز ہے۔

صورت نمبر ۱-۲-۳ کی تفصیل یہاں پر چھوڑ دی جاتی ہے اور صرف صورت نمبر ۴ کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے ص

چنانچہ امام محمد فرماتے ہیں کہ فلوس ٹمن ہیں اور متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا اور جب فلوس متعین کرنے سے متعین نہ ہوئے تو ان کی بیچ ایسی ہوگی جیسا کہ دونوں عوض غیر متعین ہوں اور غیر متعین ہونے کی صورت میں بیچ فاسد ہوتی ہے تو یہاں بھی بیچ فاسد ہوگی یا جیسے کہ ایک درہم کی بیچ دو درہم کے عوض باطل ہے تو ایک فلس کی بیچ دو فلوس کے عوض بھی ناجائز ہوگی۔ نیز فلوس کا ٹمن ہونا تمام لوگوں کے اتفاق سے ثابت ہوا ہے اور جو چیز تمام لوگوں کے اتفاق سے ثابت ہو جائے وہ صرف بائع اور مشتری کے باطل کرنے سے باطل نہیں ہوتی جب اس کی شمیعت باطل نہ ہوئی تو شمیعت باقی رہ گئی اور شمیعت کے باقی رہنے کی صورت میں فلوس کو متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے اور جب، متعین نہ ہوئے تو ایک فلس کی بیچ دو فلوس کے عوض صحیح نہ ہوگی۔

حضرات شیخین کی دلیل یہ ہے کہ فلوس کا ٹمن ہونا خود عاقدین کے اتفاق سے ثابت ہوا ہے نہ کہ تمام لوگوں کے اتفاق سے کیونکہ دوسرے لوگوں کا اتفاق متعاقدین پر حجت اور دلیل نہیں ہے۔ اور متعاقدین نے اس کی شمیعت باطل کر دی ہے کیونکہ انہوں نے عقد کو صحیح کرنے کا ارادہ کیا ہے اور صحیح عقد کی کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ ان دونوں کو متعین کر کے بمنزلہ عام سامان کے بنا دیا جائے اور شمیعت سے نکال دیا جائے اور جب یہ شمیعت سے خارج ہو گئے اور بمنزلہ سامان کے ہو گئے تو اب اسکی شمیعت مقصود نہ رہی بلکہ ان کی عین مقصود ہو گئی لہذا اب یہ جائز ہے کہ ایک متعین فلس کے عوض دو متعین فلوس کو لیا جائے جیسے ایک اخروٹ کے عوض دو اخروٹ کو لینا جائز ہے اسی طرح یہاں بھی ہے کیونکہ مالیت کو طلب نہیں کیا جاتا بلکہ اس چیز کی صورت اور عین طلب کی جاتی ہے لہذا احد الجائزین سے اضافہ جائز ہے کیونکہ اس میں ربوا لازم نہیں آتا اسلئے کہ یہ نہ ملکی ہے اور نہ مؤزونی

بلکہ عددی ہے البتہ جس شخص سے تو ادھار جائز نہ ہوگا۔

قولہ واللحم بالحمیوان.... گوشت کو جانور کے عوض فروخت کرنے کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) گوشت کو اسکی ہم جنس کے علاوہ جانور کے عوض فروخت کرنا مثلاً گائے کا گوشت بکری کے عوض فروخت کرنا یہ صورت جائز ہے بالاتفاق خواہ بکری کے اندر کا گوشت گائے کے گوشت سے زیادہ ہو یا برابر یا کم یہ اسلئے جائز ہے کہ اجناس مختلف ہیں۔

(۲) گوشت کو اپنی ہم جنس کے عوض فروخت کرنا مثلاً بکری کا گوشت بکری کے عوض فروخت کرنا یہ جائز ہے جبکہ برابر ہو اور اگر ایک جانب زیادہ ہو یا معلوم نہ ہو تو یہ جائز نہیں ہے بالاتفاق اسلئے کہ جنس بھی ایک ہے اور موزونی بھی ہے یعنی قدر اور جنس دونوں موجود ہیں لہذا زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہوں گے۔

(۳) گوشت کو اپنی ہم جنس جانور کے عوض فروخت کرنا جبکہ جانور ذبح شدہ ہو یعنی ایک طرف بکری کا دس کلو گوشت ہو اور دوسری طرف ذبح شدہ ہو بکری اپنی کھال اور اجزاء سمیت موجود ہو تو یہ صورت ناجائز ہے الا یہ کہ خالص جدا شدہ گوشت اس گوشت سے زیادہ ہو جو بکری میں موجود ہے کیونکہ گوشت کو گوشت کے عوض میں قرار دیا جائیگا اور باقی اضافی گوشت کھال اور اجزاء وغیرہ کے عوض میں ہو جائے گا۔

(۴) گوشت کو اس کے ہم جنس زندہ جانور کے عوض فروخت کرنا یعنی ایک طرف بکری کا بیس کلو گوشت ہو اور دوسرے طرف زندہ بکری ہو تو حضرات شیخین کے نزدیک یہ صورت جائز ہے خواہ گوشت اس گوشت کے برابر ہو جو زندہ بکری میں ہے یا کم ہو یا زیادہ۔ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ بکری کا الگ کیا ہوا گوشت اگر اس گوشت سے زیادہ ہو جو بکری میں ہے تب تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں اس لئے کہ گوشت تو گوشت کے مقابلے میں ہو جائے گا اور اضافی گوشت سقط یعنی اجزاء کھال سری پائے وغیرہ کے عوض میں ہو جائے گا۔ اگر ایسا نہ ہو یعنی خالص جدا شدہ گوشت زیادہ نہ ہو زندہ بکری میں جو گوشت موجود ہے اس سے بلکہ یا تو بکری کے گوشت کے برابر ہو یا اس سے کم ہو تو پھر جائز نہیں اسلئے کہ مثلاً دس کلو گوشت تو اس دس کلو گوشت کے عوض میں ہو گیا جو بکری سے حاصل ہو رہا ہے اور باقی کھال سری پائے وغیرہ آپ کو بلا عوض حاصل ہو گئے معاوضہ مالہ میں اور معاوضہ مالہ میں زیادتی بلا عوض ربا ہوتی ہے لہذا یہ صورت جائز نہیں ہے۔

حضرات شیخین کی دلیل یہ ہے کہ یہاں پر علت ربا موجود نہیں کیونکہ گوشت موزونی چیز ہے اور زندہ جانور غیر موزونی چیز ہے یعنی ذوات القیم میں سے ہے علت کامل نہ ہونے کے وقت کی زیادتی جائز ہوتی ہے لہذا گوشت زندہ حیوان کے عوض فروخت کرنا مطلقاً صحیح ہے خواہ زندہ بکری میں جو گوشت ہے وہ جدا شدہ گوشت سے زیادہ ہو یا برابر ہو یا کم۔

والدقیق بجنسہ کیلئے.... مسئلہ یہ ہے کہ آٹے کی بیج آٹے کے عوض کیل کے اعتبار سے صحیح ہے برابری کے ساتھ اسلئے کہ اتحاد جنس اور قدر موجود ہے یعنی آٹے اور گندم کی جنس بھی ایک ہیں۔ آٹا اور گندم کیلی بھی ہیں۔ تو علت ربوا کامل موجود ہے لہذا برابری کی صورت میں بیج جائز ہوگی اور تقاضل کی صورت میں جائز نہ ہوگی۔

والرطب بالرطب والتمر: رطب پختہ تازہ چھوارے کو کہتے ہیں جس کو ہم کھجور کہتے ہیں اور تمر پختہ خشک کھجور کو کہتے ہیں جس کو ہم چھوارے کہتے ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ رطب کی بیج رطب کے عوض برابری کے ساتھ جائز ہے بالاتفاق اور تقاضل کے ساتھ ناجائز ہے بالاتفاق اسی طرح رطب کی بیج تمر کے عوض تقاضل کے ساتھ ناجائز ہے بالاتفاق۔۔۔ لیکن رطب کی بیج تمر کے عوض تساویا جائز ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رطب کی بیج تمر کے عوض برابری کے ساتھ جائز ہے اور حضرات صاحبین اور امام شافعیؒ کے نزدیک رطب کی بیج تمر کے عوض جائز نہیں ہے اگر خشک ہونے سے رطب میں کمی واقع ہوتی ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے پوچھا کہ، ایتقص الرطب اذا بیس قالوا نعم فنھی عنه، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رطب کی بیج تمر کے عوض برابری کے ساتھ بھی جائز نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے رطب پر تمر کا اطلاق کیا ہے کیونکہ حدیث میں ہے،، اوکل تمر خیبر ہکذا،، حالانکہ آپ ﷺ کو رطب پیش کی گئی تھی اس سے معلوم ہوا کہ رطب تمر ہے اور تمر کے بارے میں حدیث میں ہے کہ،، التمر مثلاً، مثل،، کہ تمر کی بیج برابری کے ساتھ جائز ہے

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ رطب تمر ہے یا نہیں اگر رطب تمر ہے تو پھر اول حدیث سے اسکی بیج تساویا جائز ہونا چاہئے کیونکہ حدیث کے اول میں،، التمر بالتمر،، ہے اور اگر رطب تمر نہیں بلکہ ایک الگ جنس ہے تو پھر آخر حدیث سے اس کی بیج جائز ہونا چاہئے کیونکہ حدیث کے آخر میں ہے،، اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم،، جب جنس الگ ہے تو تساویا بھی جائز ہونا چاہئے اور تقاضلاً بھی

والعنب بالزبيب والبررطبا او مبلولة بالیابس والتمر والزبيب المقنع بالمقنع منہما والدلیل فی جمیع ذلك انه ان كان بیع الجنس بالجنس بلا اختلاف الصفة یجوز متساویا وكذا مع اختلاف الصفة لقوله علیہ السلام جیدھا وردیھا سواء والم یکن بیع الجنس بالجنس یجوز

کیف ماکان لقوله عليه السلام اذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم

ترجمہ۔ اور جائز ہے بیچ انگور کی کشمش کے عوض اور ترگندم کی بیچ یا بھگوئے ہوئے گندم کی بیچ اپنے ہم مثل سے یا خشک سے اور بھگوئے ہوئے کھجور یا بھگوئے ہوئے کشمش کی بیچ بھگوئے ہوئے کے عوض ان دونوں میں سے برابری کے ساتھ۔

دلیل ان سب کی یہ ہے کہ اگر یہ جنس کی بیچ ہے خلاف جنس کے عوض صفت کے اختلاف کے بغیر تو یہ جائز ہے برابری کے ساتھ اسی طرح اختلاف صفت کی صورت میں بھی حضور ﷺ کے قول کی بنا پر کہ عمدہ اور ردی برابر ہے اور اگر یہ جنس کی بیچ ہم جنس کے عوض نہیں ہے تو یہ جائز ہے جیسے بھی ہو حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ جب دونوں نوع مختلف ہوں تو بیچو جیسے چاہو۔

تشریح انگور اور کشمش کی بیچ ایک دوسرے کے عوض: صورت مسئلہ یہ ہے کہ انگور کو کشمش کے عوض فروخت کرنا برابری کیساتھ جائز ہے اور اسی طرح پختہ تازہ گندم کی بیچ پختہ تازہ یا خشک گندم کی عوض فروخت کرنا جائز ہے برابری کے ساتھ اسی طرح پختہ تازہ گندم کی بیچ بھگوئے ہوئے گندم کے عوض یا پختہ گندم یا بھگوئے ہوئے کی بیچ خشک گندم کے عوض جائز ہے برابری کے ساتھ اسی طرح بھگوئے ہوئے کھجور کی بیچ بھگوئے ہوئے کھجور کے عوض اور بھگوئے ہوئے کشمش کی بیچ بھگوئے ہوئے کشمش کے عوض جائز ہے برابری کے ساتھ۔

دلیل سب کی یہ ہے کہ یہ یا تو بیچ اہلبیس بالہیس ہے اور بیچ اہلبیس بالہیس برابری کے ساتھ جائز ہے اور عمدہ اور گھٹیا ہونے کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے،،جید حاور دسما سوا،، اور اگر یہ بیچ اہلبیس بخلاف اہلبیس ہے تو پھر بھی جائز ہے کیونکہ حدیث کے آخر میں ہے کہ جنس مختلف ہو جائے تو بیچو جیسے چاہو تو پھر بھی عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

ولحم حیوان بلحم حیوان اخر متفاضلا وكذا اللبن وكذا خل الدقل بخل العنب وشحم البطن بالالیه او باللحم والخبز بالبر او الدقیق او بالسویق وان كان احدهما نسیئہ وبه یفتی وانما یجوز بیع الخبز بالبر لان الخبز صار عدویا هذا اذا كانا نقدین وان كان الخبز نسیئہ والبر والدقیق نقدا یجوز عند ابی یوسف وبه یفتی

ترجمہ۔ اور جائز ہے ایک حیوان کے گوشت کی بیچ دوسرے حیوان کے گوشت کے عوض کی زیادتی کے ساتھ اسی طرح گھٹیا کھجور کے سر کے کی بیچ انگور کے سر کے کے عوض اور پیٹ کی چربی کی بیچ پھلتے کی چربی کے عوض یا گوشت کے عوض اور روٹی کی بیچ گندم کے عوض یا آٹے کے عوض یا ستو کے عوض اگرچہ ان دونوں میں ایک ادھار ہو اور اسی پر فتویٰ ہے اور جائز ہے روٹی کی بیچ

گندم کے عوض کیونکہ روٹی عددی بن گئی ہے یہ اس وقت جبکہ دونوں نقد ہوں اور اگر روٹی ادھار ہو گندم اور آٹا نقد ہو تو جائز ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور اسی پر فتویٰ ہے۔

**تشریح مختلف الاجناس گوشت کی بیع:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر گوشت مختلف الاجناس ہوں یعنی اونٹ کا گوشت۔ گائے کا گوشت۔ اور بکری کا گوشت ہواں میں سے ایک کو دوسرے کے عوض کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ سب کی جنس الگ الگ ہے اور اختلاف جنس کی صورت میں تفاضل جائز ہے البتہ گائے کا گوشت بھینس کے گوشت کے عوض اسی طرح بکری کا گوشت بھیڑ کے گوشت کے عوض بیچنا ہو تو تسادی ضروری ہوگی کیونکہ یہ ایک جنس ہے۔

**قولہ وكذا اللبنة....** اسی طرح تمہارا جناس جانوروں کے دودھ کی بیع تفاضل کے ساتھ جائز ہے کیونکہ گوشت اور دودھ فروغ ہیں اور اصل اونٹ گائے اور بکری اصول ہیں جب اصول مختلف الاجناس ہیں تو فروغ بھی مختلف الاجناس ہوں گی کیونکہ اصول کا اختلاف واجب کرتا ہے فروغ کے اختلاف کو۔

**وكذا اخل الدقل....** اسی طرح کھجور کے سر کے کو انگور کے سر کے کے عوض تفاضل کے ساتھ بیچنا جائز ہے کیونکہ انکی اصل یعنی کھجور اور انگور مختلف الاجناس ہیں تو اس کا پانی یعنی سر کہ انگور اور سر کہ کھجور بھی مختلف الاجناس ہوں گے اور جب جنس مختلف ہوئی تو تفاضل جائز ہوگا۔

**وحم البطن....** اسی طرح بیٹ کی چربی کو دہنے کی چکتی کے یا گوشت کے عوض فروخت کرنا تفاضل کے ساتھ جائز ہے کیونکہ چربی۔ چکتی۔ اور گوشت تینوں الگ الگ جنس ہیں اور جب جنس مختلف ہوئی تو تفاضل بھی جائز ہوگا۔

**والشمر بالبر.** مسئلہ یہ ہے کہ روٹی کی بیع گندم کے عوض یا آٹے کے عوض یا ستو کے عوض جائز ہے کیونکہ روٹی عددی ہے یا وزنی اور گندم اور آٹا کیلی چیز ہے جب جنس ایک نہ رہی تو تفاضل کے ساتھ بیع جائز ہے یہ تو اس وقت ہے جبکہ دونوں نقد ہوں لیکن اگر گندم یا آٹا ادھار ہو اور روٹی نقد ہو یعنی روٹی رأس المال ہو اور گندم یا آٹا مسلم فیہ ہو تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ موزونی چیز کے ذریعے مکلی چیز میں بیع مسلم کیا ہے (یہ قول کتاب میں مذکور نہیں) اور اگر گندم یا آٹا نقد ہو یعنی رأس المال ہو اور روٹی ادھار ہو یعنی مسلم فیہ ہو تو یہ بھی امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے کیونکہ روٹی وزنی چیز ہے اور وزنی چیز میں بیع مسلم جائز ہے اور فتویٰ اسی پر ہے (یہ قول کتاب میں مذکور ہے)

لا بیع الجید بالردی من الربوی والہسر بالتمر الامتساویا والبر بالدقیق او بالسویق او بالدقیق



بالسويق متفاضلا او متساويا والزيتون بالزيت والسمسم بالحل حتى يكون الزيت والحل اكثر مما في الزيتون والسمسم ليكون بعض الزيت بالزيت الذي في الزيتون والباقي بالنجيرة ويستقرض الخبز وزنا لاعددا عند ابي يوسف وبه يفتى اما عند ابي حنيفة لا يجوز لا وزنا ولا عددا للثفاوت الفاحش وعند محمد يجوز بهما للتعامل وعند ابي يوسف يجوز وزنا للتعامل والحاجة لاعدد اللثفاوت في احاده

ترجمہ اور جائز نہیں ہے بیع عمدہ کی گھٹیا کے عوض اموال ربویہ میں اور گدرے چھواروں کی بیع خشک چھواروں کے عوض مگر برابری کے ساتھ اور گندم کی بیع آٹے یا ستو کے عوض یا آٹے کی ستو کے عوض نہ زیادتی کے ساتھ اور نہ برابری کے ساتھ اور زیتون کی بیع خالص روغن زیتون کے عوض اور تل کی بیع روغن تل کے عوض یہاں تک کہ روغن زیتون اور روغن تل زیادہ ہو اس سے جو زیتون اور تل میں ہے تاکہ بعض روغن زیتون اس روغن کے عوض میں ہو جائے جو زیتون میں ہے اور باقی پھلکے کے عوض میں ہو جائے اور قرض پر لی جائے گی روٹی وزن کے اعتبار سے نہ کہ عدد کے اعتبار سے امام ابو یوسف کے نزدیک اور اسی پر فتویٰ ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں نہ وزن کے اعتبار سے اور نہ عدد کے اعتبار سے کھلی ہوئی ثقافت کی وجہ سے اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے دونوں کے اعتبار سے تعامل کی وجہ سے اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے وزن کے اعتبار سے تعامل اور ضرورت کی وجہ سے اور عدد کے اعتبار سے جائز نہیں کیونکہ اسکے افراد میں ثقافت ہے۔

تشریح: اموال ربویہ میں جید اشیاء کی بیع عمدہ اشیاء کے عوض جائز نہیں ہے مگر برابری کے ساتھ اس لئے کہ جیدھا وردیہا سواہ ہے۔

اور بسر کی بیع تمر کے عوض جائز ہے برابر برابر۔ بسر اس کھجور کو کہتے ہیں جو ابتدائی حالت میں کلی کھلنے کے بعد اسکی شکل ہوتی ہے۔ اور تمر خشک کھجور کو کہتے ہیں بسر کو اردو میں گدرا کہتے ہیں تو بسر کی بیع تمر یعنی خشک چھواروں کے عوض تفاضل کے ساتھ جائز نہیں ہے بلکہ برابری ضروری ہے اس لئے کہ بسر پر تمر کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ دونوں کیلی بھی ہیں لہذا تفاضل کے ساتھ جائز نہ ہوگا۔

والبر بالذقیق اور جائز نہیں ہے گندم کی بیع ستو کے عوض یا آٹے کے عوض اسی طرح آٹے کی بیع ستو کے عوض نہ متفاضلا جائز ہے اور نہ متماثلا اور نہ متساویا یہ حضرت امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔

اور حضرات صاحبین کے نزدیک سويق کی بیع ذقیق کے عوض جائز ہے چاہے متفاضلا ہو یا متساویا کیونکہ سويق اور ذقیق دو الگ

لگ جنس ہیں جب جنس ہی الگ الگ ہے تو ان کی آپس میں بیع جائز ہوگی چاہے برابری ہو یا نہ ہو۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جس طرح گندم کی بیع بھونے ہوئے گندم کے عوض جائز نہیں کیونکہ اتحاد جنس موجود ہے اسی طرح ان کے اجزاء یعنی آنے کی بیع ستو کے عوض بھی جائز نہ ہوگی۔ نیز ان دونوں میں مساوات ممکن نہیں ہے کیونکہ آنے میں اسی طرح گندم میں ٹھوس پن ہوتا ہے وہ کیل میں زیادہ آتے ہیں اور ستو میں حظل ہوتا ہے اس میں ٹھوس پن نہیں ہوتا وہ کیل میں کم آتا ہے تو دونوں کیلی ہونے کے باوجود اس کے اندر کیل میں مساوات ممکن نہیں لہذا ان دونوں کی آپس میں بیع ہی ناجائز قرار پائی۔

والزیتون بالزیت۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک طرف زیتون کے دانے ہوں اور دوسری طرف زیتون کا خالص تیل ہو تو اسکی بیع جائز ہے اس شرط پر کہ جو خالص تیل ہے وہ زیادہ ہو اس تیل سے جو زیتون کے دانوں میں ہے مثلاً ایک طرف سواکلور و غن زیتون ہے اور دوسری طرف ایک کلوز زیتون کے دانے ہے تو یہ بیع جائز ہے کیونکہ زیتون کے دانوں میں جو تیل ہے اس کے بقدر تیل خالص تیل کے عوض ہو جائیگا اور جو باقی تیل رہ گیا ہے وہ اس کی کھلی یعنی چھلکے کے عوض میں ہو جائے گا جو زیتون کے دانوں میں ہے اور اگر ایک طرف سے ایک کلوز زیتون ہو اور دوسری طرف ایک کلوتیل ہو یا تیل ایک کلو سے کم ہو تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ تیل تو تیل کے مقابلے میں ہو جائے گا اور زیتون کے جو چھلکے ہیں وہ بلا عوض رہ گئے اور یہ ربوا ہے بعینہ یہی صورت تیل کے دانوں اور تیل کے تیل میں بھی ہے۔

ویستقرض الخبز... مسئلہ یہ ہے کہ روٹیوں کو قرض پر لینا جائز یا نہیں؟ اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک روٹیوں کو قرض لینا جائز نہیں ہے نہ وزنا اور نہ عدداً کیونکہ اس میں تفاوت بہت زیادہ ہوتا ہے پکانے والوں کے اعتبار سے بھی بعض طبخ اچھی روٹی پکاتے ہیں۔ اور بعض خراب اور روٹی کے اعتبار سے بھی کہ بعض روٹی تکی ہوتی ہے اور بعض موٹی ہوتی ہے تو ان کے اعتبار بھی کہ بعض تو روٹی اچھی ہوتی ہے اور بعض کی خراب۔

اور امام محمدؒ کے نزدیک روٹیوں کو قرض لینا جائز ہے وزنا بھی اور عدداً بھی یعنی جیسے عرف اور رواج ہو۔

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روٹیوں کو قرض لینا جائز ہے وزنا اسلئے کہ روٹی وزنی چیز ہے لیکن عدداً جائز نہیں ہے اس لئے کہ اسکے افراد میں تفاوت بہت زیادہ ہے واپس کے وقت نزاع ہوگا لہذا وزنا جائز ہے اور عدداً جائز نہیں ہے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ ہے اور روٹی کو وزنا قرض لینا جائز ہے۔

ولاربوا بین سید وعبده لان العبد ومامعه لمولاه و مسلم وحرابی فی دارہ ای فی دار الحرب لان مالہ مباح فیجوز بای طریق کان خلافا لابی یوسف و الشافعی اعتبارا بالمستامن فی دارنا۔

ترجمہ اور ربوا نہیں ہے غلام اور اس کے آقا کے درمیان کیونکہ غلام اور جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اس کے مولیٰ کا ہے اور مسلمان اور حربی کے درمیان دار الحرب میں کیونکہ اس کا مال مباح ہے تو جائز ہے اسکا لینا جس طریقے پر بھی ہو خلاف ثابت ہے امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کیلئے وہ قیاس کرتے ہیں مستامن پر ہمارے دار میں۔

**تشریح آقا اور غلام کے درمیان ربوا متحقق نہیں ہے:**

مسئلہ یہ ہے کہ اگر غلام نے اپنے آقا کو ایک درہم دو درہم کے عوض فروخت کر دیا ہے یا آقا نے غلام کو ایک درہم دو درہم کے عوض فروخت کر دیا تو یہ جائز ہے اور یہ ربوانہ کہلائے گا کیونکہ غلام اور جو کچھ غلام کے قبضے میں ہے وہ سب مولیٰ کی ملکیت ہے گویا کہ یہ بیع ہوئی ہی نہیں اور جب بیع نہ ہوئی تو ربوا بھی متحقق نہ ہوگا اور اگر غلام ماذون پر اتنے قرضے ہوں کہ اسکی گردن پر محیط ہوں تو غلام اور اس کے آقا کے درمیان بیع متحقق ہوتی ہے اور جب بیع متحقق ہوتی ہے تو ربوا بھی متحقق ہوگا لہذا اس صورت میں غلام اور اس کے آقا کے درمیان ربوا متحقق ہوگا۔

اسی طرح مسلمان اور حربی کافر کے درمیان بھی ربوا متحقق نہیں ہوتا یعنی ایک مسلمان لیکر دار الحرب میں داخل ہوا وہاں پر ربوا کا معاملہ کیا یعنی ایک درہم دیکر دو درہم حاصل کر لئے تو یہ جائز ہے اور یہ عقد ربوانہ ہوگا یعنی حرام نہ ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک دار الحرب میں بھی ربوا متحقق ہے یعنی مسلمان دار الحرب میں داخل ہو کر بھی ایک درہم کے عوض کافروں سے دو درہم نہیں لے سکتے۔

دلیل ان کی یہ ہے کہ وہ قیاس کرتے ہیں مستامن پر کہ اگر ایک کافر امان لیکر ہمارے دار الاسلام میں داخل ہو جائے تو یہاں پر مسلمان ان سے ایک درہم کے عوض دو درہم نہیں لے سکتے تو اسی طرح دار الحرب میں بھی ہے

**حضرات شیخین کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: لا ربوا بین المسلم والحرابی فی دار الحرب**، دوسری بات یہ ہے کہ دار الحرب میں کافروں کا مال مباح الاصل اور غیر معصوم ہے اسکو ہر طریقے پر لینے کی اجازت ہے بشرطیکہ غدار اور دھوکہ نہ ہو کیونکہ غدار اور دھوکہ حرام ہے جب ان کا مال ہر طریقے سے لینا جائز ہے غدار اور دھوکہ کے سوا تو باہمی رضامندی سے عقد ہو جانے کے بعد بطریقہ اولیٰ لینا جائز ہوگا۔ البتہ مسلمان دار الحرب میں سودے نہیں سکتا کہ ایک درہم لیکر پھر اسکے عوض دو درہم دیدے یہ جائز نہیں مزید کتاب کے حاشیہ پر دیکھ لیجئے گا۔

واللہ اعلم

۱۶ ستمبر ۲۰۰۶ء

## باب الحقوق والاستحقاق

(یہ باب ہے حقوق اور استحقاق کے بیان میں)

یدخل البناء والمفتاح والعلو والکنیف فی بیع الدار الکنیف المستراح لا الظلة فی المغرب  
ظلة الدار السدة التي فوق الباب وعن صاحب الحصر هي التي احد طرفی جذوعها علی هذه  
الدار وطرفها الاخر علی حائط الجار المقابل الا بذكر كل حق هولها او بمراقفها او بكل قليل  
وكثير هو فيها او منها والشجر لا الزرع فی بیع الارض ولا الثمر فی شجر فيه تمر الا بشرطه وان  
ذكر الحقوق والمرافق ولا العلو فی شراء بيت بل كل حق ولا فی شراء منزل الا بذكر ما ذكر ای  
الحقوق والمرافق الی اخرها فالحاصل ان العلو یدخل فی بیع الدار وان لم یدكر الحقوق  
ویدخل فی بیع المنزل ان ذكر الحقوق والمرافق ولا یدخل فی بیع البيت وان ذكر الحقوق  
والمرافق فالمنزل بین البيت والدار لا يكون فيه مرتبط الدواب بل يكون بیتان او ثلاثة او نحو  
ذلك یتعیش فیه الرجل المتاهل فالعلو يكون من توابعه لا من توابع البيت لان الشئ  
لا یتتبع مثله بل دونه -

ترجمہ۔ داخل ہوگی عمارت اور مفتاح اور بالا خانہ اور پاخانہ گھر کی بیچ میں۔ کنیف بیت الخلاء کو کہا جاتا ہے۔ نہ سائبان۔ مغرب  
میں ہے کہ ظلۃ الدار وہ چھت ہے جو دروازے کے اوپر ہو اور صاحب حصر فرماتے ہیں کہ ظلہ وہ ہے کہ اس کی کڑیوں کی ایک  
جانب اس گھر پر ہو اور دوسری جانب مقابل پڑوس کی دیوار پر ہو مگر کل حق ہولہ یا تمام منافع یا کل قلیل وکثیر جو اس میں ہے یا اس  
سے ہے کے ساتھ اور درخت میں جسمیں پھل ہو مگر اس کی شرط کے ساتھ اگرچہ حقوق اور مرافق کا ذکر کر چکا ہو اور نہ بالا خانہ بیت  
کے خریدنے میں بلکل حق کے ساتھ اور نہ منزل کے خریدنے میں مگر اس چیز کے ذکر کرنے کے بعد جو ذکر ہو چکے یعنی حقوق اور  
مرافق وغیرہ پس حاصل یہ ہے کہ بالا خانہ داخل ہوگا دار کی بیچ میں اگرچہ حقوق ذکر نہ ہوئے ہوں اور داخل ہوگا منزل کی بیچ میں  
اگر حقوق اور مرافق ذکر ہوئے ہوں اور داخل نہ ہوگا بیت کی بیچ میں اگرچہ حقوق اور مرافق ذکر ہوئے ہوں تو منزل بیت اور دار

کے درمیان میں ہے منزل میں جانور باندھنے کی جگہ نہیں ہوتی بلکہ دو کمرے یا تین کمرے ہوتے ہیں یا اس جیسا جس میں اہل وعیال والا آدمی رہ سکتا ہے تو علو اسکے توابع میں سے ہے اور بیت کے توابع میں سے نہیں ہے کیونکہ شیء اپنے مثل کو تابع نہیں بناتی بلکہ کم کو بناتی ہے۔

تشریح حقوق جمع ہے حق کی اس سے وہ حقوق مراد ہیں جو بیع کے تابع ہو کر بغیر ذکر کے بیع میں داخل ہوتے ہیں۔

دار، منزل، اور بیت کی بیع میں کون کون سے حقوق داخل ہوں گے؟

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے گھر خریدا تو مشتری کے واسطے اس گھر کی عمارت۔ مفتاح۔ اوپر والی منزل۔ بیت الخلاء۔ یہ سب چیزیں داخل ہوں گی کیونکہ یہ چیزیں دار کے توابع میں سے ہیں اور تابع متبوع میں داخل ہوتا ہے ذکر کئے بغیر بھی مفتاح سے مراد وہ تالے ہیں جو گھر کے دروازوں میں لگے ہوتے ہیں اور اس سے الگ نہیں ہوتے۔

لا الظلۃ.. مغرب کتاب میں ہے کہ ظلہ سے مراد وہ سائبان ہے جو دروازے پر ہوتا ہے جس کے نیچے راستہ ہوتا ہے اور حیر نام کتاب میں ہے کہ ظلہ سے مراد وہ سائبان ہے کہ اسکی کڑیوں کی ایک جانب دارمیعہ پر ہو اور دوسری جانب دوسرے پڑوسی دار پر ہو یعنی وہ چھتا جو دو گھروں کی دیواروں پر ہوتا ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ دار کی بیع میں ظلہ داخل نہ ہوگا مگر ان الفاظ کے ذکر کرنے کے ساتھ کہ میں نے گھر خریدا یا بکل حق ہو لھا او براھھا یا بکل قلیل و کثیر ہو فیھا او منھا۔

والشجر. اور زمین کی بیع میں داخل ہوگا درخت کیونکہ یہ متصل ہے بیع کے ساتھ اتصال قرار اور رکبت یعنی (یعنی اُگی ہوئی فصل) یہ زمین کی بیع میں داخل نہ ہوگی کیونکہ یہ نہ تو زمین کی تابع ہے اور نہ زمین کے ساتھ متصل ہے اتصال قرار۔

ولا الثمر فی شجر. اور داخل نہ ہوگا پھل درخت کی بیع میں یعنی اگر کسی نے پھلدار درخت خریدا تو پھل مشتری کیلئے نہ ہوگا بلکہ بائع کیلئے ہوگا ہاں اگر اسکی شرط گادی مشتری کے واسطے تو پھر مشتری کو ملے گا اگرچہ بکل حق ہولہ یا بمرافقہ ذکر کیا ہو کیونکہ یہ متصل نہیں ہے بیع کے ساتھ اتصال قرار اور نہ پھل درخت کے تابع ہے کیونکہ پھل کی بیع درخت کے بغیر جائز ہے اگر یہ درخت کے تابع ہوتا تو اس کی الگ بیع جائز نہ ہوتی جب الگ بیع جائز ہے تو معلوم ہوا کہ یہ تابع نہیں ہے بلکہ اصل ہے۔

ولا العلون فی شراء بیت.. اس مسئلے کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) یہ کہ ایک شخص نے ایک ایسا بیت خریدا جس کے اوپر بھی بیت ہے یعنی بالائی منزل ہے تو اس شخص کو صرف زمینی بیت ملے گا

بالائی بیت نہیں ملے گا اگرچہ بکل حق حوالہ یا بمرافقہ یا بکل قلیل و کثیر کہا ہو۔

(۲) کسی شخص نے منزل خرید لی جس پر بالائی منزل بھی موجود ہے تو اس صورت میں بالائی منزل بیع میں داخل نہ ہوگی ہاں اگر بکل حق حوالہ یا بمرافقہ یا بکل قلیل و کثیر کہا ہو تو پھر بالائی منزل بیع میں داخل ہوگی۔

(۳) کسی نے دار خرید لیا جس کے اوپر بالائی منزل ہے تو اس کی بیع میں بالائی منزل داخل ہوگی اگرچہ بکل حق حوالہ یا بمرافقہ یا بکل قلیل و کثیر نہ کہا ہو۔

مجہد اس کی یہ ہے کہ بیت اس کو کہا جاتا ہے مایات فیہ کہ جس میں رات گزاری جائے اور بالا خانہ اسکا مثل ہوتا ہے اور شئی اپنے مثل کی تابع نہیں ہوتی اسلئے بالا خانہ بیت کی بیع میں داخل نہ ہوگا اگرچہ بکل حق حوالہ کہا ہو۔

اور منزل بیت اور دار کے درمیان ایک شئی ہے کیونکہ منزل میں سکونت کے تمام اسباب راحت موجود ہوتے ہیں لیکن اس میں مرطب الدواب (جانور باندھنے کی جگہ) اور غیر مسقف صحن نہیں ہوتا تو بکل حق حوالہ یا بمرافقہ وغیرہ سے بالا خانہ اس کی بیع میں داخل ہوگا۔

اور دار نام ہے اس میدان کا جسکی حدود متعین ہوں۔ اصطبل۔ غیر مسقف صحن۔ بالا خانہ سب پر مشتمل ہو تو دار کی بیع میں یہ سب چیزیں داخل ہوں گی اگرچہ بکل حق حوالہ یا بمرافقہ وغیرہ بیان نہ کیا ہو۔

ولا الطريق والشرب والمسيل في البيع الا بذکر ما ذکر ايضاً بخلاف الاجارة فان الشرب  
والطريق والمسيل يدخل في الاجارة بلا ذکر الحقوق والمرافق فان الاجارة تقع على المنفعة  
ولا منفعة بدون هذه الاشياء واما البيع فيرد على الرقبة وايضاً يمكن ان ينتفع المشتري بالتجارة  
ولا كذلك في الاجارة۔

ترجمہ اور داخل نہ ہوگا راستہ اور پانی کا حصہ اور پانی کی گزرگاہ بیع میں مگر ان الفاظ کے ساتھ جو مذکور ہوئے برخلاف اجارہ کے کہ شرب۔ مسیل اور طریق داخل ہیں اجارہ میں حقوق اور مرافق ذکر کئے بغیر کیونکہ اجارہ واقع ہوتا ہے منفعت پر اور ان چیزوں کے بغیر منفعت حاصل نہیں ہوتی اور بیع واقع ہوتی ہے عین پر اور یہ بھی ممکن ہے کہ مشتری اس سے نفع حاصل کرے تجارت کے ساتھ اور اجارہ میں یہ نہیں ہوتا۔

تشریح:۔۔۔ راستہ اور پانی کا حصہ زمین کی بیع میں داخل نہ ہوگا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے زمین یا گھر فروخت کیا تو مشتری کے واسطے زمین کیلئے راستہ اور پانی کا حصہ اس بیع میں

داخل نہ ہوگا اسی طرح پانی کی گزرگاہ بھی اس میں داخل نہ ہوگی کیونکہ یہ چیزیں بیع کی حدود سے خارج ہیں لیکن بیع کے توابع میں سے ہیں تو بکل حق حوالہ یا بمرافقہ وغیرہ کے بغیر بیع میں داخل نہ ہوں گی اور ان الفاظ میں سے کسی ایک کے ذکر کرنے کے بعد بیع میں داخل ہوں گی

لیکن اگر کسی نے گھریا زمین کرایہ پر لیا تو اس میں راستہ۔ پانی کا حصہ اور پانی کی گزرگاہ سب چیزیں داخل ہوگی اگرچہ حقوق اور مرافق وغیرہ کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ اجارہ نفع حاصل کرنے کیلئے منعقد ہوتا ہے اور مکان سے بغیر راستے کے نفع اٹھانا اور زمین سے شرب اور میل کے بغیر نفع اٹھانا ممکن نہیں ہے تو اس وجہ سے مکان کے اجارہ میں اور زمین کے کرایہ میں راستہ شرب اور میل داخل ہوں گے اور بیع کی صورت میں مکان سے راستے کے بغیر اور زمین سے شرب اور میل کے بغیر نفع اٹھانا ممکن ہے کیونکہ مشتری کبھی مکان اور زمین کو خرید کر اس میں تجارت کرتا ہے یعنی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرتا ہے تو اس صورت میں راستہ شرب اور میل کے بغیر بھی اس سے نفع اٹھانا ممکن ہوا تو یہ چیزیں توابع ہوں گی۔ لہذا حقوق وغیرہ کے بیان کے بغیر بیع میں داخل نہ ہوں گی۔

## فصل فی الاستحقاق

(یہ فصل ہے استحقاق کے بیان میں)

ويؤخذ الولد ان استحققت امه ببينة وان اقر بها لا صورتها اشترى رجل جارية فولدت عنده فاستحقها رجل فانه يأخذ وولدها وان اقر بها لان البينة حجة مطلقة فيظهر بها ملكه من الاصل والاقرار حجة قاصرة يثبت الملك ضرورة صحة الاخبار فيندفع الضرورة بثبوت الملك بعد انفصال الولد شخص قال لاخر اشترى فاني عبد فاشترى فبان حراً ضمن ان لم يدر مكان بائعه لانه بالامر بالشراء يصير ضامناً للثمن عند تعذر الرجوع على البائع دفعا للضرر وعند ابى يوسف لا ضمان عليه وان علم لا يرجع عليه اي رجوع هذا الشخص بما ضمن على البائع ولا ضمان ي الرهن اصلا اي ان قال ارتهني فاني عبد فارتهني فبان حراً فلا ضمان عليه سواء علم مكان الراهن او لان الرهن ليس عقد معاوضة فلا يكون الأمر به ضامناً للسلامة وقالوا في الهداية في صورة المسئلة ضرب اشكال وهو ان الدعوى شرط عند ابى حنيفة لحرية العبد

والتناقض يمنع صحة الدعوى فكيف يظهر انه حر

ترجمہ اور لیا جائے گا بچہ اگر اس کی ماں کسی کی مستحق ہوگی گواہوں سے اور اگر اس نے اس کا اقرار کیا تو پھر نہیں۔ صورت اس کی یہ ہے کہ ایک آدمی نے باندی خرید لی تو اس نے اس کے پاس بچہ جتنا پھر باندی کا کوئی مستحق نکل آیا تو لے گا یہ آدمی باندی کو اور اسکے بچے کو اور اگر اس کا اقرار کیا تو پھر نہیں کیونکہ بینہ حجت مطلقہ ہے تو ظاہر ہوگی اس سے اس کی ملکیت اصل سے اور اقرار حجت قاصرہ ہے تو ثابت ہوگی ملکیت ضرورہ اخبار کی صحت کیلئے تو پوری ہوتی ہے ضرورت ملک ثابت ہونے پر بچہ کے جدا ہونے کے بعد۔ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ مجھے خرید لو میں غلام ہوں تو اس نے خرید لیا تو وہ حرکت کا تو وہ ضامن ہوگا اگر بائع کی جگہ معلوم نہ ہو کیونکہ وہ شراہ کا حکم دینے کی وجہ سے ضامن ہوگا ضمن کا جبکہ بائع پر رجوع حذر ہو اس سے ضرور دفع کرنے کیلئے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس پر رجوع نہیں ہے اور اگر بائع کی جگہ معلوم ہو تو پھر نہیں اور رجوع کرے گا اس پر یعنی یہ شخص رجوع کرے گا ضامن کا بائع پر اور ضمان نہیں ہے رہن میں بالکل یعنی کہا کہ مجھے رہن میں رکھو میں غلام ہوں تو اس نے رہن میں رکھ دیا اور وہ آزاد ظاہر ہو گیا تو اس پر ضمان نہیں ہے چاہے رہن کی جگہ معلوم ہو یا نہ ہو اسلئے کہ رہن عقد معاوضہ نہیں ہے تو آمر ضامن نہ ہوگا سلامتی بیع کا ہدایہ میں ہے کہ صورت مسئلہ میں ایک قسم کا اشکال ہے وہ یہ کہ دعویٰ شرط ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غلام کی حریت میں اور تناقض مانع ہے صحت دعویٰ کیلئے تو کیسے ظاہر ہوگا کہ یہ آزاد ہے۔

تشریح بینہ حجت مطلقہ ہے اور اقرار حجت قاصرہ ہے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے باندی خرید کر اس پر قبضہ کر لیا پھر باندی نے مشتری کے پاس اپنے آقا کے علاوہ کسی دوسرے کے نطفے سے بچہ جتنا پھر ایک آدمی نے اس باندی پر گواہوں کے ذریعے اپنا استحقاق ثابت کر دیا تو یہ مستحق باندی کو بھی لے گا اور اس کے ساتھ بچے کو بھی لے گا اور اگر مشتری نے اس باندی کا اقرار کیا کسی مستحق کیلئے تو مقررہ باندی کو لے گا لیکن اس کے بچے کو نہیں لے گا یعنی مقررہ کو باندی تو دی جائے گی لیکن بچہ نہیں دیا جائے گا وجہ فرق یہ ہے کہ بینہ حجت مطلقہ ہے یعنی حجت کاملہ اور حجت متحدہ یہ ہے کیونکہ بینہ قضائے قاضی کی وجہ سے حجت ہوتا ہے اور قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے اسلئے بینہ تمام لوگوں کے حق میں حجت کاملہ ہوگا تو مستحق کی ملکیت اصل سے ثابت ہوگی یعنی جو چیز نفس الامر میں ثابت تھی بینہ نے اسکو ظاہر کر دیا تو بینہ نے یہ بتا دیا کہ باندی نفس الامر میں مستحق کی ملکیت تھی اور شراہ سے پہلے مستحق کی ملکیت اس باندی میں ثابت تھی اور اس وقت بچہ بھی باندی کے ساتھ متصل تھا تو جب باندی رجل مستحق کی ہوگی تو بچہ بھی رجل مستحق کا ہوگا اور مستحق باندی اور بچے دونوں کو لے کر جائے گا اور اقرار حجت قاصرہ ہے صرف اقرار کو صحیح ہونے کی ضرورت سے باندی میں فی الحال ملکیت ثابت کی



جائے گی اور یہ ضرورت بچہ پیدا ہونے کے بعد صرف باندی میں ملکیت ثابت ہونے سے پوری ہو جاتی ہے تو مشتری کے اقرار کی وجہ سے منقرہ کیلئے باندی کی ملکیت فی الحال ثابت ہوگی گویا کہ پہلے نہ تھی اور فی الحال بچہ باندی سے جدا ہے لہذا اقرار بچے کو شامل نہ ہوگا تو مستحق صرف باندی کو لے گا بچے کو نہیں لے گا۔

**قولہ شخص قال لا خیر**۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے سے کہا کہ تو مجھ کو خرید لے میں غلام ہوں اس کو اس کے کہنے کے مطابق خرید لیا پھر ثابت ہوا کہ وہ غلام نہیں بلکہ آزاد آدمی تھا پس اگر بائع حاضر ہو یا غائب ہو لیکن اس کا ٹھکانہ معلوم ہو تو غلام پر کچھ لازم نہ ہوگا بلکہ مشتری اپنا ثمن بائع سے واپس لے گا کیونکہ مشتری سے ثمن بائع نے لیا تھا تو بائع ہی سے واپس لے گا اور اگر بائع اس طور پر غائب ہو کہ اس کا ٹھکانہ معلوم نہ ہو تو مشتری اپنا ثمن اس آدمی سے واپس لے گا جس کو غلام سمجھ کر خریدا تھا اور یہ آدمی پھر بائع سے واپس لے گا کیونکہ مشتری نے اسے کہنے اور اقرار کرنے پر (کہ میں غلام ہوں) اعتماد کیا تھا اور اس کو خریدا تھا تو غلام نے مشتری کو خریدنے کا حکم دیا ہے تو بائع سے ثمن واپس لینے کے حقدار ہونے کی صورت میں بقدر امکان مشتری سے ضرر دفع کیا جائے گا اور مشتری کو ثمن کا ضامن قرار دیا جائے گا۔

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غلام پر رجوع کرنے کا حق نہیں ہے جیسے کہ رہن میں مرہن کو غلام پر رجوع کرنے کا حق نہیں ہے

**ولا ضمان فی الرهن**۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ مجھے رہن میں رکھو میں غلام ہوں تو اس نے رہن میں رکھ دیا پھر مرہن کو معلوم ہوا کہ یہ غلام نہیں بلکہ آزاد ہے تو مرہن کو غلام سے اپنا مال وصول کرنے کا اختیار نہیں ہے خواہ راہن حاضر ہو یا غائب ٹھکانہ معلوم ہو یا نہ ہو کسی بھی صورت میں مرہن کو غلام پر رجوع کا حق نہیں ہے کیونکہ رہن عقد معاوضہ نہیں ہے بلکہ وثوق اور اعتماد کا ذریعہ ہے تاکہ مرہن کو وہ چیز واپس مل جائے جو اس نے قرض دی ہے اور جب رہن عقد معاوضہ نہیں ہے تو رہن کا حکم دینے والا (یعنی یہ شخص جو غلام بنا ہوا تھا) بھی شکی مرہن کی سلامتی کا ضامن نہ ہوگا کیونکہ سلامتی کا ضمان عقد معاوضہ میں ہوتا ہے اور عقد غیر معاوضہ میں سلامتی کا ضمان نہیں ہوتا اور جب یہ غلام سلامتی کا ضامن نہ ہو تو اسکے آزاد ثابت ہونے کی صورت میں مرہن کو اس پر رجوع کا حق نہ ہوگا۔

**وقال فی الھدلیۃ**۔ سے شارح ہدایہ کی عبارت میں ایک اشکال کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں چنانچہ ہدایہ میں ہے۔

” لان الدعوی شرط فی حرۃ العبد والتناقض یفسد الدعوی “ اشکال سے پہلے یہ سمجھ لیجئے۔

کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غلام کی آزادی ثابت کرنے کیلئے آزادی کا دعویٰ کرنا شرط ہے یعنی غلام پہلے آزادی کا دعویٰ کرے گا پھر اس پر شہادت سنی جائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ دعویٰ میں تناقض دعویٰ کو ساقط کر دیتا ہے۔

اب اشکال کی وضاحت یہ ہے کہ جس غلام نے مشتری سے کہا کہ میں غلام ہوں مجھے خرید لو اور پھر مشتری کے پاس دعویٰ کیا کہ میں آزاد ہوں تو گویا اس نے پہلے غلام ہونے کا دعویٰ کیا اور پھر آزاد ہونے کا اور یہ صریح تناقض ہے اور جس شخص کے دعویٰ میں تناقض ہو وہ دعویٰ صحیح نہیں ہوتا اور جب غلام کا دعویٰ آزادی صحیح نہ ہو تو اس کے گواہ بھی قبول نہ ہوں گے اور جب آزادی کے گواہ قبول نہ ہوئے تو آزادی بھی ثابت نہ ہوگی اور جب غلام کی آزادی صحیح نہ ہوئی تو مشتری کے لئے ثمن واپس لینے کا اختیار بھی ثابت نہ ہوگا یہ اشکال ہدایہ کی عبارت پر ہے صاحب ہدایہ نے اس اشکال کے دو جواب دئے ہیں جس کی تفصیل آپ ہدایہ میں پڑھ لیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ولارجوع فی دعویٰ حق مجهول فی دار صلوح علی شیء واستحق بعضها ای ادعی حقا مجهولا فی دار فصولح علی شیء ثم استحق بعض الدار فالمدعی علیہ لایرجع علی المدعی بشیء لان للمدعی ان یقول دعواؤی فی غیر ما استحق ولو استحق کلھا رد کل العوض لان المدعی بہ داخل فی المستحق وفہم صحة الصلح عن المجهول ای دلت هذه المسئلة علی ان الصلح عن المجهول علی مال معلوم صحیح وانما یصح لان الجهالة فیما یسقط لایفرضی الی المنازعة وقد ینقل عن بعض الفتاوی ان الصلح لایصح الا ان یکون الدعوی صحیحة فهذه المسئلة تدل علی ان الروایة غیر صحیحة لان دعوی الحق المجهول دعوی غیر صحیحة وکثیر من مسائل الذخیرة تدل علی عدم صحة تلك الروایة ورجع بحصته فی دعوی کلھا ان استحق شیء منها ای ان ادعی کل الدار فصولح علی شیء ثم استحق نصفھا یرجع بنصف البدل

ترجمہ۔ اور رجوع نہیں ہے حق مجہول میں اس گھر میں جس میں صلح کی گئی ایک شئی معلوم پر اس گھر سے جس کا بعض حصہ مستحق ہو گیا یعنی ایک شخص نے حق مجہول کا دعویٰ کیا ایک گھر میں تو اس کے ساتھ صلح کی گئی کسی چیز پر پھر بعض گھر مستحق ہو گیا تو مدعی علیہ مدعی پر کسی چیز کا رجوع نہیں کر سکتا کیونکہ مدعی یہ کہہ سکتا ہے کہ میرا دعویٰ غیر مستحق میں ہے اور اگر کل گھر مستحق ہو گیا تو پھر کل عوض واپس کرے گا کیونکہ جس چیز پر دعویٰ کیا گیا ہے وہ مستحق میں داخل ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ صلح صحیح ہے مجہول سے یعنی اس مسئلے نے دلالت کی اس بات پر کہ صلح مجہول سے مال معلوم پر صحیح ہے اور یہ اس لئے صحیح ہے کہ جہالت ساقط ہونے والی چیز میں مفصلی الی النزاع نہیں ہوتی اور بعض فتاویٰ سے منقول ہے کہ صلح صحیح نہیں ہے مگر اس وقت کہ جب دعویٰ صحیح ہو تو یہ

مسئلہ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ یہ روایت غیر صحیح ہے کیونکہ دعویٰ حق مجہول سے دعویٰ غیر صحیح ہے اور ذخیرہ کے بہت سے مسائل دلالت کرتے ہیں اس روایت کے عدم صحت پر اور رجوع کرے گا اپنے حساب سے کل گھر کے دعویٰ کرنے میں اگر کوئی چیز اس گھر سے مستحق ہو جائے یعنی دعویٰ کیا کل گھر کا تو اس کے ساتھ صلح کی گئی ایک چیز پر پھر مستحق ہو گیا نصف گھر تو رجوع کرے گا نصف بدل پر

**تشریح:** مکان میں حق مجہول کا دعویٰ کرنا: صورت مسئلہ یہ ہے کہ خالد کے قبضے میں ایک مکان ہے عبدالرحمن نے اس مکان میں اپنے حق مجہول کا دعویٰ کیا یعنی یوں کہا کہ اس مکان میں میرا کچھ حصہ ہے اور مدعی علیہ یعنی خالد نے انکار کیا پھر خالد نے مدعی (یعنی عبدالرحمن) سے ایک ہزار روپے پر صلح کر لی یعنی خالد نے ہزار روپے کے عوض عبدالرحمن سے حق مجہول لے لیا پھر ایک تیسرے شخص یعنی عمران نے اس پورے گھر پر اپنا استحقاق ثابت کر دیا سوائے کچھ حصے کے یعنی دو یا چار گز کے علاوہ پورے مکان پر اپنا استحقاق ثابت کر دیا تو مدعی علیہ (خالد) کو مدعی (عبدالرحمن) سے کچھ مال واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ مدعی (عبدالرحمن) یہ کہہ سکتا ہے میرا دعویٰ اس باقی میں تھا جو آپ کے پاس رہ گیا ہے اور یہ ہزار روپے میں نے اس کے عوض میں لئے تھے لہذا مدعی کو واپس لینے کا حق نہ ہوگا۔

**دلو استحقاق کھٹا.....** صورت مسئلہ یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں جو مکان خالد کے قبضے میں ہے اب عبدالرحمن نے اس پورے مکان پر دعویٰ کیا کہ یہ مکان میرا ہے اور خالد نے عبدالرحمن کے ساتھ ہزار روپے پر صلح کر لی اور مکان کو اپنی ملکیت میں لے لیا اس کے بعد عمران نے اس مکان میں اپنا استحقاق ثابت کر دیا مثلاً یہ ثابت کر دیا کہ آدھا مکان میرا ہے اور آدھا عمران نے لے بھی لیا تو اس صورت میں قابض یعنی خالد مدعی سے آدمی رقم یعنی پانچ سو روپے واپس لے گا کیونکہ ہزار روپے کل دار کا عوض تھا اور دار کل سلامت نہ رہا بلکہ آدھا استحقاق چلا گیا تو مدعی علیہ یعنی خالد آدھا بدل صلح واپس لینے کا حقدار ہوگا۔

**وہم منہ صحیح الصلح عن الجھول.....** اس مسئلے سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ شئی مجہول سے مال معلوم پر صلح کرنا جائز ہے کیونکہ جہالت ان چیزوں میں جو ساقط ہو جاتی ہیں جھگڑا پیدا نہیں کرتی اور جو جہالت مفصلی الی النزاع نہ ہو اس سے عقد فاسد نہیں ہوتا یعنی جب مدعی نے مکان میں حق مجہول کا دعویٰ کیا یعنی خالد نے اس کے ساتھ ایک ہزار روپے پر صلح کر لی تو مدعی (عبدالرحمن) نے ایک ہزار کے عوض اپنا حق ساقط کر دیا اور اسقاطات میں جہالت مفصلی الی النزاع نہیں ہوتی اس لئے شئی مجہول سے مال معلوم پر صلح کرنا جائز ہوگا۔

بعض فتاویٰ سے جو یہ منقول ہے کہ اس وقت صلح ہوگا جبکہ دعویٰ صحیح ہو یعنی صحت صلح کیلئے صحت دعویٰ شرط ہے اور دعویٰ حق معلوم

میں صحیح ہوتا ہے حق مجہول میں دعویٰ صحیح نہیں ہوتا تو صلح بھی حق مجہول سے صحیح نہ ہوگی لیکن کتاب کی روایت یعنی کتاب میں جو مسئلہ مذکور ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بعض فتاویٰ کی یہ روایت غیر صحیح ہے کیونکہ حق مجہول کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے لیکن اس کے باوجود اس سے صلح کرنا صحیح ہے تو معلوم ہوا کہ صحت کیلئے صحت دعویٰ شرط نہیں ہے اور ذخیرہ میں بہت سارے مسائل ایسے ہیں جو دلالت کرتے ہیں اس بات پر کہ بعض فتاویٰ کی جو روایت ہے یہ روایت صحیح نہیں ہے بلکہ کتاب کی روایت صحیح ہے اور صحت کیلئے صحت دعویٰ شرط نہیں ہے بلکہ حق مجہول سے مال معلوم پر صلح کرنا صحیح ہے کیونکہ یہ مفہمی الی النزاع نہیں ہے

۲۸ دسمبر ۲۰۰۶ء

واللہ اعلم۔

۶ ذوالحجہ ۱۴۲۷ھ

## فصل فی بیع الفضولی

ولمالك باع غيره ملكه فسخه وله اجازته ان بقى العاقدان والمبيع وكذا الثمن ان اكان عرضا فسخه مبتداً ولمالك خبره مقدما وهذا بيع الفضولى وهو منعقد عندنا خلافاً للشافعى وهو ملك للمعجز وامانة عند بائعه اى ان اجاز المالك فالثمن ملك له ويكون امانته فى يد البائع وله فسخه قبل الاجازة اى للبائع حق الفسخ قبل اجازة المالك دفعا للضرر عن نفسه فان حقون العقد راجعة اليه

ترجمہ... اور مالک کیلئے جس نے غیر کی ملک بیچی ہو اس بیع کو فسخ کرنا جائز ہے اور اسکی اجازت دینا بھی جائز ہے اگر عاقدان اور بیع باقی ہو اسی طرح ثمن بھی اگر وہ عرض ہے فسخ مبتدا ہے اور مالک خبر مقدم ہے اور یہ فضولی کی بیع ہے اور یہ ہمارے نزدیک منعقد ہے برخلاف امام شافعی کے اور ثمن ملکیت ہے اجازت دینے والے کی اور امانت ہے بائع کے پاس یعنی اگر اجازت دیدی مالک نے تو ثمن اس کی ملکیت ہوگی اور امانت ہوگی بائع کے پاس اور بائع کو فسخ کرنے کا حق ہے اجازت سے پہلے یعنی بائع کو حق ہے فسخ کرنے کا مالک کی اجازت سے پہلے اپنے نفس سے ضرر دفع کرنے کیلئے کیونکہ حقوق عقد راجع ہوتے ہیں اس کی طرف۔

تشریح مسئلہ کی وضاحت سے پہلے عبارت کی ترکیبی وضاحت کو دیکھئے فرماتے ہیں کہ۔ لما لک میں لام جار ہے اور مالک موصوف ہے اور باع غیرہ ملکہ صفت ہے موصوف اپنی صفت سے مل کر مجرد ہوا جار کیلئے جار اپنے مجرد سے مل کر خبر مقدم ہے اور

تسخیر مبتدا مؤخر ہے۔

فضولی کی بیع موقوف ہے مالک کی اجازت پر: مسئلے کی وضاحت یہ ہے کہ فضولی اس اجنبی شخص کو کہا جاتا ہے جو غیر کی ملک میں تصرف کرتا ہے اس کی اجازت کے بغیر اب فرماتے ہیں کہ جب کسی اجنبی نے (فضولی) غیر کی ملکیت کو فروخت کر دیا تو مالک کو ہم دو اختیار دیتے ہیں (۱) یہ کہ یا تو اس بیع کی اجازت دیدے اور بیع نافذ کر دے (۲) یہ کہ اجازت نہ دے بلکہ بیع فسخ کر دے لیکن مالک کی اجازت سے بیع کا نافذ ہونا اس وقت صحیح ہے جبکہ بیع اور عاقدین (یعنی فضولی اور مشتری) موجود ہوں اور ثمن بھی جبکہ سامان ہو یعنی مباحین بالتحین کے قبیل سے ہو کیونکہ مالک کا اجازت دینا درحقیقت عقد میں تصرف کرنا ہے اور عقد میں تصرف کرنے کیلئے بیع اور عاقدین کا موجود ہونا ضروری ہے اسی طرح یہاں پر بھی عاقدین اور مقنن علیہ کا موجود ہونا ضروری ہے اور ثمن اگر عرض ہو تو اس کا موجود ہونا بھی ضروری ہے۔

فضولی کی بیع منعقد ہوتی ہے لیکن مالک کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے یہ ہمارے نزدیک ہے۔  
حضرت امام شافعی کے نزدیک فضولی کے تمام تصرفات باطل ہیں۔

دلیل یہ ہے کہ دوسرے کی مملوک چیز کی بیع شرعی ولایت سے صادر نہیں ہوئی کیونکہ شرعی ولایت یا تو مالک ہونے سے ثابت ہوتی ہے اور یا مالک کی اجازت سے اور یہ دونوں باتیں یہاں پر حاصل نہیں ہیں لہذا شرعی ولایت کے بغیر بیع منعقد نہ ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ بیع کی حقیقت کیلئے اہلین ضروری ہیں کہ بائع اہل تصرف ہو اور مشتری بھی اہل تصرف ہو اور بیع محل ملک ہو اور یہ ساری باتیں یہاں موجود ہیں کہ بائع (فضولی) اہل تصرف ہے عاقل بالغ ہے اور مشتری بھی اہل تصرف ہے اور محل بھی مفید ملک ہے یعنی مال مقوم ہے تو بیع منعقد ہونے سے کوئی مانع موجود نہیں اور اس میں کسی کا ضرر بھی نہیں ہے کیونکہ مالک کو ہم اختیار دیتے ہیں کہ اگر وہ ضرر محسوس کرے تو بیع فسخ کرے اور اس انعقاد میں فضولی کے کلام کو لغو ہونے سے بچانا بھی ہے اور مشتری نے برضاء و رغبت اس کو لیا ہے لہذا اس میں کسی کا ضرر نہیں ہے لہذا نفس انعقاد سے کوئی مانع نہیں ہے تو بیع منعقد ہوگی لیکن مالک کو نافذ کرنے یا فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔

وهو ملك للمجبر. اور جب مالک نے بیع کی اجازت دیدی تو ثمن بائع کا مملوک ہو جائے گا اور اگر فضولی نے اس ثمن پر قبضہ کر لیا ہو تو یہ ثمن بائع یعنی فضولی کے ہاتھ میں امانت ہوگا یعنی جس طرح وکیل بالبیع کے ہاتھ میں ثمن قبضے کے بعد امانت ہوتا ہے اسی طرح فضولی کے ہاتھ میں بھی اصل مالک کی اجازت کے بعد ثمن بطور امانت ہوگا اس لئے کہ فضولی کی بیع کے بعد مالک کا

اجازت دینا ایسا ہے جیسا کہ بیع سے پہلے وکیل بنانا اور وکیل کے قبضے میں ثمن چونکہ امانت ہوتا ہے تو فضولی کے قبضے میں بھی امانت ہوگا لہذا اگر بیع کی اجازت کے بعد ثمن فضول کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا تو فضولی پر ضمان نہیں آئے گا البتہ اگر مالک نے ابھی تک اجازت نہ دی ہو اور ثمن اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے پھر تو ضمان آئیگا کیونکہ ابھی تک یہ اجنبی کے حکم میں ہے اور جب اجازت مل گئی تو اب وکیل کے حکم میں ہو گیا اور وکیل پر ضمان نہیں ہوتا لہذا دو الگ الگ حیثیتیں ہیں اجازت سے پہلے اجنبی ہے تو ضمان آئے گا اور اجازت کے بعد وکیل ہے تو ضمان نہیں آئے گا۔

ولہ فسخ قبل الاجازة.. مالک کی اجازت سے پہلے اگر بائع (فضولی) بیع کو فسخ کرنا چاہے تو فسخ کر سکتا ہے اس لئے کہ بیع کے حقوق عاقد کی طرف راجع ہوتے ہیں یعنی تمام ذمہ داریاں فضولی ہی کے ذمہ لازم ہوں گی تو فضولی کو بھی فسخ کرنے کا اختیار ہے مالک کی اجازت سے پہلے تاکہ اپنے آپ سے ضرر دفع کر سکے۔

وجاز اعتاق المشتري من الغاصب لا يبيعه ان اجيز بيع الغاصب ای اذا باع الغاصب العبد المغصوب فاعتقه المشتري فاجاز المالك البيع ينفذ الاعتاق وعند محمد لا ينفذ لقوله عليه السلام لا عتق فيما لا يملكه ابن آدم ولو ثبت في الاخرة لثبت مستندا وهو ثابت من وجه دون وجه ولهما ان الملك ثبت موقوفا بتصرف مطلق موضوع لافادة الملك فيتوقف الاعتاق مرتبا عليه كاعتاق المشتري من الراهن۔

ترجمہ اور جائز ہے غاصب سے لینے والے کا آزاد کرنا نہ کہ اس کا فروخت کرنا اگر اجازت دیدی گئی یعنی جب بیع دیا غاصب نے غصب شدہ غلام کو اور مشتری نے اس کو آزاد کر دیا پھر مالک نے بیع کی اجازت دیدی تو یہ آزاد کرنا نافذ ہوگا اور امام محمد کے نزدیک نافذ نہ ہوگا حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ آزادی نہیں ہے اس چیز میں جس کا ابن آدم مالک نہیں اور اگر اثبات ہو بھی جائے تو ثابت ہوگی پہلے کی طرف نسبت کرتے ہوئے اور یہ من وجہ ثابت ہے اور من وجہ ثابت نہیں اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ مشتری کی ملکیت مالک کی اجازت پر موقوف ہے ایسے تصرف سے ثابت ہوئی ہے جو مطلق ہے اور ملک کا فائدہ دینے کے واسطے موضوع ہے تو اعتاق اسی پر مرتب ہو کر موقوف ہوگا جیسے کہ راہن سے خریدنے والے کا آزاد کرنا۔

تشریح غاصب سے لے کر آزاد کرنا: صورت مسئلہ یہ ہے کہ عمران نے خالد سے غلام غصب کیا اور پھر یہی غلام اس غاصب (عمران) نے صادق کو فروخت کر دیا اور صادق نے یہی غلام آزاد کر دیا اس کے بعد مولیٰ نے اجازت دیدی تو حضرات شیخین کے نزدیک مشتری کا یہ آزاد کرنا صحیح ہے استحساناً یعنی مالک کی اجازت کے بعد یہ غلام آزاد ہو جائیگا۔

امام محمدؒ کے نزدیک یہ غلام آزاد نہ ہوگا یعنی مشتری من الغاصب کا آزاد کرنا صحیح نہ ہوگا اور غلام آزاد نہ ہوگا اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں فرمان آقا و نداء اطلاق موجود ہے، ولا عتق فیما لا یملکہ ابن آدم، اور ظاہر ہے کہ مشتری من الغاصب جس وقت غلام کو آزاد کر رہا ہے وہ اس وقت غلام کا مالک نہیں ہے جب اس کا مالک نہیں ہے تو اسکو آزاد بھی نہیں کر سکتا کیونکہ آزاد کرتے وقت مالک کی اجازت موجود نہیں ہے اسلئے مشتری آزاد کرتے وقت غلام کا مالک نہ ہوگا اور غیر کی ملکیت میں آزاد کرنا لازم آئے گا جو درست نہیں ہے لہذا یہ آزاد کرنا درست نہیں ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ بالآخر یعنی مالک کی اجازت کے بعد مشتری کے لئے ملکیت ثابت ہوگئی ہے اور آزاد کرنے کیلئے یہ کافی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ ملکیت سبب سابق یعنی غاصب کی بیع کی طرف منسوب ہو کر ثابت ہوگی یعنی ابتداء مشتری کے لئے ثابت نہ ہوگی بلکہ منسوب ہوگی غاصب کی طرف پھر غاصب کے واسطے سے مشتری کی طرف اور جو ملک بطریق استناد ثابت ہو وہ ثابت ہوتی ہے من وجہ دون وجہ اور جو ملک من وجہ ثابت ہو اور من وجہ ثابت نہ ہو وہ ملک ناقص ہوتی ہے اور اعماق کیلئے ملک ناقص کافی نہیں بلکہ ملک کامل ضروری ہے لہذا مشتری من الغاصب کا اعماق صحیح نہیں ہے۔

حضرات شیخین کی دلیل یہ ہے کہ مشتری من الغاصب کی ملکیت مالک کی اجازت پر موقوف ہو کر ایسے تصرف سے ثابت ہوئی ہے جو مطلق ہے یعنی اس میں اختیار وغیرہ کی کوئی شرط نہیں ہے اور ملکیت کا فائدہ دینے کے لئے وضع کیا گیا ہے اور مشتری من الغاصب کے لئے ملک موقوف ثابت کرنے میں مالک کا کوئی نقصان بھی نہیں ہے کیونکہ اسکو ہم اختیار دیتے ہیں تو جب مشتری من الغاصب کی ملکیت مالک کی اجازت پر موقوف ہے تو اسکا اعماق اور آزاد کرنا بھی مالک کی اجازت پر موقوف ہوگا تو جب مالک کی اجازت سے بیع نافذ ہوگی تو اس کے ساتھ ساتھ اعماق بھی نافذ ہوگا یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک آدمی نے کسی سے قرض لیکر اور اپنا غلام اس کے پاس رہن رکھا پھر رہن نے مرہن کی اجازت کے بغیر اس غلام کو فروخت کر دیا اور اس کے بعد مشتری من الراہن نے یہ غلام آزاد کر دیا تو اس (مشتری من الراہن) کا آزاد کرنا صحیح اور نافذ ہے اسی طرح مشتری من الغاصب کا آزاد کرنا بھی صحیح اور نافذ ہوگا۔

ولو باع المشتري من الغاصب ثم اجيز البيع الاول لا ينفذ الثاني لان بالاجازة يثبت ملك  
بات للمشتري الاول فاذا طرأ على الملك الموقوف للمشتري الثاني ابطله

ترجمہ اور اگر غاصب سے لینے والے نے بیع دیا پھر بیع اول کی اجازت دیدی گئی تو بیع ثانی نافذ نہ ہوگی کیونکہ اجازت سے ثابت ہوتی ہے یعنی ملکیت مشتری اول کیلئے جب یہ طاری ہو جائے تو اسکو باطل کر دے گا۔

تشریح غلام کا ہاتھ فروخت کرنا: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں عمران نے خالد سے غلام غصب کیا اور اس غاصب (عمران) نے یہ غلام صادق کے ہاتھ فروخت کر دیا اور پھر صادق نے یہ غلام زید کے ہاتھ فروخت کر دیا اس کے بعد مالک نے غاصب کی بیع کی اجازت دیدی تو مشتری من الغاصب (صادق) کیلئے ملکیت قطعی ثابت ہوگئی اس پہلے مشتری من الغاصب کیلئے ملکیت موقوف حاصل تھی اب مالک کی اجازت سے مشتری من الغاصب (صادق) کیلئے ملکیت یقینی حاصل ہوگئی اور یہ ملکیت یقینی ملکیت موقوف پر طاری ہوگئی تو یہ ملک یقینی ملک موقوف کو باطل کر دے گی یعنی مشتری اول کو ملک یقینی حاصل ہوگئی اور مشتری ثانی کیلئے ملک موقوف حاصل ہوئی ہے تو جب ملک بات ملک موقوف پر طاری ہوگئی تو ملک موقوف باطل ہو جائے گی لہذا بیع ثانی معتبر نہ ہوگی۔

ولو قطع يده ثم اجيز فارشه للمشتري اى قطعت يد العبد فاخذ ارشها ثم اجاز المالك البيع فارشه للمشتري لان الملك تم له من وقت الشرى فتبين ان القطع وقع على ملك المشتري فالارش له وتصدق بمزاد على نصف ثمنه اى اذا كان الارش زائدا على نصف الثمن فالزيادة لا تطيب له فوجب تصدقه اذ فى الزيادة شبهة عدم الملك -

ترجمہ اگر غلام کا ہاتھ کاٹا گیا پھر اجازت دیدی گئی تو اس کا جرمانہ مالک کیلئے ہے یعنی غلام کا ہاتھ کاٹا گیا تو اس نے اس کا جرمانہ لے لیا پھر مالک نے بیع کی اجازت دیدی تو اس کا جرمانہ مشتری کے لئے ہوگا کیونکہ ملکیت اس کے لئے تام ہوگئی خریداری کے وقت سے تو ظاہر ہوا کہ ہاتھ کاٹنا واقع ہوا ہے مشتری کی ملکیت پر تو جرمانہ بھی اسی کیلئے ہوگا اور صدقہ کرے اس کو جو نصف ثمن سے زیادہ ہو یعنی جب جرمانہ نصف ثمن سے زیادہ ہو تو یہ زیادتی اس کے لئے حلال نہیں ہے تو واجب ہے اس کا صدقہ کرنا اس لئے کہ زیادتی میں شبہ ہے ملک نہ ہونے کا۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری من الغاصب (صادق) کے پاس غلام کا ہاتھ کاٹا گیا اور اس (صادق) نے اس کا جرمانہ لے لیا تو یہ جرمانہ مشتری من الغاصب (صادق) کو ملے گا کیونکہ اجازت کی وجہ سے مشتری کی ملکیت تام ہوگئی ہے خریدنے کے وقت سے پس ظاہر ہو گیا کہ ہاتھ کاٹنا جانا مشتری کی ملکیت پر واقع ہوا ہے اور جب ہاتھ مشتری کی ملکیت میں کاٹا گیا تو جرمانہ بھی اسی کیلئے ہوگا لیکن مشتری پر واجب ہے کہ جو قیمت نصف ثمن سے زیادہ ہو وہ صدقہ کر دے کیونکہ غلام کا ہاتھ یا تو مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے بائع (یعنی غاصب) کے پاس کاٹا گیا ہوگا تو اس وقت غلام مشتری کی ملک اور ضمان میں داخل نہیں ہوا تھا اور جو چیز ضمان میں داخل نہ ہو اس کا نفع جائز نہیں ہوتا اس لئے نصف ثمن سے زائد کا صدقہ کرنا واجب ہوگا اور اگر غلام کا ہاتھ



کا نا گیا ہو مشتری کے قبضہ کرنے کے بعد یعنی مشتری کے پاس تو مولیٰ کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے ہاتھ کٹنے وقت حقیقتہً مشتری کی ملکیت موجود نہ تھی بلکہ مشتری کی ملکیت تو بطریقہ استناد ثابت ہے اور جو ملک بطریقہ استناد ثابت ہو وہ ثابت ہوتی ہے من وجہ دون وجہ اس لئے اس میں عدم ملک کا شبہ پیدا ہو گیا اور جب عدم ملک کا شبہ پیدا ہو گیا تو اس سے جو نفع حاصل ہو گا وہ جائز نہ ہو گا بلکہ اس کا صدقہ کرنا واجب ہو گا۔

ومن شری عبدا من غیر سیدہ فاقام بینة علی اقرار بائعہ او سیدہ لعدم امرہ بہ مرید اوردہ  
لا یقبل وان اقر بائعہ بہ عند قاض وطلب مشتریہ ردہ ردیبعہ الفرق بنین الصورتین ان البینة  
لا تقبل الا عند صحة الدعوی وفي المسألة الاولی لم یصح الدعوی للتناقض وفي الصورة  
الثانية التناقض لا یمنع الاقرار فللمشتری ان یساعد البائع فی ذلك فیتحقق الاتفاق بینہما۔

ترجمہ اور جس نے غلام خریدا آقا کے علاوہ کسی اور سے پھر اس نے گواہ قائم کئے بائع یا آقا کے اقرار پر کہ اس نے اس بیع کا حکم نہیں کیا ہے اور واپس کرنا چاہتا ہو تو یہ قبول نہ ہو گا اور اگر بائع نے قاضی کے پاس اس کا اقرار کیا اور مشتری نے بھی واپس کرنا چاہا تو بیع کو واپس کر سکتا ہے دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ بینہ قبول نہیں ہوتے مگر دعویٰ صحیح ہونے کے وقت اور پہلے مسئلے میں دعویٰ صحیح نہیں ہے تقاض کی وجہ سے اور دوسری صورت میں تقاض مانع نہیں ہے صحت اقرار کیلئے تو مشتری کیلئے یہ جائز ہے کہ بائع کی مدد کرے اس میں تو دونوں میں اتفاق ثابت ہو جائے گا۔

**تشریح** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے کا غلام مالک کی اجازت کے بغیر فروخت کیا پھر مشتری نے اس بیع کو واپس کرنا چاہا اور کہا کہ بائع نے یہ غلام مالک کی اجازت کے بغیر مجھ کو فروخت کیا ہے اور بائع اس سے انکار کر رہا ہے کہ میں نے بائع کی اجازت کے بغیر فروخت نہیں کیا ہے بلکہ بائع کی اجازت سے فروخت کیا ہے پھر مشتری نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ بائع نے اقرار کیا ہے کہ مالک نے مجھے اجازت نہیں دی یا مشتری نے مالک پر گواہ قائم کئے کہ مالک یہ اقرار کر چکا ہے کہ میں نے بائع کو اجازت دی ہے اور پھر بھی یہ مشتری غلام کو واپس کرنا چاہتا ہے تو مشتری کے بینہ قبول نہ ہوں گے۔

اور اگر بائع نے قاضی کے سامنے اس بات کا اقرار کیا کہ میں نے یہ غلام فروخت کیا ہے مالک کی اجازت کے بغیر اور میں بیع کو واپس کرنا چاہتا ہوں اور مشتری بھی اس واپسی پر راضی ہو وہ بھی واپس کرنا چاہتا ہے تو بیع باطل ہو جائے گی

دونوں مسئلوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں مشتری کے دعویٰ میں تقاض ہے اس طور پر کہ جب خریدنے کا اقدام کیا تو گویا کہ اس نے ثراء کے صحیح ہونے کا دعویٰ کیا اور جب اس نے بعد میں یہ کہا کہ مالک نے بائع کو اجازت نہیں دی ہے تو

اس نے شراء کے غیر صحیح ہونے کا دعویٰ کیا تو دعویٰ میں تناقض آ گیا اور جب دعویٰ میں تناقض ہو تو دعویٰ صحیح نہیں ہوتا اور بیئہ کا قبول ہونا موقوف ہے دعویٰ کے صحیح ہونے پر اور جب دعویٰ صحیح نہیں تو بیئہ بھی قبول نہ ہوں گے۔

اور دوسری صورت میں تناقض اقرار میں ہے اور تناقض اقرار کے صحیح ہونے سے مانع نہیں ہے لیکن اقرار حجت قاصرہ ہے لیکن بیع واپس کرنے کیلئے اگر مشتری کی موافقت بھی شامل ہوگی تو واپس کرنا جائز ہوگا

☆ واللہ اعلم

۱۳ فروری ۲۰۰۷ء مطاق۔ ۲۵۔ محرم الحرام۔ ۱۴۲۸ھ

## باب السلم

السلم بیع الشیء علی ان یکون المبیع دینا علی البائع بالشرائط المعتبره شرعا فالبیع یسمی مسلما فیہ والثلث رأس المال والبائع مسلما الیہ والمشتري رب السلم۔

ترجمہ سلم بیچنا ہے کسی چیز کا اس شرط پر کہ بیع دین ہوگی بائع کے ذمہ ان شرائط کے ساتھ جو معتبر ہیں شرعا تو بیع کو مسلم فیہ کہا جاتا ہے اور ثمن کو رأس المال اور بائع کو مسلم الیہ اور مشتری کو رب السلم۔

تشریح بیع سلم کی تعریف:۔ لفظ سلم اور سلف مترادف ہیں لغت میں ایسی بیع کو کہا جاتا ہے جس میں ثمن مہل ہو یعنی فوری ہو اور اصطلاح فقہاء میں بیع سلم کہتے ہیں مؤجل کو مہل کے عوض فروخت کرنا یعنی ثمن نقد ہو اور بیع ادھار ہو۔

اصطلاحات ضروریہ:۔ بیع کو مسلم فیہ کہتے ہیں۔ اور ثمن کو رأس المال۔ بائع کو مسلم الیہ۔ اور مشتری کو رب السلم کہتے ہیں۔

بیع سلم کی مشروعیت:۔ بیع سلم کی مشروعیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت سے ثابت ہے البتہ قیاس اسکے جواز سے انکار کرتا ہے۔

کتاب اللہ:۔ تو یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے،، یا ایہا الذین امنوا اذا قننتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوا الخ ،، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر دیا تو سلم کو جائز کر دیا اور فرمایا کہ ،، اشهد ان السلف المضمون الی اجل مسمی قد احله اللہ تعالیٰ فی کتابہ ،، اس قول میں المضمون سے مراد مؤجل اور واجب فی الذمہ ہے اور سلم فیہ بھی واجب فی الذمہ ہوتی ہے تو ابن عباسؓ کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بیع بیع سلم کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔

حدیث سے... حضرت عبداللہ بن اوفیٰ کی حدیث ہے، قال کنا لنسلف علی عہد رسول اللہ ﷺ وابی بکر وعمر فی الحنطة والشعیر والتمر والزبیب،، اور بھی بہت ساری احادیث ہیں اس موضوع پر۔

جماع سے... عہد رسالت سے لیکر آج تک بیع سلم کے جواز پر امت کا اجماع چلا آ رہا ہے۔

قیاس... البتہ قیاس اس کے جواز سے انکار کرتا ہے اس لئے کہ بیع سلم میں مسلم فیہ بیع ہوتی ہے اور بیع تو معدوم ہے اور بیع معدوم کی بیع صحیح نہیں ہوتی لیکن قیاس کو ہم نے ترک کر دیا ایت اور حدیث کی وجہ سے

فیما یعلم قدره وصفته کالمکیل والموزون مثمناً انما قال مثمناً احترازاً عن الموزون الذی

یکون ثمننا کالدراهم والدنانیر والمدروع کالثوب مبیناً طولہ وعرضہ ورقعته ای غلظہ

وسخافته والمعدود متقارباً کالجوز والبیض ولبن والأجر بملین معین فصح فی السمک

الملیح ای القدید بالملح یقال له سمک ملیح ولایقال مالح الا فی لغة ردیة والطری فی حینہ

فقط ای السلم فی السمک الطری لایجوز الا فی حین یوجد السمک فی الماء وزناً وضرباً

معلومین ای لابد ان یدکر وزن معلوم ونوع معلوم۔

ترجمہ ان چیزوں میں جس کی مقدار اور وصف معلوم ہو جیسے مکلی اور موزونی اشیاء جبکہ بیع ہو فرمایا مثمناً احتراز ہے اس موزون

سے جو ثمن ہوتا ہے جیسے درہم اور دینار اور گز سے ناپنے والی چیزوں میں جیسے کپڑا جس کا طول عرض اور سختی یعنی موٹا ہونا یا نرم ہونا

اور گنتنے والی چیزوں میں جو قریب قریب ہو جیسے اخروٹ اور انڈے اور پیسے اور کچی پکی اینٹیں سانچے معین کے ساتھ اور صحیح ہے

سو کھی مچھلی میں نمک لگی ہوئی ہو سک ملیح اوصک مملوح کہا جاتا ہے اوصک مالح نہیں کہا جاتا مگر ایک ردی لغت میں اور جاتز ہے

تازہ مچھلی میں اس کے موسم میں یعنی سلم تازہ مچھلی میں جائز نہیں ہے مگر اس وقت جبکہ مچھلی پانی میں موجود ہو۔ وزن اور نوع معلوم

ہو یعنی ضروری ہے کہ ذکر کرے وزن معلوم اور نوع معلوم۔

تشریح بیع سلم کے شرائط... فرماتے ہیں کہ بیع سلم جائز ہے ان چیزوں میں جس کی مقدار اور وصف معلوم ہو جیسے مکلی اور

موزونی اشیاء۔

متمناً... مصنف نے فرمایا کہ مکلی اور موزونی اشیاء مثن ہوں تو اس کی بیع سلم جائز ہے لیکن اگر موزونی اشیاء مثن نہ ہوں

بلکہ ثمن ہو جیسے سونا چاندی تو پھر اس کی بیع سلم جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں ادھار جائز نہیں ہے اور بیع سلم میں بیع ادھار ہوتی ہے

**والمذروع**... اسی طرح بیع سلم جائز ہے گز سے پنے والی چیزوں میں کیونکہ عقد سلم صحیح ہونے کیلئے تین چیزوں کا معلوم ہونا ضروری ہے (۱) مقدار (۲) وصف (۳) صنعت کیونکہ طول و عرض بیان کرنے سے مقدار معلوم ہو جائے گی اور جدید یا ردی ہونے سے وصف معلوم ہو جائے گا اور باریک یا موٹا ہونے کے بیان کرنے سے صنعت معلوم ہو جائے گی جب مذکورہ تینوں چیزیں معلوم ہو سکتی ہیں تو ذروعات میں بیع سلم بھی جائز ہوگی۔

**والمعدود متقاربا**... اور جو چیزیں گن کر فروخت کی جاتی ہیں اور ان کے افراد میں باہم تفاوت زیادہ نہیں ہوتا تو ان کی بیع سلم جائز ہے جیسے اخروث اور اٹھے۔ کچی اور پکی اینٹیں وغیرہ کیونکہ ان کی مقدار بھی معلوم ہے اور وصف بھی اور سپرد کرنا بھی آسان ہے لہذا عددی متقاربا اشیاء کی بیع سلم جائز ہے اور جن کے افراد میں تفاوت کثیرہ ہو ان میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔

**مچھلی کی بیع سلم**... مچھلی اگر خشک ہو اور اس کو نمک لگایا گیا ہو تو اس کی بیع جائز ہے وزن کے اعتبار سے اس لئے کہ اس قسم کی مچھلی بازار سے منقطع نہیں ہوتی ہر وقت دستیاب ہوتی ہیں اور مسلم الیہ اس کی تسلیم پر قادر ہوتا ہے اور اگر مچھلی تازہ ہو تو پھر اس کی بیع سلم جائز نہیں ہے مگر اس وقت کہ جس وقت موجود ہوتی ہے یعنی ہر وقت پکڑی جاسکتی ہے اور اسکی نوع بھی معلوم ہو اور مقدار بھی معلوم ہو تو پھر اس کی بیع سلم جائز ہے اس لئے کہ مقدوراً تسلیم ہے۔

عبارت کی وضاحت... شارح فرماتے ہیں کہ تک کی صفت لیج اور مملوح آتی ہے مالم نہیں آتی مگر ایک ردی لغت میں فصیح لغت میں مالم نہیں کہا جاتا بلکہ لیج یا مملوح کہا جاتا ہے۔

والطست والقمقمة والخفین الا اذا لم يعرف به ای بالصفة لا فیما لا يعرف قدره وصفته کا  
لحیوان وعند الشافعی یجوز فی الحیوان لانه یعلم بذکر الجنس والنوع والصفة قلنا فی ذلك  
فحش التفاوت واطرافه كالرؤس والاكارع وجلوده عددآ

ترجمہ اور جائز ہے تانبے کے برتن میں اور لکڑی کے برتن میں اور موزے میں ہاں اگر معلوم نہ ہو صفت کے ساتھ اور جائز نہیں ہے ان چیزوں میں جن کی مقدار اور صفت معلوم نہ ہو جیسے حیوان اور امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے حیوان میں کیونکہ یہ معلوم ہو سکتا ہے جنس نوع اور صفت ذکر کرنے سے ہم کہتے ہیں کہ اس میں تفاوت زیادہ ہے اور اطراف حیوان میں جیسے سرے پائے اور حیوان کے چڑوں میں گنتی کے اعتبار سے۔

**تشریح:** فرماتے ہیں بیع سلم جائز ہے طشت میں اور ققمیے میں یعنی تانبے کے برتن میں اور لکڑی کے برتن میں اور موزے میں

جبکہ اس کی جنس اور صفت معلوم ہو اور اگر معلوم نہ ہو تو پھر جائز نہیں ہے اور جن اشیاء کی جنس اور قدر اور صفت معلوم نہ ہو ان جیسے چیزوں میں بیع سلم جائز نہیں ہے جیسے حیوان کہ حیوان میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔

اور امام شافعیؒ کے نزدیک حیوان میں بیع سلم جائز ہے اسلئے کہ جب جانور کی جنس نوع اور صفت بیان کر دی گئی یعنی یوں کہا گیا کہ وہ اناٹ ہوگا یا گائے ہوگی اور نوع جیسے بختی ہوگی یا حزناتی اور عمر بیان کر دی گئی دو سال والا ہوگا اور صفت بیان کر دی گئی کہ فرہہ ہوگا یا کنز و تو ان چیزوں کے بیان کرنے سے مسلم فیہ کی مالیت معلوم ہوگی اور ہر وہ چیز جس کے اوصاف بیان کرنے سے معلوم ہو جائے۔ تو ہیں اسکی بیع سلم جائز ہوتی ہے لہذا اوصاف وغیرہ بیان کرنے سے حیوان کی بیع سلم جائز ہوگی۔

قلنا ہم جواب میں کہتے ہیں کہ ان بیروا کے بیان کے ماہر حیوان میں مالیت کے اعتبار سے بہت بڑا تفاوت ہے اور یہ تفاوت باطنی امور کی وجہ سے ہوتا ہے جس کی وجہ سے حیوان میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔

اطراف حیوان اطراف حیوان میں بھی بیع سلم جائز نہیں ہے مثلاً سری، پائے وغیرہ میں اسلئے کہ جانوروں کے سروں اور پاؤں میں بہت بڑا تفاوت ہوتا ہے گویا کہ عددی تفاوت ہے اور عددی تفاوت میں بیع سلم جائز نہیں ہوتی اور اسی طرح جانوروں کی کھالوں میں بھی بیع سلم جائز نہیں ہے کیونکہ کھالوں میں بھی بہت بڑا تفاوت ہوتا ہے اور جن عددی اشیاء میں تفاوت ہوتا ہے اس میں بیع سلم جائز نہیں ہوتی۔

والحطب حزمًا والرطبة جرزا والحزم جمع الحزمة وهي في الفارسية بندھیزم والجرز جمع الجرزة وهي في الفارسية دستہ ترہ وانما لا يجوز في الحطب للتفاوت حتى ان بين طول مايشمد به الحزمة يجوز۔

ترجمہ۔ اور لکڑیوں میں گھنڑی سے اور نہ گھاس کی بیع سلم پوئی کے اعتبار سے الحزم جمع ہے حزمۃ کی فارسی میں اسکو بندھیزم کہا جاتا ہے اور جرز جمع ہے جرزة کی فارسی میں اسکو دستہ ترہ کہا جاتا ہے اور جائز نہیں ہے لکڑیوں میں تفاوت کی وجہ سے لیکن اگر بیان کر دیا اس چیز کو جس کے ذریعے گھٹا باندھا جاتا ہے تو جائز ہوگی۔

تشریح: لکڑیوں میں بیع سلم: مسئلہ یہ ہے کہ بیع سلم جائز نہیں ہے لکڑیوں میں گھنڑی کے اعتبار سے اور سبزیوں میں گھٹے کے اعتبار سے اسلئے کہ اس میں تفاوت بہت زیادہ ہے اس لئے کہ اگر کوئی آدمی دس روپے کے ایک گھنڑی لکڑی بطور ادھار خرید لے تو ایک گھنڑی لمبی لکڑی کی ہوگی اور دوسری چھوٹی لکڑیوں کی تو نزاع واقع ہوگا اسی طرح سبزیوں میں بھی ایک گھٹا بڑا ہوگا اور

ایک چھوٹا تو یہ بھی مفہمی الی النزاع ہوگا البتہ اگر یہ بیان کرے کہ جس رسی پر گھٹوی یا گھٹا بندھا جا رہا ہے اس رسی کی مقدار معلوم ہو کہ وہ دو بالمش ہوگی مثلاً تو پھر بیع جائز ہوگی۔

والجواهر والخرز وبصاع وذراع معین لم یدر قدره وبرقریة ثمرۃ نخلة معینین وفيما لم یوجد من حین العقد الی حین المصلح وعند الشافعی یجوز اذا کان موجوداً وقت المصلح للقدرة علی التسلیم حال وجوده ولنا قوله علیه السلام لاتسلموا فی الثمار حتی یدو صلاحها ولانه عقد المفالیس فلا ید من استمرار الوجود فی مدة الاجل لیتمکن من التحصیل۔

ترجمہ اور جواہرات اور پوتھوں میں اور صاع یا ذراع معین کے ساتھ جس کی مقدار معلوم نہ ہو اور ایک معین گاؤں کی گندم یا ایک معین درخت کے پھل میں اور ان چیزوں میں جو موجود نہ ہو عقد کے وقت سے لیکر ادائیگی کے وقت تک اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے جبکہ ادائے گی کے وقت موجود ہو اسلئے کہ سپردگی پر قدرت ہے موجود ہوتے وقت ہمارے لئے حضور ﷺ کا قول ہے کہ تم بچلوں میں بیع مسلم مت کرو یہاں تک کہ اسکی صلاح ظاہر ہو جائے اور یہ بھی ہے کہ یہ مفلس لوگوں کا عقد ہے تو مقررہ مدت میں اس کا برابر موجود رہنا ضروری ہے تاکہ حاصل کرنے کی قدرت میسر ہو۔

**تشریح: بیع مسلم جواہرات میں:** جواہرات اور پوتھوں میں بیع مسلم جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس کے افراد میں تفاوت بہت زیادہ ہے اس کا وصف اور مقدار بیان کرنا ممکن نہیں ہے لہذا اس میں بیع مسلم جائز نہ ہوگی۔

غیر معین صاع اور ذراع سے اسی طرح بیع مسلم جائز نہیں ہے غیر معین صاع اور ذراع سے جس کی مقدار معلوم نہ ہو کیونکہ بیع مسلم میں مسلم فید کی ادائے گی مؤخر ہوتی ہے اور اس مخصوص صاع اور ذراع کے ہلاک ہونے کا امکان ہے جب وہ مخصوص صاع یا ذراع ہلاک ہو جائے اور پھر سپردگی کا وقت آجائے تو جھگڑا ہوگا مسلم الیہ اور رب المسلم کا اور جو بیع مفہمی الی النزاع ہوتی ہے وہ فاسد ہوتی ہے لہذا اس صورت میں بیع مسلم جائز نہ ہوگی۔

**بیع مسلم کیلئے بیع کا ہر وقت موجود رہنا ضروری ہے۔** مسئلہ یہ ہے کہ بیع مسلم کیلئے یہ شرط بھی ہے کہ مسلم فید ہر وقت بازار میں دستیاب ہو یعنی بیع کے وقت بھی موجود ہو اور ادائے گی کے وقت بھی موجود ہو اور درمیان میں بھی موجود ہو اگر عقد کے وقت موجود نہ ہو یا سپردگی کے وقت موجود نہ ہو یا عقد کے وقت بھی موجود ہو اور سپردگی کے وقت بھی موجود ہو لیکن درمیان میں موجود نہ ہو تو ہمارے نزدیک بیع مسلم جائز نہیں ہے۔

اور امام شافعیؒ کے نزدیک اگر مسلم فیہ ادا ئے گی کے وقت بازار میں موجود ہو تو عقد مسلم جائز ہے اگرچہ عقد کے وقت یا درمیان میں موجود نہ ہو کیونکہ سپردگی کے وقت مسلم فیہ موجود ہے اور اس کے حوالہ کرنے پر قدرت بھی ہے لہذا یہ جائز ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے پہلوں میں بیع مسلم نہ کرو یہاں تک کہ وہ قابل انتفاع ہو جائے یعنی قابل انتفاع ہونے سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ بیع مسلم کے وقت مسلم فیہ موجود ہونا ضروری ہے کیونکہ صلاح ظاہر ہونے سے پہلے بیع معدوم ہے اور معدوم کی بیع جائز نہیں ہوتی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ عقد مسلم مفلس اور غریب لوگوں کی ضرورت اور حاجت پوری کرنے کیلئے مشروع ہوا ہے اور یہ ضرورت اس وقت پوری ہو سکتی ہے جبکہ مسلم فیہ ادا کرنے کیلئے میعاد مقرر کی جائے تاکہ مسلم الیہ اسی مدت میں مسلم فیہ حاصل کر کے رب المسلم کو حوالہ کر دے حاصل یہ ہے کہ مسلم فیہ کا ہر وقت بازار میں موجود رہنا ضروری ہے تاکہ مسلم الیہ اس کو کسی بھی وقت بازار سے حاصل کر کے رب المسلم کے حوالہ کر دے اس لئے میعاد مقررہ تک اس چیز کا بازار میں موجود رہنا ضروری ہے۔

ولافی اللحم هذا عند ابی حنیفۃؒ وقالا یصح ان بین جنسہ ونوعہ وسنہ وصفته وموضعه و قدرہ کسشاة خصی وثنی سمین من الجنب مائة من۔

ترجمہ اور جائز نہیں ہے بیع مسلم گوشت میں یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ صحیح ہے اگر بیان کر دے اسکی جنس۔ نوع۔ عمر اور صفت اور جگہ اور مقدار جیسے بکری خصی ہو دو سالہ ہو موٹی ہو اور پہلو کا ہو سو من ہو۔

تشریح: حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گوشت میں بیع مسلم جائز نہیں ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک گوشت کی بیع مسلم جائز ہے جبکہ جنس نوع صفت عمر اور مقدار بیان کر دے کہ بکرے کا گوشت ہو خصی ہو دو سالہ بکرہ ہو اور فریہ ہو اور پہلو کا گوشت ہو مثلاً یعنی ان چیزوں کے بیان کرنے سے بیع معلوم ہوگی اور مقدوراً تسلیم بھی ہوگی تو اس کی بیع مسلم جائز ہوگی

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ان چیزوں کے بیان کرنے کے باوجود گوشت میں باطنی تفاوت بہت ہے چنانچہ گوشت ہڈیوں کی قلت اور کثرت کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے مشتری ہڈی والا گوشت نہیں لے گا اور مسلم الیہ خالص ہڈی والا گوشت دے گا تو جھگڑا ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ موسم کے اختلاف سے بھی گوشت میں اختلاف ہوتا ہے موسم اچھا ہو تو جانور موٹا تازہ ہوتا ہے اور موسم قحط کا ہو تو جانور مریل ہوتا ہے تو مسلم الیہ ایک قسم کا گوشت حوالہ کرے گا اور رب المسلم اس سے اچھا گوشت مانگے گا تو جھگڑا واقع ہوگا

اور جو بیح مفہمی الی النزاع ہوتی ہے وہ فاسد ہوتی ہے لہذا گوشت میں بیح سلم جائز نہیں ہے۔

شروطہ بیان جنسہ کبر او شعیر ونوعہ کسقیۃ اوبخسیۃ ای حنطۃ سقیۃ ای التی تسقی  
منسوبة الی السقی والبخسیۃ التی لاتسقی منسوبة الی البخس وهو الارض التی تسقی بماء  
السماء سمیت بذلك لانها منجوسۃ الحظ من الماء

وصفتہ کجید اوردی وقدرہ معلوما نحو کذا کیلا لاینقبض ولا ینبسط فلا یجعل الزنبیل  
کیلا او وزنا -

ترجمہ: شروط بیح سلم بیان فرماتے ہیں چنانچہ فرمایا کہ جنس جیسے گندم یا جو اور نوع جیسے آدمی کے سینچے ہوئے ہو یا بارانی یعنی وہ  
گندم جسکو پانی دیا جاتا ہے منسوب ہے پانی دینے کی طرف اور بخسی وہ جس کو پانی نہیں دیا جاتا منسوب ہے بخس کی طرف اور یہ  
اس زمین کو کہتے ہیں جس کو بارانی پانی سے سینچا جاتا ہے اس کا یہ نام رکھا گیا اس لئے کہ اس سے پانی کا حصہ کم کر دیا گیا ہے اور  
جیسے کہ عمدہ ہے یاردی اور مقدار معلوم ہو جیسے اتنا کیل جو نہ سکتا ہو اور نہ پھیلتا ہو تو زنبیل کو کیل نہیں بنایا جاتا یا وزن کے اعتبار سے  
معلوم ہو۔

تشریح: بیح سلم کے شرائط: بیح سلم کے صحیح ہونے کے شرائط یہ ہیں (۱) یہ کہ بیح کی جنس معلوم ہو کہ گندم ہے یا جو (۲) یہ  
کہ نوع معلوم ہو جیسے وہ گندم جس کو نہری پانی سے سینچا گیا ہو یا بارانی پانی سے (۳) صفت معلوم ہو کہ عمدہ گندم ہو یا ردی (۴)  
مقدار بیح معلوم ہو کہ اتنا کیل ہو یا وزن معلوم ہو اگر روزنی ہو لہذا ایسے زنبیل یا برتن کو کیل نہ بنایا جائے جو سکتا ہو یا پھیلتا ہو کیونکہ  
اس صورت میں کیل میں جہالت آتی ہے۔

عبارت کی وضاحت: شارح فرماتے ہیں کہ بخسیہ منسوب ہے بخس کی طرف اور بخس اس زمین کو کہا جاتا ہے جس کو نہری  
پانی سے سیراب نہیں کیا جاتا بلکہ بارانی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور بخس کے معنی ہے نقصان بخوسہ وہ زمین جس کے پانی کا حصہ کم  
کر دیا گیا ہو یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے "وشر وہ بضمن بخس" نقصان والا زمین۔

واجله معلوما هذا عندنا واما عند الشافعی یجوز السلم فی الحال واقله شهر فی الاصح انما قال فی  
الاصح لانه قد قیل اقله ثلاثۃ ایام وقیل قیل اکثر من نصف یوم -

ترجمہ اور مدت معلوم ہو یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے سلم فی الحال اور کم سے کم مدت ایک ماہ ہے صحیح  
روایت میں اور اصح اسلئے کہا کہ کم مدت تین دن ہے اور کہا گیا ہے کہ آدھا دن سے زیادہ۔



تشریح: شرط (۵) یہ ہے کہ بیع سلم میں مدت بیان کی گئی ہو بلا بیان مدت بیع سلم ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے یعنی اگر کسی نے بیع سلم کی اور یہ شرط لگادی کہ بیع فی الحال حوالہ کرے گا یا مدت ہی بیان نہ کی تو ہمارے نزدیک یہ بیع سلم جائز نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے اس چیز کی بیع سے جو انسان کے پاس نہ ہو لیکن بیع سلم میں رخصت دی ہے۔

ہماری دلیل: یہ ہے کہ حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے بیع سلم کرنی ہو تو بیع سلم کرے کیل معلوم میں اور وزن معلوم میں اور مدت معلوم میں تو مدت کا بیان ضروری ہے۔

پھر کم سے کم مدت کے بارے میں اقوال مختلف ہیں ایک قول یہ ہے کہ کم سے کم مدت نصف یوم ہے اور ایک قول یہ ہے کہ کم از کم مدت تین دن ہے اور ایک قول امام محمد کا ہے کہ کم سے کم مدت ایک ماہ ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

وقدر رأس المال فی السکلی والوزنی والعددی فان العقد فیها یتعلق بالمقدار فلا بد من بیان مقداره وهذا عند ابی حنیفہ وعندہما اذا کان رأس المال معینا لایحتاج الی بیان مقداره لان المقصود یحصل بالاشارة کما فی الثمن والاجرة ولابی حنیفہ انه ربما یکون بعض رأس المال زیوفا ولا یتبدل فی المجلس فلولم یعلم قدره لایدری کم بقی وربما لایقدر علی تحصیل المسلم فیہ فیحتاج الی رد رأس المال فیجب ان یکون معلوما بخلاف ما اذا کان رأس المال ثوبا معینا فان العقد لایتعلق بمقداره فلا یجب بیان قدر رأس المال -

ترجمہ: اور رأس المال کی مقدار بیان کرنا کیلی وزنی اور عدوی اشیاء میں کیونکہ عقد اس میں متعلق ہوتا ہے مقدار کے ساتھ تو ضروری ہے مقدار کا بیان کرنا اور یہ امام صاحب کے نزدیک ہے اور صاحبین کے نزدیک جب رأس المال معین ہو تو ضرورت نہیں ہے مقدار بیان کرنے کی کیونکہ مقصود حاصل ہوتا ہے اشارے سے جیسے کہ ثمن اور اجرت میں اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ بسا اوقات رأس المال کھونا ہوتا ہے اور مجلس میں تبدیلی نہیں ہوتی پس اگر مقدار بھی معلوم نہ ہو تو معلوم نہ ہوگا کہ کتنا باقی ہے اور بسا اوقات قدر نہیں ہوتا مسلم فیہ کے حاصل کرنے پر تو محتاج ہوتا ہے رأس المال کے واپس کرنے کی طرف تو ضروری ہے کہ معلوم ہو بخلاف اس کے کہ جب رأس المال ایک معین کپڑا ہو کیونکہ عقد متعلق نہیں ہوتا مقدار کے ساتھ تو واجب نہیں ہے

رأس المال کی مقدار بیان کرنا۔

**تشریح:** شرط (۶) یہ ہے کہ رأس المال کی مقدار معلوم ہو اگر مقدار رأس المال کی مقدار سے متعلق ہو جیسے کیلی یا وزنی اور وہ دی چیزوں میں یہ امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک اگر رأس المال کی طرف اشارہ ہو جائے تو پھر رأس المال کی مقدار بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مقصود یعنی تعیین حاصل ہے اشارے سے جیسے کہ عام بیع کے ثمن اور اجرت میں اشارہ کافی ہو جاتا ہے اور مقدار بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح بیع سلم میں بھی ثمن کی مقدار بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ رأس المال کھوتا ہوتا ہے بالغ اس کو واپس کرنا چاہتا ہے تو مقدار مجہول ہونے کی صورت میں نزاع ہوگا معلوم نہ ہوگا کہ کتنا واپس کرنا ہے نیز یہ بھی ہے کہ بسا اوقات مسلم ایہ مسلم فیہ کی تحصیل پر قادر نہیں ہوتا اور وہ رأس المال واپس کرنا چاہتا ہے تو مجہول ہونے کی صورت میں نزاع ہوگا لہذا رأس المال کی مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

ببخلاف ما اذا كان رأس المال ثوبا. صاحبین کے قیاس کا جواب ہے کہ اگر رأس المال کپڑے کا تھاں ہو تو اس کے گزوں کی مقدار بیان کئے بغیر بھی بیع سلم جائز ہے اس لئے کہ کپڑے میں گز وصف ہے اسکی مقدار کے ساتھ عقد متعلق نہیں ہے اور مکلی یا موزونی اشیاء میں عقد مقدار کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اس میں ثمن کی مقدار بیان کرنا ضروری ہے اور جہاں مقدار کے ساتھ متعلق نہ ہو وہاں مقدار بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔

ثم فرع على هذه المسئلة مسئلتين فقال فلم يجز في جنسين بلا بيان رأس مال كل

واحد منهما ولا بتقدين بلا بيان حصة كل منهما من المسلم فيه ومكان استيفاء مسلم فيه

ان كان لحمله مؤنة ومثله الثمن والاجرة والقسمة اي كان المسلم فيه شيئا لحمله مؤنة

يجب بيان مكان ايفائه عند ابي حنيفة وعندهما يوفيه في مكان العقد وعلى هذا الخلاف الثمن

والاجرة اذا كان لحملهما مؤنة والقسمة اي اذا اقتسما الدار وجعلا مع نصيب احدهما شيئا

لحمله مؤنة ومالا حمل له يوفيه حيث شاء هو الاصح وفي رواية الجامع الصغير يوفيه في مكان

العقد۔

ترجمہ پھر اس مسئلے پر متفرع کئے دو مسئلے تو فرمایا کہ جائز نہیں ہے دو جنسوں میں ہر ایک کا راس المال بیان کئے بغیر اور نہ دو نقدین کے عوض ہر ایک کا حصہ مسلم فیہ میں سے بیان کئے بغیر اور مسلم فیہ کی ادائیگی کی جگہ بیان کرنا ان چیزوں میں جن میں بار برداری کی ضرورت ہو اور اسکا مثل ہے ثمن اور اجرت اور قسمت یعنی جب مسلم فیہ ایسی چیز ہو جس کی بار برداری کیلئے مشقت ہو واجب ہے اس کی ادائیگی کی جگہ کو بیان کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک ادا کرے گا عقد کی جگہ میں اور اسی اختلاف پر مبنی ہے ثمن اور اجرت جب اسکی بار برداری کی ضرورت ہو اور قسمت یعنی جب گھر کو تقسیم کیا اور ایک کے حصے میں کوئی چیز رکھ دی جس کی بار برداری کیلئے ضرورت ہو اور جس کیلئے بار برداری کی حاجت نہ ہو اس کو ادا کرے جہاں چاہے اور یہ صحیح ہے اور جامع صغیر کی ایک روایت میں ہے کہ ادا کرے مکان عقد میں۔

**تشریح:** سابقہ اختلاف پر تفریح: امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے درمیان جو اختلاف ہے اس پر یہ دو مسئلے متفرع ہیں (۱) یہ کہ ایک آدمی نے سو (۱۰۰) روپے دیکر اس کے عوض کچھ گندم اور کچھ جو خرید لئے لیکن یہ بیان نہ کیا کہ کتنے روپے گندم کے عوض میں ہیں اور کتنے جو کے عوض میں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ عقد مسلم فاسد ہے اسلئے کہ راس المال کی تعیین ضروری ہے اور اس نے تعیین نہیں کی۔

صاحبین کے نزدیک یہ عقد مسلم جائز ہے اس لئے کہ راس المال کی طرف اشارہ کافی ہے تعیین ضروری نہیں ہے اور اشارہ پایا گیا ہے لہذا عقد مسلم جائز ہوگا۔

(۲) یہ کہ ایک آدمی نے کچھ دراہم اور کچھ دنانیر دیکر ایک کر گندم میں عقد مسلم کیا اور بیان نہ کیا کہ کتنے دراہم اور کتنے دنانیر ایک کر کے مقابلے میں ہیں تو امام صاحب کے نزدیک یہ عقد مسلم جائز نہیں ہے اسلئے کہ راس المال کی مقدار معلوم نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے اسلئے کہ راس المال کی طرف اشارہ پایا گیا ہے اور اشارہ کافی ہے تعیین ضروری نہیں ہے لہذا عقد مسلم جائز ہوگا یہ دونوں مسائل سابقہ مسئلے کے اختلاف پر متفرع ہیں۔

**شرط (۷)** یہ ہے کہ جن اشیاء میں بار برداری کی کلفت ہو یعنی اٹھانے کا کرایہ لگتا ہو اس کی ادائیگی کی جگہ متعین کرنا ضروری ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک مکان الا ایفاء یعنی ادائیگی کی جگہ متعین کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ جس جگہ عقد مسلم ہوا ہے وہاں سپرد کرنا لازم ہوگا۔

امام صاحب کے نزدیک جگہ متعین کرنا اسلئے ضروری ہے کہ مکان کی وجہ سے مسلم فیہ کی قیمت میں اختلاف ہوتا ہے اور یہ اختلاف ایسا ہے جیسا کہ صفت کا اختلاف صفت کے اختلاف سے عقد مسلم فاسد ہوتا ہے تو مکان کے اختلاف سے بھی عقد مسلم فاسد ہوگا

اور اسی طرح ثمن اور اجرت کا اختلاف بھی ہے یعنی جب ثمن اور اجرت ایسی چیز ہو کہ اٹھانے پر کرایہ آتا ہو تو اس کا بیان کرنا بھی ضروری ہوگا کہ کہاں ادا کرے گا اور ایک چیز آپ نے کرایہ پر لی ہے اور آپ اس کا کرایہ (اجرت) ادا کرنا چاہتے ہیں لیکن کرایہ میں ایسی چیز طے ہوگئی ہے کہ جس کے لیجانے پر کرایہ آتا ہے تو اس کی ادائیگی کی جگہ متعین کرنا ضروری ہوگا۔

اور اسی طرح تقسیم۔ مثلاً دو آدمیوں نے ایک گھر تقسیم کیا اور ایک آدمی کے حصے میں کوئی چیز رکھ دی گئی جس کے اٹھانے پر کرایہ آتا ہو تو اس کی ادائیگی کا مکان بیان کرنا ضروری ہوگا تاکہ جھگڑا پیدا نہ ہو جائے۔

اور جن اشیاء کے اٹھانے پر کرایہ اور خرچہ نہ آتا ہو اسکی ادائیگی کا مکان بیان کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ جہاں چاہے ادا کرے اور جامع صغیر کی ایک روایت میں ہے کہ مکان عقد میں ادا کرے یعنی جہاں عقد ہوا ہے وہاں ادا کرے گا۔

ثم لما فرغ من بيان شروط صحة المسلم ذكر شرط بقائه فقال وقبض رأس المال قبل الافتراق

شروط بقائه فلو اسلم مائة نقداً ومائة دينا على المسلم اليه في كبر بطل المسلم في حصة

الدين فقط اي لا يشيع الفساد لان العقد صحيح وهذا الشرط شرط البقاء فيكون ضعيفاً ثم من تفاريع قبض رأس المال ان التسليم لا يجوز مع خيار الشرط وخيار الرؤية لانهما يمنعان تمام التسليم بخلاف خيار العيب فانه لا يمنع تمامه فلو اسقط خيار الشرط قبل الافتراق صح خلافاً لـ زفر۔

ترجمہ جب مصنف فارغ ہوئے بیع مسلم کے شرائط بیان کرنے سے تو اس کے باقی رہنے کے شرائط ذکر کر دئے تو فرمایا کہ رأس المال پر قبضہ کرنا جدا ہونے سے پہلے شرط ہے باقی رہنے کیلئے پس اگر کسی نے بیع مسلم کی سو روپے نقد اور سو روپے مسلم الیہ پر ادھار ہونے کے عوض میں ایک کرگندم میں تو باطل ہے مسلم دین کے حصے میں فقط یعنی فساد پھیلے گا نہیں کیونکہ عقد صحیح ہے اور یہ شرط شرط بقاء ہے تو یہ کمزور ہے پھر رأس المال کے تفریعات میں سے ہے یہ کہ مسلم جائز نہیں ہے خيار شرط اور خيار رؤیت کے ساتھ کیونکہ یہ دونوں تمامیت مسلم کیلئے مانع ہیں برخلاف خيار عیب کے کیونکہ یہ تمامیت مسلم کیلئے مانع نہیں ہے پس اگر خيار کو اسقاط کیا جدا ہونے سے پہلے تو صحیح ہو جائے گا خلاف ہے اس میں امام زفر کا۔

تشریح مصنف نے پہلے بیع مسلم کے صحیح ہونے کے شرائط ذکر کئے تھے اب وہ شرائط ذکر کر رہے ہیں جس کی وجہ سے بیع مسلم باقی رہ جاتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ بیع مسلم اس وقت درست ہوگی جب کہ بیع کے بعد اور جدا ہونے سے پہلے مسلم الیہ رأس المال پر قبضہ کر لے یعنی مجلس عقد میں عاقدین کے جدا ہونے سے پہلے مسلم الیہ کا رأس المال پر قبضہ کرنا ضروری ہے

تفریح: سابقہ اصل پر تفریح ہے مسئلہ یہ ہے کہ زید کے خالد پر سو روپے پہلے سے دین تھا اور اب زید نے سو روپے اور دیدئے کہ مجھے دو سو روپے کے عوض بطور بیع سلم ایک کرگندم دیدو تو اس صورت میں سو روپے کے عوض بیع سلم جائز ہے اور دین کے عوض جس قدر گندم آ رہی ہے اس میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔

دلیل: اسلئے کہ بیع سلم میں مجلس عقد کے اندر رأس المال پر قبضہ ضروری ہے اور یہاں پر مسلم الیہ کا حصہ دین پر قبضہ نہیں پایا گیا اس لئے حصہ دین میں بیع جائز نہ ہوگی اور ایک سو جو نقد دئے ہے اس کے عوض میں بیع سلم جائز ہوگی۔

ولایشیع الفساد: اس عبارت سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ جب دین کے عوض میں بیع باطل ہے تو عین کے عوض بھی باطل ہونا چاہئے کیونکہ عقد ایک ہے ایک کے فاسد ہونے سے دوسرا بھی فاسد ہونا چاہئے۔

جواب: جواب یہ ہے کہ حصہ دین میں جو فساد ہے وہ طاری ہے اور فساد طاری بقدر منفسد ہوتا ہے اور منفسد (مجلس میں رأس المال پر قبضہ نہ کرنا) فقط حصہ دین میں پایا گیا ہے نہ کہ حصہ عین میں اس لئے صرف حصہ دین کے بقدر نقد سلم فاسد ہوگا اور حصہ عین کے بقدر درست ہوگا اور فساد دین سے عین کی طرف سرايت نہیں کرے گا کیونکہ اصل عقد صحیح منعقد ہوا ہے اس لئے کہ دو سو روپے کے عوض بیع سلم منعقد ہوئی ہے کیونکہ عقد اگر معتقد و مورد ہم کی طرف منسوب کیا جائے کہ میرے ساتھ دو سو روپے کے عوض بیع سلم کرو تو عقد صحیح منعقد ہوا اور ایک سو نقد دیدے اور ایک سو دین میں کٹوئی کرے تو عقد سلم ابتداء صحیح منعقد ہوا لیکن بقاء اور آخر میں دین کی طرف منسوب کیا گیا تو اس صورت میں فساد میں ضعف آ گیا لہذا یہ فساد صرف بقدر فساد ثابت ہوگا اور دین سے عین کی طرف سرايت نہیں کرے گا۔

تفریحات: رأس المال پر قبضہ کرنے کے تفریحات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بیع سلم میں خيار شرط اور خيار رویت جائز نہیں ہے۔

خيار شرط تو اسلئے جائز نہیں ہے کہ خيار شرط کے ہوتے ہوئے عقد تام نہیں ہوتا یعنی خيار شرط قبضہ پورا ہونے سے مانع ہے بیع سلم میں یہ شرط ہے کہ اس المال مجلس کے اندر مسلم الیہ کو حوالہ کیا جائے اور وہ اس پر اسی طرح قبضہ کرے کہ اس کو اس میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہو جائے اور خيار شرط کی صورت میں مسلم الیہ رأس المال کا مالک نہیں ہوتا تو قبضہ بھی نہیں پایا لہذا بیع سلم میں خيار شرط لگانا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح بیع سلم میں خيار رویت بھی جائز نہیں ہے کیونکہ خيار رویت کا کوئی فائدہ نہیں ہے اسلئے کہ خيار رویت کا فائدہ یہ ہے کہ

مشتری بیع کو دیکھ کر اگر پسند نہ آئے تو بیع فسخ کر دے اور بیع مسلم میں مسلم فیہ مسلم الیہ کے ذمہ دین ہوتا ہے جب مسلم الیہ رب المسلم کو ایک مسلم فیہ ادا کریگا تو وہ اختیار رویت کی وجہ واپس کرے گا تو مسلم فیہ پھر اس کے ذمہ دین ہوگئی جب پھر ادا کرے گا تو رب المسلم پھر اختیار رویت کی وجہ سے واپس کریگا یعنی ہر مسلم فیہ جب ادا کریگا تو اختیار رویت ثابت ہوگا یہ تو تسلسل ہو جائے گا اور تسلسل باطل ہے لہذا بیع مسلم میں اختیار رویت باطل ہے۔

بمخلاف اختیار العیب: یکن خیار عیب کی وجہ سے بیع مسلم باطل نہیں ہوتی کیونکہ خیار عیب تمام مفقہ کیلئے مانع نہیں ہے۔ اگر خیار شرط کو مجلس ختم ہونے سے پہلے ساقط کر دیا تو بیع مسلم درست ہو جائے گی اسلئے کہ فساد صلب عقد میں نہیں ہے بلکہ طاری ہے تو مجلس ختم ہونے سے پہلے اگر فساد ختم ہو گیا تو عقد مسلم درست ہو جائے گا۔

امام زفر کا اختلاف: امام زفر کے نزدیک اگر مجلس میں شرط کو ساقط کر دیا تب بھی عقد مسلم درست نہ ہوگا کیونکہ عقد ایک دفعہ جب فاسد ہو کر منقذ ہو اب پلٹ کر صحیح نہیں ہو سکتا۔

امام زفر کے استدلال کا جواب: وہ ہے جو ماہل میں گزر چکا ہے کہ یہ فساد طاری ہے صلب عقد میں نہیں ہے لہذا مجلس کے ختم ہونے سے پہلے شرط کو ختم کرنے سے بیع مسلم صحیح ہو جائے گی۔

ولم یجز التصرف فی رأس المال والمسلم فیہ کالشركة والتولية قبل قبضه صورة الشركة ان یقول رب المسلم لاخر اعطنی نصف رأس المال لیكون نصف المسلم فیہ لك وصورة التولية ان یقول اعطنی ما اعطیت المسلم الیہ حتی یكون المسلم فیہ لك ومن صورة التصرف فی رأس المال ان یعطی بدل رأس المال شیئا اخر ومن صورة التصرف فی المسلم فیہ ان یعطی بدله شیئا اخر ولا شراء شیء من المسلم الیہ برأس المال بعدل الاقالة حتی یقبضه قال النبی ﷺ لا تأخذ الا سلمك او رأس مالك ای لا تأخذ الا المسلم فیہ علی تقدیر المضی اور رأس مالك تقدیر اقالة العقد

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے تصرف رأس المال اور مسلم فیہ میں جیسے شرکت اور تولیہ کے ساتھ قبضے سے پہلے شرکت کی صورت یہ ہے کہ رب المسلم دوسرے سے کہے کہ تم مجھے آدھا رأس المال دیدو تا کہ آدمی مسلم فیہ حیرا ہو جائے اور تولیہ کی صورت یہ ہے کہ کہے کہ تم مجھے وہ رأس المال دیدو جو میں نے مسلم الیہ کو دیا ہے یہاں تک کہ مسلم فیہ حیرا ہو جائے اور رأس المال میں تصرف کی

صورت یہ ہے کہ راس المال کے بدلے میں کوئی اور چیز دیدے اور مسلم فیہ میں تصرف کی صورت یہ ہے کہ اس کے بدلے میں کوئی اور چیز دیدے اور نہ خریدنا کسی چیز کو مسلم الیہ سے راس المال کے عوض اقالہ کے بعد یہاں تک کہ اس پر قبضہ کرے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم نہ لو مگر اپنا مسلم یا راس المال یعنی تم نہ لو مگر مسلم فیہ عقد کو جاری رکھنے کی صورت میں یا راس المال عقد کو اقالہ کرنے کی صورت میں۔

**تشریح:** مسلم فیہ میں شرکت اور تولیہ کی صورت: قبضے سے پہلے مسلم فیہ میں شرکت کی صورت یہ ہے کہ رب المسلم کسی شخص سے کہے کہ تم مجھے میرا نصف راس المال دیدو تا کہ نصف مسلم فیہ تیرے لئے ہو جائے اور تم میرے ساتھ آدمی مسلم فیہ میں شریک ہو جاؤ گے۔

اور تولیہ کی صورت یہ ہے کہ رب المال کسی شخص سے کہے کہ تم مجھے پورا راس المال دیدو اور مجھ سے پوری مسلم فیہ لے لو یہ دونوں بھی ناجائز ہیں اسلئے کہ اس صورت میں مسلم فیہ کے اندر قبضے سے پہلے تصرف کرنا لازم آتا ہے اور قبضے سے پہلے مسلم فیہ میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے نہ شرکت کے ساتھ اور نہ تولیہ کے ساتھ۔

**قبضے سے پہلے راس المال اور مسلم فیہ میں تصرف کرنا ناجائز ہے:**

مسئلہ یہ ہے کہ قبضے سے پہلے راس المال میں تصرف کرنا اور اسی طرح قبضے سے پہلے مسلم فیہ میں تصرف کرنا ناجائز ہے۔

**راس المال میں تصرف کی صورت:** راس المال میں تصرف کی صورت یہ ہے کہ مسلم الیہ نے ابھی تک راس المال پر قبضہ نہیں کیا اور رب المسلم سے کہا کہ تم مجھے راس المال کے بجائے ایک گھوڑا دیدو تو یہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ مجلس میں راس المال پر قبضہ کرنا شرط ہے اور یہ اللہ کا حق ہے اور قبضے سے پہلے تصرف کرنے سے یہ حق باطل ہو جاتا ہے اسلئے قبضے سے پہلے راس المال میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔

**مسلم فیہ میں تصرف کی صورت:** مسلم فیہ میں تصرف کی صورت یہ ہے کہ رب المسلم مسلم الیہ سے کہے کہ تم مجھے مسلم فیہ نہ دو بلکہ مسلم فیہ کے بجائے کوئی اور چیز دیدو یہ صورت بھی ناجائز ہے اس لئے کہ مسلم فیہ میں قبضے سے پہلے تصرف کرنا لازم آتا ہے اور مسلم فیہ میں قبضے سے پہلے تصرف ناجائز ہے۔

**اقالہ کے بعد مسلم الیہ سے راس المال کے عوض کوئی چیز خریدنا:**

مسئلہ یہ ہے کہ جب رب المسلم اور مسلم الیہ نے عقد کا اقالہ کیا یعنی عقد مسلم کو ختم کیا تو اب رب المسلم مسلم الیہ سے راس المال کے

عوض کوئی چیز نہیں خرید سکتا یہاں تک کہ خود راس المال پر قبضہ نہ کر لے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے،، لا تاخذ الا سملک او راس مالک،، کہ تم نہ لو مگر وہ چیز جس میں عقد مسلم کیا ہو یا راس المال یعنی اگر عقد کو باقی رکھنا چاہتے ہو اور یا اپنا راس المال واپس لے لو اگر عقد کو فسخ کرنا چاہتے ہو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اقالہ کی صورت میں راس المال بیع کے ساتھ مشابہہ ہو گیا کیونکہ اقالہ عاقدین کے علاوہ کے حق میں بیع جدید ہوتا ہے اور بیع کیلئے معقود علیہ (بیع) کا موجود ہونا ضروری ہے اور مسلم فیہ تو بائع کے ذمہ واجب ہے جو اقالہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے تو مسلم فیہ معقود علیہ نہیں ہو سکتی لہذا راس المال کو بیع بنا کر ضروری ہوگا اور جب راس المال بیع بن گیا تو بیع میں قبضے سے پہلے تصرف جائز نہیں ہوتا لہذا مسلم الیہ ہے راس المال بعینہ واپس کرنا ضروری ہوگا اور اس کے عوض کوئی چیز خریدنا جائز نہ ہوگا۔

ولو شری کرا وامر رب المسلم بقبضه قضاء لم یصح لانه اجتمع صفتان السلم وهذا الشراء فلا بد من ایجمع فیہ الکیلان ولو امر مقرضه به صح ای استقرض برا فاشتری من رجل برا فامر المقرض بقبض بره منه قضاء لقرضه صح لان القرض عاریة فکانه یقبض عین حقه یرد علیہ ان ما یقبضه فی السلم ایضا عین حقه لتلا یلزم الاستبدال فاجاب فی الهدایة بان ما یقبضه فی السلم غیر حقه لان الدین غیر العین فالشرع وان جعله عینہ ضرورة لتلا یكون استبدالاً لکن لا یكون عینہ فی جمیع الاحکام ففی وجوب الکیل لا یكون عینہ فیکون قابضاً هذا العین عوضاً عن الدین الذی له علی المسلم الیہ

ترجمہ: اور اگر خرید ایک کر اور رب المسلم کو حکم کیا اس پر قبضہ کرنے کا اپنے حق کی ادائیگی کیلئے تو یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ دو صحیح بشرط الکیل جمع ہو گئے ہیں ایک سلم اور ایک یہ خریداری تو ضروری ہے کہ اس میں دو کیل جاری ہو جائے اور اگر اپنے قرض خواہ کو حکم کیا اس کا تو صحیح ہے کسی نے قرض لئے تھے گندم یعنی اگر کسی نے گندم قرض لے لی پھر کسی اور سے گندم خرید لی اور قرض خواہ کو حکم کیا اپنی گندم پر قبضہ کرنے کا اپنے قرض کی ادائیگی کیلئے تو یہ صحیح ہے کیونکہ قرض عاریت ہے گویا کہ اپنے عین حق پر قبضہ کر رہا ہے اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جس چیز پر قبضہ کر رہا ہے سلم میں یہ بھی تو عین حق ہے تاکہ بدلنا لازم نہ آئے ہدایہ میں اسکا جواب دیا ہے کہ جس پر قبضہ کر رہا ہے سلم میں یہ اپنا حق نہیں ہے کیونکہ دین عین کا غیر ہوتا ہے شرع نے اگرچہ دین کو عین بنا دیا ہے ضرورت کی وجہ سے تاکہ بدلنا لازم نہ آئے لیکن عین حق نہ ہوگا تمام احکام میں تو کیل واجب ہونے میں یہ عین حق



نہیں ہے تو رب المسلم قابض ہوگا اس عین پر اس دین کے عوض سے جو رب المسلم کا مسلم الیہ پر ہے۔

**تشریح:** رب المسلم کا مسلم الیہ کے حکم کے مطابق خریدی ہوئی گندم پر قبضہ کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے مسلم الیہ سے ایک کرگندم بطور بیع سلم خریدی تھی ایک ماہ کی اجل پر اور پھر جب وقت مقرر آ پہنچا تو مسلم الیہ نے کسی شخص سے ایک کرگندم خرید کر رب المسلم سے کہا کہ جاؤ اس گندم پر قبضہ کرو اپنا حق وصول کرنے کیلئے اور رب المسلم نے مسلم الیہ کے حکم کے مطابق اس پر قبضہ کر لیا تو اس سے رب المسلم کے حق کی ادائیگی نہ ہوگی۔

**دلیل:** دلیل یہ ہے کہ یہاں پر دو صفحے جمع ہو گئے ہیں بشرط اکلیل ایک صفحہ مسلم الیہ اور اس کے بائع کے درمیان ہوا ہے اور ایک صفحہ مسلم الیہ اور رب المسلم کے درمیان ہوا ہے اور جب دو صفحے بشرط اکلیل جمع ہو جائے تو دوسرے کیل کرنا ضروری ہے ایک مرتبہ مسلم الیہ کا اپنے بائع سے خریدنے کی وجہ سے کیل ضروری ہے اور ایک مرتبہ مسلم الیہ کا رب المسلم کو فروخت کرتے وقت کیل کرنا ضروری ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے بیع الطعام بالطعام سے یہاں تک کہ انہیں دو صاع جاری نہ ہو جائے ایک صاع بائع کا اور ایک صاع مشتری کا اور اس حدیث کا محمل بھی یہی عقد سلم ہے جیسے کہ پہلے بیع مراہمہ میں ذکر ہو چکا ہے کہ اس کا محمل بیع سلم ہے۔

**قرض میں دوبارہ کیل شرط نہیں ہے:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے شخص سے ایک کرگندم قرض لے لی اور پھر کسی آدمی سے گندم خرید کر مقرض یعنی قرض خواہ کو کہا کہ جاؤ تم اس سے گندم لے لو اپنے حق کی ادائیگی کیلئے تو یہ جائز ہے اس میں دوبارہ کیل شرط نہیں ہے اس لئے کہ قرض عاریت اور تبرع ہے گویا کہ مقرض اپنا عین حق وصول کر رہا ہے یعنی یہ نہیں ہے کہ مقرض اپنے حق کے بدلے میں کوئی اور شے لے رہا ہے بلکہ عین حق واپس لے رہا ہے قرضدار اور مقرض کے درمیان کوئی عقد بیع نہیں ہوا ہے البتہ قرض دار اور اسکے بائع کے درمیان بیع ہوئی ہے تو ایک کیل پایا گیا لہذا ایک مرتبہ کیل کرنا کافی ہے اور قرضدار اور قرض خواہ کے درمیان دوبارہ کیل کی ضرورت نہیں ہے۔

**اعتراض:** اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ مقرض اپنا عین حق وصول کر رہا ہے میں کہتا ہوں کہ اسی طرح بیع سلم میں بھی رب المسلم اپنا عین حق وصول کر رہا ہے کیونکہ اگر یہ عین حق کا وصول کرنے والا نہ قرار دیا جائے بلکہ اپنے حق کا غیر قرار دیا جائے تو یہ استبدال ہو جائے گا یعنی رب المسلم نے مسلم فیہ کے بجائے کوئی دوسری چیز لے لی حالانکہ مسلم فیہ پر قبضے سے پہلے تصرف کرنا یا اس کے عوض کوئی اور چیز خریدنا جائز نہیں ہے۔

جواب: صاحب ہدایہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ رب السلم جس مسلم فیہ پر قبضہ کر رہا ہے یہ اس کا عین حق نہیں ہے بلکہ اس کا بدل ہے کیونکہ اس کا عین حق تو دین ہے جو مسلم الیہ کے ذمے میں واجب ہے اور یہ جس چیز پر قبضہ کر رہا ہے وہ عین ہے تو یہ غیر عین ہو اب رہا یہ سوال کہ پھر تو استبدال لازم آتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے اس دین کو عین بنایا ہے ایک خاص صورت میں یعنی جس وقت رب السلم مسلم فیہ پر قبضہ کر رہا ہے تو اس خاص وقت میں یہ اپنا عین حق وصول کر رہا ہے یعنی یہ دونوں ایک ہی چیز ہے کیونکہ اگر عین حق نہ ہو تو پھر استبدال لازم آئے گا اور مسلم فیہ میں استبدال جائز نہیں ہے لیکن اس خاص صورت کے علاوہ تمام احوال میں دین ہیچہ مال عین کا غیر ہوتا ہے اور جب دین یعنی مسلم فیہ مال عین یعنی مقبوضہ گندم کا غیر ہوا تو گویا مسلم الیہ نے ایک کرگندم خرید کر رب السلم کے ہاتھ مسلم فیہ کے عوض فروخت کیا لہذا اکیل واجب ہونے کی صورت میں مقبوضہ مسلم فیہ عین دین نہیں ہے بلکہ رب السلم اس عین پر جو قبضہ کر رہا ہے یہ اس دین کا عوض ہے جو رب السلم کا مسلم الیہ پر ہے تو یہاں دو صفحے بشرط الکلیل جمع ہو گئے ایک مسلم الیہ کا اپنے بائع سے خریدنا اور ایک مسلم الیہ کا رب السلم کے ہاتھ فروخت کرنا اور جہاں دو صفحے بشرط الکلیل جمع ہو جائے تو وہاں دو مرتبہ کیل کرنا ضروری ہے لہذا اس صورت میں بھی دو مرتبہ کیل کرنا ضروری ہے اور صرف ایک مرتبہ کیل کرنے سے رب السلم کے حق کی ادائیگی نہ ہوگی۔

و کذا لو امر رب السلم بقبضه له ثم لنفسه فاکتاله له ثم لنفسه قوله و کذا ای یصح فی هذه الصورة كما یصح فی الصورة الاولى وهی ما اذا اشتری المسلم الیه کرا و امر رب السلم بان یقبضه لاجل المسلم الیه اولا ثم لنفسه فاکتاله للمسلم الیه ثم اکتاله لاجل نفسه یصح وانما یصح لانه قد جرى فیہ الکیلان -

ترجمہ: اسی طرح اگر رب السلم کو حکم کیا کہ میرے لئے قبضہ کرو اور پھر اپنے لئے تو اس نے کیل کیا مسلم الیہ کیلے اور پھر اپنے واسطے مصنف کا قول و کذا کے معنی ہے صحیح یعنی صحیح ہے اس صورت میں جیسے کہ صحیح ہے پہلی صورت میں اور وہ یہ ہے کہ جب خرید لیا مسلم الیہ نے ایک کر اور رب السلم کو حکم کیا کہ اس پر قبضہ کرو مسلم الیہ کے واسطے اور پھر اپنے واسطے تو اس نے کیل کیا مسلم الیہ کے واسطے پھر کیل کیا اپنے واسطے تو صحیح ہے کیونکہ اس میں جاری ہوئے دو کیل

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے مسلم الیہ سے ایک کرگندم میں بیع سلم کی اور پھر حوالہ کرنے کا وقت آ گیا تو مسلم الیہ نے ایک اور شخص سے ایک کرگندم خرید لی اور رب السلم کو حکم کیا کہ جاؤ پہلے میرے واسطے قبضہ کرو اور پھر اپنے واسطے قبضہ کرو اور رب السلم نے ایسا کیا کہ پہلے مسلم الیہ کے واسطے کیل کیا اور پھر اپنے واسطے کیل کیا تو صحیح ہے اس لئے کہ اس میں دو کیل جاری

ہو گئے ایک کیل مسلم الیہ اور اس کے بائع کے درمیان اور ایک کیل مسلم الیہ اور رب المسلم کے درمیان لہذا یہ بیع مسلم درست ہے

ولو كان المسلم اليه في ظرف رب المسلم بامرہ بغيبته او كال البائع في طرف بيته بامر المشتري لم يكن قبضاً لان في المسلم لم يصح امر رب المسلم بالكيل لان حقه في الدين لافي العين فامرہ لم يصادف ملكه فالمسلم اليه جعل ملكه في ظرف استعاره من رب المسلم وفي البيع لم يصح امر المشتري لانه استعار الظرف من البائع ولم يقبضه فيكون في يد البائع فكذا الحنطة التي فيه وانما قال بغيبته حتى لو كان حاضراً يكون قبضاً لانه فعله ينتقل اليه بخلاف كيله في ظرف المشتري بامرہ اي اذا اشترى حنطة معينة فامر المشتري البائع ان يكيله في ظرف المشتري بغيبته ففعل يصير قابضاً لانه ملك العين بالشراء فامرہ صادف ملكه

ترجمہ اور اگر ناپ لیا مسلم الیہ نے رب المسلم کے برتن میں اس کے حکم سے اس کے غائب ہونے کی حالت میں یا کیل کیا بائع نے اپنے برتن میں یا اپنے گھر کے کونے میں مشتری کے حکم سے تو یہ قبضہ نہ ہوگا اس لئے کہ سلم میں صحیح نہیں ہے رب المسلم کا حکم کرنا کیل پر کیونکہ اس کا حق دین میں ہے نہ کہ عین میں تو رب المسلم کے حکم نے اپنی ملک کو نہیں پایا تو مسلم الیہ نے اپنی ملک کو رکھ دیا اس برتن میں جو رب المسلم سے عاریت پر لیا ہے اور بیع میں صحیح نہیں ہے مشتری کا حکم اسلئے کہ اس نے برتن کو عاریت پر لیا ہے بائع سے اور اس پر قبضہ نہیں کیا تو یہ بائع کے ہاتھ میں ہوگا اسی طرح وہ گندم بھی جو اس میں ہے برخلاف اس کے کہ ناپ لے مشتری کے برتن میں اس کے حکم سے یعنی جب خرید لی معین گندم پھر مشتری نے بائع کو حکم کیا کہ اسکو کیل کرو مشتری کے برتن میں مشتری کے غائب ہونے کی حالت میں اگر اس نے ایسا کیا تو وہ قابض ہوگا اس لئے کہ وہ عین کا مالک ہوا خریدنے سے تو اس کے حکم نے اپنی ملک کو پایا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے کسی سے بطور بیع مسلم گندم خرید لی اور پھر جب وقت مقرر آ گیا تو رب المسلم نے مسلم الیہ سے کہا کہ تم گندم کو ناپ کر میرے برتن میں رکھ دو اور مسلم الیہ نے ناپ کر رکھ دیا اس حال میں کہ رب المسلم غائب تھا یا ایک شخص نے یعنی مشتری نے بائع سے کہا (عام بیع میں) کہ تم میرے واسطے گندم کو ناپ لو اپنے برتن میں (بائع کے برتن میں) یا اپنے گھر کے کونے میں (یعنی بائع گندم کو الگ کر کے اپنے گھر کے کونے میں رکھ دے) اور بائع نے ناپ کر اپنے برتن میں رکھ دیا، یا اپنے گھر کے کونے میں رکھ دیا اس حال میں کہ مشتری غائب تھا تو یہ قبضہ نہ سمجھا جائے گا یعنی رب المسلم مسلم فیہ کا مالک نہ ہوگا اسلئے کہ بیع مسلم کی صورت میں رب المسلم کا حکم بالکیل کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ رب المسلم کا حق دین میں ہے

نہ کہ عین میں یعنی یہ موجودہ گندم عین ہے اور رب المسلم کا حق دین میں ہے جو مسلم الیہ کے ذمہ میں واجب ہے یعنی دین ایسا وصف ہے جو مسلم الیہ کے ذمہ واجب ہے اور ایسے وصف کو برتن میں بھرنا ایک امر محال ہے پس رب المسلم کے حکم نے اپنی ملک کو نہیں پایا تو گویا مسلم الیہ نے رب المسلم سے برتن عاریت پر لیکر اس میں اپنی ملکیت کو رکھ دیا اور اس سے رب المسلم کا حق ادا نہیں ہوتا بلکہ اس کا حق اب بھی باقی ہے مسلم الیہ کے ذمے میں

اسی طرح بیع کی صورت میں بھی مشتری کا حکم کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ تو ایسا ہے جیسا کہ مشتری بائع سے برتن عاریت پر لے لے اور پھر اس پر قبضہ نہ کر لے تو برتن بائع کے قبضے میں سمجھا جائے گا نہ کہ مشتری کے قبضے میں اسی طرح وہ گندم بھی جو اس برتن میں ہے وہ بھی مشتری کے قبضے میں نہ سمجھا جائے گا۔

مشتری اور رب المسلم غائب ہو:۔ مصنفؒ نے یہ کہا کہ مشتری اور رب المسلم غائب ہو لیکن اگر مشتری یا رب المسلم غائب نہ ہو بلکہ حاضر ہو اور مسلم الیہ یا بائع نے اس کی موجودگی میں اس کو ناپ لیا تو یہ قبضہ سمجھا جائے گا اس لئے کہ موجودگی کی وجہ سے مامور کا نفل آمر کی طرف منتقل ہو گا یعنی مسلم الیہ اور بائع بطور وکیل کے ہوں گے اور خود آمر یعنی رب المسلم اور مشتری قابض ہوگا۔

بـخـلـاف کـیلـہ فـی ظـرف المـشـتـری :۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی سے گندم خرید لی اور اس کو متعین کر دیا پھر مشتری نے اپنا برتن بائع کو دیدیا کہ اس میں رکھ دو اور بائع نے اس گندم کو ناپ کر مشتری کے برتن میں رکھ دیا اس حال میں کہ مشتری غائب تھا تو اس صورت میں مشتری قابض سمجھا جائے گا اس لئے کہ مشتری اس معین گندم کا مالک ہوا ہے نفس خریدنے سے اب اس کا یہ حکم کرنا کہ اس کو میرے برتن میں ڈال دو تو اس حکم نے اپنی ملک کو پایا لہذا اس صورت میں مشتری اس گندم کا مالک ہوگا۔

ولو كال الدين والعين في ظرف المشتري ان بدأ بالعين كان قبضا وان بدأ بالدين لا عنداني  
حنيفة اي اذا اشترى الرجل من آخر كرا بعقد السلم وكرا معينا بالبيع فامر المشتري البائع ان  
يجعل الكرين في ظرف المشتري ان بدأ بالعين كان قبضا اما في العين فلصحة الامر واما في  
الدين فلا تصاله بملك المشتري وان بدأ بالدين لا يصير قابضاً لان الامر لم يصح في الدين فلم  
يصر قابضاً له فبقي في يد البائع فخلط ملك المشتري بملكه فصار مستهلكا عند انبي حنيفة  
فينتقض القبض والبيع وعندهما المشتري بالخيار ان شاء نقض البيع وان شاء شاركه في

المخلوط لان الخلط ليس باستهلاك عندهما

ترجمہ اور اگر ناپ لیا دین اور عین کو مشتری کے برتن میں اگر شروع کیا عین سے تو مشتری قابض ہو جائے گا اور اگر شروع کیا دین سے تو قابض نہ ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یعنی جب خرید لیا ایک آدمی نے دوسرے سے ایک کر عقد سلم کے ساتھ اور ایک کر معین بیع کے ساتھ پھر مشتری نے بائع کو حکم کیا کہ دونوں کر کو ڈالیں مشتری کے برتن میں اگر شروع کیا عین سے تو یہ قبضہ ہوگا بہر حال عین میں تو اسلئے کہ کیل کرنے کا حکم صحیح ہو گیا ہے اور بہر حال دین میں تو اسلئے کہ وہ مشتری کی ملکیت کے ساتھ مل گیا ہے اور اگر شروع کیا دین سے تو یہ قبضہ نہ ہوگا اس لئے کہ دین میں امر صحیح نہیں ہوا تو قابض بھی نہ ہوا تو باقی رہا بائع کے ہاتھ میں تو مشتری کی ملکیت مل گئی بائع کی ملکیت کے ساتھ تو وہ (مشتری کی ملکیت) ہلاک ہوگئی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو قبضہ اور بیع ٹوٹ جائے گی اور صاحبین کے نزدیک مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو بیع توڑ دے اور اگر چاہے تو اس کے ساتھ شریک ہو جائے شکی مخلوط میں کیونکہ ملانا صاحبین کے نزدیک تلف کرنا نہیں ہے

تشریح: دین اور عین سے کیا مراد ہے۔ دین سے مسلم فیہ مراد ہے اور عین سے بیع مراد ہے

دین اور عین کا جمع ہو جانا: صورت مسئلہ یہ ہے ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے ایک کر گندم بطور بیع سلم لے لی اور کہا کہ ایک ماہ بعد مجھے یہ مسلم فیہ حوالہ کرنا اور پھر ایک ماہ بعد اسی آدمی سے ایک کر گندم بیع مطلق کے ساتھ لے لی یعنی نقد لے لی اور پھر مسلم الیہ یعنی بائع سے کہا کہ ان دو کر گندم کو ناپ کر میرے برتن میں ڈال دو بائع نے گندم کو ناپ لیا مشتری کی عدم موجودگی میں۔ پس اگر مسلم الیہ یعنی بائع نے اس برتن میں پہلے مال عین بھر دیا یعنی بیع اور پھر دین یعنی وہ گندم جو مسلم فیہ ہے تو اس صورت میں مشتری جو رب المسلم بھی ہے ان دونوں پر قابض ہو جائے گا

دلیل: مال عین پر تو اسلئے قابض ہوگا کہ یہ بیع ہے اور بیع معین کرنے کی وجہ سے مملوک ہو جاتی ہے اس لئے اس کو ناپنے اور کیل کرنے کا حکم کرنا صحیح ہے بائع وکیل شمار ہوگا مشتری کا ناپنے میں اور وکیل کا فعل مؤکل کا فعل شمار ہوتا ہے تو بائع کا کیل کر کے مشتری کے برتن میں ڈالنا ایسا ہے جیسا کہ خود مشتری کا ناپنا اور مشتری کیل کر کے اپنے برتن میں ڈالنے سے قابض ہو جاتا ہے اس لئے اس صورت میں بھی قابض ہوگا

اور دین یعنی مسلم فیہ پر مشتری کا قبضہ اس لئے ثابت ہوگا کہ مسلم فیہ مشتری کی ملک یعنی عین کے ساتھ مل گئی اور باہمی رضامندی سے اس طرح خلط کرنے سے قبضہ ثابت ہو جاتا ہے اس لئے مشتری دین یعنی مسلم فیہ کا بھی مالک ہوگا

لیکن اگر بائع نے جو کہ مسلم الیہ بھی ہے پہلے دین سے شروع کیا یعنی پہلے اس گندم کو بھر دیا جو مسلم فیہ ہے اور پھر اس گندم کو جو بیع ہے تو اور رب المسلم جو کہ مشتری بھی ہے غائب ہو تو اس صورت میں مشتری قابض نہ ہوگا

دین (یعنی مسلم فیہ) پر تو اس لئے قاض نہ ہوگا کہ رب المسلم کا یہ حکم کرنا کہ مسلم فیہ میرے برتن میں ڈال دو صحیح نہیں ہے اس لئے کہ رب المسلم کا حق دین میں ہے اور دین یعنی مسلم فیہ غیر عین ہے اور برتن میں جو بھرا گیا ہے وہ عین ہے یعنی ابھی تک وہ مسلم الیہ کا مال ہے اور جب مسلم الیہ کا مال ہے رب المسلم کا حکم کرنا کیسے صحیح ہوگا تو رب المسلم قابض بھی شمار نہ ہوگا لہذا مسلم فیہ پر قبضہ نہ ہوا، اور رہا عین یعنی وہ گندم جو بیع مطلق کے ساتھ خریدی گئی ہے وہ حوالہ کرنے سے پہلے مسلم الیہ کے مال کے ساتھ ایسے طریقے پر مل گئی ہے کہ اس کا جدا کرنا ممکن نہیں ہے گویا کہ بیع حوالہ کرنے سے پہلے ہلاک ہو گئی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور مشتری کے قبضے سے پہلے بیع ہلاک ہونے کی صورت میں بیع فسخ ہوتی ہے لہذا اس صورت میں بھی بیع فسخ ہوگی اور جب بیع فسخ ہو گئی تو مشتری کا قابض ہونا نہ پایا گیا تو قبضہ بھی ختم ہو گیا اور بیع بھی ختم ہو گئی

اور حضرات صاحبین کے نزدیک اس صورت میں مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو بیع فسخ کر دے اور اگر چاہے تو شئی مخلوط میں مسلم الیہ کو اپنے ساتھ شریک کر لے کیونکہ صاحبین کے نزدیک خلط یعنی بیع (مال عین) کا مسلم فیہ (مال دین) کے ساتھ مل جانا اسہلاک شمار نہیں ہوتا

ولو اسلم امة فی کسر وقبضت فتقايلا فماتت فی یدہ بقى ويجب قيمتها يوم قبضها اى  
اشترى کرا بعقد السلم وجعل الامة رأس المال وسلم الامة الى المسلم اليه ثم تقايلا  
عقد السلم ثم ماتت الامة فی ید المسلم اليه بقى التقاييل فيجب قيمة الامة على المسلم اليه  
يردها الى رب السلم ولوماتت ثم تقايلا صح اى فى الصورة المذكورة ان كان الموت قبل  
التقاييل وذلك لان صحة الاقالة تعتمد بقاء المعقود عليه وهو المسلم فيه وكذا المقايضة فى  
وجهيه اى اذاباع امة بعرض فهلك احدهما دون الآخر فتقايلا صح التقاييل ولو تقايلا ثم هلك  
احدهما بقى التقاييل فقولہ وكذا الى اخره تقديره بقى تقاييل المقايضة وصح تقاييلها فى كلا  
الوجهين اما البقاء ففى صورة تقدم التقاييل على الهلاك واما الصحة ففى صورة تأخره عنه

ترجمہ اور کسی نے باندی دیدی ایک کر گندم میں بطور بیع مسلم اور باندی پر قبضہ کیا گیا پھر دونوں نے اقالہ کیا پھر باندی مر گئی اس کے قبضے میں تو عقدا قالہ باقی ہے اور واجب ہوگی اس پر اس کی قیمت قبضے کے دن کی یعنی خرید لیا ایک کر عقد سلم کے ساتھ اور

باندی کو راس المال بنا دیا اور باندی مسلم الیہ کو حوالہ کر دیا پھر دونوں نے اقالہ کیا عقد مسلم کو پھر باندی مرغئی مسلم الیہ کے ہاتھ میں تو اقالہ باقی رہے گا اور واجب ہوگی باندی کی قیمت مسلم الیہ پر جو واپس کرے گا رب المسلم کو اور اگر باندی مرغئی پھر اقالہ کیا تو صحیح ہے یعنی صورت مذکورہ میں اگر باندی کی موت اقالہ سے پہلے ہو تو اقالہ صحیح ہے اور یہ اس لئے کہ اقالہ کا صحیح ہونا بقاء عقد پر اعتماد کرتا ہے اور وہ مسلم فیہ ہے اور اسی طرح مقایضہ بھی ہے دونوں صورتوں میں یعنی جب بیچ دیا باندی کو سامان کے عوض میں اور دونوں میں سے ایک ہلاک ہو انہ کہ دوسرا پھر دونوں نے اقالہ کیا تو اقالہ صحیح ہے اور اگر اقالہ کیا دونوں نے پھر ایک ہلاک ہو گیا تو اقالہ باقی رہے گا اور صحیح ہے اس کا اقالہ کرنا دونوں صورتوں میں اب رہا بقا تو یہ اس صورت میں ہے کہ اقالہ مقدم ہو ہلاکت پر اور صحیح ہونا اس صورت میں ہے کہ اقالہ مؤخر ہو ہلاکت سے

**تشریح: باندی کو ایک کرگندم کا راس المال بنانا:**

صورت مسئلہ یہ ہے ایک شخص نے ایک کرگندم میں ایک باندی کا عقد مسلم کیا یعنی باندی کو راس المال بنا دیا اور ایک کرگندم کو مسلم فیہ بنا دیا اور مسلم الیہ نے باندی (یعنی راس المال) پر قبضہ بھی کر لیا پھر دونوں نے عقد مسلم کا اقالہ کیا اقالہ کے بعد باندی مسلم الیہ کے قبضہ میں مرغئی تو باندی کے مرنے کی وجہ سے اقالہ باطل نہ ہوگا بلکہ اقالہ درست ہوگا اور مسلم الیہ پر باندی کی اس دن کی قیمت لازم ہوگی جس دن اس نے باندی پر قبضہ کر لیا تھا اور مسلم الیہ یہ قیمت رب المسلم کو واپس کرے گا اور اگر باندی پہلے مرغئی اور اس کے بعد رب المسلم اور مسلم الیہ نے اقالہ کیا تو بھی اقالہ درست ہے کیونکہ اقالہ اس وقت درست ہوتا ہے جبکہ معقود علیہ باقی ہو اور معقود علیہ مسلم فیہ ہے اور مسلم فیہ ابھی تک باقی ہے یعنی ایک کرگندم موجود ہے تو عقد بھی باقی ہے اور جب عقد باقی ہے تو اقالہ بھی درست ہے لہذا باندی کے مرنے کے بعد بھی اقالہ درست ہوگا اور مسلم الیہ پر باندی کی قیمت دینا لازم ہوگا یعنی وہ رب المسلم کو باندی کی اس دن کی قیمت دے گا جس دن اس نے باندی پر قبضہ کیا تھا

**و کذا المقایضۃ فی وجہیہ :** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے سامان کے عوض ایک باندی خرید لی مثلاً ایک سائل کے عوض باندی خرید لی اور پھر احد العوضین کے ہلاک ہونے سے پہلے بائع اور مشتری نے بیچ کو فسخ کر دیا یعنی اقالہ کیا اور اس کے بعد سائل ہلاک ہوگئی اور باندی باقی رہی یا باندی ہلاک ہوگئی اور سائل باقی رہی یا سائل اور باندی میں سے ایک ہلاک ہوگئی اور اس کے بعد دونوں نے اقالہ کیا تو صحیح ہے

**دلیل:** اس لئے کہ بیچ مقایضہ میں ہر ایک عوض بیچ بھی ہوتا ہے اور جن بھی لہذا جو بھی عوض ہلاک ہو گیا اسکو جن بنائیں گے اور جو باقی ہے اسکو بیچ قرار دیں گے اور اقالہ کیلئے بیچ کا باقی رہنا ضروری ہے اور بیچ باقی ہے لہذا بیچ مقایضہ میں ایک بیچ کے ہلاک

ہونے کے بعد اقالہ درست ہے لہذا اس صورت میں بھی اقالہ درست رہے گا۔

عبارت کی وضاحت: شارح فرماتے ہیں کہ مصنف کا قول، «وكذا المقايضة»، اس عبارت کی تقدیر یہ ہے کہ، «بقی تقایل المقايضة وصح تقایلہا فی کلا الوجهین»، یعنی اقالہ باقی رہے گا اس صورت میں کہ اقالہ پہلے ہوا ہو اور اس کے بعد احد العوضین ہلاک ہوا ہو اور اقالہ صحیح ہوگا اس صورت میں کہ پہلے احد العوضین ہلاک ہوا ہو اور اس کے بعد اقالہ ہوا ہو بخلاف الشراء بالثمن فیہما ای ان اشتری بالدرہم والدنانیر امۃ ثم تقایلا ثم ماتت الامۃ فی ید المشتري لم یبق التقایل او ماتت ثم تقایلا لا یصح۔

ترجمہ: برخلاف اس کے کہ خریدنا ہو شمن کے عوض دونوں میں یعنی دراہم اور دنانیر کے عوض ایک باندی خرید لی پھر دونوں نے اقالہ کیا باندی کو پھر باندی مر گئی مشتری کے قبضے میں تو اقالہ باقی نہیں رہے گا اور یا باندی مر گئی اور پھر اقالہ کیا تو اقالہ صحیح نہ ہوگا۔

**تشریح: اگر مطلق بیع میں باندی مر گئی:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک ہزار دراہم کے عوض ایک باندی خرید لی پھر بائع اور مشتری نے اقالہ کیا اقالہ کے بعد باندی مر گئی مشتری کے قبضے میں تو اقالہ باطل ہے اسی طرح اگر باندی پہلے مر گئی اور اس کے مرنے کے بعد بائع اور مشتری نے اقالہ کیا تو یہ اقالہ بھی باطل ہے۔ اس لئے کہ اقالہ کیلئے بقائے معقود علیہ ضروری ہے اور جب معقود علیہ ہلاک ہو جائے تو اقالہ بھی باطل ہوتا ہے اور مذکورہ صورت میں معقود علیہ ہلاک ہو گئی ہے یعنی باندی لہذا اس صورت میں اقالہ درست نہ ہوگا

ولو اختلف عاقدا السلم فی شرط الردائۃ والاجل فالقول لمدعیہما ای قال المسلم الیہ شرطنا الردی وقال رب السلم لم نشتر شیئاً حتی یکون العقد فاسداً فالقول قول المسلم الیہ لان رب السلم متعنت فی انکارہ الصحۃ لان المسلم فیہ زائد علی رأس المال عادۃً فانکارہ الصحۃ دعوی امریکون ضرراً فی حقہ فکان متعنتاً ولو ادعی رب السلم شرط الردائۃ وقال المسلم الیہ لم نشتر شیئاً فالواجب ان یکون القول لرب السلم عند ابی حنیفۃ لانه یدعی الصحۃ فالحاصل ان فی الصورتین القول لمدعی الصحۃ عنده وعندہما القول للمنکر ولو اختلفا فی الاجل فقال احدهما شرطنا الاجل وقال الاخر لم نشتر فایہما ادعی الاجل فالقول قوله عند ابی حنیفۃ لانه یدعی الصحۃ وعندہما القول للمنکر



ترجمہ۔ اگر عقد مسلم میں عاقدین کا اختلاف ہو جائے ردی ہونے اور اجل کی شرط میں تو قول ان دونوں کے مدعی کا ہوگا یعنی مسلم الیہ نے کہا کہ ہم نے ردی ہونے کی شرط لگائی تھی اور رب المسلم نے کہا کہ ہم نے کوئی شرط نہیں لگائی تھی حتیٰ کہ عقد فاسد ہو جائے تو قول مسلم الیہ کا معتبر ہوگا کیونکہ رب المسلم سرکش ہے صحت کے انکار کرنے میں اسلئے کہ مسلم فیہ زیادہ ہوتی ہے رأس المال پر عام طور پر تو صحت کا انکار کرنا ایک ایسے امر کا دعویٰ کرنا ہے جو اس کے حق میں ضرر ہے تو یہ سرکش ہے اور اگر رب المسلم نے ردی ہونے کی شرط کا دعویٰ کیا اور مسلم الیہ نے کہا کہ ہم نے کوئی شرط نہیں لگائی تھی تو واجب ہے کہ قول رب المسلم کا معتبر ہو جائے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک قول منکر کا معتبر ہے اور اگر اختلاف ہو جائے مدت میں ایک نے کہا کہ ہم نے مدت کی شرط لگائی تھی اور دوسرے نے کہا کہ ہم نے کوئی شرط نہیں لگائی تھی تو جو کوئی بھی اجل کا دعویٰ کرتا ہے تو قول اس کا معتبر ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کیونکہ یہ صحت کا دعویٰ کرتا ہے اور صاحبین کے نزدیک قول منکر کا معتبر ہوگا

**تشریح: وصف اور اجل کے بارے میں رب المسلم اور مسلم الیہ کا اختلاف:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ رب المسلم اور مسلم الیہ کا اختلاف ہو اور اجل کے بارے میں یعنی مسلم الیہ کہتا ہے کہ ہم نے یہ شرط لگائی تھی کہ میں ردی گندم آپ کو حوالہ کروں گا اور رب المسلم کہتا ہے کہ ہم نے کوئی شرط نہیں لگائی تھی تو اس صورت میں مسلم الیہ کا قول معتبر ہوگا کیونکہ مسلم الیہ عقد کے صحیح ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اور رب المسلم عقد مسلم کے باطل ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اور رب المسلم معتق اور سرکش ہے سرکش اسلئے ہے کہ اپنے فائدے سے انکار کرتا ہے کیونکہ عام طور پر مسلم فیہ رأس المال سے زیادہ ہوتی ہے تو اس میں رب المسلم کا فائدہ ہے اور جب رب المسلم وصف سے انکار کر رہا ہے تو اپنے فائدے سے انکار کر رہا ہے تو رب المسلم معتق اور سرکش ہے اور صحت کا قول شرعاً مردود ہوتا ہے اور جب رب المسلم کا قول معتبر نہ ہو تو مسلم الیہ کا قول معتبر ہوگا اور عقد مسلم جائز ہوگا۔

اور اگر رب المسلم نے یہ دعویٰ کیا کہ ہم نے یہ شرط لگائی تھی کہ آپ مجھے ردی گندم دیں گے اور مسلم الیہ کہتا ہے کہ ہم نے کوئی شرط نہیں لگائی تھی تو اس صورت میں رب المسلم کا قول معتبر ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور عقد مسلم صحیح ہوگا اس لئے کہ رب المسلم صحیح مسلم کی صحت کا دعویٰ کر رہا ہے اور اور مسلمان کا ظاہر حال یہ ہے کہ یہ صحیح صحیح کا ارتکاب کرے گا نہ کہ بیخ فاسد کا تو رب المسلم کا قول ظاہر حال کے موافق ہے۔

اور حضرات صاحبین کے نزدیک مسلم الیہ کا قول معتبر ہوگا کیونکہ یہ منکر ہے اور بینہ نہ ہونے کی صورت میں منکر کا قول معتبر ہوتا ہے حاصل کلام یہ ہے امام صاحب کے نزدیک جو مدعی صحت ہے اس کا قول معتبر ہوگا اور صاحبین کے نزدیک منکر کا قول معتبر ہوتا ہے ولو اختلفا فی الاجل : اگر رب المسلم اور مسلم الیہ کا اختلاف ہو گیا اجل میں یعنی مسلم الیہ کہتا ہے کہ ہم نے اجل اور میعاد مقرر کیا تھا اور رب المسلم کہتا ہے کہ ہم نے کوئی میعاد مقرر نہیں کیا تھا تو جو آدمی میعاد مقرر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کا قول معتبر ہوگا امام ابو حنیفہ کے نزدیک کیونکہ یہ آدمی بیع مسلم کی صحت کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسرا صحت سے انکار کرتا ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک منکر کا قول معتبر ہوگا کیونکہ مدعی کے پاس بینہ نہیں ہے۔

## والاستصناع

باجل معلوم سلم تعاملوا فیہ او لا وبلا اجل فیما یتعامل کخف وقمقمة وطست صح  
 بیع لاعدۃ الاستصناع ان یقول للصانع کالخفاف مثلا اصنع لی من مالک خفا من هذا الجنس  
 بہذہ الصفة بكذا فان اجل معلوما کان سلما سواء جرى فیہ التعامل اولا فیعتبر فیہ شرائط  
 السلم وان لم یؤجل فان کان مما یجری فیہ التعامل صح بطریق البیع لا بطریق العدة فان لم  
 یجر فیہ التعامل لا یجوز

ترجمہ: بنوانا میعاد معلوم کے ساتھ سلم ہے چاہے اس میں تعامل ہو یا نہ ہو اور میعاد کے بغیر ان اشیاء میں جس میں تعامل ہو جیسے موزہ اور تانے کے برتن اور لکڑی کے برتن میں صحیح ہے بیع ہے وعدہ نہیں ہے سائی دیکر بنوانا یہ ہے کہ کبے کاریگر سے مثلا موزہ بنانے والے سے کہ تم میرے لئے اپنے مال سے موزہ بناؤ اس جنس سے اس صفت پر اتنے میں پس اگر میعاد معلوم مقرر کیا تو یہ سلم ہوگا چاہے اس میں تعامل ہو یا نہ ہو تو اس میں سلم کے شرائط کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر میعاد مقرر نہ ہو پس اگر یہ اس بیوع میں سے ہو کہ جس میں تعامل جاری ہو تو یہ صحیح ہے بطریق بیع نہ کہ بطریق وعدہ اور اگر اس میں تعامل جاری نہ ہو تو جائز نہیں ہے

تشریح: استصناع کا معنی استصناع کا لغوی معنی ہے کاریگری کی طلب کرنا اور اصطلاح میں کسی کاریگر سے کوئی چیز سائی پر بنوانا آڈر دیکر بنوانا جس میں میعاد مقرر نہ ہو جس کو سائی دیکر یا آڈر دیکر بنوانا کہتے ہیں

استصناع کا جواز: قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ استصناع جائز نہ ہو کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے اور معدوم کی بیع جائز نہیں ہے لیکن

استحساناً جائز ہے جبہ استحسان یہ ہے کہ اس پر عملی اجماع منعقد ہے عہد رسالت سے لیکر آج تک بلائیکہ اس پر لوگوں کا تعامل چلا آ رہا ہے اور خود حضور ﷺ نے ایک انگوٹھی اور ایک منبر سائی دیکر بنوائے تھے استصناع میں اگر میعاد مقرر ہو مثلاً یہ کہا کہ ایک ماہ بعد مجھے ایک موزہ دید تو یہ سلم ہے چاہے عقد ان چیزوں ہو جن میں تعامل جاری ہوتا ہے یا اس میں تعامل جاری نہیں ہوتا یعنی جب میعاد مقرر ہو تو یہ عقد سلم ہوگا خواہ جاری ہو یا نہ ہو۔ اور اس میں بیع سلم کے شرائط کا اعتبار ہوگا اور اگر استصناع ان چیزوں میں ہو جس میں میعاد مقرر نہ کیا گیا ہو تو یہ ان چیزوں میں جائز ہوگا جس میں لوگوں کا تعامل جاری ہو جیسے موزہ تانبے کا برتن یا کڑی کے برتن وغیرہ میں مثلاً کسی نے کاریگر سے یہ کہا کہ میرے لئے ایک موزہ بناؤ فلانے چڑے سے دس روپے کے عوض تو یہ استصناع جائز ہے بطریقہ بیع۔

استصناع بیع ہے یا وعدہ بیع: اس کے بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ استصناع بیع ہے وعدہ بیع نہیں ہے جبکہ بعض حضرات کے نزدیک استصناع وعدہ بیع ہے بیع نہیں ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ استصناع بیع ہے یہی وجہ ہے کہ استصناع میں اختیار رویت اور اختیار شرط ثابت ہے اور یہ بیع میں ثابت ہوتے ہیں نہ کہ وعدہ بیع میں۔ اور ان چیزوں میں تعامل جاری نہ ہو تو پھر اس میں استصناع جائز نہیں ہے۔

ثم ذکر فروع قوله انه بيع لاعادة فقال فيجبر الصانع على عمله ولا يرجع الأمر عنه والمبيع هو العين لاعمله فان جاء بما صنعه غيره او صنعه هو قبل العقد فاخذه صح ولا يتعين له بلا اختياره فصح بيع الصانع قبل رؤية الأمر له اخذه وتركه ولم يصح فيما لا يتعامل كالثوب اى اذا لم يؤجل كما شرحناه

ترجمہ.. پھر مصنفؒ اپنے اس قول کے فروع ذکر کئے اند بیع لاعادۃ چنانچہ فرمایا کہ کاریگر کو مجبور کیا جائے گا اس کے بنانے پر اور امر رجوع نہیں کر سکتا اس سے اور بیع عین ہے نہ کہ اس کا عمل پس جب لے آیا اس چیز کو جس کو اس کے علاوہ اور نے بنایا ہو اور یا اس نے خود بنایا ہو عقد سے پہلے اور اس نے لے لیا تو صحیح ہے اور متعین نہ ہوگا اس کیلئے اس کے اختیار کے بغیر تو صحیح ہے کاریگر کا بیعنا امر کے دیکھنے سے پہلے اور اس کیلئے لینے اور چھوڑنے دونوں کا اختیار ہے اور صحیح نہیں ہے اس میں جس میں تعامل نہ ہو جیسے کپڑا یعنی جبکہ میعاد مقرر نہ کیا گیا ہو جیسے کہ ہم نے ذکر کیا ہے

تشریح: تفریح: مصنفؒ نے فرمایا تھا استصناع بیع ہے وعدہ بیع نہیں ہے اس اصل پر تفریح ہے کہ جب صانع نے یہ قبول کیا کہ میں آپ کیلئے یہ چیز بنا لوں گا امر بھی اس پر راضی ہو تو اب صانع کو مجبور کیا جائے گا کہ یہ کام کر لے اور آڈر دینے کے بعد امر

کو رجوع کا حق نہ ہوگا۔

**بیع عین ہے یا عمل:** مصنف فرماتے ہیں کہ "تھو درلیہ اور بیع وہ عین ہے جسکو کارمیر نے بنایا ہے کارمیر کا عمل معقود علیہ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کارمیر ایسی چیز کو لیکر آئے جو اس کی بنائی ہوئی نہ ہو بلکہ کسی دوسرے کارمیر نے بنائی ہو یا اس چیز کو لیکر آیا جو عقد اصنعاع سے پہلے بنائی ہو اور آرڈر دینے والے نے اس کو قبول کر لیا تو صحیح ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ معقود علیہ عین ہے عمل نہیں کیونکہ اگر عمل ہوتا تو یہ صورت جائز نہ ہوتی کیونکہ کارمیر کا عمل نہیں پایا گیا پہلی صورت میں اور دوسری صورت میں عمل تو پایا گیا ہے لیکن یہ وہ مصنوع ہے جو عقد سے پہلے بنایا گیا ہے جو معقود علیہ نہیں تھا پس معلوم ہوا کہ معقود علیہ اور بیع عین ہے صالح کا عمل نہیں ہے

**ولایت عین لہ:** مسئلہ یہ ہے کہ اصنعاع میں اگر شئی مصنوع۔ مصنع کے آرڈر سے پہلے بنائی گئی ہوگی یا آرڈر کے بعد تو پہلی صورت میں شئی مصنوع امر کیلئے متعین نہ ہوگی۔ لایعین کا یہی مطلب ہے۔ اور دوسری صورت میں مصنع شئی مصنوع سے رجوع نہیں کر سکتا۔ ولایع الامر عنہ کا یہی مطلب ہے۔ کیونکہ جب اس نے آرڈر دیدیا تو اس نے اس چیز کو اختیار کیا اور جب اختیار کیا تو اب رجوع کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

**صانع کو بیچنے کا حق حاصل ہے...** جب نفس بنانے سے بیع تام نہیں ہوتی تو صانع کو بھی اس چیز کا بیچنا جائز ہے جس کو اس نے بنایا ہے امر کے دیکھنے سے پہلے۔

**جن اشیاء میں تعال نہ ہو:** فرماتے ہیں کہ جن اشیاء میں لوگوں کا تعال نہ ہو یعنی جن چیزوں میں سائی دیکر بنوانے میں لوگوں کا تعال نہ ہو جیسے کپڑا یعنی نہ اس میں لوگوں کا تعال ہے اور نہ اس میں تاویل مقرر کی ہوتی کہ بیع سلم بن جائے تو یہ نہ بیع سلم ہوئی اور نہ اصنعاع لھذا اس جیسی چیزوں میں جن میں تعال نہ ہو اس میں اصنعاع اور آرڈر دیکر بنوانا جائز نہیں ہے۔

## مسائل شتی

صح بیع الکب والفهد والسباع علمت او لا هذا عندنا وعند ابی یوسف لا یجوز بیع الکلب العقور وعند الشافعی لا یجوز الکلب اصلا علی انه نجس العین عنده وعندهما انما یجوز بناء علی الانتفاع به وبجلده۔

ترجمہ صحیح ہے کتے کی بیع اور چیتے کی اور درندوں کی سدھے ہوئے ہو یا نہ ہو یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک لکھنے کتے کی بیع جائز نہیں ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک کتے کی بیع جائز نہیں ہے بالکل کیونکہ یہ نجس العین ہے اس کے نزدیک اور ہمارے نزدیک جائز ہے کیونکہ کتے سے اور اس کے چڑے سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے۔

تشریح: کتے اور درندوں کی بیع: کتا اور چیتا اسی طرح جتنے درندے ہیں سب کی بیع جائز ہے چاہے وہ معلم ہوں یا نہ ہو۔ یہ حضرات احناف کا مسلک ہے کہ خنزیر کے علاوہ تمام درندوں کی بیع جائز ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کلب عقور یعنی وہ کتا جو کائے والا ہو اس کی بیع جائز نہیں ہے۔

کیونکہ یہ بالکل غیر منفع بہ ہے اور غیر منفع بہ چیز کی بیع جائز نہیں ہوتی لہذا کلب عقور کی بیع جائز نہیں ہے۔

اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک کتے کی بیع بالکل جائز نہیں ہے چاہے وہ معلم ہو یا غیر معلم چاہے عقور ہو یا نہ ہو دلیل ان کی یہ ہے کہ حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے زانیہ کی اجرت اور کتے کے شمن سے نیز کتا نجس العین ہے کیونکہ کتے کا جھوٹا نجس ہے اور جھوٹا اس لئے نجس ہے کہ یہ لعاب سے پیدا ہوتا ہے اور لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے تو لعاب بھی نجس ہوا اور گوشت بھی نجس ہوا۔ جب گوشت نجس ہوا تو معلوم ہوا کہ پورا کتا نجس العین ہے اور جب نجس العین ہوا تو نجس العین کی بیع جائز نہیں ہے لہذا کتے کی بیع جائز نہیں ہے۔

ہماری دلیل: ہماری دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے کتے کی بیع سے مگر کلب صید اور کلب ماشیہ کی اجازت دی ہے تو معلوم ہوا کہ کتے کی بیع جائز ہے۔

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ کتا قابل انتفاع چیز ہے ان سے حفاظت کا کام لیا جاتا ہے اور شکار کا کام بھی لیا جاتا ہے نیز اس کی کھال سے بھی نفع حاصل کیا جاتا ہے اور جو چیز منفع بہ ہو وہ مال ہوتی ہے کیونکہ مال وہ ہے جو شرعا آدمی کے نفع کیلئے پیدا کیا گیا ہے پس

معلوم ہوا کہ کما مطلقاً مال ہے (مزید تفصیل آپ ہدایہ وغیرہ بڑی کتابوں میں پڑھ لیں گے)

والذمی فی البیع کالمسلم الا فی الخمر الخنزیر وھما فی عقد الذمی کالخل والشاة فی عقد المسلم حتی یکون الخمر من ذوات الامثال والخنزیر من ذوات القیم -

ترجمہ۔ اور ذمی بیع میں مسلمان کے مانند ہے مگر شراب اور خنزیر میں اور یہ دونوں ذمی کے عقد میں ایسے ہیں جیسے کہ سرکہ اور بکری مسلمان کے عقد میں تو ہوگی شراب ذوات الامثال میں سے اور خنزیر ذوات القیم میں سے۔

تشریح: ذمی بیوعات میں مسلمان کی طرح ہے: مسئلہ یہ ہے کہ ذمی لوگ خرید و فروخت میں اور دیگر معاملات میں مسلمانوں کے مانند ہیں یعنی جو چیزیں مسلمانوں کیلئے حلال ہیں وہ ذمیوں کیلئے بھی حلال ہیں اور جو چیزیں مسلمانوں کیلئے حرام ہیں وہ ذمیوں کیلئے حرام ہیں جیسے سود، حیوان کی بیع حیوان کے عوض ادھاریہ چیزیں مسلمان کے لئے حرام ہیں تو ذمی کیلئے بھی حرام ہیں البتہ شراب اور خنزیر مسلمانوں کے لئے حلال نہیں ہیں لیکن ذمیوں کیلئے شراب اور خنزیر کی بیع جائز ہے یعنی ذمی شراب اور خنزیر کی خرید اور فروخت کر سکتے ہیں کیونکہ خمر اور خنزیر تو مسلمان کیلئے مال متقوم نہیں ہے لیکن خمر اور خنزیر ذمیوں کیلئے مال متقوم ہیں لہذا خمر ذمی کے حق میں ایسا ہے جیسے کہ مسلمان کے حق میں سرکہ اور خنزیر ذمی کے حق میں ایسا ہے جیسے کہ مسلمان کے حق میں بکری تو خمر ذوات الامثال میں سے ہے اور خنزیر ذوات القیم میں سے ہے

ومن زوج مشریتہ قبل قبضہا صح فان وطئت فقد قبضت والافلا لایکون قابضاً والقیاس ان بصیر قابضاً لانھا تعیبت بالتزویج وجہ الاستحسان ان التعییب الحقیقی استیلاء علی المحل فیکون قبضاً بخلاف التعییب الحکمی -

ترجمہ۔ اور جس نے شادی کرادی اپنی خریدی ہوئی باندی کی قبضے سے پہلے تو صحیح ہے پس اگر باندی کے ساتھ وطی کر لی گئی تو اس پر قبضہ سمجھا جائے گا ورنہ نہیں یعنی نفس شادی کرانے سے قابض نہ ہوگا اور قیاس تو یہ ہے کہ قابض سمجھا جائے کیونکہ اس میں عیب پیدا ہو گیا ہے شادی کرانے سے استحسان کی وجہ یہ ہے کہ حقیقی عیب لگانا تو غلبہ حاصل کرنا ہے محل پر تو یہ قبضہ ہوگا برخلاف حکمی عیب لگانے کے۔

تشریح: باندی کا نکاح کرنا قبضے سے پہلے: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے باندی خرید لی اور ابھی تک باندی پر مشتری نے قبضہ نہیں کیا کہ مشتری نے باندی کا نکاح کسی آدمی سے کر دیا اور نکاح کے بعد شوہر نے اس سے وطی کر لی تو یہ نکاح

جائز ہے اور شوہر پر مہر لازم ہے اور شوہر کا وہلی کرنا مشتری کا قبضہ سمجھا جائے گا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ قبضے سے مشتری کیلئے باندی کا نکاح کرنا تو جائز ہے لیکن قبضے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں غرر اور دھوکہ ہے غرر سے بیع تو فاسد ہو جاتی ہے لیکن غرر سے نکاح فاسد نہیں ہوتا اس لئے مشتری کا آگے بیچنا جائز نہ ہوگا اور اور نکاح کرنا جائز ہوگا اور شوہر کی وہلی کرنے سے مشتری کا قبضہ اسلئے ثابت ہوگا کہ شوہر کو وہلی کرنے پر قدرت مشتری کی جانب سے حاصل ہوئی ہے کیونکہ اگر مشتری اس باندی کا نکاح نہ کرتا تو شوہر کو وہلی کرنے کی اجازت نہ ہوتی تو شوہر کا فعل یعنی وہلی کرنا بمنزلہ مشتری کے فعل کے ہو گیا اور مشتری اگر خود وہلی کرتا تو قبضہ سمجھا جاتا پس شوہر کی وہلی سے بھی مشتری قابض ہو گیا۔ اور اگر شوہر نے باندی کے ساتھ وہلی نہ کی ہو تو محض نکاح کرنے سے مشتری کا قبضہ ثابت نہ ہوگا۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مشتری محض نکاح کرنے سے باندی پر قبضہ کرنے والا ہو جائے کیونکہ نکاح کرنا حکماً عیب دار کرنا ہے یعنی نکاح عیب حکمی ہے عیب حکمی کو قیاس کیا ہے عیب حقیقی پر یعنی جس طرح عیب حقیقی سے مشتری قابض سمجھا جاتا ہے مثلاً ایک آدمی نے باندی خرید لی اور قبضے سے پہلے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو اس سے مشتری قابض ہو جاتا ہے اسی طرح عیب حکمی سے بھی قابض ہوگا۔

استحسان کی وجہ یہ ہے کہ عیب حقیقی میں محل پر استیلاء اور غلبہ ہوتا ہے یعنی جس محل کو عیب دار کیا ہے اس پر قابو پالیا ہے مثلاً ایک آدمی نے باندی خرید کر اس کی آنکھ پھوڑ دی تو مشتری کا فعل باندی کے ساتھ متصل ہونے کی وجہ سے مشتری کا باندی پر غلبہ ثابت ہو گیا تو حقیقی عیب دار کرنا قبضہ ہے باندی پر برخلاف عیب حکمی کے یعنی عیب حکمی میں محل پر قبضہ نہیں ہوتا اور جب یہ بات ہے تو عیب حکمی اور عیب حقیقی میں بہت بڑا فرق ہے اور فرق کے ہوتے ہوئے عیب حکمی کو عیب حقیقی پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔

ومن اشتری شیئاً وغاب غیبہ معروفة فاقام بائعہ بینة انه باعہ منه لم یبع فی دینہ ای فی ثمن المبیع بل یطلب الثمن من المشتري ان كان مكانه معلوما وان جهل مكانه بیع ای بیع واوفی الثمن -

ترجمہ اور اگر کسی نے کوئی چیز خرید لی اور غائب ہو گیا ایسا کہ غائب ہونا معلوم ہو پھر بائع نے گواہ قائم کئے کہ میں نے اس کو بیچ دیا تھا تو نہیں بیچا جائے گا اس کے دین میں یعنی بیع کے ثمن میں بلکہ طلب کرے گا ثمن مشتری سے اور اگر اس کی جگہ معلوم نہ ہو تو بیچا جائے گا اور اس سے ثمن ادا کیا جائے گا۔

تشریح: سودا کرنے کے بعد مشتری کا غائب ہونا: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک کپڑا خریدا اور بائع کو ثمن

ادانہ کیا اور نہ بیع پر قبضہ کیا اور اسی حالت میں مشتری غائب ہو گیا اس صورت میں بائع نے قاضی سے درخواست کی کہ قاضی صاحب مشتری نے تو مجھ سے بیع خرید کر غائب ہو گیا ہے اور میرا ثمن نہیں دیا ہے لہذا آپ میرے ثمن دینے کا انتظام کریں اور اس دعوے پر اس نے گواہ بھی پیش کئے۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مشتری کی غیبت معلوم ہو اور دوسری یہ کہ مشتری کی غیبت معلوم نہ ہو پس اگر مشتری کی غیبت معلوم ہو یعنی اس کی جگہ اور ٹھکانہ معلوم ہو کہ فلاں جگہ میں ہے تو اس صورت میں دین ادا کرنے کیلئے اس غلام کو فروخت نہیں کیا جائے گا بلکہ مشتری سے ثمن وصول کیا جائے گا یعنی اس کے پیچھے کسی کو بھیج دے تاکہ مشتری حاضر کرے اور اس کو بیع حوالہ کرے اور ثمن اس سے وصول کیا جائے۔ اور اس میں مشتری کے حق کی رعایت بھی ہے۔

اور اگر مشتری کا ٹھکانہ معلوم نہ ہو تو اس صورت میں قاضی اس غلام کو فروخت کرے گا اور اس سے بائع کا ثمن ادا کیا جائے گا اور اگر کچھ باقی رہ گیا تو اس کو محفوظ کرے گا تاکہ پھر جب مشتری آجائے اس کو دیدے۔

وان اشتری انسان و غاب واحد فللحاضر دفع ثمنه وقبضه وحبسه ان حضر الغائب الی ان يأخذ حصته هذا عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ وذلك لانه مضطر لا یمنکه الانتفاع بنصبه الابداء جمیع الثمن فاذا اداه لم یکن متبرعا فان حضرا الغائب لا یأخذ حصته الا وان یسلم ثمن حصته الی شریکه وعند ابی یوسفؒ هو متبرع فی اداء حصه شریکه لانه دفع دین غیره بغیر امره۔

ترجمہ اور خرید لیا دو آدمیوں نے اور غائب ہوا ایک تو دوسرے کو حق حاصل ہے ثمن دیدنے کا اور قبضہ کرنے کا اور روکنے کا اگر غائب حاضر ہو گیا یہاں تک کہ اپنا حصہ لے لے یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے کیونکہ یہ مجبور ہے ممکن نہیں ہے اس کے حصے سے فائدہ حاصل کرنا مگر پورا ثمن ادا کرنے کے ساتھ اور جب اس نے ادا کر دیا تو یہ احسان کرنے والا نہیں ہے پس اگر غائب حاضر ہو گیا تو اپنا حصہ نہیں لے سکتا مگر یہ کہ حوالہ کر دے اپنے حصے کا ثمن اپنے شریک کو اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ احسان کرنے والا ہے اپنے شریک کے حصے میں کیونکہ اس نے ادا کیا ہے غیر کا دین اس کے حکم کے بغیر۔

**تشریح:** مشتری دو آدمی ہوں اور دونوں میں سے ایک غائب ہو گیا: صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو آدمیوں نے ایک غلام خرید لیا اور ایک عقد کے ساتھ اور دونوں میں سے ایک غائب ہو گیا ثمن ادا کرنے سے پہلے تو شریک حاضر کو یہ حق حاصل ہے کہ پورا ثمن ادا کر دے پس اگر شریک حاضر نے پورا ثمن ادا کر دیا تو اس کو حق ہے کہ پورے غلام پر قبضہ کر لے یعنی بائع کو مجبور کیا جائے گا غلام حوالہ کرنے پر مشتری کو یہ حضرات طرفین کا مسلک ہے کہ مشتری حاضر پورے ثمن ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور بائع کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ پورا غلام مشتری حاضر کو حوالہ کرے اور مشتری حاضر غائب کے حصے کو اپنے پاس روکے رکھے یہاں تک کہ اس سے اپنا حصہ ثمن وصول کر لے اور مشتری حاضر اس ادا کرنے میں متبرع نہ ہوگا بلکہ مشتری غائب



پر رجوع کرے گا کیونکہ یہ مجبور ہے اس لئے کہ حاضر اپنے حصے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اس وقت تک جب تک پورا ثمن ادا نہ کر دے پس جب غائب حاضر ہو گیا تو اس سے اس کے حصے کا ثمن لے لے گا اور بیع اس کو حوالہ کرے گا۔ اور اس کے حصے کی بیع اس کو حوالہ کرے گا۔

امام ابو یوسف کا مسلک یہ ہے کہ مشتری حاضر اس کے حصے ثمن میں متبرع ہے لہذا اس کا رجوع نہیں کرے گا غائب پر کیونکہ اس نے غیر کا دین ادا کیا ہے اس کی اجازت کے بغیر لہذا یہ متبرع ہے اور متبرع کو رجوع کرنے کا حق نہیں ہے۔

وان اشتری بالف مثقال من ذهب وفضة یجب من کل نصفه وفی بالف من الذهب والفضة یجب من الذهب مثاقیل ومن الفضة دراهم وزن سبعة وزن السبعة قد سبق فی کتاب الزکوة

ترجمہ اور کسی نے خرید لیا ایک ہزار مثقال سونے اور چاندی کے عوض تو ہر ایک سے نصف، نصف واجب ہوگا اور اس صورت میں کہ خرید لیا ایک ہزار میں سونے اور چاندی کے عوض تو واجب ہوں گے سونے سے مثقال اور چاندی سے وزن سبہ کے درہم وزن سبہ کا ذکر کتاب الزکوة میں ہو چکا ہے۔

**تشریح:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک باندی خرید لی اور یہ کہا کہ ثمن ایک ہزار ہوگا سونے اور چاندی سے تو یہ بیع صحیح ہے اور مشتری پر پانچ سو مثقال سونے کے واجب ہوں گے اور پانچ سو مثقال چاندی کے دونوں کی طرف یکساں اور مساوی طور پر نسبت ہوگی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ہوگی بلکہ دونوں آدھے آدھے واجب ہوں گے اور اگر کسی نے ایک ہزار سونے اور چاندی کے عوض باندی خریدی اور مثقال یا درہم کا ذکر نہیں کیا تو سونے کے پانچ سو مثقال واجب ہوں گے اور چاندی کے پانچ سو درہم واجب ہوں گے مگر درہم میں وزن سبہ معتبر ہے اور وزن سبہ یہ ہے کہ دس درہم سات مثقال کے برابر ہوں۔

**دلیل:** یہ ہے کہ مشتری نے ہزار کے عدد کو سونے اور چاندی کی طرف منسوب کیا ہے پس جو وزن متعارف ہوگا اسی کا اعتبار کیا جائیگا اور سونے میں وزن متعارف چونکہ مثاقیل ہے اور چاندی میں وزن متعارف درہم وزن سبہ ہے تو اس صورت میں پانچ سو مثقال واجب ہوں گے اور پانچ سو درہم واجب ہوں گے۔

**وزن سبہ کی تحقیق:** ہر سات مثاقیل وزن میں دس درہم کے برابر ہوتے ہیں اسی حساب سے سات مثاقیل ایک سو چالیس (۱۴۰) قیراط تک پہنچ جاتے ہیں اور دس درہم بھی اسی حساب سے ایک سو چالیس قیراط تک پہنچ جاتے ہیں۔ مزید تفصیل کیلئے اوزان شرعیہ کی مسلمانوں کو سمجھنا ہوگا جس کی کچھ تفصیل یہ ہے۔

اوزان شرعیہ کو اوزان ہندیہ میں منتقل کرنے اور حساب لگانے میں جن اصول سے کام لیا جاسکتا ہے وہ تقریباً علماء ہند کے نزدیک مسلم ہیں اور عرب و عجم کے سب فقہاء متقدمین و متاخرین ان پر متفق ہیں۔ اور ہمارے معروف کتب فقہ (۱) مجمع الانہر (۲) درمختار (۳) شامی (۴) عالمگیری (۵) البحر الرائق (۶) شرح الوقایہ (۷) جامع الرموز وغیرہ میں صراحت کے ساتھ منقول جو منقول ہیں وہ یہ ہیں۔

نام وزن عربی	مقدار وزن عربی	نام وزن عربی	مقدار وزن عربی
۱ قیراط	پانچ (۵) جو	۹ رطل بحساب مد	نصف مد
۲ درہم	ستر (۷۰) جو	۱۰ رطل بحساب استار	۲۰- استار
۳ مثقال	سو (۱۰۰) جو	۱۱ استار بحساب	ساڑھے چھ درہم
۴ ایک جو	تین (۳) چاول	۱۲ استار بحساب مثقال	ساڑھے چار مثقال
۵ ایک چاول	دورائی کے دانے (دو خردل)	۱۳ صاع بحساب درہم	ایک ہزار چالیس درہم
۶ صاع بغدادی	آٹھ رطل	۱۴ صاع بحساب مثقال	سات سو بیس مثقال
۷ رطل بحساب درہم	۱۳۰ درہم	۱۵ صاع بحساب مد	چار مد
۸ رطل بحساب مثقال	۹۰ مثقال	۱۶ صاع بحساب استار	ایک سو اٹھارہ استار

(ازر جواہر الفقہ ج ۱ ص ۳۰۸-۳۰۹)

ولو قبض زيفاً بدل جيد جاهلاً به وانفق او نفق اى هلك فهو قضاء عندهما وعند ابى يوسف يرد مثل زيفه ويرجع بعجيدہ لان حقه فى الوصف مراعى ولا قيمة له فوجب المصير الى ما ذكرنا قلنا الزيف من جنس حقه ووجوب رد الزيف عليه لياخذ الجيد ايجاب له عليه ولم يعهد فى الشرع مثله يرد عليه ان مثل هذا فى الشرع كثير فان جميع تكاليف الشرع من هذا القبيل لانها ايجاب ضرر قليل لاجل نفع كثير

ترجمہ اور اگر کسی نے قبضہ کیا کھوٹے پر کھرے کے بدلے اس حال میں کہ اس کو علم نہ ہو اور اس کو خرچ کیا یا ہلاک ہوا تو یہ ادا نیگی ہے طرفین کے نزدیک اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کا مثل کھوٹا واپس کر دے اور کھرے کا رجوع کرے کیونکہ قرض خواہ کا حق وصف میں محفوظ ہے اور اس کی قیمت نہیں تو اس کی طرف رجوع کیا جائے گا جو ہم نے ذکر کیا ہے ہم کہتے ہیں کہ

دراہم زیوف بھی اس کی جنس حق میں سے ہیں اور قابض پر زیوف کی واپسی لازم کرنا تاکہ کھرالے لے تو یہ واجب کرنا اس کے لئے (قابض کی ذات کیلئے) اس پر (قابض یعنی اپنی ذات پر لازم کرنا ہے اپنی ذات کیلئے) اور شریعت میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اسکے نظائر شریعت میں بہت ہیں کیونکہ شریعت کے تمام احکام اس قبیل سے ہیں کیونکہ اس میں تھوڑا سا ضرر لازم کرنا ہے نفع کثیر کیلئے۔

**تشریح:** ایک آدمی نے دوسرے سے کھوٹے دراہم وصول کئے کھرے کے بجائے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی کے دوسرے آدمی پر دس دراہم قرض تھے کھر مقروض نے قرض خواہ کو دس دراہم ادا کر دئے لیکن وہ کھوٹے تھے اور قرض خواہ کو معلوم نہ تھا کہ اس کو خرچ کر دیا یا ہلاک ہو گئے اس کے بعد قرض خواہ کو معلوم ہوا کہ وہ تو کھوٹے تھے تو حضرات طرفین کے نزدیک قرض خواہ کا حق ادا ہو چکا ہے اور اب اس کو مقروض سے واپسی کا حق نہیں ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قرض خواہ دس دراہم کھوٹے کی مثل واپس کرے گا مقروض کو اور مقروض سے اپنے کھرے دراہم واپس کریگا۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرض خواہ کا حق جودت اور کھرا ہونے کے اعتبار سے اسی طرح ملحوظ ہے جیسے کہ اصل یعنی مقدار میں ملحوظ ہے یعنی اگر مقروض دس دراہم کے بجائے نو دراہم ادا کر دے تو قرض خواہ ایک درہم کا رجوع مقروض پر کرتا ہے اسی طرح وصف میں اس کے حق کا لحاظ کیا جائے گا اور وہ اس طرح کہ زیوف کو واپس کر دے اور جید لے لے کیونکہ وصف کی تہا کوئی قیمت نہیں ہے بلکہ اصل کے ضمن میں اس کا لحاظ کیا جائے گا۔

**طرفین کی دلیل:** حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ دراہم زیوف بھی قرض خواہ کے حق کی جنس سے ہیں یعنی دراہم زیوف بھی دراہم ہیں اور قرض خواہ کا حق بھی دراہم سے متعلق تھا تو جب قرض خواہ نے دراہم زیوف لے لئے تو گویا کہ اس نے اپنا حق لے لیا اور جب اپنا حق لے لیا تو اب اس کو مقروض پر رجوع کرنے کا حق نہیں ہے۔

**ووجوب رد الزیف علیہ:** شارح ایک عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں طرفین کی طرف سے کہ ہم اگر قرض خواہ پر یہ بات لازم کریں کہ تم ضرور دراہم زیوف کا مثل واپس کرو تاکہ تجھے دراہم جیاد مل جائیں تو اس صورت میں قرض خواہ پر دراہم زیوف کا مثل لازم کر دیا گیا یعنی ضرر لازم کر دیا گیا تاکہ اس کو دراہم جیاد مل جائیں تو یہ قرض خواہ پر ضرر لازم کرنا ہے قرض خواہ کے نفع کیلئے اور اپنے آپ پر ضرر لازم کرنا اپنے فائدے کیلئے شریعت اسلام میں اسکی کوئی نظیر نہیں ہے لہذا دراہم زیوف واپس

کرنا اور درہم جیاد واپس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

یہ رد علیہ اعتراض طرفین کی دلیل پر اعتراض ہے اعتراض یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ اپنے آپ پر ضرر لازم کرنا اپنے فائدے کیلئے شریعت میں اس کی کوئی نظیر نہیں حالانکہ ہم آپ کو دکھادیں گے کہ شریعت میں اس کی نظیر ہے تو ہم کہتے ہیں کہ شریعت اسلام کے تمام احکام اس قبیل سے ہیں کیونکہ تمام احکام میں تھوڑی سی تکلیف ہے اور پھر بہت سارا نفع ہے یعنی اجر

ثواب ہے ☆ واللہ اعلم ☆

ولو افرخ او باض طیر فی ارض اور تکسر ظمی فیہا فهو للاخذ ای لایکون لصاحب الارض لان الصيد لمن اخذ والمراد بتکسر الظمی انکسار رجله وانما قال تکسر لانه کو کسرہا احد یکون لہ لالاخذ وفي بعض الروایات تکنس ای دخل فی الکناس وهو ماواه بخلاف ما اذا اعد صاحب الارض ارضه لذلك وبخلاف ما اذا عئسل النحل فی ارضه کصيد تعلق بشبكة نصبت للجفاف ودرهم ودنانیر او سکر نثر فوق علی ثوب لم یعد له ولم یکف حتی ان اعد الثوب لذلك فهو لصاحب الثوب وكذا ان لم یعد له لکن لما وقع کفه صار بهذا الفعل له

ترجمہ: گر بچے نکالے یا اٹھے دئے پرندوں نے کسی کی زمین میں یا ہرن کا پاؤ ڈٹوٹ گیا اس میں تو یہ پکڑنے والے کیلئے ہوں گے زمین کے مالک کیلئے نہ ہوں گے کیونکہ شکار اسی کا ہوتا ہے جس نے پکڑ لیا اور ہرن کے پاؤ ڈٹوٹنے سے مراد یہ ہے کہ اس کا پاؤ خود بخود ڈٹوٹ گیا اور یہ کہا کہ خود بخود ڈٹوٹ گیا اگر کسی نے توڑ دیا ہو تو پھر اسی کا ہو گا نہ کہ پکڑنے والے کیلئے اور بعض روایات میں تکنس ہے یعنی کناس میں داخل ہوا اور کناس ہرن کا ٹھکانہ ہے برخلاف اس کے کہ مالک نے اپنی زمین اسی کیلئے تیار کی ہو اور برخلاف اس کے کہ شہد کی کھیوں نے شہد جمع کیا ہو کسی کی زمین میں جیسے کہ شکار پھنس گیا ہو جال میں جو سکھانے کیلئے پھلایا گیا ہو اور درہم و دنانیر اور شکر جن کو بکھیرا گیا اور گر گئے کپڑے پر جو اس کے لئے تیار نہ کیا گیا ہو اور نہ اس نے روک لیا ہو لیکن اگر تیار کیا گیا ہو اس کے لئے تو یہ کپڑے کے مالک کے ہوں گے اسی طرح اگر اس کے لئے تیار تو نہ کیا گیا ہو لیکن جب اس پر گر گیا تو اس نے روک لیا تو اس کے اس عمل سے بھی اس کے ہو گئے۔

تشریح: اگر پرندوں نے زمین میں اٹھے دئے یا بچے نکالے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کی زمین میں پرندوں نے اٹھے دئے یا بچے نکالے یا ہرن کا پاؤ خود بخود ڈٹوٹ گیا یا ہرن نے کسی کی زمین میں اپنے رہنے کیلئے گھر بنایا تو اس صورت میں مذکورہ چیزیں مالک کی نہ ہوں گی بلکہ جو پہلے پکڑے گا وہی آدمی ان چیزوں کا مالک ہوگا

اس لئے کہ مذکورہ چیزیں مباح الاصل ہیں جو پہلے کڑے گا وہ اس کا مالک ہوگا اور نیز یہ چیزیں شکار ہیں اور شکار اسی کا ہوتا ہے جو پہلے کڑتا ہے۔

**والمراد بتکسر الظبی** : فرماتے ہیں کہ تکسر الظبی سے مراد یہ ہے کہ ہرن کا پاؤ زمین میں خود بخود ٹوٹ جائے تو اس صورت میں شکار کڑنے والے کا ہوگا زمین کے مالک کا نہ ہوگا لیکن اگر ہرن کا پاؤ خود بخود نہ ٹوٹا ہو بلکہ کسی نے توڑ دیا ہو تو اس صورت میں کڑنے والے کا نہ ہوگا بلکہ اسی کا ہوگا جس نے پاؤ توڑ دیا ہے اور بعض روایات میں تکسر الظبی کے بجائے تکنس ہے تکنس کے معنی ہے ہرن کا اپنے لئے ٹھکانہ بنانا یعنی اگر ہرن نے کسی کج زمین میں اپنے لئے ٹھکانہ بھی بنایا ہو تب بھی صاحب زمین کا نہ ہوگا بلکہ کڑنے والے کا ہوگا اسی طرح انڈا دینا بھی شکار کی طرح ہے کیونکہ انڈا شکار کی اصل ہے یہ اس وقت ہے کہ صاحب زمین نے اپنی زمین شکار کے واسطے نہ تیار کر رکھی ہو لیکن اگر اس نے زمین ہی شکار کیلئے تیار کر رکھی ہو تو اس صورت میں شکار کڑنے والے کیلئے نہ ہوگا بلکہ صاحب زمین کیلئے ہوگا اور وہ اس کا مالک ہوگا۔

**وبخلاف ما اذا عسل النحل** : اگر کسی کی زمین میں شہد کی کھیوں نے شہد جمع کیا ہو تو زمین کا مالک اس شہد کا مالک ہوگا کیونکہ شہد ایسی چیز ہے جو زمین کی پیداوار اور حاصلات میں سے ہے اور زمین کے تابع ہے۔

**کصيد تعلق** . اگر ایک آدمی نے جال خشک کرنے کیلئے پھیلا تھا کہ اس میں شکار پھنس گیا تو یہ شکار مالک کا نہ ہوگا بلکہ جس نے کڑ لیا اسی کا ہوگا اور اگر اس نے جال پھیلا یا ہی شکار کیلئے تھا تو پھر شکار مالک کا ہوگا کڑنے والے کیلئے نہ ہوگا اسی طرح اگر کسی نے شرنی یعنی چھوڑے یا درہم بکھیر دئے جیسے کہ شادی وغیرہ میں بکھیر دئے جاتے ہیں اور وہ کسی کے کپڑے میں لگ گئے اور اس نے کپڑا اسی کیلئے پھیلا یا نہ تھا تو یہ کپڑے کے مالک کے نہ ہوں گے بلکہ جس نے اٹھائے اسی کا ہوگا اور اگر کپڑے کے مالک نے کپڑا اسی کیلئے پھیلا تھا یا کپڑا اسی کیلئے پھیلا یا تو نہ تھا لیکن جب اس میں شرنی لگ گئی تو اس نے کپڑے کو سمیٹ لیا تو ان دونوں صورتوں میں شرنی اور درہم کپڑے کے مالک کے ہوں گے کیونکہ اس صورت میں مالک کی طرف سے فعل پایا گیا ہے جو اس کی ملکیت پر دلالت کرتا ہے

☆ واللہ اعلم ☆

10 مارچ 2007ء

19 صفر المعظم 1428ھ

# کتاب الصرف

هو بیع الثمن بالثمن جنسا بجنس او بغير جنس کبیع الذهب بالذهب و بیع الفضة بالفضة و بیع

الذهب بالفضة و شرط فيه التقابض قبل الافتراق

ترجمہ۔ اور یہ ثمن کو بیچنا ہے ثمن کے عوض جنس کو جنس کے عوض یا غیر جنس کے عوض جیسے سونے کو سونے کے عوض اور چاندی کو چاندی کے عوض بیچنا اور سونے کو چاندی کے عوض اور شرط ہے اس میں قبضہ کرنا جدا ہونے سے پہلے۔

تشریح: بیع صرف کا لغوی و اصطلاحی معنی: صرف لغت میں دو معنوں کیلئے آتا ہے (۱) صرف کا لغوی معنی ہے منتقل کرنا اور پھیرنا کیونکہ اس عقد میں بھی عوضین کا ہاتھ در ہاتھ منتقل کرنا اور پھیرنا لازم ہے (۲) صرف لغت میں زیادتی کے معنی میں آتا ہے اس وجہ سے عبادت نافلہ کو صرف کہا جاتا ہے اور عقد صرف میں بھی چونکہ زیادتی مقصود ہوتی ہے کیونکہ سونا اور چاندی کی ذات سے نفع حاصل نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو بڑھا کر زیادتی مقصود ہوتی ہے۔

اصطلاحی معنی: بیع صرف اصطلاح میں بیع الثمن بالثمن کو کہتے ہیں یعنی ثمن کو ثمن کے عوض فروخت کرنا۔

بیع صرف کی صورتیں... بیع صرف کی تین صورتیں ہیں (۱) سونا سونے کے عوض (۲) چاندی چاندی کے عوض (۳) ایک کو دوسرے کے عوض یعنی سونے کو چاندی کے عوض اور چاندی کو سونے کے عوض فروخت کرنا

بیع صرف کے شرائط... (۱) پہلی شرط یہ ہے کہ تقابض فی المجلس شرط ہے یعنی یہ ضروری ہے کہ عاقدین ہر ایک عوض پر قبضہ کر لیں جدا ہونے سے پہلے پہلے (۲) عوضین پر مجلس عقد کے اندر قبضہ کرنا شرط ہے۔ بیع صرف کے ثمن میں قبضے سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہے

وصح بیع الذهب بالفضة بفضل و جزاف لابیع الجنس بالجنس الامتساویا وان اختلفا جودة

وصیایة وانما ذکر الفضل و الجزاف ولم يذكر التساوی لانه لاشبهة فی جواز التساوی بل الشبهة فی

الفضل و الجزاف فذكرهما

ترجمہ... اور صحیح ہے بیچنا سونے کا چاندی کے عوض زیادتی اور انکل کے ساتھ نہ کہ جنس کی بیع جنس کے عوض مگر برابری کے ساتھ

اگرچہ دونوں مختلف ہوں کھرے ہونے اور ڈھلائی میں اور ذکر کیا زیادتی اور انکل کو اور تساوی کو ذکر نہ کیا کیونکہ تساوی کے جواز میں کوئی شبہ نہیں بلکہ شبہ زیادتی اور انکل میں ہے تو ان دونوں کو ذکر کیا۔

**تشریح: بیع صرف میں جب جنس، خلاف جنس کے عوض ہو:**

مسئلہ یہ ہے کہ بیع صرف میں جنس جب خلاف جنس کے عوض بیچا جائے مثلاً سونے کو چاندی کے عوض بیچا جائے تو تقاضا اور انکل دونوں جائز ہیں البتہ ادھار حرام ہے اور اگر جنس کو جنس کے عوض بیچا جائے تو اس میں تساوی ضروری ہے اور انکل سے بیچنا بھی ناجائز ہے اور ادھار بھی حرام ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ سونے کو سونے کے عوض نہ بیچو مگر برابری کے ساتھ اور ہاتھ در ہاتھ یعنی مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ شرط ہے اور اس میں کھر اور کھوٹا ہونے کا بھی اعتبار نہیں کیونکہ حدیث شریف میں ہے جیدہ اور دبھا سواہ کہ کھر اور کھوٹا برابر ہے اسی طرح ڈھلائی کا بھی اعتبار نہیں ہے

**وانما ذکر الفضل والجزاف ...** شارح فرماتے ہیں کہ مصنف نے بیع الذہب بالفضة میں فضل اور جزاف کا ذکر کیا اور تساوی کا ذکر نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ تساوی کے ساتھ بیچنے کے جواز میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہے شبہ تو زیادتی اور انکل کے ساتھ بیچنے میں ہے تو اس کا ذکر کیا کہ جب خلاف الجنس ہو تو زیادتی اور انکل کے ساتھ بیچنا بھی جائز ہے

ولا التصرف فی ثمن الصرف قبل قبضه فلو اشتری به ثوبا فسد شراء الثوب ای لو اشتری بثمان الصرف قبل قبضه ثوبا فسد شراء الثوب

ترجمہ اور صحیح نہیں ہے تصرف کرنا بیع صرف کے ثمن میں قبضہ کرنے سے پہلے پس اگر کسی نے خرید لیا ثمن صرف کے عوض میں کپڑا تو فاسد ہے کپڑے کا خریدنا یعنی اگر کسی نے خرید لیا ثمن صرف کے عوض قبضہ کرنے سے پہلے کپڑا تو کپڑے کا خریدنا فاسد ہے

**تشریح: بیع صرف کے عوض میں قبضے سے پہلے تصرف کرنا:**

مسئلہ یہ ہے کہ بیع صرف کے ثمن میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے قبضے سے پہلے بیع صرف میں دونوں جانبین ثمن ہوتا ہے لہذا دونوں عوضین میں قبضے سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہے پس اگر کسی نے دراہم کو دنانیر کے عوض بیچ دیا اور ابھی تک دراہم پر قبضہ نہ کیا ہو کہ دراہم کے عوض اس سے کپڑا خرید لیا تو کپڑے کی بیع فاسد ہے کیونکہ بیع صرف میں اللہ تعالیٰ کے حق کی وجہ سے قبضہ واجب ہے اور دراہم پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کے عوض کپڑا خریدنے سے اللہ تعالیٰ کے حق کو باطل کرنا لازم آتا ہے اور ابطال حق اللہ

حرام ہے لہذا قبضے سے پہلے ٹمن میں تصرف حرام ہے۔

ومن باع امة تعدل الف درهم مع طوق الف بالفین ونقد من الثمن الفا او باعها بالفین الف نسیئة والف نقد او باع سیفا حلیتہ خمسون وتخلص بلا ضرر بمائة ونقد خمسين فما نقد ثمن الفضة وهو الالف فی بیع الامة والخمسين فی بیع السیف سکت او قال خذ هذا من ثمنها اما اذا سکت فظاهر لانه لما باع فقد قصد الصحة ولا صحة الابان يجعل المقبوض فی مقابلة الفضة واما اذا قال خذ هذا من ثمنها فانه لیس معناه خذ هذا علی انه ثمن مجموعهما لان ثمن المجموع الثمان فی الجارية والمائة فی السیف فمعناه خذ هذا علی انه بعض ثمن مجموعهما و ثمن الفضة بعض ثمن المجموع فیحمل علیہ تحریبا للجواز .

ترجمہ... اور جس نے بیچ دی ایسی باندی جو ہزار درہم کی برابر ہے طوق کے ساتھ دو ہزار کے عوض اور ادا کیا ٹمن سے ہزار یا بیچ دیا اس باندی کو دو ہزار کے عوض ہزار ادھار ہے اور ہزار نقد یا بیچنی تلوار جس کا زیور پچاس درہم کا ہے اور زیور اس سے جدا ہو سکتا ہے بغیر نقصان کے سو درہم کے عوض اور ادا کئے پچاس درہم تو جو ادا کیا ہے وہ چاندی کا ٹمن ہے یعنی ہزار باندی کی بیچ میں اور پچاس تلوار کی بیچ میں چاہے خاموشی اختیار کی ہو اور یا کہا ہو کہ یہ لے لو دونوں کے ٹمن سے پس اگر خاموش رہا تو ظاہر ہے کیونکہ جب اس نے بیچا ہے تو اس نے صحیح ہونے کا قصد کیا ہے اور صحیح ہو نہیں سکتا مگر یہ کہ مقبوض کو چاندی کا عوض قرار دیا جائے اور جب کہا کہ یہ لے لو دونوں کے ٹمن سے تو اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ یہ لے لو اس شرط پر کہ یہ مجموعے کا ٹمن ہے کیونکہ مجموعے کا ٹمن تو دو ہزار درہم ہے باندی میں اور سو درہم ہے تلوار میں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ لے لو اس شرط پر کہ یہ دونوں کے مجموعے کا ٹمن کا بعض ہے اور چاندی کا ٹمن مجموعے کا بعض ہے تو اس پر حمل کیا جائے گا جواز کو تلاش کرنے کیلئے۔

**تشریح:** ایک باندی جس کی گردن میں چاندی کا ہار ہو دو ہزار کے عوض خریدنا:

یہ مسئلہ سیف محلی کے نام سے مشہور ہے۔ اس مسئلے کی وضاحت کیلئے مصنف نے تین صورتیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک باندی خرید لی جس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے اور باندی کی گردن میں چاندی کا ایک ہار بھی ہے جس کی قیمت بھی ایک ہزار درہم ہے اور مشتری نے یہ باندی دو ہزار درہم کے عوض خرید لی اور ٹمن سے صرف ایک ہزار درہم ادا کئے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ باندی اور ہار کو دو ہزار کے عوض اس طور پر خرید لیا کہ ایک ہزار درہم نقد ادا کئے اور ایک ہزار ادھار



ہے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک ایسی تلوار خرید لی جس پر چاندی کا زیور چڑھا ہوا ہے پچاس درہم تلوار کی قیمت ہے اور پچاس درہم زیور کی قیمت ہے اور مشتری نے پچاس درہم ادا کئے تو تینوں صورتوں میں جو درہم اس نے نقد ادا کئے ہے وہ اس چاندی کا عوض ہے جو طوق میں یا تلوار میں ہے یعنی باندی کی بیع کی صورت میں جو ایک ہزار نقد ادا کیا ہے وہ طوق کا ثمن ہے اور تلوار کی بیع میں جو پچاس درہم نقد ادا کیا ہے وہ زیور کا ثمن ہے چاہے اس نے یہ کہا ہو کہ یہ طوق کا ثمن یا زیور کا ثمن لے لو یا یہ کہا ہو کہ دونوں کا عوض لے لو۔

وجہ اسکی یہ ہے کہ ایک ہزار درہم اور طوق کی آپس میں بیع صرف ہے اور اسی طرح پچاس درہم اور تلوار کے زیور میں بیع صرف ہے اور ایک ہزار درہم اور باندی کی آپس میں مطلق بیع ہے اسی طرح تلوار اور پچاس درہم میں بیع مطلق ہے۔۔۔ بیع صرف میں قبضہ فی المجلس ضروری ہے اور قبضے سے پہلے جدا ہونے سے عقد فاسد ہو جاتا ہے۔ اور یہاں پر بائع اور مشتری دونوں مسلمان ہیں اور مسلمان کی شان یہ ہے کہ یہ عقد صحیح کا ارتکاب کرے گا نہ کہ عقد فاسد کا اور اس عقد کی صحت کی صورت صرف یہی ہے کہ جو درہم نقد ادا کئے ہے اسکو چاندی کا عوض قرار دیا جائے یہ اس صورت میں کہ جب مشتری نے ایک ہزار نقد ادا کئے اور خاموش رہا اور اگر مشتری نے یہ کہا کہ یہ ہزار دونوں کا عوض ہے تو اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ یہ لے لو یہ پورے مجموعے کا عوض ہے کیونکہ یہ پورے مجموعے کا عوض نہیں ہے کیونکہ پورا مجموعہ تو دو ہزار درہم ہے باندی میں اور ایک سو درہم ہے تلوار میں بلکہ اس (خذ هذا من ثمنهما) کا معنی یہ ہے کہ یہ (ایک ہزار درہم) دونوں کے مجموعے کا بعض ثمن ہے اور چاندی کا ثمن بھی مجموعہ ثمن کا بعض حصہ ہے تو من ثمنہما کو اس احتمال پر حمل کیا جائے گا تا کہ عقد صحیح ہو اور فاسد نہ رہے تو اس صورت میں طوق اور تلوار کے زیور دونوں میں عقد صحیح ہو جائے گا۔

فان الترفا بلا قبض بطل فی الحلیة فقط وان لم يتخلص بلا ضرر بطل اصلا ای ان لم یکن يتخلص الحلیة من السیف بلا ضرر والترفا بلا قبض بطل فی کلیهما ووجدت علی حاشیة نسخة المصنف مع علامته صح لکن لا یخط المصنف هذا اللاحق وهو وهذا التفصیل اذا كان الثمن اکثر من الحلیة فان لم یکن لا یصح فقوله وان لم یکن یشمل ما اذا كان الثمن مساویا للحلیة او اقل منها او لا یدری فانه لا یجوز البیع اما التحق الربوا او لشبهته.

ترجمہ۔ اگر دونوں جدا ہو گئے قبضے کے بغیر تو بیع باطل ہے زیور میں نقد اور اگر الگ نہیں ہو سکتا بغیر نقصان کے تو باطل ہے اصل

سے یعنی اگر جدا نہیں ہو سکتا زیور تکوار سے بغیر ضرر کے اور دونوں جدا ہو گئے قبضے کے بغیر تو بیع باطل ہے دونوں میں اور میں نے پایا ہے مصنف کے نسخے کے حاشیے پر اس کی علامت کے ساتھ صحیح لیکن مصنف کے خط کے ساتھ نہیں یہ الحاق اور تفصیل اس وقت ہے جبکہ ثمن زیادہ ہو زیور سے اگر زیادہ نہ ہو تو صحیح نہیں مصنف کا قول وان لم یکن شامل ہے اس صورت کو کہ جب ثمن مساوی ہو زیور کے ساتھ یا اس سے کم ہو اور یا معلوم نہ ہو تو پھر جائز نہیں ہے یا تو ربوا کے تحقق ہونے کی وجہ سے یا ربوا کے شبہ کی وجہ سے تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ تکوار جب زیور کے ساتھ بیچا ہو اور مجلس عقد میں ثمن پر قبضہ کیا تو اگر تکوار سے زیور بغیر ضرر کے جدا ہو سکتا ہو تو تکوار کی بیع جائز ہو جائے گی اور زیور کی بیع فاسد ہوگی کیونکہ زیور میں بیع صرف ہے اور بیع صرف میں قبضہ کرنے سے پہلے اگر دونوں جدا ہو جائے تو بیع فاسد ہوتی ہے لہذا زیور میں بیع فاسد ہوگی اور تکوار میں جائز ہوگی اس لئے تکوار کے حق میں فساد نہیں ہے اور اگر زیور تکوار سے جدا نہیں ہو سکتا ہے ضرر کے بغیر یعنی جدا کرنے سے بائع پر ضرر زائد لاحق ہوتا ہے جس کا بائع مستحق نہیں ہے اور اس حالت میں بائع اور مشتری دونوں قبضے کے بغیر جدا ہو گئے تو تکوار اور زیور دونوں میں بیع باطل ہے اور یہ تفصیل اس صورت میں ہے جبکہ وہ چاندی جو الگ ہے جس کو ثمن بنایا گیا ہے وہ زیادہ ہو اس چاندی سے جو طوق یا تکوار میں ہے کیونکہ کچھ چاندی اس چاندی کے عوض میں ہو جائے گی جو طوق یا تکوار کا زیور ہے اور باقی چاندی باندی اور تکوار کا عوض ہو جائے گی لیکن اگر وہ چاندی جو ثمن بنایا گیا اس چاندی کے برابر ہو جو بیع کے ساتھ پیوستہ ہے یا اس سے کم ہو یا اس کی مقدار معلوم نہ ہو تو ان صورتوں میں بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ جس صورت میں ثمن کی چاندی اس چاندی کے برابر ہے جو بیع میں ہے یا کم ہے تو اس صورت میں ربوا لازم آئے گا برابری کی صورت میں تو چاندی، چاندی کے عوض میں ہوگی تکوار اور باندی اس کو بلا عوض مل گئیں اور کمی کی صورت میں تکوار اور کچھ چاندی اسی طرح باندی اور کچھ چاندی بلا عوض رہ گئی اور عقد بیع میں کسی چیز کا بلا عوض رہنا ربوا ہے اس لئے ان دونوں صورتوں میں ربوا لازم آتا ہے تحقیقاً۔

اور اگر ثمن کی چاندی معلوم نہ ہو کہ کتنا ہے تو اس صورت میں ربوا کا احتمال ہے اس لئے کہ اس میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ثمن کی چاندی اس چاندی سے زائد ہو جو بیع کے ساتھ پیوستہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسکے ساتھ برابر ہو یا کم ہو بہر حال اس میں ربوا کا احتمال ہے اور احتمال ربوا بھی حقیقت ربوا کی طرح حرام ہے اس لئے یہ صورت بھی ناجائز ہے۔

وجدت علی حاشیة نسخة المصنف: شارح فرماتے ہیں کہ میں نے مصنف کے نسخے کے حاشیہ پر یہ عبارت اس کی علامت ”صح“ کے ساتھ دیکھی ہے ”لیکن وہ عبارت مصنف کے قلم سے نہیں ہے بلکہ کسی اور کے قلم سے ہے اور وہ عبارت یہ ہے ”وهذا التفصیل اذا كان الثمن اكثر من الحلیفان لم یکن لایصح“ متقدمین کی یہ عادت تھی

کہ جب کتاب تصحیح کرتے تو تصحیح کرتے وقت کتاب کے حاشیہ پر تصحیح شدہ عبارت لکھ دیتے اور اس کے ساتھ لفظ صحیح بھی لکھ دیتے اور یہ لفظ صحیح اس بات کی علامت ہوتی کہ یہ عبارت بھی متن ہے شرح نہیں ہے تو شارح فرماتے ہیں کہ میں نے بھی مصنف کی کتاب کے حاشیہ پر یہ عبارت دیکھی ہے لفظ صحیح کے لیکن یہ خط مصنف کا نہیں ہے بلکہ کسی اور کا خط ہے۔

ومن باع اناة فضة وقبض بعض ثمنه ثم افرقا صح فيما قبض فقط واشتركا في الاناء اى صح البيع فيما قبض ثمنه وفسد فيما لم يقبض ولا يشيع الفساد كما ذكرنا في باب السلم ان الفساد طار وان استحق بعضه اخذ المشتري باقيه بحصته او رده اى ان استحق بعض الاناء فالمشتري بالخيار لان الشركة عيب في الاناء وفي صورة قبض بعض الثمن قد ثبت الشركة لكن لا يكون للمشتري الرد بهذا العيب لانه ثبت برضى المشتري لان الشركة الما يثبت من جهته لانه نقد بعض الثمن دون البعض فتراضيا بهذا العيب بخلاف الاستحقاق اذ المشتري لم يرض به فله ولاية الرد .

ترجمہ۔ اور جس نے بیچا چاندی کا برتن اور بعض ثمن پر قبضہ کر لیا پھر دونوں جدا ہو گئے تو صحیح ہے صرف اس حصے میں جس پر قبضہ کر چکا ہے اور دونوں شریک ہوں گے برتن میں یعنی صحیح ہے بیچ اس میں جس پر قبضہ کر چکا ہے اور فاسد ہے اس حصے میں جس پر قبضہ نہیں کیا ہے اور فساد پھیلے گا نہیں جیسے کہ ہم ذکر کر چکے ہیں باب سلم میں کہ فساد طاری ہے اگر مستحق ہو گیا بعض برتن تو لے گا مشتری باقی کو اسکے حصہ ثمن کے عوض یا واپس کر دے یعنی اگر مستحق ہو گیا بعض برتن تو مشتری کو اختیار ہے کیونکہ شرکت عیب ہے برتن میں اور بعض ثمن پر قبضہ کرنے کی صورت میں شرکت ثابت ہو گئی ہے لیکن مشتری کو واپس کرنے کا اختیار نہیں ہے اس عیب کی وجہ سے کیونکہ یہ ثابت ہو گئی ہے مشتری کی رضامندی سے کیونکہ شرکت اس کی طرف سے ثابت ہو گئی ہے اس لئے کہ اس نے بعض ثمن ادا کیا ہے اور بعض نہیں تو دونوں راضی ہو گئے ہیں اس عیب پر بخلاف استحقاق کے اس لئے کہ مشتری اس پر راضی نہیں ہے تو اس کو واپس کرنے کا اختیار ہے۔

تشریح: جس نے چاندی کا برتن بیچ دیا اور بعض ثمن پر قبضہ کیا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے چاندی کا ایک برتن فروخت کیا اور پورے ثمن پر قبضہ نہ کیا بلکہ بعض ثمن پر قبضہ کیا اور اس حالت میں جدا ہو گئے تو جس مقدار پر قبضہ کیا ہے اس کے بقدر عوض میں عقد صحیح ہے اور باقی میں باطل ہے اور برتن دونوں کے درمیان مشترک ہے مثلاً چاندی کا ایک برتن سو درہم وزن کا ہے مشتری نے اس کو خرید لیا سو درہم کے عوض میں اور پچاس درہم ادا کر دئے اور پچاس باقی ہے تو پچاس درہم کے عوض میں عقد صحیح ہے اور باقی میں باطل ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ عقد صرف ہے

اور عقد صرف میں جدا ہونے سے پہلے پہلے عوضین پر قبضہ کرنا شرط ہے پس جس قدر مقدار میں شرط پائی گئی اس میں عقد صحیح ہوگا اور جتنے حصے میں شرط نہیں پائی گئی اس میں عقد فاسد ہوگا تو پچاس درہم کے عوض میں عقد صحیح ہے اور پچاس درہم کے عوض میں باطل ہے اور یہ برتن بائع اور مشتری کے درمیان مشترک ہوگا

**ولایشیع الفساد....** سے ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض.... یہ ہے کہ جب قبضہ نہ پائے جانے کی وجہ سے نصف برتن میں عقد فاسد ہو گیا تو یہ فساد پوری بیع میں پھیل جانا چاہئے اور پورا عقد فاسد ہونا چاہئے۔

جواب... جواب یہ ہے کہ فساد دو قسم پر ہے (۱) فساد اصلی (۲) فساد طاری فساد اصلی وہ ہے جو ابتدائے عقد میں فساد ہو اور اگر عقد صحیح منعقد ہوا اور فساد بعد میں پیدا ہو گیا ہو اس کو فساد طاری کہتے ہیں فساد اصلی کی صورت میں پورا عقد فاسد ہو جاتا ہے اور فساد طاری کی صورت میں پورا عقد فاسد نہیں ہوتا بلکہ فساد بقدر مفسد ہوتا ہے یعنی جس قدر بیع میں فساد ہو اسی تک فساد منحصر رہے گا اور پوری بیع میں نہیں پھیلے گا تو یہاں پر بھی فساد طاری ہے اصلی نہیں ہے لہذا صرف آدمی بیع میں فساد ہوگا اور آدمی میں نہ ہوگا جیسے کہ اس کی تفصیل باب السلم میں گزر گئی ہے۔

**وان استحق بعضہ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں اگر برتن کسی کا مستحق ہو گیا یعنی بائع اور مشتری کے علاوہ کوئی اور شخص اس کا مستحق ظاہر ہو اور اس نے آدھا برتن استحقاقاً لے لیا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے باقی برتن کو اسکے حصے ثمن کے عوض لے لے یا برتن واپس کر دے اور بائع سے اپنا ثمن واپس لے لے کیونکہ برتن میں شرکت عیب ہے اور اس عیب پر مشتری راضی نہیں ہے لہذا اس کو اختیار ہے۔

**وفی صورة قبض بعض الثمن...** ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض... یہ ہے کہ جب مشتری نے بعض ثمن ادا کیا اور بعض ادا نہیں کیا اس صورت میں بھی تو شرکت موجود ہے تو اس صورت میں بھی عیب شرکت کی وجہ سے مشتری کو اختیار دینا چاہئے حالانکہ اس صورت میں آپ مشتری کو اختیار نہیں دیتے واپس کرنے کا۔

جواب... جواب یہ ہے کہ اس صورت میں یہ عیب مشتری کی وجہ سے پیدا ہوا ہے کیونکہ مشتری نے پورا ثمن مجلس عقد میں ادا نہیں کیا ہے اگر مشتری پورا ثمن ادا کرتا تو عیب شرکت لازم نہ آتا لیکن مشتری نے پورا ثمن ادا نہیں کیا ہے اس وجہ سے اس میں شرکت کا عیب پیدا ہو گیا ہے تو گویا مشتری اس عیب پر راضی ہے اور جب مشتری عیب پر راضی ہے تو اس کو واپس کرنے کا اختیار نہ ملے گا برخلاف اس صورت کے کہ برتن کا کوئی مستحق نکل آیا تو اس صورت میں عیب مشتری کی وجہ سے نہیں آیا ہے بلکہ بائع کی

بجہ سے آیا ہے کہ بائع نے اس کو مشترک برتن فروخت کیا ہے اور شرکت پر مشتری راضی نہیں ہے لہذا مشتری کو اختیار ملے گا کہ چاہے تو لے لے یا واپس کر دے۔

ولو استحق بعض قطعة نقرة بيعت اخذ ما بقى بحصته بلا خيار لان الشركة ليست بعيب في قطعة النقرة لان التبعض لا يضره

ترجمہ... اور اگر چاندی کے ٹکڑے کا بعض حصہ مستحق ہو گیا جو بیچا گیا ہو تو لے گا باقی کو اس کے حصہ ثمن کے عوض بغیر اختیار کے کیونکہ شرکت عیب نہیں ہے چاندی کے ٹکڑے میں کیونکہ کاٹنا اس کو ضرر نہیں دیتا۔

تشریح... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے چاندی کا ایک ٹکڑا فروخت کیا اور مشتری نے لے لیا اس کے بعد اس کا کوئی مستحق ظاہر ہوا یعنی ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ اس میں کچھ حصہ میرا ہے اور اس نے اپنا حصہ ثابت کر کے لے لیا تو مشتری باقی چاندی کے حصے کو لے گا اس کے حصہ ثمن کے عوض میں اور اس کو لینے اور نہ لینے کا اختیار نہ ہوگا بلکہ ہر حال میں لینا ہوگا کیونکہ چاندی کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا عیب نہیں ہے اور جب ٹکڑے کرنا عیب نہیں ہے تو اس میں شرکت بھی عیب نہ ہوگا اور جب شرکت عیب نہیں ہے تو مشتری کو واپس کرنے کا اختیار بھی نہ ہوگا۔

وصح بيع درهمين ودينار بدرهم ودينارين وبيع كبر وكر شعير بكري بر وكري شعير هذا عندنا واما عند زفر والشافعي فلا يجوز لانه قابل الجملة بالجملة ومن ضرورته الانقسام على الشيوع وفي صرف الجنس الى خلاف الجنس تغير تصرفه قلنا المقابلة المطلقة يحتمل الصرف المذكور وليس فيه تغيير تصرفه لان موجه ثبوت الملك في الكل بمقابلة الكل فيكون الدرهمان في مقابلة الدينارين والدينار في مقابلة الدرهم ويكون كبر البر في مقابلة كرى الشعير وكر الشعير في مقابلة كرى البر

ترجمہ... اور صحیح ہے بیچنا دو درہم اور ایک دینار کا ایک درہم اور دو دینار کے عوض اور ایک کرگندم اور ایک کر جو کا دو کرگندم اور دو کر جو کے عوض بیچنا یہ ہمارے نزدیک ہے امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ اس نے مجموعہ کا مجموعہ کے ساتھ مقابلہ کیا ہے اور اس کا تقاضا مشترک طور پر ہوا ہے اور جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرنے میں اس کے تصرف کو متغیر کرنا لازم آتا ہے ہم کہتے ہیں کہ مطلقاً مقابلہ مذکورہ صورت کی طرف پھیرنے کا بھی احتمال رکھتا ہے اور اس میں اس کے تصرف کا متغیر کرنا لازم نہیں آتا کیونکہ اس کا موجب ملکیت ثابت کرنا ہے کل کے اندر کل کے مقابلے میں تو دو درہم دو دینار کے مقابلے میں ہوگا اور ایک دینار ایک درہم کے مقابلے میں اور ایک کرگندم دو کر جو کے مقابلے میں ہے اور ایک کر جو دو کرگندم کے مقابلے میں ہوگا

تشریح دو درہم اور ایک دینار کو دو دینار اور ایک درہم کے عوض بیچنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے دو درہم اور ایک دینار کو ایک درہم اور دو دینار کے عوض فروخت کیا یا ایک کرگندم اور دو کر جو کو ایک کر جو اور دو کرگندم کے عوض فروخت کیا تو ہمارے نزدیک یہ بیع جائز ہے کیونکہ ہمارے یہاں قاعدہ یہ ہے کہ اگر مختلف اجنس اموال ربوہ میں ایک جنس کو اسی کی جنس کا بدل ٹہرانے میں عقد فاسد ہوتا ہو تو جنس کو خلاف الجنس کی طرف پھیر دیا جائے گا تاکہ عقد فاسد ہونے سے بچ جائے یعنی دو درہم کو دو دینار کا عوض شمار کیا جائے گا اور ایک درہم کو ایک دینار کا عوض شمار کیا جائیگا اسی طرح ایک کرگندم کو دو کر جو کا عوض شمار کیا جائیگا اور ایک کر جو کو دو کرگندم کا عوض شمار کیا جائے گا اگر ایسا نہ کیا گیا بلکہ ایک درہم کو دو درہم کا عوض قرار دیا گیا اور ایک دینار کو دو دینار کا عوض قرار دیا گیا تو بولایم آئے گا اور بوا حرام ہے اس لئے یہ عقد بھی حرام ہوگا تو حرام سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیر دیا جائے۔

امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک یہ عقد جائز نہیں ہے۔

امام زفر اور امام شافعی کی دلیل..... یہ ہے کہ عاقدین نے کل کو کل کے مقابلہ میں ڈالا ہے یعنی انہوں نے تو دو درہم اور ایک دینار کا مجموعہ ایک درہم اور دو دینار کے مجموعہ کے ساتھ مقابلہ کیا ہے اور اس قابل کا تقاضا یہ ہے کہ انقسام بطریقہ شیوع ہو نہ بطریق تعین یعنی بدلیں میں سے ہر ایک بدل کا ہر جز دوسرے بدل کے ہر جز کے مقابل ہو تو دو درہم کا ہر جز دو دینار کے مقابلے میں بھی ہے اور اس کے ساتھ ایک درہم کے مقابلے میں بھی ہے اسی طرح ایک دینار کا ہر جز دو درہم کے مقابلے میں بھی ہے اور ایک دینار کے مقابلے میں بھی ہے تو یہ تقسیم بطریقہ شیوع ہے بطریقہ تعین نہیں ہے یعنی یہ نہیں ہے کہ دو درہم ایک دینار کے عوض میں ہے اور دو دینار ایک درہم کے مقابلے میں ہے یہ اس لئے کہ تعین کی صورت میں یعنی جنس کو خلاف الجنس کی طرف پھیرنے میں عاقدین کے تصرف کو متغیر کرنا لازم آتا ہے اور عاقدین کے تصرف کو متغیر کرنا جائز نہیں ہے

قلنا ہماری دلیل: یہ ہے کہ مذکورہ مقابلہ میں دو درہم اور ایک دینار کا جو مقابلہ ہے ایک درہم اور دو دینار کے ساتھ یہ مطلق مقابلہ ہے اس میں (۱) یہ بھی احتمال ہے کہ مجموعہ کا مقابلہ مجموعہ کیساتھ ہو (۲) اور یہ بھی احتمال ہے کہ فرد کا مقابلہ فرد کے ساتھ ہو یعنی مقابلہ مطلق میں جس طرح مقابلہ کل بالکل کا احتمال ہے اسی طرح مقابلہ فرد بالفرد کا بھی احتمال ہے تو مقابلہ کل بالکل کی صورت میں عاقدین کا تصرف فاسد ہو جاتا ہے اور مقابلہ فرد بالفرد کی صورت میں عاقدین کا تصرف صحیح ہو جاتا ہے لہذا عاقدین کے تصرف کو صحیح کرنے کیلئے اس عقد کو مقابلہ فرد بالفرد میں غیر جنسہ پر حمل کیا جائے گا۔

اور امام زفر اور امام شافعی کا یہ کہنا کہ اس میں عاقدین کے تصرف کو متغیر کرنا لازم آتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں عاقدین

کے تصرف کو متغیر کرنا لازم نہیں آتا کیونکہ موجب اور مقصود سب کا ثبوت ملک ہے کل میں کل کے مقابلے میں چاہے مقابلہ کل بالکل ہو یا مقابلہ فرد بالفرد ہو دونوں میں ملک کو ثابت کرنا ہے عاقدین کیلئے لہذا دو درہم دو دینار کے مقابلے میں ہوں گے اور ایک درہم ایک دینار کے مقابلے میں ہوگا اسی طرہ ایک کرگندم دو کر جو کے مقابلے میں ہوگی اور ایک کر جو دو کرگندم کے مقابلے میں ہوگا۔

وبیع احد عشر درهما بعشرة دراهم ودينار بان يكون عشرة دراهم بعشرة الدراهم بقى درهم فى مقابلة دينار .

ترجمہ۔ اور صحیح ہے پچھن گیارہ درہم کا دس درہم اور ایک دینار کے عوض تو دس درہم دس دینار کے عوض ہوں گے اور ایک درہم ایک دینار کے مقابلے میں ہو گیا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے گیارہ درہم کو دس درہم اور ایک دینار کے عوض فروخت کئے تو یہ بیع جائز ہے اور یہ کہا جائے گا کہ اس نے دس درہم کو دس درہم کے عوض فروخت کئے ہے اور ایک دینار کو ایک درہم کے عوض فروخت کیا ہے کیونکہ یہ عاقدین ہیں اور مسلمان کی شان یہ ہے کہ یہ عقد صحیح کا ارتکاب کرے گا نہ کہ عقد فاسد کا اور عقد کے صحیح ہونے کی یہ صورت ہے کہ دس درہم کو دس درہم کا عوض قرار دیا جائے اور ایک درہم کو ایک دینار کا عوض قرار دیا جائے۔

وبیع درهم صحيح ودرهمين بلسهمين صحيحين ودرهم غلۃ الغلۃ مايرده بيت المال وياخذ التجار وانما يجوز هذا لتحقق التساوى فى الوزن ومسقوط اعتبار الجودة.

ترجمہ۔ اور جائز ہے بیع ایک کھرے درہم اور دو کھوٹے درہم کی عوض میں دو کھرے درہم اور ایک کھوٹے درہم کی غلہ وہ درہم ہے جس کو بیت المال رد کرتا ہے اور تاجر لوگ لیتے ہیں اور یہ بیع جائز ہے کیونکہ برابری موجود ہے وزن میں اور کھرے ہونے کا اعتبار ساقط ہے۔

تشریح: جو دت اور رداءت کا اعتبار ساقط ہے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک درہم صحیح اور دو درہم کھوٹا کو فروخت کیا دو درہم صحیح اور ایک درہم کھوٹا کے عوض تو یہ بیع صحیح ہے اس لئے کہ کھرا ہونا اور کھوٹا ہونا وصف ہے اور درہم میں کھرے کھوٹے کا اعتبار نہیں کیونکہ جسدھا وردیہا سواء ہے تو یہ تین درہم کی بیع ہے تین درہم کے عوض اور یہ جائز ہے اس لئے یہ وزن میں سب برابر ہے۔

غلہ۔ ان دراهم کو کہتے ہیں جن کو بیت المال نہیں لیتا اور تاجر لوگ اس کو لیتے ہیں۔ صاحب اشرف الہدایہ فرماتے ہیں کہ غلہ کھوٹے دراهم کو نہیں کہتے بلکہ ان دراهم کو کہتے ہیں جو ریز گاری ہو یعنی ٹوٹے ہوئے ہو جیسے ہمارے زمانے میں انٹنی اور چونی یہ بھی پیسے ہیں لیکن اگر کوئی آدمی ان ٹوٹے ہوئے پیسوں کی ایک بوری بینک میں لے جائے تو بینک اس کو نہیں لیتا اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ مال نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ اسکا شمار کرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے بینک نہیں لیتا لیکن عام لین دین میں یہ پیسے چلتے ہیں اسی طرح دراهم غلہ بھی ہیں یعنی ٹوٹے ہوئے دراهم۔

وبیع من علیہ عشرة دراهم ممن ہی له دینارا بها مطلقۃ ان دفع الدینار وتقاصا العشرة بالعشرة ای لزید علی عمرو عشرة دراهم فباع عمرو دینارا من زید بعشرة مطلقۃ ای لم یضف العقد بالعشرة التی علی عمرو صح البیع ان دفع الدینار فصار لكل واحد منهما علی الآخر عشرة دراهم فتقاصا العشرة بالعشرة فیكون هذا التقاصی فسخا للبیع الاول وهو بیع الدینار بالعشرة المطلقة بیعا للدینار بالعشرة التی علی عمرو اذ لم یحمل علی هذا لکان استبدالاً ببديل الصرف ولا یجوز هذا اذا باع الدینار بالعشرة المطلقة اما اذا باعه بالعشرة التی لی علی عمرو صح ویقع المقاصة بنفس العقد .

ترجمہ: اور جائز ہے بیچنا اس کا جس پر دس دراهم قرض ہیں اس کو جس کا قرض ہے ایک دینار دس دراهم کے عوض مطلق بیچ کے ساتھ اگر دینار دیدیا اور دس درہم کا دس درہم کے ساتھ بلا کر دیا یعنی زید کا عمرو پر دس دراهم ہیں تو بیچ دیا عمرو نے زید کو ایک دینار دس درہم کے عوض مطلق بیچ کے ساتھ یعنی عقد کو منسوب نہیں کیا ان دس دراهم کو جو عمرو پر ہیں تو بیچ صحیح ہے اگر عمرو نے دینار دیدیا تو ہر ایک کا دوسرے پر دس درہم لازم ہو گئے پھر دس کو دس سے منہا کر دیا تو یہ مجری کرنا صحیح کرنا ہے بیچ اول کو اور وہ دینار کی بیچ ہے دس دراهم مطلق کے عوض اور بیچ ہے ایک دینار کی اس دس دراهم کے عوض جو عمرو پر ہیں اس لئے کہ اگر اس پر حمل نہ کیا جائے تو عقد صرف کے بدل کا استبدال لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں ہے یہ اس وقت ہے کہ دینار کو بیچ دیا مطلق دس دراهم کے عوض لیکن اگر بیچ دیا ان دس دراهم کے عوض جو عمرو پر ہیں تو صحیح ہے اور واقع ہوگا مجری کرنا نفس عقد سے۔

**تشریح: قرض دار کو دراهم کے عوض دینار فروخت کرنا:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید کے عمرو پر دس درہم قرض ہیں پھر عمرو نے زید کو ایک دینار فروخت کیا دس دراهم کے عوض تو اس بیچ کی چند صورتیں ہیں (۱) جو متن میں ہے کہ عمرو نے زید کو ایک دینار دس دراهم کے عوض فروخت کیا مطلق بیچ کے ساتھ (۲) یہ کہ عمرو نے زید کو ایک دینار فروخت کیا دس دراهم کے عوض اس شرط پر کہ یہ اس قرض کا عوض ہے جو زید کا عمرو پر ہے یہ صورت شرح میں



ذکر ہے۔

پہلی صورت کی تفصیل یہ ہے کہ زید کا عمرو پر دس درہم قرض ہے پھر عمرو نے زید کو ایک دینار فروخت کیا دس درہم کے عوض بیع مطلق کے ساتھ یعنی سابقہ قرض کا کوئی تذکرہ نہ ہوا اور عمرو نے زید کو دینار سپرد بھی کیا اور زید نے دینار پر قبضہ کر لیا تو یہ بیع صحیح ہے اب زید کا عمرو پر دس درہم لازم ہیں قرض کی وجہ سے اور عمرو کا زید پر دس درہم لازم ہو گئے بیع (ثانی) کی وجہ سے تو ہر ایک کا دوسرے پر دس درہم لازم ہو گئے پھر اسکے بعد دونوں نے دس دس درہم کا مقاصد کر لیا یعنی زید کے عمرو پر جو درہم تھے قرض کی وجہ سے اور عمرو کے زید پر جو دس درہم تھے بیع کی وجہ سے ان کا آپس میں ادلا بدلا یعنی دس کو دس سے منہا کر دیا تو یہ جائز ہے

سوال . جب بیع ثانی مطلق ہوئی تو بائع کو دس درہم پر قبضہ کرنا چاہئے اور قبضے سے پہلے اس کو قرض کے عوض منہا کرنا تو بدل صرف میں تصرف کرنا ہے اور بدل صرف میں استبدال قبضے سے پہلے ناجائز ہے۔

جواب .. یہ تقاضی دو باتوں کو متضمن ہے۔ یک یہ کہ پہلا عقد یعنی دینار اور درہم کے درمیان جو مطلق عقد ہوا تھا وہ عقد صحیح ہو گیا۔

دوم یہ کہ یہ عقد ان دس درہم کی طرف منسوب ہو گیا جو دس درہم عمرو (مقروض) پر لازم ہے گویا کہ عمرو (مقروض) نے یوں کہا کہ میں نے یہ دینار تیرے ہاتھ ان دس درہم کے عوض فروخت کیا جو تیرے مجھ پر واجب ہیں جب پہلا عقد صحیح ہو گیا اور عقد ثانی ان دس درہم کی طرف منسوب ہو گیا جو مقروض کے مقروض پر لازم ہیں تو بدل صرف میں استبدال لازم نہ آیا اور یہ مقاصد صحیح ہوا یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ دینار کو دس درہم کے عوض بیع مطلق کے ساتھ فروخت کیا ہو۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ دینار کو درہم کے عوض بیع مطلق کے ساتھ فروخت نہ کرے بلکہ یوں کہے کہ دینار ان دس درہم کے عوض ہے جو مقروض (زید) کا مقروض (عمرو) پر ہے تو اس صورت میں نفس بیع سے مقاصد ہو جاتا ہے کیونکہ بیع صرف میں قبضے سے پہلے عوضین پر قبضہ شرط ہے یہاں دینار پر تو زید نے فی الحال مجلس عقد میں قبضہ کر لیا اور درہم پر پہلے سے قبضہ ہو چکا ہے تو جدا ہونے سے پہلے دونوں عوضوں پر قبضہ ہو گیا جب یہ عقد صحیح ہوا تو مقاصد بھی جائز ہوا۔

فان غلب علی الدراهم الفضة وعلى الدنانير الذهب فهما فضة وذهب حکما فلم یجز بیع الخالصة به ولا بیع بعضه ببعض الامتساویا وزناً وان غلب علیهما الفس فهما فی حکم العرضین فیبعه بالفضة الخالصة علی وجوه حلیة السیف ای ان كانت الفضة الخالصة مثل الفضة التي فی الدراهم او اقل ولا یبدری لایصح وان كانت اکثر یصح ان لم یفترقا بلا قبض وبجنسه متفاضلا صح بشرط القبض فی

المجلس وانما يصح صرف الجنس الى خلاف الجنس لانه في حكم شيئين فضة و صفر فاذا شرط القبض في الفضة بشرط في الصفر لعدم التمييز.

ترجمہ.. اور اگر دراہم پر چاندی غالب ہو اور دنانیر پر سونا تو یہ دونوں چاندی اور سونے کے حکم میں ہیں تو جائز نہیں ہے ان میں سے ایک کو بیچنا اپنی جنس کے عوض مگر برابری کے ساتھ وزن کے اعتبار سے اور اگر ان دونوں پر کھوٹ غالب ہو تو یہ دونوں سامان کے حکم میں ہیں تو اس کا بیچنا خالص چاندی کے عوض اس میں بھی وہی صورتیں ہیں جو تلواری کی بیچ میں گزر گئیں ہیں یعنی اگر خالص چاندی اس چاندی کے برابر ہو جو دراہم میں ہے یا کم ہو یا معلوم نہ ہو تو صحیح نہیں ہے اور اگر زیادہ ہو تو صحیح ہے اگر جدا نہ ہوئے قبضہ کے بغیر اور اپنی جنس کے عوض زیادتی کے ساتھ بھی صحیح ہے اس شرط پر کہ مجلس میں اس پر قبضہ ہو جائے اور یہ اس لئے صحیح ہے کہ جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیر دیا جائے گا کیونکہ یہ دو چیزوں کے حکم میں ہے چاندی اور پتیل جب شرط ہے چاندی میں قبضہ کرنا تو پتیل میں بھی شرط ہوگا اس لئے دونوں میں تمیز نہیں ہے۔

**تشریح::: دراہم میں اگر کھوٹ غالب ہو تو؟**

مسئلہ یہ ہے کہ جب دراہم اور دنانیر میں غش یعنی کھوٹ مغلوب ہو اور سونا چاندی غالب ہو تو یہ دراہم خالص دراہم کے حکم میں ہیں اس لئے کہ معمولی غش سے تو کوئی بھی دراہم خالی نہیں ہوتا تو اعتبار غالب کا ہوگا اور جب چاندی یا سونا غالب ہو تو پورے دراہم خالص دراہم کے حکم میں ہوں گے اور جب اس کا تبادلہ ہو خالص دراہم کے عوض تو تساوی کے ساتھ وزن ضروری ہوگا نفس انگل سے اس کی بیچ جائز نہ ہوگی اور نہ ان دراہم مشوشہ کا آپس میں تبادلہ انگل کے ساتھ جائز ہوگا یعنی اگر ان دراہم مشوشہ (مغلوب الغش) کی بیچ دراہم مشوشہ (مغلوب الغش) کے ساتھ ہو تو پھر بھی تساوی ضروری ہوگی اور وزن کرنا ضروری ہوگا انگل سے بیچنا جائز نہیں ہے۔

اور اگر دراہم میں غش غالب ہو اور سونا یا چاندی مغلوب ہو تو پھر یہ دراہم عام سامان کے حکم میں ہیں پس اس کی بیچ آپس میں خالص سونے یا خالص چاندی کے عوض اس میں وہی صورتیں ہیں جو تلواری اور اس کے زیور کی بیچ میں گزر گئیں ہیں یعنی اگر اس کا تبادلہ خالص سونے یا خالص چاندی کے عوض میں ہو تو اگر خالص سونا یا چاندی اس سونے یا چاندی کے برابر ہو یا اس سے کم ہو یا معلوم نہ ہو کہ وہ کتنا ہے تو ان تین صورتوں میں بیچ فاسد ہے کیونکہ یا تو تحقق ربوا ہے برابری اور کمی کی صورت میں اور یا شبہہ الربوا ہے جبکہ معلوم نہ ہو۔ جیسے کہ سیف محلی کے مسئلے میں اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

اور اگر خالص سونا یا چاندی زیادہ ہو اس سونے یا چاندی سے جو دراہم مشوشہ میں ہیں تو اس صورت میں بیچ جائز ہے اس شرط پر

کہ دونوں پر مجلس عقد میں قبضہ ہو جائے کیونکہ پھر بھی بیع صرف ہے اور بیع صرف میں عاقدین کے جدا ہونے سے پہلے دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا شرط ہے۔

**و بجنسہ متفاضلا:** مسئلہ یہ ہے کہ دراہم مغشوشہ کو جب دراہم مغشوشہ (دونوں طرف وہ دراہم ہوں جس میں غش غالب ہو) کے ساتھ تبادلہ کیا جائے یعنی جنس کا جنس کے ساتھ تبادلہ ہو اس میں کسی ایک جانب میں زیادتی جاتی ہے اس شرط پر کہ دونوں پر مجلس عقد میں قبضہ کیا جائے۔۔۔ جواز کی وجہ یہ ہے کہ دراہم مغشوشہ دو چیزوں کے حکم میں ہیں (۱) چاندی (۲) پتیل۔ پس ہر جانب میں چاندی بھی ہے اور پتیل بھی لہذا جنس کو خلاف الجنس کی طرف پھیر دیا جائے گا یعنی ایک جانب میں جو چاندی ہے وہ اس پتیل کا عوض قرار دیا جائے گا جو دوسری جانب دراہم میں ہے اور اسی طرح دوسری جانب کی چاندی اس پتیل کا عوض قرار دیا جائے گا جو اس جانب کے دراہم میں ہے۔

اور پتیل پر قبضہ کرنا اس لئے شرط ہے کہ پتیل چاندی سے جدا نہیں ہو سکتا اور چاندی پر قبضہ کرنا تو عقد صرف کی وجہ سے شرط ہے اور پتیل اس کا تابع ہے اس لئے پتیل پر بھی قبضہ شرط ہے۔

وان شری سلعت بالدرہم المغشوشة او بالفلوس النافقة صح فان كسدت بطل ای كسدت قبل تسليمها بطل عند ابی حنیفہ وعندہما لا یبطل فعند ابی یوسف یجب قیمتہا یوم البیع وعند محمد آخر ما یتعامل بہ الناس ولو استقرض فلوسا فكسدت یجب مثلها هذا عند ابی حنیفہ وعند ابی یوسف یجب قیمتہ یوم القبض وعند محمد یوم الكساد كما مر

ترجمہ۔ اگر کسی نے دراہم مغشوشہ کے عوض کوئی سامان خرید یا راجح الوقت فلوس کے ساتھ تو صحیح ہے پس اگر ان کا چلن بند ہو گیا تو بیع باطل ہوگی یعنی چلن بند ہو گیا حوالہ کرنے سے پہلے تو بیع باطل ہوگی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک باطل نہ ہوگی تو امام ابو یوسف کے نزدیک واجب ہوگی اس کی قیمت بیع کے دن کی اور امام محمد کے نزدیک آخری دن کی جس دن لوگوں نے اس پر معاملہ چھوڑ دیا ہے اور اگر راجح الوقت فلوس قرض لے لئے پھر ان کا چلن بند ہو گیا واجب ہے قرض دار پر اس کا مثل واپس کرنا یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک واجب ہے اس کی قیمت قبضہ کے دن کی اور امام محمد کے نزدیک چلن بند ہونے کے دن کی جیسے کہ گزر گیا ہے۔

**تشریح:** اگر کرنسی کا چلن بند ہو جائے؟ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے دراہم مغشوشہ کے عوض ایک چیز خریدی اور ابھی تک دراہم بائع کو حوالہ نہ کر پایا تھا کہ دراہم مغشوشہ کا چلن بند ہو گیا یا کسی نے راجح الوقت کرنسی کے ساتھ کوئی چیز خریدی

اور ابھی تک کرنسی حوالہ نہ کر پایا تھا کہ کرنسی کھوٹا ہوگئی تو اس صورت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بیع باطل ہوگی اور صاحبین کے نزدیک بیع باطل نہ ہوگی پھر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مشتری پر اس چیز کی قیمت واجب ہوگی اس دن کی جس دن بیع ہوئی تھی کیونکہ دراہم کا ضمان اس بیع سے لازم ہوا ہے اگر بیع نہ ہوتی تو ضمان بھی لازم نہ ہوتا جب بیع کی وجہ سے ضمان لازم ہوا ہے تو قیمت بھی اس دن کی معتبر ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک جس دن دراہم منقوشہ کا چلن بازار سے بند ہوا ہے اس دن کی قیمت واجب ہوگی کیونکہ دراہم منقوشہ سے نخل ہو کر قیمت کی طرف آنا اسی دن واجب ہوا ہے پس جس دن قیمت کی طرف انتقال ہوا ہے قیمت کے سلسلہ میں اسی دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب فلوس کا رواج ختم ہو گیا تو بیع ہی فاسد ہوگی کیونکہ دراہم منقوشہ کا ثمن ہونا لوگوں کے اتفاق سے ہے اور رواج ختم ہونے سے اس کی ثمنیت ختم ہوگئی لہذا بیع بلا ثمن رہ گئی اور بیع بلا ثمن باطل ہوتی ہے لہذا جب دراہم کا رواج ختم ہو گیا تو بیع فاسد ہوگی اور جب عقد باطل ہوا تو مشتری پر بیع واپس کرنا لازم ہے اور اگر بیع ہلاک ہوگئی ہو تو اس کی قیمت واپس کرنا لازم ہوگا۔

**ولو استقرض فلوسا فکسدت :** مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے راجح الوقت کرنسی قرض لے لی اور پھر واپس کرنے سے پہلے کرنسی کا رواج ختم ہو گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کرنسی کا مثل واپس کرنا لازم ہے یعنی جس قدر فلوس قرض لئے تھے اس کا مثل واپس کر دے کیونکہ قرضہ عاریت ہے اور عاریت میں اسی چیز کو واپس کیا جاتا ہے جس کو لیا تھا چاہے وہ ناقص ہو یا کاسد تو قرضے میں بھی اس کرنسی کا واپس کرنا لازم ہوگا جو کاسد ہوئی ہے۔

اور صاحبین کے نزدیک مقروض پر اس کرنسی کی قیمت واپس کرنا لازم ہے نہ کہ مثل کیونکہ رواج ختم ہونے کی وجہ سے اس کی ثمنیت ختم ہوگئی ہے اور جب وصف ثمنیت باقی نہیں ہے تو یہ اس کرنسی کا مثل نہیں ہے جس میں ثمنیت موجود تھی لہذا جب یہ اس کا مثل نہیں ہے تو اس کا واپس کرنا واجب بھی نہیں ہے بلکہ اس کی قیمت واپس کرنا لازم ہے اب امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قبضے کے دن کی قیمت لازم ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک آخری اس دن کی قیمت لازم ہوگی جس دن بازار سے اس کا رواج ختم ہو گیا ہے کما مر تفصیلہ۔

ومن اشتری شیئا بنصف درہم فلوس او دانق فلوس او قیراط فلوس صح وعلیہ مایباع بنصف درہم او دانق او قیراط منها ای اشتری شیئا بنصف درہم او دانق او قیراط علی ان یعطی عوض ذلک الثمن فلوسا صح وعلی المشتري من الفلوس ما یعطی فی مقابله ذلک الثمن والقیراط عند الحساب نصف

عشر المثقال وعند زفر لا يجوز هذا البيع لان الفلوس عددية وتقديرها بالدائق ونحوه يبنى عن الوزن ولنا ان الثمن هو الفلوس وهي معلومة .

ترجمہ۔ اور اگر کسی نے کوئی چیز خرید لی نصف درہم فلوس کے عوض یا نصف درہم دائق کے عوض یا نصف درہم دائق، یا نصف درہم قیراط کے عوض تو صحیح ہے اور اس پر لازم ہے اس قدر فلوس جو نصف درہم کے عوض بیچے جاتے ہیں یا دائق اور قیراط کے عوض یعنی خریدی ایک چیز نصف درہم فلوس کے عوض یا نصف دائق اور قیراط کے عوض اس شرط پر کہ اس ثمن کے عوض میں فلوس دے گا تو یہ صحیح ہے اور مشتری پر لازم ہے وہ فلوس جو اس ثمن کے مقابلے میں دئے جاتے ہیں اور قیراط اہل حساب کے نزدیک عشر مثقال کا نصف ہے اور امام زفرؒ کے نزدیک یہ بیع جائز نہیں ہے کیونکہ فلوس عددی ہیں اور ان کو مشروط کرنا دائق وغیرہ کے ساتھ خبر دیتا ہے وزن سے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ثمن فلوس ہے اور وہ معلوم ہے۔

**تشریح: نصف درہم فلوس اور نصف دائق فلوس کا بیان:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے نصف درہم فلوس کے عوض ایک چیز خرید لی یا نصف دائق فلوس کے عوض یا نصف قیراط فلوس کے عوض یعنی ایک چیز اس شرط پر خرید لی کہ بائع کو عوض میں نصف درہم نہ ملے گا بلکہ نصف درہم کے عوض بازار میں جتنے فلوس پکتے ہیں وہ فلوس ملیں گے یا نصف دائق چاندی کے عوض جتنے فلوس ملیں گے مشتری وہ ادا کرے گا تو یہ عقد جائز ہے اور مشتری پر اتنے فلوس کو ادا کرنا واجب ہوگا جو نصف درہم کے یا نصف دائق یا نصف قیراط کے عوض بازار میں پکتے ہیں۔

امام زفرؒ کے نزدیک یہ عقد جائز نہیں ہے دلیل یہ ہے کہ مشتری نے یہ چیز فلوس کے عوض خریدی ہے اور فلوس عددی ہے اور نصف درہم قیراط اور دائق وزنی چیزیں ہیں تو نصف درہم۔ قیراط اور دائق کے ذکر کرنے سے فلوس کا عدد معلوم نہیں ہوا اور جب فلوس کا عدد معلوم نہیں ہے تو ثمن کی مقدار مجہول ہے اور ثمن کی مقدار مجہول ہونے سے بیع فاسد ہوتی ہے لہذا مذکورہ صورت میں بیع فاسد ہے۔

ہماری دلیل: ہماری دلیل یہ ہے کہ جو فلوس نصف درہم کے عوض پکتے ہیں وہ سب کو معلوم ہیں مجہول نہیں جب فلوس معلوم ہیں تو ثمن بھی معلوم ہوا اور جب ثمن معلوم ہے تو بیع بھی جائز ہوگی۔

قیراط کی مقدار: دائق درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے اور قیراط دائق کا نصف ہوتا ہے گویا کہ قیراط درہم کا بارہواں حصہ ہے۔ اوزان شرعیہ کی مزید تفصیل پہلے وزن سبغہ کی تحقیق کے تحت گزر گئی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

ولو قال لمن اعطاه درهما اعطني بنصفه فلوسا وبنصفه نصفا الاحبة فسد البيع ای قال اعطني بنصفه فلوسا وبنصفه ما ضرب من الفضة على وزن نصف درهم الاحبة فيلزم الربوا بخلاف اعطني نصف درهم فلوسا ونصفا الاحبة ای اعطاه الدرهم وذكر الثمن ولم يقسم على اجزاء الدرهم فالنصف الاحبة بمثله وما بقى بالفلوس ولو كرر اعطني صح في الفلوس فقط ای كرر لفظ اعطني في الصورة الاولى وهي تقسيم الدرهم صح في الفلوس ولم يصح في الدراهم الاحبة لانه لما كرر اعطني صار بيعين

ترجمہ: اور اگر کہا اس کو جس کو درہم دیا ہے اس کے نصف کے عوض مجھے پیسے دیدو اور نصف کے عوض جبہ کم نصف درہم دیدو تو بیع فاسد ہے یعنی کہا کہ اس کے آدھے کے عوض مجھے فلوس دیدو اور آدھے کے عوض وہ درہم دیدو جو چاندی سے بنایا جاتا ہے آدھے درہم کے وزن کے برابر ہو ایک جبہ کم تو لازم آئے گا ربوا برخلاف اس کے کہا کہ مجھے آدھے درہم کے فلوس دو اور آدھے درہم مگر جبہ کم یعنی درہم اس کو دیدیا اور ثمن ذکر کیا اور تقسیم نہ کیا درہم کے اجزاء پر پس جبہ کم نصف اپنے مثل کے عوض ہوگا اور باقی فلوس کا عوض ہوگا اور اگر کرر ذکر کیا لفظ اعطني کو تو صحیح ہوگا فلوس میں فقط یعنی کرر ذکر کیا لفظ اعطني کو پہلی صورت میں اور وہ ہے درہم کو تقسیم کرنا تو صحیح ہے فلوس میں اور جبہ کم درہم میں صحیح نہیں ہے کیونکہ جب اس نے کرر ذکر کیا لفظ اعطني کو تو یہ دو بیع ہوئیں۔

تشریح: صرف سے آدھے درہم کے عوض فلوس خریدنے کا بیان۔

اس عبارت میں تین مسائل ہیں۔

مسئلہ (۱) اس قول سے شروع ہوتا ہے،، ولو قال لمن اعطاه،، ایک آدمی نے صرف کو ایک درہم دیدیا اور کہا کہ آدھے درہم کے عوض مجھے فلوس یعنی پیسے دیدو اور جبہ کم آدھا درہم دیدو تو اس صورت میں بیع فاسد ہے پوری بیع میں یعنی فلوس میں بھی فاسد ہے اور جبہ کم نصف درہم میں بھی فاسد ہے یہ حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے اور صاحبین کے نزدیک نصف درہم کے عوض میں جو فلوس ہے اس میں بیع جائز ہے اور جبہ کم نصف درہم میں بیع جائز نہیں ہے کیونکہ فلوس کے حق میں کوئی مانع بیع موجود نہیں ہے اور جبہ کم نصف درہم میں مانع علت ربوا ہے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے نصف درہم کا مقابلہ نصف درہم سے کیا ہے اور ایک جانب میں ایک جبہ کم ہے تو ربوا متحقق ہوا اور یہ فساد چونکہ قوی ہے اسلئے کہ ربوا کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور فساد قوی پورے عقد میں پھیل جاتا ہے اس وجہ سے ان فلوس میں بھی بیع فاسد ہوگی جو آدھے درہم کے عوض میں ہیں۔

مسئلہ (۲) اس قول سے شروع ہوتا ہے،، بخلاف اعطنی نصف درہم فلوس،، ایک آدی نے صرف کو ایک درہم دیدیا اور کہا کہ مجھے اس درہم کے عوض نصف درہم فلوس اور جبہ کم نصف درہم دیدو یعنی ثمن کو اجزاء درہم پر تقسیم نہیں کیا تو یہ بیع جائز ہے پوری بیع میں کیونکہ اس صورت میں مشتری نے ایک درہم کے مقابلہ میں نصف درہم کی قیمت کے فلوس اور جبہ کم نصف درہم کو ذکر کیا ہے پس جبہ کم نصف درہم توجہ کم نصف درہم کے مقابلے میں ہو جائے گا اور نصف درہم اور ایک جبہ فلوس کے عوض میں ہو جائیں گے تو چاندی کا مقابلہ مساوی چاندی کے ساتھ ہو گیا اور ایک جبہ و نصف درہم فلوس کے مقابلے میں ہو جائیں گے جس میں تساوی شرط نہیں ہے۔

مسئلہ (۳) اس قول سے شروع ہوتا ہے،، ولو كسر اعطنی،، ایک آدی نے صرف کو ایک درہم دیدیا اور کہا کہ،، اعطنی بنصفه فلوسا واعطنی بنصفه نصف الاحبة،، یعنی نصف درہم کے عوض فلوس دیدو اور نصف کے عوض جبہ کم نصف درہم دیدو یعنی لفظ اعطاء کو تکرر ذکر کیا تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین سب کے نزدیک فلوس میں بیع جائز ہے اور جبہ کم نصف درہم میں بیع جائز نہیں ہے کیونکہ حقیقت میں یہ دو بیوع ہیں اور ایک بیع کے فاسد ہونے کی وجہ سے دوسری بیع فاسد نہ ہوگی یہ وہ صورت ہے کہ جس میں درہم کو تقسیم کیا گیا ہے نصف درہم اور ایک جبہ کو فلوس کا عوض قرار دیا گیا ہے اور جبہ کم نصف درہم کو نصف درہم کا عوض قرار دیا گیا ہے ☆ واللہ اعلم ☆۔

## کتاب الکفالة

هی ضم ذمة الی ذمة فی المطالبة لافى الدين هو الاصح وعند البعض هی ضم الذمة الی الذمة فی الدين لانه لو لم یثبت الدين لم یثبت المطالبة والاصح هو الاول لان الدين لا یتكرر فانه لو اوفاه احدهما لا یبقى علی الآخر شیء

ترجمہ۔ کفالہ ملانا ہے ذمے کا ذمے کے ساتھ مطالبہ میں نہ کہ دین میں یہ صحیح ہے اور بعض کے نزدیک ذمے کا ذمے کے ساتھ ملانا ہے دین میں اس لئے کہ اگر دین ثابت نہ ہو تو مطالبہ بھی ثابت نہ ہوگا اور صحیح قول اول ہے کیونکہ دین مکرر نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر ایک نے ادا کیا تو دوسرے پر کوئی چیز باقی نہیں رہتی

تشریح: کفالہ کا لغوی اصطلاحی معنی:

کفالے کا لغوی معنی ہے انضمام ملانا چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿و کفلهما زکریا﴾ زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کو اپنی پرورش میں ملا دیا اور اصطلاح میں دو تعریفیں کی گئیں ہیں

ایک ضم الذمۃ الی الذمۃ فی المطالبۃ ایک ذمے کو دوسرے ذمے کے ساتھ ملانا ہے مطالبے میں  
دوم ضم الذمۃ الی الذمۃ فی الدین ایک ذمے کو دوسرے ذمے کے ساتھ ملانا ہے دین میں کیونکہ اگر دین ثابت نہ ہو جائے کفیل پر تو اس سے مطالبہ کیسے کیا جائے گا

والاصح هو الاول... شارح فرماتے ہیں کہ پہلی تعریف زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ اگر دین کفیل پر ثابت ہو جائے اور اصیل بھی بری نہیں ہے تو دین دو ہو گئے ایک اصیل پر اور ایک کفیل پر حالانکہ دین ایک تھا نہ کہ دو

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر فی الدین کی قید لگادی جائے تو پھر کفالے کیلئے دین ہونا ضروری ہوگا حالانکہ کفالہ جس طرح دین میں صحیح ہے اسی طرح کفالہ بانفس بھی صحیح ہے ان وجوہ سے معلوم ہوا کہ پہلی تعریف زیادہ صحیح ہے

اصطلاحی الفاظ... کفیل۔ کفالت کرنے والا۔ مکفول عنہ۔ جس کی طرف سے کفالت کی گئی ہو۔ مکفول لہ۔ جس کے واسطے کفالت کی گئی۔ مکفول بہ۔ جس چیز کی کفالت کی گئی ہو

کفالہ کے ارکان... کفالہ کے ارکان ایجاب اور قبول ہیں



کفالتہ کی شرط... کفالتہ کی شرط یہ ہے کہ کفیل مکفول بہ کے سپرد کرنے پر قادر ہو اور دین دین صحیح ہو

وہی ضربان بالنفس والمال فالاول ینعقد بکفالتہ بنفسہ ونحوہا مما یعبر عن بدنہ وبنصفہ وبتلثہ

وبضمنتہ علیٰ او الیٰ او انا بہ زعیم او قبیل ویلز مہ احضار المكفول بہ ان طلب المكفول لہ فان

لم یحضرہ یحبسہ الحاکم وان عین وقت تسلیمہ لز مہ ذلک ویریئ بموت من کفل بہ ولو انه

عبد وانما قال هذا دفعا لتوهم ان العبد مال فاذا تعلقر تسلیمہ لز مہ قیمتہ .

ترجمہ اور کفالتہ کی دو قسمیں ہیں کفالتہ بالنفس اور کفالتہ بالمال پہلا منعقد ہوتا ہے کہ میں کفیل ہوں اس کے نفس کے وغیرہ ایسے الفاظ جس کے ذریعے بدن سے تعبیر کی جاتی ہے یا نصف یا ثلث سے اور اس کی ضمانت لیتا ہوں وہ مجھ پر ہے یا میری طرف ہے میں اس پر زعیم ہوں یا میں اس کا ذمہ دار ہوں اور لازم ہے اس پر مکفول بہ کا حاضر کرنا اگر مکفول لہ نے اس کا مطالبہ کیا اگر وہ حاضر نہ کرے تو حاکم اس کو قید کرے اور اگر معین کر دیا سپرد کرنے کا وقت تو اس پر یہ لازم ہے اور بری ہوگا اس کی موت سے جس کی کفالت لی ہے اگر چہ غلام ہو اور یہ کہا اس وہم کو دفع کرنے کیلئے کہ غلام تو مال ہے جب اس کا حوالہ کرنا مستحضر ہو تو اس کی قیمت لازم ہوگی

تشریح: کفالتہ کے اقسام

کفالتہ دو قسم پر ہے (۱) کفالتہ بالنفس (۲) کفالتہ بالمال۔۔ کفالتہ بالمال منعقد ہوتا ہے ان الفاظ کے ساتھ۔ کفالتہ بنفسہ۔ میں اس کی ذات کا کفیل ہوں یا ایسے الفاظ استعمال کرنا جس سے تعبیر کی جاتی ہے کل سے جیسے میں اس کے نصف کا کفیل ہوں یا اس کے ثلث کا کفیل ہوں کیونکہ ان الفاظ کے ساتھ کل سے تعبیر کی جاتی ہے جیسے کہ کتاب الطلاق میں ہے

اسی طرح ضمنیتہ میں اس کا ضامن ہوں کیونکہ یہ اس باب میں صریح ہے یا وہ مجھ پر ہے کیونکہ یہ صیغہ التزام کیلئے استعمال ہوتا ہے یا وہ میری طرف ہے یہ بھی علی کے معنی میں ہے اور انا بہ زعیم۔ میں اس کا ذمہ دار ہوں یا قبیل ہوں کیونکہ یہ بھی کفالت کے معنی میں ہے۔

ویلز مہ احضار المكفول بہ .... مسئلہ یہ ہے کہ جب کفالتہ بالنفس تمام ہو گیا تو اب کفیل پر لازم ہے مکفول بہ کا حاضر کرنا یعنی جس کی کفالت لی ہے جب مکفول لہ نے مطالبہ کیا کہ اس کو حاضر کرو قاضی کے دربار میں تو اب کفیل پر لازم ہے کہ اس کو حاضر کرے اور اگر وہ اس کو حاضر نہ کرے تو قاضی کفیل کو جیل میں ڈال دے گا کیونکہ یہ اپنی ذمہ داری کو پورا نہیں کر رہا ہے یہ اس وقت جبکہ کفیل اس کے سپرد کرنے پر قادر ہو اور پھر بھی سپرد نہیں کرتا لیکن اگر کفیل اس کے سپرد کرنے پر قادر نہ ہو

تونی الحال اسکو جیل میں نہیں ڈالا جائے گا بلکہ اس کو مہلت دی جائے گی تاکہ وہ مکفول بہ کو حاضر کر سکے اور اگر مکفول لہ نے کفیل کے ساتھ یہ شرط لگائی ہو کہ مکفول بہ کو فلاں معین وقت میں حاضر کرنا لازم ہوگا اور کفیل نے یہ قبول کر لیا تو کفیل پر اس مقررہ وقت میں سپرد کرنا لازم ہوگا

کفیل کب بری ہوگا فرماتے ہیں کفیل بانفس اس وقت کفالے سے بری ہوگا کہ یا تو مکفول بہ یعنی جس کی کفالت لی ہے وہ مر جائے اگرچہ وہ غلام ہی کیوں نہ ہو کیونکہ جس کو حاضر کرنا تھا اب وہ باقی ہی نہ رہا تو کس کو حاضر کرے

وانما قال عبدا فرماتے ہیں کہ ماتن نے کہا کہ اگر وہ غلام ہو یہ اس لئے کہ یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ غلام تو مال ہے اگر غلام کی کفالت کسی نے لی ہو اور وہ غلام مر جائے تو غلام کی قیمت لازم ہوگی کیونکہ غلام مال ہے تو اس وہم کو دور کیا کہ نہیں بلکہ اگر مکفول بہ غلام ہو اور وہ مر جائے تو اس کی کفالت سے بھی کفیل بری ہوگا

وبدفعه الی من کفل له حیث یمکنه مخاصمته وان لم یقل اذا دفعت الیک فانا بری فان شرط تسلیمه فی مجلس القاضی وسلم فی السوق او فی مصر اخر بریء وان سلم فی ہریقاو فی السوق او فی السجن وقد حبسہ غیرہ لا قیل فی زماننا لایبریء بتسلیمه فی السوق لانه لایعاونہ احد علی احضارہ مجلس القاضی فعلى هذا ان سلمه فی مصر اخر انما یرأ اذا سلمه فی موضع یقدر علی احضارہ فی مجلس القضاء حتی لو سلمه فی سوق مصر اخر لایبرأ فی زماننا لعدم حصول المقصود قوله وقد حبسہ غیرہ ای غیر هذا الطالب قیل انما لایبرأ ههنا اذا کان السجن سجن قاض اخر امالو کان السجن سجن هذا القاضی یرأ وان کان حبسہ غیر هذا الطالب لان القاضی قادر علی احضارہ من سجنہ

ترجمہ: اور حوالہ کرنا اس کو جس کے واسطے کفالت لی تھی اس جگہ جہاں اس کے ساتھ مخاصمت کرنا ممکن ہو اگرچہ نہ کہا ہو کہ جب میں حوالہ کر دوں گا تو میں بری ہوں گا اور اگر شرط کی ہو اس کا حوالہ کرنا قاضی کی مجلس میں اور حوالہ کیا بازار میں اور یا دوسرے شہر میں تو بری ہوگا اور اگر سپرد کیا میدان میں اور یا جنگل میں یا جیل میں حالانکہ اس کو قید کیا ہو کسی اور نے تو بری نہ ہوگا کہا گیا ہے کہ ہمارے زمانے میں بری نہ ہوگا بازار میں سپرد کرنے سے اس لئے کوئی اس کی معاونت نہیں کرے گا اس کے حاضر کرنے میں مجلس قضاء میں بنا بریں اگر سپرد کیا دوسرے شہر میں تو بری ہوگا اگر سپرد کیا اسی جگہ میں جہاں قدرت ہو مجلس قضاء میں حاضر کرنے پر یہاں تک کہ اگر حوالہ کیا دوسرے شہر کے بازار میں تو بری نہ ہوگا ہمارے زمانے میں مقصود کے حاصل نہ ہونے کی وجہ سے معصفت کا قول اس کے فیر نے قید کیا ہو کے معنی ہے کہ مکفول لہ کے علاوہ کسی اور نے قید کیا ہو کہا گیا ہے کہ بری نہ ہوگا یہاں پر جبکہ جیل اس قاضی کے علاوہ کسی دوسرے قاضی کی ہو لیکن اگر جیل اس قاضی کی ہو بری ہوگا اگرچہ قید کیا ہو اس مکفول لہ کے علاوہ کسی اور نے کیونکہ قاضی قادر ہے اس کے حاضر کرنے پر جیل سے

تشریح کفیل کب بری ہوگا: مسئلہ یہ ہے کہ جب کفیل نے مکفول بنفسہ کو ایسی جگہ میں مکفول لہ کو حوالہ کیا جہاں مکفول لہ اس کے ساتھ خاصہ اور محکمہ کر سکتا ہے مثلاً شہر کے اندر سپرد کر دیا تو کفیل بری ہو جائے گا اگرچہ کفیل نے یہ نہ کہا ہو کہ جب میں حوالہ کروں تو میں بری ہوں گا کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا ہے اسلئے کہ مقصود یہ ہے کہ ایسی جگہ میں سپرد کر دے جہاں مکفول لہ اس کے ساتھ خاصہ کر سکتا ہو لہذا بازار میں مکفول لہ اس کے ساتھ محکمہ کر سکتا ہے یعنی بازار میں قاضی کے معاونین ہوتے ہیں وہ اس کو قاضی کے دربار میں لے جاسکتے ہیں

اگر قاضی کے دربار میں سپرد کرنا شرط کیا ہو:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس شرط پر کفیل ہوا کہ میں مکفول بنفسہ کو قاضی کی مجلس میں مکفول لہ کو سپرد کروں گا اور پھر اس کو بازار میں مکفول لہ کو سپرد کیا تو کفیل بری ہو جائے گا یا کفالت ہوئی تھی ایک شہر میں اور کفیل نے دوسرے شہر میں سپرد کر دیا تو دونوں صورتوں میں کفیل بری ہوگا اور اگر سپرد کر دیا میدان میں یا جنگل میں تو بری نہ ہوگا کیونکہ وہاں پر مکفول لہ اس کے ساتھ خاصہ نہیں کر سکتا تو کفالتہ کا جو مقصود تھا وہ حاصل نہ ہوا لہذا کفیل بری نہ ہوگا۔

اور اگر کفیل نے مکفول بنفسہ کو جیل میں مکفول لہ کے سپرد کیا اور یہ مکفول بنفسہ اس مکفول لہ کے واسطے قید نہیں کیا گیا تھا بلکہ کسی اور کے واسطے قید کیا گیا تھا تو تب بھی کفیل بری نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں مکفول لہ اسکے ساتھ خاصہ پر قادر نہیں ہے

مسائل کی مزید تفصیل: اگر مکفول لہ نے یہ شرط لگائی کہ کفیل مکفول عنہ کو قاضی کی مجلس میں سپرد کرے گا اور پھر کفیل نے بازار میں سپرد کیا تو متن کے مطابق کفیل بری ہو جائیگا لیکن شارح فرماتے ہیں کہ بازار میں سپرد کرنے سے کفیل بری نہ ہوگا بلکہ قاضی کی مجلس میں حوالہ کرنا ضروری ہوگا بلکہ ہمارے اس زمانے میں معینہ تاریخ پر اور وقت مقرر میں جس وقت قاضی بلا لے اس وقت میں سپرد کرنا ضروری ہوگا اور اس وقت کے علاوہ کسی اور وقت میں سپرد کیا تو بری نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر کفیل نے مکفول عنہ کو اس شہر میں سپرد کیا جس میں کفالت نہیں لی تھی بلکہ کفالت کس اور شہر میں لی تھی اور حوالہ کر رہا ہے کسی اور شہر میں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفیل بری ہو جائے گا کیونکہ مکفول لہ اس شہر میں بھی خاصہ پر قادر ہے اس لئے خاصہ ہر شہر کے قاضی کے پاس کر سکتا ہے۔ لیکن صاحبین کے نزدیک دوسرے شہر میں حوالہ کرنے سے بری نہ ہوگا کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مکفول لہ کے گواہ اس شہر میں ہوتے ہیں جو اس نے معین کیا ہوا اور دوسرے شہر میں گواہ پیش کرنا مشکل ہوتا ہے تو کفالت سے جو مقصود تھا وہ حاصل نہیں ہوا نیز یہ بھی ہے کہ تمام قاضی برابر نہیں ہوتے فساد کا زمانہ ہے اسلئے جس شہر کو معین کیا ہوا اس میں حوالہ کرنا لازم ہوگا

قولہ وقد حبسہ غیرہ . . . صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مکفول بنفسہ کو قید کیا ہو مکفول لہ کے علاوہ کسی اور شخص نے تو اس

صورت میں کفیل بری نہ ہوگا کہ آدمی تو قید خانہ میں ہے جاؤ اس سے مقدمہ لڑو اس صورت میں اگر چہ وہ جیل میں ہے لیکن اس مکفول لہ کے واسطے تو نہیں ہے بلکہ کسی اور کے واسطے ہے لیکن اشارہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں جس قید خانہ میں مکفول بنفسہ ہے اگر یہ اس قاضی کا قید خانہ ہو جس میں یہ آدمی محبوس ہے تو اس صورت میں کفیل بری ہو جائے گا یعنی کفیل یہ کہہ سکتا ہے کہ آدمی قید میں ہے جاؤ تم خود اس سے محاصمت کرو کیونکہ قاضی قادر ہے اپنی جیل سے حاضر کرنے پر اگرچہ اس مکفول لہ نے قید خانہ میں نہ ڈالا ہو بلکہ کسی اور نے ڈالا ہو لیکن اگر یہ قید خانہ اس قاضی کی ولایت میں نہ ہو بلکہ کسی اور قاضی کی ولایت میں ہو تو پھر کفیل بری نہ ہوگا یعنی کفیل یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم خود جاؤ ان سے مقدمہ لڑو اس لئے کہ قاضی کی ولایت اس دوسرے شہر پر نہیں ہے تو اس وجہ سے دوسرے شہر کی جیل میں قید کرنے سے کفیل بری نہ ہوگا

وبتسليم من كفل به نفسه من كفالتہ ای بتسليم المكفول به نفسه من كفالة الكفيل وبتسليم وكيل الكفيل ورسوله اليه اليه متعلق بالتسليم والضمير راجع الى المكفول له ولو مات المكفول له للوصى والوارث مطالبه به ای مطالبه الكفيل بالمكفول به

ترجمہ اور اس شخص کے اپنے کو سپرد کرنے سے جس کی کفالت لی تھی یعنی مکفول عنہ کا اپنے آپ کو سپرد کرنے سے کفیل کے کفالے سے اور کفیل کے وکیل اور قاصد کے سپرد کرنے سے ایہ متعلق ہے التسليم کے ساتھ اور ضمیر راجع ہے المكفول لہ کی طرف اور اگر مکفول لہ مر جائے تو وصی اور وارث کیلئے مطالبے کا حق ہے یعنی کفیل سے مکفول بہ کا مطالبہ کر سکتا ہے

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جب مکفول بنفسہ نے خود اپنے آپ کو سپرد کیا مکفول لہ کو اور یہ مصراحت کر دی کہ یہ سپردگی کفیل کی طرف سے ہے یعنی میں اس لئے حاضر ہوا تاکہ کفیل کا ذمہ فارغ ہو جائے تو اس صورت میں یہ سپردگی کفیل کی طرف سے شمار ہوگی اور کفیل بری ہو جائے گا ہاں اگر مکفول بنفسہ نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ سپردگی کفیل کی جانب سے ہے تو پھر کفیل بری نہ ہوگا اس لئے کہ مکفول بنفسہ خود بھی مطالب ہے تو اس کا اپنے آپ کو حوالہ کرنا کفیل کی جانب سے نہیں ہے بلکہ اپنی جانب سے ہے لہذا اس صورت میں کفیل بری نہ ہوگا

اسی طرح اگر کفیل کے وکیل یا کفیل کے قاصد نے مکفول بنفسہ کو حوالہ کیا تو تب بھی کفیل بری ہو جائے گا کیونکہ وکیل اور قاصد کا فعل مؤکل کا فعل سمجھا جاتا ہے

اگر مکفول لہ مر جائے: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مکفول لہ مر جائے تو اس کے وصی کو یا اگر وصی نہ ہو تو اس کے وارث کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کفیل سے مکفول بنفسہ کا مطالبہ کرے کیونکہ وصی اور وارث دونوں میت کے قائم مقام ہے پس مکفول لہ کے

مرجانے کے بعد ان دونوں میں سے ہر ایک کو کفیل سے مطالبہ کرنے کا حق ہے

فان كفيل بنفسه على ان لم يواف به غدا اى ان لم يواف به غدا فهو ضامن لما يدعيه ولم يسلمه غدا لزمه ما عليه خلافاً للشافعي<sup>٢</sup> له انه ايجاب المال بالشرط فلا يجوز كالبيع قلنا انه يشبه البيع ويشبه النذر فان علق بشرط غير ملائم لا يصح وبلائم يصح عملاً بشهين ولم يبرأ من كفالة بالنفس لعدم سبب البرائة بل انما يبرأ اذا ادا المال لانه لم يبق للطالب على المكفول عنه شيء فلا فائدة في الكفالة بالنفس وان مات المكفول عنه ضمن المال لوجود الشرط وهو عدم الموافاة

ترجمہ۔ اگر کوئی شخص کسی کے نفس کا اس شرط پر کفیل ہوا کہ اگر کل حاضر نہ کر سکا تو وہ ضامن ہے اس کا جو کچھ ہے مکفول عنہ پر اور کل اس نے سپرد نہ کیا تو لازم ہے اس پر وہ جو مکفول بنفسہ پر ہے خلاف ہے امام شافعی کیلئے ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ مال کو واجب کرنا ہے شرط کے ذریعے تو یہ جائز نہیں ہے بیع کے مانند ہم کہتے ہیں کہ یہ بیع کے مشابہ ہے اور نذر کے ساتھ بھی مشابہ ہے پس اگر معلق کر دیا شرط غیر مناسب کے ساتھ تو صحیح نہیں ہے اور اگر مناسب کے ساتھ ہو تو صحیح ہے دونوں مشابہتوں پر عمل کرتے ہوئے اور بری نہ ہوگا کفالہ بالنفس سے برائت کے سبب نہ ہونے کی وجہ سے بلکہ بری ہوگا جبکہ مال ادا کرے اس لئے کہ باقی نہ ہوگا مکفول لہ کا مکفول عنہ پر کچھ بھی تو کفالہ بالنفس میں کچھ فائدہ نہیں ہے اور اگر مکفول عنہ مر گیا تو کفیل مال کا ضامن ہوگا شرط کے موجود ہونے کی وجہ سے اور وہ ہے حاضر نہ کرنا

تشریح: کفیل نے کفالہ بالنفس اور کفالہ بالمال دونوں کو جمع کر دیا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کی کفالت لے لی اس طریقے پر کہ اگر کفیل نے کل مکفول عنہ کو حاضر نہ کیا تو کفیل ضامن ہوگا اس کا جو کچھ مکفول لہ کا مکفول عنہ پر ہے اتفاق سے کفیل نے قدرت کے باوجود کل کے دن میں مکفول عنہ کو حاضر نہ کیا تو کفیل مال کا ضامن ہوگا اور کفالہ بالنفس سے بھی بری نہ ہوگا کیونکہ یہاں دو کفالے جمع ہو گئے ہیں ایک کفالہ بالنفس اور دوسرا کفالہ بالمال اور یہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے

حضرت امام شافعی کے نزدیک کفالہ بالمال صحیح نہیں ہے۔۔

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ کفالہ کو شرط پر معلق کرنا۔ وجوب مال کے سبب کو ایک امر متردد پر معلق کرنا ہے (کفالہ بالمال کا وجوب مال کا سبب ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ کفالہ بالمال کی وجہ سے کفیل پر مال واجب ہوتا ہے اور شرط امر متردد اس لئے ہے کہ شرط کا ہونا اور نہ ہونا دونوں محتمل ہیں) اور کفالہ بالمال لزوم مال میں بیع کے مشابہ ہے اور بیع شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے اور جب بیع

کو شرط پر معلق کرنا حرام ہے تو کفاله بالمال کو بھی شرط پر معلق کرنا حرام ہوگا

ہماری طرف سے جواب: یہ ہے کہ کفاله بالمال صرف بیع کے مشابہ نہیں ہے بلکہ انتہاء کے اعتبار سے بیع کے مشابہ ہے اور ابتداء کے اعتبار سے نذر کے مشابہ ہے بایں معنی کہ اس میں ایک غیر لازم چیز کو اپنے اوپر لازم کرنا ہے اور دونوں مشابہتوں کی رعایت ضروری ہے اور دوسری طرف شرط کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) شرط ملائم یعنی شرط متعارف جیسے مکفول بنفسہ کو حاضر نہ کرنے کی صورت میں مال ادا کرنا (۲) شرط غیر متعارف جیسے ہوا چلنے کی شرط لگانا پس اب دونوں کی مشابہت کا خیال رکھنا ضروری ہوا بایں طور کہ بیع کو کسی بھی شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز نہیں ہے اور نذر کو ہر قسم شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے تو ہم کہتے ہیں کہ کفاله کو شرط ملائم اور شرط متعارف کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے اور شرط غیر ملائم اور شرط غیر متعارف کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں ہے تاکہ دونوں مشابہتوں پر عمل ہو جائے

لیکن کفاله بالمال ادا کرنے کے باوجود قبیل کفاله بالنفس سے بری نہ ہوگا کیونکہ یہاں دو کفالے جمع ہو گئے ہیں ایک کفاله بالنفس اور دوسرا کفاله بالمال ایک کے ادا کرنے سے دوسرے سے بری نہ ہوگا لہذا اگر اس نے مال ادا کر دیا تب بھی اس سے مطالبہ ہو سکتا ہے مکفول عنہ کے حاضر کرنے کا کیونکہ یہ ایک مستقل کفاله ہے اور کفاله بالمال الگ مستقل کفاله ہے اسی طرح اگر کل آنے سے پہلے مکفول عنہ مر گیا تو تب بھی قبیل سے مال کا مطالبہ کیا جائے گا کیونکہ اس نے دو کفالے لئے تھے ایک کفاله بالنفس وہ تو مکفول عنہ کی موت سے ساقط ہو گیا اور ایک کفاله بالمال وہ اب بھی باقی ہے لہذا قبیل سے مال کا مطالبہ کیا جائیگا اور یہ اس لئے بھی کہ جو شرط اس نے لگائی تھی یعنی اگر حاضر نہ کیا تو مال ادا کرے گا اور وہ شرط موجود ہو گئی لہذا مال ادا کرنا لازم ہوگا۔

ومن ادعى على رجل مالا بينه اولا فكفل بنفسه اخر على انه ان لم يواف به غدا فعليه المال  
صحت الكفالة ويجب عند الشرط صورة المسألة ادعى رجل على اخر مائة دينار فكفل بنفسه رجل  
على انه ان لم يواف به غدا فعليه المائة فقله مالا اى مالا مقدرأ و قوله بينه اولا اى بين صفته على وجه  
يصح الدعوى او لم يبين وفى المسألة خلاف محمد فقبيل عدم الجواز عنده مبنى على انه قال فعليه  
المائة ولم يقل المائة على المدعى عليه فعلى هذا ان بين المدعى المائة لا تكون كفالته صحيحة ابض  
كما اذا لم يبين الا ان يقول فعليه المائة التى يدعيها وقيل انه مبنى على انه لما لم يبين لم يصح الدعوى  
فلم يستوجب احضاره الى مجلس القاضى فلم يصح الكفالة بالنفس فلا يجوز الكفالة بالمال فعلى هذا

ان بین تكون الكفالة صحيحة ولهما انه لو قال فعليه المائة او عليه المال فيراد به السهوود فان بين المدعى فظاهر وان لم يبين فبعد ذلك اذا بين التحق البيان باصل الدعوى فتبين صحة الكفالة بالنفس فترتب عليها الكفالة بالمال

ترجمہ: اگر کسی نے دوسرے پر مال کا دعویٰ کیا چاہے بیان کیا ہو یا نہ کیا ہو اور ایک شخص نے اس کی کفالت لے لی اس بات پر کہ اگر اس نے اس کو کل آئندہ کو حاضر نہ کیا تو اس پر مال لازم ہوگا تو کفالہ صحیح ہے اور اس پر مال لازم ہے شرط کے موجود ہونے کے وقت صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے پر سودینا کا دعویٰ کیا دوسرے آدمی نے اس کی جان کی کفالت لے لی کہ اگر وہ اس کو کل حاضر نہ کر سکا تو وہ سو اس پر ہے مالاً سے مراد مال متعین ہے۔ اور لفظ بینہ سے مراد یہ ہے کہ اس کی صفت بیان کی ہو اس طریقے پر کہ دعویٰ صحیح ہو جائے یا بیان نہ کی ہو اور مسئلہ میں امام محمد کا اختلاف ہے تو کہا گیا ہے کہ عدم جواز اس کے نزدیک مٹی ہے اس بات پر کہ اس نے کہا کہ اس پر سو ہے اور یہ نہیں کہا کہ وہ سو ہے جو مدعی علیہ پر ہے بنا بریں اگر مدعی نے سو کو بیان بھی کیا تب بھی کفالہ صحیح نہ ہوگا جیسے کہ بیان نہ کیا ہو ہاں اگر یہ کہے کہ اس پر وہ سو ہے جس کا مدعی دعویٰ کرتا ہے اور کہا گیا ہے یہ اختلاف مٹی ہے اس بات پر کہ جب اس نے بیان نہ کیا تو دعویٰ صحیح نہیں ہے تو اس پر واجب نہیں ہے مکفول عنہ کو حاضر کرنا مجلس قاضی میں تو کفالہ بالنفس صحیح نہیں ہے تو کفالہ بالمال بھی صحیح نہ ہوگا بنا بریں اگر بیان کرے تو کفالہ صحیح ہو جائے گا اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب اس نے کہا کہ اس پر سو ہے یا اس پر مال ہے تو مراد اس سے مال معبود ہے پس اگر مدعی نے بیان کیا تو ظاہر ہے اور اگر بیان نہ کیا تو اس کے بعد جب بیان کرے گا تو ملحق ہوگا بیان اصل دعویٰ کے ساتھ تو ظاہر ہو گیا کفالہ بالنفس کا صحیح ہونا اور کفالہ بالمال اس پر مرتب ہے

**تشریح: کفیل نے مکفول عنہ کو حاضر نہ کرنے کی صورت میں کفالہ بالمال کی ضمانت لے لی:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی کا دوسرے پر ہزار دینار قرض ہے مثلاً خالد کا عمران پر ہزار دینار قرض ہے اور ایک تیسرے شخص مثلاً عثمان نے مکفول لہ (خالد) کیلئے کفالت بالنفس لے لی کہ اگر میں نے مکفول عنہ (عمران) کو کل حاضر نہ کیا تو وہ ہزار دینار میں (عثمان) حوالہ کروں گا مکفول لہ کو پس کفیل (عثمان) نے کل کے دن میں مکفول عنہ (عمران) کو حاضر نہ کیا تو اب کفیل (عثمان) پر ایک ہزار دینار ادا کرنا لازم ہوگا حضرات شیخین کے نزدیک چاہے مکفول عنہ نے مال کا بیان کیا ہو یا نہ کیا ہو یعنی مال کی مقدار بیان کی ہو اور وصف بھی بیان کیا ہو کہ وہ کھرا ہے یا کھوٹا یا وصف بیان نہ کیا ہو بلکہ مطلق کہا ہو کہ میرا فلاں پر اتنا قرض ہے اور کفیل نے کہا کہ میں اس کا ضامن ہوں

امام محمدؒ کے نزدیک یہ کفالت صحیح نہیں ہے

امام محمدؒ کی طرف سے عدم جواز کی دو علتیں ذکر کی گئی ہیں:

(۱) یہ کہ جب کفیل نے کہا کہ وہ ہزار دینار مجھ پر ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) یہ کہ اس سے مراد وہ ہزار دینار ہے جو مدعی کا مدعی علیہ پر ہے (۲) مطلق ہزار دینار یعنی مدعی کے دینار کی طرف کفالت کو منسوب نہیں کیا تو کفیل نے اپنے کفالے میں مال مطلق کو امر متردد پر مطلق کر دیا ہے (کہ اگر کل مکفول عنہ کو حاضر کیا تو کفالہ بالمال نہ ہوگا اور اگر کل حاضر نہ کیا تو کفالہ بالمال ہوگا) اور اس طریقے سے کفالہ صحیح نہیں ہوتا اگرچہ مکفول لہ نے مال کا وصف بھی بیان کیا ہو جیسے وصف بیان نہ کرنے کی صورت میں صحیح نہیں ہوتا اسی طرح اس صورت، میں بھی صحیح نہ ہوگا اگرچہ وصف بیان کرے

اس لئے کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ کفیل نے کفالہ لیا ہو اس مال کا جو مکفول لہ کا مکفول عنہ پر ہے لیکن اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کفالہ نہ ہو بلکہ کفیل اپنی طرف سے مکفول لہ کو رشوت دے رہا ہوتا کہ وہ مکفول عنہ سے مطالبہ مؤخر کرے اور رشوت کے طور پر اپنے اوپر مال لازم کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کفیل پر یہ مال لازم کرنا صحیح نہیں ہے اور جب کفیل پر یہ مال لازم کرنا صحیح نہیں ہے تو اس پر کفالہ بالمال لازم کرنا بھی صحیح نہ ہوگا

ہاں اگر صراحت یہ کہے کہ مجھ پر وہ ہزار دینار ہوگا جس کا مدعی دعویٰ کر رہا ہے تو پھر یہ کفالت صحیح ہوگی اور اگر کل اس نے مکفول عنہ کو حاضر نہ کیا تو کفیل پر مال واجب ہوگا

(۲) امام محمدؒ کی دوسری علت یہ ہے کہ اس صورت میں کفالہ بالمال کے ساتھ کفالہ بانفس ہی باطل ہے کیونکہ کفالہ بانفس اس پر موقوف ہے کہ مدعی کا دعویٰ صحیح ہو اور مدعی کا دعویٰ اس وقت صحیح ہوگا جبکہ مدعی مال کی مقدار بھی بیان کرے اور وصف بھی بیان کرے اور جب مدعی نے مال کی مقدار بیان نہیں کی اور نہ وصف بیان کیا تو دعویٰ صحیح نہ ہو اور جب قرض کا دعویٰ صحیح نہ ہو تو کفیل پر مکفول عنہ کو حاضر کرنا واجب نہ ہو قاضی کی مجلس میں اور جب کفیل پر مکفول عنہ کا حاضر کرنا لازم نہ ہو تو کفالہ بانفس بھی صحیح نہ ہو اور جب کفالہ بانفس صحیح نہ ہو تو کفالہ بالمال بھی صحیح نہ ہوگا کیونکہ کفالہ بالمال موقوف ہے کفالہ بانفس پر اور جب کفالہ بانفس اور کفالہ بالمال دونوں صحیح نہ ہوں تو کفیل پر مال بھی لازم نہ ہوگا۔ بنا بریں اگر مکفول عنہ نے مال کی مقدار بیان کی اور وصف بھی بیان کیا تو کفالہ بالمال اور کفالہ بانفس دونوں صحیح ہوں گے امام محمدؒ کے نزدیک۔

حضرات شیخین کی پہلی دلیل یہ ہے کہ جب کفیل نے کہا کہ.. ان لم یواف به غدا فعليه المائة او عليه المال... تو اس میں المائة یا المال محرف باللام ہے اور لام بھی عہد خارجی کا ہے جس کا مدخل معین ہوتا ہے پس المائة سے مراد وہ



سہوگا جو مکفول عنہ پر ہے جب وہ دینار مراد ہے جو مکفول عنہ پر ہے تو یہ کفیل کی طرف سے رشوت نہ ہوئی اور جب رشوت نہ ہوئی تو کفالت صحیح ہو گیا اور جب کفالت صحیح ہو گیا تو کفیل پر مال لازم ہوگا پس اگر مدعی نے مال کی مقدار اور وصف بیان کیا ہو تو ظاہر ہے اس میں کوئی مانع باقی نہیں رہا اور یہ امام محمدؒ کی پہلی دلیل کا جواب بھی ہے۔

حضرات شیخین کی دوسری دلیل... حضرات شیخین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جب مکفول لہ نے دعویٰ کیا کہ میرے اقارب مقروض پر اتنے دینار واجب ہیں اور اس وقت اس نے وصف بیان نہ کیا یہاں تک کہ تیسرے آدمی نے کفالت لے لی اس کے بعد مکفول لہ نے وصف بیان کیا تو یہ بیان اصل دعویٰ کے ساتھ لاحق ہوگا یہ ایسا ہو گیا گویا کہ اس نے دعویٰ کرتے وقت وصف بیان کیا ہو اور جب دعویٰ کرتے وقت وصف بیان کر دیا گیا ہو تو قرض خواہ کا دعویٰ صحیح ہو مال کا اور مال کا دعویٰ صحیح ہو تو کفیل کی طرف سے کفالت بانفس صحیح ہو گیا اور جب کفالت بانفس صحیح ہو گیا تو کفیل پر حاضر کرنا واجب ہو گیا اور جب کفالت بانفس صحیح ہو گیا تو کفالت بانفس صحیح ہو گیا جو اس پر مرتب ہے وہ بھی صحیح ہو جائے گا اور یہ امام محمدؒ کی دلیل کا جواب بھی ہو گیا کہ کفالت بانفس اور کفالت بالمال دونوں باطل ہے تو ہم نے ثابت کر دیا کہ دونوں صحیح ہیں۔

ولاجبر علی اعطاء الكفيل في حد وقصاص هذا عند ابى حنيفة وعندهما يجبر في حد القذف لان فيه حق العبد وفي القصاص لانه خالص حق العبد ولا بى حنيفة ان مبناهما على الدرء فلا يجب فيهما الاستيثاق لو سمحت به نفسه صح اي لو سمحت نفس من عليه الحد او القصاص فاعطى كفيلا بالنفس

صح

ترجمہ اور مجبور نہیں کیا جائے گا کفیل دینے پر حد اور قصاص میں یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے اور صاحبین کے نزدیک اس کو مجبور کیا جائے گا حد قذف میں کیونکہ اس میں بندہ کا حق ہے اور قصاص میں کیونکہ یہ خالص بندہ کا حق ہے اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں کی بنیاد ساقط کرنے پر ہے تو واجب نہیں ہے اس میں مضبوط کرنا اور اگر مدعی علیہ کا دل خود کفیل دینے پر ایثار کرے تو صحیح ہے یعنی اگر اس کا دل خود کفیل دینے پر ایثار کرے جس پر حد اور قصاص ہے اور کفیل بانفس دیدے تو صحیح ہے

تشریح: حد و حد اور قصاص میں کفالت بانفس پر جبر نہیں ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ جب ایک آدمی پر حد کا دعویٰ کیا گیا کہ اس پر حد لازم ہے یا قصاص کا دعویٰ کیا گیا کہ اس پر قصاص لازم ہے اور ابھی تک گواہوں سے اس پر حد یا قصاص ثابت نہ کیا گیا ہو تو اس کو اس بات پر مجبور نہ کیا جائے گا کہ تم مکفول لہ کو کفیل دیدو اس بات پر کہ وہ کفیل آپ کو قاضی کی مجلس میں حاضر کر دے تاکہ تم پر حد یا قصاص ثابت کیا جاسکے تو امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اس

صورت میں اس کو مجبور نہ کیا جائے گا کہ تم ضرور بالضرور کفیل دیدو اور حضرات صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ اس آدمی کو حد قذف اور قصاص کے دعوے میں کفیل دینے پر مجبور کیا جائے گا

صاحبین کی دلیل.. یہ ہے کہ حد قذف میں بندہ کا حق ہے یعنی حد قذف کے ذریعے بندہ اپنے آپ سے تہمت دور کرتا ہے تو بندہ کا حق ہوا یہی وجہ ہے کہ حد قذف جاری کرنے کیلئے مقذوف کی طرف سے دعویٰ شرط ہے تو جب حد قذف بندہ کا حق ہے اور مقذوف قاذف سے اپنا حق لینا چاہتا ہے یعنی حد قذف ثابت کرنا چاہتا ہے لیکن مدعی علیہ یعنی قاذف کے فرار ہونے کا خطرہ ہے تو قاذف سے کفیل بنفسہ لیا جائے گا تاکہ بروقت کفیل اس قاذف کو حاضر کر سکے اور اگر قاذف کفیل نہیں دیتا تو اس کو مجبور کیا جائے گا کفیل دینے پر۔

اور قصاص چونکہ خالص حق العبد ہے تو جب ایک آدمی پر دعویٰ کیا گیا کہ یہ قاتل ہے اب ولی مقتول گواہ حاضر کرے گا لیکن اس سے پہلے یہ خطرہ ہے کہ جس پر قتل کا دعویٰ کیا گیا ہے وہ بھاگ جائے گا تو اس کو مجبور کیا جائے گا کہ تم اپنے نفس پر کفیل دیدو کہ جب ولی مقتول گواہ پیش کرے تو کفیل اس مدعی علیہ کو حاضر کر سکے گا

امام ابو حنیفہ کی دلیل.. یہ ہے کہ حدود کی بنیاد ساقط کرنے پر ہے تمام حدود کا یہ حکم ہے کہ ان کو شبہات کی وجہ سے ساقط کر دیا جاتا ہے اور جن چیزوں کی بنیاد ساقط کرنے پر ہوا ان کو کفیل لیکر مضبوط کیسے کیا جائے گا یعنی جس حق میں بذات خود مضبوطی نہ ہو اس میں کفالے سے مضبوطی پیدا کرنا کس طرح لازم ہو سکتا ہے

اگر مدعی علیہ خود کفیل بالنفس دیدے۔ فرماتے ہیں کہ جن حدود میں کفالہ بالنفس میں اجبار اور عدم اجبار میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے اس میں اگر مدعی علیہ نے اپنی طرف سے اپنی خوش دلی سے بغیر جبر کے کفیل بالنفس دیدیا تو یہ بالا جماع صحیح ہے

ولا حبس فیہما حتی یشہد مستوران او عدل لما ذکر انہ لاجبر علی الکفالة عند ابی حنیفۃ فبین ما ذابصنع صاحب الحق فعندہ یلازمہ الی وقت قیام القاضی عن المجلس فان احضر البینة فیہا وان اقام مستورین او شاهد عدلا لایکفل عند ابی حنیفۃ بل یحبسہ للثمة حتی یتبین الحق وان لم یحضر شینا من ذلک خلی سبیلہ

ترجمہ اور قید نہیں کرے گا مدعی علیہ کو یہاں تک کہ دو ایسے گواہ گواہی دیں جو مستور ہوں یا ایک عادل گواہ جب ذکر کیا کہ جبر

نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو بیان کیا کہ صاحب حق کیا کرے گا تو امام صاحب کے نزدیک اس کے پیچھے لگ جائے گا قاضی کے چلے جانے کے وقت تک مجلس سے اگر اس نے گواہ حاضر کئے تو اچھی بات ہے اور اگر قائم کئے دو مستور الحال یا ایک عادل کو تو کفالت نہیں لے گا امام صاحب کے نزدیک بلکہ اس کو قید میں ڈال دے گا یہاں تک کہ حق ظاہر ہو جائے اور اگر نہ مستورین کو اور ایک عادل کو حاضر کیا تو اس کا راستہ چھوڑ دے گا

**تشریح:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ حد اور قصاص کے دعوے میں نفس مدعی کے دعوے سے کسی کو قید نہیں کیا جائے گا بلکہ انتظار کیا جائے گا کہ اگر مدعی یا تو دو مستور الحال گواہ قائم کر دئے یعنی ایسے گواہ جن کی نہ عدالت معلوم ہو اور نہ فسق معلوم ہو یا ایک عادل آدمی گواہی دیدے یعنی یا عدد ہو یا عدالت تو پھر اس کو قاضی قید میں ڈال سکتا ہے

امام ابوحنیفہؒ نے جب یہ فرمایا کہ حد اور قصاص میں مدعی علیہ سے کفیل نہیں لیا جائے گا یعنی اس پر جبر نہ کیا جائے گا تو اب فرماتے ہیں کہ صاحب حق کیا کرے گا تو فرماتے ہیں اگر صاحب حق کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی خود مدعی علیہ کی نگرانی کرے گا جب تک قاضی کی مجلس قائم ہو اس وقت تک اگر قاضی کی مجلس کے اختتام تک مدعی نے گواہ پیش کر دئے تو اچھی بات ہے قاضی اس کے مطابق فیصلہ کرے گا اور اگر اس نے گواہ تو قائم کر دئے لیکن ناقص یعنی گواہی میں دو باتیں ضروری ہیں ایک عدد کہ گواہ دو ہوں دوم عدالت کہ گواہ عادل ہوں یہاں پر مدعی نے پیش تو کر دئے ہیں لیکن ناقص یعنی یا ایک عادل گواہ پیش کیا یا دو گواہ پیش کئے لیکن وہ دونوں مستور الحال ہیں تو اس صورت میں قاضی مدعی علیہ پر حق یا قصاص لازم تو نہیں کرے گا لیکن مدعی علیہ کو جیل میں ڈال دے گا اور اس سے کفالت بالنفس نہیں لے گا تو قاضی اس کو جیل میں اس وقت تک ڈالے گا کہ یا تو مدعی کامل گواہی پیش کر کے اس پر حد اور قصاص ثابت کرے اور اگر اس نے بینہ کاملہ پیش نہ کیا تو قاضی مدعی علیہ کو جیل سے رہا کر دے گا اسلئے کہ مزید اس کو جیل میں رکھنا بلا فائدہ ہے لہذا اس کو جیل سے رہا کر دے گا۔

وصح الرهن والكفالة بالخراج لانه دين مطالب به بخلاف الزكوة لانها مجرد فعل وانما اورد هذه المسئلة ههنا وان كان الحق ان يذكر في الكفالة بالمال لانه في ذكر الكفالة بالنفس في الحدود والقصاص وللخراج مناسبة بالحدود لما عرف في اصول الفقه ان فيه معنى العقوبة فلهذه المناسبة اورد ههنا ليعلم ان حكمه حكم الاموال حتى يجبر فيه على الكفالة بالنفس بناء على صحة الكفالة فيه

ترجمہ۔ اور صحیح ہے رهن اور کفالت خراج کے بدلے میں اس لئے کہ یہ دین ہے اس کا مطالبہ کیا جاتا ہے برخلاف زکوٰۃ کے کیونکہ یہ تو مجرد فعل ہے اور یہ مسئلہ یہاں پر لایا اگرچہ اس کا حق یہ تھا کہ کفالت بالمال میں ذکر کیا جاتا اس مسئلے کا کفالت بالنفس میں ذکر کرنا

حدود اور قصاص کی مناسبت سے ہے اور خراج کی مناسبت ہے حدود کے ساتھ جیسے کہ اصول فقہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس میں عقوبت کا معنی ہے اس مناسبت کی وجہ سے اس کو یہاں لایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کا حکم اموال کی طرح ہے یہاں تک کہ مجبور کیا جاتا ہے اس میں کفالتہ بالنفس پر مبنی ہے اس پر کہ کفالتہ صحیح ہے خراج میں۔

**تشریح: خراج میں کفالت:** فرماتے ہیں کہ خراج میں رہن اور کفالتہ دونوں جائز ہیں یعنی اگر کسی ذمی پر خراج لازم ہو اور پھر کسی نے ذمی کی طرف سے خراج ادا کرنے پر کفالت لے لی تو یہ جائز ہے یا خراج کے عوض میں رہن رکھا تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ خراج ایسا دین ہے جس کا مطالبہ کیا جاتا ہے بندوں کی جانب سے حتیٰ کہ خراج ادا نہ کرنے کی صورت میں ذمی کو مجبوس کیا جاتا ہے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خراج دین ہے اور دین کے عوض رہن رکھنا یا کفالتہ لینا جائز ہے۔

**بخلاف الزکوٰۃ**.... فرماتے ہیں کہ خراج کے بدلے میں رہن رکھنا یا کفالتہ لینا جائز ہے لیکن اگر کسی پر زکوٰۃ واجب ہو جائے تو زکوٰۃ کے عوض میں رہن رکھنا یا زکوٰۃ کے بدلے میں کفالتہ لینا جائز نہیں ہے اس لئے زکوٰۃ دین نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ تو فصل ادائیگی کا نام ہے یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ نیت کے بغیر ادا نہیں ہوتی اور دین میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح خراج ادا کرنے میں بھی نیت کی ضرورت نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ زکوٰۃ دین نہیں ہے بلکہ فعل ادائیگی کے نام ہے جو اللہ کو مقصود ہے۔

**وانما اوردھنا**.... ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض.... یہ ہے کہ خراج کا تعلق مال سے ہے تو خراج کو کفالتہ بالمال میں ذکر کرنا چاہئے تھا نہ کہ کفالتہ بالنفس میں۔

**جواب**.. خراج کا ذکر یہاں پر اس لئے کیا گیا کہ خراج کی مناسبت ہے حدود اور قصاص کے ساتھ ہے اس لئے کہ حدود اور قصاص میں عقوبت کا معنی ہے اور خراج میں بھی عقوبت کا معنی ہے اور یہاں ما قبل میں چونکہ حدود اور قصاص میں کفالتہ کا ذکر ہو گیا تو اس مناسبت سے کفالتہ بالخراج کو یہاں ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ خراج کا حکم عام اموال کی طرح ہے تو خراج میں ذمی کو کفالتہ بالنفس پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اس کی دلیل کہ خراج مال اور دین ہے یہ ہے کہ خراج میں کفالتہ صحیح ہے تو معلوم ہوا کہ خراج دین ہے۔

واخذ الکفیل بالنفس ثم اخر فھما کفیلان ای لیس اخذ الکفیل الثانی تر کا لاول .

ترجمہ: اور صحیح ہے کفیل بالنفس لینا پھر دوسرا لینا تو دونوں کفیل ہوں گے یعنی دوسرا کفیل لینا پہلے کو چھوڑنا نہیں ہے

**تشریح:** اگر کفیل متعدد ہوں؟ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک مکفول لہ نے مکفول عنہ سے ایک کفیل بالنفس لے لیا اور پھر

اس کے بعد اسی مکفول عنہ سے دوسرا کفیل بانفس لے لیا تو یہ جائز ہے اور یہ دونوں کفیل کفیل بانفس ہوں گے یعنی دونوں سے مکفول عنہ کے حاضر کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا اگر ایک نے حاضر کیا تو اس کا ذمہ بری ہو گیا لیکن دوسرے کا ذمہ بری نہیں ہوا ہے جب تک مکفول عنہ کو اپنے کفالے سے حاضر نہ کرے۔ اور دوسرے کفیل لینے کا یہ مطلب نہ ہوگا مکفول لہ نے پہلے کفیل کو بری کر دیا ہے کیونکہ بسا اوقات ایک آدمی ایک سے زیادہ کفیل بھی لیتا ہے جس کا مقصود مضبوطی کو حاصل کرنا ہے

والکفالة بالمال تصح وان جهل المكفول به اذا صح دينه الدين الصحيح دين لا يسقط الا بالاداء  
او الابرء وهو احتراز عن بدل الكتابة فانه غير صحيح اذا المولى لا يستوجب على عبده دينا وهو يسقط  
بالعجز

ترجمہ... اور کفالہ بالمال صحیح ہے اگرچہ مکفول بہ مجہول ہو جبکہ دین صحیح ہو اور دین صحیح وہ ہے کہ جو ساقط نہیں ہوتا مگر ادا کرنے سے یا بری کرنے سے اور یہ احتراز ہے بدل کتابت سے اس لئے کہ یہ دین غیر صحیح ہے کیونکہ مولیٰ اپنے غلام پر دین واجب نہیں کر سکتا اور یہ ساقط ہوتا ہے عاجز ہونے سے

تشریح: کفالہ بالمال کی تفصیل:

فرماتے ہیں کہ کفالہ بالمال صحیح ہے مال مکفول بہ کی مقدار معلوم ہو یا مجہول بشرطیکہ دین صحیح ہو اور دین صحیح اس کو کہتے ہیں کہ جس کا بندوں کی طرف سے کوئی مطالبہ کرنے والا ہو اور مدیون سے وہ ساقط نہ ہو سکتا ہو مگر یہ کہ یا تو مدیون اسی کو ادا کر دے یا دائن مدیون کو بری کر دے۔

تو دین صحیح کی قید سے احتراز ہے بدل کتابت سے کیونکہ بدل کتابت ان دونوں صورتوں کے بغیر بھی ساقط ہوتا ہے اس طور پر کہ مکاتب بدل کتابت ادا کرنے سے اپنے آپ کو عاجز کر دے تو اس صورت میں نہ مکاتب نے دین ادا کیا ہے اور نہ مولیٰ نے اس کو بری کر دیا ہے مگر اس کے باوجود بدل کتابت ساقط ہو گیا تو معلوم ہوا کہ یہ دین صحیح نہیں ہے اور یہ بھی کہ مولیٰ اپنے غلام پر دین واجب نہیں کر سکتا اس لئے کہ غلام مولیٰ کا عین ہے اور آدمی اپنے آپ پر دین واجب نہیں کر سکتا

ينحو كفلت بمالك عليه تصح هذه الكفالة وان كان المال المكفول به مجهولا او بما يدرك كك في  
هذا البيع هذا الضمان يسمى ضمان الدرک وهو ضمان الاستحقاق ای يضمن للمشتري رد الثمن ان  
استحق المبيع مستحق .

ترجمہ... جیسے یہ کہے کہ میں اسکا کفیل ہو گیا جو تیرا اس پر ہے یہ کفالہ صحیح ہے اگرچہ مال مکفول بہ مجہول ہو یا جو تجھ کو اس بیع میں

پڑے اس ضمان کو ضمان درک کہا جاتا ہے اور یہ ضمان الاستحقاق ہے یعنی ضامن ہوگا مشتری کیلئے ثمن واپس کرنے کا اگر بیع کوئی مستحق لے گیا

**تشریح:** کفالہ بالمال منعقد ہونے کے الفاظ..

فرماتے ہیں کہ کفالہ بالمال ان الفاظ سے منعقد ہوتا ہے کہ میں کفیل ہو گیا اس کا جو تیر اس پر ہے چاہے مقدار بیان کر دے کہ ایک ہزار ہے مثلاً یا مقدار بیان نہ کرے بلکہ مجھول چھوڑ دے کہ جو تیر اس پر ہے یا جو تھ کو اس بیع میں لاحق ہوگا میں اس کا ذمہ دار ہوں ضمان درک. اس ضمان کو ضمان درک کہتے ہیں اور ضمان درک اصل میں یہ ہے کہ ایک مشتری کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے لیکن وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس بیع کا کوئی مستحق نکل آئے گا اور وہ بیع کو بجائے گا تو میرا ثمن ضائع ہو جائے گا کوئی آدمی اس کو یہ ضمانت دیتا ہے کہ اگر بیع کا کوئی مستحق نکل آیا تو تیرے ثمن کا میں ضامن ہوں اور میں آپ کو ثمن واپس کر دوں گا تو اس صورت میں بھی مال مکفول بہ مجھول ہے اور یہ کفالہ جائز ہے تو معلوم ہوا کہ مال مجھول کا کفالہ جائز ہے

او علق الكفالة بشرط ملامن نحو ما بایعت فلانا او ما ذاب لك عليه وما غصبك فعلى فعلى ما ذاب اى ماوجب ففسى هذه الصورة ما شرطية معناه ان بايعت فلانا فيكون التعليق وعنى بالملائم المناسب فان هذه الاشياء اسباب لوجوب المال فيناسب ضم الذمة الى الذمة فقوله ما بایعت فلانا اى ما بایعت منه فانى ضامن لثمنه لا ما اشترت منه فانى ضامن للمبيع فان الكفالة بالمبيع لا يجوز على ما ياتى

ترجمہ.. یا کفالے کو معلق کر دیا بشرط مناسب کے ساتھ جیسے اگر تو نے فلاں شخص کے ساتھ خرید و فروخت کی تو وہ مجھ پر ہے اور جو کچھ تیرے واسطے اس پر واجب ہوگا یا جو کچھ وہ تجھ سے چھین لے وہ مجھ پر ہے ما ذاب کے معنی ہے ما ذاب تو اس صورت میں ما شرطیہ ہے معنی ہے کہ اگر تو نے فلاں کے ساتھ خرید و فروخت کی تو یہ تعلق کے معنی میں ہے اور ملائم سے مراد مناسب ہے کیونکہ یہ چیزیں اسباب ہیں مال واجب ہونے کی تو مناسب ہے ذمے کو ذمے کے ساتھ ملانا تو یہ قول کہ ما بایعت فلانا کے معنی ہے کہ جو تو نے اس سے خرید لیا تو میں اس کے ثمن کا ضامن ہوں یہ معنی نہیں کہ جو تو نے اس کو فروخت کیا میں اس بیع کا ضامن ہوں کیونکہ کفالہ بالمبیع جائز نہیں ہے جیسے کہ آئے گا

**تشریح:** کفالہ کو شرط پر معلق کرنا.

اس کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ شرط دو قسم پر ہیں (۱) وہ شرط جو کفالے کے مناسب ہوں (۲) وہ شرط جو کفالے کے

مناسب نہ ہوں تو فرماتے ہیں کہ کفالے کو شرط مناسبہ کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے یعنی جو شرط کفالے کے مناسب ہوں ان کے ساتھ کفالے کو معلق کرنا صحیح ہے جیسے اگر تو نے فلاں شخص کے ساتھ خرید و فروخت کی تو میں اس کے ثمن کا ضامن ہوں یا تیرے فلاں پر جو کچھ لازم ہو گیا اس بیع میں تو میں اس کا ضامن ہوں یا اگر فلاں نے تجھ سے کوئی چیز غصب کی تو میں اس کی قیمت کا ضامن ہوں کیونکہ یہ سب چیزیں مال واجب ہونے کے اسباب ہیں تو اس کے ساتھ کفالہ مناسب ہے اس لئے کہ کفالہ تو ایک ذمے کے ساتھ دوسرا ذمہ ملانا ہے اور جب ایک ذمے پر مال واجب ہو گیا تو اب اس کے ساتھ دوسرا ذمہ ملانا مناسب ہے

**قولہ ما بایعت فلانا..** شارح فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تو نے فلاں کو کوئی چیز فروخت کر دی اور تیرا اس پر ثمن لازم ہو گیا تو اس ثمن کا میں ضامن ہوں یہ کفالت صحیح ہے لیکن اگر اس کا یہ معنی لیا جائے کہ اگر تو نے فلاں سے کوئی چیز خرید لی تو بیع کا میں ضامن ہوں تو یہ کفالت صحیح نہیں ہے اس لئے کہ کفالہ بالبیع جائز نہیں ہے کیونکہ یہ تو کفالہ بالعین ہے اور کفالہ بالاعیان ناجائز ہے جیسے کہ آگے آئے گا۔

وان علقتم بمجرد الشرط فلاکان هبت الريح او جاء المطر فان كفل بمالك عليه ضمن قدر ما قامت به  
بينة وبلاينة صدق الكفيل فيما يقر به مع حلفه والاصيل فيما يقر باكثر منه على نفسه فقط اى ان لم يقم البينة  
صدق الكفيل فى مقدار ما يقر به مع انه يحلف على نفى الزيادة وينبغى ان يحلف على العلم بانك لاتعلم ان  
اكثر من هذا وجب على الاصيل فان نكل او اقر بالزائد لزم عليه وانما يحلف على العلم لان الحلف فيما يجب  
على الغير ليس الاعلى العلم وان اقر الاصيل باكثر مما اقر به الكفيل يكون ذلك مقتصرا عليه لان الاقرار  
حجة قاصرة وكلمة فى قوله فيما يقر به موصولة والضمير فى به راجع الى ما وفى قوله فيما يقر باكثر منه  
مصدرية اى صدق الاصيل فى اقراره باكثر منه اى ما يقر به الكفيل ولو جعلت موصولة يفسد المعنى لانه  
حينئذ يصير تقدير الكلام صدق الاصيل فى الشيء الذى يقر باكثر منه اى من ذلك الشيء فالشئ الذى يقر  
الاصيل باكثر منه هو ما اقر به الكفيل والغرض والغرض ان الاصيل يصدق فى الاكثر لانه يصدق فيما  
اقر به الكفيل

ترجمہ.. اور اگر کفالے کو معلق کر دیا گیا مجرد شرط کے ساتھ تو صحیح نہیں جیسے یہ کہا کہ جب ہوا چلے یا پانی برسے پس اگر کفالت کی کہ جو کچھ تیرا اس پر ہے تو ضامن ہوگا اس مقدار کا جس پر گواہ قائم ہو جائے اور اگر گواہ نہ ہو تو کفیل کی تصدیق کی جائے گی اس مقدار میں جس کا وہ اقرار کرتا ہے قسم کے ساتھ اور اصل کی تصدیق کی جائے گی اس کے اقرار میں کفیل کی مقدار سے زیادہ میں اصل کی

ذات پر فقط یعنی اگر گواہ قائم نہ ہوئے تو کفیل کی تصدیق کی جائے گی اس مقدار میں جس کا وہ اقرار کر رہا ہے ساتھ اس کے کہ اس کو قسم دی جائے گی زیادتی کی نفی پر اور مناسب ہے کہ اس کو قسم دی جائے علم پر کہ تجھے معلوم نہیں کہ اس سے زیادہ اصل پر واجب نہیں ہے پس اگر اس نے انکار کیا یا اقرار کیا تو زیادتی اس پر لازم ہو جائے گی اور اس کو قسم دی جائے گی علم پر اس لئے کہ قسم اس چیز پر جو غیر پر لازم ہوتی ہے نہیں ہوتی مگر علم پر اور اگر اقرار کیا اصل نے اس مقدار سے زیادہ پر جس کا کفیل اقرار کر رہا ہے تو یہ اقرار خاص رہے گا اصل پر اس لئے کہ اقرار حجت قاصرہ ہے اور کلمہ ما مصنف کے قول فیما یقر بہ میں ما موصولہ ہے اور بہ میں جو ضمیر ہے وہ راجع ہے ما کی طرف اور اس قول میں فیما یقر باکثر منہ ، ما مصدر یہ ہے یعنی اصل کی تصدیق کی جائے گی اس کے اقرار میں اس سے زیادہ میں یعنی اس مقدار سے زیادہ میں جس کا کفیل اقرار کر رہا ہے اگر اسکو موصولہ بنایا جائے تو معنی فاسد ہو جائے گا کیونکہ اس وقت تقدیر کلام یوں ہو جائے گی کہ اصل کی تصدیق کی جائے گی اس میں جس کا وہ اقرار کر رہا ہے اس سے زیادہ میں تو وہ شیء جس کا اصل اقرار کر رہا ہے اس سے زیادہ تو وہ چیز ہے جس کا کفیل اقرار کر رہا ہے اور غرض تو یہ ہے کہ اصل کی تصدیق کی جائے گی زیادتی میں یہ نہیں کہ اصل کی تصدیق کی جائے گی اس مقدار میں جس پر کفیل اقرار کر رہا ہے

تشریح: اس عبارت میں پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفالت کو معلق کر دیا مطلق شرط کے ساتھ یا شرط غیر مطلق کے ساتھ تو ایسی شرط پر کفالت معلق کرنا جائز نہیں ہے مثلاً ایک آدمی یہ کہے کہ اگر آمدنی چلی یا بینہ برسا تو میں کفیل ہوں یہ جائز نہیں ہے کیونکہ یہ شرط کفالت کے ساتھ مناسب نہیں ہیں

کفیل کی تصدیق کتنی مقدار میں کی جائیگی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ جو کچھ تیرا فلاں پر ہے میں اس کا کفیل ہوں یعنی مکفول بہ مجہول ہے مگر اس کے باوجود کفیل نے اس کی کفالت لے لی پھر گواہوں کے ذریعے ثابت ہوا کہ مکفول لہ کا مکفول عنہ پر ہزار روپے ہیں تو کفیل اس ایک ہزار کا ضامن ہوگا کیونکہ گواہوں سے جو چیز ثابت ہو جائے وہ مشاہدے سے ثابت ہونے کے مانند ہے اس لئے کہ اگر کفیل اس چیز کا مشاہدہ کرتا جو مکفول عنہ پر واجب ہے تو کفیل پر وہ پوری مقدار واجب ہوتی اسی طرح یہاں بھی ہے اور اگر مکفول لہ نے مقدار پر گواہ قائم نہ کئے اور پھر کفیل اور مکفول لہ کا اختلاف ہو گیا مقدار میں کہ مکفول لہ کہتا ہے میرا مکفول عنہ پر ایک ہزار روپے واجب ہیں اور کفیل کہتا ہے کہ نہیں بلکہ پانچ سو روپے ہیں تو ایسی صورت میں کفیل کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ یعنی کفیل کا قول اس مقدار میں معتبر ہوگا جس کا کفیل اقرار کر رہا ہے اور مکفول عنہ جس زیادتی کا اقرار کر رہا ہے وہ زیادتی کفیل پر لازم نہ ہوگی اور کفیل کو جو قسم دی جاتی ہے وہ نفی پر دی جائے گی یعنی کفیل یہ کہے گا کہ اصل پر پانچ سو روپے واجب ہیں پانچ سو



زیادہ واجب نہیں ہیں شارح فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ قسم دی جائے نفی علم پر یعنی یوں کہے کہ خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں ہے کہ اصل پر اس سے زیادہ واجب ہے اور اس طریقے پر قسم اس لئے دی جائے گی کہ جو قسم دی جاتی ہے اس چیز پر جس کا تعلق غیر کے ساتھ ہو ایسی قسم علم پر دی جاتی ہے نہ کہ یقین پر کیونکہ غیر کے فعل میں آپ یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایسا ہوا ہوگا یا اسے علم کی نفی کر سکتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں۔

شارح فرماتے ہیں کہ جب کفیل کو قسم پیش کی گئی اور اس نے قسم سے انکار کیا یا اس نے اقرار کیا اس مقدار پر جس کا کفیل دعویٰ کر رہا ہے تو یہ زیادتی بھی کفیل پر لازم ہو جائے گی اور اگر کفیل نے زیادتی سے انکار کیا اور قسم بھی کھائی کہ مجھے معلوم نہیں کہ اس سے زیادہ اصل پر واجب ہے تو اس صورت میں کفیل کی تصدیق کی جائے گی اس مقدار میں جس کا کفیل دعویٰ کر رہا ہے یعنی پانچ سو روپے اور جو زیادتی ہے مثلاً مزید پانچ سو روپے وہ کفیل پر لازم نہ ہوں گے ہاں اصل پر لازم ہوں گے کیونکہ اصل خود اس کا اقرار کر رہا ہے اور اصل کا اقرار چونکہ حجت قاصرہ ہے لہذا اس کی ذات پر منحصر ہے گا اور کفیل کی طرف متعدی نہ ہوگا کیونکہ اصل کی ولایت نہیں ہے کفیل پر ہاں اپنی ذات پر ولایت حاصل ہے تو اسکی ذات پر زیادتی لازم ہوگی

عبارت کی وضاحت: شارح فرماتے ہیں کہ ماتن کے قول میں جو دو جگہ لفظ ما آیا ہے ایک اس قول میں ،، صدق الکفیل فیما یقر بہ ،، اس میں لفظ ما موصولہ ہے اور یقر بہ اسراصلہ ہے اور بہ میں (ہ) ضمیر راجع ہے موصولہ کی طرف اور ایک اس قول میں ،، والاصل فیما یقر باکثر منہ ،، اس میں ما مصدریہ ہے کہ تصدیق کی جائے گی اصل کی اس کے اقرار میں اس سے زیادہ میں یعنی اس مقدار سے زیادہ میں جس کا کفیل اقرار کرتا ہے اس صورت میں عبارت کا مطلب صحیح بنتا ہے اور عبارت بے غبار رہتی ہے۔

لیکن اگر دونوں جگہوں میں ما کو موصولہ بنایا جائے تو معنی فاسد ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی ،، صدق الاصل فی الشیء الذی یقر باکثر منہ ای من ذلک الشیء الخ ،، یعنی اصل کی تصدیق کی جائیگی اس شیء (مقدار) میں جس کا اصل اقرار کرتا ہے اس سے زیادہ، میں باکثر متعلق ہے صدق کے ساتھ یعنی اصل کی تصدیق کی جائے گی اس مقدار سے زیادہ پر جس کا اصل اقرار کرتا ہے تو جس مقدار کا اصل اقرار کرتا ہے۔ ا۔ غیر اور اس سے زیادہ تو وہ مقدار ہے جس کا کفیل اقرار کرتا ہے تو معنی یہ ہوگا کہ اصل کی تصدیق کی جائے گی اس مقدار میں جس کا کفیل اقرار کرتا ہے حالانکہ غرض یہ نہیں ہے بلکہ غرض یہ ہے کہ اصل کی تصدیق کی جائے گی اس مقدار میں جس کا کفیل اقرار کرتا ہے تو اس زیادتی میں اصل کی تصدیق کی جائے گی اور یہ اس وقت صحیح ہوگا جبکہ دوسری جگہ میں ما موصولہ بنایا جائے (واللہ اعلم)

وللطالب مطالب بمن شاء من اصیل و کفیل ومطالبتهما فان طالب احدهما فله مطالبه الآخر  
هذا بخلاف المالك اذا اختار احد الغاصبين فان اختياره احدهما يتضمن تملكه يعني اذا قضى القاضى  
بذلك كذا فى مبسوط شيخ الاسلام فاذا ملك احدهما لا يمكنه ان يملك الآخر

ترجمہ: اور مکفول لہ کو مطالبے کا حق جس سے چاہے اصیل سے یا کفیل سے یا دونوں سے اگر ایک سے مطالبہ کیا تو دوسرے  
سے بھی مطالبے کا حق ہے برخلاف مالک کے کہ جب اس نے اختیار کیا دو غاصبوں میں سے ایک کو کیونکہ ایک کو اختیار کرنا محضمن  
ہے اس کو مالک بنانے کا یعنی جب قاضی نے اس پر فیصلہ کیا اسی طرح مبسوط شیخ الاسلام میں ہے کہ جب ایک کو مالک بنا دیا تو  
ممكن نہیں ہے دوسرے کو مالک بنانا

**تشریح مکفول لہ کس سے مطالبہ کرے گا:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب کفالت تام ہو گیا تو اس کے بعد مکفول لہ کو یہ اختیار ہے کہ اگر چاہے اصیل سے بھی مطالبہ کر سکتا ہے اور  
کفیل سے بھی مطالبہ کر سکتا ہے اور دونوں سے بھی مطالبہ کر سکتا ہے اصیل سے تو اسلئے کہ اسکا ذمہ فارغ نہیں ہوا ہے اور کفیل سے  
اس لئے کہ کفالت کی وجہ سے کفیل کا ذمہ بھی اصیل کے ذمے کے ساتھ مل گیا ہے اور دونوں سے اسلئے کہ دونوں ذمے مل گئے

**بخلاف المالك:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی سے دو آدمیوں نے ایک چیز غصب کی مثلاً کپڑے کا ایک تھان  
غصب کیا اور پھر مالک نے ایک سے ضمان لینا اختیار کیا یعنی قاضی نے ایک غاصب پر ضمان کا فیصلہ کیا تو اس کے بعد مالک  
دوسرے غاصب سے ضمان کا مطالبہ نہیں کر سکتا کیونکہ ایک غاصب پر ضمان کا فیصلہ کرنا محضمن ہے اس بات کو کہ مالک نے اس  
غاصب کو شئی منسوب کا مالک بنا دیا ہے اور شئی منسوب کا مالک ایک شخص کو بنا دیا تو دوسرے کو مالک نہیں بنا سکتا لہذا جب ایک  
غاصب پر ضمان کا فیصلہ ہو گیا تو اب دوسرے سے ضمان کا مطالبہ نہیں کر سکتا اور کفالت میں جب ایک سے مطالبہ کیا تو دوسرے  
سے بھی مطالبہ کر سکتا ہے۔

وتصح بامر الاصيل وبلا امره ثم ان امره رجع عليه بعد ادائه الى طالبه ولا يطالبه قبله بخلاف  
الوكيل بالشراء فانه اذا اشترى كان له مطالبه الثمن من مؤكله قبل ادائه الى البائع لانه انعقد بين الوكيل  
والمؤكل مبادلة حكمية وان لم يأمره لم يرجع فان لوزم الكفيل بالمال فله ملازمة اصيله وان حبس فله  
حبسه لانه لحقه هذا الضرر بامرہ فيعامله بمثلہ

ترجمہ... اور کفالہ صحیح ہے مکفول عنہ کے حکم سے اور اس کے حکم کے بغیر پھر اگر اس کو حکم کیا ہو تو رجوع کرے اس پر ادا کرنے کے بعد مکفولہ کو اور ادا کرنے سے پہلے مطالبہ نہیں کر سکتا برخلاف خریداری کے وکیل کے کہ اگر اس نے خرید لیا تو اس کو ثمن کے مطالبے کا حق ہے اپنے مؤکل سے ادا کرنے سے پہلے بائع کو اس لئے کہ منعقد ہوا ہے وکیل اور مؤکل کے درمیان مبادلہ حکمیہ اور اگر اس کو حکم نہ کیا ہو تو رجوع نہیں کرے گا پس اگر کفیل بالمال کو لازم پکڑا گیا تو اس کا حق ہے کہ وہ مکفول عنہ کو لازم پکڑے اور اگر کفیل قید کیا گیا تو اس کے لئے جائز ہے مکفول عنہ کو قید کرنا کیونکہ یہ ضرر اس کو لاحق ہوا ہے اس کے حکم سے تو اس کے ساتھ اس جیسا معاملہ کرے گا

### تشریح: کفیل مال کا رجوع کرے گا یا نہیں؟

کفالہ بالمال میں کفیل دو قسم کا ہوتا ہے (۱) کفیل نے کفالت کی ہو مکفول عنہ کے حکم اور امر سے (۲) کفیل نے کفالت کی ہو مکفول عنہ کے حکم اور امر کے بغیر یعنی اپنی طرف سے کفالت کی ہو پس اگر کفیل نے مکفول عنہ کے حکم سے کفالت کی ہو اور کفیل نے مکفول لہ کو مال ادا کیا تو کفیل اس مال کا رجوع کرے گا مکفول عنہ پر کیونکہ کفیل نے اپنے غیر کا قرضہ ادا کیا ہے اس کے حکم سے اور جو شخص اپنے غیر کا قرضہ ادا کرے اسکے حکم سے تو اس کو واپس لینے کا حق حاصل ہوتا ہے اس لئے کفیل بامرہ کو مکفول عنہ سے ادا کیا ہو مال واپس لینے کا حق حاصل ہے لیکن کفیل کو مکفول عنہ سے واپس لینے کا حق اس وقت ہے جبکہ کفیل نے دین ادا کر دیا ہو مکفول لہ کو جب تک کفیل نے مکفول لہ کو دین ادا نہ کیا ہو اس وقت تک کفیل کو مکفول عنہ پر رجوع کا حق حاصل نہیں ہے

### بخلاف الولکیل بالشراء :

اور یہ مسئلہ وکیل بالشراء کا خلاف ہے یعنی جب ایک آدمی دوسرے آدمی کو وکیل بنایا کسی چیز کے خریدنے کا اور وکیل نے چیز خرید کر ابھی تک بائع کو ثمن ادا نہیں کیا ہے تو وکیل مؤکل سے ثمن کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ وکیل اور مؤکل کے درمیان ایک مبادلہ حکمیہ منعقد ہوا ہے حقیقت مبادلہ تو موجود نہیں ہے لیکن ایک حکمی مبادلہ موجود ہے وہ اس طرح کہ جب بیع وکیل کے پاس تھی اسکے احکام وکیل کی طرف راجع ہوتے تھے اور جب وکیل کے پاس سے مؤکل کے پاس چلی گئی تو اب احکام مؤکل کی طرف راجع ہوتے ہیں تو گویا کہ ایک الگ عقد ہو گیا وکیل اور مؤکل کے درمیان لہذا وکیل مؤکل سے ثمن کا مطالبہ کر سکتا ہے بائع کو ادا کرنے سے پہلے

اور اگر مکفول عنہ نے کفیل کو حکم اور امر نہ کیا ہو کفالہ کرنے کا تو کفیل دین ادا کرنے کے بعد مکفول عنہ پر رجوع نہیں کر سکتا اس

لئے کہ کفیل تبرع اور احسان کرنے والا ہے اور احسان کرنے والا اپنے احسان کا بدلہ نہیں لیتا

**فان لوزم الکفیل :** مسئلہ یہ ہے کہ اگر مکفول! اپنا دین وصول کرنے کیلئے کفیل کا دامن گیر ہو گیا یعنی ہر وقت کفیل کے پیچھے پڑا رہتا ہے تو کفیل کو بھی اختیار ہے کہ وہ مکفول عنہ کا دامن گیر ہو یعنی کفیل مکفول عنہ کا پیچھا کرے یہاں تک کہ مکفول عنہ کفیل کا دامن چھڑا دے کیونکہ مکفول عنہ نے کفیل کو اس مصیبت میں مبتلا کیا ہے تو اس مصیبت سے نجات دلانا بھی اس پر لازم ہوگا اور اگر مکفول لہ نے اپنے دین کی وجہ سے کفیل کو قید کر دیا تو کفیل کو بھی اختیار ہے کہ وہ مکفول عنہ کو قید کر دے اس شرط پر کہ کفالہ اس کے حکم سے ہوا ہو کیونکہ کفیل کو جو یہ پریشانی لاحق ہوئی ہے وہ مکفول عنہ کی وجہ سے لاحق ہوئی ہے تو مکفول عنہ پر واجب ہے کہ وہ کفیل کو اس مصیبت سے نجات دلا دے اور مکفول عنہ کفیل کو نجات نہ دلا سکے تو کفیل کو مکفول عنہ کے ساتھ وہی معاملہ جائز ہوگا جو مکفول لہ کفیل کے ساتھ کرتا ہے

وان ابرأ الاصل او اوفى المال برئ الكفيل وان ابرئ هو لا يبرأ الاصيل لان الدين على الاصيل

فالبرائة عنه توجب البرائة عن المطالبة بخلاف العكس وان اخر عن الاصيل تاخر عنه بخلاف

عكسه اعتبار الابرء المؤقت بالمؤبد

ترجمہ.. اگر مدعی نے اصل کو بری کیا یا اصل نے دین ادا کیا تو کفیل بری ہو جائے گا اور اگر کفیل کو بری کیا گیا تو اصل بری نہ ہوگا کیونکہ دین تو اصل پر ہے تو اس کو بری کرنا واجب کرتا ہے کفیل کی برائت کو مطالبہ سے برخلاف اس کے عکس کے اور اگر مکفول لہ نے اصل سے دین مؤخر کر دیا تو کفیل سے بھی مؤخر ہو جائے گا برخلاف اس کے عکس کے ایک معین وقت تک بری کرنے کو دائمی طور پر بری کرنے پر قیاس کیا ہے۔

**تشریح:** اصل کو بری کرنے سے کفیل بھی بری ہو جائے گا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مکفول لہ نے اصل یعنی مکفول عنہ کو دین سے بری کر دیا یا مکفول لہ نے اصل سے دین وصول کیا تو کفیل بھی بری ہو جائے گا اس لئے کہ دین اصل پر ہے بنا بر قول صحیح پس جب مکفول عنہ کو بری کرنے سے جب اصل سے دین ساقط ہو گیا تو کفیل سے مطالبہ بھی ساقط ہوگا لیکن اگر مکفول لہ نے کفیل کو بری کیا تو اس سے اصل سے دین ساقط نہ ہوگا کیونکہ کفیل مکفول عنہ کا تابع ہے اور مکفول عنہ تابع نہیں ہے پس اگر کفیل کو بری کرنے سے اصل کو بری کر دیا جائے تو اصل کا اپنے تابع کا تابع ہونا لازم آئے گا حالانکہ یہ قلب موضوع ہے اس لئے ہم نے کہا کہ کفیل کو بری کرنے سے اصل بری نہ ہوگا

کفیل کو بری کرنا: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مکفول لہ نے اصیل سے دین مؤخر کر دیا تو یہ کفیل سے مؤخر ہو جائے گا لیکن اگر مکفول لہ نے کفیل سے دین مؤخر کر دیا تو اصیل سے مؤخر نہ ہوگا اس لئے کہ دین مؤخر کرنا چونکہ ایک مدت تک کیلئے مطالبے کو ساقط کرنا ہے تو یہ ابراء مؤقت ہے اس لئے اس کو قیاس کیا جائے گا ابراء مؤبد پر اور ابراء مؤبد کی صورت میں چونکہ اصیل کے بری کرنے سے کفیل بری ہو جاتا تھا اور کفیل کے بری کرنے سے اصیل بری نہ ہوتا تھا تو یہاں بھی اس طرح کیا جائے گا

فان صالح الكفيل الطالب عن الف على مائة هري الكفيل والاصيل ورجع على الاصيل بها ان كفل بامرہ لانه اضاف الصلح الى الالف الذي هو الدين على الاصيل فيبرئ عن تسع مائة وبرائه توجب برنة الكفيل فان كانت الكفالة بامرہ رجع الكفيل بما أدى وهو المائة

ترجمہ: اگر کفیل نے مکفول لہ سے صلح کی ہزار سے سو پر تو کفیل اور اصیل دونوں بری ہو جائیں گے پس اگر کفالت اصیل کے امر سے ہو اور تو کفیل رجوع کرے گا اس کا جو اس نے ادا کیا ہے اصیل پر اور وہ سو ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب کفیل نے مکفول لہ سے صلح کی ایک ہزار سے سو پر یعنی مدیون پر تو ایک ہزار روپے واجب تھے لیکن کفیل نے ان کے ساتھ صلح کی ایک سو روپے پر تو اس صورت میں کفیل اور اصیل دونوں نو سو روپے سے بری ہو جائیں گے اور کفیل نے چونکہ سو روپے مکفول لہ کو ادا کر دئے ہیں اس لئے کفیل اصیل سے صرف سو روپے کا رجوع کرے گا اگر کفالت اصیل کے حکم سے ہوئی تھی اصل وجہ اس میں یہ ہے کہ جب کفیل نے صلح ان دراہم کی طرف منسوب کی جو دین ہے اصیل پر اور پھر سو روپے صلح کی تو اصیل بری ہو گیا نو سو روپے سے اور اصیل کا بری کرنا واجب کرتا ہے کفیل کی برائت کو۔

وان صالح على جنس اخر رجع بالالف لانه مبادلة فيملكه الكفيل فيرجع بجميع الالف فان قلت ان الدين على الاصيل فكيف يملكه الكفيل لان تملك الدين من غير من عليه الدين لا يصح قلت اما عند من جعل الكفالة ضم للذمة الى الذمة فم الدين فظاهر واما عند الآخرين فان المكفول له اذا ملك الدين من الكفيل اما بالهبة او بالمعاضة فالدين يجعل ثابتا في ذمة الكفيل ضرورة صحة التملك كذا قالوا

ترجمہ: اور اگر صلح کی کفیل نے دوسری جنس پر تو رجوع کرے گا ہزار کا اس لئے کہ یہ مبادلہ ہے تو کفیل اس کا مالک ہوگا تو رجوع کرے گا پورے ہزار کا اگر تو کہے کہ دین تو اصیل پر ہے تو کفیل کیسے اس کا مالک ہوگا اس لئے کہ دین کا مالک بنانا اس کو جس پر دین نہ ہو صحیح نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ اس کے نزدیک جس نے کفالت ذمے کو ذمے کے ساتھ ملانا قرار دیا ہے دین اس میں

تو ظاہر ہے اور دوسروں کے نزدیک کہ مکفول لہ نے جب دین کا مالک بنایا کفیل کو یا تو ہے سے اور یا معاوضے سے تو دین ثابت مانا جائے گا کفیل کے ذمہ میں تملیک کے صحیح بنانے کی ضرورت کی وجہ سے اسی طرح علماء نے فرمایا ہے

**تشریح: اگر کفیل نے غیر جنس پر صلح کی:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفیل نے مکفول لہ کے ساتھ غیر جنس پر صلح کی مثلاً دین تو درراہم تھے اور کفیل نے ہزار سے ایک تھان کپڑے پر صلح کر کے کپڑے کا تھان مکفول لہ کو دیدیا تو اس صورت میں کفیل مکفول عنہ سے پورے ہزار روپے لے گا کیونکہ یہ حکما مبادلہ ہے یعنی کہا جائے گا کہ کفیل نے ایک ہزار کے عوض کپڑے کا ایک تھان مکفول لہ کو دیدیا ہے اور جب کفیل نے مکفول لہ کو ایک ہزار کے عوض میں ایک تھان دیدیا تو کفیل ایک ہزار کا مالک ہو گیا اور جب کفیل ایک ہزار کا مالک ہو گیا تو وہ ایک ہزار کا رجوع کرے گا مکفول عنہ پر اگر کفالت اس کی اجازت سے ہوئی ہو

**فان قلت** اعتراض: اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے جو کہا کہ جب کفیل نے مکفول لہ کے ساتھ غیر جنس پر صلح کر لی تو کفیل مکفول عنہ سے پورا دین کا رجوع کرے گا اس لئے کہ کفیل دین یعنی ہزار روپے کا مالک ہو گا اب اعتراض یہ ہے کہ دین تو اصل پر ہے کفیل پر تو بنا بر مذہب صحیح دین نہیں ہے بلکہ صرف مطالبہ ہے اب کفیل کو دین کا مالک بنانا تملیک الدین من غیر من علیہ الدین کے قبیل سے ہے یعنی اس شخص کو دین کا مالک بنانا جس پر دین نہ ہو یہ جائز نہیں ہے تو یہاں بھی کفیل کو دین کا مالک بنانا جائز نہ ہوگا۔

**قلت** جواب: شارح نے اس کے دو جواب دئے ہیں (۱) یہ ہے کہ جن حضرات کے نزدیک کفالت نام ہے ”ضم الذمۃ الی الذمۃ فی الدین“ کا تو ان کے نزدیک کوئی اشکال لازم نہیں آتا اس لئے کہ اصل پر بھی دین ہے اور کفیل پر بھی دین ہے اور جب کفیل پر دین ہے تو تملیک الدین من غیر من علیہ الدین نہ ہو بلکہ تملیک الدین من علیہ الدین ہو اس لئے کہ کفیل پر بھی دین ثابت ہے۔

لیکن یہ جواب درحقیقت ایک عذر کی شکل میں پیش کیا ہے اس لئے کمزور ہے لیکن جواب کے کمزور ہونے سے مدعی کمزور نہیں ہوتا اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ مدعی کیلئے کوئی اور دلیل ہو۔

(۲) اور اگر کفالت کو ”ضم الذمۃ الی الذمۃ فی الدین“ قرار دیا جائے جیسے کہ مشہور ہے تو پھر اس کا جواب یہ ہے کہ کفیل دین کا مالک اس طرح ہوا کہ کفیل نے جب مکفول لہ کو غیر جنس ادا کر دی تو گویا مکفول لہ نے کفیل کو دین بیچ دیا مثلاً مکفول لہ نے ایک تھان کے عوض کفیل کو ایک ہزار روپے فروخت کر دئے اور کفیل نے مکفول لہ سے دین خرید لیا تو اب کفیل دین کا مالک ہوا یا

مکفول لہ نے کفیل کو دین ہیہہ کر دیا تو بھی کفیل دین کا مالک ہو گیا اور جب کفیل دین کا مالک ہو گیا تو اب کفیل کو دین کا مالک بنانا تملیک الدین من غیر من علیہ الدین نہیں ہے بلکہ تملیک الدین من علیہ الدین ہو گیا اور یہ تاویل ہم اس لئے کرتے ہیں تاکہ تملیک صحیح ہو جائے۔

وان صالح من موجب الکفالة لم یبرأ لان الصلح ابراء الکفیل عن المطالبة فلا یوجب براءة الاصلیة  
وان قال الطالب للکفیل برئت الی من المال رجوع علی اصلیه لان البرائة التی ابتدائها من الکفیل  
وانتهائها الی الطالب لا تكون الا بالایفاء کانه قال برئت بالاداء الی فی رجوع بالمال علی الاصلیة ان کانت  
الکفالة بامرہ وکذا فی برئت عند البی یوسف خلافاً لمحمد له ان البرائة یكون بالاداء والابراء  
فیثبت الادنی ولا بی یوسف انه اقر بالبرائة التی ابتدائها من المطلوب وهی بالاداء فی رجوع وفی  
برئتك لا یرجع قیل فی جمیع ذلك انکان الطالب حاضراً یرجع الیه فی البیان

ترجمہ: اور اگر کفیل نے اس حق کے بارے میں صلح کی جو کفالہ کی وجہ سے اس پر واجب ہوتا ہے تو اصل بری نہ ہوگا کیونکہ یہ صلح کفیل کو بری کرنا ہے مطالبے سے اور یہ اصل کو بری نہیں کرتا اور اگر مکفول لہ نے کفیل سے کہا کہ تو نے مال سے میری طرف برائت کر لی تو کفیل مکفول لہ سے مال واپس لے گا اس لئے کہ وہ کفالت جس کی ابتداء کفیل سے ہو اور انتہاء مکفول لہ تک ہو وہ نہیں ہوتی مگر ادا کرنے سے گویا کہ اس نے کہا کہ تو بری ہو گیا میری طرف مال ادا کرنے سے تو رجوع بالمال کرے گا اصل پر اگر کفالت بامرہ ہو اور اسی طرح اس قول میں کہ تو بری ہو گیا امام ابو یوسف کے نزدیک خلاف ثابت ہے امام محمد کیلئے امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ برائت ہوتی ہے ادا کرنے سے یا بری کرنے سے پس کم درجے کی برائت ثابت ہوگی اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ایسی برائت کا اقرار کیا ہے جس کی ابتداء کفیل سے ہے اور یہ ادا کرنے کے ساتھ ہوتی ہے تو کفیل رجوع بالمال کرے گا اور اس قول میں کہ میں نے تجھے بری کیا تو رجوع نہیں کر سکتا کہا گیا ہے کہ ان سب میں اگر مکفول لہ حاضر ہو تو اس کی طرف رجوع کیا جائے گا بیان میں۔

تشریح: اگر کفیل نے مکفول لہ کے ساتھ موجب کفالہ سے صلح کی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفیل نے مکفول لہ سے اس بات پر صلح کی کہ مکفول لہ کفیل کو موجب کفالہ سے یعنی مطالبہ سے بری کرے گا اور کفیل سے مطالبہ نہیں کرے گا اور مکفول لہ نے اس کو قبول کر لیا تو کفیل بری ہو جائے گا لیکن اصل بری نہ ہوگا بلکہ اصل پر دین بحالہ باقی رہے گا اس لئے کہ کفیل کی برائت واجب نہیں کرتی اصل کی برائت کو لہذا دین اور مطالبہ اصل پر باقی رہے گا

**برئت الی من المال:** اس مقام میں مصنف نے تین مسائل ذکر کئے ہیں جس کا تعلق ابراء سے ہے (۱) پہلا مسئلہ یہ ہے کہ مکفول لہ نے کفیل سے کہا،، برئت الی من المال،، تو اس صورت میں کفیل مکفول عنہ سے مال واپس لے گا اگر کفالت بامرہ ہو اس کی دلیل یہ ہے کہ مکفول لہ نے کہا کہ،، برئت الی من المال،، اس میں برئت کی ابتداء کفیل سے ہوئی ہے اس لئے کہ برئت میں کفیل ہی مخاطب ہے اور برئت کی انتہاء مکفول لہ پر ہوئی ہے اس لئے کہ لفظ الی انتہاء کیلئے آتا ہے اور مکفول لہ پر داخل ہوا ہے اور ایسی برئت جس کی ابتداء کفیل سے ہو اور انتہاء مکفول لہ پر ہو صرف مال ادا کرنے سے ہوتی ہے گویا کہ مکفول لہ نے یہ کہا کہ،، برئت بالاداء الی،، یعنی تو نے مجھ کو مال ادا کر دیا ہے اس لئے تو بری ہوا ہے اور چونکہ یہ کفیل بامرہ ہے اس لئے کفیل مکفول عنہ سے مال کا رجوع کرے گا۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب مکفول لہ نے کفیل سے کہا،، برئت،، اور لفظ الی اور مال کا ذکر نہ ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک کفیل اصیل سے رجوع بالمال کرے گا اور امام محمد کے نزدیک کفیل اصیل سے رجوع بالمال نہیں کرے گا

**امام محمد کی دلیل:** یہ ہے کہ مکفول لہ کے قول برئت، میں دو احتمال ہیں (۱) یہ کہ مکفول لہ نے کفیل سے کہا کہ تو بری ہو گیا ہے کیونکہ تو مال مجھے ادا کر چکا ہے اور میں نے آپ سے اپنا دین وصول کر چکا ہے (۲) یہ بھی احتمال ہے کہ تو بری ہو گیا ہے کیونکہ میں نے آپ کو بری کر دیا ہے یعنی معاف کر دیا ہے اور ان دونوں میں برئت چونکہ ادنیٰ ہے اس لئے برئت بالا ابراء ثابت ہو جائے گی لہذا اس صورت میں کفیل مکفول عنہ سے مال واپس نہیں لے سکتا

**امام ابو یوسف کی دلیل:** امام ابو یوسف نے یہ فرمایا ہے کہ کفیل مکفول عنہ سے مال واپس لے سکتا ہے کیونکہ مکفول لہ نے برئت کہا ہے یعنی حرف خطاب اور یہ اس بات کا اقرار ہے کہ کفیل مکفول لہ کو مال ادا کر چکا ہے یعنی برئت کی ابتداء کفیل سے ہوئی ہے تو کفیل کی طرف سے ادا کرنا پایا گیا ہے اس لئے ادا کرنا تو کفیل کی جانب سے ہوتا ہے بری کرنا کفیل کی جانب سے نہیں ہوتا بلکہ مکفول لہ کی جانب سے ہوتا ہے اور جب کفیل کی طرف سے ادا کرنا پایا گیا تو کفیل اصیل پر رجوع بالمال کرے گا اگر کفالت بامرہ ہو اگر چہ الی اور بالمال کے الفاظ نہ ہوں

(۳) تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ مکفول لہ نے کفیل سے کہا کہ ابرئک،، میں نے تجھے بری کر دیا تو اس صورت میں کفیل کو مکفول عنہ سے مال واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا البتہ مکفول لہ مکفول عنہ سے مال لے سکتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ایسی برئت جس کی ابتداء مکفول لہ سے ہو اور انتہاء کفیل پر ہو وہ ساقط کرنے سے ہوتی ہے گویا کہ مکفول لہ نے یہ کہا کہ میں تجھ سے اپنا حق مطالبہ



ساقط کر دیا اور کفیل سے حق مطالبہ ساقط کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفیل نے مکفل لہ کو دین بھی ادا کر دیا ہو اور کفیل کی جانب سے دین ادا کرنا نہ پایا گیا تو کفیل اصل پر دین کا رجوع بھی نہ کریگا اور چونکہ کفیل کے بری ہونے سے اصل بری نہیں ہوتا لہذا دین اصل پر باقی رہے گا مکفل لہ اپنا دین مکفل عنہ سے وصول کرے گا

**قیل فی جمیع ذلک :** بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ ان مسائل ثلاثہ میں مذکورہ احکام اس وقت ہیں جبکہ مکفل لہ کلام کہہ کر غائب ہو جائے لیکن اگر مکفل لہ حاضر ہو تو اس کی طرف رجوع کیا جائے گا کہ کفیل نے آپ کو دین ادا کر دیا ہے یا آپ نے اس کو بری کر دیا ہے کیونکہ اجمال تو مکفل لہ نے پیدا کر دیا ہے لہذا اجمال کی تفصیل کیلئے بھی اس کی طرف رجوع کیا جائے گا

ولا یصح تعلیق البرائة عن الکفالة بالشرط کسائر البراءات کما اذا قال ان قدم فلان من السفر ابرئک من الدین

ترجمہ.. اور کفالے سے بری کرنے کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے جیسے کہ دوسری برائتوں کو جیسے کہ کہے کہ اگر فلاں سفر سے واپس آجائے تو میں تجھے دین سے بری کر دوں گا۔

**تشریح:** کفالہ سے بری کرنے کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے:

مسئلہ یہ ہے کہ کفالے سے بری ہونے کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے جیسے کہ مکفل لہ کفیل سے کہے کہ اگر فلاں آدمی سفر سے واپس آ گیا تو آپ کفالے سے بری ہے تو یہ جائز نہیں ہے جیسے کہ تمام براءات کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے جبکہ اسکی یہ ہے کہ یہ براءت اسقاط محض نہیں ہے بلکہ اس میں تملیک کا معنی پایا جاتا ہے اور وہ اس طور پر کہ کفالہ کی وجہ سے مکفل لہ کفیل سے مطالبے کا مالک تھا لیکن کفیل کو بری کر دیا گیا تو گویا کہ کفیل کو مطالبے کا مالک کر دیا اور تملیکات کو شرط پر معلق کرنا جائز نہیں ہے لہذا کفالے کو شرط پر معلق کرنا جائز نہ ہوگا۔

لیکن اس سے مراد شروط غیر متعارفہ ہیں کہ کفالے کو شرط غیر متعارفہ پر معلق کرنا جائز نہیں ہے البتہ شروط متعارفہ پر معلق کرنا جائز ہے مثلاً مکفل لہ نے کفیل سے یہ کہا کہ اگر تو نے کل مجھے دین ادا کر دیا تو تو کفالے سے بری ہے اور کل کفیل نے دین ادا کر دیا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ شرط متعارفہ ہے اور کفیل دین سے اور مطالبے سے بری ہو جائے گا

ولا یصح البرائة ولا الکفالة بماتعذر استيفائه من الکفیل کالحدود والقصاص

ترجمہ.. اور صحیح نہیں ہے براءت اور کفالہ اس چیز کا جس کا وصول کرنا کفیل سے ممکن نہ ہو جیسے حدود اور قصاص

## تشریح: جس حق کا کفیل سے وصول کرنا ممکن نہ ہو:

مسئلہ یہ ہے کہ ہر وہ حق جس کا حاصل کرنا کفیل سے شرعاً ممکن نہ ہو تو اس کا کفالتہ درست نہیں ہے مثلاً نفس حد اور نفس قصاص کا کفالتہ درست نہیں ہے یعنی کفیل یوں کہے کہ وہ شخص جس پر حد یا قصاص ہے پس اگر وہ حد یا قصاص جاری ہونے کیلئے تیار نہیں تو میں تیار ہوں مجھ پر جاری کیا جائے اس لئے کہ کفیل نے تو جرم کیا نہیں ہے تو اس پر سزا کیسے جاری کی جائے کیونکہ سزاؤں میں نیابت نہیں چلتی۔ ہاں اگر کفیل یوں کہے کہ میں مکفول عنہ (جس پر حد یا قصاص ثابت ہو چکا ہے) قاضی کے دربار میں حاضر کر دوں گا تو یہ کفالت جائز ہے

وبالمبیع بخلاف الثمن اعلم ان الكفالة بتسليم المبيع تصح لكن لو هلك لايجب على الكفيل شيء  
فمراد المصنف الكفالة بمالية المبيع وذلك لان ماليته غير مضمونة على الاصيل فانه لو هلك يفسخ  
المبيع ويجب رد الثمن بخلاف الثمن

ترجمہ.. اور صحیح نہیں ہے بیع کی کفالت برخلاف ثمن کے جان لو کہ کفالتہ بیع کے سپرد کرنے کا صحیح ہے لیکن اگر بیع ہلاک ہو جائے تو کفیل پر کچھ واجب نہ ہوگا تو منصف کی مراد یہ ہے کہ کفالتہ بیع کی مالیت کا صحیح نہیں ہے اور یہ اسلئے کہ بیع کی مالیت کا ضمان نہیں ہے اصل پر اس لئے کہ اگر بیع ہلاک ہو جائے تو بیع فسخ ہو جائے گی اور ثمن واپس کرنا واجب ہوگا برخلاف ثمن کے

## تشریح: بیع کی کفالت جائز ہے یا ناجائز؟

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مشتری کے لئے بیع کا ضمان ہو گیا مثلاً یہ کہا میں عین بیع کا کفیل ہوں تو یہ کفالت جائز نہیں ہے دلیل سے پہلے ایک تمہید سمجھ لینا ضروری ہے کہ اعیان دو قسم پر ہیں (۱) اعیان مضمونہ (۲) اعیان غیر مضمونہ اعیان غیر مضمونہ وہ ہیں کہ اس کے ہلاک ہونے کی صورت میں ضمان لازم نہیں ہوتا جیسے امانت و ودیعت شیء مستعار اور کرایہ پر لی ہوئی چیز مال مضاربت اور مال شرکت ان چیزوں کے تلف ہونے کی صورت میں ضمان لازم نہیں ہوتا اور مضمونہ وہ ہیں کہ اس کے ہلاک ہونے کی صورت میں ضمان لازم ہوتا ہے پھر اعیان مضمونہ کی دو قسمیں ہیں (۱) اعیان مضمونہ بنفسھا یعنی اگر عین شیء موجود ہو تو اس کا واپس کرنا واجب ہے اور اگر عین شیء موجود نہ ہو بلکہ ہلاک ہوئی ہو تو اس کی قیمت واپس کرنا لازم ہے جیسے بیع فاسد میں مقبوض علی سوم الاشراء اور شیء مقصوب یہ چیزیں اگر بعینہ موجود ہوں تو اس کا عین واپس کرنا واجب ہے اور اگر ہلاک ہوئیں ہوں تو اس کی قیمت دینا واجب ہے (۲) اعیان مضمونہ بالغیر کہ اس کے عین کا دینا واجب نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ کوئی چیز دینا واجب ہے مثلاً بیع صحیح میں بیع اور شیء مرہون۔ کہ بیع بائع کے قبضے میں ثمن کے عوض میں مضمون ہے اور شیء مرہون مرہون

کے قبضے میں قرضے کے عوض میں مضمون ہے لیکن اگر بائع کے قبضے میں بیع ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت واپس کرنا لازم نہیں ہے بلکہ اس کا غیر یعنی جو ثمن مشتری نے دیا ہے وہ واپس کرنا لازم ہے اور اگر شئی مرہون مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو مرتہن پر اس کی قیمت واجب نہیں ہے بلکہ اس کے عوض دین سے کوئی ہوگی تو بیع صحیح میں بیع اور شئی مرہون اپنی ذات کے علاوہ دوسری چیز یعنی ثمن اور قرضہ کے عوض مضمون ہیں۔

اب چاہے اعیان مضمونہ ہوں یا غیر مضمونہ چاہے مضمونہ بنفسہا ہوں یا مضمونہ بغیرہا ان تمام کے کفالت کی دو صورتیں ہیں (۱) یہ کہ ان کی ذات کی کفالت لے لی جائے مثلاً یوں کہا کہ میں اس بات کا کفیل ہوں کہ ان چیزوں کا عین مکفول لہ کو سپرد کروں گا تو اب سمجھ لو کہ اعیان غیر مضمونہ جیسے ودیعت اور شئی مستعار اور شئی مستاجر کی ذات کی کفالت جائز نہیں ہے اسی طرح اعیان مضمونہ بغیرہا یعنی بیع اور شئی مرہون کا کفالت احتاف اور شوافع سب کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اعیان مضمونہ بنفسہا کی کفالت شوافع کے نزدیک جائز نہیں ہے اور احتاف کے نزدیک جائز ہے اور شوافع کے نزدیک اعیان مضمونہ بنفسہا کی کفالت بھی جائز نہیں ہے جس طرح کہ اعیان مضمونہ بغیرہا کی کفالت جائز نہیں ہے احتاف فرماتے ہیں کہ اعیان مضمونہ بنفسہا کی ذات کی کفالت جائز ہے مثلاً یوں کہے کہ کفیل مکفول لہ کو یہ عین سپرد کرے گا لیکن اگر یہ عین شئی ہلاک ہو جائے تو کفیل پر کچھ لازم نہ ہوگا (۲) اعیان مضمونہ بنفسہا کی مالیت کی کفالت مثلاً یوں کہے کہ اگر مکفول عنہ نے وہ ادا نہ کئے تو کفیل اس کا ضامن ہوگا تو کفیل ادا کرے گا تو یہ جائز ہے اس تمہید کے بعد اب مسئلہ کی وضاحت بالکل آسان ہے۔

وبالمبیع : مسئلہ یہ ہے کہ کفیل نے مکفول لہ سے کہا کہ میں بیع کا کفیل ہوں یعنی اگر بیع بائع کے پاس ہلاک ہوگئی تو اس کے بدل کا میں ذمہ دار ہوں یہ کفالت جائز نہیں ہے اس لئے کہ بیع ایسا عین ہے جو مضمون بغیرہا ہے یعنی ثمن کے عوض بائع کے پاس مضمون ہے اور اعیان مضمونہ بغیرہا کی کفالت جائز نہیں ہے البتہ کفیل نے یوں کفالت لی ہو کہ کفیل بیع مشتری کو سپرد کرے گا یعنی عین کی کفالت لے لی تو یہ جائز ہے اس لئے کہ بیع کا سپرد کرنا اصیل پر واجب ہے تو کفیل پر بھی واجب ہوگا لیکن اگر بیع بائع کے پاس ہلاک ہوگئی تو کفیل پر کچھ واجب نہ ہوگا اور مالیت کی کفالت اس لئے جائز نہیں ہے کہ اس کی مالیت مضمون نہیں ہے اصیل پر یعنی اصیل پر اس کی قیمت واپس کرنا لازم نہیں ہے بلکہ بیع فسخ ہوتی ہے اور بائع پر اس کا ثمن واپس کرنا لازم ہے۔

وبالمرہون ای بمالیتہ لکن تصح بتسلیم المرہون فان ہلک لایجب علیہ شیء فالحاصل ان الکفالت بمالیتہ الاعیان المضمونہ بالغیر لاتصح فاما بالاعیان المضمونہ بنفسہا تصح عندنا خلافاً للشافعی

وذلك مثل المبیع بیعا فاسداً والمغصوب والمقبوض علی سوم الشراء فانہ مضمون بالقیمۃ

ترجمہ: اور مرہون کا کفالہ لینا صحیح نہیں ہے یعنی مرہون کی مالیت کی لیکن مرہون کے سپرد کرنے کی کفالت صحیح ہے اگر ہلاک ہو جائے تو اس پر واجب نہیں ہے کوئی چیز پس حاصل یہ ہے کہ کفالہ ان اعیان کی مالیت کا جو مضمون بالغیر ہیں صحیح نہیں ہے اور وہ اعیان جو اپنی ذات سے مضمون ہیں ان کا کفالہ صحیح ہے ہمارے نزدیک خلاف ثابت ہے امام شافعیؒ کیلئے اور اس کی مثال یہ ہے جیسے بیع فاسد میں بیع اور شئی منصوب اور وہ عین جس پر خریداری کے واسطے قبضہ کیا گیا ہو تو یہ مضمون ہیں قیمت کے ساتھ۔

تشریح: آگے آنے والے مسائل اس تمہید اور اصول پر مبنی ہے جو ہم نے ابھی ذکر کیا اس اصول پر متفرع ایک مسئلہ یہ ہے کہ شئی مرہون کی کفالت جائز نہیں ہے اس کی بھی دو صورتیں ہیں (۱) شئی مرہون کی مالیت کی کفالت یعنی اگر مرتہن کے پاس شئی مرہونہ ہلاک ہو جائے کفیل اس کا ذمہ دار ہوگا تو یہ کفالت جائز نہیں ہے اسلئے کہ شئی مرہون مضمون بنفسہ نہیں ہے بلکہ مضمون بالغیر ہے یعنی اگر شئی مرہون ہلاک ہو جائے تو مرتہن پر اس چیز کا واپس کرنا بھی واجب نہیں ہے اور نہ اسکی قیمت واپس کرنا واجب ہے بلکہ اس کا غیر واجب۔ ہے یعنی مرتہن سے اس کے عوض دین کی کٹوتی ہوگی تو مضمون بالغیر ہو اور مضمون بالغیر کی کفالت جائز نہیں ہے۔

(۲) شئی مرہون کی سپرد کرنے کی کفالت یعنی کفیل یوں کہے کہ میں اس بات کا کفیل ہوں کہ شئی مرہون کو مرتہن سے واپس لے کر راہن کو حوالہ کروں گا تو یہ کفالت جائز ہے اس لئے کہ ایسے فعل کا التزام ہے جو خود اصل پر واجب ہے یعنی اصل پر بھی یہ واجب ہے کہ شئی مرہون یا بیع صحیح میں راہن اور مشتری کو حوالہ کر دے تو کفیل پر بھی یہ کام واجب ہو سکتا ہے اور کفیل سے بھی اس کا مطالبہ ہو سکتا ہے اور جو فعل مکفول عنہ پر واجب ہو اس کی کفالت جائز ہے البتہ اگر شئی مرہون مرتہن کے پاس ہلاک ہوگئی تو کفیل پر کچھ واجب نہ ہوگا کیونکہ پھر تو یہ کفالہ بمالیۃ المرہون ہو جائے گا

فالحاصل سے جو عبارت ذکر کی گئی ہے اس کی تفصیل سابقہ تمہید کے ضمن میں گزر چکی ہے وہاں ایک نظر دیکھ لیا جائے

وبالامانة كالوديعة والمستعار والمستاجر ومال المضاربة والشركة قالوا الكفالة بمالية الوديعة والعارية  
لا تصح اما بتمكين المالك من اخذ الوديعة تصح وكذا بتسليم العارية

ترجمہ: اور صحیح نہیں ہے کفالہ امانت کے بدلے جیسے ودیعت اور عاریت پر لی گئی چیز اور کرایہ پر لی گئی چیز مال مضاربت اور مال شرکت کی علماء نے کہا ہے کہ ودیعت اور عاریت کی مالیت کی کفالت صحیح نہیں ہے اب مالک کو امانت لینے کی قدرت دیدینا تو یہ صحیح ہے اسی طرح عاریت کو سپرد کرنے کی

**تشریح:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے امانت کی کفالت لے لی یعنی ودیعت کی یوں کہا کہ میں مودع کیلئے مودع کی طرف سے اس بات کا کفیل ہوں کہ اگر مودع کے پاس ودیعت ہلاک ہو جائے اس کی مالیت کا میں کفیل ہوں اسی طرح اگر شئی مستعار مستعیر کے پاس ہلاک ہو جائے کفیل اس کا ذمہ دار ہوگا اسی طرح کفیل نے یوں کہا کہ اگر متاجر کے پاس شئی مستاجر ہلاک ہو جائے تو اس کا کفیل ذمہ دار ہوگا تو یہ کفالتہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ اعیان مضمونہ نہیں ہیں اصل پر بھی ضمان نہیں آتا ہے تو اس کی کفالت بھی جائز نہ ہوگی۔

البتہ اگر کسی نے یہ کفالت لے لی کہ کفیل مالک کو ودیعت واپس کرنے کا ذمہ دار ہوگا اور مالک کو اس پر قبضہ کرنے کی قدرت دے گا اور عاریت کو مالک کی طرف واپس کرنے کا ذمہ دار ہوگا تو یہ کفالتہ جائز ہے لیکن اگر امانت یا شئی مستعار مودع کے پاس یا مستعار مستعیر کے پاس ہلاک ہو جائے تو کفیل پر ضمان نہ ہوگا

وبالحمل علی دابة مستأجرة معينة اذا لقدره له على تسليم دابة المكفول عنه بخلاف غير معينة فان المستحق ههنا الحمل علی ای دابة كانت فالقدره ثابتة ههنا وبخدمة عبد مستاجر لها معين لما ذكر في الدابة

ترجمہ۔ اور کفالتہ جائز نہیں ہے ایک معین سواری پر بار برداری کیلئے جس کو کرایہ پر لیا گیا ہو اس لئے کہ اس کو قدرت نہیں ہے مکفول عنہ کی سواری سپرد کرنے پر برخلاف غیر معین کے کیونکہ مستحق یہاں بار برداری ہے جوئی سواری پر بھی ہو تو قدرت یہاں ثابت ہے اور ایک معین غلام کی خدمت کی جس کو کرایہ پر لیا گیا ہو اس وجہ سے جوڈ کر ہوئی ہے سواری میں

**تشریح:** بار بردار سواری کی کفالت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک معین سواری بار برداری کیلئے کرایہ پر لی اور ایک آدمی مستاجر کیلئے اس معین جانور کا کفیل ہوا تو یہ بار برداری کا کفالتہ جائز نہیں ہے کیونکہ وہ معین جانور چونکہ کفیل کی قدرت میں اس کا حوالہ کرنا نہیں ہے لیکن اگر کفیل نے غیر معین جانور کی کفالت لے لی تو یہ جائز ہے کیونکہ مقصود یہاں بوجھ کا پہنچانا ہے اور کفیل کو یہ قدرت حاصل ہے کہ مکفول لہ کا بوجھ اپنے جانور پر لاد دے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے اپنی خدمت کیلئے ایک معین غلام کرایہ پر لیا اور کسی نے اسکی کفالت کی تو یہ کفالتہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ کفیل کو اس معین غلام کے سپرد کرنے پر قدرت نہیں ہے ہاں اگر غیر معین غلام کی کفالت کی تو یہ جائز ہے کیونکہ مقصود یہاں خدمت کرنا ہے اگر مکفول عنہ اپنا غلام نہیں دیتا تو کفیل اپنا غلام یا کوئی دوسرا غلام اس کو حوالہ کر دے گا خدمت کیلئے اور کفیل اس پر قادر ہے لہذا اس کی کفالتہ جائز ہے۔

وعن ميت مفلس هذا عند ابى حنيفة بناء على ان ذمة الميت قد ضعفت فلا يجب عليها الابان يتقوى

ساحدا الامرین اما بان يكون ديننا صحيحا فيصح الكفالة وعندهما اذا ثبت الدين ولم يوجد مسقط يكون  
دينا صحيحا فيصح الكفالة

ترجمہ۔ اور کفالت صحیح نہیں ہے اس میت کی طرف سے جو مفلس ہو کر مرنا ہو یہ امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے مٹی ہے اس بات پر کہ میت کا ذمہ کمزور ہو گیا ہے تو اس پر واجب نہیں ہے مگر یہ کہ قوی ہو جائے دو باتوں میں سے ایک کے ساتھ یا تو مال چھوڑ دے اور یا کفیل جس نے کفالت لی ہو اس کی حیات میں تو اس وقت یہ دین دین صحیح ہوگا تو کفالت بھی صحیح ہوگا اور صاحبین کے نزدیک جب دین ثابت ہو اور ساقط کرنے والا نہیں پایا گیا تو دین صحیح ہو اور کفالت بھی صحیح ہوگا۔  
تشریح: میت کی طرف سے دین کا کفیل ہونا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص پر لوگوں کا قرضہ ہے اور وہ مفلس ہو کر مر گیا یعنی اس نے کوئی مال ترکہ میں نہیں چھوڑا اور نہ اس کی طرف سے کوئی کفیل ہوا زندگی میں پھر اس کی موت کے بعد ایک شخص میت کی طرف سے کفیل ہوا وہ شخص خواہ اس کا وارث ہو یا اجنبی تو ایسی صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک کفالت صحیح نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک یہ کفالت صحیح ہے

صاحبین کی دلیل: صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص ایسے دین کا کفیل ہوا ہے جو دین مکفول عنہ یعنی میت کے ذمہ واجب ہے اور ایسا دین دین صحیح ہوتا ہے اور دین صحیح کی کفالت بالاتفاق جائز ہے لہذا اس دین کا کفالت جائز ہوگا اور یہ دین دین صحیح اس لئے ہے کہ دین صحیح اس وقت تک ساقط نہیں ہوتا جب تک یا تو ادا نہ کرے یا صاحب حق معاف نہ کرے اور میت میں موت کی وجہ سے ان دونوں باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں پائی گئی نہ تو اس نے دین ادا کیا ہے اور نہ صاحب حق نے اپنا حق معاف کیا ہے تو میت کے ذمے سے قرض ساقط نہیں ہوا ہے اور جب میت کے ذمے سے قرض ساقط نہیں ہوا ہے تو معلوم ہوا کہ میت کے ذمے پر قرض ثابت اور باقی ہے اور احکام آخرت کے بارے میں بھی اس کا قرضہ باقی ہے اور اگر اسکی حیات میں کوئی اسکی کفالت لیتا تو کفالت صحیح ہوتی اور میت کا قرضہ کفیل سے وصول کیا جاتا تو اسی طرح اسکی موت کے بعد اگر کوئی شخص اسکا کفیل ہو جائے تو کفالت صحیح ہونی چاہئے اور یہ دین چونکہ دین صحیح ہے اسلئے اسکی کفالت بھی صحیح ہوگی

حدیث سے استدلال: صاحبین کے مسلک کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک انصاری صحابی کا جنازہ لایا گیا کہ آپ ﷺ نماز جنازہ پڑھائے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ آپ کے ساتھی پر دین ہے عرض کیا گیا کہ ہاں دو درہم یا دو دینار ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھاؤ میں نہیں پڑھاتا تو ابو قتادہ نے فرمایا کہ اس کے دو درہم یا دو دینار

کا میں کفیل ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پس اگر میت مفلس کی طرف سے کفالہ صحیح نہ ہوتا تو آپ ﷺ ابوققادہ کے کفیل ہونے کے باوجود جنازہ نہ پڑھاتے تو معلوم ہوا کہ کفالہ درست تھا اس لئے تو نماز جنازہ پڑھائی

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دین کے کفیل ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ دین اصیل یعنی مکفول عنہ پر ثابت ہو اور اس جگہ میت یعنی مفلس پر دین ثابت نہیں ہے بلکہ ساقط ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ دین درحقیقت مال نہیں ہے بلکہ فعل ادا کا نام ہے (یعنی ادھار لینے اور مال کے مالک کرنے کا نام دین ہے) اس لئے کہ دین وجوب کے ساتھ متصف ہوتا ہے کہا جاتا ہے دین واجب اور وجوب افعال کی صفت اس لئے ہے کہ وجوب اس فعل خاص کا نام ہے کہ اس کے کرنے سے فاعل انعام کا مستحق ہوتا ہے اور اس میں خلل ڈالنے کی وجہ سے فاعل سزا کا مستحق ہوتا ہے اور یہ بات افعال میں متصور ہوتی ہے اعمیان میں متصور نہیں ہوتی تو معلوم ہوا کہ دین مال کا نام نہیں ہے بلکہ فعل ادا کا نام ہے اور ادا کرنا قدرت کا محتاج ہے اور یہاں قدرت موجود نہیں ہے کیونکہ میت مفلس ہو کر مر رہے تو وہ نہ بذات خود فعل ادا پر قادر ہے اور نہ اپنے خلیفہ اور نائب کے ساتھ قادر ہے بذات خود قادر نہ ہونا تو ظاہر ہے کہ مر اہوا ہے اور نائب کے ساتھ قادر نہ ہونا اسلئے ہے کہ اس کا کوئی کفیل نہیں بنا اس کی حیات میں جو اس کی طرف سے ادا کرنے پر قادر ہوتا تو میت نہ بذات خود ادا پر قادر ہے اور نہ نائب کے ساتھ ادا پر قادر ہے تو قرض خواہ کا اس سے دین وصول کرنا فوت ہو گیا اور جب قرض خواہ کا اس سے دین وصول کرنا فوت ہو گیا تو ضرورہ احکام دنیا کے اعتبار سے اس کے ذمے سے دین ساقط ہو گیا اور جب میت کے ذمے سے دین ساقط ہو گیا تو اس کا کفالہ بھی درست نہ ہوگا کیونکہ بغیر دین کے کفالہ درست نہیں ہوتا پس ثابت ہوا کہ میت کی طرف سے دین کا کفالہ درست نہیں ہے

### حدیث شریف سے استدلال کا جواب:

اور صاحبین نے جو ابوققادہ کی حدیث استدلال میں پیش کی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ اس میت کی کفالت ابوققادہ نے اس کی زندگی میں لی تھی بعد میں انہوں نے اس کا اظہار کیا کہ میں اس کا کفیل ہوں پہلے سے اور یا اس کا جواب یہ ہے کہ کفالت نہیں تھی بلکہ ابوققادہ کی طرف سے تبرع اور احسان تھا اور تبرع اور احسان کے ہم بھی قائل ہیں کہ اب بھی جائز ہے

وبلاقبول الطالب فی المجلس وعندابی يوسف اذا بلغه الخبر واجاز جاز وهذا الخلاف فی الكفالة بالنفس والمال جميعا الا اذا كفل عن مورثه فی مرضه مع غيبة غرمانه صورته ان يقول المريض لوارثه فی غيبة الغرماء تكفل عنی بما علی من الدين فكفل وانما یصح لان ذلك فی الحقيقة وصية ولهذا لا یشرط تسمية المكفول له

ترجمہ.. اور کفالہ صحیح نہیں ہے مکفول لہ کے قبول کئے بغیر مجلس میں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جب اس کو خبر پہنچے اور وہ اجازت دیدے تو جائز ہے اور یہ اختلاف کفالہ بانفس اور کفالہ بالمال دونوں میں ہے ہاں اگر کفالت لے اپنے مورث کی طرف سے اس کے مرض میں قرض خواہوں کے غائب ہونے کی حالت صورت اس کی یہ ہے کہ مریض اپنے وارث سے کہے قرض خواہوں کے غائب ہونے کی حالت میں کہ تو میری طرف سے کفیل بن جا اس کا جو میرے اوپر دین ہے تو اس نے کفالت لے لی اور یہ کفالہ صحیح ہے اس لئے کہ یہ حقیقت میں وصیت ہے اس وجہ سے شرط نہیں ہے مکفول لہ کا نام لینا

**تشریح: کفالہ میں مکفول لہ کا قبول کرنا شرط ہے مجلس میں:**

مسئلہ یہ ہے کہ کفالہ بالمال ہو یا کفالہ بانفس ہو دونوں میں کفالہ صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ مکفول لہ اس کو قبول کرے اسی مجلس میں پس اگر مکفول لہ نے مجلس میں قبول نہ کیا تو کفالہ صحیح نہ ہوگا حضرات طرفین کے نزدیک اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر مکفول لہ مجلس میں قبول نہ کرے اور بعد میں اس کو خبر پہنچ جائے اور وہ اس وقت قبول کرے یعنی خبر پہنچنے کے فوراً بعد قبول کرے تو بھی جائز ہے اور کفالہ صحیح ہو جائے گا خواہ کفالہ بالمال ہو یا کفالہ بانفس ہو

**امام ابو یوسفؒ کی دلیل:**

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ کفالہ منعقد ہوتا ہے ایجاب اور قبول سے تو عقد کفالہ میں کفیل کے ایجاب کے بعد مکفول لہ کا قبول کرنا شرط ہے لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شرط یعنی قبول کرنا اور اہل مجلس تک بھی باقی رہتا ہے یعنی اگر مکفول لہ مجلس میں موجود نہ ہو اور اہل مجلس میں اس کو علم ہو اور اس نے اجازت دیدی تو بھی جائز ہے

**طرفین کی دلیل:** یہ ہے کہ عقد کفالہ میں تملیک کے معنی موجود ہے اس طور پر کہ عقد کفالہ کے ذریعے کفیل مکفول لہ کو اپنے اوپر مطالبے کا مالک کرتا ہے اور جس چیز میں تملیک کے معنی ہوں وہ مالک بنانے والا اور مالک بننے والا دونوں کے ساتھ قائم ہوتی ہے پس عقد کفالہ کفیل اور مکفول لہ دونوں کے ساتھ قائم ہوگا تو کفالہ میں کفیل کا ایجاب اور مکفول لہ کا قبول ضروری ہے اور جب مکفول لہ کا قبول ضروری ہے تو مجلس عقد میں مکفول لہ کی طرف سے قبول ضروری ہوگا اور اہل مجلس تک خیال نہیں رہے گا اگر کوئی مریض کی طرف سے کفیل بن جائے:

سابق میں مسئلہ یہ گزر چکا ہے کہ عقد کفالہ میں مکفول لہ کا مجلس عقد میں قبضہ کرنا شرط ہے طرفین کے نزدیک مگر ایک مسئلہ ایسا ہے کہ اس میں طرفین کے نزدیک بھی مکفول لہ کا قبضہ کرنا شرط نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ جب ایک آدمی مر رہا ہے اور اس نے اپنے



وارث سے کہا کہ میرے اوپر فلاں فلاں لوگوں کے قرضے ہیں آپ اس کے ادا کرنے کیلئے میری سے کفیل بن جائے تو اس صورت میں کفالت صحیح ہے اگرچہ مکفول لہ غائب ہو جب اس کی یہ ہے کہ مریض کا، قول تکفل عنی من الدین، یہ وصیت ہے گویا کہ وہ یہ کہنا چاہتا ہے اقصو ادیونی۔ تو یہ کفالت وصیت کے معنی میں ہے تو قرض خواہوں کا مجلس کے اندر قبول کرنا بھی شرط نہیں ہے یہی وجہ ہے (کہ یہ کفالت وصیت کے معنی میں ہے) کہ اس میں مکفول لہ کا نام لینا بھی ضروری نہیں ہے جیسے کہ موصی لہ کا نام لینا ضروری نہیں ہے

وبمالم الکتابۃ حر کفیل بہ او عبد لانه دین ثبت مع المنافی وانما قال حر کفیل بہ او عبد لدفع توهم ان کفالتۃ العبد بہ ینبغی ان تصح بانہ یجوز ثبوت مثل هذا الدین علیہ لان العبد محل الکتابۃ فخصه دفعا لہذا الوہم

ترجمہ.. اور صحیح نہیں ہے کفالت مال کتابت کی چاہے آزاد آدمی کفالت لے یا غلام کیونکہ یہ ایسا دین ہے جو ثابت ہوا ہے منافی کے ساتھ اور فرمایا کہ آزاد نے کفالت لی ہو یا غلام نے اس وہم کو دور کرنے کیلئے کہ غلام کی کفالت اس پر جائز ہونا چاہئے کیونکہ جائز ہے ثابت ہونا اس جیسے دین کا اس پر کیونکہ غلام محل کتابت ہے تو اس کو خاص کیا اس وہم کو دور کرنے کیلئے

**تشریح: مال کتابت کی کفالت لینا:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے غلام کی طرف سے مال کتابت کی کفالت لے لی آقا کے واسطے تو یہ کفالت جائز نہیں ہے چاہے کفالت لینے والا آزاد ہو یا غلام اس لئے کہ کفالت صحیح ہوتا ہے دین صحیح کا اور مال کتابت دین صحیح نہیں ہے اور دین صحیح اس لئے نہیں ہے کہ یہ ثابت ہوا ہے منافی کے ساتھ اور منافی کے ساتھ اس طور پر ثابت ہوا ہے کہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہے اور دین کا ثابت ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ غلام دین کے عوض کسی چیز کا مالک ہوا ہے حالانکہ غلام کیلئے ملکیت ثابت نہیں ہوتی لیکن پھر بھی ہم نے غلام پر دین ثابت کر دیا اور اس کے عوض غلام اپنی ذات کا مالک ہوا حالانکہ مالک نہیں ہونا چاہئے تھا تو یہ دین ثابت ہوا منافی کے ساتھ لہذا یہ دین صحیح نہیں ہو اور دین صحیح کا کفالت جائز نہیں ہے لہذا مال کتابت کا کفالت جائز نہیں ہے

حر کفیل بہ او عبد: مصنف نے فرمایا کہ مال کتابت کا کفالت صحیح نہیں ہے چاہے آزاد اس کا کفیل ہو جائے یا غلام یہ اس لئے فرمایا کہ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ اگر غلام کی کفالت آزاد لے تو اس لئے جائز نہیں ہے کہ آزاد کا ذمہ قوی ہے اور غلام کا ذمہ ضعیف ہے اور اصل کے ذمہ پر دین ضعیف لازم ہوگا اور کفیل کے ذمہ پر دین قوی لازم ہو جائے گا تو کفیل کا اصل سے زیادہ قوی ہونا لازم آئے گا اور کفیل اصل سے قوی نہیں ہوتا اس لئے حر کی کفالت تو صحیح نہ ہوئی لیکن اگر اس مکاتب کی کفالت کوئی غلام لے لے تو

جائز ہونا چاہئے اس لئے کہ مکاتب کا ذمہ بھی ضعیف ہے اور غلام کا ذمہ بھی ضعیف ہے تو دین ضعیف اور دین ناقص ذمہ ضعیف اور ذمہ ناقصہ پر لازم ہو گیا تو اصل اور کفیل دونوں ذمے میں برابر ہو گئے تو دونوں پر ایک جیسا دین بھی لازم ہو سکتا ہے یعنی دین کتابت اس لئے کہ وہ دین ناقص ہے اور یہ غلام جو کفیل بن سکتا ہے اس کا دین دین ناقص ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس غلام پر بھی کتابت جاری ہو سکتی ہے یعنی یہ بھی مکاتب بن سکتا ہے تو کفیل بھی بن سکتا ہے تو مصنف نے اس وہم کو دور کرنے کے کیلئے فرمایا کہ حرقفل بہ اور عبد چاہے آزاد آدمی اس کی کفالت کرے یا غلام وجہ اس کی یہ ہے ہمارا اصول یہ ہے کہ جو دین دین صحیح نہ ہو اس کی کفالت درست نہیں ہے کفالہ لینے والا چاہے حر ہو یا غلام اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اعتبار اس بات کا ہے کہ مکفول بہ دین صحیح ہو تو کفالہ درست ہے ورنہ درست نہیں ہے

ولا يرجع اصیل بالف ادى الى كفيله وان لم يعطها طالبه ای اذا عجل الاصيل فادى المال الى الكفيل الذى كفله بامرہ ليس له ان يستردها مع ان الكفيل لم يعطها للطالب كما اذا عجل اداء الزكوة لان الكفالة بامر المكفول عنه انعقدت سبباً للدينين دين الطالب على الكفيل ودين الكفيل على المكفول عنه مؤجلاً الى وقت اداائه فاذا وجد السبب وعجل صح الاداء وملكه الكفيل فلا يسترده المكفول عنه وهذا خلاف ماداه على وجه الرسالة لانه حينئذ تمحض امانة في يده

ترجمہ... اور رجوع نہیں کرے گا اصل اس ہزار کا جو اس نے کفیل کو ادا کئے ہے اگرچہ کفیل نے مکفول لہ کو ادا نہ کئے ہو یعنی جب جلدی کی اصل نے اور مال کو ادا کیا اس کفیل کو جو اس کے امر سے کفیل ہوا تھا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ یہ اس سے واپس کرے باوجود یہ کہ کفیل نے یہ مال مکفول لہ کو ادا نہیں کیا ہے جیسے کہ کسی نے زکوٰۃ پیشگی دی کیونکہ کفالہ مکفول عنہ کے حکم سے منعقد ہوا ہے سبب دو دینوں کیلئے ایک مکفول لہ کا دین ہے کفیل پر اور ایک کفیل کا دین ہے مکفول عنہ پر ادا ہار ادائیگی کے وقت تک پس جب سبب موجود ہو اور اس نے پیشگی ادا کیا تو یہ صحیح ہو اور کفیل اس کا مالک ہو گیا تو واپس نہیں کر سکتا اس سے مکفول عنہ اور یہ اس کے خلاف ہے جو اس نے ادا کیا ہے بطور پیشگی کیونکہ اس وقت یہ اسکے ہاتھ میں خلاصہ امانت ہے

تشریح: اگر مکفول عنہ نے کفیل کو پیشگی رقم ادا کی؟

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی مکفول عنہ کی طرف سے مکفول لہ کے واسطے ایک ہزار روپے کا کفیل ہوا تھا مکفول عنہ کے حکم سے پھر مکفول عنہ نے کفیل کو ایک ہزار روپے حوالہ کردئے حالانکہ ابھی تک کفیل نے مکفول لہ کو دین ادا نہیں کیا ہے تو اس صورت میں مکفول عنہ کو یہ حق نہیں ہے کہ کفیل سے یہ ایک ہزار روپے واپس لے لے جیسے کہ ایک آدمی صاحب نصاب ہو اس نے حوالان

حول سے پہلے اپنی زکوٰۃ ادا کر دی تو یہ آدمی غریب مسکین سے یہ زکوٰۃ واپس نہیں لے سکتا

دلیل: دلیل اس مسئلے کی یہ ہے کہ جو کفالتہ مکفول عنہ کے حکم سے مستحق ہوا ہے یہ کفالتہ دودینین کا سبب ہے ایک دین تو مکفول لہ کا کفیل پر ہے یہ دین بھی کفالتہ کی وجہ سے کفیل پر لازم ہو گیا اگر کفالتہ نہ ہوتا تو یہ دین کفیل پر لازم نہ ہوتا اور دوسرا دین ہے کفیل کا مکفول عنہ پر یہ دین بھی کفالتہ کی وجہ سے لازم ہوا ہے اگر کفالتہ مکفول عنہ کے حکم سے نہ ہوتا تو مکفول عنہ پر کفیل کا دین لازم نہ ہوتا تو معلوم ہوا کہ ایک کفالتہ کی وجہ سے دودینین لازم ہو گئے ایک مکفول لہ کا کفیل پر اور ایک کفیل کا مکفول عنہ پر تو کفیل اور مکفول عنہ کے درمیان دین کا سبب موجود ہو گیا ہے یعنی مکفول عنہ پر کفیل کا دین ثابت ہو گیا ہے یہ دین مؤجل ہے یعنی مکفول عنہ پر فی الحال ادا کرنا لازم نہیں ہے لیکن اگر اس نے فی الحال ادا کر دیا تو اب واپس نہیں کر سکتا اس لئے کہ دین کا سبب موجود ہے جیسے کہ پیشگی زکوٰۃ آدمی واپس نہیں کر سکتا

اور وہ دین جو مکفول عنہ نے کفیل کو ادا کیا ہے کفیل اس کا مالک ہو چکا ہے لہذا اب مکفول عنہ کفیل سے واپس نہیں لے سکتا اس وقت تک جب تک مکفول عنہ خود یہ دین مکفول لہ کو ادا نہ کرے ہاں اگر مکفول عنہ نے یہ دین خود مکفول لہ کو ادا کر دیا تو اب مکفول عنہ کفیل سے یہ دین (ہزار روپے) واپس کر سکتا ہے

اور اگر مدیون کسی کو بطور قاصد اور ایلچی کوئی ایک ہزار روپے دیدے کہ یہ روپے فلاں (قرضخواہ) کو پہنچا دو اور ابھی تک قاصد نے ادا نہ کئے ہو تو مدیون یہ رقم اس سے واپس لے سکتا ہے کیونکہ یہ رقم اسکے ہاتھ میں خالصہ امانت ہے اور امانت ہر وقت مالک واپس لے سکتا ہے

و ما ربح فیہا الکفیل لہو لہ لا یتصدق بہ اذا عامل الکفیل فی الالف التی ادى الاصل الیہ و ربح فیہا فالربح لہ حلالا طیباً لایجب تصدقہ لما ذکرنا انہ ملکہ

ترجمہ.. اور جو نفع حاصل کیا اس میں کفیل نے تو وہ کفیل کیلئے ہے جب اس نے ہزار میں کاروبار کیا وہ جس کو اصل نے اس کو ادا کیا ہے اور اس میں نفع حاصل کیا تو یہ نفع اس کے لئے حلال اور پاک ہے اسکا صدقہ کرنا واجب نہیں ہے اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ کفیل اس کا مالک ہو گیا ہے

تشریح: اگر کفیل نے کفالت کی رقم سے کوئی نفع حاصل کیا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کا کفیل بنفہ ہو اس کے امر سے اور پھر ابھی تک کفیل نے مکفول لہ کو قرضہ ادا نہ کیا ہو کہ مکفول عنہ نے کفیل کو وہ رقم ادا کر دی جس کی اس نے کفالت لی تھی اور کفیل نے اس رقم میں تجارت کر کے اس میں کچھ نفع

حاصل کیا تو یہ نفع کفیل کے واسطے حلال اور طیب ہے اسکا صدقہ کرنا واجب نہیں ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کفیل نے جب اس ہزار روپے پر قبضہ کر لیا تو کفیل اس کا مالک ہو گیا پس کفیل نے جو نفع حاصل کیا ہے وہ اپنی ملکیت سے حاصل کیا ہے اور جو نفع اپنی ملکیت سے حاصل کیا جائے وہ حلال طیب ہوتا ہے اس کا صدقہ کرنا واجب نہیں ہوتا اس لئے یہ نفع کفیل کیلئے حلال اور طیب ہے

وربح کر کفیل بہ وقبضہ له وردہ الی قاضیہ احب قوله وربح کر مبتداً وله خبرہ ای ان کانت الکفالت بکر حنطۃ فاداه الاصل الی الکفیل فباعہ الکفیل وربح فیہا فالربح له لکن ردہ الی قاضیہ وهو الاصل لانه تمکن فیہ خبث بسبب ان للاصل حق الاسترداد علی تقدیر ان یقضی الاصل الدین بنفسہ فیکون حق الاصل متعلقاً بہ فهذا الخبث یعمل فیما یتعین بالتعین کالکر بخلاف ما لا یتعین بالتعین کالدراہم والدنانیر کما فی المسئلۃ السابقۃ وهذا عند ابی حنیفۃ واما عندهما لایکون الرد الی قاضیہ احب اذ لا خبث فیہ اصلاً

**ترجمہ۔** اور ایک کرگندم کا نفع جس کی کسی نے کفالت لی اور اس پر قبضہ کر لیا (یہ نفع) کفیل کیلئے ہے اور اس کو واپس کرنا اس کے ادا کرنے والے کی طرف پسندیدہ ہے ورنہ کر مبتدا ہے اور لہ اس کی خبر ہے یعنی اگر کفالت ایک کرگندم کی ہو اور اصل نے کفیل کو ادا کردئے پس کفیل نے اس کو بیچا اور اس میں نفع حاصل کیا تو نفع کفیل کیلئے ہے لیکن اس کا واپس کرنا اس کے ادا کرنے والے کی طرف جو کہ اصل ہے پسندیدہ ہے کیونکہ اس میں خبث پیدا ہو گیا ہے اس سبب سے کہ اصل کو واپس کرنے کا حق حاصل ہے اس بنا پر کہ اصل اپنا دین خود ادا کر دے تو اصل کا حق وابستہ ہوگا اس گندم کے ساتھ اور یہ خبث عمل کرتا ہے ان اشیاء میں جو متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں جیسے کہ ایک کرگندم برخلاف ان چیزوں کے جو متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی جیسے دراہم اور دنانیر جیسے سابقہ مسئلے میں اور یہ امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے اور صاحبین کے نزدیک واپس کرنا اس پر جس نے ادا کیا ہے پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ اس میں خبث نہیں ہے

**تشریح:** اگر کفیل نے گندم میں نفع حاصل کیا؟

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی کے زید پر ایک کرگندم لازم تھی بطور قرض یا دین پھر ایک دوسرا آدمی زید کی طرف سے زید کے حکم پر اس گندم ادا کرنے کا کفیل ہو گیا اور ابھی تک کفیل نے مکفول لہ کو گندم ادا نہ کئے تھے کہ مکفول عنہ (زید) نے کفیل کو گندم ادا کر دی اور کفیل نے مکفول لہ کو ادا کرنے سے پہلے اس گندم کو بیچ کر اس سے نفع حاصل کیا اور اس کے بعد یہ گندم مکفول لہ کو ادا کر دی تو یہ نفع کفیل کیلئے جائز ہے کیونکہ اس نے اپنی ملک سے نفع حاصل کیا ہے لیکن اس نفع کا واپس کرنا مکفول لہ کو اولیٰ اور

پسندیدہ ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ کفیل کے پاس جو گندم ہے اس کی دو جہتیں ہیں ایک یہ کہ مکفول عنہ خود یہ گندم مکفول لہ کو سپرد کرے اس صورت میں کفیل نے جو نفع حاصل کیا ہے وہ غیر کی ملکیت سے حاصل کیا ہے اور اس نفع کا واپس کرنا لازم ہے اور دوسری جہت یہ ہے کہ مکفول عنہ گندم ادا نہ کرے بلکہ کفیل ادا کرے تو اس صورت میں کفیل کیلئے نفع بالکل حلال اور طیب ہے تو اس صورت میں ہم کہتے ہیں کہ چونکہ یہ احتمال موجود ہے اس وجہ سے جو ربح ایسی چیزوں سے حاصل ہو جائے جو متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہیں اس میں خبث مؤثر ہوگا اور جو چیزیں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی اس میں یہ خبث مؤثر نہ ہوگا جیسے درام اور دائیرہ۔

یہ جو تفصیل ہم نے ذکر کی ہے یہ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے اور حضرات صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ کفیل پر اس ربح کا نہ صدقہ کرنا واجب ہے اور نہ واپس کرنا لازم ہے بلکہ یہ نفع کفیل کیلئے حلال طیب ہے اور یہ ایک روایت امام ابو حنیفہ سے بھی ہے کیونکہ اس میں کوئی خبث نہیں ہے بلکہ کفیل نے اپنی ملک میں ربح حاصل کیا ہے اور اپنی ملک سے نفع حاصل کرنا جائز ہے اس کا واپس کرنا لازم نہیں ہے اور نہ صدقہ کرنا لازم ہے

کفیل امرہ اصیلہ بان یتعین علیہ ثوبا ففعل فہو لہ امر الاصل الکفیل بان یشتری علیہ ثوبا بطریق العینۃ  
 وبيع العینۃ ان یشترض رجل من تاجر شیئا فلا یقرضہ قرضا حسنا بل یعطیہ عینا ویبیعہا من المستقرض  
 باکثر من القيمة فالعینۃ مشتقۃ من العین سمی بہا لانہ اعراض عن الدین الی العین فالاصیل امر کفیلہ  
 بان یشتری ثوبا باکثر من القيمة لیقضی بہ دینہ ففعل فالثوب للکفیل لان ہذہ وكالة فاسدۃ لعدم تعین  
 الثوب

ترجمہ۔ ایک کفیل کو اس کے اصیل نے حکم دیا کہ وہ اس کے واسطے بیع عینہ کرے کپڑے کی پس اس نے ایسا کیا تو بیع کفیل کیلئے ہوگی اصیل نے کفیل کو حکم کیا کہ وہ اس کے واسطے کپڑا خرید لے بطریق عینہ اور بیع عینہ یہ ہے کہ ایک آدمی کسی تاجر سے قرض مانگے اور اس کو قرض حسن نہ دے بلکہ اس کو عین دے اور اس کو فروخت کرے قرض مانگنے والے کے ہاتھ اس کی قیمت سے زیادہ پر عینہ مشتق ہے عین سے اس کا یہ نام رکھا گیا اس لئے کہ اس میں اعراض ہے دین سے عین کی طرف تو اصیل نے کفیل کو حکم دیا کہ وہ ایک کپڑا خرید لے اس کی قیمت سے زیادہ پرتا کہ وہ اس کے ذریعے اپنا دین ادا کرے تو اس نے ایسا کیا تو کپڑا کفیل کیلئے ہوگا کیونکہ یہ وكالة فاسدہ ہے کپڑا متعین نہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: بیع عینہ کس کے واسطے ہوگی؟

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی پر کسی کا قرضہ تھا ہزار روپے پھر کوئی دوسرا آدمی اس کا کفیل ہوا اس کے بعد اصیل نے کفیل کو حکم کیا کہ تم میرے واسطے بیع عینہ کرو اور کفیل نے ایسا کیا یعنی بیع عینہ کے طور پر خرید لیا تو یہ خریداری کفیل کے واسطے ہوگی اصیل کے واسطے نہ ہوگی

بیع عینہ کیا ہے؟ بیع عینہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک آدمی ایک تاجر سے قرض مانگتا ہے تو تاجر اس کو قرض نہیں دیتا بلکہ اس کو دس روپے کا کپڑا پندرہ روپے میں بیچتا ہے تاکہ یہ قرض مانگنے والا اس کپڑے کو بازار میں دس روپے میں فروخت کرے اور اس سے اپنا قرض ادا کرے اور پھر تاجر کو کچھ مدت بعد اس کپڑے کی قیمت ادا کرے یہ بیع مکروہ ہے کیونکہ اس میں قرض کی نیکی سے اعراض ہے اور اپنے نفس کے بخل کی پیروی ہے اور اس کو بیع عینہ بھی اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں عین سے دین اور قرض دینے سے اعراض ہے اور عین یعنی بیع بیچنے کی لالچ ہے یہ تو نفس بیع عینہ کی تشریح ہوئی اور اب مسئلہ کی وضاحت سن لیجئے

چنانچہ مسئلہ یہ ہے کہ اصیل نے کفیل کو حکم کیا کہ تم میرے واسطے بیع عینہ کرو یعنی دس روپے کا کپڑا پندرہ روپے میں خرید لو اور پھر بازار میں دس روپے میں بیچ دو اور اس سے میرا قرضہ ادا کرو اور جو خسارہ تم نے کیا یعنی پانچ روپے کا خسارہ وہ مجھ پر ہے پس کفیل نے ایسا کیا تو یہ خریداری کفیل کیلئے ہوگی اور جو خسارہ ہوا ہے یعنی بائع نے جو اضافی رقم اس سے لی ہے وہ بھی کفیل پر لازم ہوگی اصیل پر لازم نہ ہوگی

دلیل: دلیل اس کی یہ ہے کہ یہ یا تو تکلیف فاسد ہے اور یا ضمان بالخسران ہے اور یہ دونوں باطل ہیں تو کیل فاسد تو اس طرح ہے کہ جب اصیل نے کفیل سے کہا کہ تم میرے واسطے کپڑا خرید لو تو بیع بھی مجہول ہے اور ضمان بھی مجہول ہے اور جب بیع یا ضمان دونوں مجہول ہوں تو وکالت فاسد ہوتی ہے تو اس صورت میں وکالت فاسد ہوئی جب وکالت فاسد ہوئی تو، تو کیل صحیح نہ ہوئی جب تو کیل صحیح نہ ہوئی تو بیع وکیل کیلئے واقع ہوگی موکل کیلئے نہ ہوگی۔

یا یہ ضمان بالخسران ہے یعنی اصیل نے کفیل سے کہا کہ تم خریدو فروخت کرو اگر آپ نے اس میں نقصان کیا تو نقصان اور خسران کا میں ضامن ہوں اور ضمان بالخسران باطل ہے اس لئے کہ ضمان اس چیز کا ہوتا ہے جو مضمون ہو نقصان اور خسران تو مضمون نہیں ہے تو اس کا ضمان کیسے صحیح ہوگا چاہے تو کیل فاسد ہو یا ضمان بالخسران ہو دونوں صورتوں میں تو اس وجہ سے مذکورہ صورت میں بیع کفیل کے لئے ہوگی اصیل کے لئے نہ ہوگی۔

والثمن وماربح بانه فعيله ای اذا اشترى الثوب بخمسة عشر وهو يساوى عشرة فباعه بالعشرة فالربح الذى حصل للبائع وهو الخمسة التى صارت خسارانا على الكفيل فعلى الكفيل لان الوكالة لمالم تصح

صار كانه قال ان اشتریت ثوباً بشيء ثم بعته باقل من ذلك فانا ضامن لذلك الخسران فهذا الضمان ليس بشيء

ترجمہ: ثمن اور جو کچھ بائع نے اس سے کمایا ہے وہ کفیل پر ہے یعنی جب خرید لیا کپڑا پندرہ روپے میں اور مساوی ہودس روپے کے پھر اس کو بیچ دیا دس روپے میں تو وہ نفع جو حاصل ہوا ہے بائع کیلئے اور یہ وہ پانچ روپے ہیں جو خسران بن گیا ہے کفیل پر تو یہ کفیل پر ہوگا اس لئے کہ وکالت جب صحیح نہ ہوئی تو ایسا ہو گیا گویا کہ اس نے کہا کہ اگر تو نے کپڑا خرید لیا کسی چیز کے عوض پھر تم نے بیچ دیا اس سے کم قیمت پر تو میں ضامن ہوں اس خسران کا تو یہ ضمان کوئی چیز نہیں ہے

تشریح: سابقہ مسئلے سے متعلق ہے کہ جب اصیل نے کفیل سے کہا کہ تم میرے واسطے بیچ عینہ کرو اور جو نقصان اور خسران تم نے کیا وہ میرے ذمے ہے تو یہ بیچ کفیل کے لئے ہوگی اور اصیل پر کچھ لازم نہ ہوگا تو اصل ثمن یعنی دس روپے اور جو کچھ بائع نے اس سے اضافی کمایا ہے یعنی پانچ روپے یہ سب کفیل پر لازم ہوں گے کیونکہ یا تو یہ وکالت فاسدہ ہے یا ضمان بالخسران ہے (کما مر تصیلہ) اور یہ دونوں باطل ہیں

ولو كفّل بما ذاب له او بما قضاه عليه وغاب اصيله فاقام مدعيه بينته على كفيله ان له على اصيله كذا ردت لانه اذا اقام البينة ان له على اصيله كذا ولم يتعرض لقضاء القاضى به لايجب على الكفيل لانه كفّل بما قضى القاضى به ولم يوجد وهذا فى الكفالة بما قضى له عليه ظاهر وكذا بما ذاب له لان معناه تقرر وهو بالقضاء

ترجمہ: اگر کوئی کفیل ہو اس چیز کا جو ثابت ہوگی یا جس کا قاضی فیصلہ کرے گا اس کے لئے اس پر اور مکفول عنہ غائب ہو گیا پھر مدعی نے گواہ قائم کر دئے کفیل پر کہ اس کا کفیل پر اتنا ہے تو یہ گواہ قبول نہ ہوں گے کیونکہ جب اس نے گواہ قائم کر دئے کہ اس کا اصیل پر اتنا ہے اور قضاے قاضی کی طرف کوئی التفات نہ کیا تو کفیل پر واجب نہیں ہے کیونکہ اس نے کفالت لی ہے اس چیز کی جس پر قاضی فیصلہ کرے گا اور وہ موجود نہیں اور اس کفالت میں جس کا قاضی فیصلہ کرے اس کیلئے اس پر تو ظاہر ہے اور اسی طرح جو اس کیلئے ثابت ہوگا کیونکہ اس کا معنی ہے تقرر اور تقرر قضاء سے ہوتا ہے

تشریح: اگر کفیل ما قضى یعنی ماضی کا صیغہ استعمال کرے:

سورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے آدمی کی کفالت ان الفاظ کے ساتھ لی بما ذاب لك عليه او بما قضى لك عليه کہ فلاں

کے اور تمہارا جو کچھ واجب ہوگا میں اس کا کفیل ہوں یا آپ کیلئے فلاں کے اور جو فیصلہ ہوگا میں اس کا ضامن ہوں اگرچہ الفاظ ماضی کے ہیں لیکن مراد مستقبل ہے اور اس کے بعد مکفول عنہ غائب ہو گیا مکفول لہ نے گواہ قائم کرنے کے میرا مکفول عنہ پر ہزار درہم ہیں اور کفیل سے کہا کہ تم مجھے وہ درہم ادا کرو کیونکہ آپ نے اس کی کفالت لی تھی تو مکفول لہ کے یہ بیہ قبول نہ ہوں گے کیونکہ مکفول لہ کا دعویٰ مطلق ہے اس میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ وہی ہزار روپے ہیں جس کی کفالت کفیل نے لی تھی یا اور ہزار روپے ہیں حالانکہ کفیل نے اس ہزار روپے کی کفالت لی ہے جو قاضی کے فیصلے سے مکفول عنہ پر واجب ہوں گے یعنی مکفول بہ وہ مال ہے جس پر قاضی نے فیصلہ کیا ہو اور مکفول لہ جس مال کا دعویٰ کر رہا ہے وہ مال مال مطلق ہے تو دعویٰ اور مال مکفول بہ میں مطابقت نہیں ہے دعویٰ مال مطلق کا ہے اور مکفول بہ مال مقید ہے دعویٰ میں اس بات کی طرف کوئی تعرض نہیں ہے کہ یہ وہ مال ہے جس پر قاضی نے فیصلہ کیا ہے یا قاضی فیصلہ کرے گا اور مکفول لہ نے جو دعویٰ کیا ہے وہ مطلق اس میں قاضی کے فیصلے کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ ہما قاضی میں تو یہ ظاہر ہے اور ہما ذاب میں بھی یہی بات ہے کیونکہ ہما ذاب کا معنی ہے ما واجب، وجوب اور تقرر ہوتا ہے قاضی کے فیصلے سے تو دونوں صورتوں میں جب مکفول لہ نے مطلق مال کا دعویٰ کیا کفیل پر اور بیہ بھی پیش کئے تو اس کے بیہ قبول نہ ہوں گے اور کفیل پر کچھ لازم نہ ہوگا

وان اقام بیئنا ان له على زيد كذا وهذا كفيله بامرہ قضی به علیہما هذا ابتدا مسئلة لا تعلق له بماسبق وهو الكفالة بما ذاب له وبما قضی له علیه صورة المسئلة اقام رجل بیئنا ان له على زيد الفا وهذا كفيله بهذا المال بامرہ قضی علیہما ففی هذه الصورة قد كفل بهذا المال من غیر تعرض بقضاء القاضی بخلاف المسئلة المتقدمة فاذا قضی علیہما يكون للكفیل حق الرجوع على الاصلیل وهذا عندنا وعند زفر لا يرجع علیه لانه لما انكر كان زعمه ان هذا الحق غیر ثابت بل المدعی ظلمه فلا يكون له ان يظلم غیره قلنا الشرع كذبہ فارتفع انكاره

ترجمہ۔ اور اگر کسی نے گواہ قائم کئے اس بات پر کہ اس کی زید پر اتنی رقم ہے اور یہ اس کا کفیل ہامرہ ہے قاضی فیصلہ کرے گا اس کا دونوں پر یہ نیا مسئلہ ہے اس کا ما قبل سے تعلق نہیں ہے اور وہ ہے کفاله ہما ذاب اور ہما قاضی۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے گواہ قائم کر دئے اس بات پر کہ اس کا زید پر ہزار درہم ہیں اور یہ اس کا کفیل ہے اس کے حکم سے تو فیصلہ کرے گا دونوں پر تو اس صورت میں اس نے کفالت لی ہے اس مال کی قضاے قاضی کی طرف کوئی تعرض نہیں کیا برخلاف مسئلہ سابقہ کے پس جب قاضی نے دونوں پر فیصلہ کیا تو کفیل کیلئے رجوع کا حق ہوگا اصل پر اور یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام زفر کے نزدیک اس پر رجوع نہیں کرے گا اس لئے کہ جب اس نے انکار کیا تو اس کا خیال یہ ہے کہ یہ حق ثابت نہیں ہے بلکہ مدعی نے اس پر ظلم کیا ہے تو اس کو یہ حق نہیں کہ وہ غیر پر ظلم کرے ہم کہتے ہیں کہ شریعت نے



اس کو جھٹلایا ہے تو اس کا انکار جاتا رہا

**تشریح:** اگر مکفول لہ نے کفیل پر مال مطلق کی کفالت کا دعویٰ کیا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر یہ دعویٰ کیا کہ میرا اس پر اتنے دراہم مثلاً ہزار دراہم ہیں اور یہ آدمی اس کا کفیل ہے اس کے حکم سے اور دعویٰ کو گواہوں سے ثابت کر دیا تو قاضی کا یہ فیصلہ اصیل اور کفیل دونوں پر نافذ ہوگا یعنی کفیل پر جو حکم کیا جائے گا وہ اصیل پر بھی ہوگا پس اگر کفالت مکفول عنہ کے حکم سے ہو تو کفیل مکفول عنہ پر رجوع کرے گا۔

جبہ اس کی یہ ہے کہ اس مسئلے میں مکفول بہ مال مطلق ہے اس لئے کہ کفیل نے اس کو مقید نہیں کیا ہے ماقضی یا مابقضی کے ساتھ پس کفالت مطلق ہوا اور مدعی کا دعویٰ بھی مطلق ہے جب کفالت بھی مطلق ہے اور مدعی کا دعویٰ بھی مطلق ہے تو دونوں میں مطابقت موجود ہے اور جب مطابقت موجود ہے تو دعویٰ صحیح ہو گیا اور جب دعویٰ صحیح ہو گیا تو بینہ بھی قبول ہوں گے اس لئے کہ بینہ کا ترتیب دعویٰ صحیح پر ہوتا ہے برخلاف مسئلہ سابقہ کے کہ اس میں دعویٰ اور مدعی بہ (مکفول بہ) میں مطابقت موجود نہیں ہے اس لئے وہاں بینہ قبول نہیں ہوتے۔۔۔ پس جب قاضی نے کفیل پر مال ادا کرنے کا فیصلہ کیا اور اس ضمن میں مکفول عنہ پر بھی فیصلہ ہوا تو اب کفیل اس مال مؤدی کا رجوع کرے گا مکفول عنہ پر اگر کفالت بامرہ ہو اور یہ (کہ کفیل مکفول عنہ پر رجوع کرے گا) ہمارا مسلک ہے۔

جبکہ امام زفر کا مسلک یہ ہے کہ مذکورہ مسئلے میں کفیل مکفول عنہ پر رجوع نہیں کرے گا مال مؤدی کا کیونکہ جب کفیل نے اس بات سے انکار کیا کہ میں مکفول عنہ کی طرف سے کفیل نہیں ہوں اور مکفول لہ نے اس کی کفالت بینہ کے ذریعے ثابت کر دی یعنی بینہ کے ذریعے یہ ثابت کر دیا کہ یہ مکفول عنہ کی طرف سے اس کا کفیل بامرہ ہے تو اس صورت میں کفیل کا خیال یہ ہے کہ مکفول لہ میرے اوپر ظلم کر رہا ہے اور میں مظلوم ہوں اور مظلوم کو دوسرے پر ظلم کرنے کا حق نہیں ہے لہذا کفیل کو یہ حق نہیں کہ وہ ادا کردہ مقدار مال مکفول عنہ سے واپس کر دے۔

**جواب:** امام زفر کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ کفیل کے خیال اور زعم کو شریعت نے جھٹلادیا ہے یعنی جب قاضی نے کفیل کے خلاف فیصلہ دیکر کفالت ثابت کر دیا تو یہ ثابت ہو گیا کہ یہ کفیل ہے اب اس کا یہ کہنا کہ میں کفیل نہیں ہوں اس میں یہ شرعاً کذب ہے جب کفیل کا زعم باطل ہو گیا تو اس کا مظلوم ہونا بھی باطل ہو گیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ مکفول عنہ پر مال تھا اور کفیل نے اس کے حکم سے کفالت کی ہے اور جب کفیل نے مکفول عنہ کے حکم سے کفالت کی ہے تو دین ادا کرنے کے بعد کفیل مکفول عنہ پر رجوع کرے گا

وقضى الكفالة بلا امره قضى على الكفيل فقط اى اقام البينة على انه كفيله بلا امره يقضى بالمال على الكفيل

فقط

ترجمہ۔ اور کفالت بلا امرہ میں فیصلہ کرے گا کفیل پر فقط یعنی اگر بینہ قائم کر دے اس بات پر کہ یہ کفیل ہے اس کے حکم کے بغیر تو فیصلہ کرے گا

قاضی مال کا نطق کفیل پر

تشریح: اور اگر مذکورہ صورت میں مکفول لہ نے یوں گواہ قائم کر دئے کہ یہ آدمی اس کا کفیل ہے لیکن اس کے حکم کے بغیر تو اس صورت میں قاضی کا فیصلہ صرف کفیل پر لازم ہوگا اور مکفول عنہ پر لازم نہ ہوگا اور کفیل مکفول عنہ سے رجوع نہیں کر سکے گا کیونکہ کفالتہ بلا امر تبرع ہے اور تبرع میں رجوع کرنے کا حق نہیں ہوتا

ولو ضمن الدرک بطل دعوا ہ بعدہ لانہ ترغیب للمشتري في الشراء فيكون بمنزلة الاقرار بملك البائع فلا يصح دعوى ملكيته

ترجمہ اگر کوئی درک کا ضامن ہو گیا تو باطل ہے اس کا دعویٰ کرنا بعد میں کیونکہ یہ مشتری کو ترغیب دینا ہے خریدنے میں تو یہ بائع کی ملکیت کے اقرار کے مانند ہے تو صحیح نہیں ہے ملکیت کا دعویٰ کرنا

تشریح: درک کا ضامن ہونا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے لیکن وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں یہ چیز کسی کی مستحق نہ نکلے اور میراثن ضائع نہ ہو جائے تو کسی نے اس کی کفالت لے لی کہ تم اس چیز کو خرید لو پس اگر اس کا کوئی مستحق ظاہر ہو اور اس نے یہ چیز استحقاقاً لے لی تو آپ کے ثمن کا میں ضامن ہوں پس مشتری نے وہ چیز لے لی اور اس کے بعد اس کفیل اور ضامن نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ چیز میری ملکیت ہے تو کفیل کا یہ دعویٰ مسوع نہ ہوگا کیونکہ اس کا ضامن ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ آدمی (کفیل) بائع کی ملکیت کا اقرار کرتا ہے اور بعد میں اپنے لئے اس کا دعویٰ کرنا اپنی ملکیت کا اقرار کرنا ہے تو کلام اور دعویٰ میں تناقض آ گیا اور جب دعویٰ میں تناقض ہو تو دعویٰ قبول نہیں ہوتا نیز یہ بھی کہ ضمان بالدرک کی وجہ سے کفیل نے مشتری کو اس چیز کے خریدنے پر راغب کیا کہ تم اس چیز کو خرید لو اگر اس کا کوئی مستحق ظاہر ہو گیا تو میں اس کا ضامن ہوں کہ آپ کا ثمن آپ کو واپس دلاؤں گا یعنی تو فکر مت کریہ بائع ہی کی ملکیت ہے اگر کسی اور کی ملکیت ظاہر ہوئی تو میں اس کا ضامن ہوں تو کفیل نے بائع کی ملکیت کا اقرار کیا اور اس کے بعد اپنی ملکیت کا اقرار کرنا جائز نہیں ہے

ولو شهد وختم لا وانما قال وختم لان المعهود في الزمان السابق كان الختم في الشهادات صيانة

عن التفسير والتبديل

ترجمہ اور اگر کسی نے گواہی دی اور مہر لگایا تو یہ تسلیم نہیں ہے اور کہا کہ مہر لگایا اس لئے معروف پرانے زمانے میں مہر لگانا تھا تاکہ محفوظ رہے تعمیر اور تبدیل سے

**تشریح:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے مکان فروخت کیا اور دوسرے آدمی کو اس پر گواہ بنایا پس گواہ نے یوں گواہی دی کہ میں اس بات پر گواہ ہوں کہ فلاں (بائع) نے فلاں (مشتری) کو ایک مکان فروخت کیا ہے اور میں اس پر گواہ ہوں اور یہ گواہی تحریراً لکھ کر اس پر مہر لگا کر اپنے پاس رکھ دی اور اس کے بعد گواہ نے اس پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا یعنی یوں کہا کہ جو مکان مشتری نے خریدا ہے وہ میرا مکان ہے بائع کا نہیں ہے تو گواہ کا یہ دعویٰ قبول ہوگا کیونکہ گواہی دینا اس بات کا اقرار نہیں ہے کہ گواہ نے بائع کی ملکیت تسلیم کی ہے بلکہ گواہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ میں نے اس لئے گواہی دی ہے کہ مجھ کو یاد رہے کہ فلاں نے میری زمین یا مکان بیچا ہے اور مہر لگانے سے تحریر تغیر اور تبدیل سے محفوظ رہتی ہے لہذا دعویٰ میں تناقض نہیں ہے اور جب دعویٰ میں تناقض نہیں تو گواہ کا دعویٰ جائز ہوگا

قالوا ان كتب في الصك باع ملكه او بيعا بائنا نافذا وهو كتب شهد بذلك بطلت اي بطلت دعواه بعد هذه الشهادة لان الشهادة تكون اقراراً بان البائع قد باع ملكه او باع بيعا بائنا نافذا فاذا ادعى المملك لنفسه يكون مناقضاً ولو كتب شهادته على اقرار العاقدین لاى لا يبطل دعواه بعد هذه الكتابة لعدم التناقض

ترجمہ۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ اگر شاہد نے بیع نامہ میں لکھا کہ اس نے اپنی ملکیت بیچی ہے یا بیع قطعی نافذ کے ساتھ اور گواہ نے گواہی لکھی کہ وہ اس پر گواہ ہے تو باطل ہے یعنی باطل ہے اس کا دعویٰ کرنا اس گواہی کے بعد اس لئے کہ گواہی دینا اقرار ہے اس بات کا کہ بائع نے اپنی ملکیت بیچی ہے یا بیع قطعی نافذ کے ساتھ پس جب اس نے اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا تو اس میں تناقض ہے اور اگر اس نے گواہی دی عاقدین کے اقرار پر تو باطل نہیں اس کا دعویٰ کرنا اس گواہی لکھنے کے بعد تناقض نہ ہونے کی وجہ سے

**تشریح:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شاہد نے یوں گواہی دی کہ گواہ نے بیع نامہ میں اس طریقے پر لکھا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ فلاں آدمی نے اپنی ملکیت بیچی ہے یا یوں کہا کہ فلاں نے بیع نافذ اور بیع قطعی کی ہے تو اس کے بعد گواہ کا یہ دعویٰ کرنا کہ یہ میری ملکیت ہے تو گواہ کا یہ دعویٰ قبول نہ ہوگا کیونکہ گواہ کا اس طریقے پر گواہی دینا اس بات کا اقرار ہے کہ بائع نے اپنی ملکیت بیچی ہے اور پھر اس کے بعد اپنی ملکیت کے دعویٰ کرنے سے اس کے کلام میں تناقض پیدا ہوتا ہے اور دعویٰ میں تناقض سے دعویٰ باطل ہوتا ہے لیکن اگر گواہ نے اس بات پر گواہی دی کہ میں اس بات پر گواہی دیتا ہوں کہ عاقدین نے میرے سامنے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ یہ مکان بائع کی ملکیت ہے اور پھر اس کے بعد گواہ نے اس مکان پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا تو اس کا یہ دعویٰ باطل نہ ہوگا کیونکہ عاقدین کے اقرار سے حقیقی ملکیت ثابت نہیں ہوتی تو گواہ کے کلام میں تناقض نہیں ہے لہذا گواہ کا یہ دعویٰ

معتبر ہوگا

ولو ضمن العهدة لو اشترى رجل ثوبا فضمن احدهما بالعهدة فالضمان باطل لان العهدة قد جاءت  
لمعان للصك القديم وللعقد وحقوقه وللدرك فلا يثبت احد المعاني بالشك

ترجمہ: اگر کوئی آدمی عہدے کا ضامن ہو گیا یعنی خرید لیا ایک آدمی نے کپڑا اور پھر کوئی اس کے واسطے عہدے کا ضامن ہو گیا تو  
یہ ضمان باطل ہے کیونکہ عہدہ کئی معنوں کیلئے آتا ہے پرانی دستاویز۔ عقد۔ حقوق عقد اور ضمان درک کیلئے آتا ہے تو ان معانیوں  
میں سے ایک معنی ثابت نہ ہوگا شک کی وجہ سے

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک کپڑا خرید لیا اور کسی نے اس کے واسطے ضمان عہدہ لے لیا تو یہ باطل ہے  
اور ضمان عہدہ کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عہدہ کی مراد مجہول اور مشتبہ ہے کیونکہ عہدہ کئی معانیوں کیلئے آتا ہے مثلاً پرانی  
دستاویز اور بیع نامے کو بھی عہدہ کہا جاتا ہے اور عقد اور حقوق عقد کو بھی عہدہ کہا جاتا ہے ضمان درک اور خیار شرط کو بھی عہدہ  
کہا جاتا ہے جب اس کی مراد میں اتنے معانیوں کا احتمال موجود ہے تو شک کی وجہ سے ایک معنی مراد لینا مشکل ہے اس وجہ سے  
ضمان عہدہ ناجائز ہے

او الخلاص ای اذا ضمن الخلاص فلا يصح عند ابی حنیفۃ وهو ان يشترط ان المبيع ان استحق  
يخلصه ويسلم اليه باى طريق كان وهذا باطل اذ لا قدرة له على هذا وعندهما يصح وهو محمول على  
ضمان الدرك

ترجمہ اور باطل ہے ضمان خلاص یعنی جب خلاص کا ضامن ہو تو صحیح نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور وہ یہ ہے کہ یہ شرط  
لگائے کہ بیع اگر مستحق ہوگئی تو ضامن اس کو چھڑائے گا اور سپرد کرے گا جس طریقے سے بھی ہو اور یہ باطل ہے اس لئے کہ اسکو  
قدرت نہیں ہے اس پر اور صاحبین کے نزدیک صحیح ہے اور یہ محمول ہے ضمان درک پر

تشریح: ضمان خلاص کا بیان:

ضمان خلاص کا مطلب ہے کہ کفیل نے مشتری سے کہا کہ میں تیرے لئے بیع کے خلاص کرنے کا یعنی چھڑانے کا ضامن ہوں یعنی  
اگر بیع کا کوئی مستحق ظاہر ہو تو میں اس سے یہ بیع ہر حال میں چھڑاؤں گا اور آپ کو سپرد کروں گا تو یہ ضمان امام ابوحنیفہؒ کے  
ز نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ کفیل اسکے چھڑانے پر قادر نہیں ہے کیونکہ اگر مستحق اس کو نہ دے تو کفیل کیسے ان سے لے لے گا لہذا یہ

ایسی چیز کا ضمان ہے جس کے سپرد کرنے پر کفیل قادر نہ ہو جائز نہیں ہوتا لہذا ضمان بالخلص جائز نہیں ہے یہ امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔

اور حضرات صاحبین کے نزدیک یہ ضمان جائز ہے کیونکہ یہ ضمان ان کے نزدیک محمول ہے ضمان درک پر یعنی کفیل بیع چھڑائے گا اور اگر بیع چھڑانا ممکن نہ ہو تو پھر کفیل مشتری کو اس کی قیمت سپرد کرے گا اور ضمان درک بالاتفاق جائز ہے تو ضمان خلاص بھی جائز ہوگا۔

او المضارب الثمن لرب المال ای باع المضارب وضمن الثمن لرب المال او الوکیل بالمبیع لمؤکله ای باع الوکیل وضمن للمؤکل الثمن وانما لایجوز لان الثمن امانة عند المضارب والوکیل فالضمان تغییر حکم الشرع ولان حق المطالبة للمضارب والوکیل فیصیران ضامنین لنفسهما

ترجمہ۔ اور باطل ہے مضارب کا کفیل ہونا رب المال کے واسطے ثمن کا بیع دیا مضارب نے اور ضامن ہوا رب المال کے لئے ثمن کا اور باطل ہے وکیل بالمبیع کا ضامن ہونا مؤکل کے واسطے یعنی بیع دیا وکیل نے اور ضامن ہوا مؤکل کیلئے ثمن کا اور یہ اس لئے جائز نہیں کہ ثمن امانت ہے مضارب اور وکیل کے پاس اور ضمان لازم کرنا حکم شرع کو بدلنا ہے اور اس لئے کہ مطالبے کا حق مضارب اور وکیل کو ہے تو یہ دونوں ضامن ہوں گے اپنے نفس کیلئے

**تشریح: مضارب اور وکیل کا ضامن ہونا جائز نہیں:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک مضارب نے مال مضاربت سے کوئی چیز بیچ دی اور پھر رب المال کے واسطے مشتری کی طرف سے یہی مضارب ضامن ہو گیا کہ اگر مشتری نے ثمن ادا نہ کیا تو مضارب ادا کرے گا اسی طرح ایک آدمی کو کسی نے اس بات کا وکیل بنایا کہ وہ مالک کا کپڑا بیچ دے اور وکیل نے کپڑا بیچ دیا اور پھر یہی وکیل مشتری کی جانب سے اپنے مؤکل کے لئے ضامن ہو گیا تو یہ ضمان اور کفالت باطل ہے

**دلیل:** اس کی دلیل یہ ہے کہ ثمن مضارب اور وکیل کے ہاتھ میں امانت ہے اور مال امانت کا ضمان نہیں ہوتا پس مضارب اور وکیل کا ضامن ہونا حکم شریعت کو متغیر کرنا ہے اور حکم شریعت کے متغیر کرنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے

**دوسری دلیل:** یہ ہے کہ مشتری سے ثمن کے مطالبے کرنے کا حق مضارب اور وکیل کو ہے کیونکہ یہ دونوں عاقدین ہیں پس مضارب اور وکیل کا مالک کے واسطے ضامن ہونا یہ ضمان لفسہ ہے اور ضمان لفسہ باطل ہے۔ نیز یہ بھی ہے کہ مضارب اور وکیل

مطالب ہیں اور ضامن ہونے کی صورت میں ان دونوں کا مطالب ہونا لازم آتا ہے اور شخص واحد کا مطالب اور مطالب ہونا باطل ہے اس لئے مضارب اور وکیل کا ضامن ہونا باطل ہے

واحد البائعین حصۃ صاحبه من ثمن عبد باعہ بصفقة بطل و بصفقتین صح ای باعابدا صفقة واحلۃ و ضمن احدہما لصاحبه حصۃ من الثمن لایصح لانه لو صح الضمان مع الشركة یصیر ضامنا لنفسه و لو صح فی نصیب صاحبه یؤدی الی قسمة الدين قبل قبضه و ذالایجوز بخلاف مالو باعاه بصفقتین فانہ یصح الضمان لانه لا شركة .

ترجمہ: اور باطل ہے دو بائعوں میں سے ایک کا کفیل ہونا دوسرے کے حصے کا اس غلام کے ثمن سے جس کو دونوں نے بیچا ہو ایک صفقہ کے ساتھ اور دو صفقوں کے ساتھ صحیح ہے یعنی بیچ دیا دونوں نے ایک غلام ایک صفقہ کے ساتھ اور ایک ضامن ہوا اپنے ساتھی کیلئے اس کے حصے ثمن کا تو صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اگر ضمان صحیح ہو جائے شرکت کے ساتھ تو اپنی ذات کے واسطے ضامن ہوگا اور اگر اس کے ساتھی کے حصہ میں صحیح ہو تو قبضہ کرنے سے پہلے دین کی تقسیم لازم آئے گی اور یہ جائز نہیں ہے برخلاف اس کے کہ جب دونوں نے دو صفقوں کے ساتھ بیچا ہو تو ضمان صحیح ہے کیونکہ اس میں شرکت نہیں ہے

**تشریح: دو شریکوں میں سے ایک کا دوسرے کیلئے کفیل ہونا:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو آدمیوں کا ایک مشترکہ غلام ہے دونوں نے ایک عقد کے ساتھ فروخت کر دیا ہزار روپے کے عوض اور پھر ایک شریک دوسرے شریک کے واسطے اس کے حصے ثمن کا ضامن ہو گیا تو یہ ضمان باطل ہے

وجہ: وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ شخص یا تو شرکت کے باوجود ضامن ہوگا یعنی مطلقاً نصف دین کا ضامن ہوگا یا خاص طور پر اپنے شریک کے حصے کا ضامن ہوگا پس اگر اول ہو تو اس کا اپنی ذات کے واسطے ضامن ہونا لازم آئے گا کیونکہ ثمن کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جس میں دونوں شریک نہ ہوں پس اس صورت میں شریک کے واسطے ضامن ہونے سے لازم آتا ہے ضمان لفسہ اور ضمان لفسہ باطل ہے اس لئے کہ لازم آتا ہے ایک شخص کا مطالب اور مطالب ہونا یعنی اس شریک کو خود مطالبے کا حق حاصل ہے تو یہ مطالب ہوا اور کفیل ہونے کی وجہ سے اس سے بھی مطالبہ کیا جائے گا تو یہ مطالبہ ہوا اور ایک شخص کا مطالب اور مطالب ہونا باطل ہے اس وجہ سے ضمان شرکت کے ساتھ باطل ہے اور اگر یہ صرف اپنے شریک کے حصے کا ضامن ہو تو اس صورت میں قبضے سے پہلے دین کو تقسیم کرنا لازم آتا ہے حالانکہ قبضے سے پہلے دین تقسیم کرنا جائز نہیں ہے۔

ہاں اگر دونوں شریکوں نے دو الگ الگ عقد کے ساتھ فروخت کیا ہو یعنی ایک نے الگ اپنا حصہ فروخت کر دیا اور پھر اس کے بعد دوسرے نے اپنا حصہ فروخت کر دیا اور پھر ایک شریک دوسرے شریک کے واسطے ضامن ہو گیا تو یہ جائز ہے کیونکہ ہر ایک کا حصہ دوسرے کے حصے

سے ممتاز ہے اور شرکت ثابت نہیں ہے لہذا جب شرکت ثابت نہیں ہے تو سابقہ خرابیاں بھی لازم نہ آئیں گی اور ضمان صحیح ہوگا

كضمان الخراج والنواب والقسمة ای صح ضمان هذه الاشياء اما الخراج فقد مر واما النواب فهي اما بحق ككسرى النهر واجر الحارث وما يوظف لتجهيز الجيش وغير ذلك واما بغير حق كالجبايات في زماننا والكفالة بالاولى صحيحة اتفاقا وفي الثانية خلاف والفتوى على الصحة فانها صارت كالديون الصحيحة حتى لو اخذت من الاكار فله الرجوع على مالك الارض واما القسمة فقد قيل هي النواب بعينها او الحصة منها وقيل هي الثانية الموظفة الراتبية والنواب هي غير الموظفة واما ما كان فالكفالة بها صحيحة

ترجمہ جیسے کہ خراج۔ نواب اور قسمت کا ضمان یعنی صحیح ہے ضمان ان چیزوں کا خراج تو گزر گیا ہے اور نواب یا حق کے ساتھ ہوں گے جیسے مشترک نہر اور چوکیدار کا خرچہ اور جو لشکر آراستہ کرنے کیلئے مقرر کیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ اور یا ناقص ہوں گے جیسے ہمارے زمانے میں جبايات اور کفالة پہلے کے مقابلے میں صحیح ہے بالاتفاق اور دوسرے میں اختلاف ہے اور فتویٰ صحت پر ہے کیونکہ یہ دیون صحیح کی طرح ہے یہاں تک کہ اگر لے گئے زمیندار سے تو اس کو رجوع کا حق ہے مالک زمین سے اور با قسمت تو کہا گیا ہے کہ یہ وہی نواب ہیں اور یا اس کا ایک حصہ ہے اور کہا گیا ہے کہ قسمت سے مراد وہ نائب ہے جو مقرر اور ثابت شدہ ہو اور نواب سے مراد وہ ہے جو مقرر شدہ نہ ہو جو نصاب بھی ہو پس کفالة اس کے عوض صحیح ہے

**تشریح: خراج اور نواب اور قسمت کی کفالت جائز ہے:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی ایک دوسرے آدمی کی طرف سے خراج یعنی زمین کے ٹیکس کا ضامن ہو گیا یا نواب اور قسمت کا ضامن ہو گیا تو یہ ضمان جائز ہے۔

**تفصیل:** اس کی تفصیل یہ ہے کہ خراج دو قسم پر ہیں ایک خراج موظف جو ایک مقرر شدہ مقدار ہوتی ہے امیر کی طرف سے کہ فلاں کی زمین سے سال میں ایک من یا دو من گندم لیا جائے گا مثلاً، دوسری قسم خراج مقاسمہ یعنی امام زمین پر ایک مشاع حصہ مقرر کرے مثلاً سوواں حصہ مقرر کر دے یا آٹھواں حصہ۔ تو خراج موظف کا ضمان صحیح ہے اس لئے کہ وہ دین صحیح ہے جس کا بندوں کی طرف سے مطالبہ کیا جاتا ہے اور خراج مقاسمہ کا ضمان صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ دین صحیح نہیں ہے

**نواب:** نواب سے مراد ہنگامی چندہ ہے جو حکومت لوگوں سے لیتی ہے اس کی کئی قسمیں ہیں ایک وہ جائز اور حق ہے جیسے ایک عوامی ناندے کے لئے نہر کھودی جارہی ہو اور بیت المال میں گنجائش نہ ہو اور بادشاہ عوام پر تھوڑا تھوڑا مال مقرر کر دے یا محلے اور شہر کیلئے چوکیدار کی ضرورت ہو اور بیت المال میں گنجائش نہ ہو اور لوگوں پر مال مقرر کر دے یا کفار کے مقابلے کیلئے لشکر کی تیاری کے پیش نظر لوگوں پر مال مقرر کر دے اور بیت المال خالی ہو اور اس کے علاوہ مسلمانوں پر جو وظیفہ بھی مقرر کر دیا جائے اجتماعی کاموں کیلئے تو یہ نواب میں داخل

ہے۔

دوسری قسم: وہ نواب ہیں جو برحق نہیں ہے بلکہ بادشاہ نے ظلماً مقرر کئے ہو جیسے ہمارے زمانے میں جو عام ٹیکس مقرر ہے گھر پر ٹیکس ہے دکان پر ٹیکس گاڑی پر ٹیکس وغیرہ وغیرہ یہ ٹیکس اس میں داخل ہے جو ظلماً وصول کئے جاتے ہیں شرعاً اس کا کوئی جواز نہیں ہے

پس پہلی قسم: کے جباہات اور ٹیکس کا کفالت صحیح ہے بالاتفاق اس لئے کہ ہر ایسا ٹیکس جس کو امام المسلمین مسلمانوں پر مقرر کرے مسلمانوں کے فائدے کیلئے تو مسلمانوں پر اس کی ادائیگی واجب ہے جب اس کی ادائیگی واجب ہے تو یہ نواب واجب فی الذمہ ہو گئے اور واجب فی الذمہ دین ہوتا ہے اور دین کی کفالت صحیح ہے لہذا پہلی قسم نواب کی کفالت صحیح ہے بالاتفاق

اور دوسری قسم: یعنی وہ نواب اور ٹیکس جو حکومت اور بادشاہ نے ظلماً مقرر کیا ہوں ان کی کفالت کے جواز اور عدم جواز میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض حضرات مشائخ کے نزدیک ان نواب کی کفالت جائز نہیں ہے کیونکہ کفالت اس چیز کے مطالبے کو لازم کرنے کیلئے مشروع ہوا ہے جو چیز خود اصل یعنی مکفول عنہ پر لازم ہو حالانکہ جو نواب ظلماً مقرر کئے جاتے ہیں وہ مسلمانوں پر شرعاً لازم نہیں ہوتے پس جب یہ نواب خود اصل پر یعنی مسلمانوں پر لازم نہیں ہیں تو ان کا کفالت بھی جائز نہ ہوگا

اور بعض حضرات مشائخ کے نزدیک جن میں امام فخر الاسلام بزدوی بھی ہیں ان حضرات کے نزدیک اس قسم کے جباہات اور ٹیکس کا کفالت صحیح اور جائز ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ بادشاہ کی طرف سے جو ٹیکس مقرر کیا جائے خواہ وہ حق ہو یا ناحق وہ دین شام ہوگا بایں معنی کہ بادشاہ کی طرف سے اس کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو ہر طرح کے ٹیکس کا کفالت درست اور جائز ہے اس لئے کہ جب بادشاہ کی طرف سے اس کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو ہر قسم دین کا کفالت جائز ہوگا

قسمت: بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قسمت اور نواب دونوں ایک ہی چیز ہے ان میں فرق نہیں تو اس صورت میں داؤد برائے عطف تفسیر ہوگا اور یا قسمت نواب کا ایک حصہ ہے مثلاً بادشاہ نے لوگوں پر چندہ مقرر کیا کہ فلاں کام کیلئے اتنے چندے کی ضرورت ہے تو پورا مجموعی چندہ نواب ہے اور ایک ایک آدمی پر جو حصہ مقرر کیا جاتا ہے وہ اس کی قسمت اور حصہ ہے تو نواب اور قسمت دونوں کی کفالت جائز ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قسمت سے مراد وہ نایب ہے جو مستظلاً مقرر کیا گیا ہو اور اس کو وقت خاص پر پابندی کے ساتھ لیا جاتا ہے جیسے چوکیدار کی تنخواہ کیلئے اہل محلہ پر جو ماہانہ ٹیکس مقرر کر دیا گیا ہو اور نواب عام ہے جو ہنگامی طور پر کبھی کبھار مقرر کیا جاتا ہے بہر حال جو صورت بھی ہو ہر ایک کی کفالت جائز ہے

وان قال ضمنته الی شہر صدق ہومع حلفہ وان ادعی الطالب انه حال ای قال الکفیل کفلت بہذا المال  
لکن المطالبة بعد شہر وقال الطالب لابل علی صفة الحلول فالقول قول الکفیل مع الحلف وھذا بخلاف ما اذا  
قر بدین مؤجل وقال المقر له لابل ہو حال فالقول للمقر له والفرق انه اذا اقر بالبدین ثم ادعی حقاله وهو تاخیر



المطالبة والمقر له منكر فالقول له بخلاف الكفالة لانه لا دين فيها فالطالب يدعى انه مطالب في الحال والكفيل  
بنكره

ترجمہ۔۔ اور اگر کہا کہ میں نے کفالت لی ہے ایک ماہ تک تو اس کی تصدیق کی جائے گی اس کی قسم کے ساتھ اگرچہ مکفول لہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ فی الحال ہے یعنی کفیل نے کہا کہ میں نے اس مال کی کفالت کی ہے لیکن مطالبہ ایک ماہ بعد ہے اور مکفول لہ کہتا ہے کہ نہیں بلکہ حلول کی صفت پر ہے تو قول کفیل کا معتبر ہوگا قسم کے ساتھ اور یہ اس کے برخلاف ہے کہ جب اقرار کیا دین مؤجل کا اور مقر لہ نے کہا کہ نہیں بلکہ وہ فی الحال ہے۔ تو قول مقر لہ کا معتبر ہوگا اور فرق دونوں میں یہ ہے کہ جب اس نے دین کا اقرار کیا اور اپنے واسطے حق کا دعویٰ کیا اور وہ مطالبے کی تاریخ ہے اور مقر لہ اس کا منکر ہے تو قول مقر لہ کا ہوگا برخلاف کفالت کے اس لئے کہ اس میں دین نہیں ہے تو مکفول لہ دعویٰ کر رہا ہے کہ کفیل سے فی الحال مطالبہ کیا جائے اور کفیل اس کا انکار کرتا ہے۔

### تشریح: اگر کفیل نے کفالت میں میعاد مقرر کر دی؟

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے سے کہا کہ میں آپ کے واسطے فلاں کی طرف سے کفیل ہوں لیکن کفالت ایک ماہ کی میعاد کی شرط کے ساتھ ہے اور مکفول لہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ نہیں بلکہ کفالت فی الحال واجب ہے تو اس صورت میں کفیل کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ۔ اور اگر ایک آدمی نے دوسرے کے واسطے دین کا اقرار کیا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ وہ دین مؤجل ہے یعنی ایک ماہ کی میعاد پر ہے اور مقر لہ کہتا ہے نہیں بلکہ فی الحال ہے تو قول مقر لہ کا معتبر ہوگا اور دین مقر پر فی الحال لازم ہوگا

دونوں مسئلوں میں فرق: دونوں مسئلوں میں فرق یہ ہے کہ جب مقر نے دین کا اقرار کیا تو اس پر دین ثابت ہو گیا اور اس کے بعد جب اس نے اپنے ایک ماہ کی میعاد کا دعویٰ کیا تو یہ مقر کی طرف سے دوسرا دعویٰ ہے اور مقر کے پاس گواہ نہیں ہے اور مقر لہ اس کا انکار کرتا ہے اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے قسم کے ساتھ جب کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو لہذا اقرار کی صورت میں قول مقر لہ کا معتبر ہوگا اور کفالت کی صورت میں کفیل نے قرضے کا اقرار نہیں کیا ہے کیونکہ صحیح قول کے مطابق کفیل پر قرضہ ہے نہیں بلکہ صرف مطالبے کا حق حاصل ہے تو کفیل نے مطالبے کا اقرار کیا اور وہ ایک ماہ بعد ہے اور مکفول لہ اس پر فی الحال دین لازم ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اور کفیل اس سے منکر ہے اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے قسم کے ساتھ لہذا اس صورت میں قول کفیل کا معتبر ہوگا۔

ولا يؤخذ ضامن الدرک ان استحق المبيع مالم يقبض بثمنه على بائعه اذ بمجرد الاستحقاق لا ينتقض البيع في ظاهر الرواية مالم يقبض بالثمن على البائع فلم يجب على الاصيل رد الثمن فلا يجب على

## الکفیل

ترجمہ۔ اور نہیں لے سکتا ضامن الدرک سے اگر بیع کسی کی مستحق ہوگئی جب تک ٹمن کا فیصلہ نہ کیا جائے اس کے بائع پر اس لئے کہ محض استحقاق سے بیع نہیں ٹوٹتی ظاہر الروایۃ میں جب تک ٹمن کا فیصلہ نہ کیا جائے بائع پر تو واجب نہیں ہے اصل پر ٹمن کا واپس کرنا تو واجب نہیں ہے کفیل پر بھی۔

تشریح: درک کے ضامن پر نفس استحقاق سے ضمان نہ ہوگا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے کی طرف سے مشتری کے واسطے درک کا ضامن ہو گیا یعنی یوں کہا کہ اگر بیع کسی کی مستحق ہوگئی تو آپ کے ٹمن کا میں ضامن ہوں اور پھر بیع کسی کی مستحق ہوگئی تو نفس استحقاق کی وجہ سے مشتری کفیل سے ٹمن کا مطالبہ نہیں کر سکتا جب تک قاضی بائع پر ٹمن کی واپسی کا فیصلہ نہ کرے ہاں جب بائع پر ٹمن کی واپسی کا فیصلہ ہو گیا تو اب مشتری کفیل سے ٹمن لے سکتا ہے نفس استحقاق ثابت ہونے سے کفیل سے اس لئے مطالبہ نہیں کرے گا کہ ہو سکتا ہے بائع اور مستحق راضی ہو جائے تو اصل پر ٹمن واپس کرنا لازم نہیں ہے تو کفیل پر بھی واجب نہ ہوگا

دین علی الثین کفیل کل عن الآخر لم یرجع علی شریکہ الا بما اذاند علی النصف اشتریا عبدا بالف و کفیل کل منہما عن صاحبه بامرہ للبايع فکل ماداه احدہما لا یرجع بہ علی الآخر الا ان یکون زائد اعلی النصف لان وقوع المؤدی عما علیہ اصالة اولی من وقوعه عما علیہ کفالتہ

ترجمہ۔ دو شخصوں پر قرضہ ہے ہر ایک نے دوسرے کی کفالت لے لی تو رجوع نہیں کرے گا اپنے شریک پر مگر یہ کہ زیادہ ادا کرے نصف سے یعنی دو آدمیوں نے غلام خرید لیا اور ہر ایک نے اپنے ساتھی کی کفالت لے لی اس کے حکم سے تو جو کچھ بھی ایک ادا کرے گا اس کا رجوع نہیں کرے گا اپنے ساتھی پر جب تک زیادہ نہ ہو نصف پر اس لئے کہ ادا شدہ مقدار کا واقع ہونا اس سے جو اس پر لازم اصالتہً پسندیدہ ہے اس سے واقع ہونے کی نسبت جو اس پر لازم ہے کفالتہً

تشریح: اگر ہر ایک مدیون دوسرے کی طرف سے کفیل ہو جائے؟

صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو شخصوں پر مشتری کہ دین ہو مثلاً دونوں نے ایک غلام ہزار روپے کے عوض خرید لیا اور پھر ہر ایک دوسرے کی طرف سے دین کا کفیل ہو گیا تو یہ کفالت جائز ہے پس دونوں میں سے ایک نے اگر کچھ رقم ادا کی تو اس کو اپنے شریک سے واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا جب تک نصف سے زیادہ ادا نہ کرے ہاں اگر نصف سے زیادہ ادا کی تو پھر جو اضافی رقم ہے اس کے بقدر اپنے

ساتھی پر رجوع کرے گا مثلاً اگر ایک سو روپے ادا کر دئے تو اس کا رجوع نہیں کرے گا اور اگر پانچ سو روپے ادا کر دئے تب بھی رجوع نہیں کرے گا البتہ اگر پانچ سو سے زیادہ ہو گئے مثلاً چھ سو ادا کر دئے تو پھر سو روپے کا رجوع کرے گا اپنے دوسرے ساتھی پر

وجہ: وجہ اس کی یہ ہے کہ نصف دین میں یہ اصیل ہے اور نصف میں کفیل ہے جو دراہم بحق اصالت واجب ہیں وہ اعلیٰ اور اتویٰ ہیں اور جو بحق کفالت واجب ہیں وہ اضغف ہیں لہذا ادا شدہ مقدار کو اس کی طرف پھیرنا جو اس پر اصالت واجب ہے اولیٰ ہے نسبت اس کے جو اس پر کفالت واجب ہے تو پانچ سو تک اس نے اپنا قرضہ ادا کیا ہے اور اپنا قرضہ ادا کرنے کی صورت میں کسی پر رجوع کا حق حاصل نہیں ہوتا البتہ جب نصف دین سے زیادہ ادا کیا تو پھر چونکہ یہ بطور کفالت ہے اور کفیل کو اپنے مکفول عنہ پر رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے جبکہ کفالت بامرہ ہو تو نصف دین سے زیادہ ادا کرنے کی صورت میں کفیل اپنے ساتھی سے رجوع کرے گا۔

ولو كفل ابشئىء عن رجل و كل كفل به عن صاحبه رجوع عليه بنصف مادى وان قل اى على رجل الف فكفل كل من شخصين آخرين عن الاصيل بهذا الالف ثم كفل كل واحد من الكفيلين عن صاحبه بامرہ بهذا الالف فكل ماداه احدهما وان قل رجوع على الآخر بنصفه بخلاف الصورة الاولى فان الاصالة ترجع على الكفالة اما ههنا فالكل كفالة فلارجحان وقال فى الهداية الصحيح ان صورة المسئلة على هذا الوجه احتراز عما اذ كفلا بالف حتى كان الالف منقسما عليهما نصفين ثم كفل كل واحد منهما عن صاحبه بامرہ ففى هذه الصورة لا يرجع على شريكه الا بما زاد على النصف اقول فى هذه الصورة كل ماداه ينبغى ان يرجع بنصفه على شريكه لانه لما لم يكن لاحدى الكفالتين رجحان على الاخرى فكل ماداه يكون منهما فيجب ان يرجع بنصف مادى فلا فرق بين هذه الصورة والصورة التى خصها بالصحة

ترجمہ۔ اور اگر دونوں کفیل ہو گئے کسی چیز کے ایک آدمی کی طرف سے اور ہر ایک نے کفالت کی اپنے ساتھی کی طرف سے تو رجوع کرے گا اپنی ادا کردہ مقدار کے نصف کا اگرچہ کم ہو یعنی ایک آدمی پر ہزار ہے اور پھر دو آدمیوں سے ہر ایک نے کفالت لے لی اصیل کی طرف اس ہزار کی اور پھر کفالت لے لی ہر ایک نے اپنے ساتھی کی طرف سے اس کے حکم سے اس ہزار کی تو جو بھی ادا کرے گا ان دونوں میں سے ایک اگرچہ کم ہو تو رجوع کرے گا دوسرے پر اس کے نصف کا برخلاف پہلی صورت کے کیونکہ اصالت کو ترجیح حاصل ہے کفالت پر اور یہاں پر پورا کفالت ہے تو ترجیح نہیں ہے ایک جانب کو دوسری پر اور ہدایہ میں کہا ہے کہ

مسئلہ کی صورت اس طریقے پر اس سے احتراز ہے اس صورت سے کہ جب دونوں نے ہزار کی کفالت کی ہو یہاں تک کہ ہزار دونوں پر تقسیم ہوں گے آدھے اور پھر کفالت کی ہر ایک نے ساتھی کی طرف سے اس کے حکم سے تو اس صورت میں رجوع نہیں کرے گا اپنے شریک پر مگر اس کا جو زیادہ ہے نصف پر میں کہتا ہوں کہ اس صورت میں مناسب یہ ہے کہ رجوع کرے اس کے نصف کا اپنے شریک پر اس لئے جب ایک کفالے کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے تو جو بھی ادا کرے گا ان دونوں میں سے تو جائز ہے کہ رجوع کرے ادا کردہ کے نصف کا تو کوئی فرق نہیں ہے اس صورت میں اور اس صورت میں جس کو خاص کیا ہے صحت کے ساتھ۔

**تشریح:** دو آدمی اصیل کی طرف سے کفیل ہوئے اور پھر ان میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف سے کفیل ہوا: صورت مسئلہ یہ ہے عمران پر ایک ہزار روپے دین لازم ہے بلال کا دو آدمیوں (خالد اور حامد) نے کفالت کی بلال کے واسطے کہ ہم دونوں اس ہزار روپے کے کفیل ہیں عمران کی طرف سے تو خالد اور حامد دونوں کفیل ہو گئے اصیل یعنی عمران کی طرف سے اور پھر خالد اور حامد دونوں نے ایک دوسرے کی کفالت لے لی یعنی خالد نے کہا کہ میں حامد کی طرف سے اور حامد نے کہا کہ میں خالد کی طرف سے اس ہزار روپے کا کفیل ہوں تو اس صورت میں خالد اور حامد دونوں میں سے ہر ایک جو رقم بھی ادا کرے گا تو اس کے نصف کا رجوع کرے گا اپنے دوسرے کفیل پر مثلاً اگر ایک نے دو سو روپے ادا کر دئے تو دوسرے سے سو روپے لے گا کیونکہ یہاں پر ہر ایک اصیل کی طرف سے بھی پورے مال کا کفیل ہے اور کفیل کی طرف سے بھی پورے مال کا کفیل ہے تو جو کچھ بھی ادا کرے گا تو وہ مشترک طور پر ادا کرے گا اور نصف اپنی طرف سے اور نصف اپنے ساتھی کی طرف سے ادا کرے گا اس لئے کہ یہاں کل کا کل کفالہ ہے یعنی کفالہ عن الاصل بھی کفالہ ہے اور کفالہ عن الکفیل بھی کفالہ ہے تو ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ہوگی جب ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے تو ادا کیا ہو مال دونوں کفیلوں کی طرف سے ادا ہوگا یعنی نصف مال کفالہ عن الاصل کی طرف سے کفیل ہونے وجہ سے خود اس کی وجہ سے ادا ہوگا نصف مال کفالہ عن الکفیل ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھی یعنی کفیل آخر کی طرف سے ادا ہوگا پس جب ادا کیا ہو مال دونوں کی طرف سے ادا ہو گیا تو اپنے ساتھی سے نصف کے رجوع کا حق حاصل ہوگا۔ برخلاف پہلے مسئلے کے کہ اس میں نصف کا وجوب بحق کفالت ہے اور نصف کا وجوب بحق اصالت ہے اس لئے نصف تک ادا کرنے کی صورت میں اپنے ساتھی سے رجوع نہیں کر سکتا

**وقال فی الہدایۃ:** شارح ہدایہ کی عبارت اور کتاب کے متن کی عبارت میں مساوات ثابت کر کے ایک تو دونوں عبارتوں میں کفیلین کی برابری ثابت کرتے ہیں اور دوسرا ایک مسئلہ محترزہ سے اس کا احتراز ثابت کرتے ہیں چنانچہ

فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ اس طریقے پر (یعنی دونوں کفیلین پہلے اصیل کی طرف کل مال کے کفیل بنے اور پھر ہر ایک کفیل دوسرے کفیل کی طرف سے کل مال کا کفیل بنا) اس صورت کے ذریعے احتراز ہے اس صورت سے کہ دونوں کفیل بنے اصیل کی طرف سے اس طریقے پر کہ ایک آدمی الگ بنا پانچ سو روپے کا اور دوسرا الگ کفیل بنا پانچ سو روپے کا اور پھر دونوں میں سے ہر ایک کفیل بنا دوسرے کی طرف سے تو یہاں بھی ہر ایک آدمی پر دو کفالے جمع ہو گئے ہیں ایک کفالہ اصیل کی طرف سے اور دوسرا کفیل کی طرف سے تو اس صورت میں ایک کفیل جو مقدر دین کی ادا کرے گا تو اس کا رجوع نہیں کرے گا اپنے ساتھی پر جب تک ادا شدہ مقدار نصف سے زیادہ نہ ہو جائے کیونکہ یہاں پر دونوں کفالوں میں برابری اور مساوات نہیں ہے اس لئے کہ کفالہ عن الاصل بلا واسطہ ہے اور کفالہ عن الكفیل بالواسطہ ہے تو کفالہ عن الاصل اولیٰ ہے اور اس کو مقدم کیا جائے گا کفالہ عن الكفیل پر لہذا جب تک اس پر ایک روپے باقی ہو کفالہ عن الاصل کی طرف سے تو یہ اپنے ساتھی پر رجوع نہیں کرے گا ہاں اپنا حق ادا کر چکا تو اس کے بعد اپنے ساتھی کی طرف سے جو ادا کیا ہو تو پھر اس پر رجوع کرے گا

**اقول فی هذه الصورة كل ما اذاه :** شارح فرماتے ہیں کہ صورت محترزہ اور صورت مصححہ میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ صورت مصححہ میں بھی دو کفالے جمع ہو گئے ہیں ایک کفالہ عن الاصل اور دوسرا کفالہ عن الكفیل اور صورت محترزہ میں بھی دو کفالے جمع ہو گئے ہیں ایک کفالہ عن الاصل اور دوسرا کفالہ عن الكفیل اور ایک کفالے کو دوسرے پر رجوع نہیں ہے تو جو کسی بھی صورت ہو پہلی صورت ہو (کتاب کے متن والی) یا دوسری صورت ہو (یعنی شارح نے جو ذکر کی ہے) ہر حال میں کفیل کو اپنے ساتھی پر رجوع کا حق ہونا چاہئے کیونکہ دونوں کفالے برابر ہیں۔ لیکن اس کا جواب ہم ذکر کر چکے ہیں کہ صورت محترزہ میں دونوں کفالے برابر نہیں ہیں بلکہ ایک کفالہ قوی ہے اس لئے کہ وہ بلا واسطہ ہے اور دوسرا کفالہ کمزور ہے کیونکہ وہ بالواسطہ ہے لہذا دونوں کفالے برابر نہیں ہیں اسلئے دونوں مسئلوں میں فرق ثابت ہے

(واللہ اعلم)

وان ابرأ الطالب احدهما اخذ الآخر بکله لان وضع المسئلة فيما اذا كفل كل منهما بالف عن الاصل  
ثم كفل كل منهما بالف عن صاحبه فاذا ابرأ احدهما بقى الكفالة الاخرى بكل الالف وفي الصورة التي  
احترز بالصحة عنها اذا ابرأ احدهما يبقى الكفالة الاخرى بنخمس مائة

ترجمہ.. اور اگر مفکول نے ایک کفیل کو معاف کر دیا تو لے سکتا ہے دوسرے سے پورا مال کیونکہ مسئلہ کی وضع اس صورت میں ہے کہ جب کفیل ہو ہر ایک دونوں میں سے اصیل کی طرف سے اور پھر کفالت کی ہو دونوں میں سے ہر ایک نے ہزار کی اپنے

ساتھی کی طرف سے پس جب ایک کو بری کر دیا دونوں میں سے تو باقی رہا دوسرا کفالتہ پورے ہزار کا اور اس صورت میں جس سے  
احترازا کیا ہے صحت کے ساتھ جب ایک کو بری کر دیا تو باقی رہا دوسرا کفالتہ پانچ سو روپے پر

**تشریح:** اگر مکفول لہ نے ایک کفیل کو بری کر دیا؟

صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو آدمی کفیل بنے ایک مکفول عنہ کی طرف ہزار روپے کے اور ہر ایک اصیل کی طرف سے ہزار روپے کا  
کفیل بنا اور پھر دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف سے بھی کفیل بنا پھر مکفول لہ نے ایک کفیل کو بری کر دیا تو اس صورت  
میں دوسرے کفیل سے پورے ہزار روپے کا مطالبہ کیا جائے گا کیونکہ یہ کفیل اصیل کی جانب سے بھی کل ہزار روپے کا کفیل ہے  
اس کفالت کی وجہ سے اس سے پورے ہزار روپے کا مطالبہ کیا جائے گا

لیکن اگر صورت محترزہ ہو یعنی ہر ایک کفیل ابتداء پانچ پانچ سو روپے کا کفیل ہو اور پھر مکفول لہ نے ایک کفیل کو کفالتہ سے بری کر دیا  
تو دوسرے کفیل سے صرف پانچ سو کا مطالبہ کیا جائے گا ہزار کا مطالبہ نہ ہوگا اس لئے کہ اس صورت میں ہر ایک کفیل صرف پانچ  
سو کا کفیل ہے پورے ہزار کا کفیل نہیں ہے

ولو فسخت المفاوضة اخذ الرب الدين ايا شاء من شريكيهما بكل دينه لماعرفت ان شركة المفاوضة  
تتضمن الكفالة ولم يرجع احدهما على صاحبه الا بما أدى زائدا على النصف لماعرفت ان جهة الاصله  
راجحة على جهة الكفالة اقول في هذه المسئلة اشكال وهو ان احد المفاوضين اذا اشترى شيئا ثم  
فسخا المفاوضة فالبايع ان طلب الثمن من مشتريه فلا تعلق له هذه المسئلة بمسئلة الكفالة بل المشتري  
فى النصف اصيل وفى النصف الاخر وكيل فكل ما أدى ينبغي ان يرجع بنصفه على الشريك لانه  
اشترى العبد صفقة واحدة فصار الثمن دينا عليه ولا يمكن قسمته فكل ما يؤديه منه ومن شريكه فيرجع  
عليه بالنصف وان طلب البائع الثمن من الشريك يكون ذلك بسبب ان المفاوضة تضمنت الكفالة  
فيكون كفيلا فى الكل الا ان الكفالة فى الذى هو ملك العاقد تمحضت كفالة وفى النصف الذى هو  
ملكه اصيل من وجهه فبالنظر الى ان حقوق العقد راجعة الى الوكيل يكون الشريك كفيلا للثمن  
فمطالبة الثمن تتوجه اليه وبالنظر الى ان الملك فى هذا النصف وقع له فيكون فى اداء نصف الثمن  
اصيلا فما اداه يكون راجعا الى هذا النصف فلا يرجع الى العاقد وفى ما زاد على النصف يرجع

ترجمہ۔ اور اگر شرکت مفادہ ختم کر دی گئی تو رب الدين جس سے چاہے لے لے دو شریکوں میں سے پورا دین جیسے کہ تو نے

پہچان لیا ہے کہ شرکت مفادضہ مضممن ہے کفالے کو اور رجوع نہیں کرے گا ان دونوں میں سے ایک اپنے ساتھی پر مکروہ جو ادا کرے نصف سے زیادہ جیسے کہ تو نے پہچان لیا ہے کہ جہت اصالت راجح ہے جہت کفالت پر میں کہتا ہوں کہ اس مسئلے میں اشکال ہے وہ یہ کہ شرکت مفادضہ کے دونوں شریکوں میں سے ایک جب خرید لے کوئی چیز اور پھر شرکت کو ختم کرے پس بائع اگر ثمن کا مطالبہ مشتری سے کرے تو پھر اس مسئلے کا کوئی تعلق نہیں ہے مسئلہ کفالہ سے بلکہ مشتری نصف میں اصیل ہے اور نصف آخر میں کفیل ہے تو جو کچھ بھی مشتری ادا کرے گا مناسب ہے کہ اس کے نصف کا رجوع کرے دوسرے شریک پر کیونکہ اس نے خرید اے غلام ایک سودا کے ساتھ تو ثمن اس پر دین ہو گیا اور ممکن نہیں ہے دین کا تقسیم کرنا تو جو کچھ بھی وہ ادا کرتا ہے تو ادا کرتا ہے اپنی طرف سے اور اپنے شریک کی طرف سے تو رجوع کرے گا اس پر نصف کا اور اگر بائع ثمن کا مطالبہ کرے شریک سے تو اس وجہ سے ہوگا کہ شرکت مفادضہ مضممن ہے کفالے کو تو یہ کفیل ہوگا کل میں کیونکہ کفالہ اس نصف میں تو عائد کی ملکیت ہے محض کفالہ ہے اور اس نصف میں جو اس کی (شریک آخر) ملکیت ہے اس میں یہ اصیل ہے من وجہ تو اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ حقوق عقد راجح ہوتے ہیں وکیل کی طرف تو یہ شریک کفیل ہوگا ثمن کے واسطے تو ثمن کا مطالبہ متوجہ ہوتا ہے اس کی طرف کفالہ کے حکم سے اور اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ ملکیت اس نصف میں واقع ہوئی ہے اس کیلئے تو نصف کے ادا کرنے میں اصیل ہے تو جو کچھ ادا کرے گا تو راجح ہوگا اس نصف کی طرف تو وہ رجوع نہیں کرے گا عائد پر اور جو نصف سے زیادہ ہو جائے اس کا رجوع کرے گا

تشریح: اگر شرکت مفادضہ فسخ ہو جائے تو قرض خواہ اپنا دین کس سے مانگے؟

سب سے پہلے شرکت مفادضہ کی تعریف۔ شرکت مفادضہ کہتے ہیں کہ دو آدمی شریک ہوں اور دونوں مال۔ آزادی۔ عقل۔ تصرف۔ اور دین میں مساوی ہوں شرکت مفادضہ وکالت اور کفالت کو مضممن ہے یعنی شریکین میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل بھی ہوتا ہے اور کفیل بھی۔

اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو آدمیوں نے شرکت مفادضہ کے طور پر شرکت کی تھی اور پھر اس شرکت مفادضہ کو ختم کر دیا اور قرض خواہوں کے قرضے ابھی تک باقی ہوں تو وہ اپنے قرضے کس سے وصول کریں گے چنانچہ فرماتے ہیں کہ قرض خواہ اپنے قرضے دونوں شریکین سے وصول کر سکتے ہیں کیونکہ شرکت مفادضہ مضممن ہے وکالت اور کفالت دونوں کو تو جس شریک نے عقد کیا ہے اس سے بھی وصول کر سکتے ہیں کیونکہ ہر ایک سے نصف قرضہ بحق اصالت اور نصف قرضہ بحق کفالت وصول کر سکتا ہے اس لئے کہ ہر ایک پر پورا قرضہ لازم ہے تو ہر ایک سے پورا قرضہ وصول بھی کر سکتا ہے پس جس نے پورا قرضہ ادا کیا تو دوسرے شریک کو

یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنے ساتھی سے ادا کیا ہوا نصف قرضہ واپس لے لے لیکن جب تک نصف سے کم یا نصف تک ادا کیا ہو تو اس صورت میں اپنے شریک پر رجوع نہیں کر سکتا ہاں جب نصف سے زیادہ ہو جائے تو پھر نصف سے جو زیادہ ادا کیا ہے اس کا رجوع کرے گا اپنے شریک پر اسلئے کہ نصف کے حق تک وہ اصل ہے اور نصف سے زیادہ میں کفیل ہے تو جہت اصالت کو ترجیح دی جائے گی جہت کفالت پر اور نصف تک ادا کرنے کی صورت میں ایک شریک دوسرے شریک پر رجوع نہیں کرے گا

**اشکال:** اشکال سابقہ مسئلہ سے ثابت ہوتا ہے کہ شرکت مفادہ کے شریکین میں سے ہر ایک شریک کفیل بھی ہے اور وکیل بھی تو جس نے ثمن ادا کر دیا تو وہ دوسرے سے رجوع نہیں کرے گا جب تک نصف سے زیادہ ادا نہ کرے ہاں جب نصف سے زیادہ ہو جائے تو پھر اپنے شریک پر رجوع کر سکتا ہے اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ ادا کرنے والا مشتری ہو یا دوسرا شریک لیکن شارح فرماتے ہیں کہ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ بائع اگر مشتری سے اپنا دین وصول کرے تو پھر اس مسئلے کا کوئی تعلق نہیں ہے مسئلہ کفالت سے کیونکہ مشتری نصف میں اصل ہے کیونکہ اس نے اپنے نفس کے واسطے خریدا ہے اور نصف میں وکیل ہے کیونکہ اس نے اپنے ساتھی کے واسطے خریدا ہے تو اس صورت میں جو کچھ بھی ادا کرے گا چاہے کم ہو یا زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس کے نصف کا رجوع کرے اپنے ساتھی پر کیونکہ اس نے اس چیز کو خریدا ہے صفحہ واحدہ کے ساتھ تو جتنی مقدار بھی ادا کرے گا وہ اپنی طرف سے بھی ادا ہوگا اور اپنے ساتھی کی طرف سے بھی کیونکہ یہ اس کا وکیل ہے اور وکیل جو کچھ بھی ادا کرتا ہے اس کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے مؤکل پر رجوع کرے لہذا نصف اس نے مؤکل کی طرف سے ادا کیا ہے تو اس نصف کا رجوع اپنے ساتھی پر جائز ہونا چاہئے۔

**ولا یمکن قسمته:** ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ صحیح ہے کہ غلام کو خریدا ہے صفحہ واحدہ کے ساتھ لیکن ثمن کو تقسیم کر مشتری اور مؤکل پر اور جو مشتری کے حصے کے مقابلے میں ہے وہ اس کے حق میں اپنا دین ادا کرے اور اپنے ساتھی پر رجوع نہ کرے نصف کے حق تک

شارح نے اس کا جواب دیدیا کہ دین تقسیم کرنے سے لازم آتا ہے تقسیم الدین قبل قبضہ اور تقسیم الدین قبل قبضہ جائز نہیں ہے لہذا صفحہ واحدہ کی صورت میں جب بائع نے وصول کیا مشتری سے تو اس مشتری کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنے ساتھی سے اس کے نصف کا رجوع کرے خواہ ادا شدہ مقدار قلیل ہو یا کثیر

لیکن اگر بائع نے دین وصول کیا دوسرے شریک سے (یعنی جس نے خریدا نہیں ہے لیکن شرکت مفادہ میں شریک ہے) تو یہ اس وجہ سے ہے کہ شرکت مفادہ متضمن ہے کفالت کو بھی تو اس صورت میں یہ دوسرا شریک کفیل فی الکل ہے کیونکہ کفالت اس



نصف میں جو عاقد (مشتری) کی ملکیت ہے اس میں کفالت کفالت محض ہے اور اس نصف میں جو اس کی اپنی ملکیت ہے اس میں یہ آدمی اصیل ہے من وہ تو اس میں دو جہتیں ہوں ایک جہت اصالت کی اور ایک جہالت کفالت کی تو اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ حقوق عقد راجع ہوتے ہیں وکیل (مشتری) کی طرف تو اس کے اعتبار سے یہ شریک کفیل فی النکل ہے تو ثمن کا مطالبہ اس کی طرف متوجہ ہوگا کفالت کے حکم سے کیونکہ یہ کفیل ہے اور اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ نصف میں ملکیت حاصل ہوتی ہے اس شریک کے لئے اس کے اعتبار سے یہ شریک نصف کے ادا کرنے میں اصیل ہے کیونکہ نصف میں اس کی ملکیت ہے تو اس صورت میں جو مقدار یہ شریک ادا کرتا ہے وہ اس نصف کی طرف پھیر دیا جائے گا جو اس کی ذاتی ملکیت ہے لہذا اس کا رجوع نہیں کرے گا اپنے شریک پر اور جو نصف سے زیادہ ادا کیا ہے اس کا رجوع کرے گا کیونکہ وہ کفالت کی جہت سے ہے لہذا اس صورت (کہ دین وصول کیا ہو شریک آخر سے جو مشتری نہیں ہے) میں نصف تک رجوع نہیں کرے گا اور نصف سے زیادہ میں رجوع کرے گا۔

عبدان کو تبا بعد واحد و کفل کل عن صاحبه رجوع کل علی الآخر بنصف ماداہ عبدان قال لهما المولی کاتبکما بالالف الی سنة و قبل او کفل کل عن صاحبه فکل ماداہ احدہما رجوع علی الآخر بنصف ماادی و انما قید بعقد واحد حتی لو کاتبہما بعقدین فالکفالت لاتصح اصلا اما اذا کاتب بعقد واحد لاتصح قیاسا لانه کفالت ببذل الكتابة و تصح استحسانا بان يجعل کل منہما اصیلا فی حق و وجوب الف علیہ و یكون عتقہما معلقا بادائہ و يجعل کفیلا بالالف فی حق صاحبه فما اداہ احدہما یرجع بنصفہ علی الآخر لاستوائہما

ترجمہ۔ دو غلام ہیں دونوں کے ساتھ عقد کتابت کیا گیا عقد واحد کے ساتھ اور ہر ایک نے کفالت کی اپنے ساتھی کی طرف سے تو رجوع کر سکتا ہے ہر ایک دوسرے پر اس کے نصف پر جو کچھ اس نے ادا کیا ہے دو غلام ہیں دونوں سے مولیٰ نے کہا کہ تم دونوں کے ساتھ میں نے عقد کتابت کیا ہزار روپے پر ایک سال تک اور دونوں نے اس کو قبول کیا اور ہر ایک نے کفالت کی اپنے ساتھی کی طرف سے تو جو کچھ بھی ادا کرے گا ایک دونوں میں سے تو رجوع کر سکتا ہے دوسرے پر اس کے نصف کا اور مقید کر دیا عقد واحد کے ساتھ یہاں تک کہ اگر کتابت کرتا دونوں کے ساتھ دو عقدوں کے ساتھ تو کفالت صحیح نہ ہوتا بالکل اور جب کتابت کیا عقد واحد کے ساتھ تو صحیح نہیں ہے قیاس کے رو سے اس لئے کہ یہ کفالت ہے بدل کتابت کا اور صحیح ہے استحسان کے رو سے کہ ہر ایک کو اصیل بنایا جائے ایک ہزار کے واجب ہونے کے حق میں اس پر اور دونوں کا آزاد ہونا مطلق ہو ایک ہزار کے ادا کرنے پر اور ہر ایک کو

کفیل بنایا جائے اپنے ساتھی کے حق میں تو جو کچھ ادا کرے گا دونوں میں سے ایک رجوع کرے گا اس کے نصف کا دوسرے پر دونوں کے برابر ہونے کی وجہ سے

### تشریح: دو مکاتب اگر ایک دوسرے کی کفالت کریں؟

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک مولیٰ نے اپنے دو غلاموں کے ساتھ عقد کتابت کیا مثلاً یہ کہا کہ میں نے تم دونوں کے ساتھ ایک سال کی میعاد پر ایک ہزار درہم کے عوض عقد کتابت کیا اور دونوں غلاموں میں سے ہر ایک نے قبول کر لیا اور دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی طرف سے کفیل بھی ہو گیا تو یہ کفالت جائز ہے اور دونوں غلاموں میں سے ہر ایک جو کچھ رقم ادا کرے گا اس کے نصف کا رجوع کرے گا اپنے ساتھی پر یہ اس وقت ہے جبکہ آقائے دونوں کے ساتھ ایک عقد کے ساتھ مکاتب کیا ہو تو اس وقت یہ کفالت جائز ہے لیکن اگر دونوں کو ایک عقد کے ساتھ مکاتب نہ کیا ہو بلکہ دو الگ الگ عقود کے ساتھ مکاتب کیا ہو اور پھر ایک غلام نے دوسرے غلام کی طرف سے کفالت کی تو جائز نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں خالص دین کتابت کا کفالہ لازم آتا ہے اور دین کتابت کا کفالہ جائز نہیں ہے کیونکہ دین کتابت دین صحیح نہیں ہے

قیاس کا تقاضا: قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ عقد واحد میں بھی کفالہ جائز نہ ہوتا جیسے عقدین میں جائز نہیں ہے عدم جواز اور قیاس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو غلام کفالے کا اہل نہیں ہے اس لئے کہ کفالہ تبرع ہے اور غلام تبرع کا اہل نہیں ہے اور دوسرا یہ کہ دین کتابت دین صحیح نہیں ہے جب غلام بھی کفالے کا اہل نہیں ہے اور دین کتابت کا کفالہ دونوں الگ الگ جائز نہیں ہیں تو دونوں کا مجموعہ کیسے جائز ہوگا اس لئے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کفالہ جائز نہ ہونا چاہئے

استحسان کی وجہ: استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت کو صحیح کرنے کیلئے یہ کہا جائے گا کہ دونوں غلاموں میں سے ہر ایک پر ایک ہزار کا وجوب اصالت ہے نہ کہ کفالہ اور دونوں کی آزادی ایک ہزار ادا کرنے پر معلق ہے گویا کہ مولیٰ نے ہر ایک سے یہ کہا کہ اگر تو نے ایک ہزار درہم ادا کر دئے تو تم دونوں آزاد ہو پس دونوں میں سے جو بھی ایک ہزار ادا کرے گا اس کے ادا کرنے سے دونوں غلام آزاد ہو جائیں گے اور مولیٰ دونوں میں سے ہر ایک سے ہزار کا مطالبہ بحکم اصالت کرے گا یعنی یہ ایک ہزار درہم بدل کتابت نہیں ہے بلکہ بدل عتق ہے گویا کہ مولیٰ نے دونوں غلاموں سے کتابت نہیں کیا ہے بلکہ دونوں کو آزاد کیا ہے مال پر تو یہ ایک ہزار نہ بدل کتابت ہے اور نہ یہ کفالہ دین کتابت کا کفالہ ہے جب یہ نہ دین کتابت ہو اور نہ بدل کتابت کا کفالہ ہو تو پھر اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے اور یہ دونوں غلاموں کی آزادی کا بدل ہے پس جو غلام بھی جو کچھ رقم ادا کرے گا تو اس کے نصف کا رجوع کرے گا اپنے ساتھی پر کیونکہ دین میں دونوں برابر ہیں

فان اعتق السيد احدهما قبل الاداء صح وله ان يأخذ حصة من يعتقه منه اصاله ومن الآخر كفالة  
ورجع المعتق على صاحبه بما ادى عنه لاصاحبه عليه بما ادى عن نفسه لان المال في الحقيقة مقابل  
برقبتهمما وانما جعل على كل منهما تصحيحا للكفالة

ترجمہ۔ پس اگر آقائے دونوں میں سے ایک کو آزاد کر دیا تو صحیح ہے اور اس کے لئے جائز ہے کہ اس کا حصہ جس کو آزاد نہیں  
کیا ہے لے لے اس سے اسیل ہونے کی وجہ سے اور دوسرے سے کفیل ہونے کی وجہ سے اور رجوع کرے گا آزاد شدہ اپنے  
ساتھی سے اس کا جو کچھ اس نے ادا کیا ہے اس کی طرف سے لیکن اس کا ساتھی رجوع نہیں کرے گا اس پر اس کا جو اس نے  
ادا کیا ہے اپنے نفس کی طرف سے کیونکہ مال حقیقت میں دونوں کے مقابل ہے اور ان میں سے ہر ایک پر مقرر کیا گیا تھا کفالتہ کو  
صحیح کرنے کیلئے۔

تشریح: آقائے دو غلاموں میں سے ایک کو آزاد کر دیا: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب آقائے دونوں غلاموں کے  
ساتھ عقد کتابت کر دیا عقد واحد کے ساتھ اور ابھی تک کسی بھی غلام نے کچھ مال ادا نہ کیا تھا کہ مولیٰ نے ایک غلام کو آزاد کر دیا تو یہ  
آزاد کرنا جائز ہے کیونکہ مولیٰ نے غلام اس حال میں آزاد کیا ہے کہ وہ اس کا مملوک ہے اسلئے کہ یہ مکاتب ہے اور مکاتب پر جب  
بدل کتابت کا ایک روپے بھی باقی ہو وہ غلام ہوتا ہے تو ابھی یہ مکاتب غلام ہے اور مولیٰ کا مملوک ہے اور مولیٰ اپنا غلام بلا عوض  
آزاد کر سکتا ہے پس جب مولیٰ نے ایک غلام کو آزاد کر دیا تو دوسرے مکاتب پر نصف بدل کتابت باقی رکھا گیا اور اس نصف بدل  
کتابت میں مولیٰ کو اختیار ہے کہ وہ اس کا مطالبہ آزاد شدہ سے کرے یا غیر آزاد شدہ سے غیر آزاد شدہ سے بطور اصالت مطالبہ  
کرے گا کیونکہ وہ اسیل ہے نصف دین میں اور آزاد شدہ سے بھی مطالبہ کر سکتا ہے کیونکہ وہ کفیل ہے اور کفیل سے مطالبہ  
کیا جا سکتا ہے اور اس صورت میں کفیل (آزاد شدہ) اسیل پر (غیر آزاد شدہ) پر رجوع کرے گا اس مقدار کے عوض کے بقدر جو  
اس نے ادا کیا ہے اسیل کی طرف سے کیونکہ مال حقیقت میں دونوں غلاموں کی گردن پر لازم ہے یعنی ایک ہزار روپے دونوں  
غلاموں پر لازم تھے پانچ سو ایک پر اور پانچ سو دوسرے پر اور سابقہ مسئلے میں جو ہم نے ہر ایک پر ہزار لازم کئے تھے بطور  
اصالت وہ تو کفالتہ کو صحیح کرنے کیلئے ایک حیلہ تھا لیکن جب ایک آزاد ہو گیا تو اب اس حیلہ کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی اور یہ  
آزاد شدہ نصف سے بری ہو گیا۔

وما لایجب علی عبد حتی یعتق حال علی من کفل بہ مطلقہ اقر عبد محجور بمال فالمال لایجب  
علیہ الا بعد العتق وان کفل بہ حر کفالة مطلقہ ای لم یعرض للحوال والتاجیل یجب علیہ حالاً لان

المانع من الحلول في ذمة العبد انه معسر لان جميع ما في يده لمولاه ولا مانع في الكفيل ولو ادى رجع عليه بعد عتقه اي ان ادى الكفيل وكانت الكفالة بامر العبد رجع عليه بعد عتقه

ترجمہ۔ وہ مال جو غلام پر واجب نہ ہو یہاں تک کہ آزاد ہو جائے یہ حالی ہے اس پر جس نے اس کی کفالت کی ہے مطلق کفالت اقرار کیا مجبور غلام نے مال کا تو مال اس پر واجب نہیں ہے مگر آزاد ہونے کے بعد اور اگر اس کی کفالت کی ازاد نے مطلق کفالت یعنی حلول اور تاجیل کی طرف کوئی توجہ نہ کی تو یہ مال واجب ہے اس پر فی الحال اس لئے مانع حلول سے غلام کے ذمے میں یہ بات ہے کہ وہ تنگ دست ہے کیونکہ جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ مولیٰ کا ہے اور کفیل میں یہ مانع نہیں ہے اور اگر کفیل نے ادا کر دیا تو رجوع کرے گا اس پر آزاد ہونے کے بعد یعنی اگر ادا کر دیا کفیل نے اور کفالت غلام کے حکم سے ہوا تھا تو رجوع کرے گا اس پر آزاد ہونے کے بعد۔

تشریح: غلام کی طرف سے ایسے مال کا کفیل ہونا جو غلام پر واجب ہو لیکن فی الحال نہیں بلکہ آزاد ہونے کے بعد: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک غلام پر کچھ ایسا قرضہ لازم ہوا تھا جو غلام پر فی الحال واجب الاداء ہے لیکن اس کے غلام ہونے کی وجہ سے اس سے لیا نہیں جاتا یہاں تک کہ آزاد ہو جائے اب کسی نے غلام کے اس قرضے کی کفالت لے لی مطلق کفالت کے ساتھ یعنی اس کو مقید نہ کیا کہ فی الحال یا اجل وغیرہ کی قید کے ساتھ تو کفیل سے فی الحال یہ قرضہ لیا جائے گا کیونکہ مانع تو غلام کے حق میں موجود ہے اور وہ ہے غلام کی تنگ دستی یعنی غلام تنگ دست ہے اس لئے کہ جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ تو مولیٰ کی ملکیت ہے اور مولیٰ اس بات پر راضی نہیں ہے کہ اس کی ملکیت سے غلام کوئی چیز فی الحال کسی کو حوالہ کر دے تو مولیٰ کے حق کی وجہ سے غلام سے فی الحال مطالبہ نہیں کیا جاتا اور کفیل چونکہ تنگ دست نہیں ہے اس لئے اس کے حق میں مانع موجود نہیں ہے اور جب کفیل کے حق میں مانع نہیں ہے تو کفیل سے فی الحال مطالبہ کیا جائے گا اور جب کفیل نے غلام کی طرف سے مال ادا کر دیا تو کفیل غلام پر رجوع کرے گا غلام کے آزاد ہونے کے بعد کیونکہ کفیل نے غلام کے حکم سے کفالت کی ہے لہذا کفیل غلام پر رجوع کرے گا لیکن غلام کے آزاد ہونے کے بعد۔

ولومات عبد مكفول برقبته واقيم بينة انه لمذعيه ضمن كفيله قيمته رجل ادعى رقبة عبد فكفل  
اخر برقبته فمات العبد فاقام المدعى بينة انه له ضمن الكفيل قيمته لان الواجب على المولى ردده على  
وجه تخلفه قيمته فالكفيل اذا كفل فالواجب عليه ذلك بخلاف ما اذا ادعى مالا على العبد فكفل الآخر  
برقبة العبد فمات العبد فلا شيء على الكفيل

ترجمہ: اگر مرگیا وہ غلام جس کے رقبے کی کفالت کی گئی تھی اور گواہ قائم ہوئے اس بات پر کہ یہ غلام مدعی کا تھا تو کفیل اس کی قیمت کا ضامن ہوگا ایک آدمی نے غلام کے رقبے کا دعویٰ کیا تو دوسرے نے اس کے رقبے کی کفالت کی پس غلام مرگیا تو مدعی نے گواہ قائم کئے کہ یہ غلام اس کا تھا تو کفیل اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اس لئے کہ مولیٰ پر اس غلام کا واپس کرنا ایسے طریقے پر واجب ہے کہ اس کی قیمت اس کا خلیفہ بن جائے پس کفیل نے جب کفالت کی تو اس پر واجب ہے یہی بات برخلاف اس کے کہ جب دعویٰ کرے غلام پر مال کا اور دوسرا غلام کے رقبے کی کفالت کرے اور غلام مر جائے تو کفیل پر کچھ نہیں ہے

**تشریح: قابض پر غلام کا دعویٰ کرنا:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے قابض پر دعویٰ کیا کہ جو غلام تیرے قبضے میں ہے یہ میری ملکیت ہے اور ایک دوسرے آدمی نے اس غلام کے نفس کی کفالت لے لی یعنی یہ کہا کہ میں اس غلام کو حاضر کروں گا اور پھر غلام مر گیا اور اس کے بعد مدعی نے کفیل پر گواہ قائم کر دئے کہ وہ غلام جو قابض کے ہاتھ میں مر گیا ہے وہ میرا غلام تھا تو اس صورت میں کفیل اس غلام کی قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ مولیٰ (قابض) پر واجب ہے کہ وہ اس غلام کو بعینہ واپس کرے اور اگر غلام واپس کرنا ممکن نہ ہو تو اس کی قیمت واپس کرے جب اصیل پر اس طریقے سے واپس کرنا لازم ہے تو کفیل پر بھی اسی طریقے سے واپس کرنا لازم ہوگا یعنی کفیل بھی یا عین غلام واپس کرے گا یا اس کی قیمت واپس کرے گا اس لئے کہ جو چیز جس طریقے سے اصیل پر واجب ہو اسی طریقے سے کفیل پر بھی واجب ہوگی۔ لیکن اگر مدعی نے غلام پر مال کا دعویٰ کیا اور دوسرا شخص غلام کی طرف سے نفس کا کفیل ہو گیا یعنی یہ کہا کہ میں اس غلام کو حاضر کروں گا اور پھر غلام (مکفول بنفسہ) مر گیا تو کفیل مطالبے سے بری ہو گیا یعنی کفیل سے مال کا مطالبہ نہ کیا جائے گا کیونکہ موت کی وجہ سے اصیل یعنی مکفول بنفسہ (غلام) بری ہو گیا ہے تو کفیل بھی بری ہوگا۔

فان كفل سيد عن عبده او هو غير مديون عن سيد فعتق فمادى كل واحد لاي رجوع على صاحبه  
لان الكفالة وقعت غير موجبة للرجوع لان احدهما لا يستوجب ديننا على الآخر وعند زفر ان كانت  
الكفالة بالامر يثبت الرجوع لان المانع قد زال وهو الرق والما قال غير مديون ليصح كفالته فان المولى  
ان امر العبد المديون بالكفالة عنه لا تصح الكفالة

ترجمہ: اگر کفیل ہو گیا مولیٰ اپنے غلام کی طرف سے یا غلام اس حال میں کہ غلام پر دین نہ ہو اپنے مولیٰ کی طرف سے پھر غلام آزاد ہو گیا تو جو کچھ ادا کرے گادلوں میں سے ایک اس کا رجوع نہیں کرے گا اپنے ساتھی پر کیونکہ کفالتہ موجب رجوع نہیں واقع نہیں ہوا اس لئے کہ ایک دوسرے پر دین کا مستحق نہیں ہے اور امام زفر کے نزدیک اگر کفالتہ بامرہ ہو تو رجوع ثابت ہوگا کیونکہ

مانع زائل ہو چکا ہے اور وہ ہے غلامی اور کہا کہ مدیون نہ ہوتا کہ صحیح ہو جائے اس کا کفالتہ اس لئے کہ مولیٰ اگر حکم کرے مدیون غلام کو کفالتہ لے کا اپنی طرف سے تو یہ کفالتہ صحیح نہیں ہے۔

### تشریح: اگر آقا اور غلام ایک دوسرے کی طرف سے کفالت کریں؟

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک غلام اپنے مولیٰ کے حکم سے اس کی طرف سے دین کا کفیل ہو گیا اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ غلام پر دین محیط برقبہ ہو تو اس صورت میں کفالتہ درست نہیں ہے کیونکہ اس سے قرض خواہوں کا حق ضائع ہوتا ہے دوسری صورت یہ ہے کہ غلام پر دین محیط برقبہ نہ ہو خواہ سرے سے دین نہ ہو یا دین ہو لیکن محیط برقبہ نہ ہو تو یہ کفالتہ جائز ہے اسی طرح اگر مولیٰ نے اپنے غلام کی طرف سے کفالت کی غلام کے حکم سے تو یہ بھی جائز ہے خواہ غلام مدیون ہو یا نہ ہو پس جب کفالتہ جائز ہے اور پھر غلام کسی طریقے سے آزاد ہو گیا اور اس کے بعد غلام نے آقا کی طرف دین ادا کر دیا یا مولیٰ نے غلام کی طرف سے دین ادا کر دیا۔

بجسم کفالتہ نہ آقا غلام پر رجوع کرے گا اور نہ غلام آقا پر رجوع کرے گا۔ دلیل: وجہ اس کی یہ ہے کہ غلام کا اپنے مولیٰ کی طرف سے یا مولیٰ کا اپنے غلام کی طرف کفیل ہونا موجب للرجوع نہیں ہے اس لئے کہ مولیٰ اپنے غلام پر یا غلام اپنے مولیٰ پر قرضے کا مستحق نہیں ہوتا جب ایک کا دوسرے پر رجوع کا استحقاق نہیں ہے تو یہ کفالتہ غیر موجب للرجوع واقع ہوا جب کفالتہ غیر موجب للرجوع ہو کر واقع ہوا تو اب موجب رجوع نہیں ہو سکتا لہذا نہ ادا کرنے کے بعد غلام آقا پر اور آقا غلام پر رجوع نہیں کر سکتا۔ اور امام زفر کے نزدیک اگر کفالتہ بامرہ ہو تو ہر ایک کو دوسرے پر رجوع کا حق حاصل ہوگا کیونکہ مانع رجوع یعنی غلام کا غلام ہونا زائل ہو گیا کیونکہ اب وہ غلام نہیں رہا ہے لہذا جب غلامی باقی نہیں ہے تو ایک کو دوسرے پر رجوع کا حق حاصل ہوگا۔

جواب: امام زفر کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ابتداء کفالتہ موجب رجوع نہیں ہے کیونکہ اس وقت یہ غلام اپنے آقا کا غلام تھا اور مولیٰ اپنے غلام پر یا غلام اپنے آقا پر دین ثابت نہیں کر سکتا لہذا جب ابتداء موجب رجوع ہے تو انتہاء بھی موجب رجوع نہیں ہوگا اور جب یہ کفالتہ موجب رجوع نہیں ہے تو ایک دوسرے پر رجوع نہیں کرے گا۔

وانما قال غیر مدیون: مصنف نے فرمایا کہ غلام مدیون نہ ہو یہ اس لئے کہ اگر غلام پر کسی کا دین محیط برقبہ ہو تو پھر مولیٰ کی طرف کفالتہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس وقت یہ غلام آقا کا نہیں رہا بلکہ قرض خواہوں کا ہے۔

بروز جمعہ المبارک ۹ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۷ اپریل ۲۰۰۷ء

## کتاب الحوالة

حوالہ کا لغوی و اصطلاحی معنی: حوالہ کے لغوی معنی ہیں نقل کرنا یعنی ایک شی کو ایک محل سے دوسرے محل کی طرف نقل کرنا اور اصطلاح میں نقل الدین من ذمۃ الی ذمۃ دین ایک ذمے سے دوسرے ذمے کی طرف منتقل کرنا

اصطلاحات ضروریہ: حوالہ میں چار الفاظ استعمال ہوتے ہیں (۱) محیل حوالہ دینے والا یعنی مدیون (۲) محتمل یعنی دائن قرض خواہ (۳) محتمل علیہ وہ شخص جس نے حوالہ قبول کیا ہے (۴) محتمل بہ وہ مال جس کو قبول کیا ہے یعنی نفس دین۔ مزید تفصیل: اصطلاح شرع میں محیل کے ذمے سے محتمل علیہ کے ذمے کی طرف دین منتقل کر دینے کو حوالہ کہتے ہیں۔

ہی تصح بالدين برضى المحيل والمحتال والمحتال عليه الحوالة نقل الدين من ذمة الی ذمة قوله بالدين ای بدين للمحتال على المحيل هذا الذى ذكر رواية القدورى وفي رواية الزيادات تصح بلارضى المحيل وصورته ان يقول رجل للطالب ان لك على فلان كذا فاحتله على فرضى بذلك الطالب صحت الحوالة وبرئ الاصيل وصورة اخرى كفل رجل عن الآخر بغير امره بشرط برائة الاصيل وقبل المكفول له ذلك صحت الكفالة ويكون هذه الكفالة حوالة كما ان الحوالة بشرط ان لا يبرأ الاصيل كفالة .

ترجمہ حوالہ صحیح ہے دین کے عوض محیل محتمل، اور محتمل علیہ، کی رضامندی سے حوالہ دین کو منتقل کرنا ہے ایک ذمے سے دوسرے ذمے کی طرف الدین یعنی محتمل علیہ کا دین ہو محیل پر یہ جو ذکر کیا قدوری کی روایت ہے اور زیادات کی روایت میں ہے کہ صحیح ہے محیل کی رضامندی کے بغیر صورت اس کی یہ ہے کہ ایک آدمی دائن سے کہے کہ آپ کا فلاں پر جو کچھ ہے اس کا مجھ پر حوالہ دو اور دائن اس پر راضی ہو گیا تو حوالہ صحیح ہو گیا اور اصیل بری ہو گیا اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے کی طرف سے کفیل ہو گیا اس کے امر کے بغیر اس شرط پر کہ اصیل بری ہوگا اور مکفول نے یہ قبول کیا تو کفالت صحیح ہے اور یہ کفالت حوالہ ہوگا جیسے کہ حوالہ اس شرط پر کہ اصیل بری نہ ہوگا کفالت ہوتا ہے

تشریح: حوالہ کس چیز کا صحیح ہے:

حوالہ دین کا صحیح ہے عین کا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ حوالہ نام ہے نقل الدین من ذمۃ الی ذمۃ کا اور انتقال من الذمۃ الی الذمۃ

دیون میں ہوتا ہے عین میں نہیں ہوتا چنانچہ فرماتے ہیں کہ حوالہ صحیح ہے دین کا محیل محتمل لہ اور محتمل علیہ کی رضامندی سے یہ قدری کی روایت ہے کہ اس میں محیل محتمل لہ۔ اور محتمل علیہ سب کی رضامندی ضروری ہے لیکن امام محمدؒ نے زیادات میں فرمایا ہے کہ حوالہ، محیل کی رضامندی کے بغیر بھی جائز ہے کیونکہ محتمل علیہ اپنے اوپر قرضہ لازم کرتا ہے جس میں محیل کا کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ ایک گونہ نفع ہے کہ ایک تو فوری مطالبہ اس سے ساقط ہو جائے گا اور دوسرا جب کہ حوالہ اس کے حکم سے نہ ہو تو محتمل علیہ کو محیل پر رجوع کرنے کا اختیار بھی نہ ہوگا پس معلوم ہوا کہ حوالہ صحیح ہونے کیلئے محیل کی رضامندی شرط نہیں ہے

حوالہ کی صورت: حوالہ کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی دائن سے کہے کہ آپ کا فلاں پر جو دین ہے وہ میرے اوپر حوالہ کر اور اس پر دائن بھی راضی ہو گیا تو حوالہ صحیح ہو گیا اور اصیل دین سے بری ہو گیا اب اس سے مطالبہ نہ کیا جائے گا (الانی صورة التوی کما سبجی) اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کی طرف سے کفیل ہو گیا دین کا اس کے حکم کے بغیر اس شرط پر کہ اصیل بری ہوگا اس سے مطالبہ نہ کیا جائے گا اور منقول لہ نے اس کو قبول کر لیا تو کفیل صحیح ہو گیا اور یہ کفالہ لفظاً تو کفالہ ہے لیکن معنی حوالہ ہے جیسے کہ حوالہ اس شرط پر کرنا کہ اصیل بری نہ ہوگا یہ کفالہ ہوتا ہے کیونکہ اعتبار معنی کا ہے نہ کہ لفظ کا

و اذا تمت برئ المحیل من الدین بالقبول ولم يرجع علیہ المحتال ای لم يرجع المحتال بدینہ علی

المحیل الا اذا توی حقه بموت المحتال علیہ مفلساً او حلفه منکراً حوالۃ ولا بیئۃ علیہا وقالوا بان

فلسہ القاضی فان تفلیس القاضی معتبر عندهما وعند الشافعی وعندابی حنفیۃ لا اذا لوقوف لاحد علی

ذلک الا بالشہادۃ فالشہادۃ علی ان لا مال له شہادۃ علی النفی

ترجمہ اور جب حوالہ پورا ہو گیا تو محیل دین سے بری ہو گیا قبول کے ساتھ اور رجوع نہیں کرے گا اس پر محتمل یعنی رجوع نہیں کرے گا محتمل محیل پر مگر یہ کہ اس کا حق ہلاک ہونے لگے محتمل علیہ کی موت کی وجہ سے مفلس ہونے کی حالت میں اور یا محتمل علیہ کی قسم کھانے سے اس حال میں کہ حوالہ سے انکار کرنے والا ہو اور اس پر گواہ نہ ہو اور صاحبین نے فرمایا ہے کہ یا قاضی نے اس پر افلاس کا حکم لگایا ہو کیونکہ قاضی کا مفلس قرار دینا معتبر ہے صاحبین اور امام شافعیؒ کے نزدیک اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک معتبر نہیں کیونکہ کسی کو علم نہیں ہے اس پر مگر شہادت کے ذریعے اور شہادت اس بات پر کہ اس کے پاس مال نہیں ہے یہ شہادت ہے نفی

۴-

تشریح محتمل لہ محیل پر رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟

مسئلہ یہ ہے کہ حوالہ پورا ہونے کے بعد محیل دین سے یا مطالبے سے بری ہو جاتا ہے اب محتمل لہ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ محیل سے



دین کا مطالبہ کرے البتہ توہی کی صورت میں محتمل نہ محیل پر رجوع کر سکتا ہے اور توہی یعنی ہلاک ہونا متحقق ہوتا ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو باتوں سے

(۱) یا تو محتمل علیہ مفلس ہونے کی حالت میں مرجائے اور اس کا کوئی مال باقی نہ ہو جس سے محتمل نہ کا دین ادا کیا جاسکے  
 (۲) یا محتمل علیہ حوالے کا انکار کر بیٹھے اور اس پر قسم بھی کھالے اور نہ محیل کے پاس بینہ ہو اس کے حوالہ قبول کرنے پر اور نہ محتمل نہ کے پاس بینہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چونکہ محتمل نہ کا حق ہلاک ہونے کا خطرہ ہے اس لئے محتمل نہ کو محیل پر رجوع کرنے کا حق ہوگا اور اس کے علاوہ میں محیل پر رجوع کا حق نہ ہوگا اور حضرات صاحبین کے نزدیک ان دونوں کے ساتھ ایک صورت اور بھی ہے اور وہ ہے کہ جب قاضی نے محتمل علیہ پر افلاس کا حکم لگا دیا کہ فلاں آدمی مفلس ہے لہذا کسی کو اس سے مطالبہ کرنے کا اختیار نہیں ہے تو اس صورت میں بھی محتمل نہ کو محیل پر رجوع کرنے کا اختیار ہوگا

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک:

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک محتمل نہ کو کسی صورت میں بھی محیل پر رجوع کرنے کا حق نہ ہوگا اگرچہ اس کا حق تلف ہوتا ہے کیونکہ محیل کا بری ہونا مطلقاً ثابت ہو گیا ہے اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ محتمل نہ کا حق تلف ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو لہذا محتمل نہ۔ محیل پر رجوع نہیں کرے گا کسی حال میں بھی۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ محیل کا بری ہونا محتمل نہ کے حق کی سلامتی کے ساتھ مقید ہے کیونکہ حوالہ کا مقصود بھی یہی ہے کہ محتمل نہ کا حق ضائع ہونے سے بچ جائے لیکن جب اس کا حق ضائع ہوتا ہے تو پھر اس کو محیل پر رجوع کا حق ہوگا

صاحبین کے نزدیک: حضرات صاحبین کے نزدیک تقلیس قاضی معتبر ہے لہذا قاضی کے حکم دینے سے اس کا افلاس متحقق ہوگا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چونکہ تقلیس قاضی معتبر نہیں ہے اس لئے اس کے مفلس قرار دینے سے اس کا افلاس ثابت نہ ہوگا

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ کسی کے مفلس ہونے کا علم کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتا مگر شہادت کے ذریعے اور شہادت اس بات پر کہ فلاں کے پاس مال نہیں ہے یہ شہادت ہے نفی پر اور شہادت نفی کیلئے نہیں دی جاتی بلکہ اثبات کے لئے دی جاتی ہے یعنی شہادت کے ذریعے کسی چیز کو ثابت تو کیا جاتا ہے لیکن شہادت کے ذریعے کسی چیز کو نفی نہیں کیا جاتا لہذا جب شہادت کے ذریعے کسی کا افلاس ثابت نہیں کیا جاتا تو قاضی کو بھی کسی کے افلاس کا علم نہیں ہو سکتا اور جب قاضی کو کسی کے افلاس کا علم نہیں ہو سکتا تو قاضی کا کسی کو مفلس قرار دینا بھی جائز نہ ہوگا لہذا تو اس کی صرف دو صورتیں ہیں تین نہیں

وتصح بدر اھم الودیعة ویبرأ بھلاکھا ای یبرأ المودع وهو المحتال علیہ عن الحوالة بھلاک الودیعة

فی یدہ وبالخصومة ولم یبرأ بهلاکھا ای لم یبرأ الغاصب بهلاک الدراهم المغصوبة لان القيمة تخلفها  
وبالدين ای بدين المحیل علی المحتال علیہ

ترجمہ۔ اور حوالہ صحیح ہے ودیعت کے دراہم پر اور بری ہوگا موذع ودیعت کے دراہم کے ہلاک ہونے سے یعنی بری ہوگا موذع  
جو کہ محتال علیہ ہے حوالے سے ودیعت کے ہلاک ہونے سے اس کے ہاتھ میں اور شئی منسوب پر اور بری نہ ہوگا اس کے ہلاک  
ہونے سے یعنی بری نہ ہوگا غاصب دراہم منسوبہ کے ہلاک ہونے سے کیونکہ قیمت اس کا خلیفہ ہے اور دین پر یعنی محیل کا دین  
ہو محتال علیہ پر۔

**تشریح:** دین کا حوالہ اس شخص پر دینا جس کے پاس امانت ہے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ محیل محتال لہ کو دین کا حوالہ اس شخص پر بھی دے سکتا ہے جس کے پاس محیل کے دراہم بطور امانت اور  
ودیعت رکھے ہوئے ہیں پس اگر یہ دراہم (ودیعت والے دراہم) موذع کے پاس ہلاک ہو گئے تو موذع حوالے سے بری  
ہو جائے گا کیونکہ اس کے پاس تو امانت ہے اور امانت کے ہلاک ہونے پر ضمان نہیں آتا اور جب اس پر ضمان نہیں ہے تو وہ  
حوالے سے بھی بری ہوگا کیونکہ حوالہ امانت پر تھا اور امانت باقی نہیں رہی تو حوالہ بھی باقی نہیں رہے گا  
اسی طرح اگر کسی نے محیل سے کچھ دراہم غصب کئے تھے اور محیل نے محتال لہ کو ان غصب شدہ دراہم کا حوالہ دیدیا غاصب پر اور  
غاصب نے قبول کر لیا تو یہ حوالہ بھی جائز ہے لیکن اگر یہ دراہم ہلاک ہو گئے تو غاصب بری نہ ہوگا حوالہ سے کیونکہ غاصب پر اس  
کا خلیفہ یعنی قیمت لازم ہے لہذا اگر دراہم منسوبہ بعینہ موجود نہ ہوں تو غاصب پر اس کے عوض میں اس کی قیمت ادا کرنا لازم  
ہے۔ اسی طرح اگر محیل کا دین ہو محتال علیہ پر تو محتال لہ کو اس پر بھی حوالہ دے سکتا ہے یعنی یوں کہہ سکتا ہے کہ فلاں پر میرا دین ہے  
تو اس سے اپنا دین وصول کر لے اور محتال علیہ اس کو قبول کر لے تو یہ جائز ہے

فلا یطالب المحیل المحتال علیہ لانه تعلق به حق المحتال مع ان المحتال اسوة لغرماء المحیل

بعد موتہ وانما قال هذا لدفع توهم ان المحتال لما كان اسوة لغرماء المحیل بعد موتہ یکون حق  
المحیل متعلقاً بذلك الدين فينبغي ان یکون للمحیل حق الطلب من المحتال علیہ فالحاصل ان  
الحوالة بالدين وان كانت موجبة لتعلق حق المحتال بذلك الدين لكنها ادنی مرتبة من الرهن حتی  
لا یکون المحتال احق به بعد موت المحیل

ترجمہ۔ تو مطالبہ نہ کرے محیل محتال علیہ سے کیونکہ اس کے ساتھ متعلق ہو گیا ہے محتال لہ کا حق باوجود اس کے کہ محتال محیل کے

قرض خواہوں کے ساتھ برابر ہے اس کی موت کے بعد یہ کہا اس وہم کو دور کرنے کیلئے کہ محال جب محیل کے قرض خواہوں کے ساتھ برابر ہو گیا اس کی موت کے بعد تو محیل کا حق متعلق ہو گیا اس دین کے ساتھ تو مناسب یہ ہے کہ محیل کیلئے مطالبے کا حق ہو محال علیہ سے تو حاصل یہ کہ دین کا حوالہ اگر چہ ثابت کرنے والا ہے لیکن اس کا مرتبہ رہن سے کم ہے یہاں تک کہ محال اس کا زیادہ حقدار نہ ہوگا محیل کی موت کے بعد

**تشریح:** سابقہ مسئلے سے متعلق ہے کہ محیل کی طرف محال لہ کو اپنے موذع غاصب اور اپنے مدیون پر حوالہ دینا درست اور جائز ہے پس جب اس نے حوالہ دیدیا اور ان لوگوں نے حوالہ قبول کیا تو اب محیل کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ خود اپنی ودیعت یا شئی مغصوب یا اپنا دین ان لوگوں سے خود وصول کر لے کیونکہ اس کے ساتھ اب محال لہ کا حق متعلق ہو چکا ہے

**مع ان المحتال اسوة للغرماء ایک اعتراض کا جواب ہے:**

اعتراض یہ ہے کہ جب محال بقیہ قرض خواہوں کے ساتھ برابر ہے تو محیل کی موت کے بعد تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محیل کا حق اس دین کے ساتھ متعلق ہے لہذا محیل کو محال علیہ سے اپنا دین واپس کرنا جائز ہونا چاہے اس کی حیات میں بھی حالانکہ آپ نے کہا کہ محیل کو محال علیہ سے اپنا دین وغیرہ واپس کرنے کا اختیار نہیں ہے جیسے کہ موت کے بعد دین خود بخود واپس ہوتا ہے محیل کی ملکیت کی طرف؟

**جواب:** جواب یہ ہے کہ اس قسم حوالے سے اگر چہ محال لہ کا حق متعلق ہو جاتا ہے اور محیل کو واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوتا اپنی حیات میں لیکن یہ حوالہ رہن سے کم ہے یعنی جب ایک شخص نے دوسرے کے پاس رہن رکھا اور رہن رکھنے کے بعد راہن مر گیا اور اس راہن پر اور لوگوں کے بھی قرضے ہیں اور مرتہن کا بھی تو اس صورت میں راہن کی موت کے بعد اس راہن کے ساتھ تمام قرض خواہوں کا حق متعلق نہیں ہے بلکہ اس کا زیادہ حقدار راہن ہے سب سے پہلے راہن اس سے اپنا حق وصول کرے گا اس کے بعد اگر کچھ بچ گیا تو قرض خواہوں کو دیا جائے گا ورنہ نہیں لیکن مذکورہ صورت میں حوالے کا درجہ رہن سے کم ہے لہذا اگر کسی نے حوالہ دیدیا اپنے دین کا یا ودیعت کا یا غصب کا تو محیل اپنی حیات میں تو رجوع نہیں کر سکتا محال علیہ پر کیونکہ بقیہ قرض خواہوں کے حقوق ملنے کی امید ہے کہ محیل ان کے واسطے محنت مزدوری کر کے ان کے حقوق ادا کرے گا لیکن موت کے بعد چونکہ یہ امید ختم ہو گئی اسلئے ہم نے کہا کہ دین یا ودیعت وغیرہ محیل کی ملکیت کی طرف واپس ہو گئے اور اس کے تمام قرض خواہوں کا حق متعلق ہو گیا اور اب صرف محال لہ اس کا زیادہ حقدار نہیں ہو سکتا بلکہ محال لہ بقیہ قرض خواہوں کے ساتھ برابر ہے۔

وفی المطلقا للطلب من المحتال علیہ ای اذا كانت الحوالة مطلقة غیر مقید بالودیعة او المغصوب

او الدين فللمحيل طلب الوديعة والمغصوب والدين من المحتال عليه

ترجمہ: اور حوالہ مطلقہ میں اس کیلئے حق ہے مطالبے کا احتمال علیہ سے یعنی جب حوالہ مطلق ہو مقید نہ ہو ودیعت مغصوب اور دین کے ساتھ تو محیل طلب کر سکتا ہے ودیعت مغصوب اور دین کو احتمال علیہ سے

تشریح: سابقہ مسئلے سے متعلق ہے کہ جب محیل نے محال لہ کو محال علیہ پر اس شرط کے ساتھ حوالہ دیدیا کہ اس کے پاس میری امانت ہے وہ لے لینا یا میرا مال مغصوب ہے وہ لے لینا یا میرا دین ہے وہ لے لینا اور محال علیہ نے اس شرط پر قبول کر لیا تو اس کے بعد محیل محال علیہ پر رجوع نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے ساتھ اب محال لہ کا حق متعلق ہو چکا ہے لیکن اگر محیل نے محال علیہ پر اپنی امانت یا دین کا حوالہ نہیں دیا بلکہ مطلق حوالہ دیا کہ جاؤ فلاں سے دین وصول کرنا اور محال علیہ نے قبول کر لیا تو اس صورت میں محیل محال علیہ پر اپنی امانت یا دین وغیرہ کا رجوع کر سکتا ہے

ولم تبطل باخذ ما عليه او عنده ای لم تبطل الحوالة باخذ المحيل ما على المحتال عليه او عنده وهو الدين والمغصوب والوديعة سواء كانت الحوالة مطلقة او مقيدة ففي المطلقة ظاهر واما في المقيدة فلان المحيل ليس له حق الاخذ من المحتال عليه فاذا دفع اليه المحتال عليه فقد دفع ما تعلق به حق المحتال فيضمن المحتال عليه

ترجمہ: اور حوالہ باطل نہ ہوگا اس چیز کے لینے سے جو محال علیہ پر ہے یا اس کے پاس ہے یعنی حوالہ باطل نہ ہوگا محیل کا اس چیز کو لینے سے جو محال علیہ پر ہے یا اس کے پاس ہے اور دین ہے اور وہ شئی مغصوب اور ودیعت ہے چاہے حوالہ مطلق ہو یا مقید مطلقہ میں تو ظاہر ہے اور مقیدہ میں اس لئے کہ محیل کو احتمال علیہ سے لینے کا حق نہیں ہے پس جب حوالہ کر دیا اس کو احتمال علیہ نے تو اس نے سپرد کردی ہے وہ چیز جس کے ساتھ محال لہ کا حق متعلق ہو چکا ہے تو محال علیہ ضامن ہوگا

تشریح: یہ سابقہ مسئلے سے متعلق ہے صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب محیل نے محال لہ کو دین کا حوالہ دیدیا اس شخص پر جس کے پاس اس کی ودیعت ہے یا شئی مغصوب ہے اور یا دین ہے تو اس صورت میں محیل کو احتمال علیہ سے ودیعت یا مغصوب اور دین واپس لینے کا حق نہیں ہے کیونکہ اس کے ساتھ محال لہ کا حق متعلق ہو چکا ہے لیکن اگر اس محیل نے یہ چیز مودع یا غاصب یا دیون سے واپس لے لی تو اس سے حوالہ باطل نہیں ہوتا چاہے حوالہ مطلق ہو یعنی ودیعت مغصوب اور دین کے ساتھ مقید نہ ہو یا مقید ہو کہ دین یا ودیعت یا مغصوب کا حوالہ ہو تو دونوں صورتوں میں حوالہ باطل نہیں ہوتا حوالہ مطلق میں تو ظاہر ہے کہ باطل نہیں ہوتا اس

لئے کہ وہ اس معین دین وغیرہ کے ساتھ متعلق نہیں ہے اور حوالہ، مقیدہ میں تو باطل ہونا چاہئے لیکن پھر بھی باطل نہیں ہوتا اس لئے کہ محیل کو محتال علیہ سے واپس لینے کا حق نہیں ہے اور محتال علیہ کو چاہے کہ وہ واپس نہ دے لیکن جب محتال علیہ نے واپس دیدیا تو اس نے وہ چیز دیدی جس کے ساتھ محتال لہ کا حق متعلق ہو چکا ہے جب اس نے یہ چیز دیدی تو اس نے اپنے اوپر ضمان لازم کر دیا ہے لہذا محتال علیہ پھر بھی محتال لہ کو یہ دین ادا کرے گا۔

ولایقبل قول المحیل للمحتال علیہ عند طلبه مثل ما حال انما حلت بدین کان لی علیک ای حال رجل رجلا علی اخر بمائة فدفع المحتال علیہ الی المحتال ثم طلب المحتال علیہ تلك المائة من المحیل فقال المحیل انما احلت بمائة لی علیک والمحتال علیہ ینکر ان علیہ شیئا یکون القول له لالمحیل ولا یکون قبول الحوالة اقراراً من المحتال علیہ بمائة لان الحوالة تصح من غیر ان یکون للمحیل علی المحتال علیہ شیء

ترجمہ۔ اور قبول نہ ہوگا محیل کا کہنا محتال علیہ سے مطالبے کے وقت مثل اس کے جو اس نے حوالہ دیا ہے کہ میں نے جو حوالہ دیا تھا وہ میرا تجھ پر دین تھا یعنی حوالہ دیا ایک آدمی نے ایک آدمی کو دوسرے پر سو روپے کا تو محتال علیہ نے محتال کو دیدیا پھر محتال علیہ نے محیل سے اس سو روپے کا مطالبہ کیا تو محیل نے کہا کہ میں نے جو حوالہ دیا تھا سو کا وہ میرا تیرے اوپر دین تھا اور محتال علیہ اس کا انکار کرتا ہے کہ میرے اوپر کچھ بھی نہیں تو قول اس (محتال علیہ) کا مقبول ہوگا اور حوالے کو قبول کرنا یہ اقرار نہیں ہے محتال علیہ کی جانب سے سو روپے کا کیونکہ حوالہ صحیح ہوتا ہے اس کے بغیر بھی کہ محیل کا محتال علیہ پر کچھ ہو۔

**تشریح:** اس صورت میں محتال علیہ کا قول معتبر ہوگا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ محیل نے محتال علیہ پر حوالہ دیدیا اور محتال علیہ نے وہ مال ادا کر دیا اور ادا کرنے کے بعد محتال علیہ نے محیل سے اس مقدار کا مطالبہ کیا جو مقدار اس نے محتال لہ کو حوالہ کر دیا تھا تو محیل نے کہا کہ میں تو واپس نہیں دیتا اس لئے کہ میں نے جو حوالہ آپ پر دیا تھا وہ تو میرا آپ پر دین تھا اس دین کا حوالہ میں نے دیا تھا اور محتال علیہ اس کا انکار کرتا ہے یعنی یوں کہتا ہے کہ آپ کا میرے اوپر دین نہیں ہے بلکہ مطلق حوالہ دیا تھا لہذا اب آپ میری وہ مقدار واپس کر دیں جو میں نے بطور حوالہ ادا کیا ہے اور محیل کے پاس بینہ نہیں ہے تو اس صورت میں محتال علیہ کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ منکر ہے اور منکر کا قول معتبر ہوتا ہے مع الیسین لہذا اس صورت میں بھی محتال علیہ (منکر) کا قول معتبر ہوگا

**ولایکون قبول الحوالة اقراراً:** ایک اعتراض کا جواب ہے:

اعتراض یہ ہے کہ جب محتمل علیہ نے محیل کی جانب سے حوالہ قبول کیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محیل کا محتمل علیہ پر دین ہے اگر دین نہ ہوتا تو وہ حوالہ قبول نہ کرتا۔

جواب: شارح نے اس کا جواب دیدیا کہ حوالہ قبول کرنا اقرار دین کی دلیل نہیں ہے کیونکہ کبھی حوالہ قبول کیا جاتا ہے حالانکہ دین میں کچھ نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ حوالہ قبول کرنا دین کا اقرار نہیں جب دین کا اقرار نہیں ہے تو محتمل علیہ کا محیل پر اس جیسا دین لازم ہے جو اس نے محتمل لہ کو ادا کیا ہے اور حوالہ بمنزلہ وکالت ہے گویا کہ محتمل علیہ محیل کی طرف سے وکیل بن کر اس نے دین ادا کیا ہے اور وکیل کو اپنے موکل سے دین واپس لینے کا حق ہوتا ہے تو محتمل علیہ کو بھی واپس لینے کا حق ہوگا۔

ولا قبول المحتمل للمحیل عند طلبه ذلك احلتنى بدین لی علیک ای احوال واخذ المحتمل المال من المحتمل علیہ فطلب المحیل ذلك المال من المحتمل فقال المحتمل للمحیل قد احلتنى بالبدین الذی لی علیک والمحیل ینکر ان علیہ شیئاً فالقول له لا للمحتمل ولا یکون الحوالة اقراراً من المحیل بالبدین للمحتمل علی المحیل فان الحوالة مستعملة فی الوکالة

ترجمہ: اور قبول نہ ہوگا محتمل کا کہنا محیل سے اس دین کے طلب کرنے کے وقت یہ کہ آپ نے مجھ کو حوالہ دیا تھا اس دین کے عوض جو میرا آپ پر تھا یعنی ایک آدمی نے حوالہ دیدیا اور محتمل نے مال محتمل علیہ سے لے لیا تو محیل نے یہی مال محتمل سے مانگا تو محتمل کہنے لگا کہ آپ نے مجھ کو حوالہ دیا تھا اس دین کے عوض جو میرا آپ پر تھا اور محیل انکار کرتا ہے کہ میرے اوپر کچھ نہیں ہے تو قول محیل کا ہوگا نہ کہ محتمل کا اور حوالہ قبول کرنا اقرار نہیں ہے محیل کی جانب سے محتمل کے واسطے دین کا کیونکہ حوالہ استحتمال ہوتا ہے وکالت میں بھی۔

تشریح: اگر محتمل لہ نے محیل پر دین کا دعویٰ کیا تو؟

صورت مسئلہ یہ ہے کہ عمران نے الیاس کو عبد اللہ پر حوالہ پر دیا کہ جاؤ عبد اللہ سے میرا دین وصول کر لو جب الیاس نے عبد اللہ سے دین وصول کر لیا تو محیل (عمران) نے محتمل (الیاس) سے کہا کہ میرا وہ دین جو آپ نے عبد اللہ سے وصول کر لیا ہے وہ مجھے واپس کر دے تو محتمل لہ (الیاس) نے محیل (عمران) سے کہا کہ تو نے مجھ کو عبد اللہ پر جو حوالہ دیا تھا وہ اسلئے دیا تھا کہ میرا آپ پر دین تھا اس دین کا حوالہ آپ نے مجھ کو عبد اللہ پر دیا تھا لہذا یہ دین میں نے اپنے واسطے وصول کیا ہے اور محیل (عمران) اس کا انکار کرتا ہے کہ آپ کا میرے اوپر دین نہیں ہے اور حوالہ میں نے آپ کو اسلئے دیا تھا کہ آپ میرا دین میرے لئے عبد اللہ سے وصول کر لے لہذا آپ کا میرے اوپر کوئی حق نہیں ہے بلکہ یہ میرا حق ہے لہذا جھکو دیدو تو اس صورت میں محیل (عمران) کا قول

معتبر ہوگا قسم کے ساتھ نہ کہ محال لہ کا

دلیل: دلیل اس کی یہ ہے کہ اس صورت میں محال نہ محیل پر دین کا دعویٰ کرتا ہے اور محیل اس کا انکار کرتا ہے اور محال لہ کے پاس بینہ نہیں ہے تو اس صورت میں مکر (محیل) کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ -

ولا يكون الحوالة اقراراً: ایک اعتراض کا جواب ہے :

اعتراض: یہ ہے کہ جب محیل نے محال لہ کو دین وصول کرنے کا حوالہ دیدیا تو یہ اس بات کا اقرار ہے کہ محیل پر محال لہ کا دین ہے اگر دین نہ ہوتا تو محیل اس کو حوالہ نہ دیتا؟

جواب: جواب یہ ہے کہ حوالہ دینا دین کا قرار نہیں ہے اسلئے کہ حوالہ کبھی کھبار وکالت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے بطور مجاز کہ جس طرح وکالت میں تصرف مؤکل سے وکیل کی طرف منتقل ہوتا ہے اسی طرح حوالہ میں بھی تصرف محیل سے محال لہ کی طرف منتقل ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ محیل نے حوالہ بول کر وکالت مراد لی ہو

ويكره السفتجة وهي اقراض لسقوط خطر الطريق في المغرب السفتجة بضم السين وفتح التاء ان يدفع الي تاجر مالا بطريق الاقراض ليدفعه الي صديقه في بلد اخر وانما يقرضه لسقوط خطر الطريق وهي تعريب سفتجة وانما سمي الاقراض المذكور بهذا الاسم تشبيها له بوضع الدراهم او الدنانير في السفائح اي في الاشياء المجوفة كما يجعل العصامجوفاً ويخبأ فيه المال وانما شبه به لان كلامهما احتيال لسقوط خطر الطريق او لان اصلها ان الانسان اذا اراد السفر وله نقد و اراد ارساله الي صديقه فوضعه في سفتجة ثم مع ذلك خاف الطريق فاقرض مافي السفتجة انسانا اخر فاطلق السفتجة على اقراض مافي السفتجة ثم شاع في الاقراض لسقوط خطر الطريق

ترجمہ۔ اور مکروہ ہے سفتجہ اور یہ قرض دینا ہے راستے کے خطرے کو دور کرنے کے لئے مغرب میں ہے کہ سفتجہ سین کے ضمہ کے ساتھ اور تاء کے فتح کے ساتھ اس کے معنی ہیں کہ ایک آدمی تاجر کو مال دے بطریقہ قرض تاکہ وہ اسکو دیدے اس کے دوست کو دوسرے شہر میں اور اس کو قرض دیتا ہے راستے کے خطرے کو ساقط کرنے کے لئے اور یہ معرب ہے سفتجہ سے اور اس مذکورہ طریقے پر قرض دینے کو سفتجہ کہتے ہیں اس لئے کہ اس کی تشبیہ دی گئی ہے دراہم اور دنانیر کو رکھنا سفائح میں یعنی کھوکھلی چیزوں میں جیسے کہ ایک عصا کو کھوکھلا کیا جاتا ہے اور اس میں مال چھپایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ دونوں جیلے

ہیں راستے کے خطرے کو دور کرنے کیلئے اور یا اس وجہ سے کہ ایک انسان جب سفر کا ارادہ کرتا اور اس کا نقد مال ہوتا اور اس کو اپنے دوست کے پاس بھیجنا چاہتا تو وہ اس کو کھوکھلی چیز میں رکھ دیتا لیکن اس کے باوجود وہ راستے سے ڈرتا تو قرض دیتا اس مال کو جو کھوکھلی چیز میں ہوتا ایک دوسرے انسان کو تو سفیجہ کا اطلاق ہونے لگا اس چیز پر جو سفیجہ میں ہے (ظرف کا اطلاق مظروف پر ہونے لگا) اور پھر مشہور ہو گیا قرض دینے میں راستے کے خطرے کو دور کرنے کیلئے

تشریح: سفیجہ اور ہنڈی کا بیان:

سفیجہ جمع ہے سفیجہ کی اور سفیجہ معرب ہے سفیجہ کا یعنی سفیجہ فارسی لفظ ہے جس سے عربی بنایا گیا ہے تو سفیجہ ہو گیا سفیجہ اور ہنڈی کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی کاروبار کرتا ہے اور وہ کراچی سے سوات اپنے گھر والوں کو یا دوست کو کچھ پیسے بھیجنا چاہتا ہے یا خود اپنے ساتھ لانا چاہتا ہے لیکن وہ ڈرتا ہے کہ راستے میں ڈاکو مجھ سے یہ پیسے چھین لیں گے اور میں یہ پیسے اپنے گھر تک یا دوست تک نہ پہنچا سکوں گا تو ایک دوسرا آدمی جو کراچی میں کاروبار کرتا ہے اور سوات میں بھی اس کا کاروبار ہے تو یہ آدمی اس تاجر کو یہ رقم دیتا ہے کہ تم یہاں کراچی میں لے لو اور مجھے ایک پرچی لکھ دو تاکہ آپ کا بیٹا یا نیچر وغیرہ سوات میں یہ پیسے مجھے اس پرچی پر حوالہ کرے گا اور میں راستے کے خطرے سے بچ جاؤں گا تو اس طریقے پر قرض دینا مکروہ ہے کیونکہ اس قرض نے اپنے پیچھے کچھ نہ کچھ نفع کھینچ لیا اور کل قرض جرنفعا فہور بوا کی وجہ سے یہ قرض مکروہ ہے لیکن اگر راستے کے خطرے سے بچنے کی نیت نہ ہو تو پھر مکروہ نہ ہوگا بلکہ جائز ہوگا یہ تو نفس مسئلہ ہو گیا اب شارح فرماتے ہیں کہ اس عقد کو سفیجہ کیوں کہتے ہیں تو شارح نے اس کی دو وجہیں ذکر کی ہے (۱) یہ کہ اس کو سفیجہ اس لئے کہتے ہیں کہ سفیجہ اصل کھوکھلی چیز کو کہتے ہیں یعنی جس طرح ایک چیز کو مثلاً لاشی وغیرہ کو کھوکھلا کر کے اس میں مال چھپا دیا جائے تاکہ خطرے سے بچ جائے اسی طرح کسی کو مذکورہ طریقے پر قرض دینے سے بھی مال خطرے سے بچ جاتا ہے تو دونوں میں یہ مناسبت ہوئی یعنی راستے کے خطرے سے بچنا (۲) دوسری وجہ شارح نے یہ ذکر کی ہے کہ پہلے زمانے میں جب کوئی آدمی سفر کرتا اور اس کے پاس مال ہوتا تو وہ اس مال کو ایک کھوکھلی چیز میں رکھ دیتا یا مال کو اپنے دوست کے پاس بھیجنا چاہتا تو اس کو بھی اس کھوکھلی چیز میں رکھ دیتا اور پھر بھیج دیتا لیکن پھر بھی وہ راستے کے خطرے سے ڈرتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ڈاکو اس کھوکھلی چیز کو بھی مجھ سے لے جائے تو وہ اس مال کو پھر اس کھوکھلی (لاشی وغیرہ) سے نکال دیتا اور کسی تاجر کو قرض دیدیتا اور پھر اپنے گاؤں میں وصول کرتا تو اس توجیہ کی بنا پر سفیجہ نام ہے اس ظرف کا جس میں مال رکھا جاتا ہے یعنی لاشی وغیرہ اور پھر اس ظرف کا اطلاق ہونے لگا مانی الظرف (پیسوں وغیرہ) پر اور پھر اس کے بعد اس میں مزید توسیع کر دی گئی اور مذکورہ طریقے (یعنی راستے کے خطرے سے بچنے کیلئے) سے قرض کو سفیجہ کہا جانے لگا اور وہ اس کو ہنڈی کہتے ہیں۔



سفحہ یعنی ہنڈی کے بار میں مزید تفصیل: ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبلؒ ہنڈی کے جواز کے قائل ہیں۔ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اگر سفحہ کے جواز کی طرف ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام گئے ہیں تو بضرورت اس پر عمل کرنے کو جائز قرار دیا جائے گا۔ لہذا ہنڈی کا کاروبار ضرورہ جائز ہے

وفی شرح المہذب ، ولا يجوز ان يقرضه دراهم على ان يعطيه بدلها في بلد اخر ويكتب له بها صحيفة لئلا من خطر الطريق ومونة الحمل وهو مذهبنا وخالفنا احمد وغيره مستدلين بان عبد الله بن الزبير كان يقرض ويعطى من اقرضه صحيفة يأخذ قيمتها من مصعب اخيه واليه على العراق (شرح مہذب ص ۱۴۲ ج ۱۳)

﴿ ۷ -- مئی -- ۲۰۰۷ء ﴾

﴿ ۱۹ -- ربیع الثانی .. ۱۳۲۸ھ ﴾

## کتاب القضاء

الاهل للشهادة اهل للقضاء و شرط اهليتها شرط اهليته والفاسق اهل له فيصح تقليده ولا يقلد اى يجب ان لا يقلد حتى لو قلد ياتم كما صح قبول شهادته ولا تقبل بالمعنى المذكور

ترجمہ.. جو شخص شہادت کا اہل ہے وہ قضاء کا بھی اہل ہے اور جو شہادت کی اہلیت کیلئے شرط ہے وہ قضاء کی اہلیت کیلئے بھی شرط ہے اور فاسق قضاء کا اہل ہے تو اس کو قاضی بنانا صحیح ہے لیکن اس کو قاضی نہ بنایا جائے یعنی واجب ہے کہ اس کو قاضی نہ بنائے یہاں تک کہ اگر اس کو قاضی بنایا تو گنہگار ہوگا جیسے کہ صحیح ہے ان کی شہادت کا قبول کرنا لیکن قبول نہیں کیا جائے گا معنی مذکور کے ساتھ۔

تشریح: تمام مناصب میں منصب قضاء انتہائی اہم منصب ہے اس وجہ اس کا قبول کرنا بطور منصب مناسب نہیں ہے بلکہ بطور ایک ذمہ داری قبول کرنا چاہئے

الاهل للشهادة اهل للقضاء: مصنف فرماتے ہیں کہ قاضی بننے کا اہل وہ ہے جو گواہ بن سکتا ہے یعنی مسلمان۔ عاقل بالغ۔ آزاد ہو۔ نابینا نہ ہو محدود فی القذف نہ ہو پس جس شخص میں یہ صفات موجود ہوں وہ چونکہ گواہ بن سکتا ہے لہذا وہ قاضی بھی بن سکتا ہے اسی طرح قضاء کے شرائط بھی وہی ہیں جو شہادت کے شرط ہیں

فاسق قاضی بن سکتا ہے یا نہیں؟ مسئلہ یہ ہے کہ فاسق کو قاضی بنانا جائز تو ہے کیونکہ فاسق اہل شہادت ہے اور جو اہل شہادت ہوتا ہے وہ قاضی بھی بن سکتا ہے لیکن اس کو قاضی بنانا مناسب نہیں ہے جیسے کہ قاضی کیلئے فاسق کی گواہی قبول کرنا جائز تو ہے لیکن فاسق کی گواہی قبول کرنا مناسب نہیں ہے

ولو فسق العدل استحق العزل فی ظاہر المذہب وعلیہ مشائخنا رحمہم اللہ وعند بعض المشائخ یعزل والاجتہاد شرط للاولیة فلو قلد جاهل صح ویختار الاقدر والاولی وعند الشافعی لا یصح تقلید الفاسق والجاهل واعلم انه قد کان الاحتیاط فیما قال الشافعی لکن بحسب الزمان لو شرط العلم والعدالة لارتفع امر القضاء بالکلیة ودفع الشر والفساد اعظم مما احترز عنه

ترجمہ: اگر فاسق ہو گیا عادل قاضی تو وہ معزول کرنے کا مستحق ہے ظاہر مذہب میں اور اسی پر ہمارے مشائخ ہیں اور بعض مشائخ کے نزدیک خود معزول ہو جائے گا اور اجتہاد کی صلاحیت شرط ہے اولی ہونے کیلئے پس اگر جاہل کو قاضی بنایا گیا تو صحیح ہے اور مناسب ہے کہ سب سے زیادہ قدرت والے اور بہتر کو منتخب کرے اور امام شافعی کے نزدیک فاسق اور جاہل کو قاضی بنانا صحیح نہیں ہے۔ جان لو کہ احتیاط اسی میں ہے جو امام شافعی نے فرمایا ہے لیکن زمانے کے اعتبار سے اگر علم اور عدالت شرط قرار دیا جائے تو قضاء کا معاملہ بالکل ہی ختم ہو جائے گا اور شرفساد کو ختم کرنا بڑی بات ہے بہ نسبت اس کے کہ اس سے احتراز کیا جائے

**تشریح: قاضی کیلئے مجتہد ہونا ضروری ہے یا نہیں؟**

اس کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ احتاف کے نزدیک قاضی کیلئے اجتہاد شرط نہیں ہے یعنی یہ شرط نہیں ہے کہ جس کو قاضی بنایا جائے وہ مجتہد بھی ہو ہاں اجتہاد شرط اولویت ہے یعنی یہ اولی ہے کہ جس کو قاضی بنایا جائے اس میں اجتہاد کی صلاحیت موجود ہو لیکن اگر اجتہاد کی صلاحیت موجود نہ ہو بلکہ جاہل کو قاضی بنایا تو تب بھی جائز ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ قاضی تو خود جاہل ہو لیکن وہ کسی عالم سے مسئلہ پوچھتا ہے اور اس کے مطابق فیصلہ صادر کرتا ہے

اور نیز مقلد یعنی قاضی بنانے والے پر واجب ہے کہ ایسے شخص کو قاضی بنائے جو قضاء اور فیصلہ کرنے پر قادر بھی اور پسندیدہ بھی ہو یعنی امیر المؤمنین یا بادشاہ وقت اور والی پر یہ واجب ہے کہ ایسے شخص کو قاضی بنائے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام اعلیٰ صفات سے نوازا ہو یعنی وہ فیصلہ دینے پر قادر ہو اور اپنے علم و دیانت دینداری اور تقویٰ و عفت و امانت میں تمام لوگوں سے بہتر ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، کہ جس نے ایسے شخص کو قاضی یا عامل مقرر کیا کہ اس سے افضل شخص موجود ہو تو اس نے اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت کی تو والی یا امیر المؤمنین پر ضروری ہے کہ قادر اور بہتر شخص کو قاضی بنائے

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جاہل اور فاسق کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے

امام شافعیؒ کی دلیل: حضرت امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ قاضی کا حکم اس بات کا مقتضی ہے کہ قاضی اس پر قادر بھی ہو اور قدرت علم کے بغیر نہیں ہو سکتی کیونکہ جاہل حق و باطل میں امتیاز نہیں کر سکتا تو معلوم ہوا کہ قاضی کیلئے عالم ہونا ضروری ہے جب عالم ہونا ضروری ہے تو غیر عالم یعنی جاہل اور غیر مجتہد کو قاضی بنانا جائز نہ ہوگا

اعلم: شارح فرماتے ہیں کہ احتیاط اس میں ہے جو امام شافعیؒ نے فرمایا ہے لیکن اگر موجودہ زمانے میں منصب قضاء کیلئے علم اور عدالت شرط کر دیا جائے تو قضاء کا معاملہ ہی ختم ہو جائے گا کیونکہ علم اور عدالت تو زیادہ ہے نہیں پس قاضی میں تمام اوصاف کو دیکھا جائے اور ان شرائط پر پورا اترنے کیلئے اس کا انتظار کیا جائے تو ان شرائط پر متصف کوئی آدمی ملے گا نہیں اور لوگوں کے معاملات یوں ہی رہ جائیں گے تو فساد برپا ہوگا اور شر و فساد کو دفع کرنا بہت بڑی بات ہے اس چیز سے جس سے امام شافعیؒ نے احتراز کیا ہے یعنی امام شافعیؒ کے نزدیک اس بات سے احتراز ضروری ہے کہ جاہل کو قاضی بنانے سے احتراز کیا جائے ہم کہتے ہیں کہ اگر اس سے احتراز کیا گیا تو فساد برپا ہوگا تو اس احتراز سے فساد دفع کرنا اولیٰ ہے کیونکہ ہمارے پاس قاعدہ ہے کہ جلب منفعت سے دفع مضرت اولیٰ ہے

ولا یطلب القضاء و صح الدخول فیہ لمن ینفق عدلہ و کرہ لمن خاف عجزہ و حیفہ و من قلد سأل

دیوان قاض قبلہ وھی الخرائط الی فیہا الصکوک و السجلات

ترجمہ: اور منصب قضاء طلب نہ کرے اور صحیح ہے منصب قضاء قبول کرنا اس شخص کیلئے جس کو اپنے عدل پر اعتماد ہو اور مکروہ ہے اس کیلئے جس کو اپنے عاجز ہونے اور ظلم کا خوف ہو اور جس کو قاضی بنایا گیا تو وہ گزشتہ قاضی کے دفتر کو منگوائے اور یہ وہ تھیلیاں ہیں جس میں دستاویز اور فائلیں ہوتی ہیں

تشریح: منصب قضاء قبول کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ منصب قضاء کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ منصب قضاء مانگنا نہیں چاہئے کیونکہ حضور ﷺ نے عبد الرحمن بن سمرہؓ کو فرمایا کہ یا عبد الرحمن منصب قضاء کو طلب نہ کرو اگر تم نے خود طلب کیا تو تمہاری مدد نہ کی جائے گی اور اگر بغیر مطالبے کے تم کو دیدیا گیا تو تمہاری مدد کی جائے گی لیکن مطالبے کے بغیر اگر کسی کو منصب قضاء سپرد کر دیا گیا تو پھر قبول کرنا جائز ہے اس شخص کیلئے جس کو اپنے اوپر اس منصب کو صحیح معنوں میں استعمال کرنے کا اعتماد ہو اور اس کو اپنے اوپر یہ گمان اور ظن غالب ہو کہ اگر میں نے

منصب قضاء کو قبول کر لیا تو عدل و انصاف کے ساتھ چالوں گا اور جس کو اپنے اوپر اعتماد نہ ہو بلکہ الظالم اور عاجز ہونے کا خوف ہو کہ مجھ سے اس کا حق ادا نہ ہو سکے گا تو اس کیلئے قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ عدل و انصاف کے اعتماد کے باوجود منصب قضاء قبول نہ کرنا عزیمت ہے اور قبول کرنا رخصت ہے

**منصب قضاء قبول کرنے کے بعد سب سے پہلا کام:**

جب قاضی نے منصب قضاء قبول کر لیا تو اس پر سب سے پہلے جو کام لازم ہے یہ ہے کہ وہ معزول قاضی سے ان تھیلیوں کے بارے میں معلومات کرے جن میں سرکاری فائلیں اور دستاویزات رکھی ہوئی ہوتی ہیں تو ان دستاویزات کو حاصل کر کے اپنے پاس محفوظ کرے گا تاکہ بوقت ضرورت کام آسکے کیونکہ اب تمام معاملات کا تعلق موجودہ قاضی کے ساتھ ہو گیا تو فائلیں اور دستاویزات اس کے کام آئیں گی اس لئے سب سے پہلے ان کو حاصل کرے

والزم محبوسا اقر بحق لامن انکر الابینة وان اخبر به المعزول لانه بالعزل التحق بو احد من الرعايا وشهادة الواحد لا تقبل والاینادی علیہ لم یخلیہ ای ان لم تقم البینة علی المحبوس المنکر ینادی ان کل من له حق علی فلان بن فلان المحبوس فلیحضر مجلس القاضی فان لم یحضر احد یخلیہ

ترجمہ اور لازم کرے گا اس قیدی پر جس نے حق کا اقرار کیا نہ اس پر جس نے انکار کیا مگر گواہوں کے ساتھ اگرچہ اس کی خبر دے معزول قاضی اسلئے کہ وہ معزول ہونے کی وجہ سے رعایا کا ایک فرد ہو گیا اور ایک آدمی کی گواہی قبول نہیں ہوتی ورنہ منادی کرائے پھر اس کو چھوڑ دے یعنی بینہ قائم نہ ہوئے مگر قیدی پر منادی کرائے کہ جس کا فلاں بن فلاں قیدی پر کچھ حق ہو تو وہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہو جائے اور اگر کوئی حاضر نہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دے

**تشریح: قاضی قیدیوں کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟:**

فرماتے ہیں کہ جب نئے قاضی نے منصب قضاء کو قبول کر لیا تو سب سے پہلے یہ کام کرے کہ جیل خانے کا معاینہ کرے اور تمام قیدیوں کے احوال معلوم کرے پس جس قیدی نے کسی کے حق کا اقرار کر لیا تو اس پر حق لازم کر دے گا اور اگر نہیں دیتا تو اسکو قید میں رکھے گا اور جس نے انکار کیا کہ میرے اوپر کچھ لازم نہیں ہے تو اس کی بات پر یقین نہیں کرے گا اور نہ معزول قاضی کی بات پر یقین کرے گا (کہ میں نے اس کو فلاں حق میں قید کیا ہے لہذا تم اس پر یہ حق لازم کرو) کیونکہ اب یہ قاضی معزول رعایہ کا ایک فرد ہو گیا ہے اور فرد واحد کی گواہی قبول نہیں ہوتی ہاں اگر کامل بینہ موجود ہوں کہ اس کو ہم نے فلاں حق میں قید کیا ہے اور یہ دیتا نہیں ہے تو اس کو پھر قید سے رہا نہیں کرے گا کیونکہ اس کا ظلم ظاہر ہو گیا ہے اور اگر نہ اس نے اقرار کیا اور نہ اس پر گواہ قائم

ہوئے تو اس کو ہمیشہ قید میں نہیں رکھے گا بلکہ اس کے بارے میں اعلان کرنے گا (اخبارات میں بیان دے گا اور ریڈیو میں اعلان کرے گا) کہ جس کا فلاں ابن فلاں پر (جوانی الحال قید میں ہے) کچھ حق ہو تو وہ آکر اپنا حق ثابت کرے تاکہ اس پر لازم کر دیں پس اگر کوئی حاضر ہو گیا تو فسحا ورنہ قاضی چند روز تک اعلان کرتا رہے پھر بھی اگر مطالبہ کرنے والا حاضر نہ ہوا تو پھر قاضی اس کو رہا کر دے گا اور اس سے کفیل بنفسہ (ایسا آدمی جو اس کو حاضر کر سکے) لے گا تاکہ اگر مدعی حاضر ہو جائے تو اس کے حق کی وصول یا بی ممکن ہو جائے۔ ہدایہ میں ہے کہ قاضی جدید اس قیدی کو فوری طور پر رہا نہ کرے کیونکہ قاضی معزول کا فعل فی نفسہ درست معلوم ہوتا ہے اس لئے جلدی رہا کرنے میں ممکن ہے کہ مدعی غائب ہو اور جلدی رہا کرنے میں اس کا حق باطل ہو جائے اور کسی کا حق باطل کرنا جائز نہیں ہے اس لئے رہا کرنے میں جلدی نہ کرے

وعمل فی الودائع وغلة الوقف بالبينة او باقرار ذی الید لا بقول المعزول ای الا یقبل قول المعزول ان قال هذا ودیعة فلان دفعتها الی هذا الرجل وهو منکر الا اذا قرر ذوالید بالتسلیم منه ای من القاضی المعزول

ترجمہ: عمل کرے ودیعتوں اور وقف کے حاصلات میں گواہوں کے ذریعے یا صاحب قبضہ کے اقرار کے ذریعے نہ کہ قاضی معزول کے کہنے پر یعنی قاضی معزول کا یہ قول قبول نہ ہوگا کہ یہ فلاں کی امانت تھی میں نے اس آدمی کو سپرد کی تھی حالانکہ وہ منکر ہے ہاں اگر اقرار کرے صاحب قبضہ کہ قاضی نے اس کو سپرد کیا ہے یعنی قاضی معزول نے

تشریح: قاضی کی دیگر ذمہ داریاں:

فرماتے ہیں کہ قیدیوں کے حالات دیکھنے کے بعد قاضی کو یہ کام بھی کرنا ہوگا کہ لوگوں کی امانتوں کی دیکھ بھال کرے جو قاضی معزول نے اپنے امینوں کے پاس رکھی ہیں اور اوقاف کی آمدنی اور خرچ پر بھی نظر کرے گواہوں کے موافق عمل کرے مثلاً اس بات پر گواہی دی گئی کہ زید کی امانت بکر کے پاس قاضی معزول نے رکھی ہے یا بکر نے خود اقرار کیا کہ زید کی امانت میرے پاس ہے تو اس صورت میں قاضی جدید بکر سے یہ امانت لے کر اور بکر کو سپرد کر دے گا کیونکہ حجت شرعی پائی گئی ہے لہذا قاضی جدید اس پر عمل کر سکتا ہے اور اگر قاضی معزول کہتا ہے کہ بکر کے پاس زید کی امانت ہے میں نے اس کے پاس رکھی ہے اور بکر اس کا انکار کرتا ہے کہ میرے پاس کسی کی امانت نہیں ہے تو اس صورت میں صرف قاضی معزول کا قول معتبر نہ ہوگا کیونکہ جب وہ معزول ہو گیا تو وہ رعایا کا ایک فرد ہو گیا اور فرد واحد کی گواہی قبول نہیں ہوتی لہذا صرف قاضی معزول کا قول معتبر نہ ہوگا ہاں اگر قابض نے اقرار کیا کہ یہ امانت معزول قاضی نے میرے پاس رکھی ہے اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہ کس کی ہے یا یہ کہا کہ یہ فلاں بن

فلاں کی امانت ہے اور معزول قاضی بھی اس کا اقرار کرتا ہے تو ان دونوں صورتوں میں معزول قاضی کا قول قبول ہوگا

ويجلس للحكم ظاهراً في المسجد والجامع اولى اى جلوساً ظاهراً وهو الجلوس المشهور الذى  
بأى الناس لقطع الخصومات من غير اختصاص بعض الناس بذلك المجلس وعندا لشافعى يكره  
الجلوس فى المسجد لانه قد يحضر المشرك والحائض ولنا جلوس النبى ﷺ وايضاً القضاء عبادة  
ولجاسة المشرك من حيث الاعتقاد والحائض لا تاكل بل تفصل خصوصتها على باب المسجد ولو  
جلس فى داره واذن بالدخول جاز

ترجمہ: اور قاضی فیصلہ کرنے کیلئے ظاہری طور پر مسجد میں بیٹھے اور جامع مسجد اولیٰ ہے یعنی ظاہری طور پر بیٹھنا اور وہ مشہور جلوس  
ہے کہ جس میں عام لوگ مقدمات دفع کرنے کیلئے آتے ہیں اس کے بغیر کہ بعض لوگوں کا اس مجلس کے ساتھ اختصاص ہو اور امام  
شافعی کے نزدیک مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے اس لئے کہ کبھی مشرک اور حائضہ بھی حاضر ہوگی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ  
بیٹھے ہیں اور نیز یہ بھی کہ قضاء عبادت ہے اور مشرک کا نجس ہونا عقیدے کے لحاظ سے ہے اور حائضہ مسجد میں داخل نہ ہو بلکہ اپنا  
مقدمہ بیان کرے مسجد کے دروازے پر اور اگر قاضی اپنے گھر میں بیٹھے اور اندر داخل ہونے کی اجازت دے تو یہ جائز ہے  
تشریح: قاضی مسجد میں فیصلہ کر سکتا ہے:

مسئلہ یہ ہے کہ قاضی فصل مقدمات کیلئے مسجد میں نمایا ہو کر بیٹھے اور جامع مسجد زیادہ بہتر ہے تاکہ پردیسی اور عام لوگوں پر اس کی  
جگہ مشتہر نہ ہو اور ہر ایک کس و ناکس کو وہاں جانے کی اجازت ہو اور جامع مسجد میں بیٹھنا اس وقت اولیٰ ہے جبکہ جامع مسجد شہر کے  
درمیان میں ہو لیکن جامع مسجد شہر کے درمیان میں نہ ہو تو پھر ایسی مسجد کا انتخاب کرے جو شہر کے وسط میں واقع ہو اور ہر طرف  
سے لوگ آسائیں باسانی آسکتے ہوں

حضرت امام شافعی کا مسلک: اور امام شافعی کے نزدیک قاضی کیلئے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے اس لئے کہ مسجد میں فیصلے  
کے واسطے کبھی مشرک بھی حاضر ہوگا اور مشرک کا مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے اس لئے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: "الم  
المشرکون نجس فلا یقرب المسجد الحرام بعد عامہم هذا" اور حدیث شریف میں ہے کہ: "والی لا احل  
المسجد لحائض ولا جنب" نیز مسجد عبادت کی جگہ ہے اور پھر لوگ اس میں شور و شغب کریں گے جھوٹی قسمیں کھائیں  
گے اور مساجد کو ان چیزوں سے پاک کرنے کا حکم ہے

ہماری دلیل: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ مسجد میں فصل مقدمات فرمایا کرتے تھے اور نیز خلفاء راشدین بھی مسجد ہی میں فصل مقدمات فرمایا کرتے تھے اور عقلی دلیل یہ ہے کہ حق کے مطابق فیصلہ کرنا عبادت ہے اور مساجد تو عبادت کیلئے بنائی گئی ہیں تو جیسے نماز مسجد میں قائم کرنا درست ہے اسی طرح قضاء اور فیصلہ بھی مسجد میں کرنا درست ہوگا

امام شافعیؒ کے مستدل کا جواب: یہ ہے کہ مشرک کی نجاست اعتقادی ہے ظاہری بدن کے اعتبار سے وہ ناپاک نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ جب کافر اسلام قبول کرے اور کلمہ شہادت پڑھ لے تو وہ پاک ہو جاتا ہے حالانکہ کلمہ شہادت سے تو نجاست حقیقی زائل نہیں ہوتی تو معلوم ہوا کہ اس کی نجاست اعتقادی ہے اور نجاست اعتقادی دخول مسجد کیلئے مانع نہیں ہے اور رہا حائضہ کا مسئلہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ قاضی کو اپنا حائضہ ہونا بتلا دے گی اور قاضی اس کے واسطے دروازے پر آجائے گا یا وہ اپنا نائب بھیج دے گی جو فریق مقابل کے ساتھ مقدمہ نمٹا دے گا فرماتے ہیں کہ اگر قاضی اپنے گھر میں فیصلہ کرنے کیلئے بیٹھ گیا اور اجازت عام دیدی کہ ہر کوئی قاضی کے گھر میں آسکتا ہے تو یہ بھی جائز ہے

ولا يقبل هدية الامن ذى رحم محرم او ممن اعتاد مهاداته قدرا عهد اذالم يكن بينهما خصومة  
ولا يحضر دعوة الاعامة العامة هي التي يتخذها وان لم يحضر القاضى وعند محمد الخاصة ان كانت  
من قريب يجيبه كالهديّة ويشهد الجنائزة ويعود المريض ويسوى بين الخصمين جلوسا واقبالا  
ولا يسار احدهما ولا يضيفه ولا يضحك ولا يمزح معه ولا يشير اليه ولا يلقنه حجة وكره تلقين  
الشاهد بقوله اشهد بكذا او كذا واستحسنه ابو يوسف فيما لا تهمة فيه وذلك فيما لا يستفيد  
بتلقينه زيادة علم

ترجمہ: اور قاضی کسی کا ہدیہ قبول نہ کرے مگر اپنے ذی رحم محرم سے اور یا اس شخص سے جس کے ساتھ پہلے سے ہدیہ لینے دینے کی عادت ہو ایک معلوم مقدار کے ساتھ جبکہ دونوں کے درمیان خصومت نہ ہو اور دعوت میں حاضر نہ ہو مگر یہ کہ عام دعوت ہو دعوت عام یہ ہے کہ یہ دعوت ہوگی اگرچہ قاضی حاضر نہ ہو اور امام محمد کے نزدیک اگر دعوت خاص قریبی رشتہ دار کی طرف سے ہو تو قبول کر سکتا ہے ہدیہ کی طرح اور قاضی جنازے میں حاضر ہو اور مریض کی عیادت کرے اور دونوں فریقین کے درمیان بیٹھنے اور توجہ کرنے میں برابری کرے اور ایک کے ساتھ سرگوشی نہ کرے اور نہ اس کی مہمان نوازی کرے اور نہ ہنسے اور نہ کسی ایک کے ساتھ مزاح کرے اور نہ اس کی طرف اشارہ کرے اور نہ اس کو جحت کی تلقین کرے اور گواہ کو تلقین کرنا مکروہ ہے اس قول کے ساتھ کہ تو

ایسی ایسی بات کی گواہی دیتا ہے اور امام ابو یوسفؒ نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے موضع تہمت کے علاوہ میں اور یہ اس موضع میں کہ جس میں اس کی تلقین سے علم میں زیادتی نہیں ہوتی۔

### تشریح: قاضی کا ہدیہ قبول کرنا:

جب قاضی نے منصب قضاء قبول کر لیا تو اس کے بعد قاضی کو چاہئے کہ وہ کسی کا ہدیہ قبول نہ کرے سوائے اپنے ذی رحم محرم اور اس شخص کے جس کے ساتھ پہلے سے ہدیہ لینے دینے کی عادت جاری ہو کیونکہ ذی رحم محرم کا ہدیہ قبول کرنا قضاء کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اپنی قرابت کی وجہ سے ہے اور اسی طرح اس شخص کا ہدیہ قبول کرنا جس کے ساتھ پہلے سے عادت جاری ہو یہ بھی قضاء کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ دوستی کی وجہ سے ہے اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ اس شخص کا مقدمہ زیر سماعت نہ ہو اور نہ یہ مقدار سابقہ مقدار سے زیادہ ہو کیونکہ مقدمہ زیر سماعت ہونے کی صورت میں تہمت ہے اور زیادہ ہونے کی صورت میں یہ زیادتی قضاء کی وجہ سے ہے دعوت میں حاضر ہونا: قاضی خصوصی دعوت قبول نہ کرے البتہ عمومی دعوت قبول کر سکتا ہے اور دعوت عام وہ ہے کہ اگر داعی اور میزبان کو یہ معلوم ہو جائے کہ قاضی صاحب دعوت میں حاضر نہ ہو سکے گا تو دعوت کو مؤخر کرتا ہے تو یہ دعوت خاص ہے اور اگر قاضی کے حاضر نہ ہونے کی وجہ سے دعوت مؤخر نہیں ہوتی تو یہ دعوت عام ہے اس دعوت میں قاضی شرکت کر سکتا ہے اور قاضی خاص دعوت کو قبول نہیں کرے گا چاہے قریب کی طرف سے ہو یا اجنبی کی طرف سے یہ شیخین کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک قاضی اپنے قریبی رشتہ دار اور دوست کی طرف سے دعوت خاص بھی قبول کر سکتا ہے جیسے کہ ان کی طرف سے ہدیہ قبول کر سکتا ہے

**قاضی کے فرائض منصبی:** فرماتے ہیں کہ قاضی لوگوں کے جنازوں میں شرکت کرے اور مریض کی عیادت کرے کیونکہ یہ مسلمانوں کے حقوق میں سے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں ان میں سے جنازے میں شرکت اور عیادت مریض بھی ہیں

اور قاضی پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ دونوں فریق کے درمیان بیٹھنے اور توجہ کرنے میں برابری کرے یعنی اگر ایک کو مسند پر بٹھلایا تو دوسرے کو بھی مسند پر بٹھلائے گا یا دونوں کو زمین پر اپنے سامنے بیٹھنے کا کہے ایک دائیں جانب اور دوسرے کو بائیں جانب بھی نہ بٹھائے کیونکہ دائیں جانب کو ترجیح حاصل ہے بائیں جانب پر اسی طرح قاضی ایک کے ساتھ کان میں کوئی خفیہ بات نہ کرے کیونکہ پھر اس سے دوسرے کی دل شکنی ہوگی اور قاضی بھی متہم ہوگا

اور اسی طرح قاضی کو یہ بھی حکم ہے کہ ایک فریق کی مہمان نوازی نہ کرے دوسرے کے بغیر ہاں دونوں کو ایک خوان پر بٹھا کر



دونوں کی مہمان نوازی کر سکتا ہے

اسی طرح قاضی دونوں فریقوں میں سے ایک کے ساتھ یا دونوں کے ساتھ ہنسی مذاق نہ کرے کیونکہ اس سے منصب قضاء کا رعب ختم ہوتا ہے

اور قاضی ایک فریق کی طرف اپنے سر یا ہاتھ یا آبرو کے ساتھ اشارہ بھی نہ کرے اور نہ اس کو حجت کی تلقین کرے کیونکہ ایسے کرنے میں دوسرے کی دل شکنی ہوتی ہے اور قاضی پر رشوت اور طرف داری کا الزام لگتا ہے جس کی وجہ سے دوسرا اپنا حق چھوڑ دے گا

اور مکروہ ہے گواہ کو تلقین کرنا یعنی گواہ کو یہ کہنا کہ کیا تو فلاں فلاں بات کا گواہ ہے تو گواہ کو اس طرح تلقین کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں احداً الخصمین کی مدد کرنا لازم آتا ہے جیسے کہ اصل مدعی کو اس طرح تلقین کرنا مکروہ ہے

امام ابو یوسفؒ نے موضع تہمت کے علاوہ میں گواہ کو تلقین کرنا مستحسن قرار دیا ہے اس لئے بسا اوقات گواہ عدالت کی ہیبت کی وجہ سے بیان کرنے سے رک جاتا ہے تو ایسی صورت میں گواہ کو تلقین کرنا انسانی حقوق کو زندہ کرنا ہے ہاں جہاں تلقین کرنے سے تہمت ہو تو تلقین نہ کرنا چاہئے جیسے کہ مدعی دعویٰ کرتا ہے کہ میرا مدعی علیہ پر دوسور پے ہیں اور مدعی علیہ ایک سو کا اقرار کرتا ہے اور سو سے انکار کرتا ہے اور گواہ نے بھی ایک سو کی گواہی دی تو قاضی گواہ کو یہ تلقین نہ کرے کہ ہو سکتا ہے کہ اصل حق دوسور پے ہو لیکن پھر مدعی نے ایک سو روپے محاف کر دیئے ہو تو اس سے گواہ آگاہ ہو کر اپنی گواہی درست کر لے گا اور دوسور پر گواہی دے گا تو یہ تلقین جائز نہیں ہے

ويجبس الخصم مدة رآها مصلحة في الصحيح انما قال هذا لاختلاف الروايات في تعيين مدة الحبس والاصح ان التقدير مفوض الى رأى القاضى لتفاوت احوال الاشخاص فى ذلك بطلب ولى الحق ذلك

ترجمہ: اور قاضی خصم کو قید کرے اتنی مدت تک جس میں قاضی مصلحت دیکھے قول صحیح میں اور یہ کہا اس لئے کہ روایات مختلف ہیں مدت قید کی تعیین کے بارے میں اور صحیح یہ ہے کہ تقدیر پر دے قاضی کے رہنے کو اس میں لوگوں کے احوال مختلف ہونے کی وجہ سے صاحب حق کے مطالبے سے۔

تشریح: کیا قاضی مجرم کو قید کر سکتا ہے؟

قید کرنا ثابت ہے قرآن اور حدیث سے قرآن پاک میں ہے،، او ینفوا من الارض،، اس سے مراد قید اور جس ہے اور نبی

کریم ﷺ نے ایک آدمی کو قید کیا تھا تہمت کے جرم میں تو اب قاضی کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ مجرم کو قید کرے اور قید کی کوئی مدت متعین نہیں ہے بنا بر مذہب صحیح بلکہ یہ کام قاضی کو سپرد ہے کہ وہ جتنی مدت مناسب سمجھے مجرم کو قید کرے کیونکہ اس کے بارے میں لوگوں کے احوال مختلف ہیں بعض لوگوں ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو ایک دن قید کرنے سے بھی مسئلہ حل ہو جاتا ہے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو ایک دور روز قید کرنے سے کچھ نہیں ہوتا تو ان کو زیادہ قید کرنا مناسب ہوگا اور یہ کام قاضی کا ہے کیونکہ قاضی ناظر مقرر ہوا ہے لوگوں کے احوال پر۔ لیکن قاضی مجرم کو اس وقت قید کرے گا جب کہ صاحب حق خود قید کرنے کا مطالبہ کرے کیونکہ حق تو اس کا ہے جب وہ خود مطالبہ نہ کرے تو اس وقت اس کو قید نہ کرے اس لئے کہ یہ حق العبد ہے اور حق العبد میں عہد کی طرف سے دعویٰ اور مطالبہ شرط ہے

ان امر القاضی المقر بالایفاء فامتنع او ثبت الحق بالبینة ای ان ثبت الحق بالبینة فطلب ولی الحق الحبس یحبسه القاضی من غیر احتیاج الی ان یأمر القاضی بالیفاء الحق فیمتنع وان ثبت بالاقرار لا بد ان یأمره فیمتنع اذ فی صورة البینة ظهر مطله بانکاره و فی الاقرار انما یتظهر المطل بان یمتنع من الایفاء بعد الامر فان الحبس جزاء المماطلة فیما لزمه بعقد کمهر و کفالة المراد المعجل وبدلا عن مال حصل له کثمن مبيع و فی نفقة عرسه و ولده لافی دینه ای لا یحبس فی دین الولد و فی غیرها لا نحو الدیات و ارش الجنایات ان ادعی فقره الا اذا قامت بینه بضده

ترجمہ: جب قاضی نے مقرر کو ادا کرنے کا حکم کیا اور وہ ادا کرنے سے رک گیا یا حق ثابت ہوا ہوگا وہوں سے یعنی حق ثابت ہوا ہو بینہ کے ذریعے اور صاحب حق نے قید کرنے کا مطالبہ کیا تو قاضی اس کو قید کرے اس بات کی طرف کوئی حاجت نہیں کہ قاضی اس کو ادا کرنے کا حکم کرے اور وہ ادا کرنے سے رک جائے اور اگر حق ثابت ہوا ہو اقرار سے تو ضروری ہے کہ قاضی اس کو حکم کرے اور وہ رک جائے اس لئے کہ بینہ کی صورت میں اسکا ٹال منول ظاہر ہو گیا اس کے انکار کرنے سے اور اقرار کی صورت میں ٹال منول اس وقت ظاہر ہوگا کہ ادا کرنے سے رک جائے حکم کرنے کے بعد کیونکہ قید کرنا جزاء ہے ٹال منول کی (یہ قید کرنا) اس عقد میں ہے جو اس پر لازم ہوا ہے عقد کے ساتھ جیسے مہر اور کفالہ مراد مہر مغل ہے اور بدل ہوا اس مال کا جو اس کو حاصل ہوا ہو جیسے بیع کا ٹمن اور اپنی بیوی کا اور بچوں کا خرچہ نہ کہ بچے کے دین میں یعنی اس کو قید نہ کیا جائے گا بچے کے دین میں اور ان حقوق کے علاوہ میں نہیں جیسے دیت یا جنایات کا تاوان جبکہ وہ دعویٰ کرے اپنے فقیر ہونے کا ہاں اگر بینہ قائم ہو جائے اس کی ضد پر

تشریح: جب صاحب حق کا حق ظاہر ہو جائے تو فریق کی گرفتاری کا کیا ہوگا؟

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب ایک شخص نے اقرار کیا کہ فلاں کا میرے اوپر ہزار روپے ہے اور یہ بات قاضی کے سامنے کہی تو اس پر مقررہ کا حق ثابت ہو گیا ایک صورت تو یہ ہوئی اور دوسری صورت یہ ہے کہ صاحب حق کا حق بینہ کے ذریعے ثابت ہو گیا اور صاحب حق نے قاضی سے مقروض کے گرفتار کرنے کا مطالبہ کیا تو قاضی پہلی صورت میں مقررہ کو فوراً گرفتار نہیں کرے گا کیونکہ اس صورت میں مقررہ کی طرف سے ٹال مٹول نہیں پایا گیا کیونکہ اقرار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آدمی حق ادا کرے گا اور یہ اس لئے (قید میں نہیں ڈالے گا) کہ قید کرنا سزا ہے ٹال مٹول کی اور یہاں پر ٹال مٹول نہیں پایا گیا ہے البتہ اگر قاضی نے مقررہ کو کہا کہ صاحب حق کا حق ادا کرو اور وہ ادا کرنے سے رک گیا تو اب قاضی اس کو قید میں ڈالے گا کیونکہ ٹال مٹول پایا گیا اور دوسری صورت میں یعنی جب صاحب حق کا حق بینہ کے ذریعے ثابت ہو گیا اور صاحب حق نے گرفتار کرنے کا مطالبہ کیا تو قاضی اس کو فوراً قید کرے گا اس بات کے انتظار کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اسکو حکم کرے اور وہ ادا کرنے سے رک جائے اس لئے کہ جب اس نے انکار کیا تو یہ ٹال مٹول کی دلیل اور قید کرنا ٹال مٹول کی سزا ہے

کو نئے حقوق میں آدمی کو قید کیا جاسکتا ہے؟

چنانچہ فرماتے ہیں کہ آدمی کو اس حق میں قید کیا جاسکتا ہے جس کو اس نے اپنے اوپر خود لازم کر دیا ہو جیسے مہر متجمل اور کفالہ یعنی بیوی کا مہر متجمل ادا نہ کیا ہو یا کسی کے مال کا کفالہ لیا ہو اور مال مکفولہ ادا نہ کیا ہو تو اس کے بدلے میں اس مقروض کو قید کیا جائے گا اس لئے ان کاموں پر اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے اور جب مال ہے تو ادا نہ کرنا مہملت (ٹال مٹول) ہے اور مہملت کی سزا قید ہے لہذا اس کے بدلے میں اس مقروض کو قید کیا جائے گا

یا اس مال کے عوض میں جو اس کو حاصل ہوا ہو مثلاً بیع کے ثمن کے عوض میں اس لئے کہ جب بیع اس نے خریدی ہے تو اس کے پاس مال موجود ہے تو اس کے عوض میں اس کو اس لئے قید کیا جائے گا کہ اس کے پاس مال موجود ہے اور دوسروں کا حق ادا نہیں کرتا تو یہ بھی ٹال مٹول ہے اسی طرح بیوی اور بچوں کے نفقہ نہ دینے میں بھی اس کو قید کیا جاسکتا ہے لیکن اپنی اولاد کے دین میں باپ کو قید نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ انت و مالک لا بیک

مذکورہ حقوق کے علاوہ میں قید کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ مذکورہ دو صورتوں کے علاوہ (یعنی نہ تو ایسا قرضہ ہو جو اس نے عقد کی وجہ سے اپنے اوپر لازم کیا ہو اور نہ مال کا عوض ہو) کسی اور وجہ سے آدمی پر قرضہ لازم ہو گیا مثلاً قتل خطا کی دیت لازم ہو گئی یا کوئی دوسرے جرم کا جرمانہ لازم ہو گیا اور مقروض نے کہا کہ میں فقیر ہوں تو قاضی اس کو فوراً قید میں نہ ڈالے گا لیکن اگر قرض خواہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ اس کے پاس مال موجود

ہے تو پھر اس کو قید میں ڈالے گا اس لیے کہ اب ماملت پائی گئی اور ماملت کی سزا قید ہے لہذا اب اس کو قید کیا جائے گا  
 لم شرع بعد ذلك فيما يفعله القاضى اذا كان الخصم حاضراً او لم يكن فقال فان شهدوا على  
 خصم حاضر حكم بها وكتب به وهو السجل اى حكم بالشهادة وكتب بالحكم وهذا المكتوب  
 هو السجل فيكتب حكمك بذلك او ثبت عندى فان هذا حكم وان شهدوا على غائب لم يحكم  
 وكتب بالشهادة ليحكم المكتوب اليه بها وهو الكتاب الحكمى وكتاب القاضى الى القاضى  
 وهو نقل الشهادة حقيقة

ترجمہ: پھر اس کے بعد شروع فرمادیا اس میں جو کرتا ہے قاضی جبکہ خصم حاضر ہو یا حاضر نہ ہو تو فرمایا کہ اگر گواہوں نے گواہی دی  
 اس خصم پر جو حاضر ہے تو قاضی اس پر حکم کرے اور اس کو لکھے اور اس کو سجل کہتے ہیں یعنی گواہی کی بناء پر فیصلہ اور حکم لکھنے اور  
 اس کتاب کو سجل کہتے ہیں تو لکھنے کے میں نے اس پر فیصلہ کر دیا یا میرے پاس ثابت ہو گیا ہے اور یہ اس کا حکم ہے اور اگر گواہوں  
 نے گواہی دی غائب پر تو پھر فیصلہ نہ کرے اور گواہی لکھنے تاکہ کتاب الیہ قاضی اس پر فیصلہ کرے اور یہ کتاب حکمی ہے اور قاضی کا خط ہے  
 قاضی کی طرف اور یہ حقیقت میں گواہی نقل کرنا ہے

تشریح: ایک قاضی کا دوسرے قاضی کے نام خط:

اس عبارت میں کتاب القاضی الی القاضی کا مسئلہ ذکر کیا ہے مسئلے کی وضاحت سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ ایک قاضی کا دوسرے قاضی  
 کے نام خط بھیجنا خلاف قیاس ہے اس لئے کہ اگر ایک قاضی زبانی دوسرے قاضی کو خبر دے کہ آپ کے شہر میں جو فلاں آدمی ہے  
 اس پر میں نے یہ حکم کیا ہے تم اس پر یہ حکم نافذ کرو تو یہ قبول نہیں ہے تو خط بطریقہ اولیٰ قبول نہ ہونا چاہئے لیکن چونکہ یہ مسئلہ اجماع  
 صحابہ کرام اور اجماع امت سے ثابت ہے اس لئے قیاس متروک ہے اور لوگوں کو اس کی حاجت بھی ہوتی ہے کیونکہ بسا اوقات  
 ایسا ہوتا ہے کہ شہود اور مدعی علیہ کو جمع کرنا ممکن نہیں ہوتا اس لئے کہ گواہ ایک شہر میں ہوتے ہیں اور مدعی علیہ دوسرے شہر میں  
 ہوتا ہے اور دونوں کو جمع کرنا مشکل ہوتا ہے تو قاضی گواہوں کی گواہی سن لیتا ہے اور پھر یہ گواہی ایک خط کے ذریعے دوسرے شہر  
 کے قاضی کے پاس بھیج دیتا ہے جہاں مدعی علیہ رہتا ہے تو قاضی مکتوب الیہ اس گواہی کی بناء پر مدعی علیہ پر فیصلہ نافذ کرتا ہے اور  
 کتاب القاضی الی القاضی کی دو صورتیں ہیں (۱) یہ کہ گواہ مدعی علیہ کے سامنے قاضی کا تب کے دربار میں گواہی دیدیں یعنی خصم  
 اور مدعی علیہ حاضر ہو (۲) یہ کہ مدعی علیہ اور خصم حاضر نہ ہو بلکہ غائب ہو پہلی صورت میں قاضی کا تب گواہی سننے کے بعد اپنا حکم  
 اور فیصلہ بھی لکھے گا اور قاضی مکتوب الیہ کو روانہ کرے گا اور جب یہ خط قاضی مکتوب الیہ کو پہنچ جائے تو وہ اس حکم کو نافذ کرے گا جو

اس خط میں ہے اس کتاب کو کھل کہا جاتا ہے کیونکہ قاضی کاتب نے فیصلہ اور حکم اپنا صادر فرمادیا ہے اور حق اس کے سامنے ثابت ہو چکا ہے قاضی مکتوب الیہ صرف حکم نافذ کر سکتا ہے چاہئے اس کی رائے کے خلاف ہو یا موافق اور دوسری صورت میں (جبکہ خصم سامنے موجود نہ ہو) قاضی کاتب صرف گواہی لکھے گا یعنی یہ لکھے گا کہ میں نے گواہوں کی گواہی سن لی اور خصم چونکہ موجود نہیں ہے اس لئے اس پر فیصلہ میں نہیں کر سکتا لہذا قاضی مکتوب الیہ اس گواہی کی بناء پر خصم پر حکم لازم کر دے گا اور اس کتاب کو کتاب حکمی کہا جاتا ہے اور کتاب القاضی الی القاضی بھی کیونکہ یہ درحقیقت گواہی منتقل کرنا ہے ایک قاضی سے دوسرے قاضی کے پاس

### کتاب القاضی الی القاضی کی ایک صورت:

مومنہ کے طور پر ایک خط کا مضمون فتح القدیر سے ترجمہ کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے از فلاں بن فلاں قاضی صلح سوات ہمام فلاں بن فلاں قاضی پشاور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب عالی:

حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ میرے پاس ایک شخص زید بن عمرو سواتی آیا اور بیان کیا کہ میرے ایک ہزار روپے خالد بن ماجد پشاوری پر قرض ہیں اور مجھ سے درخواست کی کہ میں اس کی شہادت سن کر جو میرے نزدیک درست ہو آپ کو تحریر کروں پس میں نے اس سے گواہ طلب کئے تو وہ میرے سامنے فلاں فلاں گواہوں کو لے آیا (گواہوں کی پوری کیفیت تحریر کی جائے گی) پس ان گواہوں نے میرے سامنے گواہی دی کہ زید بن عمرو سواتی مدعی کا خالد بن ماجد پشاوری مدعی علیہ پر ایک ہزار روپے فی الحال واجب الاداء ہیں میرے نزدیک یہ ثابت ہو چکا کہ مدعی علیہ پر ایک ہزار روپے قرضہ ہے مدعی کی درخواست پر میں نے آپ کو یہ خط تحریر کیا ہے اور اس پر گواہ مقرر کر دئے کہ یہ میرا خط اور میری مہر ہے اور میں نے یہ خط گواہوں بھی پڑھ کر سنا دیا ہے اس کے بعد خط لپیٹ کر اس پر اپنی مہر لگا دے پھر یہ خط مدعی کے حوالے کرے پس جب مدعی اس خط کو قاضی مکتوب الیہ کے پاس لا کر بیان کرے کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے تو اس پر گواہ طلب کرے پھر جب تک مدعی علیہ حاضر نہ ہو گواہوں کی سماعت نہ کرے اور جب اس نے حاضر ہو کر اقرار کیا کہ میں فلاں بن فلاں یعنی خالد بن ماجد پشاوری ہوں تو قاضی مکتوب الیہ گواہوں کی سماعت کرے اور اگر مدعی علیہ نے انکار کرے تو مدعی اپنے گواہوں سے ثابت کرے کہ یہی خالد بن ماجد پشاوری ہے جو کہ مدعی علیہ ہے پس مدعی علیہ کے ثبوت کے بعد مدعی کے گواہوں کی سماعت کرے کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے پھر قاضی مکتوب الیہ گواہوں سے پوچھے کہ قاضی نے اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ تم کو پڑھ کر سنایا تھا اگر انہوں نے اعتراف کر لیا اور گواہی دی کہ یہ خط اسی کا ہے اور اسی کی

مہر ہے تو قاضی مکتوب الیہ ان کی عدالت و دیانت دریافت کرے پس جب ان کی عدالت و دیانت ثابت ہو جائے تو مدعی علیہ کی موجودگی میں مہر توڑ کر پڑھ کر سنائے (از اشرف الہدایہ جلد نمبر ۹ ص نمبر ۲۷۹)

و یقبل فیما لا یسقط بشبهة ای ماسوی الحدود والقصاص اذا شهد عنده كالدين والعقار والنكاح والنسب والمغضوب والامانة والمضاربة المجحودین فان الامانة ومال المضاربة اذا لم یجحدوا لا یتحتاج الی کتاب القاضی الی القاضی و اذا جحدوا صار مغضوبین و فی المغضوب تجب القيمة و هی دین فیجری فیہ الكتاب الحکمی اذا لا احتیاج الی الاشارة فیہا بل یعرف بالصفة بخلاف العین المنقولة فانہ یتحتاج فیہا الی الاشارة هذا عند ابی حنیفةؒ و کذا عند ابی یوسفؒ الافی العبد الأبق فیقبل فیہ و قد ذکر فی کیفیتہ ہکذا یکتب قاضی بخارا الی قاضی سمرقند ان فلاناً و فلانا شهدا عندی ان عبد فلان المسمى بالمبارک الذی حلینہ کذا و کذا ابق من مالکہ و وقع بسمرقند فی ید فلان الی اخر الكتاب و یتختمہ فاذا وصل الی قاضی سمرقند یحضر الخصم مع العبد و یفتحه بشرائطہ فان لم یکن حلینہ کما یتبرکہ وان کان فالخصم ان ذہب الی بخارا فیہا و الیسلم العبد الی المدعی لاعلیٰ وجہ القضاء و یأخذ منہ کفیلاً بنفس العبد و یجعل فی عنقہ شیئاً و یتختمہ صیانة عن التبديل عند شهادة الشهود و یکتب الی قاضی بخارا جواب کتابہ و انہ ارسل الیہ العبد فاذا وصل الیہ الكتاب یحضر الشهود الذین شہدوا فی غیبة العبد لیشهدوا فی حضورہ و یشیروا الیہ انہ ملک المدعی لکن لا یحکم لان الخصم غائب ثم یکتب الی قاضی سمرقند ان الشهود شہدوا بحضورہ لیحکم قاضی سمرقند علی الخصم و یرأ الکفیل عن کفالتہ و عن محمدؒ قبولہ فیما ینقل و علیہ المتأخرون لافی حد و قود

ترجمہ: اور قبول ہوتی ہے اس میں جو شہدے سے ساقط نہیں ہوتے یعنی حدود اور قصاص کے علاوہ میں جبکہ گواہی دے قاضی کے پاس جیسے دین اور جائیداد۔ نکاح۔ نسب اور مغضوب اور امانت و مضاربت جس سے انکار کیا گیا ہو اس لئے کہ امانت اور مال مضاربت سے جب انکار نہ کیا گیا ہو تو اس میں حاجت نہیں ہے ایک قاضی کی طرف سے دوسرے قاضی کے پاس خط بھیجنے کی اور جب اس سے انکار کیا جائے تو پھر دونوں مغضوب بن جاتے ہیں اور مغضوب میں قیمت واجب ہوتی ہے اور یہ دین ہے تو اس میں کتاب حکمی جاری ہوتی ہے کیونکہ اس میں اشارہ کی حاجت نہیں ہے بلکہ یہ صفت سے پہچانی جاتی ہے برخلاف عین منقولہ کے کیونکہ اس میں اشارہ کی حاجت ہے اور یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی مگر بھاگے ہوئے غلام میں کہ اس

میں قبول ہوتی ہے اور اس کی کیفیت کے بارے میں ایسا ذکر کیا گیا ہے کہ لکھے بخارا کا قاضی سمرقند کے قاضی کو کہ فلاں اور فلاں نے میرے سامنے یہ گواہی دی ہے کہ فلاں کا غلام جس کا نام مبارک ہے جس کی شکل اور صورت ایسی ایسی ہے اپنے مالک سے بھاگ گیا ہے اور سمرقند میں فلاں کے ہاتھ لگا ہے خط کے آخر تک اور اس پر مہر بھی لگائے جب یہ خط سمرقند کے قاضی کو پہنچ جائے تو خصم کو غلام سمیت حاضر کرے اور خط کھول دے اپنے شرائط کے ساتھ پس اگر اس کی صورت ایسی نہ ہو جیسے کہ اس نے لکھا ہے تو اسکو چھوڑ دے اور اگر اس جیسی ہو پس اگر خصم بخارا جائے تو اچھا ہے ورنہ غلام حوالہ کر دے مدعی کو لیکن بطریقہ قضاء نہیں اور اس سے غلام کے نفس پر کفیل لے لے اور غلام کی گردن میں کوئی چیز ڈال دے اور اس پر مہر لگا دے تاکہ بدلنے سے بچ جائے گواہوں کی گواہی کے وقت اور بخارا کے قاضی کو اس کے خط کا جواب لکھئے اور یہ بھی کہ اس نے غلام اس کی طرف بھیجا ہے پس جب بخارا کے قاضی کو خط پہنچ جائے تو وہ ان گواہوں کو حاضر کرے جنہوں نے گواہی دی تھی غلام کے غائب ہونے میں تاکہ وہ ان کے سامنے گواہی دے اور اس کی طرف اشارہ کرے کہ یہ مدعی کی ملکیت ہے لیکن یہ قاضی حکم نہ کرے کیونکہ خصم غائب ہے پھر سمرقند کے قاضی کو خط لکھئے کہ گواہوں نے غلام کے سامنے گواہی دی ہے تاکہ سمرقند کا قاضی خصم پر حکم جاری کرے اور کفیل کفالے سے بری ہو جائے گا اور امام محمد کے نزدیک گواہی قبول ہوتی ہے منقولہ اشیاء میں بھی اور اس پر متاخرین ہیں مگر حدود و قصاص میں قبول نہیں ہوتی

### تشریح: کن کن چیزوں میں کتاب القاضی الی القاضی قبول ہوتی ہے؟

مسئلہ یہ ہے کہ ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کی طرف ان معاملات میں قبول ہوتا ہے جو شہ سے ساقط نہیں ہوتے یعنی حدود اور قصاص کے علاوہ میں اور حدود اور قصاص کے علاوہ میں بھی یہ شرط ہے کہ مشہود بدین ہو یا دین کے حکم اور مرتبے میں ہو جیسے دین۔ جائیداد۔ نکاح۔ نسب۔ مقصوب۔ وہ امانت جس سے انکار کیا گیا ہو۔ وہ مضاربت جس سے انکار کیا گیا ہو۔ یعنی جس طرح قرضہ ماوجب فی الذمہ کا نام ہے اور اس کی شناخت وصف سے ہو جاتی ہے اس کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی اسی طرح مذکورہ چیزوں کی شناخت بھی وصف سے ہو جاتی ہے ان کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور قرضہ میں چونکہ ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام قبول ہوتا ہے تو جو چیزیں اس کے حکم اور مرتبے میں ہیں اس میں بھی ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام قبول ہوگا

### نکاح اور نسب کی صورت:

نکاح میں کتاب القاضی الی القاضی کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے ایک مرد پر نکاح کا دعویٰ کیا اور گواہی یہاں سوات میں

سوات کے قاضی نے سن لی اور شوہر پشاور میں ہے۔ سوات کے قاضی نے پشاور کے قاضی کے نام خط لکھ دیا اور بھیج دیا تو یہ خط قبول ہوگا۔۔

اور نسب کی صورت یہ ہے کہ سوات میں ایک آدمی نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ فلاں میرا بیٹا ہے حالانکہ وہ پشاور میں ہے اور اس پر گواہ بھی پیش کر دئے جو سوات کے قاضی نے سن لئے اور پشاور کے قاضی کے نام خط لکھا اور یہ گواہی بھی ساتھ ارسال کر دی (تمام شرائط کے ساتھ) تو پشاور کا قاضی اس کو قبول کرے گا

جانکداری کی صورت: جانکداری کی صورت یہ ہے کہ ایک سواتی نے پشاور میں کسی پر زمین کا دعویٰ کیا کہ یہ زمین میری ہے اور اس پر گواہ بھی پیش کر دئے لیکن گواہی پیش ہوئی سوات میں اور سوات کے قاضی نے گواہوں سے گواہی سن لی اور پھر یہ لکھ کر پشاور کے قاضی کے نام پر ارسال کر دیا (تمام شرائط کے ساتھ) تو پشاور کا قاضی اس کی سماعت کرے گا (کما مر تفصیلاً)

امانت اور مضاربت سے انکار: فرماتے ہیں جب تک امانت سے امین نے انکار نہ کیا ہو تو اس میں کتاب القاضی الی القاضی قبول نہیں ہوتی اسی طرح جب مضارب نے مضاربت سے انکار نہ کیا ہو تو اس میں بھی کتاب القاضی الی القاضی قبول نہیں ہوتی کیونکہ یہ مضمون نہیں ہیں تو اس میں قاضی کا فیصلہ بھی جاری نہ ہوگا نہ قاضی کا تب کا اور نہ قاضی مکتوب الیہ کا لیکن جب امین نے امانت سے اور مضارب نے مضاربت سے انکار کیا تو اب یہ امانت نہ رہی اور مضاربت نہ رہی بلکہ یہ غصب بن گیا اور غصب میں منصوب کی قیمت لازم ہوتی ہے

وھی دین فجری فیہ الکتاب الحکمی: یہ ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ مال امانت اور مال مضاربت تو عین ہے اور عین شے کے دعویٰ میں اس شے کو قاضی کے پاس حاضر کرنا ہوتا ہے تاکہ اس کی طرف اشارہ کیا جائے دعوے کے وقت اور اس میں کتاب القاضی الی القاضی جائز نہیں ہوتا تو اس میں کیسے جائز ہے

جواب: اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جب امانت اور مضاربت سے انکار کیا گیا تو اب یہ امانت اور مضاربت نہ رہی بلکہ اب یہ غصب بن گیا اور غصب عین نہیں ہوتا بلکہ دین ہوتا ہے اور دین میں کتاب القاضی الی القاضی جاری ہوتی ہے کیونکہ اس میں اشارے کی طرف ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وصف بیان کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے برخلاف اعیان منقولہ کے کہ اعیان منقولہ وصف بیان کرنے سے معلوم نہیں ہوتے بلکہ اس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہوتا ہے تو تمام اعیان منقولہ میں کتاب القاضی الی القاضی جائز نہیں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک البتہ امام ابو یوسف امام ابو حنیفہ سے اختلاف کرتا ہے عبد آبق کے مسئلے



میں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عبدآبق کے مسئلے میں بھی غلام کو حاضر کرنا شرط ہے جیسے کہ بقیہ اعیان منقولہ میں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عبدآبق میں غلام کو حاضر کرنا شرط نہیں ہے بلکہ اس کا وصف بیان کرنا کافی ہے جس کا طریقہ مندرجہ ذیل ہے

### عبدآبق کے مسئلے میں کتاب القاضی الی القاضی کا طریقہ:

شارحؒ نے عبدآبق کے مسئلے میں کتاب القاضی الی القاضی کا طریقہ ایک مثال کے ساتھ پیش کیا ہے ہم مثال میں صرف نام تبدیل کریں گے یعنی بخارا اور سمرقند کی جگہ سوات اور پشاور رکھیں گے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو اب وہ طریقہ پیش خدمت ہے فرماتے ہیں سوات کا قاضی ایک خط لکھے بنام قاضی پشاور اس طرح ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کہ فلاں اور فلاں (گواہوں) نے میرے سامنے یہ گواہی دی ہے کہ کہ فلاں (خالد) کا غلام جس کا نام مبارک ہے اور جس کا حلیہ (شکل و صورت) ایسا ہے (علامات بتا دے گا) وہ اپنے مالک کے پاس سے بھاگ گیا ہے اور پشاور میں فلاں (شاہد) کے پاس مقیم ہے اور پھر اس خط پر مہر ثبت کرے گا اور مدعی کو حوالہ کرے گا پس جب یہ خط پشاور کے قاضی کے پاس پہنچ جائے تو وہ خصم (شاہد) کو غلام (مبارک) سمیت حاضر کرے گا اور خصم کے سامنے خط کو کھول دے گا اپنے شرائط کے ساتھ یعنی گواہوں سے پوچھے گا کہ یہ خط سوات کے قاضی نے تم کو پڑھ کر سنایا ہے وغیرہ پس جب خط کو پڑھ لیا تو غلام کی طرف دیکھئے کہ اس کا حلیہ اسی طرح ہے جیسے کہ خط میں لکھا گیا ہے یا نہیں اگر ایسا نہیں جیسے کہ لکھا گیا ہے تو پشاور کا قاضی اسکو چھوڑ دے یعنی شاہد کو تنگ نہ کرے کیونکہ یہ وہ غلام ہے ہی نہیں جس پر دعویٰ کیا گیا ہے اور اگر غلام کی شکل و صورت اس جیسا ہے جیسے کہ سوات کے قاضی نے خط میں لکھا ہے تو اب پشاور کا قاضی اس پر حکم اور فیصلہ نہ کرے بلکہ خصم (شاہد) سے کہے کہ تم سوات چلے جاؤ تاکہ مدعی اور اس کے گواہوں کے سامنے آپ پر فیصلہ کیا جائے پس اگر خصم (شاہد) سوات چلا گیا تو اچھی بات ہے ورنہ سوات کا قاضی خود ہی فیصلہ کرے گا اور اگر خصم (شاہد) کہتا ہے کہ میں تو سوات نہیں جاتا تو اس صورت میں بھی پشاور کا قاضی اس پر حکم نہ کرے بلکہ غلام مدعی کو سپرد کرے اس وجہ سے نہیں کہ پشاور کے قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ مدعی اس کو سوات کے قاضی کے پاس لے جائے تاکہ وہاں اس پر اصل گواہ دوبارہ اس کے سامنے گواہی دیدیں اور مدعی سے ایک کفیل لے لے اس بات پر کہ اگر غلام آپ کا نہ نکلا تو وہ غلام ہم کو واپس کر دے گا اور غلام کی گردن میں یا کسی دوسری جگہ ایک علامت لگائی جائے یا اس کی گردن میں ایک چیز لٹکائی اور اس پر مہر لگائی جائے تاکہ جب اصل گواہ جب اس کے سامنے گواہی دیں تو اس کو پہچان لے کہ یہ ہی غلام ہے جس کو پشاور کے قاضی نے سوات کے قاضی کے پاس بھیجا ہے تاکہ مدعی اس کو راستے میں تبدیل

نہ کر سکے اور اس کے ساتھ پشاور کا قاضی ایک خط بھی لکھے سوات کے قاضی کے نام پر کہ میں نے وہ غلام آپ کے پاس بھیجا ہے جس کی آپ نے علامتیں لکھی تھیں اور اس کے ساتھ میرا خط بھی ہے پس جب مدعی نے غلام سوات کے قاضی کے دربار میں حاضر کر دیا اور اس کے ساتھ پشاور کے قاضی کا خط بھی لایا تو سوات کا قاضی ان اصل گواہوں کو پھر حاضر کرے گا جنہوں نے غلام کے غائب ہونے کی حالت میں گواہی دی تھی اب وہ گواہ دوبارہ گواہی دیں گے غلام کے حاضر ہونے کی حالت میں اور غلام کی طرف اشارہ بھی کریں گے کہ یہ وہی غلام ہے جس پر مدعی نے دعویٰ کیا تھا اب جب سوات کے قاضی نے غلام کے سامنے گواہوں کی گواہی سن لی تو اب بھی سوات کا قاضی خصم (شاہد) کے خلاف فیصلہ نہ کرے گا کیونکہ خصم (شاہد) غائب ہے اور قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے بلکہ اب دوبارہ پشاور کے قاضی کو خط لکھئے گا کہ گواہوں نے میرے سامنے غلام کے حضور میں گواہی دی ہے لہذا اب آپ خصم (شاہد) جو آپ کی ولایت میں اس پر فیصلہ اور حکم صادر کریں تو جب یہ خط پشاور کے قاضی کے پاس پہنچ جائے تو اب وہ خصم (شاہد) کو حاضر کرے گا اور اس کے خلاف فیصلہ صادر کرے گا کہ غلام آپ کا نہیں ہے بلکہ مدعی کا ہے اور کفیل بانفیس کفالے سے آزاد ہو جائے گا یعنی اب اس پر غلام کا واپس کرنا لازم نہیں اس لئے کہ غلام مدعی کا نکل گیا اب مدعی علیہ کو واپس کرنا لازم نہیں ہے

حضرت امام محمدؒ کے نزدیک کتاب القاضی الی القاضی تمام منقولی اشیاء میں جائز ہے چاہے دین ہو یا عین اور اسی پر متاخرین کا فتویٰ ہے البتہ حدود اور قصاص میں کتاب القاضی الی القاضی قبول نہیں ہوتی کیونکہ یہ شے سے ساقط ہوتے ہیں

ووجب ان یقرأ علی من یشہدہم ویختم عندهم ویسلم الیہم زاہر یوسف لم یشرط شیئاً من ذلك واختار الامام السرخسی قوله فعند ابی یوسف یشہدہم ان هذا کتابہ وختمہ وعن ابی یوسف الختم لیس بشرط اقول اذا کان الكتاب فی ید المدعی یفتی بان الختم شرط وان کان فی الشہود یفتی بانہ لیس بشرط واذ اسلم الی المکتوب الیہ لم یقبلہ الا بحضرة خصمہ وبشهادة رجلین اور رجل وامرئین فاذا شہدوا الہ کتاب قاضی فلان قرأہ علینا فی محکمته وختمہ وسلمہ الینا فتح القاضی وقرأہ علی الخصم والزمہ بما فیہ ان بقی کتابہ قاضیا فیبطل بموتہ وعزلہ قبل وصولہ وكذا بموت المکتوب الیہ الا اذا کتب بعد اسمہ الی کل من یصل الیہ من قضاة المسلمین وعند ابی یوسف لا یشرط ان یرکب الی قاض معین بل یکفی ان یرکب ابتداءً الی کل من یصل الیہ من قضاة المسلمین لان تعین المکتوب الیہ تصیق لافائدة فیہ وان مات الخصم ینفذ علی وارثہ

ترجمہ: اور واجب ہے کہ جن کو گواہ بنا رہا ہے ان کو خط پڑھ کر سنا دے اور ان کے حضور میں مہر لگا دے اور ان کو سپرد کر دے اور امام ابو یوسفؒ نے ان میں کسی چیز کی شرط نہیں لگائی ہے اور امام سرحسی نے ان کا قول پسند کیا ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان کو گواہ بنائے کہ یہ قاضی کا خط اور مہر ہے اور امام ابو یوسفؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ مہر لگانا بھی شرط نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ جب خط مدعی کے ہاتھ میں ہو تو فتویٰ دیا جائے گا کہ مہر لگانا شرط نہیں ہے پس جب خط قاضی مکتوب الیہ کو سپرد کرے تو اس کو قبول نہ کرے مگر مدعی علیہ کے حضور میں اور دو آدمیوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کے ساتھ پس جب گواہوں نے گواہی دی کہ یہ خط فلاں قاضی کا خط ہے جس کو اس نے ہمیں پڑھ کر سنایا ہے اپنی مجلس قضاء میں اور اس پر مہر بھی لگایا ہے اور ہمیں سپرد کیا ہے تو قاضی (مکتوب الیہ) اس کو کھل دے اور پڑھ کر خصم کو سنائے اور جو کچھ اس خط میں ہے وہ اس پر لازم کر دے جبکہ قاضی کا تب اپنے منصب قضاء پر باقی ہو چنانچہ باطل ہوگا قاضی کا تب کی موت سے اور اس کے معزول ہونے سے خط پہنچنے سے پہلے اور اسی طرح مکتوب الیہ کی موت سے ہاں اگر یہ لکھے اس کے نام کے بعد کہ جس کو بھی یہ خط پہنچ جائے مسلمان قاضیوں میں سے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شرط نہیں ہے کہ ایک معین قاضی کی طرف لکھے بلکہ ابتداء یہ لکھنا کافی ہے کہ جس کو بھی یہ خط پہنچ جائے مسلمان قاضیوں میں سے اس لئے مکتوب الیہ کا نام لکھنا معاملے میں تنگی پیدا کرنا ہے اور اگر خصم مر جائے تو اس کے ورثہ پر نافذ کرے

**تشریح: قاضی مکتوب الیہ خط مدعی علیہ کے حضور میں قبول کرے:**

مسئلہ یہ ہے کہ جب قاضی کا تب کا خط مکتوب الیہ کو پہنچ جائے تو وہ اس خط کو اس وقت تک قبول نہ کرے جب تک خصم حاضر نہ ہو کیونکہ یہ مکتوب الیہ کے سامنے گواہی ادا کرنے کے مانند ہے اور گواہی ادا کرتے وقت مدعی علیہ کا موجود ہونا ضروری ہے نیز یہ خط شہادت علی الشہادت کے مانند ہے اس لئے قاضی کا تب اپنے خط کے ذریعے گواہوں کی گواہی کے الفاظ منتقل کرتا ہے جیسے کہ شاہد فرغ شاہد اصل کی گواہی کے الفاظ منتقل کرتا ہے اور شہادت علی الشہادت میں یہ شرط ہے کہ فرغ کی گواہی سننے کے وقت خصم موجود ہو تو خط قبول کرتے وقت بھی خصم کا موجود ہونا ضروری ہے

**خط قبول کرتے وقت دو آدمیوں کی گواہی بھی ضروری ہے:**

مسئلہ یہ ہے کہ خط قبول کرتے وقت یہ بھی شرط ہے کہ دو آدمی یا ایک مرد اور دو عورتیں یہ گواہی دیں کہ یہ فلاں بن فلاں قاضی کا خط ہے اور یہ اس کی مہر ہے اور یہ خط قاضی کا تب نے ہم کو پڑھ کر سنایا ہے اپنی مجلس حکم میں اور پھر ہمیں سپرد کر دیا ہے تو قاضی مکتوب الیہ اس کو قبول کرے اور جو کچھ اس میں ہے وہ اس پر لازم کرے اگر شریعت کے موافق ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک خط دوسرے

خط کے مشابہ ہوتا ہے تو جب تک گواہ گواہی نہ دیں اس وقت تک خط کو قبول نہ کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ کسی اور کا خط ہو اس لئے گواہوں کی گواہی لازم کر دی گئی

**قاضی کا تب کا خط اس وقت قبول کرے گا جبکہ قاضی کا تب منصب قضاء پر فائز ہو:**

قاضی مکتوب الیہ قاضی کا تب کا خط اس وقت قبول کرے گا جبکہ قاضی کا تب اپنے منصب قضاء پر فائز ہو چنانچہ اگر قاضی کا تب مر گیا یا معزول ہو گیا یا مرتد ہو گیا حالانکہ ابھی تک خط قاضی مکتوب الیہ کو پہنچا نہیں ہے تو یعنی قاضی کا تب نے خط روانہ کر دیا ہے اور ابھی تک قاضی مکتوب الیہ کو ملا نہیں ہے کہ قاضی کا تب کا انتقال ہو گیا یا وہ معزول کر دیا گیا تو اس صورت میں قاضی مکتوب الیہ یہ خط قبول نہیں کرے گا اور اس کے مطابق مدعی علیہ کے خلاف فیصلہ نہیں کرے گا اور اسی طرح اگر قاضی مکتوب الیہ مر گیا خط روانہ ہونے کے بعد اور پہنچنے سے پہلے تو بھی یہ خط باطل ہو جائے گا کیونکہ قاضی کا تب نے اس کے علم اور امانت پر اعتماد کیا ہے اور جب وہ نہیں رہا تو دوسرے کے علم اور امانت پر اس نے اعتماد کیا نہیں ہے لہذا دوسرا قاضی اس خط کو قبول نہیں کر سکتا ہاں اگر قاضی کا تب نے یوں لکھا ہو کہ فلاں شہر کے فلاں بن فلاں قاضی کے نام اور اگر وہ نہ ہو تو ہر ایسے قاضی کے نام جس کو مسلمان قاضیوں میں سے یہ خط پہنچے تو قاضی مکتوب الیہ کے مرنے کے بعد جو بھی اس کا قائم مقام ہو وہ مکتوب الیہ کا تابع ہوگا اور وہ خط وصول کر سکتا ہے

حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے کہ ایک معین قاضی کے نام پر خط لکھے بلکہ یہ کافی ہے کہ صرف یہ لکھے کہ مسلمان قاضیوں میں سے جس کے پاس بھی یہ خط پہنچ جائے اور پھر اگر قاضی مکتوب الیہ مر جائے تو اس کا نائب اس کو وصول کر سکتا ہے کیونکہ نام لکھنا اس معاملے میں تنگی پیدا کرتا ہے لہذا کوئی بھی قاضی جو اس کا قائم مقام ہو وہ اس خط کو قبول کر سکتا ہے اور اگر خصم مر جائے تو اس سے قاضی کا خط باطل نہیں ہوتا بلکہ قاضی مکتوب الیہ کو چاہئے کہ وہ اس حکم کو اس کے ورثہ پر لازم کرے کیونکہ ورثہ اس کے قائم مقام ہیں

وصح قضاء المرأة الالی حد و قود لان الشهادة لاتقبل لیهما

ترجمہ: اور صحیح ہے عورت کا حکم مگر حدود اور قصاص میں نہیں کیونکہ اس کی گواہی اس میں قبول نہیں ہوتی

**کیا عورت قاضی بن سکتی ہے؟**

مسئلہ یہ ہے کہ حدود اور قصاص کے علاوہ تمام معاملات میں عورت کو قاضی بنانا صحیح ہے احناف کے نزدیک۔ حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورت کو قاضی بنانا صحیح نہیں ہے کسی بھی معاملے میں چاہے حدود و قصاص ہو یا دوسرے معاملات کیونکہ عورت ناقص

اعتقل ہے تو یہ فیصلہ نہیں کر سکتی اور بحیثیت قاضی عدالت میں حاضر نہیں ہو سکتی اس لئے اسکو قاضی بنانا صحیح نہیں ہے نیز حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ،، لئن یفلح قوم ولوا امرہم امرأۃ،، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے اپنا والی کسی عورت کو مقرر کیا تو وہ کامیاب نہ ہوگا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کو والی اور قاضی مقرر کرنا صحیح نہیں ہے

ہماری دلیل: یہ ہے کہ عورت کے حکم قضاء کو اس کی شہادت پر قیاس کیا گیا ہے یعنی حکم قضاء شہادت کے حکم سے مستفاد ہے پس جو شخص شہادت کا اہل ہے وہ قضاء کا بھی اہل ہوگا اور جو شہادت کا اہل نہیں وہ قضاء کا بھی اہل نہ ہوگا اور عورت حدود اور قصاص کے علاوہ معاملات میں شہادت کا اہل ہے تو حدود اور قصاص کے علاوہ میں قضاء کی بھی اہل ہوگی اور ربی یہ بات کہ لئن یفلح قوم الخ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مراد اس سے حکمران بنانا ہے نہ کہ قاضی بنانا کیونکہ منصب قضاء منصب خلافت سے کم ہے

ولا یتخلف قاض ولا یؤکل وکیل الامن فوض الیہ ذلک ففی المفوض نائبہ لاینعزل بعزلہ

و بموتہ مؤکلہ بل ہو نائب الاصل اما قال مؤکلان فی الوکالۃ ینعزل الوکیل بموت مؤکلہ فاراد ان ینصرح ان الوکیل ہننا لاینعزل بموت مؤکلہ لانه فی الحقیقۃ لیس نائبہ بل ہو نائب الاصل واما فی القضاء فان النائب لاینعزل بموت المنوب عنہ فخص المؤکل بالذکر لان الاشتباه فیہ ولاشبہۃ فی باب القضاء فلم یذکر ثم قال بل ہو نائب الاصل ففی التوکیل ینعزل بموت الاصل و فی القضاء لاینعزل و فی غیرہ ان فعل نائبہ عنہ او اجازہ او کان قدر الثمن فی الوکالۃ صح ای فی غیر المفوض یعنی اذا لم یفوض الی القاضی و الوکیل ان یتخلف الغیر فاستخلفا ففعل النائب بحضور المنوب صح لانه اذا فعل بحضورہ ففعلہ ینتقل الیہ و کذا ان فعل بغیبتہ فوصل الخبر الی المنوب فاجاز لانه اذا انضم رأیہ الی ذلک الفعل صار کانہ فعل و کذا ان قدر الوکیل الاول الثمن فباشر و کیلہ اذ بتقدیر الثمن حصل رأیہ و باعمل برأیک یوکل ای اذا قال المؤکل للوکیل اعمل برأیک کان للوکیل ان یوکل غیرہ

ترجمہ: اور نہ قاضی اپنا نائب بنا سکتا اور نہ وکیل وکیل بنا سکتا ہے مگر یہ کہ یہ کام اس کو سپرد کر دیا گیا ہو پس جس کو یہ سپرد کر دیا گیا ہو بے شک اس کا نائب معزول نہ ہوگا اس کے معزول ہونے سے اور اس کی موت سے اس حال میں کہ یہ مؤکل ہو بلکہ یہ تو اصل کا نائب ہے کہا کہ مؤکل ہو اس لئے کہ وکالت میں معزول ہوتا ہے وکیل مؤکل کی موت سے تو مصنف نے ارادہ کیا کہ اس کی صراحت کرے کہ یہاں پر وکیل معزول نہیں ہوتا مؤکل کی موت سے اس لئے کہ یہ حقیقت میں مؤکل کا نائب نہیں ہے بلکہ اصل کا نائب ہے اور قضاء میں تو نائب معزول نہیں ہوتا منوب عنہ (جس کا نائب ہے) کی موت سے تو

مؤکل کو بطور خاص اس لئے ذکر کیا کہ اشعباہ اس میں ہے اور قضاء کے باب میں کوئی شبہہ نہیں ہے تو اس کو ذکر نہ کیا پھر کہا کہ یہ تو نائب ہے اصیل کا تو توکیل (وکیل بنانے) میں معزول ہوگا اصیل کی موت سے اور قضاء میں معزول نہ ہوگا اصیل کی موت سے اور غیر مفوض (جس کو یہ سپرد نہ کیا گیا ہو) میں اگر نائب نے اس کے سامنے کام کیا یا اس نے اجازت دیدی یا اس نے ثمن مقرر کر دیا تھا وکالت میں تو صحیح ہے یعنی جب قاضی کو یا وکیل کو یہ کام سپرد نہ کیا گیا ہو کہ وہ غیر کو اپنا خلیفہ بنائے اور انہوں نے خلیفہ بنالیا اور نائب نے منوب کے سامنے کام کیا تو صحیح ہے اس لئے کہ جب اس نے اس کے سامنے کام کیا تو اس کا کام اس کی طرف منتقل ہوگا اور اسی طرح جب اس نے اس کے غائب ہونے کی حالت میں یہ کام کیا اور منوب عنہ کو خبر پہنچ گئی تو اس نے اجازت دیدی اس لئے کہ اسکی رائے اس فعل کے ساتھ مل گئی تو ایسا ہو گیا گویا کہ اس نے خود یہ کام کیا ہے اور اسی طرح جب وکیل اول نے ثمن متعین کر دیا اور اس کے وکیل نے کام کیا اس لئے کہ ثمن متعین کرنے سے اس کی رائے حاصل ہو گئی اور یا کہا اس سے کہ اپنی رائے پر عمل کر یعنی جب مؤکل نے وکیل سے کہا کہ اپنی رائی پر عمل کر تو پھر وکیل کو یہ حق ہے کہ غیر کو وکیل بنائے

**تشریح: قاضی اور وکیل اپنا نائب نہیں بنا سکتے اجازت کے بغیر:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ قاضی اور وکیل کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا نائب مقرر کر دے مگر وہ قاضی یا وکیل اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے جس کو یہ کام سپرد کر دیا ہو یعنی سلطان اور حاکم اعلیٰ نے قاضی کو یا مؤکل نے وکیل کو یہ کہا ہو کہ اگر تو چاہے تو اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے تو اس صورت میں یہ حضرات اپنا نائب مقرر کر سکتے ہیں یا اس کو یہ کہا ہو کہ اعلیٰ برأیک یعنی اپنی مرضی پر عمل کرو اگر چاہو مقرر کرو ورنہ نہیں تو اس صورت میں بھی یہ حضرات اپنا نائب مقرر کر سکتے ہیں

**لفی المفوض نائبہ لا ینعزل:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب سلطان نے قاضی سے یا مؤکل نے وکیل سے یہ کہا ہو کہ آپ اپنے لئے نائب مقرر کر سکتے ہیں اور انہوں نے یعنی قاضی نے اپنا نائب مقرر کر دیا اور وکیل نے اپنے لئے وکیل بنا دیا تو ان دونوں صورتوں میں جو نائب ہے یہ نائب اصیل کے معزول کرنے سے یا اصیل کی موت سے معزول نہ ہوگا چاہے قاضی کا نائب ہو یا وکیل کا نائب

اب چاہئے تو یہ تھا کہ اصیل کی موت یا اصیل کے معزول کرنے سے وکیل ثانی معزول ہو جاتا کیونکہ یہ تو وکیل اول کا وکیل ہے اور وکیل اول اس کے واسطے بمنزلہ اصیل ہے جب وکیل اول مرجائے یا معزول ہو جائے تو چاہئے کہ وکیل ثانی بھی معزول ہو جائے کیونکہ قاعدہ ہے کہ اصیل کی موت یا اصیل کے معزول کرنے سے وکیل معزول ہو جاتا ہے

لیکن یہاں پر اصیل کی موت یا اصیل کے معزول کرنے سے وکیل معزول نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ وکیل درحقیقت وکیل اول کا

نائب نہیں ہے بلکہ اصیل کا نائب ہے اور اصیل نہ تو مراہ ہے اور نہ اس نے معزول کیا ہے اور باب قضاء میں بھی نائب منوب عنہ یعنی قاضی اول کی موت سے یا معزول کرنے سے معزول نہیں ہوتا کیونکہ یہاں پر بھی قاضی ثانی یعنی نائب۔ قاضی اول کا نائب نہیں ہے بلکہ اصیل یعنی سلطان اور حاکم کا نائب ہے اور حاکم نے تو اس کو معزول کیا ہی نہیں ہے باب قضاء میں تو کوئی اشتہاء نہیں تھا کہ قاضی اول (منوب عنہ) کی موت سے نائب معزول نہیں ہوتا اشتہاء تو باب وکالت میں تھا کہ عام طور پر مؤکل کی موت سے وکیل معزول ہو جاتا ہے تو یہاں پر بھی معزول ہوگا تو مصنف اس مسئلے کو بطور خاص ذکر فرمایا کہ نہیں یہاں پر یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ نائب اصیل کا نائب ہے وکیل کا نائب نہیں ہے

### ثم قال بل نائب الاصيل ففي التوكيل الخ :

جب حاکم نے قاضی کو نائب مقرر کرنے کا اختیار دیا ہو یا مؤکل نے وکیل کو نائب مقرر کرنے کا اختیار دیا ہو اور تو اس صورت میں قاضی کی موت یا وکیل کی موت سے تو نائب معزول نہیں ہوتا لیکن اصیل کی موت سے معزول ہوگا یا نہیں تو فرماتے ہیں کہ وکیل کا نائب تو اصیل کی موت سے بھی معزول ہو جائے گا لیکن قاضی کا نائب اصیل کی موت یعنی سلطان اور حاکم کی موت سے معزول نہ ہوگا جب تک باقاعدہ بادشاہ اور حاکم کی طرف سے اس کو معزول نہ کیا جائے

**وفی غیرہ :** جب قاضی کو یا وکیل کو نائب مقرر کرنے کا اختیار تو نہیں دیا گیا تھا لیکن انہوں نے نائب مقرر کر دیا اور نائب نے اصل قاضی یا اصل وکیل کے سامنے وہ کام کیا یا اصل کی عدم موجودگی میں وہ کام کیا لیکن اصل نے اجازت دیدی تو نائب کا وہ کام کرنا جائز ہو جائے گا اسلئے کہ جب اصل کی موجودگی میں تصرف کیا یا اصل کی عدم موجودگی میں تصرف کیا لیکن اصل نے اجازت دیدی تو اس میں اصل کی رائے موجود ہوگئی تو یہ ایسا ہو گیا گویا کہ یہ کام اصل نے بذات خود کیا ہو

اور اسی طرح جب وکیل نے اپنے نائب کے واسطے ثمن متعین کر دیا کہ فلاں چیز خرید لو ایک ہزار روپے پر اور نائب نے اصل کی عدم موجودگی میں وہ چیز ہزار روپے میں خرید لی تو بھی نائب کا یہ عمل جائز ہے اس لئے کہ ثمن متعین کرنے سے اصل کی رائے حاصل ہوگئی جب اصل کی رائی حاصل ہوگئی تو گویا کہ یہ کام اس نے بذات خود کیا ہے اور جب بذات خود کام کرے تو وہ جائز ہوتا ہے اسی طرح وکیل کے نائب کا یہ تصرف بھی جائز ہوگا

ویمضی حکم قاض اخر فی مختلف فیہ فی الصدا الاول الامخالف الكتاب والسنة المشهورة

والاجتماع ای اذا قضی القاضی ورفع حکمہ الی قاض اخر یجب علیہ امضائه الا ان یکون

مخالف للكتاب کمتر وک التسمية عامدا فانه مخالف لقوله تعالى ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم الله علیه

اور السنۃ المشہورۃ کالقضاء بحل المطلقة الثالثة بنکاح الزوج الثانی بلاوطی علی مذهب سعید بن المسیب<sup>۲</sup> فانہ مخالف للسنۃ المشہورۃ وهی قوله علیہ السلام لاحتی تذوقی من عسیلته الحدیث اول لاجماع کالقضاء بحل متعة النساء لان الصحابة قد اجمعوا علی فساده فحاصل هذا ان القاضی اذا قضی فی المجتهد فیہ یصیر مجمعا علیہ ویجب علی قاض اخر تنفیذہ وهذا اذا حکم علی وفق مذهبہ اما اذا حکم علی خلاف مذهبہ فسیاتی ویجب ان یعلم القاضی ان المسئلة مختلف فیہا وایض هذا اذا کان محل القضاء مختلفا فیہ اما اذا کان نفس القضاء مختلفا فیہ کالقضاء علی الغائب فانہ لا یصیر مجمعا علیہ الا ان یرفع قضائہ الی قاض اخر فیمضیہ فح یصیر مجمعا علیہ فبعد الامضاء ان رفع الی قاض اخر یجب علیہ تنفیذہ

ترجمہ: اور قاضی جاری کرے گا دوسرے قاضی کا حکم اس مسئلے میں جو مختلف فیہ ہو صدر اول میں مگر جو مخالف ہو کتاب اور سنت مشہورہ اور اجماع کے یعنی جب فیصلہ کیا قاضی نے اور اس کا فیصلہ لے جایا گیا دوسرے قاضی کے پاس تو واجب ہے اس پر اس فیصلے کا نافذ کرنا ہاں اگر مخالف ہو کتاب کے جیسے وہ چیز جس پر تسمیہ قصداً چھوڑ دیا گیا ہو یہ مخالف ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کہ تم نہ کھاؤ اس سے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو یا سنت مشہورہ کے خلاف ہو جیسے کہ فیصلہ کرنا مطلقہ ثلاثہ کی حلت کا دوسرے شوہر کے نکاح پر وٹلی کے بغیر سعید بن مسیب کے مذہب پر یہ خلاف ہے سنت مشہورہ کا اور وہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ نہیں جب تک تم اس کے شہد میں سے نہ چمکو (الحدیث) یا اجماع کا خلاف ہو جیسے فیصلہ کرنا عورتوں کے متحد کی حلت پر کیونکہ صحابہ کرام کا اجماع ہے اس کے فساد پر اس کا حاصل یہ ہے کہ جب قاضی فیصلہ کرے مختلف فیہ مسئلے میں تو یہ متفق علیہ بن جاتا ہے اور دوسرے قاضی پر لازم ہے اس کو نافذ کرنا اور یہ اس وقت جبکہ اس نے فیصلہ کیا ہوا ہے اپنے مذہب کے موافق لیکن اگر اس نے فیصلہ کیا ہوا ہے اپنے مذہب کے خلاف تو اس کا بیان آگے آ رہا ہے اور واجب ہے کہ قاضی کو معلوم ہو کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور ساتھ یہ بھی معلوم ہو کہ محل قضاء مختلف فیہ ہے لیکن اگر نفس قضاء مختلف فیہ ہو جیسے کہ قضاء علی الغائب تو یہ متفق علیہ نہیں بن جاتا ہاں اگر اس کا فیصلہ کسی دوسرے قاضی کے پاس لیجایا جائے اور وہ اسکو جاری کرے تو اس وقت یہ متفق علیہ بن جائے گا اس کے جاری کرنے کے بعد اگر دوسرے قاضی کے پاس لے جایا گیا تو اس پر واجب ہے اس کا جاری کرنا

تشریح: اگر مقدمہ دوسرے قاضی کے دربار میں پیش ہو جائے:

جب ایک قاضی نے ایک مختلف فیہ مسئلے میں ایک جانب کو فیصلہ دیدیا اور اس کے بعد کسی فریق نے حاکم اعلیٰ کی عدالت میں



مرافعہ کیا یعنی اپیل کی تو اس صورت میں قاضی اعلیٰ سابقہ قاضی کا فیصلہ جاری رکھے گا اپنی طرف سے نیا حکم نہ سنائے گا بشرطیکہ قاضی اول کا حکم کتاب اللہ اور سنت مشہورہ اور اجماع امت کا خلاف نہ ہو

اور اگر کتاب اللہ کا خلاف ہو جیسے متروک التسمیۃ عامہ یعنی اگر قاضی اول نے متروک التسمیۃ عامہ کے حلال ہونے کا فیصلہ کیا ہو اور پھر یہ حکم قاضی اعلیٰ کے پاس پہنچ گیا تو وہ اس فیصلے کو توڑ کر نیا فیصلہ کرے گا کیونکہ یہ حکم کتاب اللہ کے خلاف ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے،، ولا ساکلوا معالم یدکر اسم اللہ علیہ،، اس لئے اس صورت میں قاضی اس حکم کو جاری نہیں کرے گا بلکہ اس کو توڑ کر اس کے خلاف فیصلہ کرے گا کہ متروک التسمیۃ عامہ احوال نہیں ہے

یا قاضی اول کا حکم سنت مشہورہ کے خلاف ہو جیسے مطلقہ ثلاثہ بغیر وطی کے محض زوج ثانی کے ساتھ نکاح کرنے سے حلال ہونے کا حکم کرنا حضرت سعید بن مسیب کے مذہب پر حالانکہ یہ حکم سنت مشہورہ کے خلاف ہے کیونکہ حدیث رفاعہ میں ہے،، لاحتسی بدوقی من عسیلته ویذوق هو من عسیلتک،،

یا قاضی اول کا حکم اجماع امت کے خلاف ہو جیسے قاضی اول نے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کا حکم دیا ہو یہ اجماع صحابہ کرام کے خلاف ہے لہذا ان صورتوں میں قاضی اعلیٰ جس کے پاس مرافعہ اور اپیل کیا گیا ہے وہ قاضی اول کے فیصلے کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا بلکہ قاضی اول کا فیصلہ اور حکم توڑ کر صحیح فیصلہ کرے گا

دلیل: دلیل اس بات کی (کہ قاضی ثانی مختلف فیہ مسئلے میں کیوں قاضی اول کا حکم نافذ کرے گا) یہ ہے کہ مسئلہ مختلف فیہ میں قاضی اول نے اجتہاد کی بناء پر فیصلہ کیا ہوگا اور قاضی ثانی بھی اجتہاد کی بناء پر فیصلہ کرے گا اور اجتہاد دونوں قاضیوں کا برابر ہے کیونکہ دونوں میں خطاء اور صواب کا احتمال ہے جب قاضی اول نے ایک جانب پر حکم کر دیا تو اب وہ متفق علیہ اور مجمع علیہ بن گیا اور اب قاضی اعلیٰ پر اس حکم کا نافذ کرنا واجب ہے کیونکہ قاضی اول کے حکم کرنے سے ایک جانب اعلیٰ اور اتوی ہو گئی اور جانب آخر ادنیٰ اور اضعف ہے۔ لہذا اتوی کا مقابلہ اضعف نہیں کر سکتا۔ اور قاضی اعلیٰ پر قاضی اول کا حکم نافذ کرنا مسئلہ مختلف فیہ میں اس وقت واجب ہے جبکہ قاضی اول نے اپنے مذہب کے موافق حکم کیا ہے لیکن اگر قاضی اول نے اپنے مذہب کے خلاف حکم کیا ہو تو اس کا بیان آگے آ رہا ہے

فرماتے ہیں کہ یہ بات واجب ہے کہ قاضی کو یہ معلوم ہو کہ کونسا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور کونسا متفق علیہ تاکہ مسئلہ متفق علیہ کے خلاف فیصلہ نہ کر پائے

هذا اذا كان محل القضاء مختلفا فيه: یعنی قاضی اعلیٰ پر یہ بات واجب ہونا کہ قاضی اول کا حکم مسئلہ مختلف

فیہ میں نافذ کرے یہ اس وقت واجب ہے کہ محل قضاء مختلف فیہ ہو یعنی مسئلہ مختلف فیہ ہو کہ بعض فقہاء کے نزدیک مسئلہ کی ایک جانب راجح ہو اور دوسرے فقہاء کے نزدیک دوسری جانب راجح ہو قاضی اول نے ایک جانب پر حکم کر دیا تو یہ متفق علیہ بن گیا لیکن اگر نفس قضاء مختلف فیہ ہو جیسے قضاء علی الغائب ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے پس اگر ایک قاضی نے قضاء علی الغائب کے جواز کا حکم کیا تو یہ متفق علیہ نہیں بن جاتا ہے اگر قاضی اعلیٰ کے پاس اس کی اپیل کر دی گئی تو وہ اس حکم کو باطل کر سکتا ہے ہاں اگر قاضی اول کی قضاء قاضی ثانی کے پاس لے جایا گیا اور قاضی ثانی نے بھی اس کو نافذ کر دیا اب یہ متفق علیہ بن گیا اب اگر یہ قضاء قاضی ثالث کے پاس لے جایا گیا تو قاضی ثالث اس کے مطابق حکم کرے گا کیونکہ قاضی ثالث کے حق میں اب یہ مجمع علیہ بن گیا ہے اب اس پر اس کا جاری کرنا واجب ہے

وفی ما جمعت علیہ الجمهور لا يعتبر خلاف البعض ذکر فی اصول الفقہ ان العلماء اختلفوا فی ان الاجماع هل یسقط بالتوافق اکثر المجتہدین اولاً من اتفاق الكل ففی الهدایة اختار ان اتفاق الاكثر کاف ففی مقابله اتفاق الاكثر لا يعتبر خلاف الاقل وفی کتب اصول الفقہ رجحوا ذلك المذهب وهو ان اختلاف الاقل فی مقابله الاكثر معتبر فان واحدا من الصحابة ربما خلاف الجمع الكثير ولم یقولوا نحن اکثر منك بل اعتبروا سخا لته وايضا قال فی الهدایة ان المعبر الاختلاف فی المصدر الاول ای الصحابة لكن الاصح انه لا یشرط ذلك حتی یكون اختلاف الشافعی معتبر

ترجمہ: اور جس مسئلے پر جمہور متفق ہوں اس میں بعض کا خلاف معتبر نہیں اصول فقہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اجماع اکثر مجتہدین کے اتفاق سے منعقد ہوتا ہے یا سب کا اتفاق ضروری ہے تو ہدایہ میں یہ اختیار کیا ہے کہ اکثر کا اتفاق کافی ہے تو اکثر کے اتفاق کے مقابلے میں بعض کا خلاف معتبر نہیں اور اصول فقہ کی کتابوں میں اس مذہب کو ترجیح دی ہے اور وہ یہ ہے کہ کم کا اختلاف اکثر کے مقابلے میں معتبر ہے کیونکہ ایک صحابی نے بسا اوقات جمع کثیر کی مخالفت کی ہے اور صحابہ کرام نے یہ نہیں کہا کہ ہم تم سے زیادہ ہیں بلکہ انہوں نے اس کی مخالفت کا اعتبار کیا ہے اور ہدایہ میں یہ بھی فرمایا ہے کہ معتبر صدر اول میں اختلاف ہے یعنی صحابہ کرام کے دور میں لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ بھی شرط نہیں یہاں تک کہ امام شافعی کا اختلاف بھی معتبر ہے

تشریح: اجماع کیلئے کہ تمام مجتہدین کا متفق ہونا ضروری ہے یا اکثر مجتہدین کا اجماع کافی ہے؟

ماتن اور صاحب ہدایہ کے نزدیک اجماع منعقد ہونے کیلئے یہ کافی ہے کہ اکثر مجتہدین ایک مسئلہ پر متفق ہوں تو یہ مسئلہ متفق علیہ ہے اور اس پر اجماع منعقد ہے اگرچہ بعض فقہاء اس کے خلاف ہو تو بعض کا خلاف ہونا اجماع کیلئے منافی نہیں ہے اب اگر قاضی نے ایک ایسے مسئلے میں (جس پر اکثر فقہاء متفق ہیں) جمہور کے خلاف بعض کے قول پر فیصلہ کیا اور قاضی اعلیٰ کے پاس یہ فیصلہ لے جایا گیا تو قاضی اعلیٰ

اس فیصلے کو توڑ دے گا اور جمہور کے موافق فیصلہ کرے گا کیونکہ اس مسئلے میں قاضی اسئل نے اجماع کا خلاف کیا ہے یہ متن اور ہدایہ کے مسئلے کا حاصل ہے

شارح نے اولاً اصول فقہ کی روشنی میں یہ بات ثابت کی ہے کہ اجماع منعقد ہونے کیلئے کہ تمام مجتہدین کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اکثر کا متفق ہونا کافی ہے اور اکثر کے مقابلے میں اقل کا خلاف معتبر نہ ہوگا

**وفی کتب اصول الفقہ :** اس عبارت سے شارح یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہدایہ اور متن کی عبارت سے جو یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ اقل کا اختلاف اکثر کے مقابلے میں معتبر نہیں ہے یہ بات درست نہیں اس لئے کہ بسا اوقات ایک صحابی نے ایک جماعت کثیرہ سے اختلاف کیا ہے اور ان کا اختلاف معتبر مانا گیا ہے اور صحابہ کرام نے یہ نہیں کہا ہے کہ ہم زیادہ ہیں لہذا ہماری بات ماننا چاہئے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجماع منعقد ہونے کیلئے تمام فقہاء کا متفق ہونا شرط ہے اور اکثر کا متفق ہونا کافی نہیں ہے مثلاً امام ابوحنیفہؒ ظہر کے وقت میں اس بات کا قائل ہیں کہ ظہر کا وقت مثلین پر ختم ہوتا ہے اور بقیہ تمام فقہاء کرام کے نزدیک مثل اول پر ختم ہوتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اقل کا اختلاف بھی معتبر ہے

**وایضاً قال فی الهدایة :** شارح ہدایہ کی عبارت پر اعتراض ذکر کرتے ہیں کہ ہدایہ میں جو فرمایا ہے کہ معتبر وہ اختلاف ہے جو صدر اول میں ہو یعنی صحابہ کرام کے دور میں ایک مسئلہ مختلف فیہ ہو اس میں قاضی نے ایک جانب پر فیصلہ کر دیا تو اور یہ مسئلہ قاضی اعلیٰ کے پاس لے جایا گیا تو قاضی اعلیٰ اس کو نہیں توڑے گا لیکن اگر صحابہ کرام میں اختلاف نہ ہو بلکہ بعد کے ائمہ کرام کے دور میں اختلاف ہو تو یہ اختلاف معتبر نہ ہوگا

شارح فرماتے ہیں کہ یہ بات بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ ہمارے اور امام شافعیؒ کا اختلاف معتبر ہے لہذا اگر ایک مسئلہ ائمہ اربعہ کے درمیان مختلف فیہ ہو اور اس میں قاضی نے ایک جانب پر فیصلہ کر دیا تو اب قاضی اعلیٰ اس کو توڑ نہیں سکتا شارح صحیح فرماتے ہیں لیکن ہدایہ کی عبارت بھی اعتراض سے محفوظ ہو سکتی ہے وہ اس طریقے پر کہ اگر ایک مسئلہ صحابہ کرام کے دور میں متفق علیہ ہو اور اس کے بعد ایک قاضی نے اس کے خلاف فیصلہ کیا اور قاضی اعلیٰ کے پاس اس کا مرافعہ کیا گیا تو قاضی اعلیٰ اس کو ضرور بالضرور توڑے گا اور اجماع کے مطابق فیصلہ کرے گا اور اگر صحابہ کرام کے دور میں ایک مسئلہ مختلف فیہ ہو اور قاضی نے ایک جانب پر فیصلہ کر دیا اور اس کا وہ فیصلہ قاضی اعلیٰ کے پاس لے جایا گیا تو اب قاضی اعلیٰ اس کو توڑے گا بلکہ اس کو نافذ کرے گا لیکن اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ ائمہ کرام کا اختلاف معتبر نہیں ہے بلکہ ائمہ کرام کا اختلاف بھی معتبر ہے۔

والقضاء بحرمة او حل یفذلظاہر او باطناً ولو بشہادۃ زور اذا ادعاه بسبب معین حتی لو ادعی جاریۃ

ملکاً مطلقاً و اقام علی ذلک بینۃ زور و قضی القاضی بہ لایحل لہ و طیہا بالاجماع لان الملک لایبد

له من سبب وليس البعض اولی من البعض فلا يمكن اثبات سبب معين يثبت به الحل فان قامت بينة  
 زور انه تزوجها وحكم به حل لها تمكينه هذا عند ابي حنيفة وعندهما ينفذ ظاهر ايسلم القاضي  
 الزوجة الى الزوج ويامرهما بالتمكين لا باطنا اى لا يثبت الحل فيما بينه وبين الله ومذهبهما ظاهر واما  
 مذهب ابي حنيفة فمشكل جدا فان الحرام المحض كيف يكون سبب الحل فيما بينه وبين الله تعالى  
 وجوابه انالم نجعل الحرام المحض وهى الشهادة الكاذبة من حيث انه اخبار كاذب سبب للحل بل حكم  
 القاضى صار كانشاء عقد جديد وهو ليس حراما بل هو واجب لان القاضى غير عالم بكذب الشهود

ترجمہ: اور قاضی کا فیصلہ حرمت یا حلت میں نافذ ہوگا ظاہر بھی اور باطنا بھی اگرچہ جھوٹی گواہی کے ساتھ ہو جبکہ دعویٰ کرے  
 سبب معین کا یہاں تک کہ اگر دعویٰ کیا باندی میں ملک مطلق کا اور اس پر جھوٹے گواہ بھی قائم کردئے اور قاضی نے اس پر فیصلہ کیا  
 تو حلال نہیں ہے شوہر کیلئے اس کے ساتھ واپس کرنا بالاجماع کیونکہ ملکیت کیلئے سبب معین ضروری ہے اور بعض اسباب بعض سے  
 اولیٰ نہیں ہیں تو ممکن نہیں ہے ایسے سبب معین کو ثابت کرنا جس سے حلت ثابت ہو جائے پس اگر قائم کردے عورت جھوٹے گواہ  
 اس بات پر کہ اس مرد نے اس کے ساتھ نکاح کیا ہے اور قاضی نے اس پر فیصلہ کر دیا تو حلال ہے اس عورت کیلئے شوہر کو اپنے اوپر  
 قابو دینا یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور صاحبین کے نزدیک ظاہر نافذ ہوگا یعنی قاضی بیوی شوہر کو سپرد کرے گا اور اس کو حکم  
 کرے گا اپنے اوپر قدرت دینے کا لیکن باطنا نافذ نہ ہوگا یعنی حلت ثابت نہ ہوگی اس کے اور اللہ کے درمیان اور صاحبین کا  
 مذہب ظاہر ہے اور امام صاحب کا مذہب تو بہت مشکل ہے اس لئے کہ حرام محض کیسے سبب بن سکتا ہے حلت کیلئے اس کے  
 اور اللہ کے درمیان اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے حرام محض یعنی جھوٹی گواہی اس حیثیت سے کہ یہ جھوٹی خبر ہے سبب نہیں بنایا  
 حلت کیلئے بلکہ قاضی کا حکم عقد جدید کی طرح ہو گیا اور یہ حرام نہیں ہے بلکہ واجب ہے اس لئے کہ قاضی کو معلوم نہیں ہے گواہوں کا  
 جھوٹا ہونا

تشریح: قضاء بشہادۃ الزور نافذ ہے یا نہیں؟

اس مسئلے کا عنوان ہے قضاء بشہادۃ الزور فی العقود الفسوخ۔

مسئلہ سمجھنے سے پہلے دو باتیں سمجھ لیجئے۔

(۱) یہ کہ املاک دو قسم پر ہیں (۲) املاک مرسلہ (۲) املاک مقیدہ، املاک مرسلہ ان املاک کو کہتے ہیں جن میں سبب ملک معلوم ہو  
 اور املاک مقیدہ ان املاک کو کہتے ہیں جن میں سبب ملک مذکور ہو (۲) املاک مرسلہ: جس میں سبب ملک معلوم اور مذکور نہ ہو مثلاً

ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ یہ باندی میری ہے اور سب ملک بیان نہ کیا کہ کیسے میرے پاس آئی ہے میں نے خریدی ہے یا میراث میں ملی ہے وغیرہ یہ بیان نہ کیا کہ تو یہ ملک مطلق ہے جس کو ملک مرسل بھی کہتے ہیں۔ اور جب سب ملک بیان کیا کہ یہ باندی اس لئے میری ہے کہ میں نے خریدی ہے یا مجھے میراث میں ملی ہے تو یہ ملک مقید ہے (۲) یہ کہ نفاذ دوم پر ہے (۱) نفاذ ظاہری (۲) نفاذ باطنی۔ نفاذ ظاہری تو یہ ہے کہ یہ حکم فیما بین الناس نافذ کر دیا جائے اور نفاذ باطنی یہ ہے کہ یہ حکم فیما بینہ وبين اللہ نافذ کر دیا جائے مثلاً زید نے دعویٰ کیا فلاں عورت میری بیوی ہے اور دو گواہ اس پر قائم کر دئے اور قاضی نے حکم دیدیا کہ یہ عورت زید کی بیوی ہے تو یہ فیصلہ ظاہر انا نفاذ ہوگا اور ظاہراً نافذ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے آپ کو زید کے سپرد کر دے اور زید پر نان نفقہ واجب ہے اور باطناً نافذ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فیما بینہ وبين اللہ زید کیلئے اس عورت کے ساتھ وطی حلال ہے۔

اس تمہید کے بعد اب سمجھ لیجئے کہ جب قاضی کے سامنے ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ یہ باندی میری ہے اور اس پر گواہ بھی قائم کر دئے لیکن سب ملک بیان نہ کیا کہ میری ملکیت میں کیسی آئی ہے اور قاضی نے اس گواہی کی بناء پر فیصلہ کر دیا کہ باندی مدعی کی ہے تو اس صورت میں قاضی کا فیصلہ ظاہراً نافذ ہوگا باطناً نافذ نہ ہوگا بالاتفاق کیونکہ املاک مرسلہ میں سب ملک مذکور نہیں ہے اور ایک ملک کے بہت سارے اسباب ہو سکتے ہیں مثلاً شراء۔ ارث۔ ہبہ۔ صدقہ۔ اور اسباب میں مزاحمت ہے پس اگر قاضی ایک سبب کو متعین کر کے فیصلہ دے تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے لہذا مذکورہ صورت میں مدعی کیلئے باندی کے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں ہے۔

اور اگر دعویٰ املاک مقیدہ میں ہو مثلاً مدعیہ (عورت) نے یہ دعویٰ کیا کہ زید نے میرے ساتھ نکاح کیا ہے اور اس پر چھوٹے گواہ بھی قائم کر دئے اور قاضی نے اس گواہی کی بناء پر فیصلہ کر دیا تو یہ فیصلہ ظاہراً اور باطناً نافذ ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یعنی قاضی بیوی کو شوہر کے سپرد کرے گا اور شوہر پر اسکا نان نفقہ لازم ہوگا اور بیوی کو بھی شوہر کو اپنے اوپر قدرت دینا (یعنی جماع کرانا) حلال ہوگا۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں قاضی کا فیصلہ ظاہراً تو نافذ ہوگا لیکن باطناً نافذ نہ ہوگا یعنی یہ عورت ظاہراً تو قاضی شوہر کو سپرد کرے گا اور شوہر پر نان نفقہ لازم ہوگا لیکن باطناً نافذ نہ ہوگا یعنی بیوی کیلئے جائز نہیں ہے کہ شوہر کو اپنے اوپر قدرت دیدے (جماع کرنا جائز نہ ہوگا)

حضرات صاحبین کا مسلک تو ظاہر ہے کہ حلت ثابت نہ ہوگی اور امام ابوحنیفہؒ کا مسلک مشکل ہے اس لئے کہ حرام محض کو حلت کا سبب کیسے بنایا جائے گا اس کے اور اللہ کے درمیان

لیکن امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ہم نے حرام محض کو حلت کا سبب نہیں بنایا ہے یعنی جھوٹی گواہی کو ہم نے حلت کا سبب نہیں بنایا اس حجت سے کہ یہ جھوٹی گواہی اور اخبار کا ذبہ ہے بلکہ قاضی کا حکم انشاء عقد کے مانند ہے گویا کہ قاضی نے از سر نو فیصلہ کر لیا ہے اور قاضی کا فیصلہ حرام نہیں ہے بلکہ عین واجب ہے کیونکہ قاضی کو گواہوں کا جھوٹا ہونا معلوم نہیں ہے جب قاضی کو گواہوں کا جھوٹا ہونا معلوم نہیں اور گواہی تو قاضی نے سن لی ہے تو گواہی سننے کے بعد قاضی پر فیصلہ کرنا واجب ہے پس اگر گواہی سننے کے باوجود قاضی فیصلہ نہیں کرتا پس اگر قاضی کا خیال یہ ہے کہ گواہی سننے کے باوجود فیصلہ کرنا جائز نہیں تو اس سے قاضی کا فر ہو جاتا ہے اور اگر یہ خیال نہیں لیکن پھر بھی فیصلے میں ٹال مٹول کرتا ہے اس سے قاضی فاسق بن جاتا ہے اور محزول کرنے کا مستحق ہو جاتا ہے۔

قضاء کے ظاہر و باطن نافذ ہونے کیلئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چند شرائط ہیں:

(۱) یہ قضاء عقود اور فسوخ سے متعلق ہو۔

(۲) اس میں انشاء عقد کا احتمال ہو۔

(۳) قاضی کو گواہوں کا جھوٹا ہونا معلوم نہ ہو۔

(۴) املاک مرسلہ کا دعویٰ نہ ہو بلکہ املاک مقیدہ کا دعویٰ ہو یعنی اس میں سبب ملک بیان کیا گیا ہو۔

(۵) وہ محل قابل للعقد ہو۔

ان شرائط کے ہوتے ہوئے قاضی کا فیصلہ ظاہر و باطن نافذ ہوگا ورنہ صرف ظاہر نافذ ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: ایک مرتبہ حضرت علیؑ کے دربار میں یہ فیصلہ لایا گیا کہ ایک آدمی نے ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور عورت انکار کر رہی تھی تو اس نے دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے جنہوں نے یہ گواہی دی کہ اس آدمی نے اس عورت کے ساتھ نکاح کیا ہے تو حضرت علیؑ نے عورت کو کہا کہ اس کے ساتھ چلی جا اس عورت نے کہ یا امیر المؤمنین مجھے معلوم ہے کہ یہ آدمی جھوٹا ہے اب اگر آپ مجھے اس کے حوالہ کر رہے ہیں تو آپ میرا ان کے ساتھ نکاح کیجئے تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ شاہد اک زواج کہ تیرے دونوں گواہوں نے تیرا نکاح کر دیا یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ قاضی کا فیصلہ ظاہر و باطن نافذ ہے

والقضاء فی مجتہد فیہ بخلاف رأیہ ناسیا ملہبہ او عامدا لاینفد عندہما وبہ یفتی واما عند ابی حنیفۃ ان

کان ناسیا ملہبہ ینفد وان کان عامدا لفیہ روایتان وعندہما لاینفد فی الوجہین لانه قضاء بماہو خطاء عندہ

والفتویٰ علی قولہما رحمۃ اللہ علیہما

ترجمہ: اور مختلف فیصلے میں فیصلہ کرنا اپنی رائے کے خلاف اپنے مذہب کو بھول کر یا قصد نافذ نہ ہوگا صاحبین کے نزدیک اور اسی پر فتویٰ ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر بھول کر ہو تو نافذ ہے اور اگر جان بوجھ کر ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں اور صاحبین کے نزدیک نافذ نہ ہوگا دونوں صورتوں میں اس لئے کہ یہ قضاء ہے اس چیز پر جو اس کے نزدیک غلط ہے اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

**تشریح: اگر قاضی اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ صادر کرے:**

مسئلہ یہ ہے کہ جب قاضی اپنی رائے کے خلاف فیصلہ صادر کرے تو یہ کام اس نے قصد کیا ہوگا یا ناسیا ہوگا اگر ناسیا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ فیصلہ نافذ ہوگا اس لئے اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرنا قطعی طور پر غلط نہیں ہے بلکہ خطا محتمل صواب ہے اور اس کا اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرنا صواب محتمل خطا ہے جب دونوں میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال موجود ہے تو دونوں کو نہ خطا کہا جاسکتا ہے اور نہ صواب پس جب دونوں جانب برابر ہیں اور ایک جانب کے ساتھ اب قاضی کا حکم متعلق ہو گیا تو اس سے رجوع نہ کیا جائے گا لہذا بھول کی صورت میں اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرنا نافذ ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور اگر قاضی نے اپنے مذہب کے خلاف قصد اور عمدہ فیصلہ کیا ہو تو اس کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں ایک روایت کے مطابق یہ فیصلہ پھر بھی نافذ ہوگا اس لئے کہ قاضی نے جو اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ دیا ہے وہ قطعاً غلط نہیں ہے بلکہ اس میں صواب کا بھی احتمال ہے اس لئے یہ نافذ ہوگا۔

اور دوسری روایت کے مطابق یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا اس لئے کہ قاضی نے اپنے دئے ہوئے فیصلے کے غلط اور فاسد ہونے کا گمان کیا ہے اور ہر شخص کے حق میں اس کا گمان معتبر ہوتا ہے لہذا اس کے گمان کے مطابق اس کے فیصلے کو فاسد قرار دیکر نافذ نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک چاہے قاضی نے بھول کر اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ دیا ہو یا جان کر قصد خلاف فیصلہ دیا ہو ہر صورت میں یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا اس لئے کہ قاضی کے گمان کے مطابق یہ فیصلہ غلط اور خطا ہے اور آدمی سے اسکے گمان کے مطابق معاملہ کیا جاتا ہے اور اس کے گمان کے مطابق یہ فیصلہ غلط اور خطا ہے لہذا یہ نافذ نہ ہوگا۔

ولایقضی علی الغائب الا بحضرة نائبه حقیقة کالوکیل او شرعا کوصی القاضی او حکما بان کان

مایدعی علی الغائب سببالمایدعی علی الحاضر کما اذا ادعی دارا علی رجل انه اشتراها من فلان

الغائب واقام البینه علی ذی الید فان القاضی یقضی بھذہ البینه علی الحاضر والغائب حتی

لو حضر الغائب وانکر لایلتفت الی انکاره

ترجمہ: اور قاضی کسی غائب پر حکم نہ کرے مگر اس کے نائب کے حاضر ہونے کی صورت میں چاہے ہقیقہ ہو جیسے وکیل یا شرعاً ہو جیسے قاضی کا وصی یا حکماً ہو اس طور پر کہ غائب پر دعویٰ کرنا سبب ہو حاضر پر دعویٰ کرنے کے واسطے جیسے کہ کسی ایک آدمی پر گھر کا دعویٰ کیا کہ یہ گھر اس نے خریدا ہے فلاں غائب سے اور اس نے گواہ قائم کر دئے صاحب قبضے پر تو قاضی فیصلہ کرے گا اس گواہی کی بناء پر حاضر اور غائب دونوں پر یہاں تک کہ اگر غائب حاضر ہو جائے اور انکار کرے تو اس کے انکار کی طرف التفات نہ کیا جائے گا

### تشریح: قضاء علی الغائب جائز ہے یا نہیں؟

اس کے بارے احناف کا مذہب یہ ہے کہ قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے خواہ یہ قضاء اور فیصلہ غائب کے حق میں ہو یا اس کے خلاف ہوں دونوں صورتوں میں جائز نہیں ہے۔

اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اگر مدعی علیہ شہر سے غائب ہو یا شہر میں ہو لیکن اس کا ٹھکانہ کسی کو معلوم نہ ہو تو اس صورت میں قضاء علی الغائب جائز ہے اس لئے کہ جب شہر میں ہے نہیں اور نہ اس کا ٹھکانہ معلوم ہے تو تاخیر کی وجہ سے مدعی کا حق ضائع ہوتا ہے اسلئے قضاء علی الغائب جائز ہے

اور مدعی علیہ شہر میں ہو لیکن قاضی کی مجلس میں حاضر نہ ہو تو اس کے بارے میں امام شافعیؒ کی دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ اس صورت میں قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے اس لئے کہ مدعی علیہ کا حاضر کرنا ممکن ہے اور دوسری روایت کے مطابق اس صورت میں بھی قضاء علی الغائب جائز ہے

لیکن احناف فرماتے ہیں کہ چاہے مدعی علیہ شہر سے باہر ہو یا شہر کے اندر ہو ٹھکانہ معلوم ہو یا نہ ہو ہر صورت میں قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے

کیونکہ حضور ﷺ نے جب حضرت علیؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ اے علی اس وقت تک فیصلہ نہ کرنا جب تک تم دوسرے فریق کا کلام نہ سنو اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ دونوں بذات خود موجود ہوں یا اس کا قائم مقام حاضر ہو یعنی اس کا نائب حاضر ہو

نائب یا تو ہقیقہ نائب ہوگا جیسے مدعی علیہ کا وکیل یا شرعاً نائب ہوگا جیسے قاضی کی طرف سے مقرر کردہ وصی اور یا حکماً نائب ہوگا جیسے کہ جس چیز کا دعویٰ غائب پر کرتا ہے وہ لازمی طور پر سبب ہو حاضر پر دعویٰ کرنے کیلئے

صورت اس کی یہ ہے کہ مدعی (عمران) نے دعویٰ کیا کہ یہ گھر جو مدعی علیہ (خالد) کے قبضے میں ہے یہ میرا ہے کیونکہ یہ میں نے



غلام غائب (زید) سے خریدا ہے اور مدعی (عمران) نے اس خریداری پر گواہ بھی پیش کر دئے گواہ پیش کرنے کے بعد قاضی نے مدعی (عمران) کے حق میں فیصلہ کر دیا تو یہ فیصلہ حاضر (خالد) یعنی مدعی علیہ پر بھی ہے اور غائب (زید) پر بھی ہے اب اگر زید حاضر ہو گیا اور اس نے انکار کیا کہ میں نے تو نہیں بیچا ہے تو اس کے انکار کی طرف التفات نہ کیا جائے گا کیونکہ خالد پر دعویٰ کا سبب بھی یہی ہے کہ اس نے زید سے خریدا ہے تو خالد زید کی طرف سے نائب حکمی موجود ہے جب نائب حکمی (خالد) موجود ہے تو یہ قضاء علی الغائب نہ ہوئی بلکہ اس کا قائم مقام موجود ہے اسلئے یہ قضاء جائز ہے

وان كان شرطاً لا يصح اى ان كان ما يدعى على الغائب شرطاً لما يدعى على الحاضر كما اذا ادعى عبد على مولاه انه علق عتقه بتطبيق زيد زوجته واقام بينة على التطبيق بغية زيد اختلف فيه المشايخ والصحيح انه لا يقبل وانما يقبل في السبب دون الشرط لان السبب اصل بالنسبة الى المسبب فيكون الحاضر نائباً عن صاحب السبب وهو الغائب كالوكيل ولا كذلك اذا كان شرطاً وانما لا يقضى على الغائب في صورة الشرط اذا كان فيه ابطال حق الغائب اما اذا لم يكن كما اذا علق طلاق امرأته بدخول زيد في الدار تقبل

ترجمہ: پس اگر شرط ہو تو صحیح نہیں ہے یعنی اگر غائب پر دعویٰ کرنا شرط ہو حاضر پر دعویٰ کرنے کیلئے جیسے کہ دعویٰ کیا غلام نے اپنے آقا پر کہ اس نے اس کی آزادی کو معلق کر دیا ہے زید کے اپنی بیوی کو طلاق دینے پر اور اس نے گواہ قائم کر دئے طلاق پر زید زید کے غائب ہونے کی حالت میں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ قبول نہیں ہے اور قبول ہوں گے سبب میں نہ کہ شرط میں اس لئے کہ سبب اصل ہے مسبب کے اعتبار سے تو حاضر نائب ہوگا صاحب سبب سے اور وہ غائب ہے جیسے کہ وکیل اور ایسا نہیں ہے جبکہ شرط ہو اور فیصلہ نہ کرے گا غائب پر شرط کی صورت میں اس وقت جب کہ اس میں غائب کے حق کا باطل کرنا لازم آتا ہو لیکن اگر ایسا نہ ہو جیسے کہ کسی نے اپنی بیوی کی طلاق کو معلق کر دیا زید کے گھر میں داخل ہونے پر تو قبول ہوں گے

تشریح: اگر غائب پر دعویٰ کرنا شرط ہو حاضر پر دعویٰ کرنے کیلئے:

اور اگر غائب پر دعویٰ کرنا حاضر پر دعویٰ کرنے کیلئے سبب نہ ہو بلکہ شرط ہو تو اس صورت میں حاضر کو غائب کی طرف سے نائب حکمی نہ ٹھہرایا جائے گا اور غائب پر فیصلہ نہ ہوگا مثلاً ایک غلام نے اپنے آقا پر یہ دعویٰ کیا کہ اس نے غلام کی آزادی کو معلق کر دیا ہے زید کی اپنی بیوی کو طلاق دینے پر یعنی غلام نے کہا کہ آقا نے یوں کہا ہے کہ جب زید اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو تو آزاد ہے اور پھر غلام نے دو گواہ قائم کر دئے کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے اس حال میں کہ زید غائب ہے تو اس مسئلے کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض حضرات کے نزدیک اس مسئلے میں بھی حاضر غائب کی طرف سے نائب حکمی ہو سکتا ہے اور حاضر پر فیصلہ کرنا غائب پر فیصلہ سمجھا جائے گا

کیونکہ اس کا نائب حکمی موجود ہے لیکن صحیح مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں غائب کے خلاف بینہ نہ سنے جائیں گے اور غائب کے خلاف فیصلہ نہ کرے گا

فرماتے ہیں کہ سبب میں حاضر کو غائب کا نائب سمجھا جائے گا نہ کہ شرط میں اس لئے کہ سبب اصل ہے سبب کے واسطے نہ کہ شرط لہذا سبب کی صورت میں حاضر کو غائب کا نائب حکمی سمجھا جائے گا جیسے کہ دکیل مؤکل کا نائب ہوتا ہے اور شرط میں حاضر کو غائب کا نائب حکمی نہ سمجھا جائے گا اس لئے کہ شرط ضعیف ہے اور سبب قوی ہے

**وانما لایقضی علی الغائب فی صورة الشرط :** ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر زید اپنے گھر میں داخل ہوا تو تجھے طلاق اور اس کے بعد بیوی نے دو گواہ قائم کر دئے کہ زید گھر داخل ہوا ہے تو بیوی پر طلاق واقع ہوگی حالانکہ یہ مسئلہ بھی پہلے مسئلے کے مانند ہے یعنی یہاں بھی غائب پر جو کچھ دعویٰ ہے وہ حاضر پر ثبوت حق کی شرط ہے لہذا یہاں بھی شرط کا اعتبار نہ ہونا چاہئے جیسے کہ پہلے مسئلے میں ہوا ہے شارح نے اس کا جواب دیدیا

**جواب :** جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں پر دخول دار کو شرط قرار دینے سے غائب کا حق باطل کرنا لازم نہیں آتا اس لئے یہ قضاء علی الغائب نہیں ہوئی جب قضاء علی الغائب نہیں ہے تو اس میں بینہ قبول ہوں گے اور پہلے مسئلہ میں قضاء علی الغائب لازم ہوتی ہے اس لئے بینہ قبول نہ ہوں گے

ویقرض مال الیتیم ویکتب ذکر الحق یجوز للقاضی اقرض مال الیتیم لانه محافظۃ والقاضی قادر علی اخذہ متی شاء ولا یجوز للوصی لعدم قدرته علی الاخذ وکذا للاب فی الاصح فلو فعل یضمن واذا اقرض القاضی کتب فی ذلک وثیقة

ترجمہ: اور قاضی یتیم کا مال قرض دیدے اور اس حق کی تحریر لکھ دے جائز ہے قاضی کیلئے یتیم کا مال قرض دینا کیونکہ اس میں حفاظت ہے اور قاضی قادر ہے اس کے لینے پر جب چاہے اور وصی کیلئے یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس کو قدرت نہیں ہے لینے پر اور اسی طرح باپ کیلئے بھی صحیح روایت میں اگر اس نے یہ کام کیا تو ضامن ہوگا اور جب قاضی قرض دے تو اس پر ایک دستاویز لکھ دے

**تشریح:** قاضی یتیم کا مال قرض دے سکتا ہے:

قاضی یتیم کا مال قرض دے سکتا ہے اس لئے کہ یتیم کا مال حفاظت کا محتاج ہے قاضی تو خود فارغ نہیں ہے کہ اس کی حفاظت کر سکے تو ضرور بالضرور یا تو کسی کو بطور امانت سپرد کرے گا۔ یا قرض دے گا قرض دینے میں یتیم کا فائدہ ہے اس لئے کہ اگر

امانت امین کی تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو امین پر ضمان نہیں آتا اور اگر قرض ہلاک ہو جائے تو مقروض پر ضمان آتا ہے اس لئے قرض دینے میں یتیم کا فائدہ ہے لہذا قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یتیم کا مال قرض دیدے اور رہا یہ احتمال کہ ہو سکتا ہے مقروض قرض ہی کا انکار کر بیٹھے تو یتیم کا مال ہلاک ہو جائے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ قاضی نے اس پر دستاویز لکھی ہے اور انکار کی صورت میں قاضی اس مال کے لینے پر قادر ہے اپنے پولیس کے ذریعے نکلوا سکتا ہے

لیکن وحی کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یتیم کا مال کسی کو قرض دیدے اسلئے کہ ممکن ہے کہ مقروض قرض سے انکار کرے اور وحی اس سے لینے پر قادر نہیں ہے تو یتیم کا مال ہلاک ہو جائے گا

اسی طرح صحیح روایت کے مطابق باپ کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اپنے چھوٹے بچے کا مال کسی کو قرض دیدے کیونکہ ممکن ہے کہ مقروض قرض سے انکار کرے تو چھوٹے بچے کا مال ہلاک ہو جائے گا اس لئے کہ باپ کو لینے پر قدرت حاصل نہیں ہے اگر وحی اور باپ نے یہ کام کیا یعنی وحی نے یتیم کا مال قرض دیدیا یا باپ نے چھوٹے بچے کا مال قرض دیدیا اور مال ہلاک ہو گیا تو ان دونوں پر ضمان آئے گا اس لئے کہ ان دونوں کے پاس مال حاصل کرنے پر طاقت نہیں تھی تو مال قرض دینا ابتداء سے تعدی شمار ہوگا اور تعدی کی صورت میں ضمان آتا ہے اس لئے اس صورت میں ضمان آئے گا

شارح فرماتے ہیں کہ جب قاضی یتیم کا مال قرض دیتا ہے تو قاضی کو چاہئے کہ اس پر ایک دستاویز لکھ دے تاکہ قاضی کو پھر یاد رہے کہ یتیم کا مال فلاں کو قرض دیا ہے تاکہ اس سے پھر واپس کر سکے

واللہ اعلم

۱۹ جون ۲۰۰۷ء

۳ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ

## باب التحکیم

(یہ باب ہے فیصل اور ثالث مقرر کرنے کے بیان میں)

تحکیم کے معنی: حکیم باب تفصیل کا مصدر ہے معنی ہیں حکم مقرر کرنا ثالث اور فیصل مقرر کرنا جب دونوں فریق اپنے جھگڑے کا فیصلہ تیسرے آدمی کو حوالہ کریں تو اس تیسرے آدمی کو حکم محکم اور ثالث کہتے ہیں باب التحکیم کو باب القضاء سے اس لئے مؤخر کر دیا کہ قاضی کا درجہ محکم سے اعلیٰ ہے اس لئے کہ قاضی کا فیصلہ ہر کسی پر نافذ ہوتا ہے اور محکم کا فیصلہ صرف ان لوگوں پر نافذ ہوتا ہے جنہوں نے محکم بنایا ہے نیز قاضی کا فیصلہ حدود اور قصاص سب میں نافذ ہوتا ہے اور محکم کا فیصلہ حدود اور قصاص میں نافذ نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ محکم کا درجہ قاضی سے کم ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اعلیٰ کا ذکر پہلے ہوتا ہے اور ادنیٰ کا بعد میں اس لئے باب القضاء کو باب التحکیم پر مقدم کر دیا۔

تحکیم کا جواز: حکیم کا جواز کتاب اللہ، سنت اور اجماع تینوں سے ثابت ہے۔

کتاب اللہ سے: چنانچہ کتاب اللہ میں ارشاد خداوندی ہے، روان خفتم شقاق بینہما فابعثوا حکما من اہلہ و حکما من اہلہا،، یہ آیت حکم بنانے کے جواز پر دلالت کرتی ہے جب زوجین کے درمیان حکم بنانا جائز ہے تو دوسرے معاملات میں بھی حکم بنانا جائز ہوگا

حدیث سے: حدیث شریف میں ہے کہ ابو شریح نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے پاس میری قوم آتی ہے اور میں ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں تو وہ میرے فیصلے پر راضی ہوتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو بہت اچھی بات ہے یہ حدیث بھی حکیم کے جواز پر دلالت کرتی ہے

اجماع سے: تمام صحابہ کرام حکیم کے جواز پر متفق ہیں چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کے درمیان کسی بات میں نزاع تھا تو دونوں بزرگوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم مقرر کیا تھا حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ حکم مقرر ہوئے تھے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حکیم کے جواز پر سب صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہے (از اشرف الہدایہ جلد ۹ ص ۳۰۸)

وصح تحکیم الخصمین من صلح قاضیا ولزمہما حکمہ بالبینة والنکول والاقرار واخبارہ

باقرار احد الخصمین وبعدالة الشاهدين حال ولايته ای صح اخباره باقرار احد الخصمین وبعدالة الشاهدين فی زمان ولايته لان اخباره حال ولايته قائم مقام شهادة رجلین بخلاف ما اذا اخبر بعد الولاية لانه التحق بواحد من رعایا فلا بد من الشاهد الآخر وبخلاف ما اذا اخبر بانه قد حکم لانه اذا حکم اعزل فلا يقبل اخباره

ترجمہ: اور صحیح ہے فریقین کا حکم بنانا اس شخص کو جس میں قاضی بننے کی صلاحیت ہو اور لازم ہوگا دونوں پر اس کا فیصلہ گواہوں کی بناء پر اور قسم سے انکار اور اقرار کی بناء پر اور صحیح ہے اس کا خبر دینا دونوں خصمین میں سے ایک کے اقرار پر اور گواہوں کی عدالت پر اپنی ولایت کے زمانے میں یعنی صحیح ہے اس کا خبر دینا خصمین میں سے ایک کے اقرار پر اور گواہوں کی عدالت پر اپنی ولایت کے زمانے میں کیونکہ اس کا خبر دینا اپنی ولایت کے زمانے میں دو گواہوں کی گواہی کے قائم مقام ہے برخلاف اس کے کہ جب اس نے خبر دیدی ولایت کے بعد اس لئے کہ اب وہ رعایا کا ایک فرد ہو گیا تو ضروری ہے دوسرا گواہ اور برخلاف اس کے جب اس نے خبر دیدی کہ اس نے فیصلہ کیا ہے اس لئے کہ جب اس نے فیصلہ کیا تو اب وہ معزول ہو گیا اب اس کا خبر دینا قبول نہ ہوگا

تشریح: کس کو حکم بنانا جائز ہے؟

فریقین ہر اس شخص کو حکم بنا سکتے ہیں جس میں قاضی بننے کی صلاحیت ہو یعنی جس کو قاضی بنانا جائز ہے اس کو حکم بنانا بھی جائز ہے اور جس کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے اس کو حکم بنانا بھی جائز نہ ہوگا لہذا کسی غلام یا حربی کا فریاد ذمی کو کافر کو مسلمان کے حق میں حکم بنانا جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ لوگ قاضی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو ان کو حکم بنانا بھی جائز نہ ہوگا ہاں ایک ذمی دوسرے ذمی کو حکم بنا سکتا ہے۔ پس جب فریقین نے ایسے شخص کو حکم بنایا جس میں قاضی بننے کی صلاحیت ہو اور حکم نے شریعت کے موافق فیصلہ کیا تو اب دونوں فریقین پر یہ فیصلہ تسلیم کرنا لازم ہے اب کسی کو اختیار نہیں ہے کہ اس سے رجوع کرے۔ اور حکم بھی اس طریقے پر فیصلہ کرے گا جس طریقے پر قاضی فیصلہ کرتا ہے یعنی سب سے پہلے مدعی سے گواہ طلب کرے گا اگر مدعی نے بینہ پیش نہ کئے تو مدعی علیہ سے قسم لے گا اگر اس نے قسم سے انکار کیا تو اس کے خلاف فیصلہ کرے گا اسی طرح حکم مدعی کے اقرار پر بھی فیصلہ کر سکتا ہے حکم نے ایک فریق کو کہا کہ تو نے میرے سامنے اپنے ساتھی کے حق کا اقرار کیا تھا اور میں نے تیرے اقرار کی بناء پر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا یا یوں کہا کہ میرے سامنے گواہوں نے گواہی دی اور میں نے گواہوں کی تعدیل بھی کی ہے اور گواہ عادل ثابت ہوئے اس لئے میں نے تیرے خلاف فیصلہ کیا تو حکم کا یہ قول معتبر ہوگا یہ اس وقت جب کہ دونوں فریق اس کے حکم بنانے پر قائم ہوں یعنی اس کی ولایت باقی ہو کیونکہ جب تک حکم اپنی ولایت پر قائم ہے تو اس کی خبر دینا دوسروں کی گواہی کے قائم مقام

ہے لیکن جب اس کو ولایت سے معزول کر دیا گیا اور پھر یہ حکم خردے رہا ہے کہ تو نے میرے سامنے اقرار کیا تھا تو اس کا یہ قول معتبر نہ ہوگا اس لئے جب یہ معزول ہو گیا تو اب رعایا کا ایک فرد ہو گیا تو گویا کہ ایک گواہ ہو اور دوسرا گواہ موجود نہیں ہے اور ایک گواہ کی گواہی معتبر نہیں ہوتی جب تک دوسرا گواہ موجود نہ ہو۔ اسی طرح جب حکم نے فیصلہ کرنے بعد کہا کہ میں نے فلاں فیصلہ کیا تھا فلاں کے حق میں تو اب اس کا یہ قول معتبر نہ ہوگا اس لئے کہ جب اس نے فیصلہ کر دیا تو اب وہ معزول ہو گیا اور معزول ہونے کے بعد اس کی ولایت باقی نہیں رہتی جب ولایت باقی نہیں ہے تو اس کا قول کہ انی حکمت بھی قبول نہ ہوگا جیسے کہ معزول قاضی کا قول معزول ہونے کے بعد قبول نہیں ہوتا لہذا حکم کا قول بھی قبول نہ ہوگا

ولکل منهما ان یرجع قبل حکمہ

ترجمہ: اور دونوں کو یہ حق ہے کہ رجوع کرے اس کے فیصلہ کرنے سے پہلے

تشریح: جب دونوں نے حکم کو اپنی باہمی رضامندی سے حکم مقرر کر دیا تو یہ آدمی حکم مقرر ہو گیا اب فیصلہ کرنے سے پہلے دونوں نے یا ایک نے اس حکم سے رجوع کیا یعنی یوں کہا کہ اب تم ہمارے حکم نہیں ہو تو یہ رجوع معتبر ہے یعنی اب وہ معزول ہو گیا کیونکہ وہ تو دونوں کی رضامندی سے حکم مقرر ہوا تھا اب جب دونوں کی یا ایک کی رضامندی ہو گئی تو حکم باقی نہ رہی اس لئے کہ جب ایک چیز کا وجود دوسری چیزوں سے مرکب ہو تو اس کے موجود رہنے کیلئے دونوں چیزوں کا وجود ضروری ہے لیکن اس کے معدوم ہونے کیلئے دونوں چیزوں کا معدوم ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر دونوں میں ایک بھی معدوم ہو جائے تو وہ چیز معدوم ہو جائے گی لیکن اگر حکم نے فیصلہ کر دیا تو فیصلہ کرنے کے بعد کسی فریق کو رجوع کرنے کا حق نہیں ہے جیسے کہ قاضی جب فیصلہ کرے اور اس کے بعد اس کو معزول کر دیا جائے تو اس کا فیصلہ باطل نہیں ہوتا اسی طرح حکم کا فیصلہ بھی باطل نہ ہوگا اسلئے کہ حکم نے جس وقت حکم دیا تھا اس وقت اس کو دونوں پر ولایت حاصل تھی اور صاحب ولایت کا حکم لازم ہوتا ہے اس لئے حکم کا مذکورہ حکم بھی لازم ہوگا

ولا یصح حکم المحکم والمؤلی لابویہ وولده وعرسہ کمالایصح الشہادۃ لہواء لاء ولا التحکیم

فی حد وقود لانہما لایملکان دمہما ولہذا لایملکان اباحتہ

ترجمہ: اور صحیح نہیں ہے محکم کا فیصلہ اور قاضی کا اپنے والدین کیلئے اور اولاد کیلئے اور اپنی بیوی کیلئے جیسے کہ صحیح نہیں ہے اس کیلئے گواہی دینا اور جائز نہیں ہے حکم بنانا حد اور قصاص میں اس لئے کہ یہ دونوں اپنے خون کے مالک نہیں ہیں تو اس کی باحت کے بھی مالک نہ ہوں گے

تشریح: حکم کا فیصلہ اپنے والدین کے حق میں نافذ نہ ہوگا:

مسئلہ یہ ہے کہ حکم کا حکم اور فیصلہ اپنے والدین اپنی اولاد اور بیوی کے حق میں نافذ نہ ہوگا جیسے کہ قاضی کا حکم ان کے حق میں نافذ نہیں ہوتا اور جیسے کہ ان لوگوں کے حق میں حکم اور قاضی کی گواہی قبول نہیں ہوتی کیونکہ یہ محل تہمت ہے ہاں ان کے خلاف حکم اور قاضی کا حکم نافذ ہوتا ہے کیونکہ اس میں تہمت نہیں ہے

حکم کا فیصلہ حد اور قصاص میں نافذ نہیں ہوتا:

حدود اور قصاص میں کسی کو حکم بنانا جائز نہیں ہے کیونکہ حکم بنانے والوں کو اپنی جان اور خون پر ولایت حاصل نہیں ہے اور اپنے خون مباح کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا تو ان کی رضامندی سے ان کا خون مباح نہ ہوگا جب ان کی رضامندی سے ان کا خون مباح نہیں ہوتا تو قصاص میں کسی کو حکم مقرر کرنا بھی جائز نہ ہوگا نیز حکم کا حکم ان دونوں کے علاوہ کے حق میں حجت نہیں ہے اس لئے حکم مقرر کرنے میں شبہ ہو گیا اور حدود و قصاص شے سے ساقط ہوتے ہیں اس لئے حدود اور قصاص میں حکم مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔

قالوا وضح فی سائر المجتہدات ولا یفتی بہ دفعا لتجاسر العوام قال مشائخنا ان تخصیص هذه الروایة وهی قوله ولا یجوز التحکیم فی الحدود والقصاص یدل علی جواز التحکیم فی جمیع المجتہدات کالکنایات وفسخ الیمین ونحوهما وتخصیص المجتہدات بالذکر لنفی الحکم عماعداه فان مالیس للاجتهاد فیہ مساع کالثابت بالکتاب والسنة المشهورة او الاجماع لاشک فی صحة التحکیم فی ذلک وفائدته الزام الخصم فان المتبايعین ان حکمًا حکمًا فالمحکم یجبر المشتري علی تسلیم الثمن والبائع علی تسلیم المبیع ومن امتنع یحبسه فذکر المجتہدات لیدل علی غیرها بالطریق الاولی واذ اصح التحکیم فی جمیع القضايا لا یفتی بذلک لان العوام یجاسرون علی ذلک فیقل الاحتیاج الی القاضی فلایبقی لحکام الشرع رونق ولا للمحکمة جمال وزینة

ترجمہ: اور صحیح ہے حکم بنانا تمام اجتہادی مسائل میں لیکن اس کا فتویٰ نہ دیا جائے گا عوام کی جرأت اور لیری کو دفع کرنے کیلئے ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ اس روایت کی تخصیص یعنی کہ حکم بنانا جائز نہیں ہے حدود اور قصاص میں دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ تمام مسائل میں حکم بنانا جائز ہے جیسے کنایات یمین کو فتح کرنا وغیرہ اور مجتہدات یعنی اجتہادی مسائل کی تخصیص کرنا اس کے مساوی حکم کی نفی کرنے کیلئے نہیں ہے کیونکہ جس مسئلہ میں اجتہاد کیلئے کوئی دخل نہ ہو جیسے کتاب اللہ اور سنت مشہورہ اور اجماع

سے ثابت شدہ مسئلہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس میں حکم بنانا جائز ہے اور اس کا فائدہ خصم پر الزام ہے اس لئے کہ بائع اور مشتری نے جب ایک شخص کو حکم بنایا تو حکم یعنی ثالث مشتری کو مجبور کرے گا شمن سپرد کرنے پر اور بائع کو مجبور کرے گا بیع سپرد کرنے پر اور جو اس سے رک گیا اس کو قید کرے گا تو مجتہدات کو ذکر کر دیا تاکہ دوسرے پر بطریقہ اولیٰ دلالت کرے اور جب صحیح ہے حکم بنانا تمام مسائل میں تو اس کا فتویٰ نہ دیا جائے گا کیونکہ عوام اس پر جری اور دلیر ہو جائیں گے تو قاضی کی طرف احتیاج کم ہو جائے گا تو شریعت کے حکام کی کوئی رونق باقی نہیں رہے گی اور نہ مجلس قضاء کا کوئی جمال اور زینت باقی رہے گی

**تشریح:** تمام اجتہادی مسائل میں حکم بنانا جائز ہے:

فقہاء نے فرمایا ہے کہ تمام اجتہادی مسائل میں حکم بنانا جائز ہے لیکن اس کا فتویٰ نہ دیا جائے کیونکہ اس سے پھر عوام جری اور دلیر ہو جائیں گے اور ہر مسئلہ میں اپنی خواہش کے مطابق حکم بنائیں گے اور ان سے فیصلہ کروائیں گے مشائخ نے فرمایا ہے کہ اس روایت کی تخصیص کہ حدود اور قصاص میں حکم بنانا جائز نہیں ہے یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حدود اور قصاص کے علاوہ تمام مسائل میں حکم بنانا جائز ہے جیسے کنایات اور بیہین کو فسخ کرنا یعنی احناف کے نزدیک الفاظ کنائی کے ساتھ طلاق بائن واقع ہوتی ہے سوائے تین الفاظ کے اور امام شافعی کے نزدیک الفاظ کنائی کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اسی طرح جب ایک آدمی نے ایک عورت سے کہا ان نکتک فامت طالق تو احناف کے نزدیک یہ بیہین یعنی تعلق معتبر ہے لہذا اگر اس آدمی نے اس عورت کے ساتھ نکاح کیا تو احناف کے اس پر طلاق واقع ہوگی اور امام شافعی کے نزدیک چونکہ الفاظ بولنے وقت وہ عورت اس کے نکاح میں نہیں تھی لہذا جب اس کے بعد اس نے اس عورت کے ساتھ نکاح کیا تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی لہذا اگر حکم نے اس بیہین کے فسخ ہونے کا حکم دیدیا یعنی یہ حکم کیا کہ بس بیہین یعنی تعلق باطل ہے لہذا نکاح کے بعد اس عورت پر طلاق واقع نہ ہوگی تو یہ حکم معتبر ہوگا کیونکہ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے جس میں ایک جانب پر حکم کرنے یعنی امام شافعی کے مسلک پر فیصلہ کرنے سے مسئلہ قابل عمل ہو جاتا ہے۔

**وتخصیص المجتہدات بالذکر:** ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ تمام مجتہدات یعنی اجتہادی مسائل میں حکم بنانا جائز ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر اجتہادی مسائل یعنی جو مسائل قرآن اور سنت مشہورہ اور اجماع امت سے ثابت ہیں اس میں حکم بنانا جائز نہ ہوگا

**جواب:** شارح نے جواب دیدیا کہ مفہوم مخالف معتبر نہیں کیونکہ مجتہدات کے ذکر کرنے سے غیر مجتہدات کی نفی لازم نہیں آتی اس لئے کہ جن مسائل میں اجتہاد کا دخل نہیں ہے بلکہ کتاب اللہ اور سنت مشہورہ یا اجماع امت سے ثابت ہیں اس میں حکم بنانا



جائز ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے

وفائدته الزام الخصم : ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ جب ایک مسئلہ خود کتاب اللہ اور سنت میں موجود ہے تو اس میں حکم بنانے کی کیا ضرورت ہے بلکہ براہ راست کتاب اللہ اور سنت پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا

جواب : حکم بنانے کا فائدہ یہ ہے کہ جب بائع اور مشتری نے کسی کو حکم بنایا اور حکم نے کتاب اللہ اور سنت مشہورہ کے مطابق فیصلہ سنایا اور پھر دونوں میں سے ایک نے اس پر عمل کرنے سے انکار کیا تو حکم اس پر جبر کر سکتا ہے یعنی مشتری پر زبردستی کرے گا کہ ثمن سپرد کرے اور بائع پر زبردستی کرے گا کہ بیع سپرد کرے اور جو حالہ کرنے سے رک جائے اس کو قید بھی کر سکتا ہے کیونکہ ان دونوں پر اس کو ولایت حاصل ہے تو اگر حکم کا فیصلہ نہ ہوتا بلکہ یہ لوگ باہمی رضامندی سے فیصلہ کرتے تو ان کو ایک دوسرے پر جبر کی ولایت حاصل نہ ہوتی تو اس فائدے کے واسطے ان مسائل میں حکم بنانا جائز ہے اور حکم کا فیصلہ لازم ہوگا

تو مجتہدات کو ذکر کرنا کہ اجتہادی مسائل میں حکم بنانا جائز ہے یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ غیر اجتہادی مسائل یعنی منصوص مسائل میں بطریقہ اولیٰ حکم بنانا جائز ہوگا۔ آگے شارح فرماتے ہیں کہ جب تمام مسائل میں حکم بنانا جائز ہے تو جواز اپنی جگہ ہے لیکن اس کا فتویٰ نہ دیا جائے کیونکہ پھر عوام جری ہو جائیں گے اور اپنی خواہش کے مطابق جس کو چاہے حکم بنائیں گے اور اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ کروائیں گے ایک تو حکام شرع کا دبدبہ اور رونق بھی ختم ہو جائے گا دوسرا مجلس قضاء کی بھی زینت اور وقار نہیں رہے گا اور تیسرا اجاب ہو اور اتباع نفس کا غلبہ ہو جائے گا ان وجوہ کی بناء پر فتویٰ نہ دیا جائے گا۔

وحکم المحکم فی دم خطاء بالبدیة علی العاقلة لا ینفذ لان العاقلة لم یحکموہ وکذا ان حکم بالبدیة

علی القاتل لا ینفذ ایضا فینقضہ القاضی و یقضی علی العاقلة لان حکم المحکم مخالف لمذہب

القاضی ومخالف للنص وهو قوله علیہ السلام قوم اذوہ ومعنی عدم نفاذہ علی العاقلة ان للمحکم

لا یسکون ولایة طلب البدیة من العاقلة وحسبہم ان امتنعوا فان رفع حکمہ الی قاض آخر ان وافق

مذہبہ امضاه والابطالہ ای لیس حکم المحکم مثل حکم المولی ان المختلف فیہ یصیر مجمعا علیہ بہ

ترجمہ : اور حکم کا فیصلہ قتل خطاء میں عاقلہ پر نافذ نہ ہوگا اس لئے کہ عاقلہ نے اس کو حکم نہیں بنایا ہے اور اسی طرح اگر اس نے

دیت کا فیصلہ کیا قاتل پر تو تب بھی نافذ نہ ہوگا تو قاضی اس کو توڑ دے گا اور عاقلہ پر فیصلہ کرے گا اس لئے کہ حکم کا فیصلہ

قاضی کے مذہب کا بھی خلاف ہے اور نص کا بھی خلاف ہے اور وہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ کھڑے ہو جاؤ اس کی دیت

ادا کرو اور عاقلہ پر نافذ نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حکم کو دیت کے مطالبے کا حق نہیں ہے عاقلہ سے اور ان کو قید کرنے کا اگر وہ

رک جائیں اور اگر اس کا حکم لے جایا گیا دوسرے قاضی کے پاس پس اگر اس کے مذہب کے مطابق ہو تو جاری رکھے ورنہ باطل کر دے یعنی محکم کا فیصلہ قاضی کے فیصلے کی طرح نہیں ہے کہ مختلف فیہ مسئلہ اس سے مجمع علیہ بن جائے  
تشریح: محکم عاقلہ پر دیت کا فیصلہ نہیں کر سکتا:

اگر قتل خطاء میں دو آدمیوں نے کسی کو محکم بنا دیا اور محکم نے قاتل کے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا تو یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا عاقلہ پر اس لئے کہ عاقلہ نے اس حکم نہیں بنایا ہے لہذا اس کو عاقلہ پر ولایت حاصل نہیں ہے جب عاقلہ پر ولایت حاصل نہیں ہے تو ان پر فیصلہ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ حکم کا فیصلہ تو ولایت کی بناء پر ہوتا ہے اور اس کو ولایت حاصل ہے نہیں۔ اور اگر حکم نے قتل خطاء میں دیت کا فیصلہ صرف قاتل پر کر دیا کہ قاتل اکیلا دیت ادا کرے گا تو یہ فیصلہ بھی نافذ نہ ہوگا بلکہ قاضی پر لازم ہے کہ اس فیصلے کو توڑ دے اور عاقلہ پر فیصلہ کرے اس لئے کہ یہ فیصلہ قاضی کے مذہب کا خلاف ہے کیونکہ قاضی کا مذہب یہ ہے کہ قتل خطاء میں فیصلہ عاقلہ پر ہوتا ہے اور نص کا بھی خلاف ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ، تو موافدہ ہے، یعنی عاقلہ سے فرمایا کہ تم کھڑے ہو جاؤ اس کی دیت ادا کرو تو حضور ﷺ نے دیت کا فیصلہ عاقلہ پر کیا ہے نہ کہ صرف قاتل پر (یہ مغیرہ بن شعبہ کی حدیث ہے جس میں جنین کی دیت کا بیان ہے عاقلہ پر تفصیل ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ عدم نفاذ کے معنی یہ ہیں کہ محکم کو یہ ولایت اور حق حاصل نہیں ہے کہ عاقلہ سے دیت کا مطالبہ کرے اور اگر وہ ادا کرنے سے انکار کریں تو حکم ان کو قید میں ڈالے تو یہ حق حکم کو حاصل نہیں ہے کیونکہ انہوں نے اس کو حکم بنایا نہیں ہے تو اس کو ان پر کیسے ولایت حاصل ہو جائے گی۔ فرماتے ہیں ہے کہ جب حکم کا فیصلہ قاضی کے دربار میں لے جایا گیا اور یہ فیصلہ قاضی کے مذہب کے موافق ہو تو قاضی کو چاہئے کہ اسی فیصلے کو جاری کرے کیونکہ اگر قاضی اس کو توڑے گا تو پھر بھی یہی فیصلہ کرے گا تو توڑنے میں اور پھر جوڑنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے اسی کو جاری رکھے اور اگر اس کے مذہب کے خلاف ہو تو پھر اس کو توڑ دے اور اپنے مذہب کے موافق فیصلہ صادر کرے یعنی محکم کا فیصلہ اور حکم قاضی کے فیصلے اور حکم کے مانند نہیں ہے اس لئے کہ قاضی اگر ایک مختلف فیہ مسئلے میں اپنے مذہب کے خلاف حکم کرے اور پھر دوسرے قاضی کے پاس اس کا یہ حکم لے جایا جائے تو دوسرا قاضی اس کے حکم کو نہیں توڑے گا اگرچہ اس کے مذہب کے خلاف ہو اس لئے کہ مختلف فیہ مسئلہ قاضی کے حکم سے مجمع علیہ بن جاتا ہے لیکن حکم کے فیصلے سے مختلف فیہ مسئلہ مجمع علیہ نہیں بنتا اس لئے قاضی کو اختیار ہے کہ اگر فیصلہ اس کے مذہب کے مخالف ہو تو وہ اس کو توڑ دے اور اپنے مذہب کے موافق فیصلہ کرے۔ واللہ اعلم

## مسائل شتی منہ

مسائل شتی کی تعریف: مصنفین کی یہ عادت ہے کہ کسی کتاب یا باب میں اگر کچھ مسائل ذکر کرنے سے رہ گئے ہوں تو ان کو اس کتاب یا باب کے آخر میں ذکر کرتے ہیں اور اس کا عنوان مسائل شتی یا مسائل منثورہ یا مسائل متفرقہ رکھتے ہیں پس یہاں بھی اسی عادت کے مطابق کتاب القضاء کے آخر میں مسائل شتی کے عنوان سے انہیں مسائل کو ذکر کیا جائے گا جو کتاب القضاء میں ذکر کرنے سے رہ گئے ہیں۔

ولیس لصاحب سفیل علیہ علو لأخران یتد فی سفله او ینقب کوة بلارضی الآخر

ترجمہ: اور چلی منزل والے کیلئے جس کے اوپر بالا خانہ دوسرے کا ہو تو اس کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ اس میں میخ گاڑے یا اس میں روشندان بنائے دوسرے کی رضامندی کے بغیر۔

تشریح: دو منزلہ مکان میں ایک ساتھی دوسرے کی اجازت کے بغیر کوئی کام کر سکتا ہے یا نہیں؟

مسئلہ یہ ہے کہ دو منزلہ مکان جس میں چلی منزل ایک ساتھی کی ہو اور بالائی منزل دوسرے ساتھی کی ہو تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر ایک ساتھی کو اپنی منزل میں مزید کوئی تصرف کرنا جائز نہیں ہے اپنے ساتھی کی رضا کے بغیر نہ نیچے منزل والا اس میں میخ گاڑ سکتا ہے اور نہ اس میں روشندان بنا سکتا ہے اور نہ بالا خانے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کے اوپر کوئی اور عمارت بنائے یا اس کے ارد گرد دیوار بنائے اپنے ساتھی کی رضا کے بغیر۔

اور حضرات صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کو وہ کام کرنے کا اختیار حاصل ہے جو دوسرے کی عمارت کیلئے مضرت نہ ہو یعنی نیچے منزل والا ہر وہ کام کر سکتا ہے جو بالا خانہ کیلئے مضرت نہ ہو اور بالا خانے والا ہر وہ کام کر سکتا ہے جو نیچے منزل کیلئے مضرت نہ ہو اور اگر مضرت ہو تو پھر نہیں کر سکتا۔

کیونکہ صاحبین کے نزدیک اصل اباحت ہے جب تک ضرر نہ ہو تو ہر ایک کو اپنے حق میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اصل ممانعت ہے اسلئے کہ ہر ایک کو اپنے حق میں تصرف کرنا ایک ایسے امر میں تصرف کرنا ہے جس کے ساتھ غیر کا حق محترم وابستہ ہے اور جس چیز کے ساتھ غیر کا حق محترم وابستہ ہو اس میں تصرف کرنا مقید ہے اس کی رضامندی پر جیسے کہ رہن میں راہن تصرف نہیں کر سکتا مرتہن کی اجازت کے بغیر اس لئے کہ اس کے ساتھ مرتہن کا حق محترم وابستہ ہے تو اسی طرح یہاں پر بھی ہر ایک کو اپنے حق میں تصرف کرنا ایسے حق میں تصرف کرنا ہے جس کے ساتھ غیر کا حق محترم وابستہ ہے لہذا اس کی

رضامندی کے بغیر جائز نہ ہوگا۔

ولا اهل زائفة مستطيلة تنشعب منها مستطيلة غير نافذة فتح باب في القصوى وفي مستديرة

لنزق طرفاها بها لهم ذلك في القصوى اي في المشعبة من الاولى وقوله لنزق طرفاها اي اتصل طرفاها بالمستطيلة والمراد بطرفيها نهاية سمتها وهذا اذا كانت مثل نصف دائرة او اقل حتى لو كانت اكثر من ذلك لا يفتح فيها الباب فلتصور صورتين في الاولى يكون له فتح الباب دون الثانية والفرق ان الاولى تصير ساحة مشتركة بخلاف الثانية فانه اذا كان داخلها اوسع من مدخلها تصير موضعا اخر غير تابع للاولى .

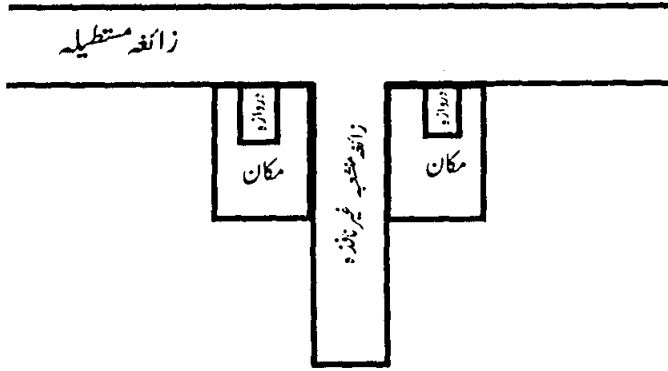
ترجمہ: ایک بسی گلی ہے جس سے دوسری بسی گلی نکلتی ہے جو آ پار نہیں تو پہلی گلی والوں کیلئے یہ حق نہیں ہے کہ دروازہ کھول دے دوسری گلی میں اور کول گلی میں جس کے دونوں اطراف مل گئے ہوں بسی گلی کے ساتھ ان کو یہ حق ہے جو پہلی گلی سے نکلتی ہے اور یہ قول کہ اس کے دونوں اطراف مل گئے ہوں یعنی اس کی دونوں اطراف مل گئے ہوں بسی گلی کے ساتھ اور دونوں اطراف سے مراد اس کی فراخی کی انتہاء ہے اور یہ حکم جب ہے کہ نصف دائرہ کے برابر ہو یا اس سے کم ہو لیکن اگر نصف دائرہ سے زیادہ ہو تو اس میں دروازہ نہیں کھول سکتے تو دو صورتوں کے تصور کی وجہ سے اس کیلئے جائز ہے پہلی صورت میں دروازہ کھولنا نہ کہ دوسری صورت میں اور فرق دونوں میں یہ ہے کہ پہلی صورت میں ایک مشترک میدان بن جاتا ہے برخلاف دوسری صورت کے اس لئے کہ جب اس کا اندرونی حصہ کشادہ ہو اس کے داخل ہونے کی جگہ سے تو ایہ الگ مقام بن جاتا ہے جو پہلے کا تابع نہیں ہوتا۔

تشریح: زائفة مستطيلة اور مدورہ کی تفصیل:

جب ایک بسی گلی اور بڑی سڑک سے ایک اور گلی نکلتی ہے تو یہ دوسری گلی یا نافذہ ہوگی یعنی آ پار ہوگی یا غیر نافذہ ہوگی یعنی آ پار نہ ہوگی اور مستدیرہ ہوگی یعنی کول گلی ہوگی مستدیرہ پھر یا نصف دائرہ ہوگی یا اس سے کم ہوگی اور یا نصف دائرہ سے زیادہ ہوگی پس کل چار صورتیں تحقق ہوتی ہیں جس کو ہم چار نقشوں کی مدد سے ذکر کریں گے اور اس کے ساتھ اس کا حکم بھی ذکر کریں گے

صورت (1) زائفة مستطيلة تنشعب منها مستطيلة غير نافذة جس کی صورت یہ ہے

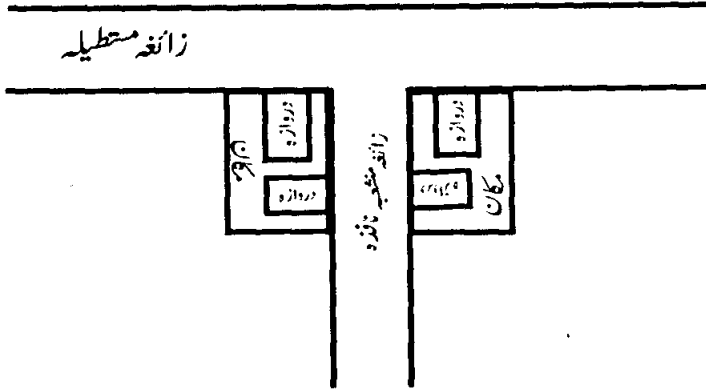
## نقشہ



اس صورت میں جس گھر کا ایک دروازہ زائغہ مستطیلہ کی جانب کھلا ہوا ہے اس گھر والے دوسرا دروازہ اس چھوٹی گلی میں جو غیر نافذہ ہے اس میں اپنا دوسرا دروازہ نہیں کھول سکتے اس کی دلیل یہ ہے کہ دروازہ آمد و رفت کیلئے کھولا جاتا ہے اور زائغہ اولی (زائغہ مستطیلہ) والوں کیلئے اس دوسری زائغہ (زائغہ منشعبہ) میں آمد و رفت کا کوئی حق نہیں ہے لہذا ان کو اس گلی میں دروازہ کھولنے کی اجازت نہ ہوگی۔

صورت (2) زائغہ مستطیلہ منشعبہ منها زائغہ مستطیلہ نافذہ جس کی صورت یہ ہے

## نقشہ

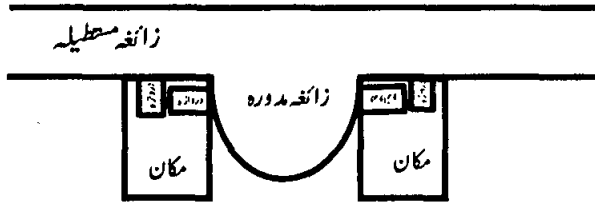


اس صورت میں زائغہ اولی (زائغہ مستطیلہ) والوں کو دوسری زائغہ (منشعبہ نافذہ) میں دروازہ کھولنے کا حق ہے اس لئے اس میں عام لوگوں کو گزرنے کا حق حاصل ہے جب عام لوگوں کو گزرنے کا حق حاصل ہے تو زائغہ اولی والوں بھی گزرنے کا حق ہوگا

جب ان کو گزرنے کا حق ہے تو دروازہ کھولنے کا بھی حق ہوگا اس لئے کہ دروازہ تو گزرنے کیلئے ہوتا ہے۔

صورت (3) زائغہ مستطیلة تشعب منها زائغہ مدورہ بقدر نصف الدائرة او اقل: جس کی صورت یہ ہے۔

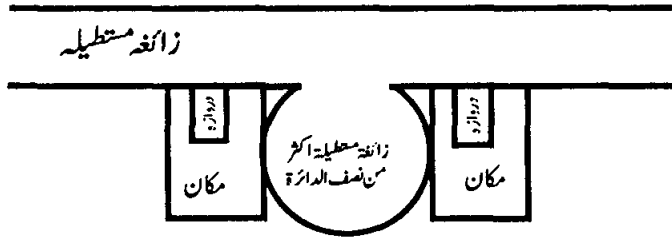
نقشہ



اس صورت میں زائغہ اولی (زائغہ مستطیلة) والوں کو زائغہ ثانیہ (زائغہ مدورہ) کی طرف دروازہ کھولنے کا حق ہے اس لئے کہ جب زائغہ کا اندرونی حصہ نصف دائرہ سے کم ہے یا نصف دائرہ ہے تو یہ ایک مشترک میدان ہے اور زائغہ مستطیلة کی تابع ہے جس میں زائغہ مستطیلة اور زائغہ مدورہ والے مشترک ہیں اس لئے زائغہ مستطیلة والوں کو اس میں دروازہ کھولنے کا حق ہے۔

صورت (4) زائغہ مستطیلة تشعب منها زائغہ مدورہ زائغہ علی نصف الدائرة: جس کی صورت یہ ہے۔

نقشہ



اس صورت میں زائغہ اولی (زائغہ مستطیلة) والوں کو زائغہ ثانیہ (زائغہ مدورہ) میں دروازہ کھولنے کا حق نہیں ہے اس لئے کہ جب اس کا مدخل (داخل ہونے کا راستہ) کم اور اس کا داخل (اندرون میدان) زیادہ وسیع ہو تو اس کے اندر کا میدان اور اندرونی حصہ زائغہ مستطیلة کا تابع نہیں ہے بلکہ ایک الگ مقام ہے جو زائغہ غیر نافذہ کے مانند ہے جو کسی کا تابع نہیں ہے اس لئے لمبی گلی والوں کو اس میں دروازہ کھولنے کا حق نہ ہوگا۔

ومن ادعی ہبہ فی وقت فمسئل البینة فقال قد جحدنیہا فاشتریتہا منہ اولم یقل ذلک فاقام بینة علی الشراء بعد وقت الہبہ تقبل وقبلہ لا قوله فاقام بینة علی الشراء بعد وقت الہبہ تقبل وقبلہ لا یرجع الی الصورتین ای ما اذا قال قد جحدنیہا وما اذا لم یقل ذلک فان دعوی الہبہ اقرار بان الموهوب

ملک الواهب قبل الهبة فلا يقبل دعوى الشراء قبل وقت الهبة واما دعوى الشراء بعد وقت الهبة فلا تناقض فينالها تقرر ملكه بعد الهبة.

ترجمہ: اور جس نے دعویٰ کیا ہبہ کا ایک وقت میں تو اس سے ہبہ کا مطالبہ کیا گیا تو اس نے کہا کہ اس نے مجھ سے انکار کیا تھا تو میں نے اس سے خرید لیا اور پایہ نہ کہا اور اس نے ہبہ قائم کر دئے خریداری پر ہے کے وقت کے بعد تو یہ ہبہ قبول ہوگا اور ہبہ کے وقت سے پہلے پر قبول نہ ہوگا مصنف کا قول کہ ہبہ کے وقت کے بعد پر قبول ہوگا اور اس سے پہلے قبول نہ ہوگا دونوں صورتوں کی طرف لوٹتا ہے یعنی قدحہدھا کہا ہوا یا یہ نہ کہا ہو اس لئے کہ ہے کا دعویٰ کرنا اقرار ہے اس بات پر کہ شئی موہوب واہب کی ملکیت تھی ہبہ سے پہلے تو قبول نہ ہوگا خریداری کا دعویٰ ہبہ کے وقت سے پہلے اور خریداری کا دعویٰ کرنا ہبہ کے وقت کے بعد تو اس میں تناقض نہیں ہے کیونکہ شراہ نے مضبوط کر دیا ہے اس کی ملکیت ہے کے بعد۔

تشریح: مطلق تناقض مانع نہیں ہے صحت دعویٰ کے لئے جب تک توفیق ممکن ہو:

یہ مسئلہ اس اصول پر مبنی ہے کہ مطلق تناقض صحت دعویٰ کیلئے مانع نہیں ہے بلکہ جب تک توفیق ممکن ہو یعنی تناقض کو دفع کرنا ممکن ہو تو دعویٰ صحیح ہوگا اور جب توفیق ممکن نہ ہو تو پھر دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔

اب صورت مسئلہ سمجھ لیجئے صورت مسئلہ یہ ہے کہ عمران کے قبضے میں ایک مکان ہے بلال نے اس پر یہ دعویٰ کیا کہ یہ مکان میرا ہے کیونکہ یہ مکان اس عمران نے مجھ کو ہبہ کر دیا تھا یکم رجب ۱۳۲۸ھ کو اور میں نے اس پر قبضہ بھی کر لیا تھا قاضی نے بلال سے پوچھا کہ تم اپنے اس دعوے پر گواہ پیش کرو بلال نے کہا کہ میرے پاس تو ہبہ پر گواہ نہیں ہے لیکن جب اس عمران نے میرے ہبہ سے انکار کر دیا تو اس کے بعد میں نے ۱۰ رجب ۱۳۲۸ھ کو یہ مکان اس عمران سے قہیمہ خرید لیا اور خریداری پر میرے پاس گواہ ہیں یا یہ نہ کہا ہو کہ عمران نے میرے ہبہ سے انکار کیا تھا لیکن صرف گواہ قائم کر دئے کہ ہبہ کے بعد یہ مکان میں نے عمران سے خریدا ہے اور گواہوں نے بھی یہی گواہی دی یعنی گواہوں بھی یہی کہا کہ بلال نے یہ مکان عمران سے ۱۰ رجب ۱۳۲۸ھ خرید لیا ہے تو یہ ہبہ قبول ہوگا کیونکہ یہاں پر مدعی کے دعوے اور گواہوں کی گواہی میں موافقت موجود ہے اس لئے کہ مدعی نے بھی ہبہ کا وقت پہلے بیان کیا ہے اور خریداری کا وقت اس کے بعد اور گواہوں نے بھی یہی گواہی دی ہے یعنی ہبہ کا وقت پہلے بیان کیا ہے اور خریداری کا وقت اس کے بعد بیان کیا ہے تو دعویٰ اور ہبہ میں موافقت موجود ہے لہذا دعویٰ مقبول اور ہبہ قبول ہوگا شارح فرماتے ہیں کہ مصنف کا قول،، تقبل وقبلہ لا،، دونوں صورتوں کی طرف راجع ہے یعنی یوں کہا ہو کہ پہلے تو اس نے مجھے ہبہ کر دیا اور پھر ہے سے انکار کر دیا تو اس کے بعد میں نے ان سے خرید لیا اور پایہ نہ کہا ہو کہ اس نے مجھ سے ہبہ کر دینے سے

انکار کیا اور پھر میں نے ان سے خرید لیا یہ نہ کہا ہوا اس صورت میں بھی جب گواہوں نے دعویٰ کے موافق گواہی دیدی تو گواہی قبول ہوگی۔

اس لئے کہ ہبہ کا دعویٰ کرنا اس بات کا اقرار ہے کہ شئی موہوب واہب کی ملکیت ہے اب جب بلال نے یہ دعویٰ کیا کہ عمران نے یہ گھر مجھے ہبہ کر دیا ہے ۱۰ رجب ۱۳۲۸ھ کو اور گواہ اس بات پر قائم کردئے کہ یہ گھر میں نے عمران سے خریدا ہے یکم رجب ۱۳۲۸ھ کو تو یہ گواہ قبول نہ ہوں گے کیونکہ دعویٰ میں تناقض ہے اس لئے کہ ۱۰ رجب کو ہبہ کا دعویٰ کرنا اس بات کا اقرار ہے کہ ہے کے وقت واہب اس مکان کا مالک تھا اور اس کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ میں یکم رجب کو یہ مکان عمران سے خریدا ہے اس بات کا اقرار ہے ۱۰ رجب کو عمران اس مکان کا مالک نہیں تھا اور یہ تو اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے تو اس صورت میں دعویٰ اور بینہ میں تناقض ہے اس لئے یہ بینہ قبول نہ ہوگا۔

لیکن اگر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ عمران نے یہ مکان مجھے ہبہ کر دیا تھا یکم رجب کو اور پھر یہ دعویٰ کیا کہ ۱۰ رجب کو میں نے اس سے یہ مکان خریدا ہے اور اس پر بینہ بھی پیش کردئے تو یہ بینہ قبول ہوگا کیونکہ اس میں تناقض نہیں ہے اس لئے کہ یہ دعویٰ کرنا کہ عمران نے یکم رجب کو مکان مجھے ہبہ کیا تھا اس صورت میں بھی عمران کی ملکیت کا دعویٰ کرنا ہے اور پھر یہ کہنا کہ میں نے ۱۰ رجب کو اس سے خریدا ہے تب بھی عمران کی ملکیت کا دعویٰ کرنا ہے اور جب دونوں دعووں میں عمران کی ملکیت کا اقرار ہے تو اس صورت میں دعویٰ اور بینہ میں تناقض نہیں ہے اس لئے کہ اگر ہبہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو دعویٰ کی ملکیت ثابت ہو جائے گی ہے کے ذریعے اور اگر بیع صحیح تسلیم کر لی جائے تو دعویٰ کی ملکیت ثابت ہو جائے گی شرا کے ذریعے تو اس صورت میں اس کا دعویٰ اور مضبوط ہو جائے گا اور اس میں تناقض نہ رہے گا۔

ومن ادعی ان زیدا اشتری جاریتہ فانکر وترک المدعی خصومتہ حل له وطیہا لانہ اذا تعدلر للبائع  
حصول الثمن من المشتري فإت رضاء البائع فیستبد بفسخه لاسیما اذا جحد المشتري فان جحدہ  
فسخ من جهته

ترجمہ: اور جس کسی نے دعویٰ کیا کہ زید نے اس کی باندی خریدی ہے اور زید نے انکار کیا اور مدعی نے بھی خصومت چھوڑ دی تو حلال ہے بائع کیلئے اس کے ساتھ واپس کرنا اس لئے کہ جب بائع کیلئے مشتری سے ثمن کا حصول معذر ہو گیا تو بائع کی رضامندی فوت ہوگئی تو وہ اس کے فسخ کرنے میں مستقل ہے خاص کر جب مشتری نے انکار کیا کیونکہ مشتری کا انکار کرنا فسخ ہے اس کی جانب سے۔



## تشریح: مشتری کا خریداری سے انکار کرنے کا حکم:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ عمران کے پاس ایک باندی ہے تو عمران نے زید پر دعویٰ کیا کہ تو نے یہ باندی مجھ سے خرید لی ہے اور زید نے اس سے انکار کر دیا کہ میں نے تو آپ سے باندی نہیں خریدی ہے اور بائع یعنی عمران نے بھی اس کے ساتھ خصومت چھوڑ دی تو بائع (عمران) کیلئے اس باندی کے ساتھ وطی کرنا حلال اور جائز ہے اس لئے کہ بائع کیلئے مشتری سے ثمن وصول کرنا محذور ہو گیا اور جس صورت میں بائع کیلئے مشتری سے ثمن وصول کرنا محذور ہو جائے تو اس صورت میں بائع ثن تہا عقد کو فسخ کر سکتا ہے کیونکہ جب بائع کیلئے مشتری سے ثمن سے وصول کرنا محذور ہو گیا تو بائع کی رضافوت ہو گئی اور بائع کی رضافوت ہونے سے چونکہ بیع کا رکن فوت ہو جاتا ہے اس لئے بائع کی رضامندی فوت ہونا موجب فسخ ہوگا اور جب بائع کی رضامندی فوت ہونا فسخ کو واجب کرتا ہے تو بائع اس عقد کو فسخ کرنے میں مستقل ہوگا جب بائع فسخ کرنے میں مستقل ہے تو نفس بائع کے فسخ کرنے سے بیع فسخ ہو جائے گی اور جب بیع فسخ ہو گئی تو بائع کیلئے باندی کے ساتھ وطی کرنا حلال ہے اور خاص طور پر جب مشتری نے انکار بھی کر دیا تو مشتری کی جانب سے انکار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مشتری نے اپنی جانب سے بیع فسخ کر دی ہے اور اب بائع کی طرف سے خصومت چھوڑنا اور اس کا پختہ عزم کرنا بائع کی جانب سے بھی بیع فسخ کرنا ہے گویا کہ جائین سے بیع فسخ ہو گئی اور جب جائین سے بیع فسخ ہو جاتی ہے تو بائع کیلئے بیع میں تصرف کا حق حاصل ہو جاتا ہے اسلئے بائع کیلئے باندی کی ساتھ وطی کرنا حلال ہے۔

و صدق المقر بقبض عشرة ای قال قبضت من فلان عشرة دراهم ان ادعى انها زيوف او نبهجة  
 لا من ادعى انها ستوقه ولا من اقر بقبض الجياد او حقه او الثمن او بالاستيفاء ای قال استوفيت منه  
 عشرة دراهم لان الاستيفاء يدل على الكمال والزيف ما يرد به بيت المال كالنبهجة للتجار والستوقه  
 ما غلب غشه الزيف والنبهجة من جنس الدراهم التي فضته غالبه على الغش الا انها بالنسبة الى  
 الجيد يكون فضتها اقل الا ان رداءه الزيف دون رداءه النبهجة فالزيف لا يرد به التجار ويجرى فيه  
 المعاملة الا ان بيت المال لا يقبله فان بيت المال لا يقبل الا ما هو جيد غاية الجودة والنبهجة يرد به التجار  
 والنبهجة الباطل والردى من الشىء الدرهم النبهرج قيل ما بطل سكته وقيل الذى فضته درية وقيل  
 الغالب الفضة وهو معرب بنهره وفى المغرب لم اجده بالنون والستوقه تريب سه تويه ای داخله نحاس  
 مطلى بالفضة .

ترجمہ: اور تصدیق کی جائے گی دس پر قبضہ کرنے والے کی یعنی کہا کہ میں نے فلاں سے دس دراہم قبضہ کئے ہیں اگر دعویٰ کیا کہ وہ کھوٹے ہیں یا نہہرہ ہیں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی جس نے دعویٰ کیا کہ وہ ستوقہ ہیں اور نہ اس کی جس نے اقرار کیا جید پر قبضہ کرنے کا یا اپنے حق پر قبضہ کرنے کا یا ثمن پر قبضہ کرنے کا یا پورے پر قبضہ کرنا کا یعنی کہا کہ میں نے اس سے دس دراہم وصول کر لئے ہیں کیونکہ استیفاء دلالت کرتا ہے کمال پر اور زلیف وہ ہے جس کو بیت المال رد کرے جیسے کہ نہہرہ تاجر رد کرتے ہیں اور ستوقہ وہ ہے جس پر کھوٹ غالب ہو زلیف اور نہہرہ ان دراہم کی جنس میں سے ہیں جس میں چاندی غالب ہو کھوٹ پر ہاں جید کے اعتبار سے ان دونوں کی چاندی کم ہوتی ہے البتہ زلیف کی رداثت نہہرہ کی رداثت سے کم ہوتی ہے زلیف کو تاجر لوگ رد نہیں کرتے اور اس میں معاملات بھی جاری ہوتے ہیں البتہ بیت المال اس کو قبول نہیں کرتا اس لئے کہ بیت المال قبول نہیں کرتا مگر وہ جو کھرا ہوا تھا درجے کھرا اور نہہرہ کو تاجر لوگ بھی رد کرتے ہیں نہہرہ باطل اور ردی چیز کو کہتے ہیں اور دراہم نہہرہ وہ ہے جس کا سکہ باطل ہو اور کہا گیا ہے کہ وہ ہے کہ جس کی چاندی ردی ہو اور کہا گیا ہے کہ وہ ہے کہ جس پر چاندی غالب ہو اور یہ معرب ہے نہہرہ کا اور مغرب میں ہے کہ میں نے نون کے ساتھ نہیں پایا اور ستوقہ معرب ہے نہ تو یہ سے جس کا اندورنی حصہ تانے کا ہو اور اوپر چاندی کا پانی چڑھا گیا ہو۔

**تشریح:** دراہم پر قبضہ کرنے کے بعد اس میں عیب کا دعویٰ کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ عمران کے خالد پر دس دراہم بطور دین واجب ہیں خالد نے عمران کو وہ دس دراہم ادا کر دئے اور عمران نے اقرار کر لیا کہ میں نے خالد سے دس دراہم وصول کر لئے ہیں لیکن اس کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ وہ دس دراہم تو کھوٹے ہیں یا نہہرہ ہیں یعنی تاجر لوگ اس کو قبول نہیں کرتے تو اس صورت میں مدعی (عمران) کی تصدیق کی جائے گی یعنی مقرر کا قول مع البسین معتبر ہوگا۔ لیکن اگر عمران نے یہ کہا ہو کہ میں نے خالد سے دس دراہم لئے ہیں لیکن وہ ستوقہ ہیں یا یوں کہا ہو کہ قبضت الجیاد میں نے جید دراہم پر قبضہ کیا ہے یا یوں کہا کہ میں نے اپنے حق پر قبضہ کیا ہے یا میں نے اپنا ثمن وصول کیا ہے یا کہے کہ استوفیئت میں نے پورا پورا وصول کر لیا ہے تو ان پانچوں صورتوں میں اس کے بعد مقرر کا یہ کہنا کہ وہ کھوٹے ہیں قبول نہ ہوگا۔

**وجہ:** وجہ اس کی یہ ہے کہ زیوف اور نہہرہ دراہم کی جنس سے ہیں یعنی زیوف اور نہہرہ بھی دراہم ہیں لیکن اس میں تھوڑا سا غش ہوتا ہے اور جیاد میں غش نہیں ہوتا لہذا زیوف اور نہہرہ بھی دراہم ہیں پس جب اس نے قبضہ کرنے کے بعد یہ کہا کہ وہ زیوف یا نہہرہ ہیں تو گویا اس نے اپنے حق پر قبضہ کرنے سے انکار کیا جب اپنے حق پر قبضے سے انکار کیا تو مقرر کا قول مع البسین معتبر ہوتا ہے لہذا اس صورت میں مقرر کا قول صحیح ہوگا اور زیوف یا نہہرہ کو واپس کر کے مدیون سے جیاد دراہم لئے جائیں گے۔

لیکن اگر دراہم پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے یہ کہا کہ وہ ستوقہ ہیں تو اس کا قول معتبر نہ ہوگا کیونکہ جب اس نے پہلے کہا کہ میں نے دراہم پر قبضہ کر لیا ہے تو یہ اس بات کی صراحت ہے کہ اس نے دراہم پر قبضہ کر لیا ہے اور پھر جب کہتا ہے کہ وہ ستوقہ ہیں تو اس بات کا دعویٰ ہے کہ میں نے دراہم پر قبضہ نہیں کیا ہے پہلے کہا کہ قبضہ کیا ہے اور اب کہتا ہے کہ قبضہ نہیں کیا اور یہ صریح تناقض ہے دعویٰ میں اور جب دعویٰ میں ایسا تناقض ہو جس میں تطبیق دینا ممکن نہ ہو تو وہ دعویٰ قبول نہیں ہوتا اس لئے اس صورت میں مدعی کا دوسرا دعویٰ قبول نہ ہوگا اور یوں کہا جائے گا کہ اس نے دراہم پر قبضہ کر لیا ہے۔

اسی طرح جب اس نے کہا کہ میں نے دس دراہم جید پر قبضہ کر لیا ہے یا میں نے اپنا حق وصول کر لیا ہے یا میں نے پورا پورا وصول کر لیا ہے تو ان صورتوں میں بھی اس کے بعد اس کا یہ دعویٰ کرنا کہ وہ تو زیوف ہیں معتبر نہ ہوگا اس نے یا تو صراحت یا دلالت دراہم و جیاد پر قبضہ کا اقرار کر چکا ہے جید کی صورت میں تو اقرار صراحت ہے اور اپنے حق۔ ثمن کی صورت میں جید کا اقرار دلالت ہے کیونکہ اس کا حق جیاد میں تھا اور ثمن بھی جیاد میں سے تھا تو اس کا اقرار ضمناً جیاد کا اقرار ہے اور ایک مرتبہ اقرار کرنے کے بعد پھر زیوف کا دعویٰ کرنا تناقض فی الدعویٰ ہے اور دعویٰ میں تناقض سے دعویٰ باطل ہوتا ہے۔

اسی طرح جب اس نے کہا کہ استوفیت تو اس صورت میں بھی دراہم جیاد پر قبضہ کا دعویٰ ہے کیونکہ استیفاء کے معنی ہیں پورا پورا وصول کرنا اور پورا وصول کرنا اس وقت ہوگا جبکہ وصف کی رعایت بھی ملحوظ ہو اور دراہم میں چونکہ وصف جودت ملحوظ تھی اس لئے استوفیت کہنا اس بات کا اقرار ہے کہ میں نے اپنا دین وصف جودت کے ساتھ وصول کیا ہے اور اس کے بعد زیوف کا دعویٰ کرنا تناقض فی الدعویٰ ہے اور دعویٰ میں تناقض سے دعویٰ باطل ہو جاتا ہے اس لئے یہ دعویٰ ثانیہ معتبر نہ ہوگا اور دعویٰ اولیٰ یعنی دراہم پر قبضہ کرنا باقی رکھا جائے گا۔

دراہم زیوف۔ نہبرجہ اور ستوقہ کی تعریف: چنانچہ فرماتے ہیں کہ زیوف اور نہبرجہ دونوں دراہم کی جنس سے ہیں دراہم جیاد کی نسبت سے اس کی چاندی کم ہوتی ہے تو دراہم زیوف وہ ہیں کہ جس کو بیت المال رد کرے لیکن تاجر لوگ اس کو اپنے معاملات میں استعمال کرتے ہیں اور نہبرجہ وہ دراہم ہیں جس کو تاجر بھی استعمال نہیں کرتے لیکن ہوتے دراہم ہیں یعنی نہبرجہ ردی ہونے میں زیوف سے بھی زیادہ ردی ہیں۔

فرماتے ہیں کہ نہبرجہ باطل اور ردی چیز کو کہا جاتا ہے۔

دراہم نہبرجہ کس دراہم کو کہتے ہیں تو بعض نے کہا ہے کہ دراہم نہبرجہ وہ ہے کہ جس کا سکہ باطل ہو اور بعض نے کہا ہے کہ جس کی چاندی ردی ہو اور بعض نے کہا ہے کہ جس میں چاندی غالب ہو اور غش مغلوب ہو لیکن پھر غش بہت زیادہ ہے اور

مغرب نامی لغت کی کتاب میں ہے کہ یہ نہرج نہیں ہے بلکہ نہرج ہے یعنی بانون پر مقدم ہے اور یہ لفظ معرب ہے یعنی اصل میں عجمی لفظ ہے جس کو عربی بنایا گیا ہے۔

اور ستوقہ معرب ہے ستوقیہ سے یہ بھی عجمی لفظ ہے ستوقہ یا تو وہ درراہم ہیں جس میں کھوٹ غالب ہو اور چاندی مغلوب ہو اور یا وہ درراہم ہی نہیں ہے بلکہ اصل میں تانبہ ہے جس پر چاندی کا پانی چڑھا گیا ہو۔

وقوله ليس لي عليك شيء للمقر بالالف يطل اقراره وبل لي عليك الالف بعده بلا حجة لغو

فان قال المدعى عليه عقيب دعوى مال ما كان لك على شيء قط فاقام المدعى البينة على الف

وهو على القضاء او البراء قبلت هذه خلافا لفرلان القضاء يقتضى سبق حق وكذا البراء وقد قال ما كان لك على شيء قب فلا يصدق فى دعوى القضاء والبراء قلنا القضاء قد يكون بلا حق وكذا البراء فان المدعى قديرا عن حق ثابت فى زعمه وان لم يكن ثابتا فى الحقيقة .

ترجمہ: اور مقرر لہ کا یہ کہنا کہ میرا آپ کے اوپر کچھ نہیں ہزار کے اقرار کرنے والے کو باطل کرتا ہے اس کا اقرار بلکہ میرا آپ کے اوپر ہزار ہے اس کے بعد حجت کے بغیر لغو ہے پس اگر مدعی علیہ نے کہا مال کے دعویٰ کے بعد کہ آپ کی میرے اوپر کوئی چیز نہیں تھی کبھی بھی تو مدعی نے گواہ قائم کر دئے ہزار روپے پر اور مدعی علیہ نے ادا کرنے پر یا بری کرنے پر تو یہ بینہ قبول ہوگا بخلاف امام زفر کے کیونکہ ادا کرنا تقاضا کرتا ہے اس بات کا کہ پہلے حق تھا اور اسی طرح ابراء بھی اور حالانکہ وہ کہہ چکا ہے کہ آپ کی میرے اوپر کوئی چیز کبھی بھی نہیں تھی تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی ادا کرنے پر یا بری کرنے کے دعویٰ میں ہم کہتے ہیں کہ ادا کرنا کبھی بغیر حق کے بھی ہوتا ہے اسی طرح بری کرنا بھی پس بیشک مدعی کبھی برائت کا اظہار کرتا ہے اس حق سے جو ثابت ہو اس کے گمان میں اگرچہ حقیقت میں ثابت نہ ہو۔

تشریح: اقرار رد کرنے کے بعد پھر اقرار کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے خالد کے سامنے اس بات کا اقرار کیا کہ آپ کا میرے اوپر ایک ہزار روپے کا قرضہ ہے اور خالد نے اس سے انکار کیا کہ میرا تو آپ پر کچھ واجب نہیں ہے یعنی خالد نے زید کا اقرار رد کیا اور اس کے بعد خالد نے زید پر دعویٰ کیا کہ میرے آپ کے اوپر ہزار روپے ہیں تو اس صورت میں خالد کا یہ دعویٰ معتبر نہ ہوگا اس لئے کہ جب ایک دفعہ مقرر نے مقرر کا اقرار رد کر دیا تو رد ہو گیا کیونکہ اقرار صرف مقرر کے رد کرنے سے رد ہو جاتا ہے اور اس کے بعد مقرر لہ کا یہ کہنا کہ میرے آپ کے اوپر ہزار روپے ہیں یہ ایک الگ دعویٰ ہے جس پر۔

یا تو بینہ پیش کرنے کی ضرورت ہے اور یا مقرر کی طرف سے تصدیق کی ضرورت ہے پس جب نہ مقرر نے بینہ پیش کیا ہے اور نہ ہی مقرر نے اس کی تصدیق کی ہے تو اس صورت میں مقرر کی تصدیق نہ کی جائے گی اور اس کے رد کرنے سے اقرار ہو جائے گا اور اگر خالد (مدعی) نے زید (مدعی علیہ) سے کہا، لی علیک الف،، کہ میرے آپ کے اوپر ایک ہزار روپے ہیں اور مدعی علیہ نے مدعی کے دعویٰ کے بعد کہا کہ،، ماکان لک علی شیء قط،، یعنی آپ کا میرے اوپر کبھی کچھ نہیں تھا یعنی مدعی علیہ نے علی سبیل الاستغراق زمانہ ماضی میں مال واجب ہونے کی نفی کی اس کے بعد مدعی نے اپنے دعوے پر بینہ پیش کیا کہ میرے آپ کے اوپر ہزار روپے ہیں اور مدعی علیہ نے بھی گواہ پیش کر دئے کہ میں نے تو آپ کو ایک ہزار روپے ادا کر دئے ہیں یا اس بات پر بینہ پیش کر دیا کہ آپ نے مجھ کو ہزار روپے سے بری کر دیا ہے تو مدعی علیہ کا قضاء یا ابراء پر بینہ پیش کرنا مقبول ہوگا۔

امام زفر کے نزدیک مدعی علیہ کا قضاء یا ابراء پر بینہ پیش کرنا قبول نہ ہوگا کیونکہ قضاء یا ابراء اس بات کی علامت ہے کہ مدعی علیہ وجوب مال کا اقرار کرتا ہے حالانکہ وہ اس سے پہلے وجوب مال کا انکار کر چکا ہے پس یہ تو دعویٰ میں تناقض ہو گیا اور دعویٰ میں تناقض سے دعویٰ فاسد ہو جاتا ہے اور جب دعویٰ فاسد ہو گیا تو اس پر بینہ بھی قبول نہ ہوگا جب مدعی علیہ کا دعویٰ باطل ہو گیا تو مدعی کا بینہ قبول ہوگا قضاء یا ابراء کے بارے میں اور مدعی علیہ پر ایک ہزار روپے واجب ہوں گے۔

قلنا القضاء قد یكون : ہماری دلیل یہ ہے کہ مدعی علیہ کے وجوب مال اور ادائے مال یا ابراء میں توفیق ممکن ہے اس لئے تناقض نہیں رہے گا اور توفیق اس طرح ممکن ہے کہ کبھی کبھار جھگڑا ختم کرنے کیلئے ناحق مال کو بھی ادا کر دیا جاتا ہے اور اس سے برائت حاصل کر لی جاتی ہے یعنی ادائیگی جس طرح بجا اور حق طریقہ پر ہوتی ہے اسی طرح طرح بے جا اور ناحق طریقے پر بھی ہوتی ہے پس مدعی علیہ کا یہ کہنا کہ آپ کا میرے اوپر کچھ نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حق طور پر آپ کا میرے اوپر کچھ نہیں ہے اور جو میں نے ادا کیا ہے وہ تو جھگڑا ختم کرنے کیلئے ناحق طور پر تھا اور ابراء (بری کرنا) مدعی کے گمان میں اس حق سے ہے جو اس کے گمان میں ثابت ہے اور حقیقت میں اگرچہ ثابت نہیں ہے پس جب دونوں دعویٰ میں توفیق ممکن ہے تو تناقض نہیں رہا اور جب تناقض نہیں ہے تو مدعی علیہ کا یہ دعویٰ کرنا کہ میں نے ادا کر دیا ہے یا آپ نے مجھے بری کر دیا ہے تو یہ دعویٰ قبول ہوگا اور اس پر بینہ بھی قبول ہوگا۔

وان زاد علی انکاره ولا اعرفک ردت ای قال ماکان لک علی شیء قط ولا اعرفک ثم اقام بینہ  
علی القضاء او البراء لا تقبل لتعذر التوفیق لانه لا یكون بین الاثنین اخذ واعطاء ومعامله وبراء بدون  
المعرفة و ذکر القدوری انه تقبل ایضاً لان المحتجب او المخدرة قد یامر بعض وکلاته بارضائه ولا یعرفه

ثم يعرفه بعد ذلك فامكن التوفيق واعلم ان امكان التوفيق هل يكفى فى دفع التناقض او لا بد من ان يصرح بالتوفيق اختلف فيه المشايخ وجه الاول ان مع امكان التوفيق لا يتحقق التناقض فيحمل عليه صيانة لدعواه عن البطلان وجه الثانى انه لا بد للدعوى منالصحة يقيناً فامكان الصحة لا يبطل حق المدعى عليه اذا عرفت هذا فاقول فى كل صورة يقع الشك فى صحة الدعوى لانقول ان امكان الصحة كاف كما اذا ادعى الهبة فسلل بينته فلم يقدر فادعى الشراء فاقام بينة على الشراء من غير ان يبين ان الشراء قبل وقت الهبة او بعده لا تقبل البينة لانه يحتمل ان يكون الشراء قبل وقت الهبة وعلى هذا التقدير لا يصح دعوى الشراء على مامر ويحتمل ان يكون الشراء بعد وقت الهبة وعلى هذا التقدير يصح دعوى الشراء كما ممر فاذا وقع الشك فى صحة الدعوى لا تصححه بالشك لان غاية ما فى الباب ان شرائه كان متحققا قبل وقت الهبة فيكون معنى دعوى الهبة انى كنت اشتريتها منه لكن ارفع ذلك العقد ثم صار ملكا له ثم وهب منى فلا بد من اقامة البينة على الهبة فاذا لم يكن له بينة لا يصح دعواه ولا يبطل حق المدعى عليه بالشك وفى كل صورة لا يكون الشك فى صحة دعواه حتى يلزم ابطال حق المدعى عليه بالشك بقول امكان التوفيق كاف كما اذا اقام البينة على القضاء او البراء بعد انكاره المدعى به واقامة المدعى البينه عليه او اقام البينة على الشراء بعد وقت الهبة تقبل فاحفظ هذه الضابطة فانه كثير النفع لم اعلم ان التناقض انما يمنع صحة الدعوى اذا كان الكلام الاول قد ثبت لشخص معين حقا حتى اذا لم يكن كذلك لا يمنع صحة الدعوى كما اذا قال لاحق لى على احد من اهل سمرقند ثم ادعى شيئا على واحد من اهل سمرقند يصح دعواه

ترجمہ: اور اگر اس نے اضافہ کیا ہے انکار پر کہ میں تو آپ کو پہچانتا نہیں ہوں تو رد ہوگا یعنی کہا کہ آپ کی میرے اوپر کوئی چیز واجب نہیں ہے اور میں تو آپ کو پہچانتا بھی نہیں ہوں اور پھر بینہ قائم کر دیا ادا کرنے پر یا بری کرنے پر تو یہ بینہ قبول نہ ہوں گے توفیق کے معذور ہونے کی وجہ سے کیونکہ دو آدمیوں کے درمیان لین دین معاملہ اور ابراء نہیں ہوتا پہچان کے بغیر اور امام قدوری نے ذکر کیا ہے کہ بینہ اس میں بھی قبول ہوگا کیونکہ لوگوں سے غائب آدمی اور باپردہ خاتون کبھی اپنے بعض دیکھوں کو حکم کرتے ہیں مدعی کو راضی کرنے کا اور ان کو پہچانتے نہیں ہے اور پھر اس کے بعد پہچان لیتے ہیں تو توفیق ممکن ہے جان لو کہ امکان توفیق کافی ہے تناقض دفع کرنے کیلئے یا صراحتہ توفیق ضروری ہے اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اول کی وجہ یہ ہے کہ امکان

توفیق کے ساتھ تاقض متحقق نہیں ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا اس کے دعوے کو بطلان سے بچانے کیلئے اور ثانی کی وجہ یہ ہے کہ دعویٰ کیلئے صحیح ہونا ضروری ہے یعنی طور پر تو امکان صحت کے ساتھ مدعی علیہ کا حق باطل نہیں ہوتا جب آپ نے یہ پہچان لیا تو میں کہتا ہوں کہ جس صورت میں شک واقع ہوتا ہے دعویٰ کی صحت میں تو ہم نہیں کہتے کہ امکان صحت کافی ہے جیسے کہ جب اس نے بہہ کا دعویٰ کیا تو اس سے گواہ طلب کر لئے گئے تو گواہ پیش کرنے پر قادر نہ ہوا تو اس نے خریداری کا دعویٰ کیا اور خریداری پر گواہ بھی پیش کر دیا اس بات کو بیان کئے بغیر کہ خریداری بہہ کے وقت سے پہلے ہوئی ہے یا بعد میں تو بینہ قبول نہ ہوگا کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ خریداری بہہ کے وقت سے پہلے ہو اور اس تقدیر پر خریداری کا دعویٰ صحیح نہیں ہے جیسے کہ گزر گیا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ خریداری بہہ کے وقت کے بعد ہو اور اس تقدیر پر خریداری کا دعویٰ صحیح ہے جیسے کہ گزر گیا پس جب شک واقع ہو گیا دعویٰ کی صحت میں تو صحیح نہیں قرار دیتے دعوے کو شک کی وجہ سے اس لئے کہ زیادہ سے زیادہ یہ بات ہو جائے گی کہ اس کی خریداری متحقق ہے بہہ کے وقت سے پہلے تو بہہ کے دعویٰ کے معنی یہ ہوں گے کہ میں نے اس سے خرید لیا تھا لیکن یہ عقد ختم ہو گیا اور وہ چیز پھر اس کی ملکیت میں چلی گئی اور اس نے وہ چیز مجھے بہہ کر دی تو ضروری ہے کہ بہہ پر بینہ پیش کرے پس جب نہیں ہے اس کے پاس بینہ تو اس کا دعویٰ صحیح نہیں ہے اور مدعی علیہ کا حق شک کی وجہ سے باطل نہ ہوگا تو ہم کہتے ہیں کہ امکان توفیق کافی ہے جیسے کہ وہ بینہ قائم کرے ادائیگی یا بری کرنے پر مدعی بہہ پر انکار کرنے کے بعد اور مدعی کے اس پر گواہ قائم کرنے کے بعد یا اس نے گواہ قائم کر دئے ثراء پر بہہ کے وقت کے بعد تو قبول ہوگا اس ضابطے کو یاد کرو اس لئے کہ اس میں نفع زیادہ ہے اور پھر جان لو کہ تاقض اس وقت صحت دعویٰ کیلئے مانع ہے کہ کلام اول کسی معین شخص کیلئے حق ثابت کرتا ہے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر صحت دعویٰ کیلئے مانع نہیں ہے جیسے کہ کہا کہ میرا کوئی حق نہیں ہے اہل سمرقند میں کسی پر اور پھر کسی چیز کا دعویٰ کیا اہل سمرقند میں سے کسی ایک پر تو دعویٰ صحیح ہے۔

تشریح: میں تو آپ کو جانتا نہیں:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ سابقہ مسئلے میں جب مدعی (خالد) نے مدعی علیہ (زید) پر ایک ہزار روپے کا دعویٰ کیا اور زید نے انکار کیا کہ میرے اوپر آپ کا کچھ واجب نہیں ہے اور مزید اس پر یہ اضافہ کیا کہ میں تو آپ کو پہچانتا نہیں ہوں تو مدعی (خالد) نے مدعی علیہ (زید) کے خلاف بینہ پیش کر دیا اس بات پر کہ زید پر مدعی کے ہزار روپے ہیں پس اس کے بعد مدعی علیہ (زید) نے بھی اس بات پر گواہ قائم کر دئے کہ میں وہ ہزار روپے ادا کر چکا ہوں یا مدعی نے مجھ کو اس سے بری کر دیا ہے تو مدعی علیہ کا یہ بینہ قبول نہ ہوگا کیونکہ مدعی علیہ کے دونوں دعوؤں میں ایسا تاقض ہے جو رفع ہونے والا نہیں ہے اور اس میں توفیق دینا ممکن نہیں ہے اس

لئے کہ جب مدعی علیہ نے دین ادا کیا ہوگا تو مدعی نے اس کو قبول کیا ہوگا یعنی مدعی علیہ کی طرف دینا اور مدعی کی طرف سے قبول کرنا پایا گیا اور جب دونوں کے درمیان ایسا معاملہ ہو گیا تو ضرور دونوں کے درمیان معرفت اور پہچان ہوگی کیونکہ دو آدمیوں کے درمیان لین دین ادائیگی اور وصول، یا بی معرفت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی پس مدعی علیہ کا یہ کہنا کہ لا اعرفک اور اس کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ میں تو ادا کر چکا ہوں یا آپ نے مجھے بری کر دیا ہے یہ صریح تناقض ہے دعویٰ میں اور دعویٰ تناقض سے باطل ہو جاتا ہے پس جب مدعی کا علیہ دعویٰ باطل ہو گیا تو مدعی (خالد) کا دعویٰ صحیح ہوگا اور مدعی علیہ پر ایک ہزار روپے کا ادا کرنا لازم ہوگا۔

**ذکر القدوری:** حضرت امام قدوریؒ نے فرمایا ہے کہ اس صورت میں مدعی علیہ کا بیعہ قبول کر لیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں بھی توفیق دینا ممکن ہے اس طور پر کہ مدعی علیہ ایک ایسا مجتہد شخص ہو یعنی ایسا شخص ہو جس کو اس کی عزیمت کی وجہ سے لوگ دیکھ نہیں پاتے اور وہ خود بھی لوگوں سے اختلاف نہیں کرتا یا مدعی علیہ ایک پردہ نشین عورت ہو اب مدعی ہر روز مدعی علیہ کے دروازے پر آتا ہے اور شور مچاتا ہے اور اپنے دین کا تقاضا کرتا ہے اس بے ہودہ حرکت سے شریف صاحب خانہ کو اذیت کا پہنچنا ایک لاجب امر ہے پس مدعی علیہ نے اس مصیبت سے نجات پانے کیلئے اپنے کسی وکیل کو حکم دیا کہ وہ اس کو مال دیکر خوش کر دے اور دروازے سے ہٹا دے حالانکہ مدعی علیہ پر حقیقتہً کچھ واجب نہیں تھا اور مدعی علیہ اس کو پہچانتا نہیں تھا پھر جب مدعی نے دعویٰ کیا اور کہا کہ میں تو وہی شور کرنے والا ہوں تو اب پہچان لیا اس تقریر کے بعد یہ بات ممکن ہے کہ مدعی علیہ پہلے یہ کہہ دے کہ تیرا میرے اوپر کوئی حق نہیں میں تو آپ کو جانتا بھی نہیں اور اس کے بعد ادا کرنے کا دعویٰ کرے کیونکہ یہ دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں پس توفیق دینا ممکن ہے جب توفیق دینا ممکن ہے تو دعویٰ میں تناقض نہیں رہا جب تناقض نہ رہا تو مدعی علیہ کا دعویٰ ادائیگی بھی باطل نہ ہوگا۔

واعلم: جان لو کہ جب دو دعویٰ کے درمیان تناقض ہو تو اب اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) یہ کہ یہ صراحت کی گئی ہو کہ یہ تناقض میں توفیق اور تطبیق دینا بالکل ممکن ہو۔

(۲) دونوں دعویٰ کے درمیان توفیق کی صراحت کی گئی ہو یعنی اگرچہ ظاہر اتنا قاض ہے لیکن حقیقت میں تناقض نہیں ہے اس لئے کہ توفیق دینا ممکن ہے اور توفیق دی گئی ہے۔

(۳) توفیق قبول تو کرتا ہے لیکن اس میں توفیق کی صراحت نہ کی گئی ہو بلکہ صرف توفیق دینے کا امکان اور احتمال موجود ہو۔

پہلی صورت میں تو تناقض صحت دعویٰ کیلئے مانع ہے بالاتفاق اور دوسری صورت صحت دعویٰ کیلئے مانع نہیں ہے بالاتفاق اور



تیسری صورت میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

چنانچہ بعض مشائخ کے نزدیک دفع تاقض کیلئے امکان توفیق کافی ہے اور بعض مشائخ کے نزدیک دفع تاقض کیلئے امکان توفیق کافی نہیں ہے بلکہ توفیق کی صراحت ضروری ہے۔

وجہ الاول: جن حضرات کے نزدیک امکان توفیق کافی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جب امکان توفیق موجود ہے اور امکان تاقض بھی موجود ہے تو امکان توفیق اور امکان تاقض دونوں درجے اور مرتبے میں برابر ہو گئے اب نہ امکان توفیق کو امکان تاقض پر ترجیح دی جاسکتی ہے اور نہ امکان تاقض کو امکان توفیق پر ترجیح دی جاسکتی ہے بلکہ ایک جانب کو دوسری جانب پر ترجیح دینے کیلئے کسی قرینہ مرتجہ کی ضرورت ہے اور قرینہ مرتجہ امکان توفیق کو ترجیح دیتا ہے اس لئے کہ امکان توفیق میں ایک عاقل بالغ آدمی کے کلام کو لغو اور باطل سے بچانے پر محمول کرنا ہے لہذا امکان توفیق کی صورت میں اس کے دعوے کو بطلان سے بچا دیا گیا اس لئے امکان توفیق کے ساتھ تاقض متحقق نہ ہوگا۔

وجہ الثانی: اور جن حضرات کے نزدیک بطلان دعویٰ کیلئے کہ امکان توفیق کافی نہیں ہے بلکہ صراحت توفیق ضروری ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ دعویٰ سننے اور قابل قبول ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ دعویٰ صحیح ہو یقینی طور پر اور دعویٰ اس وقت صحیح ہوتا ہے جبکہ دعویٰ میں تاقض نہ ہو جب دعویٰ کے اندر تاقض موجود ہو تو دعویٰ صحیح نہیں ہے بلکہ اس میں صحیح ہونے کا احتمال موجود ہے اور باطل ہونے کا بھی احتمال موجود ہے پس نفس امکان صحت کی وجہ سے مدعی علیہ کا حق باطل نہ ہوگا۔

اذا عرفت هذا: مشائخ فرماتے ہیں کہ جب یہ دونوں باتیں تمہارے سامنے آگئیں تو میں ان دونوں کی روشنی میں ایک حاکم کرنا چاہتا ہوں۔

وہ یہ کہ جس صورت کے اندر شک صحت دعویٰ میں واقع ہو تو اس صورت میں امکان صحت دفع تاقض کیلئے کافی نہیں ہے مثلاً خالد (مدعی) نے زید (مدعی علیہ) پر یہ دعویٰ کیا کہ زید نے یہ گھر مجھے بہہ کیا ہے تو مدعی سے پوچھا گیا کہ گواہ پیش کر دو تو وہ گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو گیا اور پھر اس نے دعویٰ کیا شراعا کہ یہ گھر میں نے زید (مدعی علیہ) سے خریدا ہے اور خریداری پر خالد (مدعی) نے گواہ پیش کر دئے گواہوں نے یہ گواہی تو دی کہ خالد نے زید سے گھر خریدا ہے لیکن گواہوں نے وقت بیان نہ کیا کہ خریداری بہہ کے وقت سے پہلے تھی یا بعد میں تو اس صورت میں یہ بینہ قبول نہ ہوگا اس لئے کہ اس میں دو احتمال ہیں۔

(۱) یہ کہ خریداری پہلے واقع ہوئی ہے اور اس کے بعد بہہ کا دعویٰ کیا گیا ہے تو اس تقدیر پر شراعا دعویٰ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ تو صریح تاقض ہے کیونکہ پہلے شراعا ثابت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ گھر مشتری کی ملکیت میں ہے بہہ کے وقت یعنی بہہ کے

وقت واہب کی ملکیت نہیں ہے اور اس کے بعد ہبہ کا دعویٰ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ گھر ہبہ کے وقت واہب کی ملکیت ہے اور یہ صریح تناقض ہے اور جب دعویٰ میں تناقض ہو تو دعویٰ قبول نہیں ہوتا اور جب دعویٰ قبول نہیں تو اس پر بینہ کا ترتب بھی نہیں ہوگا اس لئے بینہ قبول نہ ہوگا۔

(۲) اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ ثراء کا دعویٰ ہبہ کے وقت کے بعد ہو یعنی پہلے یہ دعویٰ کیا کہ زید نے یہ گھر مجھے ہبہ کیا ہے اور اس کے بعد دعویٰ کیا کہ میں نے یہ گھر زید سے خریدا ہے تو اس تقدیر پر ثراء کا دعویٰ صحیح ہے اس لئے کہ دونوں دعویوں میں توفیق دینا ممکن ہے کہ پہلے زید نے ہبہ کیا تھا لیکن پھر اس نے ہبہ سے انکار کیا اور خالد کے پاس ہبہ پر بینہ نہیں تھے تو خالد نے زید سے یہ گھر خریدا لیا اور اس کے بعد ثراء کا دعویٰ کیا اور ثراء پر بینہ موجود ہے تو چونکہ توفیق دینا ممکن ہے اس لئے یہ بینہ قبول ہوگا اور توفیق دینا اس لئے ممکن ہے کہ جب اس نے پہلے دعویٰ کیا کہ زید نے یہ گھر مجھے ہبہ کیا ہے تو اس بات کا اقرار ہے کہ زید گھر کا مالک ہے اور اس کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ میں نے زید سے خریدا ہے تو یہ بھی اس بات کا اقرار ہے کہ ثراء کے وقت زید گھر کا مالک تھا تو دعویٰ میں تناقض نہیں ہے اس لئے بینہ قبول ہونا چاہئے پس جب شک صحت دعویٰ میں واقع ہوا (ایک توجیہ کے موافق دعویٰ صحیح ہے اور دوسری توجیہ کے موافق دعویٰ صحیح نہیں ہے) تو شک کی صورت میں ہم دعویٰ کو صحیح تسلیم نہیں کر سکتے اس لئے کہ جب شک صحت دعویٰ میں ہو تو بینہ قبول نہ ہوگا۔

غایۃ مافی الباب: یہ ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ پہلی صورت میں جب ثراء کا دعویٰ مقدم ہو ہبہ کے عوے پر اور مدعی نے ثراء پر بینہ پیش کر دیا اور اس وقت کے بعد ہبہ کا دعویٰ کیا تو اس صورت میں یہ دعویٰ ثراء باطل نہ ہونا چاہئے اس لئے یہ بات تو یقینی ہے کہ ثراء پر بینہ موجود ہے اور دعوے ہبہ پر بینہ موجود نہیں ہے تو ثراء کا دعویٰ یقینی ہو گیا پس جب ثراء کا دعویٰ یقینی ہے تو اس پر بینہ کا ترتب ہونا چاہئے اور دعویٰ ثراء تسلیم کرنا چاہئے اور اس پر بینہ بھی قبول کرنا چاہئے کیونکہ دعویٰ ثراء تو یقینی ہے۔

جواب: شارح نے اس کا جواب دیدیا کہ جب ثراء کا دعویٰ مقدم ہو اور ہبہ کا دعویٰ مؤخر ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ مدعی (خالد) نے پہلے یہ گھر مدعی علیہ (زید) سے خریدا تھا اور پھر کسی وجہ سے یہ خریداری ختم ہو گئی اور گھر پھر مدعی علیہ (زید) کی ملکیت میں چلا گیا اور اس کے بعد زید نے پھر یہ گھر مجھے ہبہ کر دیا تو مدعی کا یہ کہنا کہ زید نے یہ گھر مجھے ہبہ کر دیا ہے یہ ایک مستقل دعویٰ ہے اس پر بینہ پیش کرنا چاہئے کیونکہ دعویٰ بلا بینہ قبول نہیں ہوتا اور جب مدعی کے پاس بینہ نہیں ہے ہبہ پر تو مدعی کا دعویٰ ہبہ صحیح نہ ہوگا پس جب اس کا دعویٰ صحیح نہیں ہے تو بینہ بھی قبول نہ ہوگا اور مدعی علیہ (زید) کا حق شک کی وجہ سے باطل نہ ہوگا۔

اور جس صورت کے اندر شک صحت دعویٰ میں نہ ہو حتیٰ کہ لازم آئے مدعی علیہ کے حق کا باطل ہونا شک کی وجہ سے تو ہم کہتے ہیں

کہ امکان توفیق کافی ہے تناقض دفع کرنے کیلئے۔ مثلاً خالد نے زید پر دعویٰ کیا کہ آپ کے اوپر میرا ہزار روپے کا قرضہ ہے اور زید (مدعی علیہ) نے انکار کیا کہ میرے اوپر آپ کا قرضہ بالکل نہیں ہے تو خالد (مدعی) نے اس بات پر بینہ پیش کئے کہ میرا آپ پر ہزار روپے کا قرضہ ہے اور مدعی علیہ (زید) نے بھی اس بات پر بینہ پیش کیا کہ میں تو ہزار روپے آپ کو ادا کر چکا ہوں یا آپ نے مجھ کو اس سے بری کر دیا ہے تو اس صورت میں تناقض صحت دعویٰ میں نہیں ہے کیونکہ اس کا دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے اس لئے کہ جب مدعی نے دعویٰ کیا ہزار روپے کا اور مدعی علیہ کو یقین ہے کہ میرے اوپر کچھ بھی واجب نہیں ہے لیکن پھر اس نے کچھ دید یا بطور صلح یا یوں کہا کہ میرے اوپر حقیقت میں کچھ بھی واجب نہیں تھا لیکن آپ گمان کے مطابق جو واجب تھا اس سے بھی آپ نے بری کیا تھا پس جب تناقض صحت دعویٰ میں نہیں ہے تو امکان توفیق کافی ہے دفع تناقض کیلئے۔

یا مثلاً مدعی نے پہلے گواہ قائم کیا ہے اور پھر گواہ قائم کیا کہ میں نے اس سے خریدا ہے اور ثراء پر بینہ بھی پیش کیا یعنی ثراء کا وقت ہے کہ بعد بتلا دیا تو یہ بینہ قبول ہوگا کیونکہ توفیق ممکن ہے کما مر لھذا جس صورت کے اندر تناقض صحت دعویٰ میں نہ ہو تو امکان توفیق کافی ہے تناقض دفع کرنے کیلئے اور جس صورت میں تناقض صحت دعویٰ میں ہو تو اس صورت میں امکان توفیق کافی نہیں ہے تناقض دفع کرنے کیلئے۔

شم اعلم: یہ ایک ضابطہ کا بیان ہے ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ تناقض مانع ہے صحت کیلئے کہ جس میں ایک معین شخص کا حق ثابت ہوتا ہو اور پھر اس معین شخص کا حق باطل ہوتا ہو تو یہ تناقض مانع ہے صحت دعویٰ کیلئے جیسے، لاشی علی علیک اور پھر یہ کہنا ملی علیک الف،، تو تناقض مانع ہے صحت دعویٰ کیلئے اس لئے اس میں موضوع شخص معین ہے لیکن موضوع اگر شخص معین نہ ہو بلکہ موضوع عام ہو جیسے کسی نے کہا کہ میرا سوات والوں پر کوئی بھی حق نہیں ہے اور اس کے بعد اس نے کہا کہ میرے عمران سواتی پر ہزار روپے واجب ہیں اور اس پر بینہ بھی پیش کیا تو اس کا یہ دعویٰ باطل نہ ہوگا بلکہ صحیح ہوگا اسلئے کہ تناقض متحقق ہونے کیلئے وحدات ثمانیہ میں اتحادی الجزء والکل بھی ضروری ہے اور یہاں پر یہ شرط موجود نہیں ہے اس لئے کہ میرا ال سوات پر کچھ واجب نہیں یہ کل ہے اور عمران پر ہزار روپے واجب ہیں یہ جز ہے کل اور جز میں تناقض متحقق نہیں ہوتا اس لئے اس صورت میں تناقض متحقق نہ ہوگا۔

ومن اقام البینة علی الشراء و اراد الرد بعیب ردت بینة بانعه علی برائته من کل عیب بعد انکاره

بیعہ ادعی رجل علی اخر انی اشتريت منك هذا العبد بالف و سلمت الیک الالف فظھر فیہ عیب

فاردہ بالعیب فعلیک ان ترد الثمن الی فانکر الخصم البیع فاقام المدعی بینة علی البیع فادعی الخصم

براءة المدعی من کل عیب و اقام بینة علی ذلک لاتسمع للتناقض و عند ابی یوسف تسمع قیاساً علی

المسئلة المذكورة وهى ماكان لك على شىء قط والفرق لابی حنیفة ومحمد ان فى مسئلة الدين ان الدين قديقضى وان كان باطلا وهنا دعوى البرائة من العيب يستدعى قيام البيع وقد انكره .

ترجمہ: اور جس نے بینہ قائم کیا شراء پر اور اس نے واپس کرنے کا ارادہ کیا عیب کی وجہ سے تو بائع کا بینہ رد ہوگا کہ گواہ ہر قسم عیب سے بری ہونے پر بعد اس کے کہ وہ انکار کر چکا ہے بیچنے سے ایک آدمی نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ میں نے آپ سے یہ غلام خرید ہے ہزار روپے میں اور میں آپ کو ہزار روپے دے چکا ہوں اب اس میں عیب ظاہر ہوا ہے اور میں اس کو عیب کی وجہ سے واپس کرتا ہوں تو آپ پر لازم ہے کہ ثمن مجھے واپس کر دے پس خصم نے بیچ سے انکار کیا تو مدعی نے بینہ قائم کیا بیچنے پر پس خصم نے دعویٰ کیا مدعی کے ہر قسم عیب سے بری ہونے پر اور اس پر بینہ بھی قائم کئے تو یہ نہ سنا جائے گا تناقض کی وجہ سے اور امام ابووسف کے نزدیک سنا جائے گا وہ قیاس کرتے ہیں مسئلہ مذکورہ پر اور وہ ہے ماکان لك على شىء قط اور فرق امام بوحنیفة اور امام محمد کے نزدیک دونوں میں یہ ہے کہ مسئلہ دین میں دین کبھی ادا کیا جاتا ہے اگرچہ باطل ہو اور یہاں پر ہر قسم عیب سے برائت کا دعویٰ کرنا تقاضا کرتا ہے بیچ کے قیام کا اور وہ اس کا انکار کر چکا ہے۔

تشریح بیچ سے انکار کے بعد ہر قسم عیب سے برائت کا دعویٰ قبول نہ ہوگا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی آدمی نے دوسرے آدمی سے کہا کہ میں نے آپ سے یہ غلام خریدا تھا ہزار روپے میں اور ہزار روپے میں آپ کو دے چکا ہوں لیکن اس غلام میں عیب ہے اس عیب کی وجہ سے میں یہ غلام آپ کو واپس کرتا ہوں لہذا آپ پر لازم ہے کہ میرا ثمن مجھے واپس کر دے (عیب سے وہ عیب مراد ہے جو مشتری کے پاس اتنی مدت میں پیدا نہیں ہو سکتا جیسے زائد انگلی وغیرہ) تو اس دوسرے آدمی نے انکار کیا کہ میں نے تو آپ کو غلام نہیں بیچا تو آپ سے کیسے غلام واپس لوں کیونکہ میں نے تو آپ کو بیچا نہیں ہے اس پر مدعی نے بینہ قائم کر دیا کہ مدعی نے اس آدمی سے یہ غلام خریدا ہے اس کے بعد مدعی علیہ نے دعویٰ کیا کہ مدعی ہر قسم عیب سے بری ہے یعنی میں نے مدعی (مشتری) سے ہر عیب سے بری ہونے کی شرط کر لی تھی لہذا اس شرط کے مطابق میں ہر قسم عیب سے بری ہوں تو مدعی علیہ (بائع) کا یہ بینہ قبول نہ ہوگا کیونکہ دونوں دعوؤں میں تناقض ہے اس لئے کہ مدعی علیہ کا ہر قسم عیب سے بری ہونے کا دعویٰ کرنا بیچ کو وصف سلامت سے وصف غیر سلامت کی طرف متغیر کرنا ہے کیونکہ عقد بیچ کا تقاضا یہ ہے کہ بیچ ہر قسم کے عیب سے پاک اور سالم ہو مگر جب یہ شرط لگادی گئی تو اب بیچ کا سالم ہونا ضروری نہیں ہے اور عقد کو سلامتی سے غیر سلامتی کی طرف متغیر کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اصل عقد موجود ہو کیونکہ صفت کا تصور موصوف کے بغیر ممکن نہیں ہے پس مدعی علیہ کا شرط برائت کا دعویٰ کرنا اصل عقد کا دعویٰ کرنا ہے حالانکہ مدعی علیہ اصل عقد کا انکار کر چکا ہے اور یہ

مدعی علیہ کے دعویٰ میں سراسر تقاض ہے اور دعویٰ کے اندر تقاض کی صورت میں دعویٰ قبول نہیں ہوتا جب دعویٰ قبول نہیں تو اس پر بینہ کا ترتب بھی نہ ہوگا اس لئے اس صورت میں مدعی علیہ کا بینہ قبول نہ ہوگا۔

لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس مسئلے میں بھی مدعی علیہ (بالع) کا بینہ قبول ہوگا وہ اس مسئلے کو قیاس کرتے ہیں سابقہ مسئلے پر یعنی جس طرح سابقہ مسئلہ،، ماکان لک علی شیء قط،، میں توفیق دینا ممکن ہے اسی طرح اس مسئلے میں بھی دونوں دعویوں کے درمیان توفیق دینا ممکن ہے توفیق اس طرح دی جائے گی کہ جب اس نے کہا کہ میں نے آپ کو یہ غلام فروخت نہیں کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے اور آپ کے درمیان بیع نہیں ہوئی لیکن مدعی نے بیع کا دعویٰ کیا تو میں نے اس سے درخواست کی کہ مجھ کو غلام کے ہر عیب سے بری کر دو چنانچہ مدعی نے میری درخواست کی بناء پر مجھ کو ہر عیب سے بری کر دیا گیا مدعی علیہ نے مدعی کے دعویٰ کرنے سے پہلے زمانہ میں بیع کا انکار کیا اور دعویٰ کے وقت بیع کا اقرار کیا تو ان دونوں باتوں میں کوئی تقاض نہیں ہے اور جب مدعی علیہ کے دعویٰ میں تقاض نہیں ہے تو اس کا بینہ بھی قبول ہوگا۔

والفرق لایسی حنیفۃ: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چونکہ یہ مسئلہ اور سابقہ مسئلہ ایک جیسے ہیں لیکن حضرات طرفین کے نزدیک دونوں مسئلوں میں فرق ہے تو شارح اس فرق کو بیان کر رہا ہے فرماتے ہیں کہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ دین کبھی باطل اور ناحق طریقے پر بھی ادا کیا جاتا ہے جیسے کہ اس کی تفصیل سابق میں گزر گئی ہے لیکن عیب سے برائت کا دعویٰ کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ بیع موجود ہے کیونکہ عیب وصف ہے اور مبیع اصل ہے اور بیع بیع سے حاصل ہوتی ہے اور وصف اصل کے بغیر موجود نہیں ہوتا اس لئے عیب سے برائت کا دعویٰ کرنا متضمن ہے بیع کے دعوے کو اور حالانکہ وہ پہلے بیع کا انکار کر چکا ہے اور یہ صریح تقاض ہے اور تقاض کی صورت میں دعویٰ قبول نہیں ہوتا لہذا سابقہ مسئلے میں توفیق دینا ممکن ہے اور اس مسئلے میں توفیق دینا ممکن نہیں ہے اس لئے اس مسئلے کو سابقہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

وذكر ان شاء الله تعالى في اخر الصك يبطل كله وعندهما اخره وهو استحسان اي اذا كتب  
صك اقرار لم كتب في اخره كل من اخرج هذا الصك وطلب مافيه من الحق ادفع اليه ان شاء الله  
تعالى فقوله ان شاء الله ينصرف الى الكل عند ابي حنيفة حتى يبطل جميع الصك وهو القياس كما في  
قوله عبده حر وامرأته طالق ان شاء الله وعندهما ينصرف الى الآخر وهو الاستحسان لان الصك  
للاستيثاق فالاستثناء ينصرف الى ما يليه .

ترجمہ: او ان شاء اللہ کا ذکر تحریر (دستاویز) کے آخر میں پوری تحریر کو باطل کرتا ہے اور صاحبین کے نزدیک آخر کو اور یہ استحسان ہے

یعنی جب کسی نے اقرار کی تحریر لکھی اور پھر آخر میں لکھا کہ جس نے یہ تحریر نکالی اور طلب کیا اس حق کو جو اس میں ہے تو اس کو سپرد کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ تو اس کا یہ قول ان شاء اللہ لوٹتا ہے کل کی طرف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہاں تک کہ پوری دستاویز باطل ہوگی اور یہ قیاس کا تقاضا ہے جیسے کہ اس کے قول میں کہ اس کا غلام آزاد ہو اور اس کی بیوی پر طلاق ہو ان شاء اللہ اور صاحبین کے نزدیک لوٹتا ہے آخری طرف اور یہ استحسان ہے کیونکہ تحریر مضبوطی کیلئے ہوتی ہے تو استثناء لوٹے گا اپنے قریب کی طرف۔

**تشریح تحریر کے آخر میں ان شاء اللہ لکھنا:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک تحریر لکھی جس میں اس نے اپنے اوپر کچھ حقوق کا اقرار لکھا ہے کہ میرے اوپر فلاں کا یہ حق ہے یہ حق ہے اور پھر اس تحریر کے آخر میں لفظ ان شاء اللہ لکھ دیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ پوری تحریر باطل ہوگی اور اس بقرہ پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا اور حضرات صاحبین کے نزدیک ان شاء اللہ کا تعلق صرف آخری جملے سے ہوگا پوری تحریر باطل نہ ہوگی بلکہ صرف آخری حکم جو ان شاء اللہ کے ساتھ متصل ہے وہ باطل ہوگا۔

صاحبین کا قول استحسان پر مبنی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا قول قیاس پر مبنی ہے۔

**صاحبین کی دلیل:** یہ ہے کہ دستاویز معاملے کی مضبوطی کیلئے لکھی جاتی ہے کہ اس سے پوری تحریر مضبوط ہو پس لفظ ان شاء اللہ کو پوری تحریر کی طرف پھیرنا اور پوری تحریر باطل کرنا خلاف اصل ہے اور جب پوری تحریر باطل کرنا خلاف اصل ہے تو لفظ ان شاء اللہ اس حکم کی طرف پھیر دیا جائے گا جو اس کے قریب اور متصل ہے۔

نیز کلام میں اصل یہ ہے کہ وہ مستقل ہو پس تحریر کا ہر جملہ ایک مستقل حکم ہے تو لفظ ان شاء اللہ اخیر کے مستقل جملے سے متعلق ہو کر آخری جملہ کو باطل کرے گا اور باقی تحریر بدستور قائم رہے گی۔

**امام ابوحنیفہؒ کی دلیل:** امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ بلاشبہ کلام میں اصل یہ ہے کہ وہ مستقل ہو لیکن یہ اس وقت جبکہ اس کے خلاف پر کوئی دلیل موجود نہ ہو اور اگر کلام کے مستقل ہونے کے خلاف پر کوئی دلیل موجود ہو تو پھر وہ کلام مستقل نہ ہوگا بلکہ غیر مستقل ہوگا اور یہاں پر دلیل موجود ہے اس طور پر کہ تمام جملے ایک دوسرے پر معطوف ہیں حرف عطف کے ذریعے اور حرف عطف تمام جملوں کو حکم میں متحد کرتا ہے لہذا تمام جملے حکم میں مشترک ہیں جب حکم سب کا ایک ہے تو معلوم ہوا کہ تمام جملے مستقل نہیں ہیں پس جب تمام جملے متحد نہیں تمام جملے ملکر ایک کلام ہو گیا اور ان شاء اللہ پورے کلام کی طرف راجع ہوگا اور پوری تحریر باطل ہوگی۔

نصرانی مات فقالت عرسہ اسلمت بعد موتہ وقال ورثتہ لابل قبلہ صدقوا کما فی مسلم مات

فقالت عرسه اسلمت قبل موته وقالوا لابل بعده هذا عندنا وعند زفر في المسئلة الاولى القول قولها لان الاسلام حادث فيضاف الى اقرب الاوقات ولنا ان سبب الحرمان ثابت في الحال فيثبت فيما مضى تحكماً للحال وهي تصلح حجة للدفع .

ترجمہ: ایک نھرائی مرگیا اس کی بیوی نے کہا کہ میں مسلمان ہوئی ہوں اس کی موت کے بعد اور اس کے ورثاء نے کہا کہ نہیں بلکہ اس کی موت سے پہلے تو ورثاء کی تصدیق کی جائے گی جیسے کہ ایک مسلمان مرگیا اور اس کی بیوی نے کہا کہ میں مسلمان ہوئی ہوں اس کی موت سے پہلے اور ورثاء نے کہا کہ نہیں بلکہ اس کی موت کے بعد یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام زفرؒ کے نزدیک پہلے مسئلہ میں عورت کا قول معتبر ہوگا کیونکہ اسلام جدید ہے تو اس کو منسوب کیا جائے گا قریب تر اوقات کی طرف ہماری دلیل یہ ہے کہ سبب حرمان ثابت ہے فی الحال تو ثابت مان لیا جائے گا گزشتہ زمانے میں بھی حال کو حکم بناتے ہوئے اور اس میں صلاحیت ہے حجت دافعہ بننے کی۔

**تشریح بیوی نے شوہر کی وفات کے بعد اسلام قبول کیا اور ورثاء انکار کرتے ہیں:**

مسئلہ کی وضاحت سے پہلے اصحاب الحال کی تعریف سمجھ لیجئے اصحاب الحال اصول فقہ کی ایک اصطلاح ہے اس کے معنی ہیں ایک وقت میں کسی چیز کے ثبوت کا حکم کرنا دوسرے وقت میں اس کے ثبوت پر قیاس کرتے ہوئے اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ یوں کہا جائے چونکہ حکم ماضی میں ثابت تھا اس لئے فی الحال بھی ثابت ہوگا جیسے حیات مفقود یعنی گم شدہ ماضی میں زندہ تھا تو فی الحال بھی زندہ ہوگا لہذا اس کی بیوی کے ساتھ نکاح صحیح نہ ہوگا اور اس کا مال تقسیم نہ کیا جائے گا دوم یہ کہ یوں کہا جائے کہ چونکہ فی الحال حکم ثابت ہے اس لئے ماضی میں بھی ثابت ہوگا جیسے کہ ماء الطاحونہ یعنی پن پھکی کا پانی فی الحال جاری ہے تو کہا جائے گا کہ ماضی میں بھی جاری تھا۔

اصحاب الحال ہمارے نزدیک حجت دافعہ ہے حجت مثبتہ نہیں ہے یعنی اس کے ذریعے کسی چیز کو دفع تو کیا جاتا ہے لیکن ثابت نہیں کیا جاتا اور امام زفرؒ کے نزدیک حجت مثبتہ ہے۔

اب مسئلہ کی وضاحت سن لیجئے مسئلہ یہ ہے کہ ایک نھرائی مرگیا پھر اس کی بیوی مسلمان ہو کر آئی اور یہ دعویٰ کیا کہ میں اس کی موت کے بعد مسلمان ہوئی ہوں اس کی موت کے وقت میں نھرائی تھی لہذا مجھے اس کی میراث میں سے میراث حق میراث ملنا چاہیے کیونکہ موت کے وقت اتحاد دین موجود تھا لہذا اتحاد دین کی وجہ سے مجھے اس کی میراث میں حصہ ملے گا اور ورثاء کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ تو نے اسلام قبول کیا ہے اس کی موت کے سے پہلے یعنی اس کی موت کے وقت تو مسلمان تھی اور اختلاف دین موجود تھا اور

اختلاف دین کی وجہ سے تجھے میراث میں حصہ نہیں ملے گا تو ہمارے نزدیک در ثاء کا قول معتبر ہوگا بیوی کو میراث نہیں ملے گی۔ امام زفر کے نزدیک اس مسئلے میں عورت کا قول معتبر ہوگا اسلئے کہ مسلمان ہونا عورت کے حق میں امر حادث ہے ایک نئی چیز ہے اور امر حادث کو اقرب الاوقات کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اس عورت کے مسلمان ہونے کا قریبی وقت نصرانی کی موت کے بعد کا ہے نہ کہ اس کی موت سے پہلے کا پس اس کا مسلمان ہونا نصرانی کی موت کے بعد کی طرف منسوب کیا جائے گا یعنی یہ کہا جائے گا کہ یہ عورت اپنے نصرانی شوہر کی موت کے بعد مسلمان ہوئی ہے اور جب اس کی موت کے بعد مسلمان ہوئی ہے تو موت کے وقت چونکہ یہ بھی نصرانی تھی اس لئے اتحاد دین کی وجہ سے یہ عورت اپنی نصرانی شوہر کی میراث کی حقدار ہوگی۔

ولنا: ہابری دلیل: ہماری دلیل یہ ہے کہ فی الحال اختلاف دین موجود ہے اور فی الحال یہ عورت میراث سے محروم ہے اور جو حکم فی الحال ثابت ہو وہ اصحاب الحال کی وجہ سے ماضی میں بھی ثابت ہوتا ہے پس یہ کہا جائے گا کہ یہ عورت جس طرح فی الحال اختلاف دین کی وجہ سے میراث سے محروم ہے اسی طرح نصرانی کی موت کے وقت بھی میراث سے محروم تھی اور نصرانی کی موت کے وقت اس وقت میراث سے محروم ہو سکتی ہے جبکہ یہ عورت اس کی موت سے پہلے مسلمان ہو چکی ہو پس ثابت ہوا کہ یہ عورت نصرانی کی موت سے پہلے مسلمان ہو چکی تھی اور یہی قول نصرانی کے در ثاء کا ہے اس لئے نصرانی کے در ثاء کا قول معتبر ہوگا اصحاب الحال چونکہ حجت دافعہ ہے تو اصحاب کی وجہ سے عورت کو میراث محروم کیا جائے گا لیکن اصحاب الحال کی وجہ سے عورت کیلئے میراث ثابت نہیں کیا جاتا جیسے کہ پن چکی کے پانی کے باری میں اختلاف ہو پس اگر فی الحال پانی جاری ہو تو یوں کہا جائے گا کہ پوری سے مدت پانی جاری تھا اور اگر فی الحال منقطع ہو تو یوں کہا جائے گا کہ پوری مدت سے منقطع تھا نیز اس مسئلے میں عورت در ثاء پر میراث کا دعویٰ کر رہی ہے اور در ثاء منکر ہیں اور عورت کے پاس بینہ نہیں ہے اس لئے در ثاء کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک مسلمان مر گیا اور اس کی بیوی پہلے نصرانی تھی مسلمان کی موت کے بعد وہ مسلمان ہو کر آئی اور کہا کہ میں اپنے شوہر کی موت سے پہلے مسلمان ہوئی تھی لہذا مجھے میراث ملنی چاہئے اس لئے کہ اتحاد دین موجود تھا موت کے وقت اور میت کے در ثاء کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ تو اس کی موت کے بعد مسلمان ہوئی ہے اور اختلاف دین موجود ہے لہذا تجھ کو میراث نہیں ملے گی تو اس صورت میں بھی در ثاء کا قول معتبر ہوگا اور عورت کو میراث نہیں ملے گی اس لئے کہ اگر عورت کو میراث دیدی جائے تو یہ اصحاب الحال کی بناء دی جائے گی یعنی یوں کہا جائے گا کہ یہ عورت فی الحال مسلمان ہے تو موت کے وقت بھی مسلمان تھی اور جب موت کے وقت مسلمان تھی تو اتحاد دین کی وجہ سے اس کو میراث ملنی چاہئے اور یہ اصحاب الحال حجت مثبتہ



من جاتی ہے حالانکہ اصحاب الحال حجت دافعہ تو ہے لیکن حجت مثبتہ نہیں ہے۔

اور میراث سے محرومی اس لئے ہوگی کہ یوں کہا جائے گا کہ یہ عورت موت سے پہلے زمانے میں نصرانیہ تھی تو موت کے وقت بھی نصرانیہ ہوگی اور جب موت کے وقت نصرانیہ تھی تو اختلاف دین کی وجہ سے میراث سے محروم ہوگی تو فی الحال بھی میراث سے محروم ہوگی اس لئے کہ اصحاب الحال حجت دافعہ ہو سکتی ہے اور یہاں بھی ہم نے اصحاب الحال کی وجہ سے عورت کو میراث سے محروم کر دیا کیونکہ میت کے در ثاء میراث کے حق کو دفع کرنے والے ہیں اس لئے اصحاب الحال ان کے حق میں حجت ہوگا

ومن قال هذا ابن مودعی المیت لا وارث له غیره دفعها الیه ای دفع الودیعة الیه ولو القربان اخر لمودعه وجحد الاول لہی له ای للمقر له الاول لان الاقرار الاول لم یکن له مکذب فصح ولا یصح الثانی لان الاول مکذب له .

ترجمہ: اور جس نے کہا کہ یہ میرے فوت شدہ مودع (امانت رکھنے والا) کا بیٹا ہے اور اس کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہیں ہے تو امانت اس کو سپرد کر دے اور اگر دوسرے بیٹے کا بھی اقرار کیا اپنے مودع کے واسطے اور اول نے اس سے انکار کیا تو یہ مقر لہ اول کو ملے گا کیونکہ اقرار اول کیلئے کوئی جھٹلانے والا موجود نہیں ہے تو وہ صحیح ہے اور دوسرا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ پہلا اقرار اس کو جھٹلانے والا ہے۔

**تشریح میت کے بیٹے کے واسطے ودیعت کا اقرار کیا:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس زید کی امانت رکھی ہوئی ہے اور وہ مر گیا زید نے اقرار کیا کہ یہ آدمی میرے مودع کا بیٹا ہے اور اس کے علاوہ اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے تو زید کو حکم دیا جائے گا کہ یہ امانت اس مقر لہ کو حوالہ کر دے اس لئے کہ اگر وہ میت (مقر لہ) زندہ ہوتا اور زید اس کے واسطے اقرار کرتا تو زید کو حکم دیا جاتا کہ امانت اس کو حوالہ کر دو تو اب اس کو حکم دیا جائے گا کہ اس کے وارث کو حوالہ کر دے کیونکہ وارث اس کا قائم مقام ہے اس لئے مال وارث کو دیا جائے گا۔

اس کے بعد ایک اور بیٹے کیلئے بھی اقرار کیا یعنی یہ کہا یہ بھی میت کا بیٹا ہے حالانکہ وہ پہلے کہہ چکا ہے اس ایک وارث کے علاوہ میت کا کوئی اور وارث نہیں ہے اور اب کسی دوسرے کو بھی میت کا وارث قرار دیا اور پہلے بیٹے نے اس کی تکذیب کی یعنی یہ کہا کہ یہ میت کا بیٹا نہیں ہے تو میراث مقر لہ اول کو ملے گی اس لئے کہ اقرار اول کیلئے کوئی مکذب (جھٹلانے والا) موجود نہیں ہے لہذا اس کا کوئی مزاحم نہیں ہے تو وہ معتبر ہوگا اور اقرار ثانی معتبر نہ ہوگا اس لئے کہ اس کے لئے مکذب موجود ہے یعنی مزاحم موجود ہے اور وہ اقرار اول لھذا مال مقر لہ اول کو ملے گا مقر لہ ثانی کو نہ ملے گا۔

ولایکفل غریم ولا وارث فی ترکه قسمت بین الغرماء واولورثة بشهود لم یقولوا لانعلم له غریما ولا وارث اخر وهذا الاحتیاط ظلم ای اذا شهد الشهود للغرماء او الورثة ولم یقولوا لانعلم للمیت غریما او وارثا اخر قسمت الترکه بینهم ولا یؤخذ منهم کفیلا وهذا الاحتیاط ظلم لانه ثبت حقهم ولم یعلم حق لغيرهم ولانه لم یوجد المكفول له وهذا عندابی حنیفة وعندهما یاخذ القاضی کفیلا عنهم

ترجمہ: اور کفیل نہیں لیا جائے گا قرض خواہ سے اور نہ وارث سے اس ترکہ میں جو تقسیم کیا گیا ہو قرض خواہوں اور ورثاء کے درمیان گواہوں کی گواہی سے جنہوں نے نہ کہا ہو کہ ہمیں معلوم نہیں اس کے واسطے کوئی دوسرا قرض خواہ اور نہ وارث اور یہ احتیاط ظلم ہے یعنی گواہی دی گواہوں نے قرض خواہوں کے واسطے یا ورثاء کے واسطے اور انہوں نے نہ کہا ہو کہ ہمیں معلوم نہیں میت کے واسطے کوئی قرض خواہ یا کوئی دوسرا وارث تو ترکہ ان کے درمیان تقسیم کیا جائے گا اور ان سے کفیل نہ لیا جائے گا اور بعض قاضیوں نے اس میں احتیاط کی ہے اور انہوں نے ان سے کفیل لیا ہے اور یہ احتیاط ظلم ہے اس لئے کہ ان کا حق ثابت ہو چکا ہے اور غیر کا حق معلوم نہیں اور یہ بھی کہ مکفول نہ موجود نہیں ہے اور یہ امام ابوحنیفہ کا کے نزدیک ہے اور صاحبین کے نزدیک قاضی ان سے کفیل لے۔

### تشریح کیا قاضی قرض خواہوں اور ورثہ سے کفیل لے گا؟

صورت مسئلہ یہ ہے کہ قرض خواہوں نے میت کے ذمہ اپنا دین ثابت کر دیا گواہوں کے ذریعہ اسی طرح ورثاء نے یہ ثابت کر دیا کہ ہمارے مورث مر گیا ہے اور ہم موجودہ لوگ میراث کے حقدار ہیں لہذا میراث ہمارے درمیان تقسیم کر دی جائے تو قاضی یہ مال تقسیم کرے گا اصل میں اس مسئلے کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) یہ کہ قاضی نے مال تقسیم کیا ہو قرض خواہوں اور ورثاء کے اقرار پر کہ انہوں نے اقرار کیا ہے میں، پر ہمارا قرضہ ہیں یا ہماری میراث ہے تو اس صورت میں قاضی حاضرین سے کفیل لے گا بالاتفاق کیونکہ اقرار حجت قاصرہ ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ کوئی اور قرض خواہ یا وارث نکل آئے تو اس کے قرضے کے ذمہ دار حاضرین ہوں گے۔

(۲) صورت یہ ہے کہ قاضی نے مال تقسیم کیا ہو گواہوں کی گواہی کی وجہ سے اور گواہوں نے یہ بھی کہا ہو کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ میت پر۔ ان لوگوں کا قرضہ ہے یا یہ لوگ میت کے وارثین ہیں اور ان لوگوں کے علاوہ اور قرض خواہ یا کوئی اور وارث ہمیں معلوم نہیں ہے تو اس صورت میں قاضی حاضرین سے کفیل نہیں لے گا بالاتفاق۔

(۳) صورت یہ ہے کہ قاضی نے مال تقسیم کیا گواہوں کی گواہی کی وجہ سے یعنی گواہوں نے یہ گواہی دی کہ یہ لوگ میت کے

قرض خواہ ہیں یا یہ لوگ میت کے وارثین ہیں لیکن یہ نہ کہا ہو کہ ہمیں معلوم نہیں کہ ان کے علاوہ کوئی اور قرض خواہ یا وارث ہے یا نہیں ہے تو اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حاضرین سے کفیل نہیں لیا جائے گا اور مال حاضرین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

اور حضرات صاحبین کے نزدیک قاضی حاضرین سے کفیل لے گا کہ اگر کوئی اور قرض خواہ یا وارث ظاہر ہو جائے تو یہ لوگ اس کے ذمہ دار ہوں گے کہ اس کا حصہ ادا کریں۔

صاحبین کی دلیل: صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ قاضی غائبین کے گنہگاری کیلئے مامور ہے اور اس بات کا قوی امکان ہے کہ ترکہ میں کسی غائب کا حق ثابت ہو جائے تو قاضی پر لازم ہے کہ اس کے حق کی حفاظت کرے اور وہ اس طرح ممکن ہو گا کہ قاضی حاضرین سے کفیل لے لے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ موجودہ قرض خواہوں اور ورثاء کا حق ثابت ہو چکا ہے قطعی طور پر جب حقیقت کوئی اور حقدار نہ ہو یا ظاہری طور پر موجود نہ ہو تو تقسیم کو مؤخر نہ کیا جائے گا اس لئے کہ جو چیز قطعاً ظاہر اثابت ہو اس کو کسی امر مہوم کی وجہ سے مؤخر نہیں کیا جائے گا اور کسی قرض خواہ کا غائب ہونا یا وارث کا غائب ہونا امر مہوم ہے پس موجودہ قرض خواہوں اور ورثاء کو کفیل دینے کا مکلف بنا کر ان کے حقوق کی ادائیگی کو مؤخر کرنا کفیل دینے کے زمانے تک مناسب نہیں ہے۔ نیز یہ بھی کہ اس صورت میں مکفول لہ مجہول ہے اور مکفول لہ کا مجہول ہونا صحت کفالت کیلئے مانع ہے اس لئے اس سے کفیل نہیں لیا جائے گا۔ اور بعض قاضیوں نے جو یہ احتیاط کی ہے کہ حاضرین سے کفیل لیا ہے یہ ظلم ہے یعنی سیدھی راہ سے ہٹنا ہے۔

وعقار اقام زید حجة انه له ولاخيه ارثا من ابيهما قضى له بنصفه وترک باقيه مع ذى اليد  
سلا تکفيله جحد دعواه اولاً هذاعند ابى حنيفة فان ذا اليد قد اختاره الميت فلا يقصر يده عماليس  
مدعيه حاضرا وعندهما ان جحد ذواليد لا يترک الباقي فى يده لان الجاحد خائن فيؤخذ منه ويجعل  
فى يد امين وان لم يجحد ترك الباقي فى يده للابن الغائب واذا ترك فى يده لا يؤخذ منه كفيل  
والمنقول مثله وقيل يؤخذ منه بالاتفاق اى اذا كانت المسئلة فى المنقول قيل هو على هذا الخلاف فانه  
اذا ترك الباقي فى يده اذالم يجحد ففى صورة الجحد اولى لانه مضمون فى يده ولو وضع فى يد اخر  
كان امانة فالاولى وقيل يؤخذ منه عند الجحد اتفاقاً.

ترجمہ: ایک جائیداد ہے زید نے بینہ قائم کیا کہ یہ میری اور میرے بھائی کی ہے ہمیں والد سے میراث میں ملی ہے تو نصف

کا اس کیلئے حکم کیا جائے گا اور باقی کو چھوڑ دیا جائے گا صاحب قبضہ کے پاس اس سے کفیل لئے بغیر چاہے اس نے دعوے سے انکار کیا ہو یا نہ کیا ہو یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے کیونکہ صاحب قبضہ کو میت نے اختیار کیا ہے تو نہیں ہٹایا جائے گا اس کا قبضہ اس چیز سے جس کا مدعی حاضر نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک اگر قابض نے انکار کیا تو باقی اس کے قبضے میں نہیں چھوڑا جائے گا کیونکہ انکار کرنے والا خائن ہے تو اس سے لی جائیگی اور امین کے قبضہ میں رکھ دی جائیگی اور اگر اس نے انکار نہ کیا ہو تو باقی کو اس کے قبضہ میں چھوڑ دیا جائے گا غائب بیٹے کیلئے اور جب باقی کو اس کے قبضے میں چھوڑ دیا گیا تو اس سے کفیل نہ لیا جائے اور منقولی چیز بھی اس کی طرح ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے کفیل لیا جائے گا بالاتفاق یعنی اگر مسئلہ منقولی چیز میں ہو تو کہا گیا ہے کہ اسی اختلاف پر ہے اسلئے کہ جب باقی اس کے قبضہ میں چھوڑ دیا جاتا ہے جبکہ اس نے انکار نہ کیا ہو تو انکار کی صورت میں بطریقہ اولیٰ چھوڑنا چاہئے کیونکہ یہ مضمون ہے اس کے قبضہ میں اور اگر دوسرے کے قبضے میں رکھ دیا جائے تو یہ امانت ہوگی تو پہلی صورت اولیٰ ہے اور کہا گیا ہے کہ انکار کی صورت میں اس سے کفیل لیا جائے گا بالاتفاق۔

**تشریح اگر ایک وارث حاضر ہو اور دوسرا غائب:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی (عمران) کے قبضے میں زمین ہے یا مکان ہے زید نے دعویٰ کیا اور گواہوں سے ثابت کیا کہ یہ مکان ہمارے والد صاحب نے میراث میں چھوڑا ہے اور والد صاحب مر گیا ہے اور یہ مکان میرے اور میرے بھائی خالد کے درمیان بطور میراث چھوڑا ہے لہذا یہ مکان میرے اور میرے بھائی خالد کے درمیان تقسیم کر دیا جائے اور ہمیں اس کا قبضہ دیدیا جائے تو قاضی اس مکان کا نصف حصہ زید (حاضر) کو دیدے گا اور غائب کا حصہ قابض (عمران) کے قبضے میں چھوڑ دے گا کیونکہ جب زید نے دعویٰ کیا کہ یہ مکان ہمارا ہے تو قابض نے یا اقرار کیا ہوگا کہ جی ہاں یہ مکان آپ کے والد صاحب کا ہے میرے پاس بطور امانت یا عاریت ہے تو اس صورت میں غائب کا حصہ قابض کے پاس چھوڑ دیا جائے گا بالاتفاق اور اس سے کفیل بھی نہ لیا جائے گا لیکن اگر قابض نے انکار کیا کہ میرے پاس آپ کے والد صاحب کا مال و مکان وغیرہ کچھ نہیں ہے اور مدعی نے اس پر بینہ پیش کر دیا تو اس صورت میں نصف تو حاضر کو دیدیا جائے گا اور غائب کا نصف بھی قابض کے پاس چھوڑ دیا جائے گا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یعنی چاہے قابض اقرار کرے یا انکار کرے دونوں صورتوں میں غائب کا نصف اس سے نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کے پاس چھوڑ دیا جائے گا۔

اور صاحبین کے نزدیک اقرار کی صورت میں تو غائب کا نصف کا قابض کے پاس چھوڑ دیا جائے گا لیکن انکار کی صورت میں غائب کا نصف اس سے لیکر کسی امین کے پاس رکھا جائے گا کیونکہ انکار کی وجہ سے قابض خائن ہو گیا اور خائن کے پاس مال

نہیں چھوڑا جاتا ہے لہذا اس سے لیکر کسی امین کے پاس رکھا جائے گا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ قابض میت کی طرف سے مختار ہے یعنی میت نے اس کو پسند کیا ہے پس جب تک اصل مدعی حاضر نہ ہو جائے اس وقت تک اس کا قبضہ ختم نہیں کیا جائے گا اور یہی بات کہ وہ خائن ہے اس سے کون لے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ قاضی کو معلوم ہے کہ اس کے پاس غائب کا مال موجود ہے تو قاضی اپنی قوت کی بناء پر اس سے مال وصول کر سکتا ہے۔

**والمنقول مثله:** مال منقول بھی مذکورہ مسئلے کی طرح ہے یعنی اگر ایک شخص حاضر ہو گیا اور کہا یہ مال منقول میرے اور میرے بھائی کا ہے ہمارے والد صاحب نے ہمارے لئے بطور میراث چھوڑا ہے تو اس صورت میں بھی حاضر کا نصف تو اس کو دیا جائے گا اور غائب کے نصف کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر قابض نے اقرار کیا کہ جی ہاں یہ آپ کے والد صاحب کا مال ہے میرے پاس رکھا ہوا تھا تو اس صورت میں غائب کا نصف اس سے نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کے پاس چھوڑ دیا جائے گا اور اگر اس نے انکار کیا کہ میرے پاس تو آپ کے والد صاحب کا مال نہیں ہے اور پھر بینہ کے ذریعے اس پر مال ثابت کر دیا گیا تو اس صورت میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ غائب کا نصف بھی اس سے لیا جائے گا اور کسی امین کے پاس رکھا جائے گا بالاتفاق امام صاحب کے نزدیک بھی اور صاحبین نزدیک بھی۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ انہیں بھی اختلاف ہے یعنی صاحبین کے نزدیک اس سے لیا جائے گا اور امین کے پاس رکھا جائے گا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کے پاس چھوڑ دیا جائے گا جیسے کہ جائیداد اس کے پاس چھوڑ دی جاتی ہے۔

**پہلی روایت کی وجہ:** پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ مال منقول حفاظت کا محتاج ہے پس جب اس نے انکار کیا تو اس نے حفاظت چھوڑ دی لہذا اس سے لیکر کسی امین کے پاس رکھا جائے گا تاکہ وہ اس کی حفاظت کرے برخلاف جائیداد کے کیونکہ وہ بذات خود محفوظ ہے۔ اس لئے جائیداد اس سے نہیں لی جائے گی۔

**دوسری روایت کی وجہ:** دوسری روایت کہ جس میں صاحبین کے نزدیک مال منقول قابض سے لیا جائے گا اور امین کے پاس رکھا جائے گا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قابض سے نہیں لیا جائے گا صاحبین کی دلیل تو سابق میں گزر گئی کہ یہ خائن ہے اور خائن کے پاس مال نہیں چھوڑا جاتا لیکن امام صاحب کے نزدیک اس صورت میں بھی قابض کے پاس چھوڑ دیا جاتا ہے اس لئے کہ جب اقرار کی صورت میں قابض سے نہیں لیا جاتا تو انکار کی صورت میں بھی قابض سے نہیں لیا جاتا ہے کیونکہ قابض کے پاس

چھوڑنے میں غائب کا زیادہ فائدہ ہے اس لئے کہ یہ مال حفاظت کا محتاج ہے قابض کے پاس چھوڑنے میں زیادہ حفاظت ہے اس لئے کہ اگر یہ قابض کے پاس ہلاک ہو جائے تو قابض پر ضمان آئے گا کیونکہ اس نے انکار کر کے اپنے اوپر ضمان لازم کر دیا ہے برخلاف اس کے کہ قابض سے لیکر کسی امین کے پاس رکھا جائے اس لئے کہ اگر امین کے پاس ہلاک ہو جائے بلا تعدی تو اس پر ضمان نہیں آتا اور قابض کے پاس ہلاک ہونے سے اس پر ضمان آتا ہے اسلئے قابض کے پاس چھوڑنے میں زیادہ حفاظت ہے۔ پس جب قابض کے پاس چھوڑ دیا گیا تو اس سے کفیل نہیں لیا جائے گا اور امام صاحب کا قول زیادہ واضح ہے کیونکہ امین غائب کا فائدہ ہے۔

ووصيته بثلث ماله على كل شيء ومالي او مملكت صدقة على مال الزكوة هذا عندنا وعند زفر

يقع على كل شيء قضية لا تطلق اللفظ ونحن اعتبرنا ايجاب العبد بايجاب الله تعالى فان لم

يجد الا ذلك امسك منه قوته فاذا ملك تصدق بما اخذ ولم يقدر بشيء لاختلاف احوال الناس

فيل المحترف يمسك لنفسه وعياله قوت يومه وصاحب المستغل ما يحتاج اليه الى وصول غلته

واكثر ذلك شهر وصاحب الضياع الى وصول ارتفاعه واكثر ذلك سنة وصاحب التجارة الى

وصول مال تجارته

ترجمہ: اور آدمی کا وصیت کی اپنے تہائی مال کی وصیت واقع ہوگی ہر چیز پر اور یہ کہنا کہ میرا مال یا جس چیز میں مالک ہوں وہ

صدقہ ہے تو یہ واقع ہوگی مال زکوٰۃ پر یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام زفر کے نزدیک واقع ہوگی ہر چیز پر لفظ کے اطلاق پر عمل کرتے

ہوئے اور ہم نے اعتبار کیا ہے بندے کا اپنے اوپر واجب کرنے کو اللہ کے واجب کرنے پر پس اگر اس کے پاس نہ ہو مگر یہی

تورک لے اس سے اپنے گزارے کی خوراک پس جب مالک ہوا تو صدقہ کرے اس کو جو اس نے لیا ہے اور اس میں معین

مقدار کا اندازہ نہیں کیا گیا ہے لوگوں کے احوال مختلف ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ پیشہ ورا اپنے نفس کیلئے اور پنے عیال کیلئے

ایک روز کار روزینہ روک لے اور حاصلات والا غلہ اور آمدنی حاصل ہونے تک اور اس کی اکثر مقدار ایک مہینہ ہے اور زمین والا

اپنے غلے (فصل) حاصل ہونے تک اور اس کی اکثر مقدار ایک سال ہے اور تجارت والا مال تجارت حاصل ہونے تک

تشریح میرا مال صدقہ ہے اس کا اطلاق کس مال پر ہوگا؟

اس عبارت میں مصنف نے دو مسئلے بیان کئے ہیں (۱) یہ کہ ایک آدمی نے وصیت کی کہ میرے مال کا تہائی حصہ صدقہ ہے تو یہ

وصیت اس کے تمام اموال کو شامل ہوگی چاہے مال زکوٰۃ کی جنس سے ہو یا نہ ہو جیسے زمین، خدمت کے غلام، گھر کے استعمال کا

سامان سب کی تہائی کو شامل ہوگی۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ میرا مال صدقہ ہے یا جس کا میں مالک ہوں وہ صدقہ ہے تو یہ محمول ہوگا ہر اس مال پر جس کی جنس سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے قیے سونا۔ چاندی۔ نقدیات۔ سائے جانور۔ اور مال تجارت یہ اموال مقدار نصاب کو پہنچے یا نہ پہنچے کیونکہ مال زکوٰۃ کی جنس معتبر ہے نہ کہ مال زکوٰۃ کی مقدار لہذا اس صورت میں اس پر اس پورے مال کا صدقہ کرنا واجب ہوگا جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور جس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی جیسے زمین، خدمت کے غلام، گھر کے استعمال کا سامان اس کا صدقہ کرنا واجب نہ ہوگا۔

حضرت امام زفرؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی ہر قسم کے مال کا صدقہ کرنا لازم ہوگا چاہے مال زکوٰۃ کی جنس سے ہو یا نہ ہو کیونکہ لفظ مال عام ہے ہر قسم کے مال کو شامل ہے پس جب لفظ مال ہر قسم کے مال کو شامل ہے تو ہر قسم کے مال کا صدقہ کرنا لازم ہوگا اور واجب ہوگا۔

ہماری دلیل: ہماری دلیل یہ ہے کہ جو وجہ استحسان بھی ہے کہ بندہ کا اپنے اوپر واجب کرنے کو ہم نے قیاس کیا ہے اللہ کے واجب کرنے پر یعنی بندہ کو ابتداءً اپنے اوپر واجب کرنے کی ولایت نہیں ہے بلکہ شریعت پر قیاس کر کے واجب کرنے کی ولایت ہے یعنی جس مقام پر شریعت نے کوئی چیز واجب کی ہو اس مقام پر بندہ اپنے اوپر واجب کر سکتا ہے پس جب یہ بات ہے تو بندہ کا مالی صدقہ،، کہنے سے اس مال کا صدقہ کرنا لازم ہوگا جس مال میں شریعت نے صدقہ (زکوٰۃ) واجب کیا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ شریعت نے ہر قسم مال میں زکوٰۃ واجب نہیں کی ہے بلکہ مخصوص اموال میں صدقہ (زکوٰۃ) واجب کیا ہے پس جب مخصوص اموال میں صدقہ واجب کیا ہے تو بندہ کی نذر مالی صدقہ سے بھی انہی مخصوص اموال کا صدقہ کرنا واجب ہوگا ہر طرح کے مال کا صدقہ کرنا لازم نہ ہوگا۔

اور وصیت اس لئے پورے مال میں جاری ہوتی ہے کہ وصیت میراث کی بہن ہے اور میراث پورے مال میں جاری ہوتی ہے تو وصیت بھی پورے مال میں جاری ہوگی۔

میراث اور وصیت میت کی موت کے بعد ثابت ہوتی ہیں پس جس طرح میراث ہر قسم مال میں جاری اور نافذ ہوتی ہے اسی طرح وصیت بھی پورے مال میں جاری ہوگی۔

پس جب اس نے مالی صدقہ کہا اور اس کے پاس صرف اموال زکوٰۃ کی جنس سے مال موجود ہے اور اس کے علاوہ کوئی مال نہیں ہے یعنی اپنے ذاتی خرچے کیلئے بھی مال موجود نہیں ہے تو اس صورت میں اس سے اپنے گزارے بھر کاروزینہ رکھ لے اور باقی کو

صدقہ کرے کیونکہ انسان کی حاجت صدقہ پر مقدم ہے اب یہ نذر کرنے والا اکتامال اپنے پاس رکھ لے تو فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں کوئی متعین مقدار کا اندازہ نہیں ہے اس لئے کہ لوگوں کے احوال اس بارے میں مختلف ہیں قلیل العیال والے کیلئے کم مقدار کافی ہوتی ہے جبکہ یہی مقدار کثیر العیال والے کیلئے کافی نہیں ہوتی اس کے بارے میں مزید تفصیل یہ ہے کہ پیشہ ور اور دست کار لوگ ایک دن کا خرچہ رکھ لے اور باقی کو صدقہ کرے کیونکہ یہ لوگ روزانہ کام کرتے ہیں اور آمدنی حاصل کرتے ہیں اور صاحب المستقل یعنی حاصلات والے یعنی ماہانہ آمدنی والے آمدنی حاصل کرنے تک اور یہ زیادہ سے زیادہ ایک ماہ تک ہوتا ہے اور زمین والا زمین کی پیداوار حاصل کرنے تک اپنے لئے اور اپنے عیال کیلئے خرچہ رکھ لے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت ایک سال ہے اور تاجر لوگ اکتامال رکھ لے جتنے دنوں میں اس کے مال تجارت حاصل ہونے کی امید ہو۔

وصح الایضاء بلاعلم الوصی بہ لا التوکیل ای جعل شخصا وصیا بعد موتہ ولم یعلم الوصی بذلك فباع شیئا من التركة یجوز بیعہ بخلاف ما اذا کل رجلا بالبیع ولم یعلم الوکیل بذلك فباع شیئا لا یجوز بیعہ وعند ابی یوسف لا یجوز بیع الوصی ایضا

ترجمہ: اور صحیح ہے وصی بنانا وصی کی وصیت کو جانے بغیر نہ کہ وکیل بنانا یعنی ایک شخص کو وصی بنایا اپنی موت کے بعد اور وصی کو اس کا علم نہیں تھا تو اس نے ایک چیز فروخت کر دی ترکہ میں تو یہ بیع جائز ہے برخلاف اسکے کہ ایک آدمی کو وکیل بنایا کسی چیز کے فروخت کرنے پر اور وکیل کو اس کا علم نہیں تھا تو اس نے ایک چیز بیچ دی تو یہ بیع جائز نہیں ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک وصی کی بیع بھی جائز نہیں ہے۔

تشریح: وصی کو اپنے وصی ہونے کا علم شرط نہیں:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک شخص کو اپنا وصی مقرر کیا یعنی یہ کہا کہ فلاں آدمی میری موت کے بعد میرے مال کا وصی ہوگا اور وصی کو اس کا علم نہیں تھا تو یہ وصی بنانا جائز ہے اور یہ آدمی وصی ہوگا لہذا اگر اس نے ترکہ میں سے کوئی چیز فروخت کر دی حالانکہ اس کو علم نہیں تھا تو تب بھی یہ فروخت کرنا جائز ہوگا اور بیع نافذ ہوگی۔

لیکن اگر کسی نے ایک آدمی کو وکیل بنایا اور وکیل کو اپنے وکیل ہونے کا علم نہیں تھا تو یہ وکیل بنانا جائز نہیں ہے لہذا اگر اس وکیل نے مؤکل کے ترکہ میں سے کوئی چیز فروخت کر دی حالانکہ اس کو اپنے وکیل ہونے کا علم نہیں تھا تو یہ فروخت کرنا جائز نہ ہوگا اور یہ بیع نافذ نہ ہوگی۔

امام ابو یوسف کے نزدیک وصی کی بیع بھی جائز نہ ہوگی جس طرح کہ وکیل کی بیع علم کے بغیر جائز نہیں ہوتی یعنی انہوں



نے وہی کو قیاس کیا ہے وکیل پر کہ جس طرح وکیل اپنے مؤکل کا نائب ہے اسی طرح وہی بھی میت کا نائب ہے اور نائب کوئی بھی کام منوب عنہ کے علم بغیر نہیں کر سکتا

طرفین کی دلیل: طرفین کی دلیل یہ ہے کہ وکیل تو مؤکل کا نائب ہے اور نائب کوئی بھی کام منوب عنہ کے علم کے بغیر نہیں کر سکتا لیکن وہی نائب نہیں ہے بلکہ وہی میت کا خلیفہ ہے اور خلیفہ کا تصرف اس پر موقوف نہیں ہے کہ اس کو اپنے خلیفہ ہونے کا علم بھی ہو لہذا اگر خلیفہ نے ترکہ میں کوئی تصرف کیا حالانکہ اس کو اپنے خلیفہ ہونے کا علم نہیں تھا تو اس کا یہ تصرف جائز اور نافذ ہوگا جیسے کہ وارث اگر اپنے مورث کی موت کے بعد اس کی موت کے علم کے بغیر کوئی تصرف کرے تو اس کا تصرف جائز ہوتا ہے اسی طرح وہی کا تصرف بھی جائز ہوگا تو وہی کو وکیل پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔

شرط خبر عدل او مستورین لعزل الوکیل ولعلم السید بجنایۃ عبدہ وللشفیع بالبیع والبکر بالنکاح ومسلم لم یہاجر بالشرائع لابصحة التوکیل ای اذا عزل المؤکل الوکیل فاخبرہ بذلك عدل او مستوران لا یصح تصرفہ بعد ذلك ولو اخبرہ فاسق او مستور الحال لا اعتبار لاخبارہ حتی یجوز صرفہ وكذا اذا جنی عبد خطاء فعلم السید بجنایتہ باخبار عدل او مستورین فباع السید عبدہ بكون مختاراً للقداء وكذا اذا علم الشفیع بیع الدار فسکت ان اخبرہ عدل او مستوران یكون سکوته تسلیماً وكذا فی علم البکر بانکاحها اذا سکت او المسلم الذی لم یہاجر اذا اخبرہ عدل او مستوران یجب علیہ الشرائع اما صحة التوکیل لا یشرط لها ذلك حتی اذا اخبرہ فاسق فان فلانا وکله بالبیع فباع یجوز بیعہ وذلك لانه یشرط العدداو العدالة فی الشهادة لانها الزام محض فلا بد من التوکید واما التوکیل فلیس فیہ معنی الالزام اصلاً فلا یشرط فیہ شیء من وصفی الشهادة ای العدد والعدالة واما عزل الوکیل ونحوه فالزام من وجه دون وجه ومن حیث ان المؤکل یتصرف فی حق نفسه بالعزل لیس بالزام فشرط له احد وصفی الشهادة

ترجمہ: شرط ہے ایک عادل آدمی کی خبر یا دو مستور الحال آدمیوں کی خبر وکیل کو معزول کرنے کیلئے اور آقا کو اپنے غلام کی جنایت کی خبر دینے کیلئے اور شفیع کو بیع کی خبر دینے کیلئے اور باکرہ کو نکاح کی خبر دینے کیلئے اور اس مسلمان کو جس نے ہجرت نہ کی ہو شرائع کی خبر دینے کیلئے نہ کہ وکیل بنانے کی صحیح ہونے کیلئے یعنی جب مؤکل نے اپنے وکیل کو معزول کیا اور اس کو خبر دیدی ایک عادل نے یا دو مستور الحال آدمیوں نے تو اس کے بعد اس کا تصرف جائز نہیں ہے لیکن اگر اس کو خبر دیدی ایک فاسق نے

یاستورالجال نے تو اس کی خبر کا اعتبار نہ ہوگا یہاں تک کہ اس کا تصرف جائز ہے اور اسی طرح جب غلام نے خطا جتایت کی اور آقا کو علم ہو گیا غلام کی جتایت کا ایک عادل یا دو مستورالجال آدمیوں کی خبر سے اور آقا نے غلام فروخت کر دیا تو وہ فدیہ کو اختیار کرنے والا ہے اور اسی طرح جب شفیع کو علم ہو گیا گھر کے فروخت ہونے کا اور وہ خاموش رہا پس اس کو ایک عادل یا دو مستورالجال آدمیوں نے خبر دی ہو تو اس کی خاموشی شفعہ کو چھوڑنا سمجھا جائیگا اور اسی طرح باکرہ کو نکاح کا علم ہو گیا جب وہ خاموش رہی اور وہ مسلمان جس نے ہجرت نہیں کی جب کہ اس کو خبر دیدی ایک عادل نے یا دو مستورالجال آدمیوں نے تو واجب ہیں اس پر شریعت کے احکام اور وکیل بنانے کی صحت کیلئے یہ کچھ بھی شرط نہیں یہاں تک کہ اگر فاسق نے اس کو خبر دیدی کہ فلاں نے آپ کو وکیل بالبیع بنایا ہے اور اس نے بیع دیا تو اس کی بیع جائز ہوگی اور یہ اس لئے کہ عدل اور عدالت شرط ہیں شہادت میں اس لئے کہ اس میں الزام محض ہے تو اس میں تاکید ضروری ہے اور وکیل بنانے میں معنی الزام بالکل نہیں ہے تو اس میں شہادت کی دو وصفوں میں سے کچھ بھی شرط نہیں نہ عدل اور نہ عدالت اور وکیل کو معزول کرنا وغیرہ میں الزام من وجہ ہے اور من وجہ نہیں ہے تو اس حیثیت سے کہ اس کیلئے تصرف کی ولایت باقی نہیں رہتی تو اس میں ضرر کا الزام ہے اور اس حیثیت سے کہ مؤکل اپنے حق میں تصرف کر رہا ہے معزول کرنے سے تو اس میں الزام نہیں ہے تو اس کیلئے شرط ہے شہادت کے دو وصفوں میں سے ایک وصف

### تشریح کونسے تصرفات میں صرف عدل یا عدالت کافی ہے؟

ایک اصول پہلے اپنے ذہن میں رکھ لیجئے اور تمام مسائل اس پر متفرع کیجئے اصول یہ ہے کہ جو اخبار حقوق العباد سے متعلق ہوتے ہیں اسکی تین قسمیں ہیں۔

- (۱) وہ خبر جس میں الزام محض ہو جیسے حقوق کی خبر دینا کہ فلاں کا فلاں پر حق ہے اس قسم میں عدل اور عدالت دونوں شرط ہیں
- (۲) وہ خبر جس میں بالکل الزام نہ ہو جیسے یہ خبر دینا کہ فلاں نے آپ کو وکیل بنایا ہے یا فلاں نے آپ کو یہ ہدیہ بھیجا ہے اس میں الزام نہیں ہے اس قسم میں نہ عدل شرط ہے اور نہ عدالت شرط ہے۔
- (۳) وہ خبر جس میں من وجہ الزام ہو اور من وجہ الزام نہ ہو جیسے وکیل کے معزول ہونے کی خبر دینا اس قسم میں یا تو عدل شرط ہے اور یا عدالت شرط ہے۔

اس اصول کو ذہن میں رکھ کر آگے مسائل کو سمجھنا بالکل آسان ہے۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ جب مؤکل نے اپنے وکیل کو معزول کیا اور وکیل کو کسی ایک عادل آدمی یا دو مستورالجال (جن کی عدالت معلوم ہو اور نہ فسق) آدمیوں نے خبر دیدی کہ آپ کے مؤکل نے آپ کو معزول کر دیا ہے تو اس کے بعد اس وکیل کو مزید تصرف

کرنے کا حق نہیں ہے لیکن اگر وکیل کو کسی فاسق آدمی یا دو فاسق آدمیوں (جن کا فسق ظاہر ہو) نے خبر دیدی وہ معزول نہ ہوگا اور تصرف کرنے کا اہل ہوگا اسلئے ایک مستور الحال یا دو مستور الحال آدمیوں کی خبر کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ ایک آدمی کے غلام نے کسی کو خطا قتل کر دیا تو غلام کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ جب غلام سے قتل خطا سرزد ہو جائے تو آقا کو دو اختیار دئے جاتے ہیں۔  
(۱) یا تو اس غلام کو مقتول کے اولیاء کے سپرد کرے۔

(۲) اور یا اس غلام کا فدیہ یعنی اس کی قیمت مقتول کے اولیاء کے سپرد کرے دونوں اختیار آسانی کیلئے دئے جاتے ہیں۔ پس غلام نے کسی کو خطا قتل کر دیا اور ایک عادل آدمی یا دو مستور الحال آدمیوں نے غلام کے آقا کو خبر دیدی کہ آپ کے غلام نے کسی کو قتل کر دیا ہے اور اس کے بعد آقا نے غلام کو آزاد کر دیا۔ یا فروخت کر دیا تو اس صورت میں مولیٰ نے فدیہ کو اختیار کیا یعنی فدیہ اپنے اوپر لازم کر دیا لیکن اگر عادل آدمی یا دو مستور الحال آدمیوں نے خبر نہ دی ہو بلکہ ایک فاسق یا دو فاسق آدمیوں نے خبر دی ہو تو پھر مولیٰ فدیہ اختیار کرنے والا نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ: یہ ہے کہ ایک آدمی کے پڑوس میں زمین فروخت ہوگئی اور کسی عادل آدمی یا دو مستور الحال آدمیوں نے اس صاحب زمین کو اطلاع دیدی کہ آپ کے پڑوس میں زمین بک گئی ہے اور وہ خاموش رہا تو اس صورت میں اس کا حق شفعہ ساقط ہو گیا لیکن کسی فاسق نے اس کو خبر دیدی یا دو فاسق آدمیوں نے خبر دیدی اور وہ خاموش رہا تو حق شفعہ ساقط نہ ہوگا۔

چوتھا مسئلہ: یہ ہے کہ ایک باکرہ بالغ لڑکی کو کسی عادل آدمی یا دو مستور الحال آدمیوں نے خبر دیدی کہ آپ کا نکاح فلاں کے ساتھ آپ کے ولی نے کر دیا ہے اور وہ خاموش رہی تو اس کا یہ سکوت رضامندی کی دلیل ہے اور اگر کسی فاسق یا دو فاسق آدمیوں نے خبر دیدی اور وہ خاموش رہی تو یہ خاموشی رضامندی کی دلیل نہ ہوگی۔

پانچواں مسئلہ: یہ ہے کہ ایک نو مسلم نے دارالہرب میں اسلام قبول کیا اور ہماری طرف یعنی دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کی اور ایک عادل آدمی یا دو مستور الحال آدمیوں نے اس کو یہ خبر دیدی کہ آپ پر فلاں فلاں فرائض لازم ہیں تو اس پر اب ان احکام کی تعمیل واجب ہے اگر ادا نہیں کرتا تو ان کی قضاء واجب ہوگی لیکن اگر ایک فاسق نے یا دو فاسق آدمیوں نے خبر دیدی اور اس نے تعمیل نہ کی تو اس پر ان کی قضاء واجب نہ ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ اس مسئلہ میں اگر فاسق نے بھی اس کو خبر دیدی تو اس پر تعمیل واجب ہے اگر ادا نہ کیا تو ان کی قضاء

واجب ہوگی۔

ان تمام مسائل میں عدد یا عدالت شرط ہے یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے لیکن حضرات صاحبین کے نزدیک ان تمام مسائل میں نہ عدد شرط ہے اور نہ عدالت بلکہ جس طرح وکیل بنانے میں ایک عام آدمی کی خبر کافی ہے چاہے عادل ہو یا فاسق اسی طرح ان مسائل میں بھی ایک عام آدمی کی خبر کافی ہوگی چاہے عادل ہو یا فاسق۔

آگے فرماتے ہیں کہ وکیل بنانے کی صرف ایک آدمی کی خبر دینا کافی ہے اس میں نہ عدد شرط ہے اور نہ عدالت پس جب ایک فاسق آدمی نے کسی کو کہا کہ فلاں نے اس چیز کی فروخت کرنے کیلئے آپ کو اپنا وکیل بنایا ہے اور وکیل نے وہ چیز بیچ دی تو یہ بیع جائز ہوگی۔ وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ عدد اور عدالت شہادت میں شرط ہے اس لئے شہادت میں الزام محض ہے تو اس میں تاکید کی ضرورت ہے اور توکیل یعنی کسی کو وکیل بنانے میں الزام کے معنی بالکل نہیں ہیں تو اس میں شہادت کے دونوں وصفوں یعنی عدد اور عدالت میں کوئی بھی چیز شرط نہیں ہے۔ اور وکیل کو معزول کرنا یا اس کے ساتھ جو دوسرے مسائل ہیں اس میں من وجہ الزام ہے اور من وجہ الزام نہیں اس لئے کہ معزول کرنے کے بعد وکیل کو تصرف کی ولایت باقی نہیں رہتی تو اس حیثیت سے اس میں الزام ہے یعنی اس کے حق کو ایک طرح سے باطل کرنا ہے تو اس میں الزام ضرر ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وکیل کو معزول کرنا مؤکل اپنے حق میں خود تصرف کر رہا ہے اس لئے کہ جب اس کو خود وکیل بنانے کا حق حاصل تھا تو معزول کرنے کا بھی حق حاصل ہوگا تو وہ اپنے حق میں خود تصرف کر رہا ہے تو اس میں کوئی الزام ضرر نہیں ہے جب دونوں احتمال موجود ہیں تو ہم نے اس میں شہادت کے دو وصفوں میں ایک وصف شرط کر دیا ہے کہ ان مسائل میں عدد یا عدالت کافی ہے۔

ولا یضمن قاض او امینہ ان باع عبدالغرماء ای عبدا للمدیون لاجل الدائنین واخذ ثمنه فضاغ  
فاستحق العبد فی رجوع المشتري علی الغرماء لانه تعذر الرجوع علی القاضی فیضمن الغرماء لان  
القاضی قد عمل لهم فیضمن الغرماء لان القاضی قد عمل لهم وامین القاضی كالقاضی وان باع  
الوصی لهم بامر قاض فاستحق العبد او مات قبل قبضه فضاغ ثمنه رجوع المشتري علی الوصی  
وهو علیهم لان العاقد هو الوصی فعلیه الرجوع والوصی یرجع علیهم لانه عمل لاجلهم

ترجمہ: اور ضامن نہ ہوگا قاضی یا اس کا امین اگر بیچ دیا غلام قرض خواہوں کے واسطے یعنی مدیون کا غلام بیچ دیا قرض خواہوں کے واسطے اور اس کا ثمن لے لیا اور وہ ضائع ہو گیا اور غلام کسی کا مستحق ہو گیا (غلام میں کسی کا حصہ نکل آیا) تو مشتری رجوع کرے گا قرض خواہوں پر اسلئے کہ محذر ہے رجوع کرنا قاضی پر تو ضامن قرض خواہوں پر ہوگا اسلئے کہ قاضی ان کیلئے عمل کرتا ہے اور

قاضی کا امین قاضی کی طرح ہے اور اگر وصی نے ان کے واسطے بیچ دیا قاضی کے حکم سے اور غلام کسی کا مستحق ہو گیا اور یا مر گیا قبضہ کرنے سے پہلے اور اس کا ثمن ضائع ہو گیا تو رجوع کرے گا مشتری وصی پر اور وہ قرض خواہوں پر اس لئے کہ عاقد وصی ہے تو اس پر رجوع ہوگا اور وصی ان پر رجوع کرے گا اسلئے کہ وہ ان کیلئے عمل کرتا ہے۔

**تشریح: قاضی اور قاضی کے امین پر ضمان نہیں آتا:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص مر گیا اور اس کی موت کے بعد قاضی نے یا قاضی کے امین نے اس میت کا غلام قرض خواہوں کے واسطے فروخت کر دیا اور ثمن وصول کرنے کے بعد ثمن قاضی کے ہاتھ میں یا قاضی کے امین کے ہاتھ میں ضائع ہو گیا اور اس کے بعد غلام کسی کا مستحق ہو گیا یعنی کسی نے غلام پر اپنے استحقاق کا دعویٰ کیا اور غلام لے گیا تو اس صورت میں چونکہ مشتری کا نقصان ہوا ہے کہ اس سے غلام بھی چلا گیا اور مال (ثمن) بھی چلا گیا تو مشتری ثمن کا رجوع کرے گا قرض خواہوں پر اس لئے کہ قاضی پر رجوع کرنا معتذر ہے اس لئے جب ہر کوئی قاضی پر رجوع کرے گا تو پھر منصب قضاء کوئی قبول نہیں کرے گا لہذا جب قاضی پر رجوع معتذر رہے اور قاضی کا امین بھی چونکہ قاضی کے حکم میں ہے تو مشتری رجوع کرے گا قرض خواہوں پر اسلئے کہ قاضی نے تو یہ کام قرض خواہوں کے واسطے کیا تھا تو ضمان بھی انہی پر آئے گا اس لئے کہ الغنم بالغرم۔ اور اگر میت کے وصی (چاہے میت نے وصی بنایا ہو یا قاضی نے وصی بنایا ہو) نے قاضی کے حکم سے غلام فروخت کیا قرض خواہوں کے واسطے اور غلام کسی کا مستحق ہو گیا یا مشتری نے غلام پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ غلام قبضہ کرنے سے پہلے مر گیا اور وصی نے مشتری سے ثمن لیا ہو اور یہ ثمن وصی کے پاس ہلاک ہو گیا تو اس صورت میں مشتری رجوع کرے گا وصی پر کیونکہ عاقد تو وصی ہی ہے اور وصی رجوع کرے گا قرض خواہوں پر اس لئے کہ وصی تو ان کیلئے کام کرتا ہے لہذا جو تاوان اس نے برداشت کیا ہے وہ ان کی وجہ سے برداشت کیا ہے اس لئے وصی قرض خواہوں پر رجوع کرے گا۔

ولو امرک قاض عالم عادل بفعل قضی بہ علی ہذا من رجم او قطع او ضرب وسعک فعلہ

و صدق عدل جاہل سنل فاحسن تفسیرہ ولم یصدق قول غیرہما القاضی اما عالم عدل او جاہل

عدل او عانم غیر عدل او جاہل غیر فالاول ان قال قضیت بقطع ید زید فاقطع یدہ جاز لک قطع یدہ

والقاضی الثانی ان قال ہذا فلا بد من ان تستلہ عن سببہ فان احسن تفسیرہ وجب تصدیقہ فیجوز لک

قطع یدہ واما الاخیر ان فلا یقبل قولہما .

ترجمہ: اور اگر ایک عالم، عادل قاضی تجھے ایسے کام کا حکم دے جس کا اس نے فیصلہ کیا ہے اس پر رجم کا یا ہاتھ کاٹنے کا یا کوڑے

لگانے کا تو آپ کیلئے منجائش ہے اس کام کے کرنے کی اور تصدیق کی جائے گی عادل جاہل قاضی کی جس سے استفسار کیا گیا تو اس نے اچھی تفسیر بیان کی اور ان کے علاوہ کی تصدیق نہ کی جائے گی قاضی یا عالم عادل ہوگا یا جاہل عادل ہوگا یا عالم غیر عادل ہوگا یا جاہل غیر عادل ہوگا پس اگر اول نے کہا کہ میں نے زید کے ہاتھ کاٹنے کا حکم کیا ہے اس کا ہاتھ کاٹ لو تو آپ کیلئے جائز ہے اس کا ہاتھ کاٹنا اور دوسرے قاضی نے اگر یہ بات کی تو ضروری ہے کہ ان سے پوچھ لے اس کے سبب کے بارے میں پس اگر اس نے اچھی تفسیر بیان کی تو اس کی تصدیق واجب ہے تو آپ کیلئے جائز ہے اس کا ہاتھ کاٹنا اور اخیری دونوں کا قول معتبر نہ ہوگا۔

### تشریح قاضی کا قول کس صورت میں ماننا ضروری ہے؟

صورت مسئلہ یہ ہے ایک قاضی نے ایک آدمی کو کہا کہ میں نے فلاں پر جرم کا حکم کیا ہے لہذا تم اس کو سنگسار کرو یا میں نے زید کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے لہذا تم اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ یا میں نے زید کو کوڑے مارنے کا حکم دیا ہے لہذا تم اسے کوڑے مردو ایا اس صورت میں قاضی کا حکم ماننا لازم ہے یا نہیں تو اس کے بارے میں تفصیل ہے۔  
تفصیل یہ ہے کہ قضاة کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) قاضی عالم عادل (۲) جاہل عادل (۳) عالم فاسق (۴) جاہل فاسق۔

پس اگر عالم عادل قاضی نے کسی کو یہ حکم دیا کہ فلاں کام کرو تو اس صورت میں قاضی کا حکم ماننا جائز ہے استفسار کی ضرورت نہیں اور اگر دوسرا قاضی ہو یعنی جاہل عادل قاضی نے اگر یہ حکم دیا کہ فلاں کا ہاتھ کاٹ لو یا فلاں کو کوڑے لگا دو تو اس صورت میں قاضی سے اس کے بارے میں استفسار کیا جائیگا کہ اس کا ہاتھ کیوں کاٹا جا رہا ہے اگر قاضی نے اس کی اچھی تفسیر بیان کی یعنی شریعت کے موافق تفسیر بیان کی تو اس کی تصدیق بھی جائز ہے اور آپ کیلئے یہ کام کرنا جائز ہے۔

اور اگر اخیری دونوں قسمیں ہوں یعنی عالم فاسق اور جاہل فاسق تو ان کا حکم ماننا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ شخص جس کو سزا دینے پر مامور کیا گیا ہے اس نے بذات خود اس سبب کا مشاہدہ کیا ہو یا اس کے سامنے گواہوں نے گواہی دی ہو تو قاضی کی تصدیق کی جائے گی۔

و صدق قاض عزل وقال لزید اخذت منك الفاقضیت به لعمرو ودفعت اليه اوقال له قضیت

بقطع بدك في حق و ادعى زيد اخذه وقطعه ظلما و اقر بكونهما في قضائه لان زيدا لما اقر بكون

الاخذ والقضاء بقطع اليد في زمان قضائه فالظاهر ان القاضی لا يظلم فالقول للقاضی اما اذا لم

بقربکونہما فی زمان قضائہ بل قال انما فعلت هذا قبل التقليد او بعد العزل فان اقام بينة على هذا  
فالقاضي يكون مبطلا في هذا الفعل وان لم يكن له بينة فالقول للقاضي .

ترجمہ: اور تصدیق کی جائے گی معزول قاضی کی اس حال میں کہ اس نے زید سے کہا کہ میں نے تم سے ہزار روپے لئے تھے اور  
اس کا فیصلہ میں نے تم پر کیا تھا عمرو کے واسطے اور میں نے اس کو دیا ہے اور یا اس سے یہ کہا کہ میں نے آپ کے ہاتھ کاٹنے کا حکم  
کیا تھا حق کی بناء پر اور زید نے دعویٰ کیا کہ اس نے لیا ہے یا ہاتھ کاٹا ہے ناحق طور پر اس حال میں کہ وہ اس بات کا اقرار کرنے  
والا ہے کہ یہ دونوں کام اس کی قضاء میں ہوئے ہیں کیونکہ زید نے جب اقرار کیا کہ لینا اور ہاتھ کاٹنا اس کے قضاء کے زمانے  
میں ہیں تو ظاہر یہ ہے کہ قاضی کسی پر ظلم نہیں کرتا اور جب اس نے اقرار نہ کیا کہ یہ دونوں کام زمانہ قضاء میں ہوئے ہیں بلکہ وہ  
کہتا ہے کہ آپ نے یہ کام کیا ہے قاضی بننے سے پہلے یا معزول ہونے کے بعد پس اگر اس نے اس پر بینہ پیش کیا تو قاضی باطل  
پر ہوگا اس کام میں اور اگر اس کے پاس بینہ نہ ہو تو قول قاضی کا معتبر ہوگا۔

تشریح: معزول ہونے کے بعد مدیون کا قاضی کے ساتھ تازعہ ہو تو قاضی پر ضمان نہیں آئے گا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ قاضی نے معزول ہونے کے بعد زید سے کہا کہ میں نے آپ سے ہزار روپے لئے تھے اور اس کا حکم میں  
نے عمرو کے واسطے کیا تھا اور وہ روپے میں نے عمرو کو دئے ہیں اور یہ فیصلہ میں نے حق کے ساتھ کیا تھا میں اس میں حق بجانب  
تھا۔ یا زید سے یہ کہا کہ میں نے آپ کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا کسی حق کی وجہ سے یعنی میرے نزدیک آپ کے اوپر ایسا حق  
ثابت ہو چکا تھا جو قطعاً سبب تھا۔ چنانچہ آپ کا ہاتھ کاٹا گیا اور زید کہتا ہے کہ نہیں جناب بلکہ آپ نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے مجھ سے  
ناحق طور پر مال لیا ہے اور ناحق طور پر میرا ہاتھ کاٹا ہے اس لئے مجھے اس کا تاوان دینا چاہئے لیکن زید اس بات کا بھی اقرار کرتا ہے کہ آپ  
نے یہ کام قضاء کے زمانے میں کیا ہے تو اس صورت میں زید کا قول معتبر نہ ہوگا بلکہ قاضی کا قول معتبر ہوگا اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ قاضی  
کسی پر ظلم نہیں کرتا لہذا قاضی کا قول معتبر ہوگا اور قاضی پر تاوان لازم نہ ہوگا۔ لیکن اگر زید نے اس بات کا اقرار نہ کیا ہو کہ یہ کام اس نے  
قضاء زمانے میں کیا ہے بلکہ وہ کہتا ہے کہ یہ مال لینا یا ہاتھ کاٹنا اس نے قاضی بننے سے پہلے کیا تھا یا معزول ہونے کے بعد کیا ہے اور زید  
نے اس بات پر بینہ بھی پیش کیا تو پھر زید کا قول معتبر ہوگا اور قاضی کو باطل پر اقرار دیا جائے گا لیکن اگر زید نے بینہ پیش نہ کیا تو پھر قاضی کا  
قول معتبر ہوگا اور اس پر تاوان لازم نہ ہوگا کیونکہ قاضی نے اپنا فعل ایسی حالت کی طرف منسوب کیا ہے جو ضمان کے منافی ہے یعنی قاضی  
نے اپنا فعل زمانہ قضاء کی طرف منسوب کیا ہے اور قضاء کی حالت ضمان کے منافی ہے۔

## کتاب الشہادت والرجوع عنہا

(یہ کتاب شہادت اور شہادت سے رجوع کے بارے میں ہے)

کتاب الشہادت کی کتاب القضاء کے ساتھ مناسبت:

کتاب الشہادت سے پہلے کتاب القضاء تھی اس کی مناسبت یہ ہے کہ قضاء مقصود ہے اور شہادت اس کا وسیلہ ہے اور مقصود کو وسیلہ پر مقدم کیا جاتا ہے اس لئے کتاب القضاء کو کتاب الشہادت پر مقدم کر دیا۔

شہادت کے لغوی معنی: شہادت مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں مشاہدہ کے بعد کسی چیز کی صحت کی خبر دینا

شہادت کے اصطلاحی معنی: ہی اخبار بقر للغير علی آخر، کسی غیر کے حق کی گواہی دینا دوسرے پر یا، ہی اخبار صادق بلفظ الشہادۃ فی مجلس القاضی لاثبات الحق، اثبات حق کیلئے قاضی کی مجلس میں لفظ شہادت کے ساتھ سچی خبر دینا یہ شہادت ہے

فائدہ: شہادت کی شرطیں دو طرح کی ہیں۔ (۱) شرائط تحمل۔ (۲) شرائط اداء۔

شرائط تحمل تین ہیں (۱) شاہد ہونے کے وقت عقل کامل ہو (۲) بصارت ہو (۳) مشہود بہ کا اپنی آنکھوں سے معاینہ کیا ہو پس دیوانے غیر عاقل۔ بچے۔ اور اندھے کو گواہ بنانا صحیح نہیں ہے۔

البتہ عاقل بچہ۔ کافر۔ اور غلام۔ تحمل شہادت کر سکتے ہیں لیکن ادائے شہادت نہیں کر سکتے اس لئے اگر ان لوگوں نے یعنی بچے نے بچپن میں اور کافر نے کفر کی حالت میں اور غلام نے غلامی کی حالت میں تحمل شہادت کیا اور گواہی ادا کی بلوغ کے بعد یا مسلمان ہونے کے بعد یا آزاد ہونے کے بعد تو یہ جائز ہے اس لئے کہ ادائے شہادت کے وقت شرط موجود ہے۔

شرائط اداء چار طرح کی ہیں۔

(۱) جو نفس شہادت سے متعلق ہیں (۲) وہ جو شاہد سے متعلق ہیں (۳) وہ جو مکان سے متعلق ہیں (۴) وہ جو مشہود بہ سے متعلق ہیں۔

جو نفس شہادت سے متعلق ہیں وہ تین ہیں

(۱) لفظ شہادت (۲) عدد فی الشہادۃ (۳) اتفاق شاہدین

اور جو شاہد سے متعلق ہیں وہ گیارہ ہیں (۱) بلوغ (۲) آزادی (۳) بصر (۴) نطق (۵) سح (۶) عدالت (۷) محدودی



القذف نہ ہونا (۸) اپنے لئے جلب منفعت نہ ہونا (۹) اپنی ذات سے دفع مضرت کا نہ ہونا (۱۰) شاہد کا خصم نہ ہونا (۱۱) مشہور بہ کا بلا شک و تردد خوب یاد ہونا۔

اور جو مکان شہادت سے متعلق ہے وہ صرف ایک شرط ہے وہ یہ کہ مجلس قضاء ہو۔

اور جو مشہور بہ سے متعلق ہیں وہ تین ہیں (۱) قیام رات شرب خمر کی گواہی میں (۲) اصالت حدود اور قصاص کی گواہی میں (۳) حضور اصل کا حذر ہونا شہادت علی الشہادت میں۔

شہادت کا رکن: شہادت کا رکن لفظ اشہد ہے۔

شہادت کا حکم: شہادت کا حکم یہ ہے کہ شاہدین کے تذکیہ کے بعد قاضی پر بمقتضائے شہادت فیصلہ کرنا واجب ہے۔

شہادت کا جواز: قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے، „واستشهدوا شہیدین من رجالکم“

اور شہادت بالخیر ما مور بہ ہے باری تعالیٰ کے اس قول میں، „کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط“

اور جب مدعی گواہی طلب کرے تو گواہی سے انکار نہ کرے اس لئے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

„ولایابی الشہداء اذا ماعوا“۔۔۔

ہی اخبار بحق للغير علی آخر الاخبارات ثلثة امام بحق للغير علی آخر وهو الشهادة او بحق للمخبر علی

آخر وهو الدعوی او بالعکس وهو الاقرار۔

ترجمہ: یہ غیر کے حق کی خبر دینا ہے دوسرے پر۔ خبر دینا تین قسم پر ہے یا تو غیر کے حق کی خبر دینا ہے دوسرے پر یہ شہادت ہے یا خبر دینے والے کے حق کی خبر دینا ہے دوسرے پر اور یہ دعویٰ ہے اور یا اس کا عکس ہے اور یہ اقرار ہے۔

تشریح: اخبار کی قسمیں :

وہ اخبارات جو متعلق ہیں حقوق العباد کے ساتھ وہ تین قسم پر ہیں۔ حقوق العباد کی قید ہم نے اس لئے لگائی کہ بعض اخبارات وہ ہیں جس کا تعلق حقوق العباد سے نہیں ہے بلکہ احکام شرعیہ سے ہے مثلاً خبر واحد اور خبر مشہور۔ متواتر وغیرہ یا اخبارات قصص اور امثال وغیرہ تو اس قید سے ان اخبارات کو نکالنا مقصود ہے۔

جن اخبارات کا تعلق حقوق العباد سے ہے ان کی تین قسمیں ہیں:

(۱) وہ خبر جو غیر کی خبر ہو غیر پر یعنی ایک آدمی یہ خبر دیتا ہے کہ فلاں آدمی پر فلاں کا حق واجب ہے اس کو شہادت کہتے ہیں

(۲) وہ خبر جو مخبر کی خبر ہو غیر پر یعنی مخبر یہ کہتا ہے کہ فلاں پر میرا یہ حق واجب ہے اس کو دعویٰ کہتے ہیں  
(۳) وہ خبر جو مخبر کی خبر ہو اپنے آپ پر غیر کے لئے یعنی مخبر یہ کہتا ہے کہ فلاں کا میرے اوپر یہ حق واجب ہے اس کو اقرار کہتے ہیں

ويجب بطلب المدعى وسترها فى الحدود ابر اى افضل ويقول فى السرقة اخذ لاسرق انما يقول  
اخذ لثلايضع حق المالك ولا يقول سرق لثلايوجب الحد .

ترجمہ: اور گواہی دینا واجب ہوتا ہے مدعی کے مطالبے سے اور اس کا چھپانا حدود میں نیکی ہے یعنی افضل ہے اور کہے چوری میں  
کہ اس نے مال لیا ہے یہ نہ کہے کہ اس نے چوری کی ہے بلکہ اخذ کہے تاکہ مالک کا حق ضائع نہ ہو اور سرق نہ کہے تاکہ حد واجب  
نہ ہو۔

### تشریح: گواہی دینا کب واجب ہوتا ہے؟

فرماتے ہیں کہ گواہی دینا یعنی ادائے شہادت یا گواہی قبول کرنا یعنی تحمل شہادت گواہ پر لازم اور فرض ہے لیکن اس وقت جبکہ مدعی  
اسکا مطالبہ کرے تو اس وقت گواہوں پر گواہی دینا فرض ہے پس اگر صرف دو آدمی ہوں تو ان پر گواہی دینا فرض عین ہے کیونکہ  
اگر یہ دونوں ادا نہ کرے تو صاحب حق کا حق ضائع ہو جائے گا اور اگر دو سے زیادہ ہو تو پھر گواہوں پر گواہی دینا فرض کفایہ ہے  
اور گواہی دینے کی فرضیت پر یہ آیتیں دلالت کرتی ہیں۔

(۱) ,, ولا یسأى الشہداء اذا ما دعوا ،، کہ جب بلایا جائے تو انکار کرنا ممنوع ہے جب انکار کرنا ممنوع ہے تو مطالبے کے  
وقت حاضر ہونے کا امر ہوگا اور امر و جوب پر دلالت کرتا ہے۔

(۲) ,, ولا تکتموا الشہادة ومن یکتتمها فانه اثم قلبه ،، کتمان شہادت سے منع کیا گیا ہے تو جب کتمان شہادت ممنوع  
ہے تو اظہار شہادت واجب ہوگا اور اظہار شہادت نام ہے ادائے شہادت کا تو ادائے شہادت واجب ہے اسی طرح جس نے  
گواہی چھپائی تو اس کا دل گنہگار ہے یعنی وہ خود گنہگار ہے تو اس میں گواہی ادا نہ کرنے پر وعید سنائی گئی ہے اور وعید ترک واجب  
پر ہوتی ہے لہذا معلوم ہوا کہ گواہی دینا واجب ہے پس خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جب مدعی مطالبہ کرے تو گواہ پر گواہی دینا واجب ہے

اعتراض: اعتراض یہ ہے کہ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ مدعی کو اپنا گواہ معلوم نہیں ہوتا اور اس کا حق ضائع ہوتا ہے لیکن ایک  
آدمی اس معاملہ سے باخبر ہوتا ہے یعنی اس نے یہ معاملہ دیکھا ہوتا ہے تو وہ باقاعدہ شرعی گواہ ہے اور اس پر گواہی دینا واجب ہے  
حالانکہ مدعی نے مطالبہ نہیں کیا ہے تو آپ کا یہ کہنا کہ گواہی دینا اس وقت واجب ہے جب کہ مدعی مطالبہ کرے اس کو شامل  
نہیں ہے۔

جواب: جواب یہ ہے کہ اس صورت میں بھی مدعی نے مطالبہ کیا ہے اگرچہ صراحتہ مطالبہ نہیں کیا ہے لیکن دلالتہ مطالبہ کیا ہے اس لئے کہ مدعی جب گواہوں سے گواہی کا مطالبہ کرتا ہے تو وہ اسلئے کرتا ہے کہ اس کا حق زندہ ہو جائے اور یہ بات (یعنی اس کا حق زندہ ہو جائے) مدعی کے سوال اور دعویٰ میں بھی موجود ہے پس مدعی ضمناً اس بات کا مطالبہ کرنے والا ہو گیا کہ میرا کوئی گواہ ہو تو میں مطالبے کو تیار ہوں اسلئے ہم نے کہا کہ یہاں پر اگرچہ صراحتہ مدعی کا مطالبہ نہیں ہے لیکن دلالتہ اور ضمناً مدعی کا مطالبہ موجود ہے اسلئے گواہی دینے کا وجوب مدعی کے مطالبے پر موقوف ہوا۔

حدود میں گواہی چھپانا مستحب ہے: فرماتے ہیں باب حدود میں گواہی چھپانا مستحب ہے کیونکہ اس پر دلیل نقلی موجود ہے چنانچہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ماعز اسلمیؓ کے اقرار کے بعد کئی مرتبہ اعراض فرمایا اور پھر فرمایا کہ شاید آپ نے بوسہ لیا ہو گا یا ہاتھ لگایا ہو گا اسی طرح جس نے ماعز اسلمیؓ کو اقرار پر اگسایا تھا ان کو فرمایا،، لوسمترقہ بشوبک کان خیرا،، ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

،، من ستر علی مسلم ستر اللہ علیہ فی الدنیا والآخرۃ،، نیز حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت فاروقؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو مسعود انصاریؓ سے دفع حدود کی تلقین مروی ہے اس لئے حدود کے باب میں حتی الامکان گواہی چھپانا مستحب ہے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ حدود کے باب میں گواہی چھپانا مستحب ہے حالانکہ قرآن مجید کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گواہی چھپانا گناہ ہے،، ولا تکتوموا الشہادۃ،،

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ابواب حدود میں کتمان شہادت کے متعلق جو احادیث وارد ہیں وہ تعدد متون کی وجہ سے حد شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں جن سے عموم آیت کی تخصیص جائز ہے نیز یہ بھی کہ ولا تکتوموا الشہادۃ حقوق العباد کی شہادت پر محمول ہے بہر حال حدود کے باب میں گواہی چھپانا مستحب ہے۔

سرقہ میں اخذ کہے سرقہ نہ کہے: فرماتے ہیں کہ حد سرقہ میں اگرچہ سرقہ کی گواہی چھپانا مستحب ہے لیکن مال کی گواہی دینا واجب ہے اب یہ کہ مال واجب ہو جائے اور حد لازم نہ ہو جائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ گواہ یہ کہے کہ فلان اخذ من فلان المال کہ فلان نے فلان سے مال لیا ہے یہ نہ کہے کہ فلان نے چوری کی ہے تو اس سے مال لازم ہو جائے گا اور حد واجب نہ ہوگی تو یہاں ایک مسلمان کی پردہ پوشی بھی ہوگئی اور دوسرے کا مال بھی ضائع نہ ہوا۔

ونصابہا للزنا ربعة رجال وللقد وباقی الحدود رجالن وللکارة وللولادة وعیوب النساء

فیمالایطلع علیہ الرجال امرأۃ انما قال هذا لان عیوب النساء اذا كانت مما یطلع علیہ الرجال کالاصبع الزائده مثلا لایکفی شہادۃ امرأۃ ولغیرہا مالا کان او غیر مال کنکاح ورضاع وطلاق ووكالة ووصیۃ رجلان اور رجل وامرأتان انما قال مالا او غیر مال لان فیہ خلاف الشافعی فان غیر المال لا تقبل فیہ شہادۃ رجل وامرأتین عنده بل هذا مخصوص بالمال .

ترجمہ: اور شہادت کا نصاب زنا کیلئے چار مرد ہیں۔ قصاص اور باقی حدود کیلئے دو مرد اور بکارت، بچے کی ولادت، اور عورتوں کے ان عیوب کے لئے جس پر مرد مطلع نہیں ہوتے ایک عورت ہے مصنف نے یہ اس لئے کہا کہ عورتوں کے عیوب جب ایسے ہوں کہ جن پر مرد مطلع ہو سکتے ہیں جیسے زائد انگلی اس میں ایک عورت کی گواہی کافی نہیں ہے اور ان کے ماسوا کیلئے چاہے مال ہو یا غیر مال جیسے نکاح۔ رضاع۔ طلاق۔ نکاح اور وصیت۔ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں۔ مصنف نے کہا کہ مال ہو یا غیر مال کیونکہ اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے اس لئے کہ غیر مال میں ان کے نزدیک ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہوتی بلکہ یہ مخصوص ہے مال کے ساتھ۔

### تشریح شہادت کا نصاب کتنا ہے؟

اس کی تفصیل یہ ہے کہ شہادت کے چار مراتب ہیں۔

(۱) شہادت فی الزنا (۲) شہادت فی بقیۃ الحدود والقصاص (۳) حدود اور قصاص کے علاوہ معاملات میں شہادت (۴) عورتوں کی ان باتوں کے متعلق شہادت جن پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے۔

تفصیل: چنانچہ شہادت فی الزنا کیلئے چار مردوں کی گواہی شرط ہے چار کی عدد ماخوذ ہے باری تعالیٰ کے اس قول سے ،،

فاستشهدوا علیہن اربعۃ منکم ،، اور باری تعالیٰ کے اس قول سے ،، والسلیمن یرمون المحصنات ثم لم

یأتوا باربعۃ شہداء فاجلدوہم ثمانین جلدۃ ،، اور ذکوریت کی شرط ایک آیت سے خود معلوم ہوتی ہے کہ چار مرد ہونے

چاہئے اس لئے کہ اربعۃ عدد مؤنث ہے اور تین سے عشر تک عدد کی تیزاگر عدد مؤنث ہو تو تیز مذکر ہوتی ہے تو یہاں بھی تیز مذکر

ہوگی اور نیز اس باب امام زہریؒ کی مشہور حدیث ہے ،، مضت السنۃ من لدن رسول اللہ ﷺ والخلیفتین من بعدہ

ان لاشہادۃ للنساء فی الحدود والقصاص (مص الرباع ج ۳ ص ۷۷) ،، اور عورت کی گواہی میں بدلیت کا بھی شبہ ہے اس

لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ،، فان لم یکونارجلین فرجل وامرأتان ،، تو دو عورتیں ایک مرد کا بدل ہے گویا اس میں

شہدہ پیدا ہوا اور حدود شہدہ سے ساقط ہو جاتی ہیں اس لئے باب حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

(۲) شہادت کا دوسرا مرتبہ حد زنا کے علاوہ بقیہ حدود یعنی حد قذف۔ حد شرب خمر۔ حد سرقہ اور قصاص ہیں کہ اس میں دو مردوں کی گواہی معتبر ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے،، واستشهدوا شہیدین من رجالکم،، کہ دو گواہوں کا ذکر ہے اور رجلیت کی قید ہم نے حدیث زہریٰ سے لی ہے کیونکہ اس میں یہ مذکور ہے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہے۔

(۳) شہادت کا تیسرا مرتبہ: بکارت۔ ولادت اور عورتوں کے وہ عیوب جن پر مرد حضرات مطلع نہیں ہوتے ان میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہوتی ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی شرط ہے۔

اور امام شافعیؒ کے نزدیک چار عورتوں کی گواہی شرط ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ اصل گواہی میں دو مرد ہیں اور دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں تو جب مردوں کیلئے جس مقام میں نظر کرنا ممکن نہ ہو تو وہاں چار عورتیں دو مردوں کے قائم مقام ہوں گی۔

امام مالکؒ کی دلیل: یہ ہے کہ شہادت میں عدد اور ذکریت شرط ہے تو اس باب میں (عیوب نساء میں) ذکریت ساقط ہے اور عدد باقی ہے لہذا دو عورتیں ہونی چاہئے۔

احناف کی دلیل: حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے،، شہادۃ النساء جائزۃ فیما لا یصلح الرجال النظر الیہ،، وجہ استدلال یہ ہے کہ اس میں الرجال جمع معرف باللام ہے اور جمع پر جب الف لام داخل ہوتا ہے تو اس کی جمعیت باطل ہو جاتی ہے اور جنسیت باقی رہتی ہے تو شہادۃ النساء سے مراد جنس عورت ہے اور جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب ہوتا ہے اور قلیل کا حقیقی مصداق ایک ہے تو معنی یہ ہوئے کہ جن چیزوں کو مرد نہ دیکھ سکتے ہوں ان میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔

عقلی دلیل: یہ ہے کہ عورت کی نظر عورت کی طرف اخف ہے بہ نسبت مرد کی نظر کے عورت کی طرف پس جب تخفیف کے واسطے ذکریت کی شرط ختم کر دی گئی تو عدد کی شرط بھی ختم کر دی جائے گی تاکہ ستر اور تخفیف پر عمل ہو سکے۔

انما قال ہذا: مصنفؒ نے فرمایا کہ جن عیوب پر مرد مطلع نہ ہوتے ہوں یہ اس لئے کہ عورتوں کے جن عیوب پر مرد مطلع ہو سکتے ہیں جیسے عیوب ظاہرہ جیسے مثلاً زائد انگلی یا ظاہری زخم وغیرہ ان میں ایک عورت کی گواہی معتبر نہ ہوگی بلکہ دو مرد یا ایک مرد اور

دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔

(۴) شہادت کا چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ مذکورہ حقوق کے علاوہ دوسرے معاملات میں چاہے مال ہو یا غیر مال ان میں دو مردوں یا ایک مرد اور عورتوں کی گواہی قبول ہوتی ہے مال اور توابع مال میں تو احناف اور امام شافعی کا اتفاق ہے کہ اس میں مرد و عورت دونوں کی گواہی قبول ہوتی ہے لیکن مال اور توابع مال کے علاوہ میں امام شافعی کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک عورتوں کی گواہی مال اور توابع مال جیسے اجارہ، اعارہ، کفالہ، میعاد، اور شرط خیار میں تو قبول ہے لیکن اس کے علاوہ میں جیسے نکاح، طلاق، وکالت، وصیت، عتاق، رجعت، اور نسب میں عورتوں کی شہادت مردوں کے ساتھ قبول نہیں ہوتی۔

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ عورتوں میں نقصان عقل کی وجہ سے اصل یہ ہے کہ ان کی گواہی بالکل قبول نہ ہو۔

کیونکہ ایک تو ان میں نقصان عقل موجود ہے اور نسیان کی وجہ سے ان کے ضبط میں خلل بھی ہوتا ہے نیز ان میں قصور و لاپتہ کی وجہ سے امارت کی اہلیت بھی نہیں ہے تینوں باتوں کی وجہ سے عورتوں کی گواہی بالکل قبول نہ ہونی چاہئے لیکن اموال اور توابع اموال فی نفسہ حقیر اشیاء ہیں اور کثیر الوقوع ہیں اور یہ حقوق العباد بھی ہیں جو زندہ ہونے کے محتاج ہوتے ہیں اور ان معاملات میں ہر جگہ دو مردوں کا موجود ہونا دشوار ہے اس لئے ضرورت کی وجہ سے اموال اور توابع اموال میں عورتوں کی گواہی قبول کر لی گئی اور غیر اموال یعنی نکاح، طلاق وغیرہ درجہ کے اعتبار سے عظیم ہیں اور کثیر الوقوع بھی نہیں ہیں لہذا ان میں عورتوں کی گواہی معتبر نہ ہوگی۔

ہماری دلیل نقلی: یہ ہے کہ نص مطلق ہے یعنی، فان لم یکنوا رجلین فرجل وامرأتان،، اس میں اموال اور غیر اموال کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

عقلی دلیل: یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ عورتوں کی گواہی قبول ہو کیونکہ شہادت کی بناء مشاہدہ، ضبط، اور اداء پر ہے اور یہ چیزیں عورتوں میں موجود ہیں، مشاہدہ سے گواہ کو اس چیز کا علم حاصل ہوتا ہے اور ضبط سے علم باقی رہ جاتا ہے اور ادا کرنے سے قاضی کو علم ہوتا ہے پس جب عورتوں میں وہ چیزیں موجود ہیں جن پر اہلیت شہادت کا مدار ہے تو شہادت دینا جائز ہوگا اور احادیث میں عورتوں کی خبر معتبر ہے تو گواہی دینا بھی جائز ہوگا۔

اور عورتوں کے ضبط میں جو کمی ہے تو وہ دوسری عورت کے ملانے سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے لہذا دو عورتیں مل کر ایک مرد کے قائم مقام ہو گئیں۔

وشرط للکل العدالة ولفظ الشهادة اعلم ان العدالة شرط عندنا لوجوب القبول لالصحة القبول فغير

العدل لا یجب علی القاضی ان لا یقبل شہادته امان قبل و حکم بہ صح حکمہ فلم یقبل ان قال اعلم  
والتیقن .

ترجمہ: اور شرط ہے سب کیلئے عدالت اور لفظ شہادت جان لو کہ عدالت شرط ہے ہمارے نزدیک و جو قبول کیلئے نہ کہ صحت  
قبول کیلئے پس قاضی پر غیر عادل گواہی قبول نہ کرنا واجب نہیں ہے پس اگر اس نے قبول کی اور اس پر فیصلہ کیا تو اس کا فیصلہ صحیح  
ہے اور قبول نہ کرے اگر اس نے کہا کہ مجھے معلوم ہے یا مجھے یقین ہے۔

تشریح گواہی میں عدالت اور لفظ شہادت شرط ہے:

فرماتے ہیں شہادت کے تمام اقسام میں (انواع اربعہ میں) عدالت اور لفظ شہادت شرط ہے۔

عدالت کے معنی: عدالت سے مراد یہاں پر یہ ہے کہ انسان کھارے سے اجتناب کرتا ہو اور صفائے پر اصرار نہ کرتا ہو اور اس کی  
صلاح اس کے فساد سے زیادہ ہو۔

اور شہادت میں عدالت اس لئے شرط ہے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ، ،فاشہدوا ذوی عدل منکم،، کہ عادل آدمی کو گواہ مقرر کر دو  
،، ممن ترضون من الشہداء،، یعنی جن کو تم پسند کرتے ہو حاصل یہ ہے کہ گواہ لوگوں میں پسندیدہ آدمی ہو اور لوگوں میں  
پسندیدہ فاسق نہیں ہو سکتا بلکہ عادل ہو گا لہذا گواہ کا عادل ہونا ضروری ہے۔

لفظ شہادت اس لئے شرط ہے کہ: تمام نصوص (قرآن و حدیث) لفظ شہادت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں چنانچہ ارشاد ہے

،،واقیموا الشہادۃ للہ،، واشہدوا ذوی عدل منکم،، واستشہدوا شہدین من رجالکم،،

واشہدوا اذا تبايعتم،، حدیث شریف میں ہے ،، اذا علمت مثل الشمس فاشہد والا لا،، ان تمام نصوص سے لفظ

شہادت کی صراحت ہوتی ہے نیز شہادت کے معنی ہیں مشاہدہ تو یہ شہادت کے ساتھ مناسب ہے کیونکہ شہادت بھی معاینہ سے

ہوتی ہے اور شہادت کا لفظ یقین اور قسم کا لفظ ہے یعنی شہادت کا لفظ قسم میں بھی استعمال ہوتا ہے تو لفظ شہادت کے گواہ جھوٹ سے

احتراز کرے گا اس لئے لفظ شہادت کے گواہی دینا شہادت کا رکن قرار پایا۔

واعلم ان العدالة شرط عندنا: گواہ کا عادل ہونا ضروری ہے اور شرط ہے اس میں کچھ تفصیل ہے اور وہ یہ ہے

کہ گواہ کا عادل ہونا صحیح شہادت کیلئے شرط نہیں ہے بلکہ قبول شہادت کیلئے شرط ہے یعنی اگر گواہ عادل نہ ہوں بلکہ فاسق ہو تو

قاضی اس کی گواہی قبول کر سکتا ہے لیکن قاضی پر واجب نہیں ہے کہ اس کی گواہی قبول کرے بلکہ قاضی کو اختیار ہے کہ قبول کرے یا

نہ کرے البتہ قبول نہ کرنا پسندیدہ ہے تاکہ فاسق کا اعزاز اور اکرام لازم نہ آئے لیکن اگر قاضی نے فاسق کی گواہی قبول کی اور اس پر فیصلہ صادر کر دیا تو احتاف کے نزدیک یہ فیصلہ جائز ہے اور نافذ ہوگا امام شافعیؒ کے نزدیک گواہ کا عادل ہونا شرط ہے صحت شہادت کیلئے یعنی فاسق کی گواہی قبول کرنا ہی صحیح نہیں ہے پس جب فاسق کی گواہی قبول کرنا صحیح نہیں ہے تو اس پر فیصلہ کرنا بھی صحیح نہ ہوگا لہذا اگر قاضی نے فاسق کی گواہی پر فیصلہ کیا تو یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔

عبارت کی وضاحت: لغیر العدل لا یجب علی القاضی ان لا یقبل شہادته: کے معنی ہیں کہ غیر عادل آدمی کی گواہی کا قبول نہ کرنا قاضی پر واجب نہیں ہے پس جب قبول نہ کرنا واجب نہیں ہے تو قبول کرنا جائز ہو یعنی قاضی پر عدم قبول واجب نہیں ہے پس جب عدم قبول واجب نہیں ہے تو قبول کرنا جائز ہوا۔

آگے فرماتے ہیں اگر گواہ نے اشد کے بجائے لفظ علم یعنی میں جانتا ہوں یا اتقن یعنی میں یقین کرتا ہوں کہا تو اس سے گواہی ادا نہ ہوگی کیونکہ لفظ شہادت شرط ہے کما تر فیصلہ۔

ولا یستل قاض عن شاہد بلا طعن الخصم ای لا یستل القاضی ولا یتفحص ان الشاہد عدل او غیر عدل اذالم یطعن الخصم فیہ الا فی حدود قود و قال لا یستل فی الكل ستر او علنا وبہ یفتی فی زماننا

ویکفی سرا لانه قد قبل تزکیة العلانیة بلاء وفتنة فان المزکی ان اعلن بمساوی الشاہد یهیج بینہما عداوة و بغضا وربما یمنعه الخوف او الحیاء او غیرہما عن ان یقول فی الشاہد ما هو حق .

ترجمہ: اور قاضی تفتیش نہ کرے گواہوں کے بارے میں مدعی علیہ کے طعن کے بغیر یعنی قاضی نہ پوچھے اور نہ تفتیش کرے کہ گواہ عادل ہے یا غیر عادل جب تک مدعی علیہ اس پر طعن نہ کرے مگر حد اور قصاص میں اور صاحبین فرماتے ہیں کہ تمام معاملات کے بارے میں پوچھا جائے پوشیدہ اور ظاہری طور پر اور اس پر فتویٰ ہے ہمارے زمانے میں اور کافی ہے پوشیدہ طور پر اس لئے کہ کہا گیا ہے کہ ظاہری تزکیہ بلاء اور مصیبت ہے اس لئے کہ اگر تزکیہ کرنے والا ظاہری طور پر گواہ کے عیوب بیان کرے تو دونوں کے درمیان دشمنی اور بغض پیدا ہو جائے گا اور بسا اوقات خوف اور حیاء یا کوئی اور بات مانع ہوتی ہے اس بات سے کہ کہے شاہد کے بارے میں وہ بات جو حق ہوتی ہے۔

تشریح: فریق مقابل کے طعن کے بغیر قاضی از خود گواہ کی تفتیش نہ کرے:

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ گواہوں کا عادل ہونا ضروری ہے۔

مگر اس کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ جب گواہ نے گواہی دی اور مدعی علیہ نے اس پر کوئی طعن نہ کیا یا کوئی عیب



نہ لگایا تو قاضی ان کے بارے میں تفتیش نہ کرے کہ آیا گواہ عادل ہیں یا غیر عادل اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے  
 ،،المسلمون عدول بعضهم على بعض الامحدود اذفى القذف ،، اور عقلی دلیل یہ ہے کہ مسلمان کا ظاہر حال یہ ہے  
 کہ وہ حرام کام کا ارتکاب نہ کرے گا لہذا اس کے باطن کی تفتیش قاضی پر لازم نہیں ہے

البتہ حدود اور قصاص میں قاضی گواہوں کے ظاہر حال پر اکتفاء نہیں کرے گا بلکہ اس صورت میں گواہوں کی ظاہری اور باطنی تفتیش  
 کرے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ حدود اور قصاص میں قاضی ساقط کرنے کا بہانہ تلاش کرے پس جب گواہوں کا حال معلوم نہ ہو تو  
 اس میں شبہ ہے عدم عادل ہونے کا اور حدود و قصاص شبہ سے ساقط ہوتے ہیں اس لئے قاضی حدود اور قصاص میں ظاہری  
 حالت پر اکتفاء نہیں کرے گا بلکہ مکمل تفتیش کرے گا یہ تو حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔

لیکن حضرات صاحبین کے نزدیک تمام حقوق میں خفیہ اور علانیہ گواہوں کا حال دریافت کرنا ضروری ہے خواہ مدعی طعن کرے یا نہ  
 کرے ہاں اگر گواہ مشہور ہو نیکی اور عدالت کے ساتھ تو پھر قاضی پر اس کی تفتیش لازم نہیں ہے کیونکہ اس کی عدالت ظاہر ہے۔  
 فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے: ہمارے زمانے میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

صاحبین کی دلیل: یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ موقوف ہے حجت پر اور حجت نام ہے عادل گواہوں کی گواہی کا اور گواہوں کی  
 عدالت کا علم قاضی کے دریافت کرنے سے ہوتا ہے لہذا قاضی پر گواہوں کا حال دریافت کرنا لازم ہے تمام حقوق میں۔  
 لہذا صرف خفیہ تزکیہ بھی کافی ہے۔

حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ صرف سر اور خفیہ تزکیہ کافی ہے علانیہ تزکیہ ضروری نہیں ہے اس لئے کہ اس زمانے میں علانیہ  
 تزکیہ ایک بلاء اور مصیبت ہے اس لئے کہ اگر مزرکی نے گواہ کے وہ عیوب ظاہر بیان کر دئے جو اس میں موجود ہیں تو مزرکی پر ایک  
 مصیبت ٹوٹ پڑے گی مزرکی اور گواہ کے درمیان دشمنی اور بغض پیدا ہو جائے گا اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مزرکی خوف، یا حیا، یا کسی  
 اور وجہ سے ظاہراً وہ عیوب بیان نہیں کر سکتا ہے جو شاہد میں موجود ہوتے ہیں اس لئے امام محمد نے فرمایا ہے کہ تزکیہ سر بھی کافی ہے۔

وكفى للتزكية هو عدل في الاصح فانه قد قيل لابدان يقول هو عدل جائز الشهادة لكن الاصح  
 هو الاول لان الحرية ثبت بدار الاسلام فاذا قال هو عدل يكون جائز الشهادة .

ترجمہ: اور تزکیہ کیلئے کافی ہے کہ وہ عادل ہے اصح روایت میں بیشک کہا گیا ہے کہ ضروری ہے کہ یہ کہے کہ وہ عادل ہے جائز  
 الشہادۃ ہے لیکن اصح روایت پہلی والی ہے اس لئے کہ آزادی ثابت ہے دارالاسلام سے جب اس نے کہا کہ وہ عادل ہے تو جائز  
 الشہادۃ بھی ہوگا۔

تشریح: تزکیہ کا طریقہ کار: تزکیہ کی دو قسمیں ہیں

(۱) علانیہ تزکیہ کہ قاضی اہل محلہ کے بعض پسندیدہ لوگوں کے پاس خط بھیج دے یا اپنا قاصد بھیج دے اور علانیہ شاہد کے بارے میں معلومات کرے

(۲) تزکیہ سری یعنی خفیہ تزکیہ قاضی اہل محلہ میں سے بعض پسندیدہ لوگوں کے پاس ایک خط خفیہ طور پر بھیج دے جس میں گواہ کا نام باپ کا نام محلہ اور مسجد لکھے ہوں کہ فلاں آدمی کیسا ہے پس مرکزی ان کے بارے میں خفیہ معلومات جمع کرے گا پس اگر وہ عادل ہو تو مرکزی اس خط میں اس کے نام کے نیچے یہ لکھے گا، جو حر عدل جائز الشہادۃ،، اور اگر وہ عادل نہ ہو بلکہ فاسق ہو تو اس کے نام کے نیچے کچھ بھی نہ لکھے بلکہ وہ جگہ خالی چھوڑ دے اور اس کا عادل ہونا یا فاسق ہونا معلوم نہ تو اس کے نام کے نیچے لکھ دے جو مستور اصح روایت کے مطابق جو حر جائز الشہادۃ الفاظ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف جو عدل کافی ہے کیونکہ جب عدل کہا تو جائز الشہادت ہو گیا اور اسلام تو ثابت ہے دارالاسلام سے کہ دارالاسلام میں رہتا ہے تو ضرور مسلمان ہوگا۔

ولا یصح تعدیل الخصم بقولہ ہو عدل اخطأ اونسی فان قال صدق یثبت الحق وکفی واحد

للتزکیۃ وترجمۃ الشاہد والرسالۃ الی المزکی والائنان احوط ہذا عند ابی حنیفۃ و ابی یوسف

واما عند محمد یمجب الائنان وهذا فی تزکیۃ السر اما فی تزکیۃ العلانیۃ فقد قال الخصاص یمجب

الائنان اجماعا لانہا فی معنی الشہادۃ حتی لا یصح تزکیۃ العلانیۃ من العبد ولا بد ان یکون المزکی

عدلا فلا تقبل تزکیۃ الفاسق ومستور الحال .

ترجمہ: اور صحیح نہیں ہے خصم کا عادل قرار دینا اپنے اس قول سے کہ گواہ عادل ہے لیکن اس سے غلطی ہوگی ہے یا بھول چکا ہے پس اگر اس نے کہا کہ عادل ہے اور سچا ہے تو حق ثابت ہو جائے گا اور کافی ہے ایک شخص تزکیہ اور گواہ کی ترجمانی کیلئے اور مرکزی کے پاس پیغام پہنچانے کیلئے اور دو میں احتیاط ہے یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہے اور امام محمد کے نزدیک دو واجب ہے اور یہ خفیہ تزکیہ میں ہے اور علانیہ تزکیہ میں امام خصاص نے فرمایا ہے کہ دو واجب ہے اجماعی طور پر اس لئے کہ یہ شہادت کے معنی میں ہیں یہاں تک کہ صحیح نہیں ہے علانیہ تزکیہ غلام سے اور ضروری ہے کہ مرکزی عادل ہو پس معتبر نہیں ہے فاسق کا تزکیہ اور نہ مستور الحال کا۔

تشریح: مدعی علیہ کی تعدیل صحیح نہیں ہے:

مسئلہ یہ ہے کہ جب مدعی نے بیڑہ پیش کیا اور بیڑہ مستور الحال ہو یعنی نہ ان کا فسق ظاہر ہو اور نہ تعدیل ظاہر ہو تو اس صورت میں بیڑہ

اس بات کا محتاج ہے کہ ان کا تزکیہ کیا جائے کسی عادل آدمی سے ان کے بارے میں معلومات حاصل کئے جائیں۔ اور اس صورت میں بجائے کسی خارجی آدمی کے خود مدعی علیہ نے گواہوں کا تزکیہ کیا کہ گواہ عادل آدمی ہیں۔ سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ جب گواہ عادل ہیں تو آپ کے خلاف جھوٹی گواہی کیسے دے دے ہیں تو مدعی علیہ نے اس کا جواب دیدیا کہ عادل ہے لیکن جو گواہی انہوں نے دی ہے اس میں ان سے غلطی ہوگئی ہے یا وہ بھول گئے ہیں بھولے سے انہوں نے میرے خلاف گواہی دی ہے اس لئے عادل ہے اور گواہی بھول کی بناء پر دی ہے تو اس صورت میں مدعی علیہ کی طرف سے گواہوں کی تعدیل صحیح نہ ہوگی اس لئے کہ مدعی کی طرف سے گواہ اس وقت معتبر ہوں گے جب کہ مدعی علیہ مدعی کے دعوے کا انکار کرے پس جب مدعی علیہ نے دعوے سے انکار کیا اور مدعی نے مدعی علیہ کے خلاف گواہ پیش کئے تو مدعی علیہ مدعی اور گواہوں کے زعم میں جھوٹا اور کاذب ہو گیا اور جب مدعی کاذب ہو گیا تو ان کے حق میں یہ فاسق بھی ہو گیا اور فاسق آدمی معذول اور مزگی نہیں ہو سکتا اسلئے کہ مزکی کا عادل ہونا ضروری ہے سب کے نزدیک لھذا مدعی علیہ کا یہ کہنا کہ گواہ عادل ہے معتبر نہ ہوگا۔

اور اگر مدعی علیہ نے یہ کہا کہ گواہ عادل اور سچے ہیں تو اس کا یہ قول معتبر ہوگا اور اس پر وہ حق لازم کر دیا جائے گا جس کا مدعی دعویٰ کرتا ہے اسلئے کہ مدعی علیہ نے خود اپنے اور پر حق کا اقرار کیا اور اقرار کی صورت میں حق لازم ہوتا ہے۔

تزکیہ اور ترجمانی کیلئے ایک آدمی کافی ہے: مسئلہ یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تزکیہ، گواہ کی ترجمانی، اور مزکی کی طرف پیغام لے جانے والا اگر ایک آدمی ہو تو جائز ہے اور دو کا ہونا افضل ہے یعنی ایک عادل آدمی مزکی، گواہ کا ترجمان، اور مزکی کی طرف قاصد بن سکتا ہے حضرات شیخین کے نزدیک دو کا ہونا ضروری نہیں ہے البتہ دو کا ہونا احوط ہے اس میں زیادہ احتیاط ہے۔

اور امام محمدؒ کے نزدیک مزکی، گواہوں کی ترجمانی کرنے والا، قاضی سے مزکی کی طرف یا مزکی سے قاضی کی طرف پیغام رسانی والا کا دو ہونا ضروری ہے ایک پر اکتفاء جائز نہیں ہے۔

امام محمدؒ کی دلیل: یہ ہے کہ تزکیہ شہادت کے معنی میں ہے اس لئے کہ قاضی کی ولایت عدالت ظاہر ہونے پر مبنی ہے اور عدالت کا ظہور تزکیہ سے ہوتا ہے یعنی تزکیہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گواہ عادل ہے اور قابل شہادت ہے پس جب گواہوں کا قابل شہادت ہونا تزکیہ پر موقوف ہے تو گویا کہ گواہ تزکیہ سے گواہ بن گئے تو گواہوں میں عدد اور عدالت دونوں شرط ہیں لھذا مزکی میں بھی عدد اور عدالت دونوں شرط ہوں گے۔

شیخین کی دلیل: یہ ہے کہ تزکیہ شہادت کے معنی میں نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ تزکیہ میں نہ لفظ شہادت شرط ہے اور نہ مجلس قضاء شرط ہے اسی طرح تزکیہ سری میں اہل شہادت ہونا بھی شرط نہیں ہے یہاں تک کہ غلام اپنے مولیٰ کا مزکی بن سکتا ہے اسی طرح باپ اپنے بیٹے کا مزکی بن سکتا ہے حالانکہ یہ لوگ ان کے حق میں گواہی نہیں دے سکتے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تزکیہ شہادت کے معنی میں نہیں ہے پس جب تزکیہ شہادت کے معنی میں نہیں ہے تو اس میں عدد بھی شرط نہ ہوگی یہ تفصیل اور اختلاف۔ تزکیہ سری میں ہے۔

تزکیہ علانیہ میں امام خصاصؒ کے نزدیک عدد شرط ہے:

امام خصاصؒ نے فرمایا ہے کہ تزکیہ علانیہ شہادت کے معنی میں ہے لہذا اس صورت میں مزکی کا اہل شہادت ہونا ضروری ہے لہذا تزکیہ علانیہ میں غلام اپنے مولیٰ کا، باپ اپنے بیٹے کا، تزکیہ نہیں کر سکتا اسی طرح تزکیہ علانیہ میں عدد بھی شرط ہے یعنی مزکی دوہوں کے البتہ مزکی کا عادل ہونا سب کے نزدیک شرط ہے چاہے تزکیہ علانیہ ہو یا سر اہر حال میں مزکی کا عادل ہونا شرط ہے لہذا فاسق یا مستور الحال کا تزکیہ قبول نہ ہوگا۔

ولمن سمع بیعاً و اقراراً أو حکم قاض اور ای غصباً او قتلان یشہد بہ وان لم یشہد علیہ فقوله ان یشہد بہ مبتداً ولمن سمع خبرہ مقدم علیہ و سماع البیع انه قد سمع قول البائع بعث و قول المشتري اشتریت و یقول اشهد لا اشهدنی ای فی صورة لم یشہد المشهود علیہ .

ترجمہ: اور جائز ہے اس شخص کیلئے جس نے بیع کو سنا، یا اقرار، یا قاضی کے فیصلے کو، اور یا غصب کو دیکھا یا قتل کو (تو اس کے لئے جائز ہے) کہ اس کی گواہی دے اگرچہ وہ اس پر گواہ نہ بنایا گیا ہو۔ مصنف کا قول، ان یشہد بہ، مبتداً مستخر ہے اور، لمن سمع اس کی خبر مقدم ہے اور بیع کا سننا یہ ہے کہ اس نے سن لیا یا بیع کا قول کہ میں نے بیع دیا اور مشتری کا قول کہ میں نے خرید لیا اور کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں یہ نہ کہے کہ مجھے گواہ بنایا ہے اس صورت میں جس میں اس کو مشہود علیہ پر گواہ نہ بنایا گیا ہو۔

تشریح: جن چیزوں میں گواہ بن سکتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

فرماتے ہیں کہ آدمی جن چیزوں کا گواہ بن سکتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ جن کا حکم بذات خود ثابت ہوتا ہے ان میں گواہ بنانے کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے بیع، اقرار، قاضی کا حکم، غصب، اور قتل تو ان چیزوں کو محض سن کر یا محض دیکھ کر گواہی دے سکتا ہے اگرچہ اس کو اس پر گواہ نہ بنایا گیا ہو اور یہ اس لئے کہ ادائے شہادت کیلئے علم ضروری ہے اور شاہد کو ان صورتوں کا علم

حاصل ہو گیا ہے پس اداۓ شہادت کا جو رکن ہے یعنی علم وہ حاصل ہو گیا ہے لہذا اس صورت میں گواہ کیلئے گواہی دینا جائز ہے اور اس صورت میں گواہ یہ کہے گا کہ میں گواہی دے رہا ہوں یہ نہ کہے کہ مجھے گواہ بنایا گیا ہے کیونکہ اسے تو گواہ نہیں بنایا گیا ہے البتہ وہ گواہ بن گیا ہے تو یہ کہے میں گواہی دے رہا ہوں۔

عبارت کی ترکیب: متن کی عبارت میں، "لمن سجع بیعا، جار مجرور باعتبار متعلق خبر مقدم ہے اور، "ان یشہد بہ، مؤل بتاویل مصدر مبتداء مؤخر ہے۔

ولا یشہد علی الشہادۃ مالم یشہد علیہا فلا یشہد علیہا من سمع شہادۃ ساعد او الا شہادۃ علی الشہادۃ  
ای سمع رجل اداء الشہادۃ عند القاضی لایسع له ان یشہد علی شہادۃ و کذا ان سمع اشہاد الشاہد  
رجلا اخر علی شہادۃ لایسع ان یشہد علی شہادۃ لانه ماحملہ وانما حمل غیرہ .

ترجمہ: اور گواہی نہ دے گواہی پر جب تک اس پر گواہ نہ بنایا جائے پس گواہی پر گواہی نہ دے وہ شخص جس نے گواہ کی گواہی سن لی یا گواہی پر گواہ بنانا یعنی ایک آدمی نے شہادت کی ادائیگی سن لی قاضی کے پاس تو اس کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کی گواہی پر گواہی دے اور اسی طرح اگر اس نے سن لیا کہ شاہد اپنی گواہی پر کسی کو گواہ بنا رہا ہے تو اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ اس کی گواہی پر گواہی دے کیونکہ اس نے اس پر بوجھ نہیں ڈالا بلکہ غیر پر ڈالا ہے۔

تشریح: شہادت علی الشہادت کا بیان:

(۲) گواہ کی دوسری قسم وہ ہے کہ جس میں گواہ از خود گواہ نہیں بن سکتا بلکہ اس کو گواہ بنانا ضروری ہوتا ہے اور وہ ہے شہادت علی الشہادت پس جب تک اصول نے شروع کو اپنی گواہی پر گواہ نہ بنایا ہو اس وقت تک شروع کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اصول کی گواہی پر گواہی دیدے مثلاً ایک آدمی نے سن لیا کہ۔ عبد اللہ اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ ایسا کابلال پر قرضہ ہے تو اس سننے والے کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ قاضی کی عدالت میں اس بات کی گواہی دیدے کہ ایسا کابلال پر قرضہ ہے ہاں اگر عبد اللہ نے اس سننے والے کو اپنی اس گواہی پر گواہ بنایا تو جائز ہے پھر یہ فرع اصل کی گواہی پر گواہی دے سکتا ہے۔  
یا ایک سننے والے نے سن لیا کہ ایک اصل گواہ کسی کو اپنی گواہی پر گواہ بنا رہا ہے تو اس سننے والے کیلئے جائز نہیں ہے کہ قاضی کی عدالت میں اس کی گواہی دیدے کیونکہ اصل نے تو اس پر گواہی کا بوجھ نہیں رکھا ہے بلکہ اس کے علاوہ غیر پر رکھا ہے لہذا اب اس سننے والے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کی گواہی پر گواہی دیدے۔

ولا یشہد من رأی خطہ ولم یدکر شہادۃ ہذا عندہا ہی حنیفۃ لان الخط یشبہ الخط وعندہما یحل

اذاعلم ان هذا خطه لان التغيير فيه نادر وقيل فيما ذكر انه لا يشهد لا خلاف فيه وانما الخلاف فيما اذا وجد القاضي شهادته في ديوانه لان ما يكون تحت ختمه يؤمن عليه التغيير بخلاف الصك فانه في يد الخصم

ترجمہ: اور گواہی نہ دے وہ جس نے اپنی تحریر دیکھ لی اور اس کو اپنی گواہی یاد نہ آئے یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے اس لئے کہ ایک تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہوتی ہے اور صاحبین کے نزدیک حلال ہے جبکہ اس کو علم ہو کہ یہ اس کی تحریر ہے اس لئے کہ تغیر اس میں کم واقع ہے اور کہا گیا ہے اس میں جو ذکر ہوا کہ وہ گواہی نہ دے اس میں اختلاف نہیں ہے اختلاف اس میں ہے کہ جب قاضی نے اس کی گواہی اپنی فائل میں دیکھ لی کیونکہ گواہی جو قاضی کی مہر کے ماتحت ہوتی ہے وہ تغیر سے مامون ہوتی ہے برخلاف دستاویز کے اس لئے کہ وہ خصم کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

**تشریح: اپنی تحریر دیکھ لی لیکن واقعہ یاد نہ ہو تو گواہی دینا جائز نہیں ہے:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک دستاویز میں اپنی گواہی کی تحریر دیکھ لی لیکن اس کو نہ واقعہ یاد ہے اور نہ ہی گواہی دینا یاد ہے تو اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ اس تحریر کی بناء پر گواہی دیدے اس لئے کہ ایک تحریر دوسری تحریر کے ساتھ مشابہ ہوتی ہے جب واقعہ اور گواہی یاد نہیں ہے تو اس میں یہ امکان ہے کہ یہ کسی اور کی تحریر ہو اس لئے نفس تحریر کی بناء پر گواہی دینا جائز نہیں ہے وچاں اس کی یہ ہے کہ جب اس میں اشتباہ آگیا تو علم حاصل نہ ہو اور جب علم حاصل نہ ہو تو گواہی کی بنیاد تو علم پر ہے تو گواہی دینا بھی جائز نہ ہوگا یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک جب اس کو معلوم ہے یہ کہ اس کا خط ہے لیکن واقعہ یاد نہیں ہے تو اس کیلئے جائز ہے کہ خط کی بناء پر گواہی دے اس لئے کہ جب اس کو اپنا خط معلوم ہے تو اس میں تغیر نادر ہے۔

**قيل فيما ذكر انه لا يشهد لا خلاف فيه:** بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ تحریر دیکھ کر شہادت کا جائز نہ ہونا بالاتفاق ہے اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب قاضی نے اپنی فائل میں دیکھا کہ گواہوں نے گواہی دی ہے لیکن قاضی نے ابھی تک اس پر حکم نہیں کیا تھا پھر مدعی نے آکر قاضی سے فیصلہ کی درخواست کی تو قاضی کو یاد نہیں ہے کہ یہ گواہی میں کب سنی ہے نہ واقعہ یاد ہے اور نہ گواہی یاد ہے البتہ یہ یاد ہے کہ تحریر میری ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس شہادت کی بناء پر حکم اور فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک اس شہادت کی بناء پر حکم اور فیصلہ کرنا جائز ہے۔

**امام ابو حنیفہؒ کی دلیل:** یہ ہے کہ ایک تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہوتی ہے اس لئے یقینی علم حاصل نہیں ہوتا اور شہادت کیلئے علم

یقینی ضروری ہے۔

صاحبین کی دلیل: یہ ہے کہ جو تحریر قاضی کی فائل میں ہوتی ہے وہ قاضی کی مہر کے ماتحت ہوتی ہے اس میں تغیر اور تبدیل کا امکان نادر ہے اس لئے اس تحریر کی بناء پر قاضی کو علم حاصل ہو جاتا ہے اور جب علم حاصل ہو جاتا ہے اور شہادت کی بنیاد بھی علم پر ہے تو اس صورت میں قاضی کیلئے اس شہادت کی بناء پر فیصلہ کرنا جائز ہوگا۔

برخلاف دستاویز کے کیونکہ دستاویز عام طور پر خصم کے ہاتھ میں ہوتی ہے پس اگر دستاویز خصم کے ہاتھ میں ہو اور اس نے قاضی کے دربار میں دستاویز پیش کی جس میں گواہی لکھی ہوئی تھی اور گواہ کو اپنی گواہی یاد نہ ہو تو اس کو اسی کی بناء پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں تغیر اور تبدیل کا قوی امکان ہے اس لئے اس کی بناء پر گواہی قبول نہ ہوگی

ولا بالتسامع بلاعبان الا لى النسب والموت والنكاح والدخول وولاية القاضى واصل الوقف

اذا اخبر بها عدلان اور رجل وامرأتان اذ كانوا عدولا والمراد باصل الوقف ان هذه الضيعة وقف على كذا البيان المصرف داخل فى اصل الوقف اما الشروط فلا يحل فيها الشهادة بالتسامع .

ترجمہ: اور گواہی نہ دے فقط سننے سے مشاہدہ اور معاینہ کے بغیر مگر نسب، موت، نکاح، دخول، قاضی کی ولایت، اور اصل وقف میں جب کہ اس کی خبر دے دو عادل آدمی یا ایک مرد اور دو عورتیں اور مراد اصل وقف سے یہ ہے کہ یہ زمین وقف ہے اس پر تو مصرف کا بیان اصل وقف میں داخل ہے اور رہا شرائط کا بیان تو اس میں نفس سننے سے گواہی حلال نہیں تشریح شہادت بالتسامع کن کن معاملات میں جائز ہے اور کن کن میں جائز نہیں:

مسئلہ یہ ہے کہ گواہ کیلئے ایسی چیزوں کی گواہی دینا جائز نہیں ہے جس کا اس نے مشاہدہ اور معاینہ نہ کیا ہو اس لئے کہ شہادت کیلئے معاینہ شرط ہے کیونکہ آیت میں ہے،، الا من شهد بالحق وهم يعلمون،، میں علم شرط ہے اور علم معاینہ سے ہوتا ہے تو مشاہدہ اور معاینہ شرط ہے البتہ چھ چیزیں ایسی ہیں کہ اس میں نفس تسمع یعنی سننے سے گواہی دینا جائز ہے اس شرط پر کہ شاہد نے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں سے سنا ہو وہ اشیاء ستہ یہ ہیں (۱) نسب (۲) موت (۳) نکاح (۴) دخول (۵) ولایت قاضی (۶) اصل وقف پس جب شاہد نے لوگوں سے سنا کہ زید خالد کا بیٹا ہے تو شاہد کیلئے جائز ہے کہ اس بات کی گواہی دے کہ زید خالد کا بیٹا ہے اسی طرح اس نے سنا کہ فلاں آدمی مر گیا ہے تو گواہی دے سکتا ہے یا لوگوں سے سنا کہ فلاں عورت زید کی بیوی ہے تو اس کی گواہی دے سکتا ہے یا لوگوں سے سنا کہ فلاں عورت فلاں مرد کی بیوی ہے اور اس نے اس کے ساتھ دخول کیا ہے تو گواہی دے سکتا ہے کہ یہ اس کی بیوی ہے اس نے اس کے ساتھ دخول کیا ہے یا اس نے سنا کہ فلاں شہر کا قاضی فلاں آدمی ہے اور وہ لوگوں

کے درمیان فیصلے بھی کرتا ہے کہ تو یہ گواہ گواہی دے سکتا ہے کہ فلاں شہر کا قاضی فلاں آدمی ہے یا اس نے سنا کہ فلاں آدمی نے اپنی زمین وقف کی ہے تو اس پر بھی گواہی دے سکتا ہے۔

وجہ: ان اشیاء ستہ میں نفس تاسمیع سے گواہی دینے کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ ان اشیاء کے اسباب کا معاینہ خاص خاص لوگ کرتے ہیں ہر کوئی اس کا معاینہ نہیں کر سکتا اور ان چیزوں کے ساتھ جو احکام متعلق ہوتے ہیں وہ مدتیں گزرنے کے باوجود باقی رہتے ہیں مثلاً نسب کے ساتھ میراث متعلق ہوتی ہے نکاح کے ساتھ مہر متعلق ہوتا ہے دخول کے ساتھ عدت اور مہر کی تکمیل متعلق ہوتی ہے وغیرہ اگر ان چیزوں میں نفس تاسمیع سے گواہی دینا جائز قرار نہ دیا جائے تو اس میں حرج عظیم لاحق ہو جائے گا اور شرع میں حرج مدفوع ہے اس لئے ان چیزوں میں شہادت بالتسامیع کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

المراد باصل الوقف: شارح فرماتے ہیں کہ اصل وقف سے مراد یہ ہے کہ یہ کہے کہ یہ زمین وقف ہے فلاں مصرف پر یعنی مصرف بیان کرنا اس میں داخل ہے گواہ یہ کہے کہ فلاں مصرف پر وقف ہے لیکن وقف کے شرائط اس میں داخل نہیں ہیں لہذا وقف کے شرائط میں شہادت بالتسامیع جائز نہیں ہے۔

ويشهد رائي جالس مجلس القضاء يدخل عليه الخصوم انه قاض ورجل او امرأة يسكنان

بیتاوبینہما انبساط الازواج انها عرسہ وشیء سوی الرقیق فی ید متصرف کالملاک انه له فقوله ورجل وامرأة عطف علی قوله جالس وقوله انها عرسہ عطف علی ؤ، له انه قاض فهذا من باب العطف علی معمولی عاملین مختلفین والمجرور مقدم فان جالس معمول راء وانه قاض معمول يشهد واما قال سوی الرقیق لان الأدمی له ید علی نفسه فیدفع ید الغیر عن نفسه والمراد انسان یعبر عن نفسه حتی لو لم یعبر عن نفسه کالصغیر والصغیرة فانهما لا یدلہما فیعتبر ید الغیر.

ترجمہ: اور گواہی دے سکتا ہے دیکھنے والا بیٹھنے والے کو قضاء کی جگہ پر کہ اس کے پاس اہل خصوصیات آرہے ہیں کہ وہ قاضی ہے اور ایک مرد و عورت کو دیکھنے والا جو ایک گھر میں رہتے ہیں اور دونوں کے درمیان میاں بیوی والی آزادی اور بے تکلفی ہے کہ یہ اس کی بیوی ہے اور یا کسی چیز کو دیکھنے والا غلام کے علاوہ ایک تصرف کرنے والے کے ہاتھ میں مالکوں کی طرح (تصرف کرتا ہے) کہ یہ اس کی ملکیت ہے مصنف کا قول ورجل وامرأة عطف ہے اس کے قول جالس پر اور یہ قول انها عرسہ یہ عطف ہے اس کے قول انه قاض پر اور یہ عاملین مختلفین کے معمولین پر عطف کے باب سے ہے اور مجرور مقدم ہے بے شک جالس معمول ہے راء کیلئے اور انه قاض معمول ہے یشہد کیلئے اور کہا کہ غلام کے علاوہ میں اس لئے کہ آدمی کا اپنی ذات پر قبضہ



ہوتا ہے تو دوسرے کا قبضہ اپنے آپ سے دور کر سکتا ہے اور مراد اس سے وہ انسان ہے جو اپنے آپ سے تعبیر کر سکتا ہے لیکن اگر اپنے آپ سے تعبیر نہ کر سکتا ہو جیسے چھوٹا لڑکا اور چھوٹی لڑکی کیونکہ ان دونوں کا اپنے اوپر اختیار نہیں ہے تو اس میں غیر کا قبضہ معتبر ہوگا۔

**تشریح:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دیکھا کہ ایک آدمی مجلس قضاء پر بیٹھا ہوا ہے لوگ اس کے پاس آتے جاتے ہیں اپنے مقدمے پیش کرتے ہیں اس سے فیصلہ کرواتے ہیں تو اس شخص کیلئے یہ جائز ہے کہ اس بات کی گواہی دے کہ یہ اس شہر کا قاضی ہے اگرچہ اس نے امام المسلمین کو اسے قاضی بناتے ہوئے نہیں دیکھا۔

اسی طرح جب آپ نے دیکھ لیا کہ ایک گھر میں ایک مرد و عورت رہتے ہیں اور دونوں کے درمیان میاں بیوی جیسے بے تکلفی ہے تو آپ یہ گواہی دے سکتے ہیں کہ یہ عورت اس کی بیوی ہے۔ اسی طرح جب آپ نے ایک آدمی کے پاس ایک چیز دیکھ لی غلام کے علاوہ کہ وہ آدمی اس میں مالکوں کی طرح تصرف کرتا ہے تو آپ کیلئے یہ گواہی دینا جائز ہے کہ یہ چیز اس کی ملکیت ہے

**وانما قال سوی الرقیق:** فرمایا کہ غلاموں کے علاوہ تمام اموال جب کسی کے پاس ہوں تو آپ یہ گواہی دے سکتے ہیں کہ یہ چیز اس قابض کی ملکیت ہے لیکن اگر کسی کے پاس ایک آدمی کام کرتا ہے اور یہ آدمی اس سے کام کرواتا ہے تو آپ یہ گواہی نہیں دے سکتے کہ یہ آدمی اس کا غلام ہے اس لئے کہ آدمی کا اپنے اوپر قبضہ ہوتا ہے تو غیر کا ہاتھ اور قبضہ اپنے آپ سے دفع کر سکتا ہے لہذا نفس قبضہ ملکیت کی دلیل نہیں ہے۔

اور یہ تفصیل کہ غلام میں نفس قبضہ ملکیت کی دلیل نہیں ہے یہ اس غلام میں ہے جو بات کر سکتا ہے یہ بتلا سکتا ہے کہ میں غلام نہیں ہوں بلکہ آزاد ہوں لیکن اگر وہ چھوٹا بچہ ہو جو بات بھی نہیں کر سکتا تو پھر جس کے قبضہ ہوگا اسی کا غلام سمجھا جائے گا۔

**عبارت کی ترکیبی وضاحت:** فرماتے ہیں کہ درجہ و امر آؤ یہ عطف ہے جالس پر یہاں پر دو عامل ہیں (۱) ایک عامل رائی ہے اور (۲) دوسرا عامل یہ شہد ہے معمولین بھی دو ہیں (۱) ایک معمول جالس ہے اور دوسرا معمول انہ قاض تو جالس معمول ہورائی کیلئے اور انہ قاض معمول ہوا یہ شہد کیلئے اب ان دونوں معمولین پر دو اور معمولین عطف ہیں چنانچہ درجہ و امر آؤ عطف ہے جالس پر اور انہ عطف ہے انہ قاض پر اور دونوں میں مجرور مقدم ہے لہذا یہ عطف جائز ہے۔

فان اقر للقاضی ان شہادته بالتسامع او بحکم الید بطلت اقول ہذا یؤکد قول ابی یوسف ان

بمجرد الید الاتحل الشہادۃ بل بشرط ان یقع فی قبلہ انہ ملکہ فانہ قد قیل ان قول ابی یوسف تفسیر

لاطلاق قول محمد فی الروایۃ وذلك لان مجرد الید لو کان سبباً للملک لما بطل عند الاظهار سبب

الشهادة فاذا تبين انه يشهد بمجر داليد بطلت شهادته ومن شهد انه شهد دفن زيد او صلى عليه قبلت وهو عيان لان معاينة الموت لا يكون لامن واحد او اثنين فحضور الدفن او الصلوة بمنزلة المعاينة ولا يجزى في مثل ذلك التلبس عادة .

ترجمہ: پس اگر گواہ نے اقرار کیا قاضی کے سامنے کہ اس کی گواہی سننے کی بناء پر ہے یا قبضہ کے حکم کی بناء ہے پر تو اس کی گواہی باطل ہے میں کہتا ہوں کہ یہ امام ابو یوسفؒ کے قول کی تائید کرتا ہے کہ نفس قبضہ سے گواہی حلال نہیں ہے بلکہ شرط ہے کہ اس کے دل میں یہ یقین آجائے کہ یہ اس کی ملکیت ہے کیونکہ کہا گیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا قول امام محمدؒ کے اطلاق کی تفسیر ہے ایک روایت میں اور وہ یہ کہ اگر مجرد قبضہ سبب ہوتا ملکیت کیلئے تو باطل نہ ہوتا سبب شہادت ظاہر کرنے کے وقت جب ظاہر ہوا کہ وہ نفس قبضہ کی وجہ سے گواہی دیتا ہے تو اس کی گواہی باطل ہے اور جس نے گواہی دی کہ وہ حاضر ہوا ہے زید کی تدفن میں یا اس کی نماز جنازہ پڑھی ہے یہ گواہی قبول ہوگی اور یہ مشاہدہ ہوگا اس لئے کہ موت کا معاینہ نہیں کرتا مگر ایک یاد آدی تو تدفن میں حاضر ہونا یا نماز جنازہ میں حاضر ہونا بمنزلہ معاینہ ہے اور ان جیسی چیزوں میں عادتہ تلبیس جاری نہیں ہوتی۔

تشریح شہادت بالتسامع اگر تفصیل کے ساتھ ہو تو قبول نہیں ہے:

مسئلہ یہ ہے کہ جو سابق میں گزر گیا کہ مسائل ستہ میں شہادت بالتسامع جائز ہے اب فرماتے ہیں کہ اگر شہادت بالتسامع میں شاہد نے تفصیل بیان کر دی ہے کہ میں جو گواہی دے رہا ہوں یہ میں نے دیکھا نہیں ہے بلکہ میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے یا فلاں کا نکاح ہوا ہے۔ میں نے خود نہیں دیکھا ہے یا فلاں کی ملکیت میں جو چیز ہے جس کی میں نے گواہی دی ہے یہ میں نے اس لئے دی ہے کہ یہ چیز میں نے اس کے ہاتھ میں دیکھی ہے آگے مجھے علم نہیں ہے کہ یہ کہاں سے آئی ہے تو اس صورت میں اس کی گواہی باطل ہوگی کیونکہ اس تفصیل بیان کرنے سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس کو مشہود بہ کا پورا علم نہیں ہے بلکہ انکل پر گواہی دے رہا ہے اور گواہی دینے کیلئے مشہود بہ کا علم ضروری ہے۔

اقول ہذا ابو یوسفؒ قول ابی یوسفؒ: شارح فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ (کہ تفصیل بیان نہ کرے ورنہ گواہی قبول نہ ہوگی) سے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے کہ نفس قبضہ ملکیت کی دلیل نہیں ہے لہذا شاہد صرف اتنی بات کی بناء پر کہ میں نے یہ چیز فلاں کے قبضہ میں دیکھی ہے یہ گواہی نہیں دے سکتا کہ یہ اس کی ملکیت ہے جب تک گواہ کے دل میں اس بات کا یقین نہ ہو جائے کہ یہ چیز قبضہ کی ملکیت ہے جب دل میں یقین ہو جائے تو اب گواہی دے سکتا ہے کہ یہ چیز قبضہ کی ملکیت ہے۔

فانہ قد قبل: بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا قول امام محمدؒ کی مطلق روایت کی تفسیر ہے یعنی متن میں جو مسئلہ ہے کہ قبضہ ہو تو گواہی دینا صحیح ہے یہ مطلق ہے اور امام ابو یوسفؒ کے قول میں اس کی تفسیر موجود ہے کہ قبضے کی بناء پر گواہی دینا اس وقت جائز ہے جبکہ آپ کے دل میں یہ یقین ہو جائے کہ یہ قابض کی ملکیت ہے تو گویا کہ امام ابو یوسفؒ کا قول متن کی تفسیر ہو گیا اور مسئلہ سب کے نزدیک متفق علیہ ہے قبضہ کے ساتھ اطمینان قلبی بھی ضروری ہے۔

وذلک لان مجرد الیید: اس کی دلیل ہے کہ مجرد قبضہ اور ید کی بناء پر گواہی دینا جائز نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ اطمینان قلبی ضروری ہے اس لئے کہ اگر مجرد قبضہ ملکیت کا سبب ہوتا تو اظہار اور تفصیل کے وقت یہ سبب باطل نہ ہوتا بلکہ اگر وہ تفصیل بیان کرتا کہ میں مجرد قبضہ کی وجہ سے گواہی دیتا ہوں تو یہ باطل نہ ہوتا جب تفصیل بیان کرنے سے یہ سبب باطل ہو جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ نفس قبضہ کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ اطمینان قلب ضروری ہے۔

جس نے گواہی دی کہ وہ زید کی نماز جنازہ میں حاضر ہوا ہے:

مسئلہ یہ ہے ایک شخص نے گواہی دی کہ زید مر گیا ہے اس ساتھ قاضی کو یہ تفصیل بھی بیان کر دی کہ میں خود اس کی نماز جنازہ میں حاضر ہوا ہوں یا میں نے خود اسے دفن کیا ہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اگرچہ اس نے تفصیل بیان کر دی لیکن اس تفصیل کے باوجود اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور یہ مشاہدہ اور معاینہ شمار ہوگا اس لئے کہ نفس موت کا مشاہدہ اور معاینہ تو ایک یاد و شخص کرتے ہیں تو دفن اور جنازہ میں حاضر ہونا معاینہ اور مشاہدہ شمار کیا جائے گا اور ان جیسے معاملات میں عموماً تلمیس اور دھوکہ نہیں ہوتا اس لئے یہ تفصیل قابل قبول ہوگی اور یہ گواہی قبول کی جائے گی

۲۹ جمادی الثانی ۱۳۲۸ھ بروز اتوار

۱۵ جولائی ۲۰۰۷ء

## باب قبول الشہادۃ وعدمہ

وتقبل الشہادۃ من اهل الاهواء الا الخطابیۃ اهل الاهواء اهل القبلة الذین لایکون معتقدہم معتقداہل السنۃ وهم الجبریۃ والقدریۃ والروافض والخوارج والمعتلۃ والمشبہۃ وکل منہم اثنا عشر فرقة فصاروا اثنین وسبعین فرقا والبعض فرقوا بین الہوی الذی ہو کفر کالقول بانہ تعالیٰ جسم والہوی الذی لیس بکفر وعند الشافعی لا تقبل شہادۃہم لفسقہم قلنا لم یقع فی الاعتقاد الباطل الا دیانۃ والکذب عند الجمیع حرام واما الخطابیۃ فہم غلاة الروافض یعتقدون الشہادۃ لکل من حلف عندہم

## وقبل یرون الشہادۃ لشیعتہم واجبۃ

ترجمہ: اور قبول ہوگی گواہی اہل ہوا کی سوائے فرقہ خطابیہ کے اہل ہوا اہل قبلہ ہے جن کا عقیدہ اہل سنت کے عقیدہ کی طرح نہ ہو اور یہ جبریہ، قدریہ، روانفص، خوارج، معطلہ، اور مشبہ، ہیں اور ہر ایک ان میں سے ہر ایک میں بارہ بارہ فرقے ہیں تو کل بہتر فرقے ہو گئے اور بعض نے فرق کیا ہے اس ہوا میں جو کفر ہے جیسے یہ کہنا کہ اللہ پاک جسم ہے اور اس ہوا میں جو کفر نہیں ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اہل ہوا کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ان کے فسق کی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ یہ لوگ مبتلاء نہیں ہوئے باطل اعتقاد میں مگردیانت کی وجہ سے اور جھوٹ سب کے نزدیک حرام ہے تاہم خطابیہ غالی قسم کے روانفص ہیں جو ہر اس شخص کی شہادت پر اعتقاد رکھتے ہیں جو ان کے سامنے قسم کھائے اور بعض نے کہا کہ وہ اپنے گروہ کے واسطے گواہی دینا واجب سمجھتا ہے۔

تشریح: گواہی قبول نہ ہونے کی بنیاد تہمت ہے:

گواہی کی قبولیت اور عدم قبولیت میں یہ اصول ہے کہ تہمت کے ساتھ گواہی قبول نہیں ہوتی جب تک تہمت موجود ہو یا تہمت کا خطرہ ہو تو گواہی قبول نہ ہوگی اسلئے کہ گواہی ایک خبر ہے اس میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہے جب تک جانب صدق جانب کذب پر راجح نہ ہو جائے اس وقت تک گواہی قبول نہ ہوگی۔

تہمت کبھی ایسے معنی کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے جو خود گواہ میں موجود ہوتا ہے جیسے فسق کیونکہ جو شخص فسق کرے گا وہ جھوٹ سے بھی احتراز نہ کرے گا اور کبھی تہمت ایسے معنی کی وجہ سے ہوتی ہے جو مشہودہ میں ہوتے ہیں مثلاً ولادت کا رشتہ ہونا یعنی شاہد اور مشہودہ کے درمیان ولادت کا رشتہ ہو تو شاہد اس بات پر متہم ہوگا کہ اس نے رشتہ کا خیال کر رکھا ہوگا اور گواہی اس کے حق میں دی ہے اور تہمت کبھی ایسے غلطی کی وجہ سے ہوتی ہے کہ جو مشہودہ اور مشہود علیہ کے درمیان امتیاز کی قدرت نہ ہونے کی وجہ سے ہو جیسے گواہ کا ناپینا ہونا اور تہمت کبھی اس چیز سے عاجز ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے جس کو شریعت نے صدق کی دلیل بنایا ہے جیسے محدودنی القذف ہوتا۔

اہل ہوا کی گواہی اور اس کی تفصیل:

اہل ہوا وہ لوگ ہیں جو خواہشات نفسانی کے مطابق اعتقاد رکھتے ہیں اور سنت کی مخالفت کرتے ہیں یعنی اہل ہوا اہل قبلہ ہے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں لیکن ان کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کے عقیدے سے الگ ہوتا ہے جن کو اہل بدع بھی کہتے ہیں اہل ہوا اور اہل بدع کے بنیادی فرقے چھ ہیں۔

(۱) جبریہ (۲) قدریہ (۳) روافض (۴) خوارج (۵) معتزلہ (۶) مشبہ اور ہر ایک کے بارہ بارہ فرقے ہیں تو کل بہتر (۷۲) فرقے بن گئے اور ایک جماعت اہل حق اور اہل سنت والجماعت کی ہے ان تمام فرقوں کے عقائد اور ان میں باہمی اختلاف علم الکلام کی کتابوں میں مذکور ہے یہاں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے اس لئے اس کی تفصیل ترک کی جاتی ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک اہل ہوا اور اہل بدع کی گواہی قبول کی جاتی ہے سوائے فرقہ خطابیہ کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اور باقی تمام اہل ہوا اور اہل بدع کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔

البتہ بعض حضرات نے اس میں یہ تفصیل کی ہے کہ بعض اہل ہوا وہ ہیں جو حد کفر کو پہنچ گئے ہیں جیسے یہ قول کرنا کہ اللہ پاک جسم ہے نحو ذوالنہد من ذلک تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اس لئے کہ وہ کافر ہیں اور بعض وہ ہیں جو حد کفر کو نہیں پہنچے تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تمام اہل ہوا کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اس لئے کہ ان کے اندر فتنہ اعتقادی موجود ہے اور فتنہ اعتقادی فتنہ عملی سے بدتر ہے پس جس طرح فاسق عملی کی گواہی قبول نہیں ہوتی اسی طرح فاسق اعتقادی کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔

قلنا: احناف فرماتے ہیں اہل ہوا کافرتی عملی نہیں ہے بلکہ فتنہ اعتقادی ہے یعنی یہ لوگ اس کام کو اس غلط عقیدے کو دین سمجھ کر کر رہے ہیں یعنی تدین اور دینداری کی وجہ سے یہ کام کر رہے ہیں اور جو آدمی متدین اور دیندار ہو وہ جھوٹ نہیں بولتا پس جب جھوٹ سے احتراز کرتا ہے تو گواہی کے قبول نہ ہونے کی علت تو ہمت کذب ہے اور جب کذب کی تہمت نہیں ہے تو گواہی قبول کی جائے گی اور کذب سے سب اہل بدع احتراز کرتے ہیں

فرقہ خطابیہ: فرقہ خطابیہ روافض کا ایک غالی فرقہ ہے جو ابو الخطاب محمد بن ابی وہب اجدع کی طرف منسوب ہے اور یہ آدمی کوفہ میں رہتا تھا اس کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ اکبر ہے اور حضرت جعفر صادقؑ الہ اصغر ہے۔

نیز اس فرقہ کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ جب ان کے فرقے والا کسی دوسرے پر دعویٰ کرے تو باقی فرقے اور جماعت پر اپنے شیعہ کے واسطے گواہی دینا واجب ہے اور نیز ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جب کوئی ان کے سامنے قسم کھائے کہ میں حق بجانب ہوں تو اس کے حق میں گواہی دینا جائز ہے۔ ان لوگوں کی گواہی اس لئے قبول نہیں کی جاتی کہ پہلی تفسیر کی بناء پر تو یہ لوگ کافر ہیں اور کافر کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اور دوسری اور تیسری تفسیر کی بناء پر یہ لوگ متہم بالکذب ہیں اس لئے جب اپنے فرقہ کیلئے گواہی دینا واجب سمجھتے ہیں چاہے وہ سچے ہوں یا جھوٹے تو یہ لوگ بھی کاذب ہو گئے یا جو قسم کھائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ قسم کھانے میں جھوٹا ہو تو یہ لوگ بھی جھوٹے ہو گئے اور کاذب کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اس لئے فرقہ خطابیہ کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

والذمی علی مثلہ وان خالفاملہ وعلی المستامن والمستامن علی مثلہ ان کان من دار واحدة  
شہادۃ الذمی تقبل عندنا وعند مالک والشافعی لا یقبل ثم عندنا انما تقبل علی الذمی والمستامن وان  
خالفاملہ کالنصارى والمجوس فان الکفرملہ واحدة ولا تقبل علی المسلم وشہادۃ المستامن تقبل علی  
المستامن ان کانامن دارواحدوان کانامن دارین کالترک والروم فلاتقبل ولا تقبل ایضاً علی المسلم  
ولا ایضاً علی الذمی .

ترجمہ: اور قبول ہوتی ہے گواہی ذمی کی اپنے مثل پر اگرچہ دین میں مخالف ہوں اور مستامن پر بھی اور مستامن کی مستامن پر  
اگر دونوں ایک وطن کے ہوں ذمی کی گواہی قبول ہوتی ہے ہمارے نزدیک امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک قبول نہیں ہوتی پھر  
ہمارے نزدیک (ذمی کی گواہی) قبول ہوتی ہے ذمی پر اور مستامن پر اگرچہ ملت میں مخالف ہوں جیسے کہ نصاری اور مجوس اس  
لئے کہ کفر ایک ملت ہے اور قبول نہ ہوگی مسلمان پر اور مستامن کی گواہی قبول ہوتی ہے مستامن کے خلاف اگر دونوں ایک وطن  
کے ہوں اور اگر دونوں دو وطنوں کے ہوں جیسے ترکی اور رومی تو پھر قبول نہ ہوگی اور مسلمان پر قبول نہ ہوگی اور نہ ذمی پر۔

تشریح: ذمی اور مستامن کی گواہی کی تفصیل:

مسئلہ یہ ہے کہ ذمی کی گواہی ذمی کے خلاف قبول کی جائے گی اگرچہ ان کی ملتیں اور ادیان مختلف ہوں کہ ایک نھرائی ہو اور  
دوسرا یہودی ہو اسی طرح ذمی کی گواہی مستامن کے خلاف بھی قبول کی جائے گی۔  
دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مستامن کی گواہی مستامن کے خلاف قبول کی جائے گی جبکہ شاہد اور مشہود علیہ ایک ملک کے باشندے ہوں  
حضرت امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک ذمی کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی نہ ذمی خلاف اور نہ مستامن  
کے خلاف اسلئے کہ ہر کافر فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی تو ذمی کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی کیونکہ باری تعالیٰ کا  
ارشاد ہے: ,, والکافرون ہم الظالمون ,, کافر ظالم ہے اور ہر ظالم فاسق ہوتا ہے تو کافر فاسق ہو اور فاسق کی گواہی قبول  
نہیں کیجاتی یہی وجہ ہے کہ کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف قبول نہیں کی جاتی اگر یہ فاسق نہ ہوتا تو اسکی گواہی مسلمان کے خلاف  
قبول کی جاتی جب مسلمان کے خلاف قبول نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ یہ فاسق ہے اور فاسق کی شہادت مردود ہوتی ہے تو ذمی کی  
شہادت بھی مردود ہوگی۔

ہماری دلیل: یہ ہے کہ حضور ﷺ نے بعض اہل ذمہ کی گواہی بعض دوسروں کے خلاف قبول کی ہے۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ ذمی کو اپنی ذات اور اولاد پر ولایت حاصل ہے جو شخص اہل ولایت ہوتا ہے وہ اہل شہادت بھی ہوتا ہے لہذا ذمی اہل شہادت ہے تو کافر کی گواہی کافر کے خلاف قبول ہوگی اور مسلمان کے خلاف اس لئے قبول نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،، ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً،،۔

احناف کے نزدیک جب ذمی کی گواہی قبول ہے تو یہ صرف ذمی اور متامن کے خلاف قبول ہوگی اگرچہ دونوں کا دین اور ملت متحد نہ ہو بلکہ ایک نصرانی ہو اور دوسرا یہودی ہو یا ایک نصرانی ہو اور دوسرا مجوسی ہو اس لئے کہ الکفر ملۃ واحده کفر پورا کا پورا ایک ملت ہے۔ متامن کی شہادت متامن خلاف قبول ہوگی اس شرط پر کہ شاہد اور مشہود علیہ ایک ملک کے باشندے ہوں لیکن اگر شاہد اور مشہود علیہ ایک ملک کے باشندے نہ ہوں بلکہ ایک آدمی ایک ملک کا ہو اور دوسرا دوسرے ملک کا ہو تو پھر ایک دوسرے کے خلاف گواہی قبول نہ ہوگی اس لئے کہ یہ قیاس ہے میراث پر اور اختلاف دارین کی صورت میں میراث جاری نہیں ہوتی تو اختلاف دارین کی صورت میں شہادت بھی قبول نہ ہوگی جیسے کہ ایک آدمی ترکی کافر ہو اور دوسرا رومی کافر ہو دونوں امن کے ویزے پر دارالاسلام میں داخل ہو جائے تو ایک دوسرے خلاف گواہی قبول نہ ہوگی۔ اسی طرح متامن کی گواہی مسلمان کے خلاف بھی قبول نہ ہوگی اس لئے کہ کافر کیلئے مسلمان پر ولایت نہیں ہے اسی طرح متامن کی گواہی ذمی کے خلاف بھی قبول نہ ہوگی کیونکہ ذمی کا درجہ متامن سے اعلیٰ ہے اس لئے کہ وہ دارالاسلام میں رہتا ہے اسلام کے قریب ہے تو اس کا درجہ اعلیٰ ہے متامن سے لہذا متامن کی گواہی ذمی کے خلاف قبول نہ ہوگی۔ البتہ مسلمان کی گواہی سب کے خلاف قبول ہوگی مسلمان کے خلاف بھی ذمی کے خلاف بھی اور متامن کے خلاف بھی اس لئے کہ مسلمان کو ولایت عامہ حاصل ہے اور ذمی کی گواہی ذمی کے خلاف قبول ہوگی اور متامن کے خلاف بھی اس کو بھی ولایت عامہ حاصل ہے البتہ مسلمان کے خلاف اس لئے قبول نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے،، ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً،،۔

وعدو بسبب الدين ومن اجتنب عن الكبائر ولم يصر على الصغائر وغلب صوابه  
اختلفوا في تفسير الكبائر قيل هي سبع الاشرار بالله تعالى والفرار من الزحف وعقوق الوالدين وقتل النفس بغير حق ونهب مال المؤمن والزنا وشرب الخمر وازاد البعض اكل مال اليتيم بغير حق اكل الربوا وقد ورد في الحديث اجتنبوا السبع الموبقات الشرك بالله والسحر وقتل النفس التي حرم الله الا بالحق واكل الربوا واكل مال اليتيم بغير حق والتولى يوم الزحف وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات وقد قال عليه السلام الكبائر الاشرار بالله وعقوق الوالدين وقتل النفس واليمين الغموس فالصحيح ان هذه

الاحادیث لیست لیبان الحصر فالكبيرة كل ماسمی فاحشة كاللواطه ونكاح منکوحه الاب اوئبت لها بنص قاطع عقوبه فی الدنيا و فی الآخرة وقال الامام الحلواني " كل ما كان شنیعاً علی المسلمین و فیہ هتک حرمة الله تعالی والدین فهي كبيرة ثم بعد الاجتناب عن الكبائر كلها لا بد من عدم الاصرار علی الصغیره فان الاصرار علی الصغیره كبيرة و قوله و غلب صوابه ای حسناته اغلب من سیناته فان الالمام بالصغیره لا یسقط العدالة فقوله و من اجتنب الی قوله و غلب صوابه تفسیر العدل اقول لا بد من قید اخر وهو ان یجتنب الافعال الخسیسة الدالة علی الدنائة ای عدم المروة کالاکل فی الطریق والبول علی الطریق .

ترجمہ: اور گواہی قبول ہوگی دشمن کی جو دین کی وجہ سے دشمنی رکھتا ہو اور اس شخص کی جو کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو اور اس کی نیکی غالب ہو اختلاف کیا ہے کبائر کی تفسیر میں کسی نے کہا ہے کہ وہ سات ہیں اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور میدان جنگ سے بھاگ جانا والدین کی نافرمانی کرنا اور کسی کو ناحق قتل کرنا اور مؤمن کے مال کو لوٹ لینا اور زنا کرنا، شراب پینا، اور بعض نے اضافہ کیا ہے کہ یتیم کا مال کھانا ناحق طریقے پر اور سود کھانا اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اپنے آپ کو بچائے رکھو سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے، بحر سے، اس نفس کے قتل کرنے سے جس کو اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ سود کھانے سے اور یتیم کے مال کھانے سے ناحق طریقے پر اور لڑائی کے دن میدان جنگ سے پشت پھیرنے سے اور پاک دامن بے خبر مؤمن عورتوں پر تہمت لگانے سے اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ کبائر اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے، والدین کی نافرمانی ہے، اور کسی کو قتل کرنا ہے، اور بیعتیں غموس ہے، پس صحیح یہ ہے کہ یہ احادیث حصر بیان کرنے کیلئے نہیں ہے پس گناہ کبیرہ ہر وہ گناہ ہے جس کو بے حیائی کہا جاتا ہے جیسے لواطت، اپنے باپ کی منکوحہ کے ساتھ نکاح کرنا یا اس کیلئے نص قطعی سے دنیا یا آخرت میں سزا ثابت ہوئی ہے امام حلوائی نے فرمایا ہے کہ ہر وہ کام جو مسلمانوں کے نزدیک بُرا ہے اور اس میں اللہ کی حرمت اور دین کا ہتک ہو وہ کبیرہ ہے اور پھر تمام کبائر سے اجتناب کے بعد یہ بات بھی ضروری ہے کہ صغیرہ گناہ پر اصرار نہ ہوا سوائے کہ صغیرہ گناہ پر اصرار بھی گناہ کبیرہ ہے اور یہ قول کہ غلب صوابہ اس کی مراد یہ ہے کہ اس کی نیکیاں غالب ہوں اس کی برائیوں پر اس لئے گناہ صغیرہ کرنا عدالت کو ساقط نہیں کرتا مصنفؒ کے قوک و من اجتنب سے لے کر و غلب صوابہ تک یہ عدل کی تفسیر ہے میں کہتا ہوں کہ ایک اور قید بھی ضروری ہے وہ یہ کہ اپنے آپ کو بچائے رکھے خسیس کاموں سے جو دلالت کرتے ہیں رذالت پر یعنی عدم مروت پر (بے غیرتی عدم انسانیت) جیسے کہ راستے میں کھانا اور راستے میں پیشاب کرنا۔



تشریح: عداوت دینیہ کی وجہ سے گواہی رد نہ ہوگی:

مسئلہ یہ ہے کہ جب دو آدمیوں کے درمیان عداوت اور دشمنی ہو پس اگر یہ دشمنی دین کی وجہ سے ہو تو اس کے خلاف دوسرے کی گواہی قبول ہوگی مثلاً فاسق آدمی کے ساتھ ایک دیدار شخص کی دشمنی نفس دین کی بنیاد پر ہے یا ایک بدعتی کے ساتھ اہل حق کی دشمنی نفس دین کی بنیاد پر ہے تو اس فاسق کے خلاف دیدار کی گواہی اور بدعتی کے خلاف اہل حق کی گواہی قبول ہوگی اسلئے کہ یہ دشمنی تو کمال دیانت کی وجہ سے ہے تو اس میں وہ کذب کا ارتکاب نہیں کرے گا برخلاف عداوت دنیاوی کے کہ دنیا کی بناء پر جو دشمنی ہوتی ہے اس میں ایک آدمی اپنے دشمن کے خلاف کذب کا بھی ارتکاب کرتا ہے لہذا عداوت دنیاوی کی صورت میں اپنے دشمن کے خلاف گواہی قبول نہ ہوگی۔

کبائر سے اجتناب: شاہد کیلئے عادل ہونا شرط ہے اور عادل ہونے کیلئے یہ چند باتیں ضروری ہیں (۱) یہ کہ وہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرتا ہو (۲) صغائر پر اصرار نہ کرتا ہو (۳) ان دو باتوں کے ساتھ ساتھ اس کی حسنت غالب ہوں سینات پر پس جب یہ تین باتیں ایک آدمی میں موجود ہوں یہ عادل ہے اس کی گواہی قبول ہوگی اور رہا یہ کہ آیا نفس گناہ صغیرہ سے اجتناب ضروری ہے یا نہیں تو اس کے بارے میں ارشاد یہ ہے کہ نفس گناہ صغیرہ سے عدالت ساقط نہیں ہوتی اس لئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد کوئی بھی گناہ صغیرہ سے پاک نہیں ہے لہذا صغائر سے پاک ہونا عدالت کیلئے شرط نہیں ہے البتہ اتنی بات ہے کہ اس کی نیکیاں برائیوں پر غالب ہوں تو وہ عادل ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ یہ آدمی خسیس اور رذالت کے کاموں سے اجتناب کرتا ہو جیسے راستے میں کھانا یا راستے میں پیشاب کرنا جب یہ باتیں موجود ہوں تو اس آدمی کی گواہی قبول ہوگی یہ نفس مسئلہ کی وضاحت ہوگئی۔ اس کے علاوہ شارح نے شرح میں گناہ کبیرہ کی تفسیر ذکر کی ہے کہ آیا کبائر چند محصور گناہوں کا نام ہے یا زیادہ ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کبائر میں حصر نہیں ہے بلکہ احادیث میں مختلف گناہوں کو کبائر کے زمرے میں شمار کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بھی کبیرہ ہے یہ بھی کبیرہ ہے باقی تفصیل آسان ہے آپ خود کتاب کا ترجمہ دیکھ کر اخذ کر سکتے ہیں۔

والاقلف الاذاسرک الاختتان استخفافاً بالدين والخصی ولد الزنا والعمال وعند مالک لا تقبل شہادة ولد الزنا علی الزنا لانه یحب ان یکون غیره کففسه واماالعمال فان نفس العمل لیس بفسق الا اذاکانوا اعوانا علی الظلم وقیل العامل اذاکان وجیهاذا مروءة لایجازف فی کلامه تقبل شہادته وان کان فاسقا فقد یروی عن ابی یوسف ان الفاسق اذاکان لوجاهته لایقدم علی الکذب تقبل شہادته .

ترجمہ: اور غیر محتون کی گواہی قبول ہوتی ہے ہاں اگر اس نے دین کو حقیر سمجھ کر چھوڑا ہو اور خصی کی گواہی، ولد الزنا کی اور عمل

کی گواہی بھی قبول ہے امام مالکؒ کے نزدیک ولد الزنا کی گواہی زنا پر قبول نہیں کی جائے گی اس لئے کہ وہ یہ پسند کرے گا کہ اس کے علاوہ بھی اس کی طرح ہو اور عمال تو نفس عمل فسق نہیں ہے ہاں اگر یہ لوگ ظلم کی مدد کرنے والے ہوں اور کہا گیا ہے کہ عامل جب وجیہ ہو اور مرد و والا ہو اپنے کلام میں بے ہودہ گو نہ ہو تو اس کی شہادت قبول ہوگی اگرچہ فاسق ہو امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ فاسق جب اپنی وجاہت کی وجہ سے جھوٹ پر اقدام نہیں کرتا تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

**تشریح: غیر مختون اور خصی کی گواہی قبول ہے:**

مسئلہ یہ ہے کہ غیر مختون کی گواہی قبول ہوتی ہے اس لئے ختنہ کرنا سنت ہے اور چھوڑنا ترک سنت ہے ترک سنت سے آدمی فاسق نہیں ہوتا جب فاسق نہیں ہے تو گواہی بھی قبول ہوگی لیکن اگر اس نے ختنہ چھوڑ دیا ہو دین کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے تو پھر وہ فاسق بلکہ کافر ہو اس لئے کہ شعائر دین کو حقیر سمجھنا کفر ہے لہذا پھر اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

اسی طرح خصی کی گواہی بھی قبول ہوتی ہے اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے قدامہ بن مظعون کے خلاف علقمہ خصی کی گواہی قبول کی تھی نیز خصی کی خصیتین ظلماً کاٹنے گئے ہیں یہ ایسا ہی جیسے کہ کسی کا ہاتھ کاٹا گیا تو اس کی گواہی قبول ہوتی ہے تو خصی کی گواہی بھی قبول ہوگی۔

**ولد الزنا کی گواہی:** ولد الزنا کی گواہی قبول ہوتی ہے اس لئے کہ زنا کا ارتکاب تو والدین نے کیا ہے اور والدین کے گناہ میں اولاد ماخوذ نہیں ہوتی اس لئے ولد الزنا کی گواہی قبول ہوگی جیسے کہ پاپ اگر کافر یا فاسق ہو اور بیٹا مسلمان عادل ہو تو بیٹے کی گواہی قبول ہوتی ہے۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ولد الزنا کی گواہی زنا کے مقدمہ میں قبول نہ ہوگی اس لئے کہ وہ تو یہ پسند کرے گا کہ دوسرا بھی اس کی طرح ہو تو زنا کے مسئلہ میں یہ متہم ہے اور متہم کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔

ہماری طرف سے جواب: یہ ہے کہ ہمارا کلام شاہد عادل میں ہے عادل آدمی جھوٹی گواہی نہیں دیتا پس جب جھوٹ کی تہمت ختم ہوگی تو اسکی گواہی قبول ہوگی۔

**عمال کی گواہی قبول ہوتی ہے:** عمال یعنی بادشاہ کے وہ عمال جو حقوق واجبہ وصول کرنے پر مامور ہوں جیسے خراج اور سوائم کی زکوٰۃ وصول کرنے والے تو عمال کی گواہی قبول کی جاتی ہے کیونکہ نفس عمل فسق نہیں ہے اس لئے کہ بہت سارے صحابہ کرام عمال تھے تو نفس عمل فسق نہیں ہے لہذا عامل اگر ظلم کا مددگار اور معاون نہ ہو تو اسکی گواہی قبول کی جائے گی اور اگر ظلم کی مدد کرنے والا ہو تو پھر اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی اسلئے کہ ظلم سے عدالت ساقط ہوتی ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ

عائلہ اگر وجاہت اور مروت والا ہو لوگوں میں اور اپنے کلام میں بے ہودہ اور انکس کی باتیں نہ کرتا ہو تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اگرچہ فاسق ہو جیسے کہ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے فاسق کے بارے میں کہ جب فاسق باوجاہت اور بامروت ہو لوگوں میں اور اپنی وجاہت کی وجہ سے جھوٹ سے احتراز کرتا ہو تو اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے اسی طرح عامل بھی اگر وجاہت والا ہو اور اپنی وجاہت کی وجہ سے جھوٹ سے احتراز کرتا ہو تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

ولاخيه وعمه ومن حرم رضاعا او مصاهرة لامن اعمى وفى رواية عن ابى حنيفه تقبل فيمايجرى فيه التسامع وهو قول زفر وعند ابى يوسف والشافعى تقبل اذا كان بصيرا عند التحمل وان عمى بعد الاداء قبل القضاء لا يقضى القاضى عند ابى حنيفه ومحمد خلا لالابى يوسف وقوله اظهر .

ترجمہ: اور گواہی قبول ہوگی اپنے بھائی اور چچا کیلئے اور اس شخص کیلئے جس کے ساتھ حرمت رضاعت یا مصاہرت کی وجہ سے ہو لیکن نابینا کی گواہی قبول نہ ہوگی اور ایک روایت میں امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ قبول ہوگی ان معاملات میں جس میں تسامع جاری ہوتا ہے اور یہ امام زفر کا قول ہے اور امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک قبول ہوگی جبکہ بیٹا ہو شہادت اٹھاتے وقت اور اگر وہ نابینا ہو گیا شہادت ادا کرنے کے بعد فیصلہ کرنے سے پہلے تو قاضی فیصلہ نہیں کرے گا امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک خلاف ثابت ہے امام ابو یوسفؒ کیلئے اور ان کا قول ظاہر ہے۔

اپنے بھائی اور چچا کیلئے گواہی قبول ہوتی ہے: مسئلہ یہ ہے کہ ایک بھائی کی گواہی دوسرے بھائی کیلئے اسی طرح بیٹے کی شہادت چچا کے لئے قبول ہوتی ہے اسی طرح جس کے ساتھ حرمت رضاعت ہو یعنی رضاعی ماں کیلئے رضاعی باپ کیلئے یا رضاعی بھائی کیلئے اسی طرح جس کے ساتھ حرمت مصاہرت ہو یعنی سر کیلئے یا ساس کیلئے داماد کی گواہی قبول کی جاتی ہے اس لئے کہ ولادت کے علاوہ تمام قرابت داروں کے املاک اور منافع الگ الگ ہوتے ہیں جب املاک اور منافع الگ الگ ہیں ایک دوسرے کے حق میں گواہی دینے سے تہمت کا الزام نہیں آتا جب تہمت کا الزام نہیں آتا تو گواہی بھی قبول ہوگی۔

نابینا کی گواہی قبول نہیں ہوتی: اس کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ نابینا کی گواہی حدود اور قصاص میں بالکل قبول نہیں ہوتی خواہ تحمل شہادت کے وقت بیٹا ہو یا نابینا اس لئے کہ حدود اور قصاص شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں اور نابینا کی گواہی میں ایک قسم کا شبہ ہے لہذا حدود اور قصاص میں نابینا کی گواہی بالاتفاق قبول نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ جو معاملات ایسے ہیں کہ جن میں شہادت بالتسامع جائز ہوتی ہے تو حضرت امام زفرؒ کے نزدیک اور ایک روایت حضرت امام ابو حنیفہؒ سے بھی ہے کہ ایسے معاملات میں جن میں شہادت بالتسامع جائز ہے اس میں نابینا کی گواہی قبول ہوتی ہے اور ایسے معاملات جن میں شہادت

بالتسامع جائز نہیں ہے جیسے بیع شراء وغیرہ تو اس میں۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ آدمی تحمل شہادت کے وقت بیٹا ہو اور ادائے شہادت کے وقت نابینا ہو تو ان کے نزدیک یہ گواہی قبول کی جائے گی۔

حضرات طرفین کے نزدیک شہادت کی قبولیت کیلئے یہ شرط ہے کہ گواہ تحمل شہادت سے لیکر قاضی کے فیصلہ اور قضاء تک بیٹا ہونا ضروری ہے تو اگر کوئی شخص تحمل شہادت کے وقت بیٹا ہو اور ادائے شہادت کے وقت بھی بیٹا ہو لیکن قاضی کے حکم اور فیصلہ کرنے سے پہلے نابینا ہو گیا تو حضرات طرفین کے نزدیک اس کی گواہی قبول نہ ہوگی اور قاضی کیلئے اس شہادت کی بناء پر حکم کرنا جائز نہ ہوگا۔ اسمیں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے یعنی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر تحمل شہادت اور ادائے شہادت کے وقت بیٹا ہو لیکن قاضی کے فیصلہ سے پہلے نابینا ہو گیا تو یہ گواہی جائز ہوگی اور قاضی کیلئے اس گواہی کی بناء پر فیصلہ کرنا جائز ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ کا قول زیادہ ظاہر ہے اس لئے کہ جب تحمل شہادت کے وقت بیٹا ہے اور ادائے شہادت کے وقت بھی بیٹا ہے تو شہادت کامل ہوگی اور قاضی کو علم حاصل ہو گیا تو اب اگر ادا کرنے کے بعد اور فیصلہ کرنے سے پہلے وہ نابینا ہو جائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لہذا اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

ومملوک ومحدود فی قذف وان تاب انما قال هذا لانها تقبل عند الشافعی اذا تاب الامن حد فی کفره فاسلم وعدو بسبب الدنيا ولا لاصله وفرعه وزوجه وعمره فی العدو لا تقبل شهادته علی من يعاديه وتقبل له وفي الاصل اخره علی العکس وفي التاج والعمرس خلاف الشافعی.

ترجمہ: اور غلام کی اسی طرح محدود فی القذف کی گواہی قبول نہیں ہوتی اگرچہ اس نے توبہ کر لی ہو مصنف نے یہ کہا اس لئے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک قبول ہوتی ہے جب توبہ کرے مگر جس پر کفر میں حد لگائی گئی ہو اور پھر اس نے اسلام لایا اور دنیا کی وجہ سے دشمنی کرنے والے کی اور نہ اپنی اصل کیلئے اور نہ فرع کیلئے نہ شوہر کیلئے اور نہ بیوی کیلئے اور دشمن کی گواہی قبول نہ ہوگی اس شخص کے خلاف جس کے ساتھ دشمنی کرتا ہے اور اس کیلئے قبول ہوگی اور اصل میں اس کا نکس ہے شوہر اور بیوی کی گواہی میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔

تشریح: غلام کی گواہی قبول نہیں:

غلام کے گواہی قبول نہیں ہے نہ کسی کے خلاف اور نہ کسی کے حق میں اسلئے کہ شہادت ولایت کے قبیل سے ہے یعنی گواہ ہر وہ شخص بن سکتا ہے جس کو ولایت حاصل ہو اور غلام کو تو اپنی ذات پر ولایت حاصل نہیں ہے تو غیر پر کیسے حاصل ہو جائے گی اس لئے غلام کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

محدودنی القذف کی گواہی قبول نہیں: محدودنی القذف وہ شخص ہے جس نے کسی مسلمان پر زنا کی تہمت لگائی اور پھر اس کو چار گواہوں سے ثابت نہ کر سکا اور اس کی سزائیں اس کو اسی (۸۰) کوڑے لگائے گئے اس کو محدودنی القذف کہتے ہیں اب مسئلہ یہ ہے کہ محدودنی القذف کی گواہی قبول نہ کی جائے گی اگرچہ وہ توبہ کرے۔  
حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک محدودنی القذف اگر توبہ کرے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔  
حضرت امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے والوں کا استثناء فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

» والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا بأربعة شہداء فاجلدوہم ثمانین جلدۃ ولا تقبلو الہم شہادۃ ابدآ  
واولئک ہم الفاسقون الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحو ان اللہ غفور رحیم،، اس آیت میں،، الا الذین  
تابوا من بعد ذلک،، میں جو استثناء ہے اس کا تعلق ولا تقبلو الہم کے ساتھ ہے یعنی محدودنی القذف کی گواہی قبول نہ کرو مگر یہ کہ وہ  
توبہ کر لیں اور محدودنی القذف کی توبہ یہ ہے کہ قذف کے سلسلے میں وہ اپنی تکذیب کرے یعنی یہ کہے کہ میں نے جھوٹی تہمت لگائی  
ہے حاصل یہ ہے کہ توبہ کے بعد اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

احناف کی دلیل: یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ،، ولا تقبلو الہم شہادۃ ابدآ،، اور ابد اس کو کہتے ہیں کہ جس کی کوئی انتہاء  
نہ ہو یعنی محدودنی القذف کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو پس لفظ ابد کی صراحت کرنا قبول شہادت کے منافی ہے یعنی توبہ کے بعد  
محدودنی القذف کی گواہی قبول کرنا نص کے منافی ہے پس جب نص کے منافی ہے تو توبہ کے بعد بھی محدودنی القذف کی گواہی  
قبول نہ کی جائے گی تاکہ نص کے ساتھ تعارض اور منافات لازم نہ آئے۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ محدودنی القذف کی گواہی قبول نہ کرنا حد کا تہمتہ اور تکملہ ہے یعنی قذف کی حد تو اسی کوڑے ہے اور گواہی  
قبول نہ کرنا اس حد کو تام اور مکمل کرتا ہے لہذا جس طرح اصل حد (اسی کوڑے) توبہ کے بعد باقی رہتی ہے اور توبہ کی وجہ سے وہ  
ساقط نہیں ہوتی اسی طرح اصل حد پر قیاس کرتے ہوئے اس کا تہمتہ اور تکملہ یعنی عدم قبول شہادت بھی باقی رہے گا۔

حضرت امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب: یہ ہے کہ استثناء اس جملہ سے متعلق ہوتا ہے جس کے ساتھ قریب اور  
متصل ہو اور یہاں پر استثناء متصل ہے الفاسقون کے ساتھ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ توبہ کے بعد یہ لوگ فاسق نہیں ہیں پس توبہ  
سے ان کا فسق تو زائل ہو جائے گا لیکن عدم قبول شہادت زائل نہ ہوگا۔

محدود فی القذف کافر اگر مسلمان ہو جائے تو اس کو نئی شہادت حاصل ہوتی ہے:

مسئلہ یہ ہے کہ جب ایک کافر پر حد قذف لگائی گئی تو اس کی گواہی کافروں کے خلاف قبول نہ ہوگی لیکن اگر حد قذف لگنے کے بعد وہ مسلمان ہو گیا تو اس کی شہادت کافر اور مسلمان سب کے خلاف قبول ہوگی۔

وجہ: وجہ اس کی یہ ہے کہ کافر کو اسلام لانے سے پہلے صرف کافروں کے خلاف گواہی دینے کا حق حاصل تھا اور حد قذف سے اس کا یہ حق زائل ہو گیا تاکہ حد کا تہہ ہو جائے لیکن جب اس محدود فی القذف کافر نے اسلام قبول کیا تو اب اسلام کی وجہ سے اس کو شہادت جدیدی سرے سے گواہی کا حق حاصل ہو گیا اور یہ حق شہادت۔ شہادت اولیٰ کا غیر ہے اس لئے کہ سابقہ تو صرف کافر کے خلاف گواہی کا حق تھا لیکن اسلام لانے سے اس کو کافر اور مسلمان دونوں کے خلاف گواہی کا حق حاصل ہو گیا تو شہادت ثانیہ کا قبول نہ ہونا حد سابقہ کا تہہ نہیں ہے تو شہادت ثانیہ (اسلام لانے کے بعد جس شہادت کا حق حاصل ہے) اس کو قبول کر لیا جائے گا۔

دشمن کی گواہی دشمن کے خلاف قبول نہ ہوگی جبکہ عداوت دنیاوی ہو: جب دو آدمیوں کے درمیان دنیاوی معاملات کی بناء پر دشمنی ہو تو ایک دشمن کی گواہی دوسرے دشمن خلاف قبول نہ ہوگی اس لئے کہ اس میں جھوٹی تہمت کا امکان غالب ہے اور جب کذب کی تہمت موجود ہو تو گواہی قبول نہیں ہوتی البتہ ایک دشمن کی گواہی دوسرے دشمن کے حق میں قبول ہوگی اس لئے کہ اس میں تہمت نہیں ہے۔

اصول اور فروع کے حق میں گواہی قبول نہیں ہوتی:

اصول یعنی ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، وان علی اسی طرح فروع یعنی بیٹا، بیٹی، وان سفل، اسی طرح میاں بیوی کا ایک دوسرے کے حق میں گواہی قبول نہیں ہے اس لئے کہ ان لوگوں کے منافع مشترک ہیں تو اس میں جہمت کذب کا شبہ ہے اس لئے ان کے حق میں گواہی قبول نہ کی جائے گی لیکن ان کے خلاف گواہی قبول کی جائے گی اسلئے کہ ان کے خلاف گواہی دینے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

زوجین کی گواہی: حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک میاں بیوی ایک دوسرے کے حق میں گواہی دے سکتے ہیں اسلئے کہ ہر ایک کی ملک الگ الگ ہے اور ہر ایک کا قبضہ بھی الگ الگ ہے تو دونوں کے منافع اور املاک جب الگ الگ ہیں تو ایک دوسرے کے حق میں گواہی دینے سے تہمت کذب کا شبہ بھی ختم ہو گیا جب کذب کا شبہ ختم ہو گیا تو گواہی بھی قبول کی جائے گی۔ احناف

فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے کہ، لا تجوز شہادۃ الوالد لولدہ ولا لوالدہ ولا المرأة لزوجہا ولا الزوج لامرئہ، یہ حدیث صراحتاً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ میاں بیوی کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں قبول نہ ہوگی۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ زوجین کے درمیان منافع عادیہ متصل ہوتے ہیں شوہر کو بیوی کے مال کی وجہ سے مالدار سمجھا جاتا ہے اور بیوی کو شوہر کے مال کی وجہ سے مالدار سمجھا جاتا ہے پس جب زوجین کے درمیان منافع متصل ہیں تو ایک کا دوسرے کے لئے گواہی دینا من وجہ اپنی ذات کیلئے گواہی دینا ہے اور اپنی ذات کیلئے گواہی دینا جائز نہیں ہے لہذا میاں بیوی کا ایک دوسرے کیلئے گواہی دینا جائز نہ ہوگا۔

وسيدلعبده ومكاتبه وشريكه فيما يشتر كانه انما قال هذا لانه تقبل في غير مال الشركة وكذا لا تقبل شهادة الاجير وقيل يراد به التلميذ الخاص الذي يعد ضرر الاستاذ ضرر نفسه ونفعه نفع نفسه وقيل يراد به الاجير مسانهة او مشاهرة ومنختن يفعل الردى فانه ان لم يفعل الردى تقبل شهادته فان عدم القدرة على الجماع ولين الكلام وتكسر الاعضاء غير مانع للقبول وناحة ومغنية .

ترجمہ: اور گواہی قبول نہ ہوگی آقا کی اپنے غلام کے واسطے اور نہ اپنے مکاتب کے واسطے اور نہ شریک کی اپنے شریک کیلئے اس چیز میں جس میں دونوں شریک ہیں مصنف نے یہ کہا اس لئے کہ قبول کی جاتی ہے مال شرکت کے علاوہ میں اور اسی طرح قبول نہیں کی جاتی مزدور کی گواہی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے وہ شاگرد خاص ہے جو اپنے استاذ کا ضرر اپنا ضرر سمجھتا ہے اور اس کا نفع اپنا نفع سمجھتا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے وہ مزدور مراد ہے جو سالانہ مزدور ہے ماہانہ اور اس غنث کی گواہی قبول نہیں ہے جو ردی کام (لواطت) کرتا ہے اس لئے کہ اگر وہ ردی کام نہیں کرتا تو اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے اس لئے کہ جماع پر قادر نہ ہونا اور کلام میں نرمی کا ہونا اور اعضاء میں پیدائشی چک کا ہونا مانع نہیں ہے قبول شہادت کیلئے اور نہ رونے والی اور نہ گانے بجانے والی عورت کی۔

تشریح: آقا کا اپنے غلام اور مکاتب کے حق میں گواہی دینا:

مسئلہ یہ ہے کہ آقا کا اپنے غلام کے حق میں گواہی دینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ غلام دو حالوں سے خالی نہ ہوگا یا غلام پر دین ہوگا یا دین نہ ہوگا پس اگر غلام پر دین نہ ہو تو مولیٰ کا اپنے غلام کے حق میں گواہی دینا اپنی ذات کیلئے گواہی دینا ہے من کل وجہ کیونکہ غلام اور جو کچھ غلام کے ہاتھ میں ہے وہ سب مولیٰ کا ہے تو غلام کے حق میں گواہی دینا اپنی ذات کے حق میں گواہی دینا ہے اور اپنی ذات کیلئے گواہی جائز نہیں ہے۔ اور اگر غلام پر دین ہو تو پھر بھی مولیٰ کا اپنے غلام کے حق میں گواہی دینا جائز نہیں ہے اس

لئے کہ یہ گواہی من وجہ اپنی ذات کیلئے ہے اس لئے کہ یہ غلام یا تو قرض خواہوں کو قرضے میں دیدیا جائے گا تو اس صورت میں یہ غلام مولیٰ سے اجنبی ہو گیا تو غلام کے حق میں گواہی قبول ہونی چاہئے اور یا آقا خود اس کا دین ادا کرے گا تو اس صورت میں غلام اور جو کچھ غلام کے ہاتھ میں ہے سب آقا کا ہو جائے گا تو اس صورت میں غلام کے حق میں گواہی دینا اپنی ذات کیلئے گواہی دینا ہے اور اپنی ذات کیلئے گواہی دینا جائز نہیں ہے لہذا مولیٰ کا اپنے غلام کے حق میں گواہی دینا من وجہ اپنی ذات کیلئے گواہی دینا ہے اس لئے قبول نہ ہوگی۔ اسی طرح مولیٰ کا اپنے مکاتب کے حق میں گواہی دینا من وجہ اپنی ذات کیلئے گواہی دینا ہے اس لئے قبول نہ ہوگا یعنی عبد یون کی طرح مکاتب بھی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ مکاتب اپنا بدل کتابت ادا کرے تو اس صورت میں مولیٰ کا اپنے مکاتب کے حق میں گواہی دینا اپنی ذات کیلئے نہیں ہے بلکہ اجنبی کیلئے ہے تو قبول ہوگا لیکن اگر مکاتب بدل کتابت ادا نہ کرے بلکہ عاجز ہو جائے تو اس صورت میں مکاتب اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ سب آقا کا ہو جائے گا لہذا اس صورت میں مولیٰ کا اپنے مکاتب کے حق میں گواہی دینا اپنی ذات کیلئے ہوگی اس لئے قبول نہ ہوگی تو ہم نے کہا کہ مولیٰ کا اپنے مکاتب کیلئے گواہی دینا من وجہ اپنی ذات کیلئے گواہی دینا ہے اور اپنی ذات کیلئے آدمی کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اس لئے مکاتب کے حق میں مطلقاً گواہی قبول نہ ہوگی۔ اسی طرح جب دو آدمیوں کے درمیان مال مشترک ہو اور ایک شریک نے ایک تیسرے آدمی پر اس مال کا دعویٰ کیا جس کا تعلق مال شرکت سے ہے تو دوسرے شریک کی گواہی اس شریک کے حق میں معتبر نہ ہوگی اس لئے کہ اس کی گواہی من وجہ اپنے مال کیلئے ہے اور من وجہ اپنے شریک کے مال کیلئے ہے کیونکہ مال شرکت کی گواہی میں تجزی نہیں ہو سکتی اس لئے یہ بھی من وجہ اپنی ذات کیلئے گواہی دینا ہے لہذا یہ گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ البتہ اگر شریک کی گواہی مال شرکت کے علاوہ کسی اور مال میں ہو جس میں دونوں کی شرکت نہیں ہے تو پھر قبول کی جائے گی اس لئے کہ اس میں تہمت کا شبہ نہیں ہے کیونکہ اس میں دونوں کے منافع شریک نہیں ہیں لہذا اس میں قبول کی جائے گی۔

مزدور کی گواہی کی تفصیل: کتاب میں مسئلہ یہ ہے کہ اجیر کی گواہی اپنے مستاجر کے حق میں قبول نہ ہوگی لیکن اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اجیر سے مراد شاگرد و خاص ہے جو اپنے استاذ کا نقصان اپنا نقصان اور اس کا نفع اپنا نفع سمجھتا ہے یا وہ خاص شاگرد ہے جو اپنے استاذ کے ساتھ ہی کھاتا پیتا ہو اور اس کے گھر کا ایک فرد بن کر اس کے اہل و عیال میں رہتا ہو اور اس کیلئے کوئی اجرت مقرر نہ ہو اور یہی ارشاد فرمایا ہے حضور ﷺ نے کہ،، لاشھادۃ للقانع باھل البیت،، یعنی جو گھر والوں کا ماتحت اور تابع ہو اس کی گواہی ان کے حق میں قبول نہیں کی جاتی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ اجیر خاص ہے جو سالانہ یا ماہانہ تنخواہ پر کام کرتا ہے تو اس کی گواہی اپنے مستاجر کے حق میں قبول نہ ہوگی جیسے کہ مصنف عبدالرزاق کی روایت میں



ہے،، ولا الاجیر لمن استاجرہ،، وجہ اس کی ہے کہ جب ایک آدمی سالانہ یا ماہانہ تنخواہ نور ہے یعنی اجیر خاص ہے تو گواہی دیتے وقت بھی وہ آپ کا مزدور ہے اور یہ وقت بھی تنخواہ میں شمار ہوتا ہے تو گویا کہ اس اجیر خاص نے گواہی دینے پر اجر حاصل کیا اور اجر لے کر گواہی دینا جائز نہیں ہے جیسے کہ ایک عام آدمی کو آپ بازار سے پکڑ کر لائے کہ اتنی رقم لو اور میرے حق میں گواہی دو تو یہ جائز نہیں ہے اور اس آدمی کی گواہی قبول نہ ہوگی اسی طرح یہ بھی ہے کہ اجر لے کر گواہی دیتا ہے لہذا یہ جائز نہ ہوگا۔

**مخنت کی گواہی:** مخنت سے مراد وہ مخنت ہے جو لوگوں کو اپنے اوپر لواطت کی قدرت دیتا ہے اور زیب و زینت میں عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے ایسے مخنت کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اس لئے کہ یہ فاسق ہے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جاتی تو ایسے مخنت کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی لیکن اگر وہ ردی کام نہیں کرتا اور نہ زبردستی کلام میں نرمی پیدا کرتا ہے بلکہ اس کے کلام میں قدرتی طور پر نرمی ہے اور اعضاء میں قدرتی طور پر چمک ہے اور جماع پر قادر نہیں ہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اس لئے کہ اس نے کوئی فسق کا ارتکاب نہیں کیا ہے لہذا وہ فاسق بھی نہیں ہے جب فاسق نہیں ہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی

**ناتحہ اور مغنیہ کی گواہی قبول نہیں ہے:** مردوں کے سامنے آواز کے ساتھ رونے والی اور گانا گانے والی عورت کی گواہی قبول نہیں ہے اس لئے کہ عبدالرحمن بن عوف کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے منع فرمایا،، قال لہیث عن صوتین احمقین فاجرین صوت عند مصیبة خمس وجوه؛ وشق جیوب، وورنة الشیطن ای الغناء،، حضور ﷺ نے رد احمق اداؤں سے منع فرمایا ہے ایک مصیبت کے وقت کی آواز جس سے چہرے بگڑ جاتے ہیں اور گریبانوں کو چھاڑتا ہے اور شیطان کی آواز یعنی گانے کی آواز سے اس سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے اور یہ کام کرنا فسق ہے جو اس کا ارتکاب کرتا ہے وہ فاسق ہے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔

ومدمن الشرب علی اللہو ای شرب الاشربة المحرمة فان الاشربة التي لاتحرم ادمانها لاتسقط الشهادة مالہم یسکر بل ادمان السكر یسقط وقد ذکر ان المراد من الادمان الادمان فی النیة وهو ان یشرب ویسکر فی عزمہ ان یشرب کلموا وجد وقال الامام السرخسی شرط مع ذلک ان یتظہر ذلک للناس او یشخرج السكران فیسخر من الصبیان حتی ان من شرب الخمر فی السر لا تسقط عدالته وقد ذکر فی الحواشی ان ہذا فی غیر الخمر اما فی الخمر فلا یحتاج الی قید اللہو اقول لا بد فی الخمر من قید الشرب بطریق اللہو ایضاً فان شربہا للتداوی بان قال له الاطباء لاعلاج لمرضک الا الخمر فحرمتمہا مختلف فیہا ولا تسقط الشهادة وكذلك من یجلس مجالس الفجور والشرب لاتقبل شہادته

وان لم یشرب .

ترجمہ: اور لہو کے طور پر دائمی شراب پینے والے کی گواہی بھی قبول نہیں کی جاتی یعنی پیتے ہیں حرام شرابیں (شربت) اسلئے کہ جن شربتوں کا پینا حرام نہیں ہے اس پر دوام کرنا گواہی کو ساقط نہیں کرتا جب تک نشہ آور نہ ہو بلکہ نشے کا دوام ساقط کرتا ہے اور ذکر کیا گیا ہے کہ مراد ادا مان سے ہمیشہ ہونا ہے نیت میں اور وہ یہ ہے کہ پیتا ہے اور اس کے عزم میں یہ ہو کہ جب بھی مل جائے تو وہ پئے گا اور امام سرخسی نے فرمایا ہے کہ اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ لوگوں کے سامنے یہ کام کرتا ہو اور یا نشہ کی حالت میں نکلتا ہو اور بچے اس کے ساتھ مذاق کرتے ہوں تو فائدہ یہ ہوا کہ اگر کسی نے چھپکے سے شراب پی لی تو اس سے اس کی عدالت ساقط نہیں ہوتی اور حواشی میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ خمر کے علاوہ میں ہے لیکن خمر میں لھو کی قید کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ خمر میں بھی لھو کے طور پر پینے کی قید ضروری ہے اس لئے کہ خمر کا پینا علاج کے طور پر کہ طبیوں نے ان سے کہا ہو کہ آپ کے مرض کا کوئی علاج نہیں ہے سوائے خمر کے تو پھر اس کی حرمت مختلف فیہ ہے یہ شہادت کو ساقط نہیں کرتا اور اسی طرح وہ شخص جو فاجروں اور شرابیوں کی مجلس میں بیٹھتا ہے تو اس کی گواہی بھی قبول نہیں ہوتی اگرچہ وہ شراب نہیں پیتا۔

تشریح: دائمی شراب خور کی گواہی قبول نہیں:

سب سے پہلے تو یہ جان لینا ضروری ہے کہ اثر یہ کی تین قسمیں ہیں (۱) ایک قسم شراب (شربتیں) وہ ہے جو پاک بھی ہے اور حلال بھی ہے جیسے عام پینے کے شربتیں (۲) ایک قسم شراب وہ ہے جو ناپاک بھی ہے اور حرام بھی جیسے حقیقی خمر اور شراب یہ ناپاک بھی ہے اور حرام بھی ہے چاہے نشہ لانے والی ہو یا نہ ہو (۳) وہ شرابیں (شربتیں) جو حرام تو ہیں لیکن ناپاک نہیں ہیں جیسے افیون یا عام نشہ آور چیزیں خمر کے علاوہ۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ جو آدمی دائمی طور پر شراب پیتا ہے اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ آدمی حرام خور ہے اور حرام خور فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی اس لئے دائمی شرابی کی گواہی قبول نہیں ہے اور یہ بھی لہو اور مستی کے طور پر پیتا ہو شارح فرماتے ہیں کہ شراب پینے سے وہ شراب مراد ہے جو حرام ہے اس لئے وہ شراب (شربت) جو حرام نہیں ہے اس کا پینا چائے کبھی کبھار ہو یا ہمیشہ ہو وہ حرام نہیں ہے اور نہ اس سے عدالت ساقط ہوتی ہے جب تک نشہ کے حد تک نہ پہنچ جائے جب نشے کی حد کو پہنچ جائے اور پھر بھی ہیکلی کے ساتھ پیتا ہے تو پھر اس سے عدالت ساقط ہوگی اور گواہی قبول نہ ہوگی

ادمان سے کیا مراد ہے؟ شارح فرماتے ہیں کہ ادا مان سے مراد یہ ہے کہ اس کے دل اور نیت میں یہ بات ہو کہ وہ ہمیشہ شراب پئے گا جب بھی جہاں بھی پائے گا تو پئے گا یہ ادا مان ہے اس جیسے آدمی کو گواہی قبول نہ ہوگی اس لئے کہ حقیقی مداوت

تو معلوم نہیں کی جاسکتی مگر موت کے وقت اور موت کے وقت تو اس کی گواہی ویسے بھی قبول نہیں کی جاتی تو ادا مان کی علامت یعنی نیت میں عزم کرنا ادا مان کا قائم مقام کر دیا گیا لہذا جس کی نیت یہ ہو کہ وہ ہمیشہ شراب پیئے گا تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی علامہ سرخسی نے اس کے ساتھ یہ بھی شرط لگائی ہے کہ برسر عام لوگوں کے سامنے مجالس میں شراب پیتا ہو اور شراب پی کر نشے کی حالت میں نکلتا ہو اور بچے اس کے ساتھ مذاق اور مسخرے کرتے ہوں کیونکہ اس طرح کا آدمی جھوٹ سے پرہیز نہیں کرتا اور جب جھوٹ سے پرہیز نہیں کرتا تو اس کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی پس اگر کسی آدمی نے خفیہ لوگوں سے چھپ چھپا کر شراب پی لی تو اس سے اس کی عدالت ساقط نہ ہوگی اس لئے کہ اس کا فسق لوگوں کے درمیان ظاہر نہیں ہے اور جب فسق ظاہر نہیں ہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور بعض حواشی میں لکھا گیا ہے کہ یہ تفصیل جو ذکر کی گئی یہ فخر کے علاوہ دوسری اثر یہ محرمہ کے بارے میں اب رہا معاملہ فخر کا تو فخر یعنی حقیقی شراب چاہے بطور لہو ہو یا نہ ہو ادا مان ہو یا نہ ہو ہر حال میں وہ حرام ہے اس کا مرتکب فسق کا ارتکاب کرنے والا ہے اور فاسق ہے لہذا اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی۔

قول لا بد فی الخمر من قید اللہو ایضاً: شارح فرماتے ہیں کہ شراب (خمر) میں بھی لہو کی قید لگانا ضروری ہے اس لئے کہ اگر کوئی آدمی خمر کو بطور دوا استعمال کرے تو اس کی حرمت مختلف فیہ ہے بعض فقہاء کے نزدیک جب طبیب حاذق نے یہ علاج مقرر کیا کہ اس مرض کا کوئی علاج نہیں ہے سوائے شراب کے تو اس وقت اس مریض کیلئے شراب بطور دوا استعمال کرنا جائز ہے اور اس سے وہ فاسق نہیں ہوتا لہذا خمر میں بھی لہو کی قید لگانا ضروری ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک خمر کو بطور دوا بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام میں شفاء نہیں رکھی بہر حال اس کی حرمت اور حلت میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن اس کو بطور دوا استعمال کرنے سے آدمی فاسق نہیں ہوتا اور اس کی گواہی مردود نہ ہوگی بلکہ مقبول ہوگی۔ اسی طرح وہ آدمی جو فسق و فجور کے مجالس میں بیٹھتا رہتا ہے اور فساق و فجار اور شراب خوروں کے ساتھ اس کی اٹھک بیٹھک ہو اس کی گواہی بھی قبول نہیں ہوتی اگرچہ وہ خود شراب نہیں پیتا اس لئے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے، فلا تقعد بعد اللہ کبریٰ مع القوم الظالمین ،، فاجروں کا ہم مجلس بھی فاجر ہوگا لہذا اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

ومن یلعب بالطیور او الطنبور او یغنی للناس انما قال للناس لان من یغنی لدفع الوحشة عن نفسه

لا یسقط العدالة او یرتکب ما یحدبہ او یدخل الحمام بلا ازار او یا کل الربوا شرط فی المبسوط ان

یکون مشهوراً باکل الربوا لان الانسان قلماینجوع عن البیوع الفاسدة و کل ذلک ربوا او یقامر بالنرد

او الشطرنج او تفوته الصلوة بہما قال فی الهدایة او یقامر بالنرد او بالشطرنج ثم قال فاما مجرد اللعاب

بالشطر نج فلیس بفسق مانع لقبول الشہادۃ لان للاجتهاد فیہ مساعاً فہم من ہذا ان فی النرد لایشترط المقامرۃ او فوت الصلوۃ فقید المقامرۃ او فوت الصلوۃ فی النرد وقع اتفاقاً و فی الذخیرۃ من یلعب بالنرد فہو مردود والشہادۃ علی کل حال .

ترجمہ: اور گواہی قبول نہیں ہوتی اس شخص کی جو پرندوں کے ساتھ کھیلتا ہے یا ستار کے ساتھ اور یا لوگوں کو گانا سنانا ہے یہ کہا کہ لوگوں کو گانا سنانا ہے اس لئے کہ جو گانا گاتا ہے اپنے آپ سے وحشت دور کرنے کیلئے تو یہ عدالت کو ساقط نہیں کرتا یا ایسا کام کرتا ہے جس پر حد آتی ہے یا حرام میں داخل ہوتا ہے ازار کے بغیر یا سود کھاتا ہے بمسوط میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ سود کھانے میں مشہور ہو اس لئے کہ انسان بہت کم بیوع فاسدہ سے بچتا ہے اور یہ سب کے سب ربوا ہے یا زرد اور شطرنج کے ساتھ جو ا کھیلے یا ان دونوں کی وجہ سے نماز فوت ہو جاتی ہو۔ ہدایہ میں کہا ہے کہ یا جوا کھیلے نزد کے ساتھ یا شطرنج کے ساتھ اور پھر فرمایا کہ رہا محض شطرنج کے ساتھ کھیلتا تو وہ ایسا فسق نہیں ہے جو مانع شہادت ہو کیونکہ اس میں اجتهاد کی گنجائش ہے اس سے معلوم ہوا کہ زرد میں مقامرہ (جوا) شرط نہیں ہے اور نہ نماز کا فوت ہو جانا تو مقامرہ کی قید یا نماز کے فوت ہونے کی قید زرد میں اتفاقاً ہے اور ذخیرہ میں ہے کہ جو زرد کے ساتھ کھیلتا ہے تو اس کی گواہی مردود ہے ہر حال میں۔

تشریح: کبوتر باز کی گواہی:

جو آدمی کبوتر باز ہو یعنی پرندوں سے کھیلتا رہتا ہو اور اس کام کو اپنا مشغلہ بنایا ہو اس کی گواہی بھی قبول نہیں ہوتی اس لئے کہ پرند بازی آدمی کے اندر غفلت پیدا کرتی ہے اور غفلت کی وجہ سے نسیان کا غلبہ ہوتا ہے اور نسیان کے غلبے کی وجہ سے مشہود بہ یاد نہیں رہتا حالانکہ گواہی دینے کیلئے مشہود بہ کا یاد رہنا ضروری ہے نیز پرند باز پرندے اڑانے کیلئے گھروں کی چھتوں پہ چڑھتا ہے جس کی وجہ سے اجنبی عورتوں پہ نظر لگتی ہے اور اجنبی عورتوں کو دیکھنا حرام ہے اور حرام کا ارتکاب فسق ہے اور فسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی اس لئے پرندہ بازی کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

ظنبور: ظنبور ایک قسم کا باج ہے جس کو ستار کہتے ہیں جو آدمی ظنبور کے ساتھ کھیلتا ہے باجہ بجاتا ہے اس کی گواہی بھی قبول نہیں ہوتی کیونکہ اس سے وہ فسق کا مرتکب ہوتا ہے اور فسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی لہذا ظنبور بجانے والے کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

یا کوئی آدمی لوگوں کو گانا سنانا ہو اور گانے کیلئے لوگوں کو جمع کرتا ہو تو اس کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی کیونکہ یہ آدمی لوگوں کو گناہ کبیرہ پر اکٹھا کرتا ہے اور لوگوں کو گناہ پر جمع کرنا خود گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب فسق ہوتا ہے اور فسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی لہذا لوگوں کو گانا سنانے والے کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ ہاں اگر کوئی آدمی لوگوں کو گانا نہیں سنانا بلکہ تنہائی میں اپنے آپ سے

دشت دور کرنے اور دل بہلانے کیلئے گانا گانا ہو تو وہ فاسق نہ ہوگا اور اس کی گواہی قبول ہوگی۔ اسی طرح وہ آدمی جو ایسے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہو جس کے ساتھ حد متعلق ہوتی ہے جیسے سرقت کرنا، زنا کرنا، لواطت کرنا، اس کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی اس لئے کہ ایسے کبائر کے ارتکاب سے آدمی فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ (کبائر کی تفصیل پہلے گز چکی ہے)۔

یا کوئی آدمی بغیر ازار کے حمام میں داخل ہوتا ہو اس کی گواہی بھی قبول نہیں ہوتی اس لئے کہ واجب الاستر بدن کو کھولنا حرام ہے اور حرام کا مرتکب فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ اسی طرح جو آدمی سو دخور ہو اس کی گواہی بھی قبول نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ سو دی کا روبرو کرنا حرام ہے اور حرام کا مرتکب فاسق ہے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی البتہ امام سرخسی نے بسوط کے اندر فرمایا ہے کہ اس کے ساتھ (سو دخور ہونے کے ساتھ) یہ شرط ہے یہ آدمی سو دخوری میں مشہور ہوتا کہ اس کا فسق ظاہر ہو جائے اس لئے کہ کوئی بھی انسان بیوع فاسدہ کے ارتکاب سے محفوظ نہیں رہتا اور یہ سب ربا ہے لیکن اس سے آدمی فاسق نہیں ہوتا اس لئے کہ اس سے بچاؤ مشکل ہے لہذا سو دکھانے کے ساتھ یہ شرط ہے کہ سو دکھانے میں مشہور ہوتا کہ اس کا فسق ظاہر ہو جائے۔

زرد کھیلنا مطلقاً موجب فسق ہے:

جو آدمی زرد کے ساتھ کھیل کرتا ہے وہ فاسق ہے اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی خواہ وہ اس کے ساتھ جواہ کھیلے یا نہ کھیلے خواہ اس کی وجہ سے اس سے نماز فوت ہوتی ہو یا فوت نہ ہوتی ہو خواہ اس کے ساتھ جھوٹی قسمیں کھائے یا نہ کھائے اسلئے کہ زرد مطلقاً حرام ہے حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے، "من لعب بالنرد لکانما صیغ یدہ فی لحم خنزیر و دمہ"، اسی طرح فرمایا، "ملعون من لعب بالنرد"، اس سے معلوم ہوا کہ زرد کھیلنے والا ملعون اور حرام خور ہے ملعون اور حرام خور فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی لہذا زرد کھیلنے والے کی گواہی مطلقاً قبول نہ ہوگی۔

شطرنج کھیلنے والے کی گواہی:

شطرنج کے ساتھ کھیلنے کی گواہی اس وقت مردود ہوگی کہ تین باتوں میں سے ایک بات موجود ہوگی (۱) یا تو وہ شطرنج کے ساتھ جواہ کھیلتا ہو (۲) یا شطرنج میں مشغولیت کی وجہ سے نماز فوت ہوتی ہو (۳) یا شطرنج کھیلنے کی وجہ سے جھوٹی قسمیں کھاتا ہو جب ان تین باتوں میں سے ایک بات ہوگی تو پھر شطرنج کھیلنے والا فاسق ہوگا اور اس کی گواہی قبول نہ ہوگی اور اگر ان تین باتوں میں سے ایک بات بھی نہ ہو تو پھر وہ فاسق نہ ہوگا اور اس کی گواہی قبول ہوگی۔

اس لئے کہ شطرنج کے بارے میں علماء کا اختلاف موجود ہے حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک شطرنج کھیلنا حلال اور

جائز ہے اور جب اس میں اتنے بڑے حضرات کا اختلاف موجود ہے تو اس کے مرکب کو فاسق کیسے کہا جائے گا لہذا مطلقاً شرطنج کے ساتھ کھیلنے والے کی گواہی مردود نہ ہوگی جب تک ان تین باتوں میں سے ایک بات نہ ہوگی۔

ہدایہ کی عبارت کی وضاحت:

شارح فرماتے ہیں کہ ہدایہ میں صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ، "ادویا قمار بالنردا وبالشرنخ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرطنج کے ساتھ کھیلنے سے اس وقت گواہی مردود ہوگی جبکہ شرطنج کے ساتھ جواہ ہو اسی طرح اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نزد کے ساتھ کھیلنے سے گواہی اس وقت مردود ہوگی جبکہ اس کے ساتھ جواہ کی شرط ہو لیکن پھر صاحب ہدایہ نے خود اس شبہ کا جواب دیا ہے کہ مقامرۃ کی شرط صرف شرطنج کے ساتھ ہے نزد کے ساتھ مقامرۃ کی شرط معتبر نہیں ہے چاہے نزد کے ساتھ مقامرۃ ہو یا نہ ہو ہر حال میں نزد کے ساتھ کھیلنے والا مردود الشہادۃ ہے جیسے کہ ذخیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے ہدایہ کی عبارت میں اسی طرح وقایہ کی عبارت میں نزد کے ساتھ مقامرۃ یا فوت الصلوۃ کی جو شرط لگی ہوئی ہے یہ شرط اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے چاہے نزد کے ساتھ مقامرۃ ہو یا نہ ہو نماز فوت ہوتی ہو یا فوت نہ ہوتی ہو ہر حال میں وہ مردود الشہادۃ ہے۔"

ابوبول علی الطریق اویاکل فیہ اویظہر سب السلف ای الصحابة والعلماء المجتہدین الماضیین رضوان اللہ علیہم اجمعین .

ترجمہ: یاراستہ میں پیشاب کرتا ہو یا راستہ میں کھاتا ہو یا اسلاف کو بر ملائمہ ابلا کہتا ہو یعنی صحابہ کرامؓ اور علماء مجتہدین جو گزرے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو جائے۔

تشریح: جو شخص خفیف و حقیر حرکات کرتا ہو اس کی گواہی قبول نہیں:

مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص حقیر اور خفیف حرکات کرتا ہو جیسے راستے میں پیشاب کرنا، یاراستے میں کھانا کھانا، یا بازار میں بر سر عام کھانا، یا صرف ایک ازار میں ایک تہہ بند میں باہر نکلنا یعنی ایسا کام کرنا جو مروت اور شرافت کے خلاف ہو اس سے چونکہ شرم و حیاء جاتی رہتی ہے اور جب شرم و حیاء نہ رہی تو ایسا آدمی جھوٹ سے بھی احترازی نہیں کرتا اور جب متہم بالکذب ہے تو اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ اسی طرح جو شخص اسلاف یعنی صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، اور ائمہ مجتہدین کو گالی دیتا ہے بر ملا اور ظاہراً ابلا کہتا ہے اس کی گواہی بھی قبول نہیں ہوتی اس لئے کہ ایسا شخص فاسق ہے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی لیکن اگر کوئی ان کے بارے میں برائیوں کا اعتقاد تو رکھتا ہے لیکن اس کو ظاہر نہیں کرتا جیسے کہ بعض اہل بدع دل میں تو صحابہ کرامؓ، اور علماء مجتہدین کے ساتھ برا اعتقاد رکھتے ہیں لیکن اس کو ظاہر نہیں کرتے تو ایسے آدمی کی گواہی قبول ہوتی ہے۔

ولو شهدا بنان ان الاب اوصی الی زید وهو یدعیہ صحت وان انکر لای ای ان شہدانا الاب جعل زید اوصیا فی التركة وهو یدعی انہ وصی صحت شہادتهما وانما قال وهو یدعیہ لانہ لو انکر لاتقبل الشہادۃ کشہادۃ دائنی المیت ومدیونیہ والموصی لهما ووصیہ علی الایضاء ای صح شہادۃ ہونلاء اذا ادعی زید انہ وصی .

ترجمہ: اور اگر دو آدمیوں نے گواہی دی کہ ان کے باپ نے زید کو وصی بنایا ہے اور زید بھی اس کا دعویٰ کرتا ہے تو صحیح ہے اور اگر وہ انکار کرتا ہے تو نہیں یعنی گواہی دی کہ ان کے والد صاحب نے زید کو وصی بنایا ہے ترکہ میں اور زید بھی اس کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ وصی ہے تو دونوں کی گواہی صحیح ہے اور کہا کہ زید اس کا دعویٰ کرتا ہے اس لئے کہ اگر وہ انکار کرے تو گواہی قبول نہ ہوگی۔ جیسے کہ میت کے دو قرض خواہوں کی گواہی اور دو مدیونوں کی گواہی اور دو وصیوں کی گواہی وصی بنانے پر یعنی ان لوگوں کی گواہی صحیح ہے جبکہ زید دعویٰ کرے کہ وہ وصی ہے۔

### تشریح: پانچ مسائل:

- مذکورہ عبارت میں پانچ مسائل ہیں جس میں قیاساً گواہی جائز نہیں اور استحساناً گواہی جائز ہے وہ پانچ مسائل یہ ہیں۔
- (۱) دو آدمیوں نے گواہی دی کہ ہمارے باپ نے زید کو وصی بنایا ہے اور زید بھی اس کا دعویٰ کرتا ہے۔
  - (۲) دو قرض خواہوں نے گواہی دی کہ میت نے زید کو وصی بنایا ہے اور زید بھی اس کا دعویٰ کرتا ہے۔
  - (۳) دو مدیونین (جس پر میت کا قرضہ ہے) نے گواہی دی کہ میت نے زید کو وصی بنایا ہے اور زید بھی اس کا دعویٰ کرتا ہے۔
  - (۴) دو وصیوں نے گواہی دی کہ میت نے زید کو وصی بنایا ہے اور زید بھی اس کا دعویٰ کرتا ہے۔
  - (۵) دو وصیوں نے گواہی دی کہ میت نے ان کے ساتھ زید کو بھی وصی بنایا ہے اور زید بھی اس کا دعویٰ کرتا ہے۔
- تو ان پانچ صورتوں میں قیاساً گواہی جائز نہیں ہے۔

قیاس کی وجہ: قیاس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ تمام صورتوں میں گواہی کا نفع خود گواہوں کو حاصل ہوتا ہے اور جس صورت میں گواہی کا نفع گواہوں کو حاصل ہوتا ہے وہ گواہی جائز نہیں ہوتی۔

اب اس کی تفصیل کہ اس میں گواہی کا نفع گواہوں کو کیسے حاصل ہوتا ہے یہ ہے کہ پہلی صورت میں دونوں بیٹوں کو ایک مددگار مل جاتا ہے جو ان کے مال کی حفاظت کرے گا تو اس کا نفع بیٹوں کو ملے گا۔

دوسری صورت میں قرض خواہ۔ وصی سے اپنا قرض مانگنا شروع کریں گے تو اس گواہی کا نفع بھی ان کو مل رہا ہے۔

تیسری صورت میں مدیونین اپنے سر سے قرضے کا بوجھ ہلکا کر دیں گے تو گواہی کا نفع گواہوں کو مل رہا ہے اس لئے جائز نہیں۔ اور چوتھی صورت میں موصی کو میراث سے اس کا حصہ وصی سے مل جائے گا تو نفع اس کی ذات کو پہنچتا ہے اور پانچویں صورت میں دونوں وصیوں کو ایک مددگار مل جاتا ہے جس کا نفع ان کو ملتا ہے۔ لیکن استحسان کی وجہ سے یہ گواہی جائز ہے۔

استحسان کی وجہ: یہ ہے کہ اصل میں ان دونوں گواہوں کی گواہی کی وجہ سے وصی مقرر کرنا ثابت نہیں ہوا ہے بلکہ قاضی کو ازسرنو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی میت کے واسطے اپنی طرف سے وصی مقرر کرے تاکہ وہ اس کے مال کی حفاظت کرے یہاں پر گواہوں کی گواہی سے وصی مقرر نہیں ہوا ہے بلکہ وصی تو مقرر ہوا ہے قاضی کے نصب کرنے سے البتہ گواہوں کی گواہی سے قاضی کو وصی متعین کرنے کی مدد ملی ہے یعنی قاضی کو چاہئے کہ وہ امانت دار قادر آدمی کو وصی مقرر کرے اب قاضی کسی امانت دار کو دھوڑے گا تو دو آدمیوں نے بتلا دیا کہ جس کو ہم متعین کر رہے ہیں وہ امانت دار ہے اسی کو مقرر کرو تو قاضی نے ان کی گواہی کی وجہ سے اس کو وصی ثابت نہیں کیا ہے بلکہ وصی تو اس نے اپنی طرف سے مقرر کیا ہے البتہ گواہوں کی گواہی سے اس کے واسطے وصی متعین ہو گیا ہے۔ البتہ اگر زید انکار کرتا ہے کہ میں تو میت کا وصی نہیں ہوں تو پھر قاضی کیلئے جائز نہیں ہے کہ زید کو وصی مقرر کرے اسلئے کہ اب تو اس کا وصی مقرر کرنا گواہوں کی گواہی کی بناء پر ہوگا اور اس گواہی میں گواہوں کا نفع ہے اور جس گواہی سے گواہوں کو نفع حاصل ہوتا ہے وہ گواہی قبول نہیں ہوتی اس لئے یہ گواہی بھی قبول نہ ہوگی (نفع کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے)۔

وان شهدا ان اباهما الغائب و کله بقبض دینه و ادعی الوکیل او جحد ردت لان القاضی لایملک نصب الوکیل عن الغائب فلوثبت الوکالة یثبت بشهادتهما فلا یملکن لثبوتها بهما لمکان التهمة بخلاف الایضاء لان الوصی و اذا ادعی بکون قبول الشهادة کتبعین الوصی والقاضی یملک ذلک .

ترجمہ: اور اگر گواہی دی دونوں نے کہ ان کے غائب باپ نے اس کو وکیل بنایا ہے قرضے وصول کرنے کا اور وکیل اس کا دعویٰ کرتا ہے یا انکار کرتا ہے تو گواہی رد ہوگی اسلئے کہ قاضی غائب کی طرف سے وکیل مقرر کرنے کا مالک نہیں ہے پس اگر وکالت ثابت ہو جائے تو ثابت ہوگی ان دونوں کی گواہی کی وجہ سے اور ممکن نہیں ہے اس کا ثبوت ان کی گواہی سے تہمت کی وجہ سے برخلاف وصی مقرر کرنے کے اس لئے کہ اگر وصی دعویٰ کرے تو اس کی گواہی قبول کرنا وصی کو متعین کرنے کے مانند ہے اور قاضی کو اس کا اختیار ہے۔

تشریح: قاضی غائب کی طرف سے اپنے اختیار سے وکیل مقرر نہیں کر سکتا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو آدمیوں نے یہ گواہی دی کہ ان کے غائب والد نے ایک شخص کو اپنا وکیل مقرر کیا ہے تاکہ وہ اس کے



دیون اور قرضے لوگوں سے وصول کرے اور وکیل بھی اس کا دعویٰ کرتا ہے کہ ہاں اس نے مجھ کو وکیل مقرر کیا ہے۔ یا وکیل اس کا انکار کرتا ہے کہ اس نے مجھ کو وکیل مقرر نہیں کیا ہے دونوں صورتوں میں گواہوں کی گواہی قبول نہ ہوگی اس لئے کہ قاضی میت کی طرف سے وصی مقرر کرنے کا اختیار تو رکھتا ہے لیکن غائب کی طرف سے وکیل مقرر کرنے کا اختیار قاضی کو حاصل نہیں ہے۔ لہذا جب قاضی غائب کی طرف سے وکیل مقرر کرنے کا اختیار نہیں رکھتا تو اگر ہم یہاں پر وکالت کو ثابت کریں تو وکالت ثابت ہوگی گواہوں کی گواہی کی وجہ سے اور گواہوں کی گواہی قبول نہیں ہے اس لئے کہ اس میں تہمت ہے کیونکہ گواہی کی وجہ سے فائدہ گواہوں کو پہنچتا ہے اس لئے کہ ان کا قرضہ حاصل ہو رہا ہے۔ برخلاف وصی مقرر کرنے کے کیونکہ جب وصی دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے مجھ کو وصی مقرر کیا ہے تو گویا کہ یہ ایسا ہو گیا جیسے کہ وصی کو متعین کرنا اور قاضی کو وصی بنانے کا اختیار ہے۔ اور گواہوں کی گواہی کی وجہ سے وصی کو مقرر نہیں کیا گیا ہے بلکہ وصی کو متعین کیا گیا ہے۔

كالشهادة على جرح مجرد وهو ما يفسق الشاهد ولم يوجب حقاً للشرع او العبد مثل هو فاسق او

اكل الربوا او انه استأجرهم صورة المسئلة اذا قام البينة على العدالة فاقام الخصم البينة على الجرح ان كان الجرح جرحاً مجرداً لا يعتبر بينة الجرح والمماثل ان صورة المسئلة هذه لانه لو لم يقم البينة على العدالة فاخبر مخبر ان الشهود فاسق او اكلة الربوا فان الحكم لا يجوز قبل ثبوت العدالة لا يسد اخبره مخبر ان الشهود فاسق .

ترجمہ: جیسے کہ (قبول نہیں ہے) گواہی دینا جرح مجرد پر اور جرح مجرد ہے جو گواہ کو تو فاسق قرار دے لیکن شریعت یا بندہ کا حق واجب نہ کرے جیسے کہ وہ فاسق ہے یا سودخور ہے یا ان کو اجرت پر لیا ہے صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مدعی نے بینہ قائم کیا عدالت پر اور خصم (مدعی علیہ) نے بینہ پیش کیا جرح پر پس اگر یہ جرح۔ جرح مجرد ہو تو جرح کے گواہ معتبر نہ ہوں گے میں نے کہا کہ صورت مسئلہ یہ ہے اسلئے کہ اگر گواہ قائم نہ ہوئے عدالت پر اور ایک خبر دینے والے خبر دیدی کہ گواہ فاسق ہیں، یا سودخور ہیں، تو عدالت ثابت ہونے سے پہلے حکم کرنا جائز نہیں ہے۔ خاص طور پر جب ایک خبر دینے والے نے خبر دیدی کہ گواہ فاسق ہیں۔

تشریح: جرح کے اقسام: جرح کے معنی ہیں۔ عیب لگانا ظن کرنا جرح کی دو قسمیں (۱) جرح مجرد (۲) جرح غیر مجرد یعنی جرح مفصل۔ جرح مجرد ہے کہ جس میں سبب جرح بیان نہ کیا گیا ہو یعنی اس جرح سے نہ تو شریعت کا حق ثابت ہوتا ہے اور نہ بندہ کا حق ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ گواہ فاسق، یا سودخور ہیں، وغیرہ۔ اور جرح غیر مجرد یعنی جرح مفصل یہ ہے کہ جس میں سبب جرح بیان کیا گیا ہو یعنی اس جرح سے یا تو شریعت کا حق ثابت ہوتا ہے یا بندہ کا حق ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ

گواہوں نے زنا کیا ہے، یا گواہوں نے شراب پی ہے، تو اس جرح سے چونکہ شریعت کا حق (یعنی حد) ثابت ہوتا ہے یا جیسے کہ آگے آ رہا ہے کہ مدعی نے گواہوں کو اجرت پر لیا ہے اور اجرت میرے اس مال سے دی ہے جو میرا اس پر لازم ہے تو اس سے چونکہ بندہ کا حق ثابت ہوتا ہے اس لئے جرح مجرد نہیں ہے بلکہ جرح غیر مجرد یعنی جرح مفصل ہے۔

اس تمہید کے بعد اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ مدعی نے دعویٰ کیا اور اپنے دعوے پر گواہ بھی پیش کر دئے اور گواہوں کی عدالت بھی ثابت کر دی دو اور گواہوں کے ذریعے۔ اس کے بعد مدعی علیہ نے مدعی کے گواہوں پر جرح کیا یعنی اس میں عیب ثابت کر دیا پس اگر یہ جرح۔ جرح مجرد ہو یعنی مدعی علیہ نے صرف یہ ثابت کر دیا کہ مدعی کے گواہ فاسق ہیں اور سب فسق بیان نہ کیا کہ کس وجہ سے فاسق ہیں یا گواہ سود خور ہیں یا شراب خور ہیں اور یہ بیان نہ کیا کہ کب شراب پی ہے اور کس جگہ پی ہے، یا یہ کہا کہ مدعی نے گواہوں کو اجرت دیکر لایا ہے تو ان سب صورتوں میں چونکہ اس جرح سے نہ بندے کا حق ثابت ہوتا ہے اور نہ شریعت کا لہذا قاضی اس جرح پر گواہی نہیں سنے گا اور نہ اس کی بناء پر فیصلہ اور حکم کرے گا۔

وجہ: وجہ اسکی یہ ہے کہ قاضی شہادت اس لئے قبول کرتا ہے کہ شہادت کی بناء پر کوئی حکم ثابت کیا جائے اور قاضی اس حکم کو کسی پر لازم کرے لہذا قاضی ایسی چیز پر گواہی سنے گا جو قاضی کے حکم کے تحت داخل ہو یعنی مشہود بہ ایسی چیز ہونا ضروری ہے جو حاکم اور قاضی کے حکم کے تحت داخل ہو اور جرح مجرد جس کا حاصل مدعی کے گواہوں کو فاسق کہنا ہے وہ قاضی کے حکم کے تحت داخل نہیں ہے کیونکہ حاکم اور قاضی مشہود بہ کو لازم کرتا ہے اور قاضی کسی پر فسق لازم نہیں کر سکتا اسلئے کہ فسق ایسی چیز ہے جو توبہ ساقط ہو جاتا ہے لہذا قاضی کے اختیار میں نہیں ہے کسی پر فسق کو لازم کرنا جب فسق لازم کرنا قاضی کے اختیار میں نہیں ہے تو اس پر شہادت بھی نہ سنی جائے گی۔

وانما قلث صورة المسئلة : شارح فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ صورت مسئلہ یہ (کہ مدعی نے گواہوں کی عدالت ثابت کر دیا ہے) ہے یہ اس لئے کہ اگر گواہوں کی عدالت پر بیٹہ پیش نہ کیا گیا ہو اور پھر ایک خبر دینے والے نے خبر دیدی کہ گواہ فاسق ہیں تو قاضی کیلئے جائز نہیں ہے کہ ان گواہوں کی گواہی پر فیصلہ اور حکم صادر کرے خاص طور پر جب کہ ایک خبر نے خبر بھی دیدی کہ گواہ فاسق ہیں تو اس صورت میں گواہوں کی گواہی قبول کرنا جائز نہیں ہے جب تک ان کی عدالت ثابت نہ کیا جائے۔

وتقبل على اقرار المدعى بفسقهم لان الاقرار مما يدخل تحت الحكم وتقبل على انهم عيب

او محدودون في القذف او شاربو خمر او قذفة او شركاء المدعى او انه استاجرهم بكذالها واعطاهم

ذٰلک مما کان لی عنده او انی صالحتهم علی کذا و دفعته الیہم علی ان لا یشہدوا علی و شہدوا

ای علی ان لا یشہدوا علی شہادۃ الزور و مع ذٰلک شہدوا شہادۃ الزور فیجب علیہم اداء ما اعطیتہم  
فان فی ہذہ الصور یوجب الجرح حقاً للشرع اول للبد علی الشہود و لیدخل تحت حکم القاضی فتقبل

ترجمہ: اور قبول ہوگی (گواہی) مدعی کے اقرار پر ان کے فاسق ہونے پر اس لئے کہ اقرار ایسی چیز ہے جو حکم کے تحت داخل ہوتا ہے یا اس بات پر کہ گواہ غلام ہیں، یا محدود فی القذف ہیں، یا شراب نوش ہیں، یا بہتان لگانے والے ہیں، مدعی کے ساتھ شریک ہیں، یا مدعی نے ان کو اتنی اجرت پر لیا ہے شہادت کیلئے اور ان کو دیا ہے اس مال سے جو میرا اس کے پاس ہے، یا میں نے ان کے ساتھ صلح کی ہے اتنی پر اور ان کو دے چکا ہوں اس شرط پر کہ وہ میرے خلاف گواہی نہیں دیں گے اور انہوں نے میرے خلاف گواہی دیدی یعنی اس شرط پر کہ وہ میرے خلاف جھوٹی گواہی نہیں دیں گے اور اس کے باوجود انہوں نے جھوٹی گواہی دیدی تو واجب ہے ان پر اس چیز کا ادا کرنا جو میں نے ان کو دی ہے اس لئے ان صورتوں میں جرح شریعت کا حق ثابت کرتا ہے یا بندے کا گواہوں پر تو قاضی کے حکم کے تحت داخل ہوگا اور گواہی قبول ہوگی۔

**تشریح:** جرح غیر مجرد (جرح مفصل) پر گواہی قبول ہوتی ہے: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مدعی علیہ نے قاضی کے سامنے اس بات پر گواہ پیش کر دئے کہ مدعی نے میرے سامنے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ میرے گواہ فاسق ہیں۔ تو قاضی اس گواہی کو قبول کرے گا اور اس کے مطابق حکم دے گا کیونکہ اقرار ایسی چیز ہے جو قاضی کے حکم کے تحت داخل ہوتی ہے۔

اسی طرح جب مدعی علیہ نے کہا کہ مدعی کے گواہ غلام ہیں یا محدود فی القذف ہیں، یا مدعی کے گواہ شراب نوش ہیں، یا مدعی کے گواہ تہمت لگانے والے ہیں، یا مدعی گواہوں کے ساتھ شریک ہیں، یا مدعی نے گواہوں کو اجرت پر لیا ہے ہزار روپے کے عوض اور ان کو جو رقم دی ہے وہ میرے اس مال سے دی ہے جو میرا مدعی کے پاس ہے، یا میں نے گواہوں کے ساتھ صلح کی تھی ایک ہزار روپے پر اس شرط پر کہ وہ میرے خلاف جھوٹی گواہی نہیں دیں گے اس کے باوجود انہوں نے میرے خلاف جھوٹی گواہی دی لہذا جو مال یعنی ہزار روپے میں نے ان کو دیا تھا وہ مجھے واپس کر دے۔ ان تمام صورتوں میں یہ جرح معتبر ہے اور اس پر جو گواہی پیش کی گئی ہے وہ بھی مقبول ہوگی۔

**وجہ:** وجہ اس کی یہ ہے کہ اس جرح سے یا تو شریعت کا حق ثابت ہوتا ہے یا بندہ کا حق ثابت ہوتا ہے لہذا یہ قاضی کے حکم کے تحت داخل ہے اور جب قاضی کے حکم کے تحت داخل ہے تو اس پر گواہی بھی سنی جائے گی اور قاضی اس پر حکم بھی کرے گا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلی صورت میں جب کہا کہ گواہ غلام ہیں۔ تو اس کے معنی یہ ہیں ان کی ولایت سلب ہے۔ اور ولایت سلب کرنا اللہ کا حق ہے۔ دوسری صورت میں جب کہا کہ گواہ محدود فی القذف ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ مردود الشہادت ہے اور شہادت رد کرنا اللہ کا حق ہے۔

تیسری صورت میں جب کہا کہ گواہ شراب نوش ہیں اس کے معنی یہ ہیں ان پر حد شرب لازم ہے۔ اور حد لازم کرنا اللہ کا حق ہے چوتھی صورت میں جب کہا کہ گواہ تہمت لگانے اس کے معنی یہ ہیں کہ ان پر حد قذف لازم ہے اور حد قذف میں اگرچہ بندہ کا بھی حق ہے لیکن حق اللہ غالب ہے تو ان سب صورتوں میں چونکہ حق اللہ ثابت ہوتا ہے اس لئے اس میں جرح مجرد نہ رہا بلکہ جرح تفصیلی ہو گیا اور جرح تفصیلی پر گواہی قبول ہوتی ہے۔

پانچویں صورت میں جب کہا کہ گواہ مدعی کے ساتھ شریک ہیں تو اس میں چونکہ گواہ معتم ہیں اور معتم کی گواہی قبول نہیں ہوتی اس لئے اس پر بھی گواہی سنی جائے گی اور مدعی کے گواہوں کی گواہی مردود ہوگی۔

چھٹی صورت میں جب کہا کہ مدعی نے گواہوں کو کرایہ پر لیا ہے اور اجرت (ایک ہزار روپے) میرے مال سے ادا کیا ہے جو میرا مدعی کے ذمہ ہے۔ کیونکہ مدعی علیہ نے جب یہ کہا کہ مدعی نے اجرت کی رقم میرے مال سے دی ہے تو مدعی علیہ اس کے بارے میں مدعی کا خصم بن گیا یعنی مدعی نے اصلاً یہ کہا کہ اس مدعی نے میرا مال دیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ مدعی کے گواہ جھوٹے ہیں اور فاسق ہیں۔ تو اس جرح میں بندہ یعنی مدعی علیہ کا حق ثابت ہوتا ہے اور جب بندہ کا حق ثابت ہوتا ہے تو جرح۔ جرح مجرد نہ رہا بلکہ جرح تفصیلی ہو گیا اور جرح غیر مجرد پر گواہی سنی جاتی ہے۔

ساتویں صورت میں جب یہ کہا کہ میں نے گواہوں کے ساتھ اتنے مال پر صلح کی ہے کہ وہ میرے خلاف جھوٹی گواہی نہیں دیں گے اور مال ان کو دے چکا ہوں لیکن انہوں نے پھر بھی میرے خلاف جھوٹی گواہی دی لہذا اب ان گواہوں پر واجب ہے کہ میرا وہ مال جو میں نے ان کو دیا ہے واپس کر دیں تو اس صورت میں چونکہ بندہ کا حق ثابت ہوتا ہے اس لئے جرح۔ جرح مجرد نہ رہا بلکہ جرح غیر مجرد ہو اور جرح غیر مجرد پر گواہی سنی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

ولو شهد عدل ولم يبرح مكانه حتى قال او همت بعض شهادتي قبل اى اخطات بنسيان ما يجب ذكره كما اذا ادعى المدعى عشرة دراهم فشهد على الخمسة ثم قال ليست البعض بل الواجب عشرة او قال اخطات بزيادة باطله كما اذا ادعى المدعى خمسة دراهم فشهد على عشرة ثم قال اخطات وقلت العشرة مقام الخمسة فان كان فى المجلس قبلت الشهاددة وقوله اخطات فى المجلس يقبل من العدل

وان كان الموضع موضع شبهة لان المدعى اذا ادعى الخمسة لا تقبل الشهادة على العشرة لان المدعى يصير مكذبا للشاهد وفي غير هذا المجلس ان كان الموضع موضع شبهة لا تقبل لانه يوهم التلبس من المدعى وان لم يكن الموضع موضع شبهة كام اذالم يذكر لفظ الشهادة ثم يزيد في مجلس اخر لفظ الشهادة تقبل من العدل مع ان المجلس مختلف .

ترجمہ: اور اگر گواہی دی ایک عادل نے اور اپنی جگہ سے نہیں ہٹا یہاں تک کہ کہہ دیا کہ مجھے اپنی بعض گواہی میں وہم ہو گیا ہے تو (یہ گواہی) قبول ہوگی یعنی میں چوک گیا اس چیز کو بھول کر جس کا ذکر نا واجب تھا جیسے مدعی نے دس درہم کا دعویٰ کیا اور گواہ نے پانچ پر گواہی دی اور پھر کہا کہ مجھ سے بعض بھول گیا بلکہ واجب دس ہے یا کہا کہ میں چوک گیا ناحق زیادتی کرنے میں جیسے مدعی نے پانچ کا دعویٰ کیا اور اس نے دس پر گواہی دی اور پھر کہا کہ مجھ سے چوک ہو گئی اور پانچ کے بجائے دس کہا پس اگر یہ مجلس میں ہو تو گواہی قبول ہوگی۔ اور اس کا یہ کہنا مجلس میں کہ مجھ سے چوک ہو گئی عادل سے قبول ہوگا اگرچہ مقام۔ مقام شبہ ہو اس لئے کہ مدعی نے جب دعویٰ کیا پانچ کا تو گواہی قبول نہ ہوگی دس پر اس لئے کہ مدعی گواہ کو جھٹلانے والا ہو گیا اور اس مجلس کے علاوہ میں اگر مقام۔ مقام شبہ ہو تو گواہی قبول نہ ہوگی اس لئے کہ اس میں مدعی کی جانب سے تلبس کا وہم ہے اور اگر مقام۔ مقام شبہ نہ ہو جیسے کہ اس نے لفظ شہادت ذکر نہ کیا ہو اور دوسری مجلس میں لفظ شہادت کا اضافہ کیا تو یہ اضافہ عادل کی طرف سے قبول ہوگا باوجود یہ کہ مجلس مختلف ہے۔

تشریح: اگر شاہد نے مجلس شہادت میں یہ کہا کہ مجھ سے گواہی میں غلطی ہو گئی ہے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ قاضی کے دربار میں گواہوں نے گواہی دی اور ابھی تک گواہ قاضی کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ گواہوں نے کہا ہم سے گواہی میں چوک ہو گئی یعنی جس چیز کا ذکر چاہئے تھا اس کو بھول گیا ہوں اور اس کا غیر ذکر کر چکا ہوں مثلاً مدعی کا دعویٰ ایک ہزار۔ روپے کا تھا اور گواہ نے گواہی دی پانچ سو روپے پر اور مجلس کے اندر گواہ نے گواہی میں ترمیم کی اور کہا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی مدعی کے مدعی علیہ پر پانچ سو روپے نہیں بلکہ ایک ہزار روپے واجب ہے۔ یا یہ کہا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی کہ میں نے ناحق اضافہ کیا ہے یعنی مدعی نے پانچ سو روپے کا دعویٰ کیا تھا اور گواہ نے گواہی دی تھی ایک ہزار روپے پر اور پھر مجلس کے اندر گواہ نے کہا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے مدعی کا مدعی علیہ پر ایک ہزار روپے نہیں بلکہ پانچ سو روپے واجب ہے۔

پس اگر یہ ترمیم مجلس قضاء کے اندر ہو اور ساتھ گواہ کی عدالت بھی قاضی کو معلوم ہو تو یہ ترمیم قبول ہوگی اگرچہ یہ مقام۔ مقام شبہ ہو اور یہ ترمیم اس لئے قبول ہوگی کہ اصل میں مدعی نے جو دعویٰ کیا ہے گواہ کی گواہی اس کے موافق نہیں ہے مثلاً مدعی نے دعویٰ

کیا ہے ہزار روپے کا اور گواہ نے گواہی دی پانچ سو روپے پر تو گواہ کی گواہی دعوے کے موافق نہ ہوئی جب اس نے گواہی میں ترمیم کر دی تو گواہ نے گواہی کو دعوے کے موافق بنا دیا۔ یا مثلاً مدعی نے دعویٰ کیا پانچ سو روپے کا اور گواہ نے گواہی دی ہزار روپے پر تو پھر بھی گواہی دعوے کے موافق نہ ہوئی تو گواہ نے گواہی میں ترمیم کر کے گواہی کو دعوے کے موافق بنا دیا۔ جب گواہ عادل ہے اور مجلس بھی متحد ہے۔ تو یہ ترمیم قبول ہوگی۔ اس لئے کہ اتحاد مجلس کیلئے تاثیر ہے جمع متفرقات میں یعنی اگر ایک مجلس میں متفرق کلام ہوں تو وہ ایک ہی شمار ہوتا ہے تو گواہ کا کلام ثانی کلام اول کے ساتھ ملحق شمار ہوگا اور اس کا تہہ سمجھا جائے گا لہذا اتحاد مجلس کی صورت میں ترمیم قبول ہوگی۔

لیکن اگر مجلس مختلف ہو یعنی گواہ نے گواہی دی اور چلا گیا اور پھر دوبارہ آ گیا اور مقام۔ مقام شبہ بھی ہو تو اب گواہی کی ترمیم قبول نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس میں یہ شبہ موجود ہے کہ مدعی نے گواہ کو تلبیس میں مبتلا کیا ہو یعنی مدعی نے گواہ کو کچھ لالچ دلائی ہے کہ تو پانچ سو روپے کے بجائے ایک ہزار روپے کی گواہی دیدو، جب یہ وہم موجود ہے تو گواہ کی ترمیم شدہ گواہی قبول نہ ہوگی۔ لیکن اگر مقام، مقام شبہ نہ یعنی تہمت کا وہم نہ ہو تو پھر گواہ کی طرف سے ترمیم قبول ہوگی چاہے مجلس متحد ہو یا مختلف ہو اس میں اتحاد مجلس اور اختلاف مجلس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جیسے کہ گواہ سے گواہی دیتے وقت لفظ شہادت بھول گیا ہے اور بعد میں دوبارہ کہا کہ مجھ سے لفظ شہادت بھول گیا ہے تو اب لفظ شہادت استعمال کر سکتا ہے چاہے مجلس بدل گئی ہو یا مجلس ایک ہو اس لئے کہ لفظ شہادت استعمال کرنے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

و شرط موافقة الشهادة للدعوى كاتفاق الشاهدين لفظاً ومعنى عند ابى حنيفة فان عندهما لا يشترط اتفاقهما لفظاً ومعنى بل يكفي اتفاقهما معنى فترد ان شهد احدهما بالف والاخر بالفين او مائة ومائتين او طلقة وطلقتين او ثلث اى شهد احدهما بمائة والاخر بمائتين او شهد احدهما بطلقة والاخر بطلقتين او ثلث فانها ترد عند ابى حنيفة وعندهما تقبل على الاقل اذا ادعى المدعى الاكثر حتى اذا ادعى الاقل يكون المدعى مكذباً لشاهد الاكثر وقبلت على الف فى بالف والف مائة اى فى شهادة احدهما بالف والاخر بالف ومائة ان ادعى المدعى الاكثر حتى اذا ادعى الاقل بان قال لم يكن الا الالف او سكت عن دعوى المائة الزائدة لم تقبل شهادة مثبت الزيادة وامان قال كان اصل حقى الفاو مائة ولكنى استوفيت المائة او ابرأته عنها قبلت شهادته للتوفيق.

ترجمہ: اور شرط ہے گواہی کی موافقت دعویٰ کے ساتھ جیسے کہ دونوں گواہوں کا متفق ہونا لفظاً اور معنی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور

صاحبین کے نزدیک شرط نہیں ہے دونوں کا متفق ہونا لفظاً و معنیٰ بلکہ کافی ہے دونوں کا اتفاق معنی میں تو گواہی رد ہوگی اگر ایک نے گواہی دی ہزار کی اور دوسرے نے گواہی دی دو ہزار کی۔ یا ایک نے گواہی دی سو کی اور دوسرے نے گواہی دی دو سو کی یا ایک نے گواہی دی ایک طلاق کی اور دوسرے نے گواہی دی دو طلاقوں کی یا تین طلاقوں کی تو یہ گواہی رد ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک قبول ہوگی اقل مقدار پر جبکہ مدعی زیادتی کا دعویٰ کرتا ہو یہاں تک کہ اگر مدعی نے کم کا دعویٰ کیا تو مدعی زیادتی کے شاہد کو جھٹلانے والا بن جائے گا اور گواہی قبول ہوگی ہزار پر جبکہ ایک نے گواہی دی ہزار کی اور دوسرے نے گواہی دی ہزار اور سو کی جبکہ مدعی زیادتی کا دعویٰ کرتا ہو یہاں تک کہ اگر مدعی نے کم کا دعویٰ کیا یعنی یہ کہا کہ صرف ہزار روپے ہے یا سو روپے کے اضافے سے خاموش رہا تو زیادتی ثابت کرنے والوں کی گواہی قبول نہ ہوگی اور اگر کہا کہ میرا صلحت تو ہزار اور سو ہے لیکن میں نے سو وصول کیا ہے یا اس کے حصے میں نے ان کو بری کر دیا ہے تو اس کی گواہی قبول ہوگی توفیق کی وجہ سے۔

**تشریح: دعویٰ اور شہادت میں اتفاق شرط ہے:**

صورت مسئلہ بیان کرنے سے پہلے چند اصول ذہن میں رکھئے۔

(۱) یہ کہ حقوق العباد میں شہادت دینے سے پہلے مدعی کی طرف سے دعویٰ شرط ہے۔

(۲) یہ کہ شہادت دعویٰ کے موافق ہو۔ (۳) یہ کہ شاہدین کا اتفاق ہو شہادت میں۔

ان اصول کو ذہن میں رکھ کر اب صورت مسئلہ کو غور سے پڑھئے۔۔ مسئلہ یہ کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شاہدین کا لفظاً اور معنیٰ

متفق ہونا ضروری ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک صرف معنیٰ متفق ہونا ضروری ہے لفظاً متفق ہونا ضروری نہیں ہے

صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے خالد پر دو ہزار روپے کا دعویٰ کیا اور زید نے اپنے دعوے پر دو گواہ پیش کر دئے لیکن ایک گواہ

نے یہ گواہی دی کہ زید کے خالد پر دو ہزار روپے واجب ہیں اور ایک گواہ نے یہ گواہی دی کہ زید کے خالد پر ایک ہزار روپے

واجب ہیں۔ ایک مدعی نے خالد پر دو سو روپے کا دعویٰ کیا اور ایک گواہ نے دو سو روپے کی گواہی دی اور دوسرے نے ایک

سو روپے گواہی دی۔ یا مدعی (عورت) نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے شوہر نے اسکو دو طلاقیں دی ہے اور اس پر دو گواہ پیش کر دئے

ایک نے گواہی دی کہ شوہر نے بیوی کو دو طلاقیں دی ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ شوہر نے بیوی کو ایک طلاق دی ہے یا ایک

گواہ نے تین طلاق دینے کی گواہی دی اور دوسرے نے ایک طلاق کی گواہی دی۔ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ گواہی قبول نہ ہوگی

اور صاحبین کے نزدیک اقل مقدار پر گواہی قبول ہوگی جبکہ مدعی اکثر کا دعویٰ کرتا ہو یعنی پہلی صورت میں ہزار پر، دوسری صورت

میں سو پر، اور تیسری صورت میں ایک طلاق پر گواہی قبول ہوگی صاحبین کے نزدیک۔

صاحبین کی دلیل: یہ ہے کہ دونوں نے گواہوں نے اقل مقدار پر تو اتفاق کر لیا ہے یعنی پہلی صورت میں ہزار پر، دوسری صورت میں سو پر، اور تیسری صورت میں ایک طلاق پر دونوں گواہ متفق ہیں۔ یعنی دو ہزار کے ضمن میں ایک ہزار بھی داخل ہے اسی طرح دوسو کے ضمن میں ایک سو بھی داخل ہے اور اسی دو طلاق یا تین طلاق کے ضمن میں ایک طلاق بھی داخل ہے جب اقل مقدار پر دونوں گواہ متفق ہیں تو اقل مقدار پر گواہی قبول ہوگی۔ البتہ ایک گواہ نے کچھ اضافہ کیا ہے اور اس اضافے میں وہ اکیلا ہے تو اس اضافے میں اکیلا رہ جانے کی وجہ سے اس کی گواہی صرف اضافے میں قبول نہ ہوگی اور اقل مقدار میں قبول ہوگی اتفاق کی وجہ سے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: یہ ہے کہ جب ایک گواہ نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے دو ہزار کی گواہی دی تو دونوں گواہوں نے لفظاً اختلاف کیا اور اختلاف لفظی دلالت کرتا ہے اختلاف معنوی پر کیونکہ معنی لفظ ہی سے مستفاد ہوتا ہے پس جب لفظوں میں اختلاف ہے تو معنی میں بھی اختلاف ہوگا پس لفظ الف سے الفین کی مقدار کو تعبیر نہیں کیا جاتا ہے اور لفظ الفین سے الف کی مقدار کو تعبیر نہیں کیا جاتا لہذا دونوں گواہوں میں سے ہر ایک کا کلام دوسرے کے کلام کا غیر ہو گیا تو ایک گواہ کی گواہی کا مدلول ہزار روپے (یا ایک سو روپے یا ایک طلاق ہے) ہے جبکہ دوسرے گواہ کی گواہی کا مدلول دو ہزار روپے (یا دو سو روپے یا دو یا تین طلاق ہے) لہذا ایک ہزار پر ایک گواہ رہا اور دو ہزار پر بھی ایک گواہ رہا اور ایک گواہ کی گواہی سے مدعی کو ثابت نہیں کیا جاتا لہذا یہ گواہی قبول نہ ہوگی یہ اس صورت میں جبکہ مدعی نے مقدار اکثر کا دعویٰ کیا ہو یعنی مدعی نے بھی دو ہزار کا دعویٰ کیا ہو۔ لیکن اگر ایک گواہ نے گواہی دی دو ہزار پر اور ایک گواہ نے گواہی دی ایک ہزار پر اور مدعی نے بھی ایک ہزار کا دعویٰ کیا تو اس صورت میں جس گواہ نے دو ہزار کی گواہی دی ہے اس کی گواہی قبول نہ ہوگی نہ مقدار اقل میں اور نہ مقدار اکثر میں یعنی نہ ہزار پر قبول ہوگی اور نہ دو ہزار پر۔

وجہ: جب اس کی یہ ہے کہ جب مدعی نے زیادتی کے گواہ کو جھٹلایا تو مدعی کے دعوے میں یہ گواہ کاذب ہو گیا اور کاذب فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی لہذا اس گواہ کی گواہی قبول نہ ہوگی نہ ہزار پر اور نہ دو ہزار پر۔

وقبلت علی الف فی بالف و ملئ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے دعویٰ کیا کہ میرا خالہ پر ایک ہزار اور پانچ سو روپے ہیں اور اس پر گواہ بھی پیش کردئے۔ تو ایک گواہ نے گواہی دی ایک ہزار اور پانچ سو پر (علی الف و ملئ) اور دوسرے نے گواہی دی ایک ہزار پر (علی الف) تو اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین سب کے نزدیک ایک ہزار پر گواہی قبول ہوگی اور پانچ



سو پر قبول نہ ہوگی۔

وجہ: جب اس کی یہ ہے کہ ایک ہزار پر دونوں گواہ متفق ہیں لفظاً اور معنی۔ معنی متفق ہونا تو ظاہر ہے کہ ایک ہزار اور پانچ سو کے ضمن میں ہزار داخل ہے۔ اور لفظاً متفق ہونا اس طرح ہے کہ الف و خمس مائے دو جملے ہیں دوسرے جملے کا پہلے جملے پر عطف کیا گیا ہے اور عطف اول یعنی معطوف علیہ کو ثابت کرتا ہے لہذا جس گواہ نے الف و خمس مائے کی گواہی دی ہے اس نے سب پہلے الف کی گواہی دی ہے پس ایک ہزار پر دونوں متفق ہو گئے اور جب گواہوں کی گواہی میں اتفاق موجود ہے تو گواہی بھی قبول ہوگی یہ اس صورت میں جبکہ مدعی نے اکثر کا دعویٰ کیا ہو۔ لیکن اگر مدعی نے اقل کا دعویٰ کیا اور ایک گواہ ہزار کی گواہی دیتا ہے اور دوسرا گواہ ایک ہزار پانچ سو کی گواہی دیتا ہے اور مدعی ہزار کا دعویٰ کرتا ہے۔ یا مدعی نے اضافے سے خاموشی اختیار کی یعنی صرف الف کہا اور مائے یا خمس مائے وغیرہ سے خاموش رہا تو جو گواہ اضافے کی گواہی دیتا ہے اس کی گواہی قبول نہ ہوگی اس لئے کہ مدعی نے اس کو جھٹلایا تو مدعی کے زعم میں یہ گواہ کاذب اور فاسق ہو گیا اور فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی لہذا اس گواہ کی گواہی قبول نہ ہوگی نہ اقل مقدار میں اور نہ اضافی مقدار میں۔

لیکن اگر مدعی نے یہ کہا کہ ٹھیک ہے میرا اصل حق تو ایک ہزار پانچ سو روپے تھا لیکن چونکہ میں نے مدعی علیہ سے پانچ سو روپے وصول کر لئے تھے تو اس صورت میں جو گواہ زیادتی کو ثابت کرتا ہے اس کی گواہی قبول ہوگی اس لئے کہ اس پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگائی گئی ہے۔ بلکہ اس نے گواہ کو سچا دکھلایا کہ گواہ کی گواہی صحیح ہے لیکن اس درمیان میں میں نے اس سے کچھ رقم وصول کر لی ہے۔ یا میں نے ان کو سو روپے یا پانچ سو روپے سے بری کر دیا ہے اس لئے اب اس کے ذمہ صرف ہزار۔ روپے لازم ہے تو یہ گواہی قبول ہوگی۔ اس لئے کہ توفیق دینا آسان ہے۔

كطلقة و طلقة و نصف و مائة و مائة و عشرة اى كشهادة احدهما بطلقة و لآخر بطلقة و نصف و شهادة احدهما بمائة و الآخر بمائة و عشرة فان الشهادة مقبولة اتفاقاً للاتفاق على الالف و على الطلقة و على المائة و لاشك ان قولهما اظهر و فرق ابى حنيفة ضعيف و هو انهما متفقان على الالف فى شهادة احدهما بالالف و الآخر بالف و مائة غير متفقين فى شهادة احدهما بالالف و لآخر بالالفين .

ترجمہ: جیسے کہ ایک طلاق اور ڈیڑھ طلاق، سو اور ایک سو دس یعنی ایک کی گواہی دینا ایک طلاق کی اور دوسرے کی گواہی دینا ڈیڑھ طلاق کی اور ایک کی گواہی دینا سو کی اور دوسرے کی گواہی دینا ایک سو دس کی تو گواہی قبول ہے بالاتفاق اس لئے کہ اتفاق ہے ہزار، ایک طلاق، اور ایک سو پر اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ صاحبین کا قول ظاہر ہے اور امام ابوحنیفہ کا فرق بیان کرنا

ضعیف ہے۔ اور وہ فرق یہ ہے کہ دونوں گواہ متفق ہیں اس میں کہ ایک گواہی دیتا ہے ہزار کی اور دوسرا گواہی دیتا ہے گیارہ سو کی اور متفق نہیں ہیں اس میں کہ ایک گواہی دیتا ہے ہزار کی اور دوسرا گواہی دیتا ہے دو ہزار کی۔

تشریح: سابقہ مسئلے کو ایک نظیر پر قیاس کرتے ہیں سابقہ مسئلہ یہ تھا کہ اگر ایک گواہ نے ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے ایک ہزار اور ایک سو (۱۱۰۰) کی گواہی دی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک ہزار پر گواہی قبول ہوتی ہے۔ اب فرماتے ہیں کہ اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک گواہ نے گواہی دی ایک طلاق پر اور دوسرے گواہ نے گواہی دی ایک طلاق اور نصف طلاق کی اور مدعی بھی ایک طلاق اور نصف طلاق کا دعویٰ کرتا ہے تو ایک طلاق پر گواہی قبول ہوگی۔ اسی طرح ایک گواہ نے گواہی دی سو روپے کی اور دوسرے گواہ نے گواہی دی ایک سو دس روپے کی اور مدعی بھی ایک سو دس روپے کا دعویٰ کرتا ہے تو سو روپے پر گواہی قبول ہوگی۔

وجہ: وجہ اس کی بھی وہی ہے جو ماقبل میں گزر گئی کہ ایک طلاق پر دونوں گواہوں کا اتفاق موجود ہے لفظاً و معنی۔ معنی اتفاق تو ظاہر ہے کہ ڈیڑھ کے ضمن میں ایک داخل ہے اور لفظاً یہ ہے کہ اس نے نصف کو عطف کیا ہے اور عطف معطوف علیہ کو ثابت کرتا ہے۔ تو گویا کہ ایک طلاق کو اس نے بھی پہلے سے ثابت مان لیا ہے۔ اسی طرح ایک سوا اور ایک سو دس میں بھی ہے کہ ایک سو دس والے نے وعشرۃ کو عطف کیا ہے مائتہ پر اور عطف معطوف علیہ کو ثابت کرتا ہے لہذا سو روپے پر دونوں کا اتفاق ہے ہوا لفظاً و معنی۔ اسلئے اقل پر گواہی قبول ہوگی۔ شارح فرماتے ہیں کہ صاحبین کا قول ظاہر ہے یعنی الف اور الفین اسی طرح الف اور الف و مائتہ میں کوئی فرق نہیں ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے جو فرق بیان کیا کہ ایک گواہ نے الف کی گواہی دی اور دوسرے نے الفین کی گواہی دی تو گواہی قبول نہ ہوگی۔ لیکن اگر ایک گواہ نے الف کی گواہی دی اور دوسرے نے الف و مائتہ کی گواہی دی تو الف پر گواہی قبول ہوگی یہ فرق بیان کرنا ضعیف ہے اس لئے کہ جس طرح الف و مائتہ کے ضمن میں الف داخل ہے اسی طرح الفین کے ضمن میں بھی الف داخل ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ ایک صورت میں شاہدین کا اتفاق موجود ہے اور دوسری صورت میں شاہدین کا اتفاق موجود نہیں ہے یہ ضعیف ہے۔

ولو شهد بالف او بقرض الف وزاد احدہما قضی کذا قلبت بالف و بقرض الف ورد قوله قضی کذا لان شہادۃ الفرد غیر مقبولۃ الا اذا شہد معہ اخر ولا یشہد من علمہ حتی یقر المدعی عند الناس بما قبض ای یجب علی الذی یعلم قضاء البعض ان لا یشہد حتی یقر المدعی عند الناس بما قبض لئلا یتضرر المدعی علیہ و ذکر الطحاوی عن اصحابنا ان شہادۃ لاتقبل وهو قول زفر لان المدعی یکذب شاہد قضاء البعض قلنا الا کذاب فی غیر المشہود بہ لا یمنع القبول .

ترجمہ: اور اگر دونوں نے گواہی دی ہزار کی یا ہزار کے قرض کی اور ایک نے یہ زیادتی کی کہ اس نے اتنا ادا کر دیا ہے تو گواہی قبول ہوگی ہزار پر اور ہزار کے قرض پر اور رد ہوگا اس کا یہ قول کہ اس نے اتنا ادا کر دیا ہے اس لئے کہ ایک شخص کی گواہی مقبول نہیں ہے ہاں اگر اس کے ساتھ دوسرا گواہی دیدے۔ اور گواہی نہ دے وہ شخص جس کو معلوم ہو یہاں تک کہ اقرار کرے مدعی لوگوں کے سامنے اس چیز کا جس پر اس نے قبضہ کیا ہے یعنی واجب ہے اس پر جس کو معلوم ہو بعض کا ادا کرنا کہ وہ گواہی نہ دے یہاں تک کہ مدعی لوگوں کے سامنے اقرار کرے اس چیز کا جس پر قبضہ کیا ہے تاکہ مدعی علیہ کو ضرر لاحق نہ ہو جائے اور امام طحاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے اصحاب سے روایت ہے کہ اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی اور یہی امام زفر کا قول ہے اس لئے کہ مدعی نے بعض کی ادائیگی کے گواہ کو جھوٹا قرار دیا ہے ہم کہتے ہیں کہ جھٹلانا مشہودہ کے علاوہ میں قبول کیلئے مانع نہیں ہے۔

**تشریح:** گواہی دینے کے بعد ایک گواہ نے ادائیگی کی گواہی دی تو قبول نہ ہوگی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ میرا زید پر ہزار درہم قرضہ ہے اور دو گواہوں نے گواہی دی کہ مدعی کا زید پر ہزار درہم کا قرضہ ہے۔ اس کے بعد ایک گواہ نے یہ گواہی دی کہ زید نے مدعی کو اس قرضے سے پانچ سو درہم ادا کر دئے ہیں تو دونوں گواہوں کی یہ گواہی ہزار درہم کے قرض پر تو قبول ہوگی لیکن ایک گواہ کا یہ کہنا کہ پانچ سو ادا کر دیا ہے اس پر قبول نہ ہوگی اس لئے کہ ایک ہزار کے قرض پر تو دونوں گواہ متفق ہیں اس لئے ان کی گواہی قبول ہوتی ہے لیکن ایک گواہ کا یہ کہنا کہ اس نے بعض ادا کر دیا ہے اس میں یہ گواہ اکیلا ہے اور ایک گواہ کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ البتہ اگر اس کے ساتھ دوسرا گواہ بھی گواہی دے کہ مدعی علیہ نے بعض ادا کر دیا ہے تو پھر اس کی گواہی قبول ہوگی بعض کے ادا کرنے پر کیونکہ اب وہ اکیلا نہ رہا بلکہ دو گواہ ہو گئے۔ صاحب وقایہ فرماتے ہیں کہ جس گواہ کو بعض کا ادا کرنا معلوم ہو اس کو چاہئے کہ وہ گواہی نہ دے یہاں تک مدعی لوگوں کے سامنے یہ اقرار نہ کر لے کہ میں نے بعض قرضہ وصول کر لیا ہے۔ کیونکہ اگر یہ گواہ اس کے اقرار کرنے سے پہلے گواہی دیدے تو قاضی اس گواہی کی بناء پر مدعی علیہ پر ہزار درہم ادا کرنے کا فیصلہ کرے گا جس کی وجہ سے مدعی علیہ پر ظلم ہوگا اور یہ گواہ ظلم کی مدد کرنے والا ہوگا اس لئے اس گواہ کو چاہئے کہ اس وقت تک گواہی نہ دے جب تک مدعی خود لوگوں کے سامنے بعض کے وصول کرنے کا اقرار نہ کر لے تاکہ مدعی علیہ کا ضرر اور نقصان نہ ہو جائے۔

امام طحاویؒ نے علماء احناف سے یہ روایت نقل کی ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں قرض کے اندر بھی گواہی قبول نہ ہوگی یعنی ان کی گواہی سے مدعی علیہ کے ذمہ ایک ہزار درہم بھی ثابت نہ ہوں گے اور یہی امام زفر کا قول ہے۔

**دلیل:** ان کی یہ ہے کہ مدعی نے جب ایک ہزار کا دعویٰ کیا اور ایک گواہ نے بعض کی ادائیگی کی گواہی دی تو گویا کہ مدعی نے بعض

کی ادائیگی کے گواہ کو جھوٹا قرار دیا اور گواہ کو جھوٹا قرار دینا تفسیق شاہد ہے یعنی گواہ کو فاسق قرار دینا ہے اور گواہ کو فاسق قرار دینے سے گواہ کی گواہی رد ہوتی ہے لہذا جب گواہ کی گواہی رد ہوگی تو اصل حق بھی ثابت نہ ہوگا اس لئے کہ فاسق کی گواہی سے حق ثابت نہیں ہوتا۔

ہم کہتے ہیں کہ مشہود بہ ہزار درہم کا قرضہ ہے مدعی نے گواہ کو مشہود بہ میں جھوٹا قرار نہیں دیا ہے بلکہ غیر مشہود بہ میں جھوٹا قرار دیا ہے اور غیر مشہود بہ میں جھوٹا قرار دینے سے گواہ فاسق نہیں ہوتا لہذا جب گواہ فاسق نہیں ہے تو اس کی گواہی اصل حق میں قبول ہوگی اس لئے کہ دوسرا گواہ ساتھ ہے اور اضافے میں قبول نہ ہوگی اس لئے کہ اس میں ایک گواہ اکیلا ہے۔

ولو شهدا بقتل زید يوم كذا بمكة واخران بقتله فيه بكوفة ردنا اي شهدا بقتل زید فی ذلک اليوم بكوفة ترد البيتان لان احدهما كاذبة بيقين وليست احدهما اولی من الاخری فان قضی باحدهما لم قامت الاخری ردت لا الاولی ترجحت باتصال القضاء بها فلا ينتقض بالثانية .

ترجمہ: اور اگر دو گواہوں نے گواہی دی زید کے قتل ہونے پر فلاں دن میں مکہ کے اندر اور دو اور گواہوں نے گواہی دی اس کے قتل ہونے پر اسی دن میں کوفہ کے اندر تو دونوں گواہیاں رد ہوں گی یعنی دونوں نے گواہی دی زید کے قتل ہونے پر اسی دن میں کوفہ کے اندر تو دونوں گواہیاں رد ہوں گی اس لئے کہ دونوں فریقوں میں سے ایک فریق جھوٹا ہے یقینی طور پر اور ایک دوسرے سے اولی نہیں ہے۔ پس اگر قاضی نے ایک فریق کی گواہی پر فیصلہ دیدیا پھر دوسرے فریق نے گواہی دی تو یہ رد ہوگی اس لئے کہ پہلی گواہی کو ترجیح حاصل ہوگی اس کے ساتھ قاضی کے فیصلہ ملنے کی وجہ سے تو وہ نہیں ٹوٹے گی دوسری کی وجہ سے۔

**تشریح:** دو فریقوں کی گواہی میں اگر ایک کو ترجیح دینا مشکل ہو تو دونوں رد ہوں گی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو گواہوں نے گواہی دی کہ زید نے خالد کو قتل کیا ہے یکم رمضان المبارک بروز جمعہ پشاور میں۔ اور ابھی تک قاضی نے فیصلہ نہیں کیا تھا کہ دو اور گواہوں نے گواہی دی زید نے خالد کو قتل کیا ہے یکم رمضان المبارک بروز جمعہ سوات میں۔ تو یہ دونوں شہادتیں رد ہوں گی قبول نہ ہوں گی۔ اس لئے کہ ان دونوں شہادتوں میں ایک شہادت کاذب ہے یقینی طور پر لیکن وہ معلوم نہیں کہ کونسی شہادت کاذب ہے اور کونسی غیر کاذب درجہ میں دونوں برابر ہیں اس لئے ایک کو دوسری پر ترجیح بھی حاصل نہیں ہے۔ اس لئے ایک کو رد کرنا اور دوسری کو قبول کرنا بھی ممکن نہیں ہے لہذا دونوں شہادتیں رد ہوں گی۔ اور قاتل پر قصاص ثابت نہ ہوگا۔ لیکن اگر ایک فریق نے گواہی دیدی اور قاضی نے اس کے مطابق فیصلہ کر دیا یعنی یہ فیصلہ کر دیا کہ زید نے خالد کو قتل کیا ہے یکم رمضان المبارک بروز جمعہ پشاور میں اور زید پر قصاص کا حکم صادر کر دیا اور پھر اس کے بعد دوسرے فریق نے گواہی دیدی کہ

زید نے خالد کو اسی دن میں سوات کے اندر قتل کیا ہے تو دوسری گواہی رد ہوگی اس لئے کہ پہلی گواہی کو ترجیح حاصل ہوگئی ہے۔ اس کے ساتھ قاضی کا فیصلہ متصل ہو گیا ہے قاضی کے فیصلے کے اتصال کی وجہ سے اس کو ترجیح حاصل ہوگئی ہے لہذا وہ راجح ہوگئی اور دوسری گواہی مرجوح ہوگئی تو مرجوح کی وجہ سے راجح کو نہیں چھوڑا جائے گا اس لئے پہلی گواہی قبول ہوگی اور دوسری قبول نہ ہوگی

ولو شهدا بسرقة بقرة واختلفا في لونها قطع ولو اختلفا في الذكورة والانوثة لا وعندهما لا يقطع في الوجهين وقيل الاختلاف في لونين متشابهين كالسواد والحمرة لافي السواد والبياض وقيل في جميع ذلك الالوان له ان السرقة يقع في الليلي والرأئي يراه من بعيد فاللونان يتشابهان والظاهر قولهما .

ترجمہ: اگر دو آدمیوں نے گواہی دی گائے کی چوری کرنے پر اور اختلاف آگیا اس کے رنگ میں تو ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر اختلاف آگیا نر اور مادہ ہونے میں تو ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اور صاحبین کے نزدیک ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا دونوں صورتوں میں اور کہا گیا ہے کہ اختلاف ایسے درنگوں میں ہو جو باہم تشابہ ہوں جیسے کہ سیاہ اور سرخ نہ کہ سیاہ اور سفید میں، اور کہا گیا ہے کہ اختلاف تمام رنگوں میں ہے امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ چوری رات میں واقع ہوتی ہے اور دیکھنے والا دور سے دیکھتا ہے تو دونوں رنگ تشابہ ہوتے ہیں اور صاحبین کا قول زیادہ ظاہر ہے۔

### تشریح: گائے کی چوری میں رنگ کا اختلاف:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک مدعی نے دعویٰ کیا کہ فلاں نے میری گائے چوری کی ہے اور مدعی نے رنگ کا کوئی ذکر نہ کیا اور اس پر دو گواہ پیش کر دئے لیکن گواہوں کا آپس میں رنگ میں اختلاف ہو گیا ایک گواہ نے کہا کہ گائے کا رنگ سیاہ تھا اور دوسرے گواہ نے کہا کہ گائے کا رنگ سفید تھا تو امام ابوحنیفہ نزدیک گواہوں کی یہ گواہی قبول ہوگی اور چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور صاحبین کے نزدیک جب دونوں گواہوں نے رنگ میں اختلاف کیا تو گواہی قبول نہ ہوگی خواہ دونوں باہم تشابہ ہوں یا نہ ہوں ہر حال میں گواہی قبول نہ ہوگی اور چور کا ہاتھ دونوں صورتوں میں نہ کاٹا جائے گا۔ بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف دو ایسے رنگوں میں ہے جو باہم تشابہ ہوں جیسے سیاہ اور سرخ رنگ۔ یعنی اگر ایک گواہ نے کہا کہ گائے سیاہ تھی اور دوسرے نے کہا کہ گائے سرخ تھی تو امام صاحب کے نزدیک گواہی قبول ہوگی اور صاحبین کے نزدیک گواہی قبول نہ ہوگی لیکن اگر اختلاف دو ایسے رنگوں میں ہوں جو باہم تشابہ نہ ہوں جیسے کہ ایک گواہ نے کہا کہ گائے سیاہ تھی اور دوسرے نے کہا کہ گائے سفید تھی تو اس میں امام صاحب اور صاحبین کے نزدیک بالاتفاق گواہی قبول نہ ہوگی۔

اور بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ اختلاف تمام الوان میں ہے یعنی امام صاحب کے نزدیک جب رنگ میں اختلاف ہو تو گواہی

قبول ہوگی خواہ الوان ایک دوسرے کے مشابہ ہوں یا نہ ہوں اور صاحبین کے نزدیک گواہی قبول نہ ہوگی خواہ الوان ایک دوسرے کے مشابہ ہوں یا نہ ہوں۔

صاحبین کی دلیل: یہ ہے کہ سیاہ گائے کی چوری اور ہے اور ہر ایک چوری پر ایک گواہ ہے نصاب پورا نہیں ہے لہذا گواہی قبول نہ ہوگی۔ جیسے کہ ایک گواہ یہ گواہی دے کہ اس نے گائے چوری کی ہے اور دوسرا گواہ یہ گواہی دے کہ اس نے بیل چوری کیا ہے تو گواہی قبول نہیں ہوتی بالاتفاق اسی طرح لون کے اختلاف میں بھی گواہی قبول نہ ہوگی۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل: یہ ہے کہ رنگ کے سلسلے میں جو اختلاف کیا گیا ہے اس میں توفیق دینا ممکن ہے وہ اس طرح کہ عام طور پر چوری رات میں ہوتی ہے اور دیکھنے والا دور سے دیکھتا ہے۔ اور دونوں رنگ کبھی ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں جیسے سیاہ اور سرخ، اور کبھی ایک دوسرے کے مشابہ تو نہیں ہوتے لیکن ایک چیز میں جمع ہوتے ہیں اس طور پر کہ جانور کی ایک جانب سفید ہوتی ہے اور دوسری جانب سیاہ ہوتی ہے تو ایک گواہ نے ایک جانب سے دیکھا ہوتا ہے اور دوسرے گواہ نے دوسری جانب سے دیکھا ہوتا ہے اس لئے دونوں میں توفیق دینا ممکن ہے۔ برخلاف مذکور اور مؤنث ہونے کے کہ مذکور اور مؤنث ہونا ایک چیز میں جمع نہیں ہو سکتے۔ لہذا جب ایک نے گواہی دی کہ گائے چوری کی ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ بیل چوری کیا ہے تو گواہی قبول نہ ہوگی بالاتفاق۔

والاظہر قولہما: شارح فرماتے ہیں کہ صاحبین کا قول زیادہ ظاہر ہے اس لئے کہ جب رنگ مختلف ہے تو یہ اختلاف فی الکلیف ہے اور اختلاف فی الکلیف سے بھی گواہی رد ہوتی ہے لہذا جب رنگ میں اختلاف ہے تو ہر ایک پر ایک گواہ ہو گیا اور نصاب پورا نہ ہونے کی وجہ سے گواہی رد ہوتی ہے اس لئے اس صورت میں گواہی قبول نہ ہوگی۔

ولو شهد ابشر اعبد او کتابتہ بالف والاخر بالف ومائۃ ردت سواء ادعی البائع او المشتري لان العقد

یختلف باختلاف الثمن فيكون على كل واحد شهادة فرد فلا تقبل وكذا اذا اعتق بعمال وصلح عن قود

ورهن وخلع ان ادعى العبد والقاتل والراهن والعرس فيه لف ونشر فدعوى العبد يرجع الى العتق

بمال وهكذا على الترتيب لان المقصود ههنا العقد وهو مختلف.

ترجمہ: اور اگر ایک نے گواہی دی غلام کی خریداری کی یا اس کی کتابت کی ہزار کے عوض راہ دوسرے نے گیارہ سو کے عوض

تو گواہی رد ہوگی چاہے دعویٰ بائع نے کیا ہو یا مشتری نے اس لئے کہ عقد مختلف ہوتا ہے اختلاف ثمن سے تو ہر ایک عقد پر ایک فرد کی گواہی ہوگی تو قبول نہ ہوگی اور اسی طرح جب غلام کو آزاد کیا مال پر یا صلح کی قصاص سے اور رہن، اور خلع، اگر دعویٰ کیا غلام نے، یا قاتل، یا راہن، یا بیوی نے اس میں لف نثر ہے غلام کا دعویٰ لوٹنا ہے حق بالمال کی طرف اور اسی طرح باقی ہیں ترتیب کے ساتھ اس لئے کہ مقصود یہاں پر عقد ہے اور وہ مختلف ہوتا ہے۔

تشریح: اگر اختلاف عقد بیع میں ہو تو گواہی قبول نہ ہوگی: اس عبارت میں چند مسائل ہیں

مسئلہ (۱) یہ ہے کہ ایک آدمی نے دعویٰ کیا میں نے بائع سے یہ چیز خریدی ہے اور بائع اس کا انکار کرتا ہے تو مشتری نے اس پر گواہ پیش کردئے تو ایک گواہ نے یہ گواہی دی کہ مشتری نے بائع سے یہ چیز ہزار روپے میں خریدی ہے اور دوسرے گواہ نے گواہی دی کہ مشتری نے یہ چیز بائع سے گیارہ سو روپے میں خریدی ہے تو یہ گواہی قبول نہ ہوگی اسلئے کہ یہاں پر دعوے سے مقصود عقد بیع ثابت کرنا ہے اور عقد بیع اختلاف ثمن سے مختلف ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ایک ہزار کے عوض خریدنا اور ہے اور گیارہ سو کے عوض خریدنا اور ہے گویا کہ دو عقد جمع ہو گئے اور ہر ایک عقد پر ایک گواہ ہے اور ایک گواہ کی گواہی سے عقد ثابت نہیں ہوتا اس لئے یہ گواہی قبول نہ ہوگی۔ چاہے دعویٰ کرنے والا مشتری ہو یا بائع مسئلہ میں فرق نہیں آتا۔

مسئلہ (۲) غلام نے دعویٰ کیا کہ آقا نے میرے ساتھ عقد کتابت کیا ہے اور آقا انکار کرتا ہے تو غلام نے عقد کتابت پر دو گواہ پیش کردئے تو ایک گواہ نے گواہی دی کہ آقا نے اس کے ساتھ ایک ہزار پر عقد کتابت کیا ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ آقا نے اس کے ساتھ گیارہ سو پر عقد کتابت کیا ہے۔ یہ گواہی بھی قبول نہ ہوگی اس لئے کہ یہاں پر مقصود بھی عقد کتابت کو ثابت کرنا ہے اور عقد کتابت اختلاف ثمن سے مختلف ہوتا ہے تو گویا کہ دو عقد کتابت جمع ہو گئے اور ہر ایک عقد کتابت پر ایک گواہ ہے اور ایک گواہ سے عقد ثابت نہیں ہوتا ہے اس لئے یہ گواہی قبول نہ ہوگی۔ خواہ دعویٰ کرنے والا غلام ہو یا آقا ہو۔

مسئلہ (۳) غلام نے دعویٰ کیا کہ آقا نے مجھ کو مال کے عوض آزاد کر دیا ہے اور آقا انکار کرتا ہے۔ تو غلام نے دو گواہ پیش کردئے کہ آقا نے مجھ کو مال کے عوض آزاد کر دیا ہے۔ تو ایک گواہ نے گواہی دی کہ آقا نے غلام کو ایک ہزار کے عوض آزاد کر دیا ہے اور دوسرے گواہ نے گواہی دی کہ آقا نے غلام کو گیارہ سو کے عوض آزاد کر دیا ہے تو یہ گواہی بھی قبول نہ ہوگی اسلئے کہ غلام کا مقصود عقد اعناق علی مال ثابت کرنا ہے اور عقد اعناق علی مال بھی اختلاف ثمن سے مختلف ہوتا ہے تو گویا کہ دو عقد جمع ہو گئے اور ہر ایک عقد پر ایک گواہ ہے۔ اس لئے یہ گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔

مسئلہ (۴) قاتل نے دعویٰ کیا کہ اولیاء مقتول نے میرے ساتھ مال پر صلح کی ہے قصاص سے اور اور اولیاء مقتول انکار کرتے ہیں تو قاتل نے گواہ پیش کر دئے صلح کرنے پر لیکن ایک گواہ نے گواہی دی کہ صلح ایک ہزار پر ہوئی ہے اور دوسرے گواہ نے گواہی دی کہ صلح گیارہ سو پر ہوئی ہے۔ تو یہ گواہی بھی قبول نہ ہوگی اس لئے کہ یہاں پر بھی مقصود عقد صلح ثابت کرنا ہے اور عقد صلح اختلاف ثمن سے مختلف ہوتا ہے تو گویا کہ دو عقد صلح جمع ہو گئے اور ہر ایک عقد پر ایک گواہ ہے اس لئے یہ گواہی بھی قبول نہ ہوگی نصاب شہادت پوری نہ ہونے کی وجہ سے۔

مسئلہ (۵) راہن نے دعویٰ کیا کہ فلاں کے پاس میرا فلاں سامان بطور رہن رکھا ہوا ہے اور مرتہن اس کا انکار کرتا ہے تو راہن نے دو گواہ پیش کر دئے کہ مرتہن کے پاس راہن کا سامان رہن رکھا ہوا ہے لیکن ایک گواہ نے گواہی دی کہ یہ سامان ایک ہزار کے عوض رہن رکھا ہوا ہے اور دوسرے گواہ نے گواہی دی گیارہ سو کے عوض رہن رکھا ہوا ہے تو یہ گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ اسلئے کہ دین ادا کرنے سے پہلے راہن کا شئی مرہون میں کوئی حصہ نہیں ہے جب راہن کا شئی مرہون میں کوئی حصہ نہیں ہے تو راہن کا دعویٰ غیر مفید اور غیر معتبر ہوا جب راہن کا دعویٰ غیر معتبر ہے تو گویا کہ دعویٰ نہ ہونے کے برابر ہوا اور جب دعویٰ نہیں ہے تو گواہ پیش کرنا بھی معتبر نہ ہوگا اس لئے کہ بیئہ کا ترتب تو دعویٰ پر ہوتا ہے اور دعویٰ یہاں پر ہے ہی نہیں اس لئے یہ گواہ پیش کرنا معتبر نہ ہوگا۔

مسئلہ (۶) بیوی نے دعویٰ کیا کہ شوہر نے میرے ساتھ عقد خلع کیا ہے اور شوہر اس کا انکار کرتا ہے تو بیوی نے گواہ پیش کر دئے ایک گواہ نے گواہی دی کہ شوہر نے بیوی کے ساتھ خلع کیا ہے ایک ہزار کے عوض اور دوسرے گواہ نے گواہی دی کہ شوہر نے بیوی کے ساتھ خلع کیا ہے گیارہ سو میں تو یہ گواہی بھی قبول نہ ہوگی اس لئے عورت کا مقصود عقد خلع ثابت کرنا ہے اور عقد خلع اختلاف ثمن سے مختلف ہوتا ہے تو گویا کہ دو عقد خلع جمع ہو گئے اور ہر ایک پر ایک گواہ ہے اسلئے عقد خلع ثابت نہ ہوگا اور گواہی قبول نہ ہوگی۔

وان ادعی الآخر ای المولی فی العتق علی المال ولی المقتول فی الصلح عن القود والمرتهن فی الرهن والزوج فی الخلع فهو كدعوی الدین فی وجوهها ای ان كان الشاهدان مختلفین لفظاً لاتقبل عندابی حنیفة وان كانا متفقین معنی فان ادعی المدعی الاقل لاتقبل شہادۃ الشاهد بالاکثر وان ادعی الاكثر تقبل علی الاقل ولقائل ان یقول لیس هذا كدعوی الدین لان الدین یثبت باقرار المدیون فیكممن ان یقر عند احد الشاهدين بالف وعند الآخر باكثر ویمكن ایضاً ان یکون اصل الحق هو الاكثر لكنه



قضى الزائد على الالف او ابرأ عنه عند احد الشاهدين دون الآخر فالتوفيق بينهما ممكن اما ههنا فالعمال  
ثبت بتعية العقد والعقد بالف غير العقد باكثر فبقى على كل واحد شهادة فرد فلا تقبل كما فى الطرف  
الآخر

ترجمہ: اور اگر دعویٰ کیا دوسرے نے یعنی مولیٰ نے حقیق علی المال میں اور ولی مقتول نے صلح میں اور مرتہن نے رہن میں، اور  
بیوی نے خلع میں تو یہ دین کے دعوے کے مانند ہے تمام صورتوں میں یعنی اگر دونوں گواہ مختلف ہوں لفظ میں تو قبول نہ ہوگی امام  
ابو حنیفہ کے نزدیک اگرچہ دونوں متفق ہوں معنی کے اعتبار سے پس اگر مدعی نے کم مقدار کا دعویٰ کیا تو گواہ کی گواہی قبول نہ ہوگی  
زیادہ پر اور اگر اس نے دعویٰ کیا اکثر کا تو قبول ہوگی کم مقدار پر۔ اور ایک کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ دعویٰ دین کی طرح نہیں ہے  
اسلئے کہ دین ثابت ہوتا ہے مدیون کے اقرار سے تو ممکن ہے کہ وہ اقرار کرے ایک گواہ کے سامنے ہزار کا اور دوسرے گواہ کے  
سامنے اس سے زیادہ کا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اصل حق زیادہ ہو لیکن زائد مقدار یا تو اس نے ادا کر دیا ہو یا اس کو بری کر دیا ہو ایک  
گواہ کے سامنے نہ کہ دوسرے کے سامنے تو دونوں کے درمیان توفیق ممکن ہے۔ اور یہاں پر تو مال ثابت ہوتا ہے عقد کی جمعیت  
سے اور ہزار پر عقد کرنا غیر ہوتا ہے اس عقد سے جو ہزار سے زیادہ پر ہو تو باقی رہی ہر ایک پر ایک فرد کی گواہی تو قبول نہ ہوگی جیسے  
کہ دوسری جانب میں۔

تشریح: سابقہ مسائل سے متعلق ہے: مسئلہ یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں اگر دعویٰ حقیق علی مال میں غلام کی جانب  
سے نہ ہو بلکہ مولیٰ کی جانب سے ہو اسی طرح قاتل کی جانب سے نہ ہو بلکہ ولی مقتول کی جانب سے ہو، اور راہن کی جانب سے  
نہ ہو بلکہ مرتہن کی جانب سے ہو، اور بیوی کی جانب سے نہ ہو بلکہ شوہر کی جانب سے ہو تو ان چاروں صورتوں میں یہ دعویٰ۔ دعویٰ  
دین کے مانند ہوگا۔ یعنی جب مولیٰ نے غلام پر دعویٰ کیا کہ میں نے آپ کو آزاد کیا ہے مال پر اور غلام انکار کرتا ہے تو مولیٰ نے  
گواہ پیش کر دئے ایک گواہ نے ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے گیارہ سو کی گواہی دی۔ اسی طرح ولی مقتول نے قاتل سے  
کہا کہ صلح گیارہ سو پر ہوئی تھی اور قاتل ہزار کا مدعی ہے اور ایک گواہ ہزار کی گواہی دے رہا ہے اور دوسرا گیارہ سو کی۔ اسی طرح  
مرتہن کہتا ہے کہ یہ چیز گیارہ سو کے عوض رہن ہے اور راہن کہتا ہے کہ ہزار کے عوض رہن ہے اور ایک گواہ ہزار کی گواہی دے  
رہا ہے اور دوسرا گیارہ سو کی، یا شوہر کہتا ہے کہ خلع ہوا تھا گیارہ سو پر اور بیوی کہتی ہے کہ ہزار پر اور ایک گواہ گیارہ سو کی گواہی دے  
رہا ہے اور دوسرا ہزار کی۔ تو ان سب صورتوں میں چونکہ مولیٰ، ولی مقتول، مرتہن، اور شوہر معاف کرنے کے اہل ہیں گویا کہ مولیٰ  
نے غلام مفت میں آزاد کیا ہے، ولی مقتول نے قاتل کو معاف کر دیا ہے، مرتہن نے رہن معاف کر دیا ہے، اور شوہر نے بدل خلع

معاف کر دیا ہے اور ان حضرات کی طرف سے مد مقابل پر صرف دین کا دعویٰ ہے یعنی مولیٰ یہ کہتا ہے کہ میرا غلام پر دین ہے۔ دلی مقتول کہتا ہے کہ میرا قاتل پر دین ہے، مرتہن کہتا ہے کہ میرا راہن پر دین ہے، اور شوہر کہتا ہے میرا بیوی پر دین ہے اور ان حضرات نے اس دعویٰ دین پر گواہ بھی پیش کر دئے۔

تو اب اس کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ۔ اگر دونوں گواہ متفق ہوں لفظاً و معنی تو گواہی قبول ہوگی بالاتفاق عند الامام و صاحبیہ۔ اور اگر گواہ مختلف ہوں لفظاً تو امام صاحب کے نزدیک گواہی قبول نہ ہوگی اگرچہ اتفاق معنی موجود ہو اور صاحبین کے نزدیک گواہی قبول ہوگی۔ اور اگر مدعی اقل مقدار کا دعویٰ کرتا ہے مثلاً ہزار کا اور ایک گواہ زیادہ مقدار کی گواہی دیتا ہے مثلاً گیارہ سو کی گواہی دیتا ہے تو یہ گواہی قبول نہ ہوگی اس لئے کہ مدعی نے اس گواہ کو جھوٹا قرار دیا ہے جس نے زیادتی کی گواہی دی ہے۔ اور کاذب کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ اور اگر مدعی نے زیادہ مقدار کا دعویٰ کیا اور ایک گواہ نے کم مقدار کی گواہی اور دوسرے نے زیادہ مقدار کی گواہی دی پس اگر کم مقدار پر دونوں گواہ متفق ہوں لفظاً و معنی تو کم مقدار پر گواہی قبول ہوگی بالاتفاق جیسے کہ اس کی تفصیل سابق میں گزر چکی ہے۔

**ولقائل ان يقول:** شارح فرماتے ہیں کہ ان چار مسائل میں اگر دعویٰ جانبِ آخر سے ہو تو یہ دعویٰ دین کے مانند نہیں ہے۔ اس لئے کہ دین ثابت ہوتا ہے مدیون کے اقرار سے تو یہ بات ممکن ہے کہ مدیون نے ایک گواہ کے سامنے ایک ہزار کا اقرار کیا ہو اور دوسرے گواہ کے سامنے گیارہ سو کا اقرار کیا ہو تو دونوں کے درمیان توفیق دینا ممکن ہے۔ اور یہ بھی امکان ہے کہ مدعی کا اصل حق گیارہ سو ہو لیکن پھر مدعی علیہ (مدیون) نے ہزار پر جو اضافی مقدار ہے یعنی ایک سو روپے وہ مدیون نے ادا کر دیا ہو ایک گواہ کے سامنے اور دوسرے گواہ کو اس کا علم نہ ہو یا دائن نے مدیون کو ایک سو روپے معاف کر دیا ہو ایک گواہ کے سامنے اور دوسرے گواہ کو اس کا علم نہ ہو تو دعویٰ دین میں دونوں گواہوں کی گواہی میں توفیق دینا ممکن ہے۔ لیکن یہاں پر جو مسائل بیان کئے گئے ہیں اس میں اصل مقصود تو عقد ہے اور مال جو ثابت ہوتا ہے یہ عقد کا تابع ہو کر ثابت ہوتا ہے اور ایک گواہ نے یہ گواہی دی ہے کہ عقد ہزار پر ہوا ہے اور دوسرے گواہ نے گواہی دی ہے کہ عقد گیارہ سو پر ہوا ہے۔ اور ہزار کا عقد گیارہ سو کے عقد سے غیر ہے۔ تو گویا کہ دو عقد جمع ہو گئے اور ہر ایک عقد پر ایک گواہ ہے اور ایک گواہ کی گواہی سے عقد ثابت نہیں ہوتا اس لئے یہ گواہی قبول نہ ہوگی جیسے کہ طرف مقابل میں گواہی قبول نہیں ہوتی (یعنی دعویٰ اگر غلام کی جانب یا قاتل وغیرہ کی جانب سے ہو اور دشمن میں اختلاف ہو تو گواہی قبول نہیں ہوتی)۔

علامہ چلبی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں پر بھی یہ ممکن ہے ان لوگوں نے (مولیٰ، دلی مقتول وغیرہ) نے ایک گواہ کے

سائے ہزار کا اقرار کیا ہو کہ میں نے غلام کو آزاد کیا ہے ہزار کے عوض اور دوسرے گواہ کے سامنے گیارہ سو کا اقرار کیا ہو کہ میں نے غلام کو آزاد کیا ہے گیارہ سو روپے کے عوض تو یہاں پر بھی توفیق دینا ممکن ہے اور یہ دعویٰ۔ دعویٰ دین کے مانند ہوگا ﴿واللہ اعلم﴾

والاجارة كالبيع في اول المدة وكالدين بعدها اذ في اول المدة المقصود هو العقد فلا يقبل الشهادة وبعد المدة يكون الدعوى من الاجير وهو يدعى الاجرة فيكون كدعوى الدين فيقبل كما تقبل في دعوى الدين .

ترجمہ: اور اجارہ بیع کے مانند ہے اول مدت میں اور دین کے مانند ہے اس کے بعد اس لئے کہ اول مدت میں مقصود عقد ہوتا ہے تو گواہی قبول نہ ہوگی اور مدت کے بعد دعویٰ اجیر کی طرف سے ہوگا اور وہ اجرت کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ دعویٰ دین کی طرح ہوگا اور قبول ہوگا جیسے کہ قبول ہوتا ہے دعویٰ دین میں۔

تشریح: مسئلہ (۷) مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ آپ نے اپنا گھر مجھے کرایہ پر دیا ہے اور اجر (مالک) انکار کرتا ہے تو مدعی نے دو گواہ پیش کر دئے کہ آپ نے گھر کرایہ پر دیا ہے لیکن ایک گواہ نے گواہی دی کہ مالک نے ایک ہزار کے عوض کرایہ پر دیا ہے اور دوسرے گواہ نے گواہی دی کہ گیارہ سو کے عوض کرایہ پر دیا ہے پس اگر یہ اختلاف اول مدت میں ہو یعنی منافع حاصل کرنے سے پہلے اختلاف پیدا ہو گیا تو یہ بیع کے مانند ہے یعنی جس طرح بیع اختلاف ثمن سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح اجارہ بھی اختلاف ثمن سے مختلف ہوتا ہے۔ ایک ہزار کے عوض اجارہ اور ہے اور گیارہ سو کے عوض اجارہ اور ہے اس لئے کہ اول مدت میں مقصود عقد ہے اور عقد اختلاف ثمن سے مختلف ہوتا ہے گویا کہ دو اجارے جمع ہو گئے اور ہر ایک پر ایک گواہ ہے لہذا گواہی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ نصاب شہادت پورا نہیں ہے۔ لیکن اگر اختلاف ہو گیا منافع حاصل کرنے کے بعد تو پھر یہ دین کے مانند ہے۔ کیونکہ منافع حاصل کرنے کے بعد دعویٰ کرنے والا اجیر (مزدور) ہوگا اور اجیرت کا دعویٰ کرتا ہے تو ایک گواہ نے ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے گیارہ سو کی گواہی دی اقل مقدار پر گواہی قبول ہوگی اس لئے کہ اس پر دونوں گواہ متفق ہیں جیسے کہ دین میں اقل مقدار پر گواہی قبول ہوتی ہے۔

وصح النكاح بالف استحساناً وقال اردت فيه ايضاً هذا هو القياس لان المقصود هو العقد من الجانبين فصار كالبيع وجه الاستحسان ان المال في النكاح تبع ولا اختلاف فيما هو الاصل وهو العقد فيثبت ثم وقع الاختلاف في التبع فيقضى بالاقل ويستوى دعوى اقل المالين او اكثرهما في الصحيح وقد قيل ان الاختلاف في دعوى الزوجة اما في دعوى الزوج فلا يقبل اتفاقاً اذ المقصود هو العقد ولا المال وفي

جانب الزوجة يمكن ان يكون المقصود هو المال لكن الصحيح ان الاختلاف في الفصلين .

ترجمہ: اور نکاح صحیح ہے ہزار کے عوض استحساناً اور صاحبین نے فرمایا کہ رد ہے اس میں بھی یہی قیاس ہے اس لئے کہ مقصود عقد ہے جائین سے تو یہ بیع کے مانند ہو گیا استحسان کی وجہ یہ ہے کہ مال نکاح میں تابع ہے اور جو اصل ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور وہ عقد ہے تو وہ ثابت ہوگا پھر اختلاف واقع ہو گیا تابع میں تو فیصلہ کیا جائے گا کم تر پر چاہے دعوی اقل مالین کا ہو یا اکثر کا دونوں برابر ہیں صحیح روایت میں اور کہا گیا ہے کہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ بیوی دعوی کرے رہا شوہر کا دعوی تو اس میں اختلاف نہیں ہے بلکہ قبول ہوگا بالاتفاق اس لئے کہ مقصود عقد ہے نہ کہ مال اور بیوی کی جانب میں ممکن ہے کہ مقصود مال ہو لیکن صحیح یہ ہے اختلاف دو صورتوں میں ہے۔

تشریح: میاں بیوی کا اختلاف ہو مہر میں:

مسئلہ (۸) مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت نے دعوی کیا کہ فلاں نے میرے ساتھ نکاح کیا ہے گیارہ سو روپے کے عوض اور شوہر کہتا ہے کہ نہیں بلکہ ہزار روپے کے عوض نکاح کیا ہے عورت نے گواہ پیش کر دئے لیکن ایک گواہ نے گواہی دی ہے کہ نکاح ہوا ہے ہزار کے عوض اور دوسرے گواہ نے گواہی دی کہ نکاح ہوا ہے گیارہ سو روپے کے عوض۔ تو اب قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ گواہی قبول نہ ہو جائے اور نکاح بھی ثابت نہ ہو جائے اور یہی صاحبین کا مسلک بھی ہے کیونکہ گواہوں کا اختلاف آ گیا ہے عقد میں اس لئے کہ ہزار کے عوض نکاح اور ہے اور گیارہ سو روپے کے عوض نکاح اور ہے تو گویا کہ دو عقد نکاح جمع ہو گئے اور ہر ایک پر ایک گواہ ہے لہذا انصاب پورا نہ ہونے کی وجہ سے کوئی بھی عقد ثابت نہ ہوگا جیسے کہ بیع میں شمن کے اندر اختلاف سے بیع ثابت نہیں ہوتی اور گواہی رد ہوتی ہے اسی طرح یہاں نکاح میں بھی ہونا چاہئے۔

امام صاحب کا مسلک اور استحسان کی وجہ:

امام صاحب کا مسلک یہ ہے کہ نکاح کی صورت میں گواہی قبول ہوگی اگرچہ گواہوں نے مہر کی مقدار میں اختلاف کیا ہو۔ امام صاحب کا مسلک استحسان پر مبنی ہے اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ گواہوں کا اختلاف آ گیا ہے مال میں اور مال نکاح کے اندر تابع ہوتا ہے مقصود عقد نکاح ہوتا ہے اور عقد نکاح میں گواہوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ اختلاف تابع میں ہے اور تابع کے اندر اختلاف کرنے سے اصل (عقد نکاح) میں اختلاف کرنا لازم نہیں آتا لہذا عقد نکاح ثابت ہو جائے گا اور نکاح پر گواہی درست اور قبول ہوگی۔ جب نکاح میں گواہی درست ہے تو اب مہر میں اقل مقدار دی جائے گی کیونکہ اس پر دونوں گواہ متفق ہیں۔ چاہے مدعی اقل مقدار کا دعوی کرے یا اکثر کا یہی روایت صحیح ہے۔

بعض مشائخ کے نزدیک یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ دعویٰ عورت کی جانب سے ہو اس لئے کہ جب دعویٰ عورت کی جانب سے ہو تو ممکن ہے کہ مقصود مال ہو تو امام صاحب کے نزدیک نکاح پر گواہی قبول ہوگی اور صاحبین کے نزدیک قبول نہ ہوگی۔ لیکن اگر دعویٰ شوہر کی جانب سے ہو تو اس صورت میں بالاجماع شہادت قبول نہ ہوگی اس لئے شوہر کا مقصود تو عقد نکاح ہے اور عقد نکاح اختلاف مہر سے مختلف ہوتا ہے ہزار کے عوض نکاح اور ہے اور گیارہ سو کے عوض نکاح اور ہے اور ہر ایک پر ایک گواہ ہے لہذا انصاف پورا نہ ہونے کی وجہ سے گواہی قبول نہ ہوگی اور عقد نکاح ثابت نہ ہوگا۔ لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ اختلاف دونوں صورتوں میں ہے چاہے دعویٰ کرنے والا مرد ہو یا عورت دونوں صورتوں میں اختلاف ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اصل نکاح پر گواہی قبول ہوگی اور مال تابع کے درجے میں ہوگا اور صاحبین کے نزدیک گواہی قبول نہ ہوگی اور نکاح ثابت نہ ہوگا۔

ولزم الجرح لشاهد الارث بقوله مات وترکہ میراثہ او مات وذافی ملکہ اوفی یدہ اذ اقال الشہود  
 کان ہذا المورث ہذا المدعی لایقضی للوارث حتی یجر المیراث الی المدعی بقولہم مات وترکہ  
 میراثہ الی اخرہ خلافا لابی یوسف فانہ لایشترط الجرح عنده فان قال کان لابیہ اعارہ او اودعہ  
 او اجارہ من فی یدہ جاز بلا جرح لان ید المستعیر والمودع والمستاجر قائمہ مقام یدہ فلاحاجۃ الی  
 الجرح

ترجمہ: اور لازم ہے کھینچنا میراث کے گواہ کیلئے اپنے اس قول سے کہ وہ مر گیا ہے اور یہ چیز اس کے لئے میراث میں چھوڑی ہے اور یا وہ مر گیا ہے اور یہ چیز اس کے ہاتھ میں تھی جب گواہوں نے کہا کہ یہ چیز اس مدعی کے مورث کی تھی تو فیصلہ نہ کیا جائے گا وارث کیلئے یہاں تک کہ کھینچ لے میراث مدعی کی طرف اپنے اس قول سے کہ وہ مر گیا ہے اور یہ چیز اس کیلئے بطور میراث چھوڑی ہے آخر تک خلاف ثابت ہے امام ابو یوسف کیلئے کیونکہ ان کے نزدیک کھینچنا شرط نہیں ہے پس اگر کہا کہ یہ چیز اس کے والد کی تھی جس کو عاریت پر یا ہے یا ودیعت رکھا ہے یا کرایہ پر دیا ہے اس شخص کو جس کے ہاتھ میں ہے تو جائز ہے کھینچنے کے بغیر اسلئے کہ۔ مستعیر، مودع، اور مستاجر کا ہاتھ اس کے ہاتھ کے قائم مقام ہے تو کوئی احتیاج نہیں ہے کھینچنے کی طرف۔

تشریح: میت کا مال وارث کی طرف منتقل نہ ہوگا جب تک میراث کو ثابت نہ کیا جائے:

اس مسئلہ کے سمجھنے کیلئے یہ ضابطہ سمجھ لیجئے ضابطہ یہ ہے کہ حضرات طرفین کے نزدیک وارث کو مورث سے اپنے لئے ملکیت ثابت کرنے کیلئے دو شہادتیں پیش کرنی پڑتی ہے۔ ایک شہادت کے ذریعے مورث یعنی باپ کی ملکیت ثابت کرے گا۔ اور دوسری شہادت کے ذریعے مورث کی موت اور اپنے لئے میراث کا ہونا ثابت کرے گا۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک صرف

ایک شہادت پیش کرنا پڑے گا یعنی صرف یہ ثابت کرے گا کہ یہ چیز میرے مورث کی ملکیت ہے پس جس شہادت سے مورث کی ملکیت ثابت ہوگئی اس شہادت وارث کی ملکیت بھی ثابت ہو جائے گی اس کیلئے الگ شہادت پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس ضابطہ کے بعد اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ خالد مرگیا خالد کی موت کے بعد خالد کے بیٹے ماجد نے کہا کہ میرا باپ مر گیا ہے اور اس کی ملکیت میں جو جائیداد ہے وہ مجھے ملنی چاہئے کیونکہ وہ میرے والد کی ملکیت ہے اور اس بات پر اس نے گواہ بھی پیش کر دئے کہ وہ جائیداد میرے والد کی ملکیت ہے اور گواہوں نے یہ گواہی دی کہ وہ جائیداد ماجد کے والد کی ملکیت ہے تو ماجد کی تہی بات پر جائیداد اس کو حوالہ نہ کی جائے گی بلکہ ماجد کو کہا جائے گا اس بات پر بھی گواہ پیش کرو کہ وہ اس بات کی گواہی دیدے کہ آپ کے والد نے یہ جائیداد آپ کیلئے بطور میراث چھوڑی ہے جب گواہوں نے یہ گواہی دی کہ اس کا والد مر گیا ہے اور اس نے یہ جائیداد ماجد کیلئے بطور میراث چھوڑی ہے یا جب وہ مر رہا تھا تو یہ جائیداد اس کی ملکیت میں تھی یا اس کے قبضے میں تھی جب انہوں نے ایسی گواہی دیدی تو پھر جائیداد ماجد کو حوالہ کر دیا جائے گا۔

اور امام ابو یوسف کے نزدیک جریعی مدعی کی طرف کھینچنا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ جب گواہوں نے مورث کیلئے گواہی دیدی تو یہ بعینہ وارث کی ملکیت کیلئے گواہی ہوگئی۔

اور اگر گواہوں نے یہ گواہی دی کہ یہ جائیداد خالد (میت) کی ملکیت ہے اس نے عمران (قالبض) کو بطور عاریت دی ہے، یا اس کے پاس مانت رکھی ہے، یا اس کو کرایہ پر دی ہے۔ یعنی قالبض کا قبضہ بینہ کے ذریعے ثابت کر دیا ہے کہ قالبض کو مورث نے دیا ہے تو اس صورت میں وارث کیلئے ملکیت ثابت ہو جائے گی مزید گواہی پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ مستعیر، مودع، اور مستأجر کا قبضہ مورث کے قبضے کے قائم مقام ہے۔ یعنی ان لوگوں کا قبضہ درحقیقت مورث کا قبضہ ہے اور جب مورث کا قبضہ ثابت ہو گیا تو مورث کی ملکیت بھی ثابت ہوگئی اور جب مورث یعنی مدعی کے باپ کی ملکیت ثابت ہوگئی تو مورث کی موت کے وقت ملکیت خود بخود وارث (ماجد) کی منتقل ہو جائے گی وارث کی ملکیت ثابت کرنے کیلئے کسی بینہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ولو شهدا بید حی مند کذا ردت ای شهدا انه فی ید المدعی مند شهر والحال انه لیس فی ید المدعی عند الدعوی لان الید متنوعۃ الی ید ملک و ید امانۃ و ید ضمان فتعذر القضاء باعادة الید المجہول ل و عند ابی یوسف تقبل وان اقر المدعی علیہ بذلک او شهدا بانہ اقر بید المدعی صح ل ان جہالۃ المقر بہ لاتنعم صحۃ الاقرار.

ترجمہ: اور اگر گواہی دی دونوں نے ایک زندہ آدمی کے قبضہ کی اتنی مدت سے تو مرد ہوگی یعنی گواہی دی دونوں نے کہ یہ چیز مدعی کے قبضہ میں ہے ایک ماہ سے اور حال یہ ہے کہ دعوے کے وقت مدعی کے قبضہ میں نہیں ہے تو قبول نہ ہوگی اس لئے کہ قبضہ کی کئی قسمیں ہیں ملکیت کا قبضہ ہے، امانت کا قبضہ، اور ضمان کا قبضہ، پس مجہول قبضہ کے اعادہ حکم کرنا صحیح ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قبول ہوگی اور اگر مدعی علیہ نے اس کا اقرار کیا اور یا گواہوں نے یہ گواہی دی کہ اس نے اقرار کیا ہے مدعی کے قبضہ کا تو صحیح ہے اس لئے کہ مقربہ کا مجہول ہونا اقرار کی صحت کیلئے مانع نہیں ہے۔

### تشریح: قبضہ کے اقسام:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید کے قبضہ میں ایک مکان ہے خالد نے زید پر دعویٰ کیا کہ یہ مکان میرا ہے اور زید (مدعی علیہ) نے انکار کیا کہ مکان میرا نہیں ہے پس خالد (مدعی) نے اس بات پر گواہ پیش کر دئے کہ مکان میرا ہے اور گواہوں نے یہ گواہی دی کہ مکان خالد (مدعی) کا ہے اس لئے کہ ایک ماہ پہلے یہ مکان خالد (مدعی) کے قبضہ میں تھا لہذا مکان مدعی کا ہے۔ حالانکہ فی الحال مکان مدعی کے قبضہ میں نہیں ہے تو گواہوں کی یہ گواہی قبول نہ ہوگی اور مکان مدعی علیہ یعنی قابض (زید) کے پاس چھوڑ دیا جائیگا۔ اور یہ طرفین کا مسلک ہے۔ اس لئے کہ فی الحال مدعی کا قبضہ موجود نہیں ہے اور ماضی میں جس قبضہ کی گواہی دی گئی ہے وہ تین طرح کا ہو سکتا ہے (۱) مالکانہ قبضہ یعنی یہ مکان مدعی کے قبضہ میں اس لئے ہو کہ مدعی اس کا مالک تھا۔ (۲) امانت کا قبضہ یعنی یہ مکان مدعی کے قبضہ میں بطور امانت تھا (۳) ضمان کا قبضہ یعنی یہ مکان مدعی کے قبضہ میں بطور غصب تھا یعنی مدعی نے اس کو غصب کیا تھا بہر حال جب ایسا ہے تو مدعی کا قبضہ مجہول ہو اور یہ گواہی مجہول چیز پر قائم ہوئی اور مجہول چیز کے بارے میں قاضی کا حکم کرنا صحیح ہے۔ پس قیام جہالت کے ساتھ اس قبضہ کے اعادہ کا حکم کرنا بھی صحیح ہوگا یعنی مدعی علیہ (قابض) کا قبضہ ختم کرنا اور مکان دوبارہ مدعی کے قبضہ میں دینا یہ کام کرنا بھی صحیح ہوگا اور مکان مدعی کو واپس نہ کیا جائے گا بلکہ مدعی علیہ (قابض) کے قبضہ میں چھوڑ دیا جائے گا۔

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی مکان مدعی کو واپس کر دیا جائے گا گواہوں کی یہ گواہی کہ ہم نے ایک ماہ پہلے مدعی کے قبضہ میں دیکھا تھا یہ گواہی قبول ہوگی۔

وان اقر المدعی علیہ بذلک: مسئلہ یہ ہے کہ جب گواہوں نے یہ گواہی دی کہ مکان مدعی کا اسلئے ہے کہ ایک ماہ پہلے یہ مکان مدعی کے قبضہ میں تھا تو یہ گواہی قبول نہ ہوگی۔ لیکن اگر مدعی علیہ نے خود اقرار کر لیا کہ یہ مکان مدعی کے قبضہ میں تھا۔ یا گواہوں نے یہ گواہی دی کہ مدعی علیہ نے یہ اقرار کر لیا ہے کہ یہ مکان مدعی کے قبضہ میں تھا تو ان دونوں صورتوں میں مکان مدعی

کو واپس کر دیا جائے گا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مقربہ کی جہالت۔ صحت اقرار کیلئے مانع نہیں ہے کیونکہ گواہوں نے جس چیز کی گواہی دی ہے وہ اقرار ہے اور اقرار ایک معلوم چیز کا نام ہے تو اقرار معلوم ہے اگرچہ مقربہ یعنی نوعیت قبضہ مجہول ہے اور مقربہ کی جہالت صحت اقرار کیلئے مانع نہیں ہے۔

وتقبل الشهادة على الشهادة الالفى حدود و شرط لها تلذر حضور الاصل بموت او مرض او سفر  
وعند ابى يوسف يكفى مسافة ان غذا لا يبيت الى اهله وشهادة عدد عن كل اصل لا تغاير فرعى  
هذا و ذلك خلافاً للشافعى اذ عنده لا بد من اربعة يشهدان عن هذا و النان عن ذلك وعندنا يكفى  
النان يشهدان عن هذا و يشهدان عن ذلك .

ترجمہ: اور قبول ہوتی ہے گواہی پر گواہی مگر حد اور قصاص میں اور شرط ہے اس کیلئے کہ اصل گواہوں کا حاضر ہونا محذور ہو موت کی وجہ سے یا مرض، یا سفر کی وجہ سے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اتنی مسافت کافی ہے کہ اگر صبح کو گھر سے نکلے تو رات کو گھر نہ آسکے اور عدد کی گواہی (شرط ہے) ہر ایک اصل سے نہ کہ (شرط نہیں ہے) اس کے فرع کا اس کے فرع سے متغایز ہونا خلاف ثابت ہے امام شافعیؒ کیلئے کیونکہ ان نزدیک ضروری ہے کہ چار ہوں دو اس سے گواہی دیں اور دو اس سے گواہی دیں۔ اور ہمارے نزدیک کافی ہے دو جو اس سے بھی گواہی دیں اور اس سے بھی گواہی دیں۔

تشریح: گواہی پر گواہی کس صورت میں قبول ہوتی ہے اور کس صورت میں قبول نہیں ہوتی اس کی تفصیل:  
شہادت علی الشہادت قیاساً جائز نہیں ہے اس لئے کہ شہادت عبادت بدنی ہے اور عبادت بدنی میں نیابت جاری نہیں ہوتی۔ لیکن استحساناً جائز ہے۔

استحسان کی وجہ یہ ہے کہ شہادت علی الشہادت کی اشد ضرورت ہے اس لئے کہ کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ اصل گواہ کا حاضر ہونا محذور ہوتا ہے موت کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے یا سفر کی وجہ سے۔ پس اگر فرع کی گواہی کی اجازت نہ دی جائے تو لوگوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے اور لوگوں کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچانا واجب ہے لہذا شہادت علی الشہادت جائز قرار پائی۔ لیکن اس میں کچھ نہ کچھ تبدل کا شبہ ہے اس وجہ سے حدود اور قصاص میں شہادت علی الشہادت قبول نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ حدود اور قصاص شبہ سے ساقط ہوتے ہیں۔

شہادت علی الشہادت کے قبول ہونے کے شرائط:

شہادت علی الشہادت کے قبول ہونے کیلئے یہ شرائط ہیں



(۱) یہ کہ اصول کا حاضر ہونا حذر ہو موت کی وجہ سے یعنی اصول مر گئے ہوں، یا مرض کی وجہ سے یعنی اصول ایسے بیمار ہوں کہ مجلس قضاء میں حاضر نہیں ہو سکتے، یا سفر کی وجہ سے یعنی مدت سفر پر ہو، حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ کافی ہے کہ گواہ اگر گواہی کیلئے صبح گھر سے نکل جائے تو شام کو واپس گھر نہیں آسکتا تو یہ بھی ایک قسم کا عذر ہے اگرچہ مدت سفر نہ ہو لہذا اس صورت میں فروع گواہی دے سکتے ہیں۔

(۲) یہ کہ عدد شرط ہے یعنی ہر اصل گواہ کی گواہی پر دو فروعی گواہ موجود ہوں۔ اب اس کی دو صورتیں ایک یہ کہ ایک اصل گواہ کی گواہی پر دو الگ فروع موجود ہوں اور دوسرے اصل گواہ کی گواہی پر دو الگ فروع موجود ہوں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں فروع ایک اصل کی گواہی پر بھی گواہی دیں اور دوسرے اصل کی گواہی پر بھی گواہی دیں یعنی احناف کے نزدیک ایک کے فرعیین کا دوسرے کے فرعیین سے متخاثر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ دو فروع ہر ایک کے لئے گواہی دے سکتے ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فروع کا چار ہونا ضروری ہے دو فروع ایک اصل کی گواہی پر گواہی دیں اور دو اور فروع دوسرے اصل کی گواہی پر گواہی دیں۔ جبکہ ہمارے نزدیک دو فروع کافی ہیں جو ایک بار ایک اصل کی گواہی پر گواہی دیں اور دوسری بار دوسرے اصل کی گواہی پر گواہی دیں۔ ایک دوسرے سے متخاثر ہونا ضروری نہیں ہے۔

ويقول الاصل اشهد على شهادتي اني اشهد بكذا والفرع يقول اشهد ان فلانا اشهدني على شهادته

بكذا او قال اشهد على شهادتي بذلك بعض المشايخ طولوا الكلام وقالوا يقول الاصل

اشهد بكذا وانا اشهدك على شهادتي فاشهد على شهادتي وفيه خمس شينات ويقول الفرع

اشهد بكذا ان فلانا اشهد عندي بكذا فاشهدني على شهادته بكذا وامرني ان اشهد على شهادته

وانا اشهد على شهادته بذلك وفيه ثمانى شينات والاحسن الاقصر قول ابى جعفر ان يقول الاصل

اشهد على شهادتي بكذا ويقول الفرع اشهد على شهادة فلان بكذا من غير احتياج الى ذكر زيادة و عليه

فتوى الامام السرخسى .

ترجمہ: اور اصل کہے کہ تو میری گواہی پر گواہ بن جا کہ میں اس بات پر گواہی دیتا ہوں۔ اور فرع کہے کہ میں اس بات کی

گواہی دیتا ہوں کہ فلاں نے مجھے گواہ بنایا ہے اپنی گواہی پر اس معاملے میں یا یہ کہے کہ تو میری گواہی پر گواہ بن جا اس معاملے میں

بعض مشائخ نے کلام کو لبا کیا ہے اور کہا ہے کہ اصل کہے کہ تو اس پر گواہ بن جا اور میں آپ کو اپنی گواہی پر گواہ بنا رہا ہوں

لہذا تو میری گواہی پر گواہ بن جا اور اس میں پانچ شین ہیں۔ اور فرع کہے کہ میں اس پر گواہی دیتا ہوں کہ فلاں نے میرے

سامنے اس بات پر گواہی دی ہے اور مجھے اپنی گواہی پر گواہ بنایا ہے اس میں اور مجھے حکم کیا ہے کہ میں اس کی گواہی پر گواہی دیدوں اور میں اس کی گواہی پر گواہی دیتا ہوں اس معاملے میں اور اس میں آٹھ شہین ہیں اور اس میں بہتر قول امام ابو جعفر کا ہے کہ اصل کہے کہ میری گواہی پر گواہ بن جا اس معاملے میں اور فرع کہے کہ میں فلاں کی گواہی پر گواہی دیتا ہوں اس معاملے میں زیادتی کی طرف کوئی حاجت نہیں ہے اور اس پر امام سرخسی کا فتویٰ ہے۔

**تشریح: شہادت علی الشہادت کا طریقہ:** شہادت علی الشہادت کا طریقہ یہ ہے کہ شاہد اصل فرع سے کہے کہ تو میری گواہی پر گواہ بن جا کہ فلاں بن فلاں نے میرے سامنے اس بات کا اقرار کیا ہے اس میں تخمیل یعنی فرع کو گواہ بنانا ضروری ہے اس لئے کہ فرع اصل کا نائب ہے اور نائب کو جب تک نائب نہ بنایا گیا ہو اس وقت تک وہ نائب نہیں ہو سکتا اس لئے فرع کو نائب بنانا ضروری ہے۔ اور فرع گواہی دیتے وقت یہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں نے مجھے اپنی گواہی پر گواہ بنایا ہے کہ میں اس بات کی گواہی دوں کہ فلاں کا فلاں پر یہ حق لازم ہے۔

**شہادت علی الشہادت کے تین طریقے ہیں:**

(۱) طویل عبارت کے ساتھ اس طریقے پر کہ اصل اپنے کلام میں پانچ شہین استعمال کرے۔ اس طرح کہ اصل کہے کہ ,,اشہد بكذا وانا اشهدک علی شہادتی فاشہد علی شہادتی,, اور فرع اپنے کلام میں آٹھ شہین استعمال کرے اس طرح کہ فرع کہے کہ ,,اشہد بكذا ان فلانا شہد عندی بكذا فاشہدنی علی شہادته بكذا و امرنی ان اشہد علی شہادته وانا اشہد علی شہادته,, اس میں آٹھ شہین استعمال ہوئے ہیں یہ سب سے طویل عبارت ہے جو بعض مشائخ نے اختیار کیا ہے۔

(۲) متوسط عبارت۔ جو متن میں مذکور ہے۔

(مختصر عبارت جو امام ابو جعفر نے ذکر کی ہے اور جس پر امام سرخسی نے فتویٰ دیا ہے وہ یہ ہے کہ اصل کہے ,, اشہد علی شہادتی بكذا,, اور فرع کہے کہ ,, اشہد اعلیٰ شہادۃ فلان بكذا,, یہ سب سے مختصر عبارت ہے اس سے بھی مقصود ادا ہوتا ہے لہذا جو کسی بھی عبارت ادا کی جائے مقصود ادا ہو جائے گا۔

فان عدل الفرع اصلہ صح کا حد الشاہدین الآخر وان سکت عنہ بنظر فی حالہ ای بنظر القاضی فی حال الاصل فان ثبت عدالته تقبل شہادۃ فرعه هذا عند ابی یوسف وعند محمد لا تقبل اذلا شہادۃ الا بالعدالة فاذا لم يعرف الفرع عدالة الاصل بل يشترط ان یثبت ذلک عند القاضی فان ثبت عنده یقبلہ

والا وان انکر الاصل شہادته بطلت شہادۃ فرعه .

ترجمہ: پس اگر فرع نے اپنے اصل کی تعدیل کی تو صحیح ہے جیسے کہ ایک گواہ نے دوسرے کی تعدیل کی اور اگر وہ خاموش رہا اس سے تو قاضی دیکھ لے اس کے حال میں یعنی قاضی نظر کرے اصل کے حال میں پس اگر اس کی عدالت ثابت ہوگئی تو اس کے فرع کی گواہی قبول ہوگی یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک قبول نہ ہوگی اس لئے کہ گواہی نہیں ہے مگر عدالت سے پس جب فرع کو اصل کی عدالت معلوم نہ ہو تو اس کی گواہی قبول نہ ہوگی تو فرع کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی ہم کہتے ہیں کہ شرط نہیں ہے کہ فرع کو اصل کی عدالت معلوم ہو بلکہ شرط یہ ہے کہ یہ ثابت ہو جائے قاضی کے پاس پس اگر قاضی کے پاس ثابت ہو گیا تو قبول کرے گا ورنہ نہیں۔

تشریح: اگر شہود فرع نے شہود اصل کی تعدیل کی تو جائز ہے:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر شہود فرع نے شہود اصل کی گواہی پر گواہی دی تو اس کی چار صورتیں ہیں (۱) یہ کہ قاضی کو اصول اور فروع سب کی عدالت معلوم ہو (۲) یہ کہ قاضی کو نہ اصول کی عدالت معلوم ہو اور نہ فروع کی (۳) یہ کہ اصول کی عدالت معلوم ہو لیکن فروع کی عدالت معلوم نہ ہو (۴) یہ کہ فروع کی عدالت معلوم ہو لیکن فروع کی عدالت معلوم نہ ہو۔

پہلی صورت میں قاضی بلا تامل فیصلہ کر سکتا ہے۔ دوسری صورت میں قاضی پر لازم ہے کہ فروع اور اصول سب کی عدالت کے بارے میں تحقیق کرے۔ اور تیسری صورت میں صرف فروع کی عدالت کے بارے میں تحقیق کرے۔ اور چوتھی صورت میں صرف اصول کی عدالت کے بارے میں تحقیق کرے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ جب قاضی کو اصول کی عدالت معلوم نہ ہو اور فروع نے اصول کی تعدیل کی یعنی فروع نے قاضی کو بتلادیا کہ ہمارے اصول عادل ہیں تو یہ تڑکیہ جائز ہے اور قاضی اس کو قبول کرے گا وجہ: وجہ اس کی یہ ہے کہ فروع اہل تڑکیہ ہے جیسے کہ فروع کے غیر اصول کا تڑکیہ کر سکتا ہے اسی طرح فروع بھی اصول کا تڑکیہ کر سکتے ہیں۔

اسی طرح جب دو آدمیوں نے گواہی دی جس میں ایک گواہ کا عادل ہونا قاضی کو معلوم ہو لیکن دوسرے گواہ کا عادل ہونا قاضی کو معلوم نہ ہو تو اس صورت میں ایک گواہ دوسرے گواہ کی تعدیل کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ گواہ بھی تڑکیہ کا اہل ہے لہذا جس طرح ایک دوسرا آدمی گواہ کا تڑکیہ کر سکتا ہے اسی طرح ایک گواہ بھی دوسرے گواہ کا تڑکیہ کر سکتا ہے۔

لیکن اگر فروع نے اصول کی تعدیل بیان نہ کی بلکہ فروع خاموش رہے یا انہوں نے کہا کہ ہمیں اصول کا عادل ہونا معلوم نہیں ہے۔ تو پھر بھی فروع کی گواہی جائز ہے لیکن قاضی پر لازم ہے کہ وہ خود اصول کی تعدیل کرے پس جب قاضی نے تحقیق کی اور

اصول کی عدالت ثابت ہوگئی تو فروغ کی گواہی قبول ہو جائے گی اور قاضی اس کے مطابق فیصلہ صادر کرے گا۔ یہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے کہ اگر فروغ کو اصول کی عدالت معلوم نہ ہو تب بھی فروغ کی گواہی کی بناء پر فیصلہ کرنا جائز ہے۔ لیکن امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب تک فروغ کو اصول کی عدالت معلوم نہ ہو اس وقت فروغ کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اصول کی شہادت اس وقت تک شہادت نہیں ہے جب تک اصول کی عدالت ثابت نہ ہو جائے۔ یعنی اصول کی شہادت عدالت سے شہادت بن جاتی ہے جب اصول کی عدالت معلوم نہ ہو تو ان کی شہادت، شہادت نہیں ہے جب ان کی شہادت۔ شہادت نہیں ہے تو فروغ کی طرف سے ان کی شہادت کا نقل کرنا بھی متحقق نہ ہوگا اور جب فروغ کی طرف اصول کی شہادت کا نقل کرنا متحقق نہ ہو تو فروغ کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل: یہ ہے کہ شہود فرع پر صرف شہادت نقل کرنا لازم ہے اپنے اصول کی تعدیل کرنا یا ان کی عدالت معلوم کرنا فروغ پر لازم نہیں ہے یعنی فروغ کیلئے یہ شرط نہیں ہے کہ فروغ کو اصول کی عدالت بھی معلوم ہو۔ ہاں قاضی کے دربار میں فروغ کی گواہی قبول ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ قاضی کو اصول کی عدالت معلوم ہو۔ پس جب قاضی کو اصول کی عدالت معلوم ہوگئی تو فروغ کی گواہی قبول ہو جائے گی اور اگر قاضی کو اصول کی عدالت معلوم نہ ہوئی تو فروغ کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔

وان انکر الاصل: مسئلہ یہ ہے کہ اگر اصول نے شہادت کا انکار کیا یعنی اصول نے یہ کہا کہ اس مقدمہ میں ہماری گواہی نہیں ہے اور پھر فروغ نے ان کی شہادت پر شہادت دیدی تو فروغ کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ اس لئے کہ شہادت سے انکار کرنا درحقیقت تکمیل یعنی اپنی گواہی پر گواہ بنانے سے انکار کرنا ہے حالانکہ شہود فرع کی شہادت قبول ہونے کیلئے تکمیل شرط ہے پس جب اصول نے شہادت سے انکار کیا تو گویا کہ انہوں نے تکمیل سے انکار کیا اور جب تکمیل سے انکار کیا تو فروغ نائب نہ ہوئے اور جب فروغ نائب نہ ہوئے تو فروغ کی گواہی قبول نہ ہوگی اس لئے کہ فروغ کی گواہی تو نائب ہونے کی حیثیت سے قبول ہوتی ہے۔

ولو شهدا عن النین علی عزة بنت عز المضرى وقالوا خبرانا بمعرفتها وجاء المدعى بامرأة لم

بدریا انہا ہی ام لاقیل لہ ہات شاہدین انہا عزة اعلم ان الغرض من هذه المسئلة انه لا يشترط ان يعرف الفرع المشهود عليه بل يقال للمدعى هات شاهدين يشهدان ان الذى احضرته هو المشهود عليه وليس الغرض انه اذا شهدا على فلانة بنت فلان المضرى يكون النسبة تامة يكون الشهادة مقبولة لانه اذا لم يذكر الجد فلا بد ان ينسب الى السكة الصغيرة او الى الفخذ اى الى القبيلة الخاصة ليم النسبة ويقبل الشهادة عند ابى حنيفة ومحمد خلا لابي يوسف فان ذكر الجد لا يشترط عنده فلا يشترط

ما یقوم مقامہ من ذکر السکاة والفخذ وکذا الکتاب الحکمی ای اذا جاء کتاب القاضی الی القاضی ولا یعرف الشہود المشہود علیہ قبل للمدعی ہات شاہدین ان ہذا هو المشہود علیہ فان قال فیہا المضریة لم یجز حتی ینسبہا انی فخذہا ای قال فی الشہادۃ علی الشہادۃ والکتاب الحکمی المضریة لم یجز لان ہذہ النسبۃ عامۃ لم اعلم ان ہذا فی العرب اما فی العجم فلا یشرط ذکر الفخذ لانہم ضیعوا النسبہم بل ذکر الصناعۃ یقوم مقام ذکر الجذ .

ترجمہ: اور اگر گواہی دی دو آدمیوں نے دو کی طرف سے عزہ بنت عن مضر پر اور دونوں نے یہ کہا کہ انہوں نے ہمیں خبر دی ہے اس کی معرفت کی اور مدعی ایک عورت لے کر آیا ان دونوں کو معلوم نہیں ہے کہ یہ وہی ہے یا نہیں۔ تو مدعی سے کہا جائے گا کہ دو گواہ لاؤ اس بات پر کہ یہ عزہ ہے جان لو کہ غرض اس مسئلہ سے یہ ہے کہ شرط نہیں ہے کہ فروع مشہود علیہ کو پہچان لے بلکہ مدعی سے کہا جائے گا کہ دو گواہ لاؤ جو یہ گواہی دیں کہ جس کو آپ نے حاضر کیا ہے یہ مشہود علیہ ہے۔ اور یہ غرض نہیں ہے کہ جب دونوں نے گواہی دیدی فلانہ بنت فلان مضر پر تو نسبت تام ہو جائے گی اور شہادت مقبول ہو جائے گی اسلئے کہ جب دادا کا ذکر نہ کیا ہو تو ضروری ہے کہ ایک چھوٹی گلی کی طرف منسوب کریں یا فخذ کی طرف یعنی خاص قبیلہ کی طرف تاکہ نسبت تام ہو جائے اور شہادت مقبول ہو جائے امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک خلاف ثابت ہے امام ابو یوسف کیلئے اس لئے دادا کا ذکر شرط نہیں ہے ان کے نزدیک تو جو اس کا قائم مقام ہے یعنی فخذ اور سکہ وہ بھی شرط نہ ہوگا اور اسی طرح کتاب حکمی بھی ہے یعنی قاضی کا خط آجائے قاضی کے پاس اور گواہ مشہود علیہ کو نہیں پہچانتے تو مدعی کو کہا جائے گا کہ دو گواہ لاؤ کہ یہ مشہود علیہ ہے پس اگر کہا دونوں نے اس میں کہ مضر یہ تو جائز نہیں ہے یہاں تک کہ منسوب کریں فخذ کی طرف یعنی شہادت علی الشہادت اور کتاب حکمی میں کہا کہ مضر یہ تو جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ نسبت عام ہے اور پھر جان لو کہ یہ عرب میں ہے اور ہانچم میں تو شرط نہیں ہے فخذ کا ذکر اس لئے کہ انہوں نے اپنا نسب ضائع کر دیا ہے بلکہ کارگیری کا ذکر جد کے قائم مقام ہے۔

تشریح: فروع نے اصول کی شہادت پر شہادت دیتے وقت مشہود علیہ کی معرفت سے انکار کیا تو مدعی دو گواہ مزید پیش کرے گا تاکہ مشہود علیہ کی معرفت ظاہر ہو جائے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو فروع نے گواہی دی اصول کی گواہی پر عزہ بنت عن مضر کے خلاف اور فروع نے یہ کہا کہ ہمارے اصول نے ہم کو خبر دی ہے کہ وہ عزہ بنت عن مضر کو پہچانتے ہیں اور مدعی نے ایک عورت کو پکار کر لایا کہ یہ عزہ بنت عن مضر ہے اور

فروع کو یہ معلوم نہیں ہے یہ وہی عزم ہے جس کو ہمارے اصول پہچانتے ہیں یا کوئی دوسری عورت ہے تو قاضی فوری فیصلہ نہ کرے گا بلکہ قاضی مدعی سے کہے گا کہ تم دو گواہ اور اس بات پر پیش کرو جو اس بات کی گواہی دیں کہ جو عورت تم نے پکڑ کر لائی ہے یہ عزم بنت عزمضری ہے۔ پس اگر مدعی نے دو گواہوں سے اس عورت کا وہ نسب ثابت کر دیا جو پہلے گواہوں نے اپنی گواہی میں ذکر کیا ہے تو پھر قاضی اس گواہی کے مطابق عورت کے خلاف فیصلہ صادر کرے گا۔

عبارت کی غرض: اس مسئلہ کو یہاں پر لانے سے مصنف کی غرض یہ ہے کہ یہ بات ضروری نہیں ہے کہ فرع کو مشہود علیہ معلوم ہو بلکہ یہ کافی ہے کہ فرع یہ کہے کہ ہمارے اصول کو مشہود علیہ معلوم ہے لیکن ہم مشہود علیہ کو نہیں پہچانتے یہ اب ذمہ داری مدعی کی ہے کہ مدعی دو اور گواہوں کے ذریعہ یہ بات ثابت کرے کہ جس کو میں نے حاضر کیا ہے یہی وہ مشہود علیہ ہے جس کو تمہارے اصول پہچانتے ہیں اور جس کے خلاف تم گواہی دے رہے ہو۔ عبارت کی غرض بس یہی ہے۔

اور یہ غرض نہیں ہے کہ جب گواہوں نے کہا کہ عزم بنت عزمضری تو اس سے نسبت نام ہو جائے گی اور گواہی قبول ہو جائے گی یعنی نفس مدعی کے نام لینے یا اس کے والد کے نام لینے سے اگر معرفت حاصل نہ ہوتی ہو تو اس پر اکتفاء نہ کیا جائے گا بلکہ دادا پر دادا کا نام لیا جائے گا تاکہ معرفت کامل ہو جائے اور اگر دادا پر دادا کے نام لینے سے بھی معرفت حاصل نہ ہوتی ہو تو پھر ضروری ہے کہ ایک خاص قبیلے کا نام لیا جائے یا ایک گلی محلے کا نام لیا جائے جس میں وہ رہتا ہے اس لئے کہ مقصود تو اس کی معرفت اور پہچان ہے اور وہ کبھی اس سے بھی حاصل ہوتی ہے۔ جب باپ دادا کا نام لے لیا یا اسکے یعنی گلی اور محلے کا نام لے لیا تو حضرات طرفین کے نزدیک گواہی قبول کی جائے گی مزید کسی بیان کی ضرورت نہ ہوگی اس لئے کہ اس قدر پر عام طور سے معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نسبت بیان کرتے وقت صرف باپ کا ذکر کافی ہے دادا کے نام لینے کی ضرورت نہیں ہے اسی طرح نجد جو دادا کا قائم مقام ہے اس کے ذکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اور سکے یعنی محلہ جو دادا کے نام کے قائم مقام ہے اس کے ذکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

قاضی کا خط قاضی کے نام پر اس میں بھی مدعی سے مزید گواہوں کا مطالبہ کیا جائے گا برائے معرفت مشہود علیہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شہر کے قاضی نے دوسرے شہر کے قاضی کے نام پر خط لکھا کہ دو گواہوں نے میرے سامنے اس بات کی گواہی دی ہے زید (مدعی) کے خالد (مدعی علیہ) مشہود علیہ) پر دو ہزار روپے ہیں اب چونکہ خالد آپ کے قلم روم میں ہے لہذا جب یہ خط آپ کو پہنچ جائے تو آپ مدعی علیہ سے یہ رقم لے کر مدعی کو سپرد کر دے جب قاضی مکتوب الیہ کو یہ خط پہنچا اور مدعی نے ایک شخص کو پکڑ کر لایا کہ یہ خالد ہے (مشہود علیہ ہے) اور وہ انکار کرتا ہے کہ میں خالد یعنی مدعی علیہ نہیں ہوں تو قاضی

مدعی سے کہے گا کہ حضرت تم دو گواہ اور پیش کرو جو اس بات کی گواہی دیں کہ جس شخص کو تم نے پیش کیا ہے یہ وہی خالد (مدعی علیہ) ہے جس کے بارے میں قاضی کاتب نے خط بھیجا ہے۔

نسبت عام کافی نہیں ہے بلکہ نسبت خاص کا ذکر ضروری ہے:

مسئلہ یہ ہے کہ شہادت علی الشہادت یا کتاب القاضی الی القاضی میں صرف یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ عزہ بنت عزہ المضر یہ اس لئے کہ مضر ایک عام قبیلہ ہے۔ بلکہ ضروری ہے کہ اس قبیلے کے ایک فخذ یعنی خاص شاخ کی طرف نسبت کرے۔ اس لئے کہ نسبت عامہ سے تمیز حاصل نہیں ہوتی بلکہ نسبت خاصہ سے تمیز حاصل ہوتی ہے۔

اعلم ان ہذا فی العرب: شارح فرماتے ہیں کہ نسبت عام اور نسبت خاص کا ذکر اور تفصیل عرب میں ہے عجم میں اس تفصیل کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ عجم نے اپنا نسب ضائع کر دیا ہے بلکہ عجم کے اندر پٹھے کا ذکر جدا اور فخذ کے ذکر کے قائم مقام ہے۔

شم اعلم: اس بات کو یاد رکھو کہ لوگ اس کو عرب کہتے ہیں جو عربی بولتے ہیں حالانکہ کتابوں کی اصطلاح میں عرب وہ ہے جن کا نسب عربوں سے ملتا ہے لہذا ہمارے پاکستان میں جو شیخ خاندان ہے، یا سید خاندان ہے، یا فاروقی، یا عثمانی خاندان ہے یہ سب عرب ہے کیونکہ ان کا نسب عربوں سے ملتا ہے۔ اگرچہ ان کو عربی نہیں آتی۔ بلکہ اس زمانے میں تو پٹھے کا رواج ہی ختم ہو گیا ہے اور سرکاری کاغذات میں لوگوں کو پیشہ اور کسب سے نہیں پہچانا جاتا بلکہ نسب اور خاندان سے پہچانا جاتا ہے۔ اس بارے ہمارے محشی یعنی صاحب عمدہ الرعایہ اس بات پر بہت سخت ناراض ہوتے ہیں کہ عجم نے اپنا نسب ضائع کر دیا ہے بلکہ فرماتے ہیں الحمد للہ عجموں کا نسب اسی طرح محفوظ ہے جیسے کہ عربوں کا نسب محفوظ ہے جا بجا انہوں نے حاشیہ میں اس کا بات کا اظہار کیا ہے

ومن اقرانہ شہد زور اشہر ولم یعزر فان شریحاً کان یشہر ولا یعزر فیبعثہ الی سوقہ ان کان سوقیا والی قومہ ان لم یکن سوقیا عند اجتماعہم فیقول انا اخذناہ شاہد زور فاحلروہ وحلروہ الناس وقالوا یوجعہ ضربا ویحبسہ وهو قول الشافعی فان عمر ضرب شاہد الزور اربعین سوطا وسخم وجہہ وقد قبل انما وضع المسئلۃ فی الاقرار لان شہادۃ الزور لاتعلم الا بالاقرار ولا تعلم بالبینۃ اقول قد یعلم بدون الاقرار کما اذا شہد بموت زید اوبان فلانا قتلہ ثم ظہر زید حیاً وکذا اذا شہد برؤیۃ الهلال فمضی للثون یوما ولیس بالسماء علة ولم یروا الهلال ومثل هذا کثیر .

ترجمہ: اور جس نے اقرار کیا کہ اس نے جھوٹی گواہی دی ہے اس کی تشہیر کی جائے گی اور تعزیر نہ دی جائے گی اسلئے کہ قاضی شریعہ اس کی تشہیر کرتے تھے تعزیر نہ دیتے تھے تو اس کو بازار بھجئے اگر وہ بازاری ہوتا۔ اور اس کی قوم کے پاس بھجئے اگر وہ بازاری نہ ہوتا ان کے جمع ہونے کے وقت اور کہتے کہ ہم نے اس کو جھوٹا گواہ پکڑ لیا ہے تو اس سے خود بھی بچو اور لوگوں کو بھی اس سے بچاؤ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کو مارے اور قید میں ڈالے اور یہ امام شافعی کا قول ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے لگائے تھے اور اس کا منہ کالا کیا تھا اور کہا گیا ہے کہ مسئلہ کی وضع اقرار میں ہے اس لئے کہ جھوٹی شہادت معلوم نہیں ہوتی مگر اقرار سے اور بینہ سے معلوم نہیں ہوتی میں کہتا ہوں کہ کبھی اقرار کے بغیر بھی معلوم ہوتی ہے جیسے کہ اس نے گواہی دی زید کی موت یا اس بات کی کہ فلاں نے اس کو قتل کر دیا ہے اور پھر زید زندہ ظاہر ہوا اور اسی طرح جب اس نے گواہی دی چاند

دیکھنے کی اور تیس دین گزر گئے اور آسمان میں کوئی علت نہ اور پھر کبھی لوگوں نے چاند نہیں دیکھا اور اس جیسے بہت ہیں۔

تشریح: جھوٹی گواہی کی سزا:

شہادت الزور کی سزا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اس کی تشہیر کی جائے گی اور اس کی تعزیر نہ کی جائے گی یعنی اس کو کوڑے نہ لگائے گا جائیں گے۔ اور صاحبین، امام شافعی، امام مالک، کے نزدیک اس کو مارا جائے گا یعنی کوڑے لگائے جائیں گے اور اس کو قید میں بھی ڈالا جائے گا۔

صاحبین کی دلیل: یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے لگائے تھے اور اس کا منہ کالا کیا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جھوٹے گواہ کو کوڑے لگانا یعنی تعزیر کرنا اس کی سزا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: یہ ہے کہ قاضی شریعہ جھوٹے گواہ کی تشہیر کرتے تھے مگر اس کو مارتے نہ تھے اور قاضی شریعہ کا یہ عمل صحابہ کرامؓ کی بڑی جماعت کے زمانے میں تھا ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ پر قاضی شریعہ کا یہ عمل مخفی نہ رہا ہوگا مگر اس کے باوجود حضرات صحابہ کرامؓ نے سکوت فرمایا ہے لہذا یہ اجماع کے قائم مقام ہو گیا گویا کہ جھوٹے گواہ کو تعزیر نہ کیا جانا اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔ اس وجہ سے اس کی تشہیر کی جائے گی اور تعزیر نہ کی جائے گی۔ اور حضرت عمرؓ کا چالیس کوڑے لگانا یا منہ کالا کرنا یہ سیاست پر محمول ہے۔

وقد قیل انما وضع المسئلة: شارح فرماتے ہیں کہ مصنف نے شہادت الزور کا مسئلہ اقرار پر مبنی کیا وجہ اس کی یہ ہے کہ گواہ کا جھوٹا ہونا اقرار سے معلوم ہو سکتا ہے۔ بینہ کے ذریعے گواہ کا جھوٹا ہونا معلوم نہیں کیا جاسکتا اسلئے کہ اگر بینہ کے



ذریعے اس کا جھوٹا ہونا معلوم کیا جائے تو یہ بینہ اس بات پر ہوں گے کہ گواہوں کی گواہی قبول نہیں ہے اور گواہی قبول نہ ہونے پر گواہی دینا یہ گواہی دینا ہے نفی پر گواہی اثبات کیلئے ہوتی ہے نفی کیلئے نہیں ہوتی اس لئے بینہ کا جھوٹا ہونا بینہ کے ذریعہ ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

**قول قدیعلم بدون الاقرار :** شارح فرماتے ہیں کہ بینہ کا جھوٹا ہونا کبھی اقرار کے بغیر بھی معلوم کیا جاسکتا ہے یعنی کسی دلیل خارجی کے ذریعہ وہ اس طرح کہ ایک شخص نے گواہی دی کہ زید مر گیا ہے یا فلاں نے زید کو قتل کر دیا ہے اور اس کے بعد دیکھا گیا کہ زید زندہ ہے تو گواہ کا جھوٹا ہونا معلوم ہو گیا حالانکہ اس نے اقرار نہیں کیا ہے۔ یا کسی نے گواہی دی کہ عید کا چاند نظر آ گیا ہے اور تیس دن پورے ہو گئے اور آسمان میں کوئی علت یعنی بادل یا گردوغبار نہیں ہے لیکن پھر بھی لوگوں نے چاند نہیں دیکھا تو اس سے بھی گواہ کا جھوٹا ہونا معلوم ہو گیا لیکن گواہ نے اقرار نہیں کیا ہے بہر حال بینہ کے ذریعہ پھر بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

**فصل :** لارجوع عنها الا عند قاض فان رجعا عنها قبل الحكم بها سقطت ولم يضمنها وبعده لم

يفسخ اي ان رجعا عن الشهادة بعد حكم القاضى لن يفسخ الحكم وضمننا ما اتلفناه بها اذا قبض مدعاها  
ديناً كان او عيناً حتى اذا قضى القاضى ولم يقبض المدعى مدعاها لا يجب الضمان بل يتوقف الضمان على  
القبض فلما قبض بضمن الشهود وعند الشافعي لا ضمان على الشهود اذ رجعوا اذ لا اعتبار للتسبب  
عند وجود المباشرة وهو حكم القاضى قلنا اذا تعدر تضمين المباشرو هو القاضى لانه ملجأ القضاء  
يعتبر التسبب .

ترجمہ: شہادت سے رجوع نہیں ہے مگر قاض کے پاس اگر دونوں نے رجوع کیا گواہی سے قاضی کے حکم کرنے سے پہلے گواہی کے ساتھ تو گواہی ساقط ہو جائے گی اور دونوں پر ضمان نہ ہوگا اور اس کے بعد فتح نہ ہوگا یعنی دونوں نے رجوع کیا گواہی سے قاضی کے حکم کے بعد تو حکم فتح نہ ہوگا اور دونوں ضامن ہوں گے اس چیز کے جو ان دونوں نے ہلاک کر دیا ہے گواہی سے جبکہ مدعی نے اپنے مدعی پر قبضہ کر لیا ہو چاہے دین ہو یا عین یہاں تک کہ اگر قاضی نے فیصلہ کیا اور مدعی نے اپنے مدعی پر قبضہ نہ کیا ہو تو ضمان واجب نہیں ہے بلکہ ضمان موقوف ہوگا قبضہ پر پس جب اس نے قبضہ کیا تو گواہ ضامن ہو جائیں گے اور امام شافعی کے نزدیک گواہوں پر ضمان نہیں ہے جب انہوں نے رجوع کیا اس لئے کہ ارتکاب کے پائے جانے کے وقت سب مہیا کرنے کا

اعتبار نہیں ہے اور وہ قاضی کا حکم ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب مباشر کو ضامن قرار دینا مستحضر ہو اور وہ قاضی ہے اس لئے کہ قاضی فیصلہ کرنے میں مجبور ہے تو سب مہیا کرنے کا اعتبار کیا جائے گا۔

**تشریح: شہادت سے رجوع کرنا:**

اس فصل میں مصنف نے رجوع عن الشہادت کے احکام ذکر کئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ شہادت سے رجوع کرنے کیلئے قاضی کی مجلس شرط ہے یعنی گواہ اگر گواہی سے رجوع کرنا چاہتے ہیں تو یہ رجوع قاضی کی مجلس میں معتبر ہوگی قاضی کی مجلس کے علاوہ دوسری جگہ میں معتبر نہ ہوگی۔ قاضی خواہ وہی ہو جس کے پاس گواہی دی ہے یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا قاضی ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ شہادت سے رجوع کرنا درحقیقت شہادت کو فتح کرنا ہے تو رجوع عن الشہادت اس مجلس کے ساتھ مختص ہوگی جس میں شہادت دی گئی ہے اور شہادت قاضی کی مجلس میں دی گئی ہے تو رجوع عن الشہادت بھی قاضی کی مجلس کے ساتھ خاص ہوگا۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر گواہوں نے گواہی سے رجوع کیا قاضی کے حکم کرنے سے پہلے یعنی ابھی تک قاضی نے گواہی پر فیصلہ نہیں کیا تھا کہ گواہوں نے گواہی سے رجوع کر لیا تو گواہی ساقط ہو جائے گی اور مدعی علیہ پر کوئی حق ثابت نہ ہوگا۔ اور گواہوں پر ضمان اور تاوان بھی لازم نہ ہوگا اس لئے کہ حق تو قاضی کے حکم سے ثابت ہوتا ہے اور ابھی تک قاضی نے حکم اور فیصلہ کیا ہی نہیں ہے لہذا حق بھی ثابت نہ ہوگا۔ اور تاوان اسلئے لازم نہیں ہے کہ تاوان لازم ہوتا ہے کسی چیز کے تلف کرنے کی وجہ سے اور یہاں پر گواہوں نے کوئی چیز تلف نہیں کی ہے لہذا تاوان بھی لازم نہ ہوگا۔

اور اگر گواہوں نے گواہی سے رجوع کر لیا قاضی کے فیصلے کے بعد یعنی قاضی نے گواہی کی بناء پر مدعی علیہ کے خلاف فیصلہ کیا اور اس کے بعد گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو قاضی کا حکم نہیں ٹوٹے گا بلکہ فیصلہ برقرار رہے گا۔ اس لئے کہ گواہوں کے کلام میں تناقض پیدا ہو گیا یعنی پہلے گواہوں نے گواہی دی اور پھر خود ہی اپنی گواہی کی تردید کی تو گویا آخر کلام اول کلام کے ساتھ منقض ہو گیا اور کلام منقض ساقط الاعتبار ہے اور ساقط الاعتبار کلام سے قاضی کا حکم نہیں ٹوٹتا ہے لہذا گواہوں کے آخری کلام سے یعنی رجوع عن الشہادت سے قاضی کا حکم نہیں ٹوٹے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ گواہوں کا کلام اول اور کلام ثانی صدق اور کذب میں برابر ہیں لیکن کلام اول کے ساتھ قاضی کا حکم متصل ہو گیا ہے اسلئے کلام اول راجح ہو گیا ہے اور کلام ثانی مرجوح ہو گیا تو مرجوح کلام یعنی کلام ثانی سے قاضی کا حکم نہیں ٹوٹے گا۔ جب قاضی کا حکم نہیں ٹوٹتا تو گواہوں کی گواہی کی بناء قاضی نے جو فیصلہ کیا ہے اور اس کی وجہ سے مدعی علیہ کا جو تاوان ہوا ہے وہ تاوان کس پر لازم ہوگا؟

چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب قاضی نے گواہی کی بناء پر حکم کیا اور مدعی نے اپنے مدعی پر قبضہ کر لیا اور گواہوں نے گواہی سے رجوع

کیا تو گواہی کی بناء مدعی علیہ کا جو نقصان ہوا ہے اس کا تاوان اور ضمان گواہوں پر لازم ہوگا چاہے مدعی دین ہو جیسے سونا چاندی یا عین ہو جیسے کپڑا وغیرہ۔ اور اگر قاضی نے فیصلہ کر دیا لیکن ابھی تک مدعی نے مدعی پر قبضہ نہ کیا ہو تو گواہوں پر ضمان لازم نہ ہوگا بلکہ ضمان موقوف ہوگا اس وقت تک جب تک مدعی اپنے مدعی پر قبضہ نہ کر لے پس جس وقت مدعی نے اپنے مدعی پر قبضہ کر لیا تو پھر گواہوں پر ضمان لازم کر دیا جائے گا۔

**حضرت امام شافعی کے نزدیک گواہوں پر ضمان نہیں ہے:**

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر گواہوں نے گواہی سے رجوع کیا تو گواہوں پر ضمان نہیں آئے گا بلکہ قاضی پر ضمان آئے گا۔ حضرت امام شافعی کی دلیل: یہ ہے کہ مباشرت کے ساتھ مسبب کا اعتبار نہیں ہوتا یعنی گواہی دینا سبب ہے ضمان کیلئے اور قاضی کا فیصلہ مباشرت اور ارتکاب ہے اور فعل کے مرتکب اور مباشر کی موجودگی میں سبب فراہم کرنے والے کا اعتبار نہیں ہوتا یعنی جب تک حقیقت مرتکب موجود ہو تو فعل مرتکب اور مباشر کی طرف منسوب ہوتا ہے مسبب کی طرف منسوب نہیں ہوتا اور مباشر اور مرتکب قاضی ہے نہ کہ گواہ لہذا ضمان قاضی پر آئے گا گواہ پر نہ آئے گا۔

ہماری طرف سے جواب: یہ ہے کہ جب مباشر پر ضمان لازم کرنا معتد ر ہو تو پھر مسبب پر (سبب فراہم کرنے والا) ضمان لازم ہوتا ہے اور یہاں پر بھی قاضی پر ضمان لازم کرنا معتد ر ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ قاضی حکم کرنے پر مجبور ہے اس لئے کہ جب قاضی نے گواہی سن لی اور گواہ بھی عادل ہیں اگر قاضی پھر بھی فیصلہ نہیں کرتا پس اگر قاضی اس گواہی کی بناء پر فیصلہ کرنا جائز نہیں سمجھتا تو قاضی کافر ہو جاتا ہے اور اگر فیصلہ جائز تو سمجھتا ہے لیکن خواہ بخواہ نال مثل کرتا ہے بلا عذر تاخیر کرنے سے قاضی گنہگار اور فاسق ہو جاتا ہے اور معزول کرنے کا مستحق ہوتا ہے اس لئے قاضی ان دونوں باتوں کے خوف سے فیصلہ کرنے پر مجبور ہے اور مجبور پر ضمان لازم نہیں کیا جاتا اسلئے قاضی پر ضمان لازم نہ ہوگا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر قاضی پر ضمان لازم کر دیا جائے تو پھر کوئی بھی منصب قضاء کو قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہوگا ضمان کے خوف سے تو قاضی نہ ہونے کی وجہ سے فساد برپا ہوگا اور فساد دفع کرنا سب پر لازم ہے اس لئے منصب قضاء کے خاطر قاضی پر ضمان لازم کرنا معتد ر ہو گیا اور جب قاضی پر ضمان لازم کرنا معتد ر ہے تو مسبب یعنی گواہوں پر ضمان لازم کر دیا جائے گا جیسے کہ ایک آدمی راستے میں کنواں کھودے اور اس میں کوئی گر کر ہلاک ہو جائے تو ضمان مسبب یعنی کنواں کھودنے والے پر ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی ضمان مسبب یعنی گواہوں پر ہوگا۔

فان رجع احدہما ضمن نصفاً والعبرة للباقي لالراجع فان رجع احدثلثة شہدوا لم یضمن لبقاء

نصاب الشہادۃ وان رجع اخر ضمنا نصفاً لان نصف نصاب الشہادۃ باق وان رجعت امرأۃ من رجل  
وامرأتین ضمننت ربعاوان رجعتا ضمنا نصفاوان رجعت ثمان من رجل وعشر نسوة فلا غرم وان  
رجعت اخرى ضمننت التسع وبالبقاء ثلثة ارباع النصاب وان رجع الكل فعلى الرجل سدس عند  
ابى حنیفۃ ونصف عندهما وما بقى عليهن على القولین لهما ان الرجل الواحد نصف النصاب  
فالنساء وان كثرن یمنن مقام رجل واحد ولا بى حنیفۃ ان كل امرأتین مع الرجل تقوم مقام رجل واحد  
وان رجعن فقط لنصف اجماعا لبقاء نصف النصاب وهو الرجل وغرم رجلان شهدا مع امرأۃ لم  
رجعوا الاھى لانه لم یثبت بشہادۃ المرأة الواحدة شیء

ترجمہ: پس اگر رجوع کیا دونوں میں سے ایک نے تو آدھے کا ضامن ہوگا اور اعتبار باقی کا ہے نہ کہ رجوع کرنے والے کا پس  
اگر رجوع کیا تینوں میں سے ایک نے جنہوں نے گواہی دی تو اس پر ضمان نہ ہوگا شہادت کے نصاب باقی رہنے کی وجہ سے اور  
دوسرے نے رجوع کیا تو دونوں نصف کے ضامن ہوں گے اس لئے کہ شہادت کا آدھا نصاب باقی ہے اور اگر رجوع کیا ایک  
عورت نے ایک مرد اور دو عورتوں سے تو وہ چوتھائی حق کی ضامن ہوگی اور اگر دونوں نے رجوع کیا تو دونوں نصف کی ضامن  
ہوں گی اور اگر رجوع کیا آٹھ عورتوں نے ایک مرد اور دس عورتوں سے تو ان پر تاوان نہیں ہے اور اگر دوسری نے رجوع کیا تو نو  
کے نو ایک چوتھائی کی ضامن ہوں گی تین چوتھائی کے باقی رہنے کی وجہ سے اور اگر سب نے رجوع کیا تو مرد پر چھٹا حصہ آئے  
گا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور آدھا آٹھ گنا صحابین کے نزدیک اور جو باقی ہے وہ عورتوں پر ہوگا دونوں قول پر صحابین کی دلیل یہ  
ہے کہ ایک مرد آدھا نصاب ہے تو عورتیں اگر چہ زیادہ کیوں نہ ہوں ایک مرد کے قائم مقام ہیں اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ  
مرد و عورتیں ایک مرد کے ساتھ ایک مرد کے قائم مقام ہیں اور اگر صرف عورتوں نے رجوع کیا تو پھر نصف ہوگا بالاتفاق کیونکہ  
نصف نصاب باقی ہے اور وہ مرد ہے۔ اور ضامن ہوں گے دونوں مرد جنہوں نے گواہی دی ایک عورت کے ساتھ اور پھر دونوں  
نے رجوع کیا مگر عورت نے اس لئے کہ ایک عورت کی گواہی سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی۔

تشریح: رجوع عن الشہادۃ میں اعتبار باقی کا ہے نہ کہ رجوع کرنے والے کا:

مسائل سمجھنے سے پہلے یہ اصول ذہن میں رکھئے کہ رجوع عن الشہادۃ کے سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ گواہوں میں سے جو گواہی  
پر رہا اس کا باقی رہنا معتبر ہے اور جس نے رجوع کیا اس کا رجوع کرنا معتبر نہیں ہے پس اگر کسی گواہ کے رجوع کرنے کے بعد  
نصاب شہادت باقی ہو تو گواہی کامل ہوگی اور پورا حق ثابت ہوگا اور اگر رجوع کرنے سے نصاب میں کمی آگئی تو جتنی کمی آگئی ہے

اس کے بقدر حق کا ضمان راجع ہوگا اور باقی حق ثابت رہے گا۔

اب مسائل کی تشریح پیش خدمت ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی حق کے بارے میں دو گواہوں نے گواہی دی تھی اور پھر دونوں میں سے ایک گواہ نے گواہی سے رجوع کیا تو اس پر نصف حق کا ضمان لازم ہوگا اسلئے کہ اس کے رجوع کرنے سے نصف نصاب چلا گیا اور نصف نصاب باقی ہے لہذا صرف نصف حق کا ضمان لازم ہوگا۔

اور اگر تین گواہوں نے گواہی دی تھی ایک معاملہ میں اور پھر تینوں میں سے ایک نے رجوع کیا تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا اس لئے کہ اس کے رجوع کے بعد پھر بھی نصاب شہادت پورا ہے جو حق ثابت ہونے کیلئے کافی ہے اور اگر اس ایک کے ساتھ دوسرے نے بھی رجوع کیا تو دونوں رجوع کرنے والے نصف کے ضامن ہوں گے اس لئے کہ باقی رہنے والا ایک گواہ ہے اس کی وجہ سے نصف نصاب باقی ہے اور نصف نصاب چلا گیا اس لئے دونوں پر نصف حق کا ضمان لازم ہوگا۔

اور اگر گواہی دی تھی ایک مرد اور دو عورتوں نے ایک معاملہ میں اور پھر ایک عورت نے گواہی سے رجوع کیا تو اس پر ایک چوتھائی حق کا ضمان لازم ہوگا اس لئے کہ نصاب کی تین چوتھائی اب بھی باقی ہیں لہذا رجوع کرنے والی کی وجہ سے ایک چوتھائی حق چلا گیا تو وہ صرف ایک چوتھائی کی ضامن ہوگی۔ اور اگر اس کے ساتھ دوسری عورت نے بھی رجوع کیا تو دونوں نصف کی ضامن ہوں گی اس لئے کہ ایک مرد کے باقی رہنے کی وجہ سے نصف نصاب باقی ہے لہذا دونوں عورتیں صرف نصف حق کی ضامن ہوں گی۔

اور اگر کسی معاملہ میں دس عورتوں اور ایک مرد نے گواہی دی اور پھر آٹھ عورتوں نے رجوع کیا تو ان پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا اسلئے کہ باقی رہنے والا نصاب شہادت پورا ہے یعنی ایک مرد اور دو عورتیں اب بھی باقی ہیں جو حق ثابت ہونے کیلئے کافی ہیں۔ اس لئے رجوع کرنے والوں پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ اور اگر ان کے ساتھ ایک اور عورت نے بھی رجوع کر لیا تو پھر نو عورتوں پر ایک چوتھائی کا ضمان لازم ہوگا اسلئے کہ باقی رہنے والے تین چوتھائی باقی ہیں یعنی ایک مرد جو نصف نصاب ہے اور ایک عورت جو ربع نصاب ہے تو تین ارباع باقی رہے لہذا رجوع کرنے والی نو عورتوں پر صرف ایک چوتھائی حق کا ضمان لازم ہوگا۔ اور اگر ایک مرد اور دس عورتوں نے گواہی سے رجوع کیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک مرد سدس یعنی چھٹے حصے کا ضامن ہوگا اور دس عورتیں پانچ سدس کی ضامن ہوں گی۔ یعنی ضمان کو چھٹی حصے کے ایک حصہ ضمان مرد ادا کرے گا اور پانچ حصے دس عورتیں ادا کریں گی۔

اور حضرات صاحبین کے نزدیک نصف ضمان مرد پر لازم ہوگا اور نصف ضمان دس عورتوں پر لازم ہوگا۔

صاحبین کی دلیل: یہ ہے کہ ایک مرد نصف نصاب ہے اور عورتیں کتنی زیادہ کیوں نہ ہوں وہ سب کی سب ایک مرد کے قائم مقام ہیں تو گویا دس عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں تو نصف نصاب ایک مرد ہو اور نصف نصاب دس عورتیں ہوئیں لہذا

نصف ضمان مرد پر لازم ہوگا اور نصف ضمان دس عورتوں پر لازم ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل: یہ ہے کہ ہر دو عورتیں ایک مرد کے ساتھ ایک مرد کے قائم مقام ہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ عورتوں کے نقصان عقل کے باب میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ، عدلت شہادۃ اثین منحن شہادۃ رجل واحد، یعنی عورتوں میں سے دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہوتی ہے پس ایک مرد اور دس عورتوں کی شہادت دینا ایسا ہے گویا کہ چھ مردوں نے گواہی دی ہو اور پھر ان سب نے رجوع کر لیا ہو تو سب پر برابر ایک سبس کا ضمان ہوتا ہے لہذا اسی طرح ہر دو عورتیں ایک سبس کی ضامن ہوں گی۔

فرماتے ہیں کہ اگر دو مردوں اور ایک عورت نے گواہی دی اور پھر سب نے رجوع کر لیا تو ضمان صرف دونوں مردوں پر لازم ہوگا عورت پر ضمان لازم نہ ہوگا کیونکہ ایک عورت گواہ نہیں ہو سکتی بلکہ گواہ کا ایک جز اور ایک حصہ ہوتی ہے اور قاضی کا حکم گواہ کی طرف منسوب ہوتا ہے مگر گواہ کے ایک جز کی طرف منسوب نہیں ہوتا لہذا مذکورہ مسئلہ میں قاضی کا حکم دونوں مردوں کی طرف منسوب ہوگا عورت کی طرف منسوب نہ ہوگا پس جب قاضی کا حکم مردوں کی طرف منسوب ہے عورت کی طرف منسوب نہیں ہے تو ضمان بھی مردوں پر آئے گا عورت پر نہ آئے گا۔

ولا یضمن الرجوع فی نکاح بمہر مسمی شہدا علیہا او علیہ الامازاد علی مہر مثلہا ای شہدا بالنکاح بمہر مسمی مساوی لمہر المثل ثم رجعا فلا ضمان سواء شہدا علی المرأۃ او علی الرجل لانہما لم یلتفأشیئا وکذا ان کان المسمی اقل من مہر المثل لان منافع البضع غیر متقومة عند الاطلاق اما اذا کان المسمی اکثر من مہر المثل ضمن اما زاد علی مہر المثل .

ترجمہ: ضامن نہ ہوگا رجوع کرنے والا نکاح میں مہر مسمی کے ساتھ چاہے عورت پر گواہی دی ہو یا مرد پر مگر جو زیادہ ہے مہر مثل پر یعنی اگر گواہی دی نکاح کی مہر مسمی پر جو مساوی ہو مہر مثل کے ساتھ اور پھر دونوں نے رجوع کیا تو ان پر ضمان نہیں ہے چاہے عورت پر گواہی دی ہو یا مرد پر کیونکہ ان دونوں نے کوئی چیز ہلاک نہیں کی ہے اور اسی طرح اگر مسمی کم ہو مہر مثل سے اس لئے کہ منافع بضع متقوم نہیں ہوتے اطلاق کے وقت اور اگر مسمی زیادہ ہو مہر مثل سے تو دونوں ضامن ہوں گے اس زیادتی کے جو مہر مثل پر ہے۔

تشریح: نکاح میں مہر مثل پر گواہی دینے کے بعد رجوع کرنے سے گواہوں پر ضمان نہیں آتا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک مرد نے ایک عورت پر دعویٰ کیا کہ اس کا اس عورت کے ساتھ نکاح ہوا ہے اور عورت نے انکار

کیا تو مرد نے اس پر دو گواہ پیش کر دئے دونوں نے گواہی دی کہ اس مرد نے اس عورت کے ساتھ مہر مثل پر نکاح کیا ہے مثلاً ہزار روپے پر اور ہزار روپے اس کا مہر مثل بھی ہے اور پھر گواہوں نے اس گواہی سے رجوع کر لیا یعنی یہ کہا کہ ہم نے جھوٹی گواہی دی تھی تو اس رجوع کرنے سے مرد اور عورت کا نکاح تو ختم نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ یہ مسئلہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ قضاء القاضی بشہادۃ الزور ینفذ ظاہر او باطنا عند ابی حنیفۃؒ لہذا نکاح جب گواہوں کے ذریعہ منعقد ہو گیا تو رجوع کرنے سے فسخ نہ ہوگا لیکن اس رجوع کرنے کی وجہ سے گواہوں پر ضمان بھی نہ آئے گا ضمان اس لئے نہ آئے گا کہ گواہوں نے اپنی گواہی سے عورت کے منافع بضع تلف کیا ہے یعنی جس منافع بضع کی مالک عورت تھی گواہوں نے گواہی دیکر ان منافع کا مالک مرد کو بنا دیا اور یہ عورت کے حق میں سراسر اتلاف ہے تو گواہوں نے اپنی گواہی سے منافع بضع کو تلف کیا ہے اور جس صورت میں منافع بضع کو تلف کیا گیا ہو اس صورت میں منافع بضع متقوم نہیں ہوتے اور جو چیز متقوم نہیں ہوتی اس کے تلف کرنے سے اس کا ضمان بھی لازم نہیں ہوتا لہذا منافع بضع کو تلف کرنے سے اس کا ضمان لازم نہ ہوگا۔ یہ اس صورت میں کہ دعویٰ کرنے والا مرد ہو اور گواہوں نے مہر مثل کی گواہی دی ہو یا مہر مثل سے اقل کی گواہی دی ہو۔

اب اگر دعویٰ کرنے والی عورت ہو کہ ایک عورت نے یہ دعویٰ کیا اس مرد نے میرے ساتھ مہر مثل پر نکاح کیا ہے اور شوہر انکار کر رہا ہے تو عورت نے اس پر بیہ پیش کر دئے کہ مرد نے عورت کے ساتھ مہر مثل پر نکاح کیا ہے اور پھر گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو اس رجوع کی بناء نکاح تو فسخ نہ ہوگا اس لئے کہ نکاح جب منعقد ہوا تو اب رجوع کرنے سے فسخ نہیں ہوتا لیکن جس رجوع کرنے سے گواہوں پر تاوان اور ضمان بھی نہیں آئے گا اسلئے کہ گواہوں نے اگرچہ اپنی گواہی سے شوہر کا مال تلف کیا ہے یعنی مہر مثل تلف کیا ہے لیکن شوہر کو اس کے عوض میں منافع بضع مل گئے ہیں یعنی یہ اتلاف تو ہوا ہے لیکن اتلاف بالعوض ہوا ہے اور اتلاف بالعوض کلا اتلاف ہے جب گواہوں نے عوض ملنے کی وجہ سے شوہر کا کچھ بھی تلف نہیں کیا ہے لہذا گواہوں پر ضمان نہیں آئے گا۔

لیکن اگر گواہوں نے مہر مثل سے زیادہ پر گواہی دی ہو یعنی مہر مثل مثلاً ایک ہزار روپے ہے اور گواہوں نے یہ گواہی دی کہ شوہر نے اس عورت کے ساتھ پندرہ سو کے عوض نکاح کیا ہے تو اس صورت میں مہر مثل کے تو ضامن نہ ہوں گے یعنی ایک ہزار روپے کے اور جو مہر مثل پر اضافہ ہے یعنی پانچ سو روپے اس کے ضامن ہوں گے اس لئے کہ مہر کی مقدار تک تو عوض موجود ہے لہذا اس کا اتلاف کلا اتلاف ہے اور جو مہر مثل سے زائد ہے اس کے عوض میں کچھ بھی نہیں ملا لہذا اس کا ضمان لازم ہوگا اس لئے کہ اتلاف بلا عوض ضمان کو واجب کرتا ہے لہذا اضافی مقدار کا ضمان گواہوں پر لازم ہوگا۔

وفی البیع الامانقص عن قيمة مبیعہ ای لایضمن الرجوع فی بیع الامانقص عن قيمة المبیع صورة

المسئلة اذا ادعى المشتري انه اشترى العبد بالف وهو يساوى الفين فشهد شاهدان ثم رجعا ضمنا لالف وانما قلنا ادعى المشتري حتى ان ادعى البائع الثمن لم يضمن لان البائع رضى بالنقصان وان كان الثمن مساويا للقيمة فلا ضمان لعدم الاتفاق وان كان الثمن اكثر فان كان الدعوى من المشتري فلا ضمان لان المشتري رضى بالزيادة على القيمة وان كان الدعوى من البائع ضمنا للمشتري ما زاد على القيمة وهذه المسئلة غير مذكورة فى المتن لان وضع المسئلة فى المتن فيما اذا كان الدعوى من المشتري فان عبارة الهداية هكذا وان شهدا ببيع فان هذا الكلام انما يقال اذا ادعى المشتري ان البائع فانكر البائع البيع فشهد الشهود على البيع ان كان الدعوى من البائع فالبائع يدعى ان المشتري اشترى منى هذا العبد بكذا وعليه الثمن فالعبارة الصحيحة ح ان يقال شهدا على الشراء فعلم ان صورة مسئلة الهداية فى دعوى المشتري وهذا دقيق تفرد به خاطرى

ترجمہ: اور (ضامن نہ ہوں گے) بیچ میں مگر جو کم ہو بیچ کی قیمت سے لیکن ضامن نہ ہوگا رجوع کرنے والا بیچ میں مگر جو کم ہو بیچ کی قیمت سے صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مشتری نے دعویٰ کیا کہ اس نے غلام خریدا ہے ہزار روپے کے عوض اور وہ دو ہزار کا برابر ہے تو گواہی دی دو گواہوں نے اور پھر دونوں نے رجوع کر لیا تو دونوں ہزار کے ضامن ہوں گے اور ہم نے کہا کہ مشتری نے دعویٰ کیا یہاں تک کہ اگر بائع نے ثمن کا دعویٰ کیا تو دونوں ضامن نہ ہوں گے اس لئے کہ بائع نقصان پر راضی ہو گیا ہے اور اگر ثمن قیمت کے مساوی ہو تو ضمان نہیں ہے اس لئے کہ اتفاق نہیں ہے اور اگر ثمن زیادہ ہو پس اگر دعویٰ مشتری کی جانب سے ہو تو ضمان نہیں ہے اس لئے کہ مشتری قیمت سے زیادتی پر راضی ہو چکا ہے اور اگر دعویٰ بائع کی جانب سے ہو تو دونوں ضامن ہوں گے مشتری کیلئے اس مقدار کے جو زیادہ ہے قیمت پر اور یہ مسئلہ ذکر نہیں ہے متن میں اس لئے کہ متن میں مسئلہ کی وضع اس صورت میں ہے کہ جب دعویٰ مشتری کی جانب سے ہو اس لئے کہ ہدایہ کی عبارت اس طرح ہے کہ اگر دونوں نے گواہی دی بیچ کی اس لئے کہ یہ کلام اس وقت بولا جاتا ہے کہ جب مشتری دعویٰ کرے کہ بائع نے بیچا ہے اور بائع بیچ کا انکار کرے اور گواہ بیچ پر گواہی دیدیں پس اگر دعویٰ بائع کی جانب سے ہو تو بائع یہ دعویٰ کرے گا کہ مشتری نے مجھ سے یہ غلام اتنے میں خریدا ہے اور اس پر ثمن لازم ہے اور مشتری نے اس کی خریداری سے انکار کیا پس گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے غلام اتنے میں خریدا ہے اور اس پر ثمن لازم ہے تو صحیح عبارت اس وقت یہ ہوگی کہ کہا جائے کہ دونوں نے گواہی دی ہے خریداری پر تو معلوم ہوا کہ ہدایہ کے مسئلہ کی صورت مشتری کے دعویٰ میں ہے اور یہ ایک باریک بات ہے جس پر میرا ذہن اکیلا ہے۔



**تشریح:** بیع میں گواہوں کے گواہی سے رجوع کرنے کی صورت میں رجوع کرنے والے پر ضامن

نہیں آئے گا: صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے دعویٰ کیا کہ میں نے یہ غلام خالد سے خریدا ہے ہزار روپے کے عوض اور غلام کی قیمت بھی ہزار روپے ہے یا ہزار سے کم ہے یعنی آٹھ سو روپے ہے اور پھر گواہوں نے گواہی سے رجوع کر لیا تو گواہوں پر ضامن لازم نہ ہوگا بائع کیلئے اس لئے کہ گواہوں نے اگرچہ بائع کی ملکیت تلف کر دی ہے یعنی غلام بائع کی ملکیت سے نکل گیا ہے لیکن اس کے عوض بائع کو غلام کی قیمت اور عوض مل گیا ہے تو یہ اطلاق بالعوض ہو اور اطلاق بالعوض کلا اطلاق ہوتا ہے جیسے کہ ما قبل میں گزر چکا ہے۔ لہذا اس صورت میں گواہوں پر ضامن لازم نہ ہوگا۔

اور اگر غلام کی قیمت دو ہزار روپے ہو اور گواہوں نے گواہی دی کہ مشتری نے یہ غلام ایک ہزار روپے کے عوض خریدا ہے حالانکہ غلام کی قیمت دو ہزار روپے ہے اور پھر گواہوں نے گواہی سے رجوع کر لیا تو اس صورت گواہ ایک ہزار روپے کے ضامن ہوں گے اس لئے کہ گواہوں نے غلام کا وہ جز جو ہزار روپے کے مقابلے میں ہے بلا عوض تلف کیا ہے یعنی گواہوں نے آدھا غلام بلا عوض تلف کیا ہے۔ اور اطلاق بالعوض کی صورت میں تلف کرنے والے پر ضامن آتا ہے اس لئے اس صورت میں گواہوں پر ضامن آئے گا۔

**وانما قلنا ادعی المشتري:** شارح فرماتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ دعویٰ کرنے والا مشتری ہو اور گواہوں نے قیمت سے زیادہ پر گواہی دی اور پھر گواہی سے رجوع کر لیا تو جو قیمت سے زیادہ رقم ہے گواہ اس کے ضامن ہوں گے لیکن اگر دعویٰ کرنے والا بائع ہو تو پھر گواہوں پر ضامن نہیں آئے گا یعنی غلام کی قیمت دو ہزار روپے ہیں اور گواہوں نے ایک ہزار کی گواہی دی اور بائع بھی ایک ہزار کا دعویٰ کر رہا ہے اور پھر گواہوں نے گواہی سے رجوع کر لیا تو گواہوں پر ضامن نہیں آئے گا اسلئے کہ بائع خود اپنے نقصان پر راضی ہو چکا ہے۔

اور اگر گواہوں نے جس شخص پر گواہی دی ہے وہ قیمت کے برابر ہو اور پھر گواہوں نے گواہی سے رجوع کر لیا تو گواہوں پر ضامن نہیں آئے گا اس لئے کہ گواہوں نے کوئی چیز تلف نہیں کی ہے کیونکہ بائع کو اس کا کامل عوض مل چکا ہے اور اطلاق بالعوض کلا اطلاق ہوتا ہے اس لئے کہ اس صورت میں ضامن نہیں آئے گا۔

اور اگر شخص زیادہ ہو قیمت سے یعنی غلام کی قیمت ایک ہزار روپے ہے اور گواہوں نے گواہی دی دو ہزار روپے کی پس اگر دعویٰ مشتری کی جانب سے ہو تو پھر بھی گواہوں پر ضامن نہیں آئے گا اس لئے کہ مشتری خود دو ہزار روپے دینے پر راضی ہو چکا ہے اور جب مشتری خود راضی ہو چکا ہے تو گواہوں پر ضامن نہیں آئے گا۔

اور اگر دعویٰ بائع کی جانب سے ہو یعنی بائع یہ کہتا ہے کہ مشتری نے مجھ سے ایک ہزار روپے قیمت والا غلام دو ہزار کے عوض خرید ہے اور مشتری انکار کرتا ہے پس بائع نے دو گواہ پیش کر دئے کہ مشتری نے یہ غلام دو ہزار کے عوض خریدا ہے تو مشتری نے دو ہزار روپے بائع کو ادا کر دئے اور اس کے بعد گواہوں نے گواہی سے رجوع کر لیا تو غلام کی جو اضافی قیمت ہے یعنی ایک ہزار روپے گواہ اس کے ضامن ہوں مشتری کیلئے اس لئے کہ گواہوں کی گواہی سے جو اضافی قیمت مشتری سے لی گئی ہے وہ بلاعوض ہے اور اطلاق بلاعوض کی صورت میں ضمان آتا ہے لہذا اس صورت میں گواہوں پر ضمان آئے گا۔

وهذه المسئلة غير مذكورة في المتن: اور یہ مسئلہ یعنی ثمن کی زیادتی کا مسئلہ متن میں مذکور نہیں ہے بلکہ متن میں ثمن کے نقصان کا مسئلہ مذکور ہے۔ متن میں یہ مسئلہ ہے کہ بیع میں گواہ ضامن نہ ہوں گے مگر جب کہ ثمن بیع کی قیمت سے کم ہو تو پھر نقصان کے ضامن ہوں گے اور شرح میں یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر ثمن بیع کی قیمت سے زیادہ ہو تو اس میں مشتری اور بائع کی تفصیل آپ کے سامنے بیان ہوگی۔

ہدایہ کی عبارت سے مشتری کا دعویٰ معلوم ہوتا ہے اور بائع کا دعویٰ معلوم نہیں ہوتا:

شارح فرماتے ہیں کہ متن سے مشتری کا دعویٰ معلوم ہوتا ہے بائع کا دعویٰ معلوم نہیں ہوتا جیسے کہ ہدایہ کی عبارت سے مشتری کا دعویٰ معلوم ہوتا ہے بائع کا دعویٰ معلوم نہیں ہوتا۔

اس کی دلیل کہ دعویٰ مشتری کی جانب سے ہے بائع کی جانب سے نہیں ہے:

یہ ہے کہ ہدایہ کی عبارت اس طرح ہے،، فان شهد ابيع ،، اور یہ کلام اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ مشتری دعویٰ کرے اور بائع انکار کرے تو مشتری گواہ پیش کرے اور گواہ اس بات پر گواہی دیدیں کہ بائع نے یہ چیز بیچ دی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دعویٰ کرنے والا مشتری ہے۔ پس اگر دعویٰ بائع کی جانب سے ہوتا تو بائع یہ دعویٰ کرتا کہ مشتری نے مجھ سے یہ غلام اتنے میں خریدا ہے اور اس پر ثمن لازم ہے اور مشتری انکار کرتا ہے کہ میں نے تو نہیں خریدا اور بائع گواہ پیش کرتا کہ آپ نے خریدا ہے اور آپ پر ثمن لازم ہے تو اس وقت عبارت یہ نہ ہوتی کہ ،، فان شهد ابيع ،، بلکہ صحیح عبارت یہ ہوتی ،، شهد اعلیٰ الشراء ،، تو معلوم ہوا کہ ہدایہ کی عبارت میں صورت مسئلہ مشتری کے دعویٰ کے بارے میں ہے بائع کے دعویٰ کے بارے میں نہیں ہے اسی طرح وقایہ کے متن میں بھی صورت مسئلہ مشتری کے دعویٰ میں ہے بائع کے دعویٰ میں نہیں ہے اس لئے شارح نے فرمایا کہ صورت المسئلة اذا ادعى المشتري ،، اور شارح فرماتے ہیں کہ یہ ایک باریک فرق ہے جس کو ہر کوئی نہیں سمجھ سکا بلکہ اس

فرق بیان کرنے میں۔ میں اکیلا ہوں۔

وفی طلاق الانصف مہرہا قبل الوطی ای اذا شهدا بالطلاق قبل الوطی ثم رجعا ضمنا نصف المہر اما بعد الدخول فلان المہر تا دبلدخول فلا اتلاف وضمن فی العتق القیمۃ وفی القصاص الدیۃ فحسب ای اذا شهدا ان زیدا قتل عمروا فاقتص زید ثم رجعا یجب الدیۃ عندنا وعند الشافعی یقتص

ترجمہ: اور (ضامن نہ ہوں گے) طلاق میں مگر عورت کے نصف مہر کے دخول سے پہلے یعنی جب گواہی دی دونوں نے طلاق کی وٹی سے پہلے پھر دونوں نے رجوع کیا تو دونوں ضامن ہوں گے نصف مہر کے اور دخول کے بعد تو نہیں اسلئے کہ مہر مؤکد ہو چکا ہے و دخول سے تو اتلاف نہیں ہے اور ضامن ہوں گے حق میں قیمت کے اور قصاص میں دیت کے فقط یعنی جب گواہی دی کہ زید نے عمرو کو قتل کیا ہے اور زید سے قصاص لیا گیا پھر دونوں نے رجوع کیا تو دیت واجب ہوگی ہمارے نزدیک اور امام شافعی کے نزدیک قصاص لیا جائے گا۔

**تشریح: گواہوں کی گواہی سے طلاق قبل الدخول واقع ہو جائے تو ضمان کس پر ہوگا؟**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ اس کے شوہر نے اس کو طلاق دی ہے دخول سے پہلے اور شوہر نے اس سے انکار کیا تو عورت نے دو گواہ پیش کر دئے گواہوں نے اس بات کی گواہی دی کہ شوہر نے بیوی کو طلاق دی ہے دخول سے پہلے تو شوہر پر نصف مہر دینا لازم ہو گیا اور اس نے جب نصف مہر دیدیا اور گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو گواہ نصف مہر کے ضامن ہوں گے اس لئے کہ گواہوں کی گواہی سے مہر مؤکد ہو گیا اسلئے کہ طلاق دینے سے پہلے یہ امکان تھا کہ شوہر سے مہر ساقط ہو جائے اس طور پر کہ بیوی یا نعوذ باللہ مرتد ہو جائے اور یا ابن الزوج کو اپنے اوپر مطاعت دیدے جس سے شوہر سے مہر ساقط ہو جاتا لیکن گواہوں کی گواہی سے شوہر پر مہر لازم اور مؤکد ہو گیا۔ پس جب گواہوں نے گواہی سے رجوع کر لیا تو ان پر نصف مہر کا ضمان لازم ہوگا اس لئے کہ یہ نصف مہر تو انہوں نے مؤکد کیا تھا تو ضمان بھی انہی پر آئے گا۔ لیکن اگر گواہوں نے یہ گواہی دی کہ شوہر نے بیوی کو طلاق دی دخول کے بعد اور پھر گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو گواہوں پر ضمان نہیں آئے گا اس لئے کہ دخول سے خود بخود مہر مؤکد ہو جاتا ہے اس لئے کہ گواہوں نے شوہر کا کوئی نقصان نہیں کیا ہے اس لئے رجوع کرنے کے بعد گواہوں پر کوئی ضمان نہیں آئے گا۔

**غلام کی قیمت کا ضمان گواہوں پر ہوگا:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو گواہوں نے گواہی دی کہ زید نے اپنا غلام آزاد کر دیا ہے اور قاضی نے غلام کی آزادی کا حکم دیدیا اور پھر

گواہوں نے گواہی سے رجوع کر لیا تو گواہ غلام کی قیمت کے ضامن ہوں گے اس لئے کہ گواہوں نے اپنی گواہی سے مولیٰ کا مال تلف کیا ہے بلا عوض اور اختلاف بلا عوض کی صورت میں تلف کرنے والے پر ضمان لازم ہوتا ہے لہذا گواہوں پر ضمان لازم ہوگا قتل کی گواہی میں گواہوں پر دیت لازم ہوگی قصاص لازم نہ ہوگا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو گواہوں نے گواہی دی کہ زید نے عمرو کو قتل کیا ہے اس گواہی کی بناء پر قاضی نے زید پر قصاص کا حکم کر دیا اور زید کو قصاصاً قتل کر دیا گیا اس کے بعد گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو یہ دونوں گواہ زید کے ورثہ کیلئے دیت کے ضامن ہوں گے اور یہ دیت گواہوں کے عاقلہ پر لازم ہوگی۔ یہ احناف کے نزدیک ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک گواہوں سے قصاص لیا جائے گا

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ گواہ اس قتل کے مسبب ہیں جیسے کہ اکراہ کی صورت میں منکرہ مسبب ہوتا ہے تو اکراہ کی صورت میں منکرہ پر قصاص واجب ہوتا ہے تو اسی طرح گواہی دینے کے بعد رجوع کرنے کی صورت میں بھی گواہوں پر قصاص واجب ہوگا اس لئے کہ یہ بھی مسبب ہیں۔

احناف کی دلیل: یہ ہے قاتل اور مباشر ہے تو ولی مقبول ہے یعنی جس کا ولی قتل کیا گیا ہے گواہی کی بناء پر اصل مباشرہ ہے اور گواہ تو مسبب ہیں لیکن یہاں پر مباشر پر بھی قصاص لازم نہیں ہے تو مسبب پر بھی لازم نہ ہوگا۔

وضمن الفرع بالرجوع لاصله بقوله ما اشهدته على شهادتي واشهدت وغلطت قوله لاصله مسألة مبتدأة لاتعلق لها رجوع الفرع فاذا اقا الاصل ما اشهدت الفرع على شهادتي لا يلتفت الى قوله فلا يضمن وان قال اشهدته وغلطت فلا ضمان عند ابى حنيفةؒ و ابى يوسفؒ ويضمن عند محمدؒ ولورجع الاصل والفرع غرم الفرع فقط هدا عند ابى حنيفةؒ و ابى يوسفؒ لان القضاء وقع بشهادة الفرع فهى علة قريبة ليضاف الحكم اليها وعند محمدؒ ان شاء ضمن الاصل وان شاء ضمن الفرع.

ترجمہ: اور ضامن ہوں گے فروع رجوع کرنے سے۔ نہ (ضامن نہ ہوگا) کہ اصل سے اپنے اس قول سے کہ میں نے اس کو گواہ بنایا ہے لیکن مجھ سے غلطی ہوگئی ہے مصنف کا یہ قول لاصلہ یہ ایک نیا مسئلہ ہے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے فرع کے رجوع سے پس جب اصل نے کہا کہ میں نے تو فرع کو اپنی گواہی پر گواہ نہیں بنایا ہے تو اس کے قول کی طرف التفات نہ کیا جائے گا تو وہ ضامن بھی نہ ہوگا اور اس نے کہا کہ میں نے گواہ تو بنایا ہے لیکن مجھ سے غلطی ہوگئی ہے تو ضمان نہیں ہے شیخین کے نزدیک اور امام

محمدؐ کے نزدیک ضامن ہوگا اور اگر رجوع کیا اصل اور فرع نے تو فرع ضامن ہوگا فقط یہ حضرات شیخین کے نزدیک ہے اس لئے کہ قاضی کا فیصلہ واقع ہوا ہے فرع کی گواہی پر اور یہ علت قریبہ ہے تو حکم اس کی طرف منسوب ہوگا اور امام محمدؐ کے نزدیک اگر چاہے تو اصل کو ضامن قرار دے اور اگر چاہے تو فرع کو ضامن قرار دے۔

تشریح: اگر فروع نے گواہی سے رجوع کیا تو ضامن ہوں گے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ شہادت علی الشہادت کی صورت میں جب فروع نے گواہی سے رجوع کر لیا تو فروع ضامن ہوں گے اگرچہ اصول نے رجوع نہ کیا ہو اس لئے کہ قاضی کی عدالت میں فروع نے گواہی دی ہے لہذا تلف کرنا ان کی جانب منسوب ہوگا اور جب تلف کرنا ان کی جانب منسوب ہے تو ضامن بھی ان پر آئے گا یہ مسئلہ اس جگہ پر تمام ہو گیا یہ ایک مستقل مسئلہ ہے ما بعد کے ساتھ مربوط نہیں ہے۔ آگے مصنفؒ کا یہ کہنا کہ، بلا اصلہ یہ ایک الگ مستقل مسئلہ ہے اس کا ما قبل سے تعلق نہیں ہے۔ اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ شہود اصل نے یہ کہا کہ ہم نے فروع کو اپنی گواہی پر گواہ نہیں بنایا ہے پس اگر یہ کہنا قاضی کے فیصلہ کرنے سے پہلے ہو تو پھر تو شہادت باطل ہو جائے گی اور قاضی اس گواہی پر فیصلہ نہیں کرے گا اس لئے کہ اصول نے تحمیل سے انکار کیا اور تحمیل سے انکار کرنے کی صورت میں گواہی باطل ہوتی ہے۔ لیکن اگر اصول کا یہ کہنا قاضی کے فیصلہ کرنے کے بعد ہو تو قاضی کا فیصلہ باطل نہ ہوگا اور اصول کی اس بات کی طرف کوئی التفات نہ کیا جائے گا اور شہادت باطل نہ ہوگی اور قاضی کا فیصلہ بھی نہیں ٹوٹے گا اور نہ اصول پر ضمان آئے گا اسی طرح اگر اصول نے کہا کہ ہم نے فروع کو گواہ بنایا ہے لیکن ہم سے غلطی ہوگئی ہے تو اس صورت میں حضرات شیخین کے نزدیک اصول ضامن نہ ہوں گے اور امام محمدؐ کے نزدیک اصول ضامن ہوں گے حضرات شیخین کی دلیل: یہ ہے کہ قاضی نے فروع کی شہادت پر فیصلہ کیا ہے نیز قاضی نے فروع کی شہادت کا معائنہ کیا ہے اور فروع نے رجوع نہیں کیا ہے لہذا جب فروع نے رجوع نہیں کیا ہے تو ان پر ضمان بھی نہیں آئے گا

حضرت امام محمدؐ کی دلیل: یہ ہے کہ فروع تو اصول کے قائم مقام ہیں جب فروع اصول کے قائم مقام ہیں اور اصول نے رجوع کر لیا ہے تو اصول پر ضمان لازم ہوگا اور گواہی باطل ہوگی۔

اور اگر اصول اور فروع سب نے رجوع کر لیا تو حضرات شیخین کے نزدیک فروع ضامن ہوں گے اصول ضامن نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ قاضی کا فیصلہ تو فروع کی گواہی پر واقع ہوا ہے نہ اصول کی گواہی پر تو ضمان بھی فروع پر آئے گا اصول پر نہ آئے گا۔

اور امام محمدؐ کے نزدیک مالک کو اختیار ہے چاہے اصول کو ضامن قرار دے یا فروع کو ضامن قرار دے۔ اس لئے کہ قاضی نے فیصلہ کیا ہے فروع کی گواہی پر اس کا تقاضا یہ ہے کہ فروع کو ضامن قرار دیا جائے جیسے کہ شیخین نے فرمایا ہے۔ اور فروع چونکہ

اصول کے قائم مقام ہیں تو گویا کہ قاضی نے اصول کی گواہی پر فیصلہ کیا ہے جیسے کہ امام محمدؒ کی دلیل ہے سابقہ مسئلے میں اس کا تقاضا یہ ہے کہ اصول کو ضامن قرار دیا جائے اور دونوں کو ترک کرنا جائز نہیں ہے کہ کسی پر ضمان لازم نہ کیا جائے تو دونوں کو جمع کیا جائے گا اس طور پر کہ مالک کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے ضامن قرار دے اصول کو یا فروع کو۔

وقول الفرع کذب اصلی او غلط فیہا لیس بشی ء لان کذب الاصل لا یثبت بقول الفرع والفرع لم یرجع عن شہادته فلا یلتفت الی قولہ

ترجمہ: اور فرع کا یہ کہنا کہ میرے اصل نے جھوٹ بولا ہے یا اس نے گواہی دینے میں غلطی کی ہے یہ تو یہ کچھ بھی نہیں ہے اس لئے کہ اصل کا جھوٹ فرع کے قول سے ثابت نہیں ہوتا اور فرع نے شہادت سے رجوع نہیں کیا ہے تو اس کے قول کی طرف التفات نہ کیا جائے گا۔

**تشریح: فروع کا اصول پر جھوٹ کی تہمت لگانے سے اصول کا ذنب نہیں ہوتے:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب فروع نے گواہی دیدی اور قاضی نے فیصلہ کر دیا اور اس کے بعد فروع نے یہ کہا کہ ہمارے اصول نے جھوٹی گواہی دی ہے۔ یا انہوں نے گواہی دینے میں غلطی کی ہے تو فروع کے اس کہنے سے اصول پر کوئی اثر نہیں پڑتا نہ تو اصول کا کذب ثابت ہوتا ہے کیونکہ ان کے کہنے سے فروع کا کذب ثابت نہیں ہوتا اور نہ کسی پر ضمان لازم ہوتا ہے۔ فروع پر تو اس لئے ضمان لازم نہیں ہوتا کہ فروع نے گواہی سے رجوع نہیں کیا ہے اور اصول پر اس لئے ضمان لازم نہیں ہوتا کہ اصول کا کذب ثابت نہیں جب ان کا کذب ثابت نہیں تو ان پر ضمان بھی نہ آئے گا۔

وضمن المزکی بالرجوع عن التزکیۃ ہذ عند ابی حنیفۃ خلافا لہما لان التزکیۃ جعلت الشہادۃ شہادۃ لا شہادۃ الاحصان ای اذا شہدوا علی الزنا وشہد الشہود علی احصان الزانی فرجم ثم رجع شہود الاحصان لم یضمنوا لان الاحصان شرط محض لا یضاف الحکم الیہ بخلاف التزکیۃ وہما قاسا المزکی علی شہادۃ الاحصان کما ضمن شہادۃ الیمین لا الشرط اذ ارجعوا ای اذا شہد شہدان انہ علق عتق عبده بشرط وشہد اخر ان علی وجود الشرط فحکم بالعتق ثم رجع الكل ضمن شہادۃ الیمین لانہما صاحب العلة .

ترجمہ: اور ضامن ہوں گے تزکیہ کرنے والے تزکیہ سے رجوع کرنے کی وجہ سے یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے خلاف ثابت ہے صاحبین کیلئے اسلئے کہ تزکیہ نے گواہی کو گواہی بنایا ہے نہ کہ احصان کے گواہ یعنی جب گواہی دی زنا پر اور کچھ گواہوں نے

گواہی دی زانی کے مخص ہونے پر پھر احسان کے گواہوں نے رجوع کیا تو وہ ضامن نہ ہوں گے اس لئے کہ مخص ہونا تو مخص شرط ہے اس کی طرف حکم منسوب نہیں ہوتا برخلاف تزکیہ کے اور صاحبین نے مزکی کو قیاس کیا ہے احسان کے گواہوں پر جیسے کہ ضامن ہوتا ہے یمین کا گواہ نہ کہ شرط کا جبکہ رجوع کریں یعنی جب گواہی دی دو گواہوں نے کہ اس نے اپنے غلام کی آزادی کو معلق کر دیا ہے شرط پر اور دو گواہوں نے گواہی دی شرط کے موجود ہونے پر تو قاضی نے آزاد ہونے کا فیصلہ کر دیا پھر سب نے رجوع کر لیا تو یمین کے گواہ ضامن ہوں گے اس لئے کہ یہ دونوں صاحب علت ہیں۔

**تشریح:** تزکیہ سے رجوع کرنے والے ضامن ہوں گے: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو گواہوں نے کسی کے خلاف مال کی گواہی دی اور گواہوں کا تزکیہ کر دیا گیا یعنی دو اور گواہوں نے یہ گواہی دی کہ گواہ عادل ہیں تو قاضی نے گواہی کی بناء پر فیصلہ کر دیا اور مال مدعی کو سپرد کر دیا اس کے بعد تزکیہ کرنے والوں نے اپنے تزکیہ اور تعدیل سے رجوع کر لیا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تزکیہ کرنے والے مال کے ضامن ہوں گے۔ اور صاحبین کے نزدیک تزکیہ کرنے والوں پر ضمان نہیں آئے گا اس لئے کہ تزکیہ کرنے والوں نے تو گواہوں کی تعریف کی ہے کہ گواہ عادل ہیں کسی پر گواہی نہیں دی ہے جب گواہی نہیں دی تو گواہی سے رجوع بھی نہیں کیا ہے بلکہ تعدیل اور تعریف سے رجوع کیا ہے اور جب گواہی سے رجوع نہیں کیا ہے تو ان پر ضمان بھی نہیں آئے گا۔ اسلئے کہ ضمان گواہی سے رجوع کرنے والے پر ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے کہ شہود احسان یعنی چار گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں نے زنا کیا ہے اور پھر چند لوگوں نے گواہی دی کہ یہی آدمی مخص ہے تو زانی کو رجم کر دیا گیا اور اس کے بعد احسان ثابت کرنے والوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو ان پر ضمان لازم نہیں ہوتا اسی طرح یہاں پر بھی تزکیہ کرنے والوں پر ضمان لازم نہ ہوگا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ تزکیہ نے تو گواہی کو گواہی بنا دیا ہے یعنی قاضی کے فیصلہ کی ایک علت تو گواہوں کی گواہی ہے لیکن گواہوں کی گواہی اس وقت تک کارآمد نہیں ہوتی جب تک ان کا تزکیہ نہ کر لیا جائے پس جب تزکیہ کرنے والوں نے ان کا تزکیہ کیا تو گواہوں نے گواہی کو کارآمد بنا دیا تو تزکیہ کرنے والے علت بعیدہ ہو گئے یعنی علت العلة ہو گئے اور حکم

جس طرح منسوب ہوتا ہے علت کی طرف اسی طرح منسوب ہوتا ہے علت العلة کی طرف بھی۔ تو تزکیہ سے رجوع کرنا گواہ کی اپنی گواہی سے رجوع کرنا ہے اور گواہی سے رجوع کرنے کی صورت میں گواہوں پر ضمان آتا ہے تو تزکیہ سے رجوع کرنے کی صورت میں تزکیہ کرنے والوں پر ضمان آئے گا۔

**لا شاهد الا احسان:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ چار گواہوں نے گواہی دی کہ زید نے زنا کیا ہے اور کچھ اور لوگوں نے گواہی

دی کہ زید محسن ہے یعنی شادی شدہ ہے نکاح صحیح کے ساتھ غلط سمجھ ثابت ہے۔ تو اس جرم میں زید کو سنگسار کر دیا گیا اور اس کے بعد شہود احسان یعنی جن لوگوں نے زید کے محسن ہونے کی گواہی دی تھی انہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو ان پر حمان نہیں آئے گا اس لئے کہ احسان تو شرط محض ہے یعنی احسان ثابت ہونا زنا کیلئے نہ علت ہے اور نہ علت العلتہ ہے اور نہ سبب ہے بلکہ احسان ثابت ہونا حد زنا کیلئے صرف شرط محض ہے اور حکم علت کی طرف یا علت العلتہ کی طرف تو منسوب ہوتا ہے لیکن شرط کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔ یہ صاحبین کے قیاس کا جواب بھی ہو گیا کہ انہوں نے حرکی کو قیاس کیا تھا شاہد الاحسان پر تو اس کا جواب یہ ہو گیا کہ تزکیہ علت العلتہ کے حکم میں ہے اور احسان ثابت ہونا نہ علت ہے اور نہ علت العلتہ ہے بلکہ شرط محض ہے لہذا حرکی کو شاہد الاحسان پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

فائدہ: علت، سبب، اور شرط میں فرق یہ ہے کہ علت حکم کے اندر مؤثر ہوتی ہے۔ سبب تاثیر کے بغیر حکم کی طرف منفعی ہوتا ہے۔ اور شرط نہ حکم کے اندر مؤثر ہوتی ہے اور نہ حکم کی طرف منفعی ہوتی ہے بلکہ حکم کا وجود اس کے وجود پر متوقف ہوتا ہے

(نثر اہلحد ۱۰ ص ۱۶۶)

کما ضمن شاہد الیمین: سابقہ مسئلہ کیلئے نظیر پیش کرتے ہیں۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو گواہوں نے گواہی دی کہ زید نے اپنے غلام کی آزادی مطلق کر دی ہے ایک شرط کے ساتھ یعنی زید نے اپنے غلام سے کہا ہے کہ اگر آپ خالد کے گھر میں داخل ہوئے تو تم آزاد ہو یہ ہے یمین کے گواہ ہیں اس کے بعد دو اور گواہوں نے گواہی دی کہ شرط موجود ہو گئی ہے یعنی غلام خالد کے گھر میں داخل ہو گیا ہے تو قاضی نے فیصلہ دیدیا کہ زید کا غلام آزاد ہے پھر اس کے بعد سب نے رجوع کر لیا یعنی یمین کے گواہوں نے بھی رجوع کر لیا اور شرط کے وجود کے گواہوں نے بھی رجوع کر لیا تو اس صورت میں حمان یمین کے گواہوں پر آئے گا اور وجود شرط کے گواہوں پر نہ آئے گا اس لئے کہ یمین کے گواہ حکم کیلئے علت ہیں اور شرط کے گواہ نہ علت ہے اور نہ سبب ہے بلکہ محض شرط ہے اور جب علت موجود ہو تو حکم شرط کی طرف منسوب نہیں ہوتا پس شہود یمین نے علت ثابت کیا ہے اور شہود شرط نے محض شرط ثابت کیا ہے اور حکم علت کی طرف منسوب ہوتا ہے شرط کی طرف منسوب نہیں ہوتا لہذا شہود یمین ضامن ہوں گے اور شہود شرط ضامن نہ ہوں گے۔ جیسے کہ سابقہ مسئلہ میں شہود زنا علت ہے اور شہود احسان شرط محض ہے۔ اور شہود علت پر حمان ہوتا ہے شہود شرط پر حمان نہیں ہوتا اسی طرح یہ مسئلہ بھی ہے۔

☆ واللہ اعلم ☆

ختم شد بفضل اللہ تعالیٰ و عونہ ومنہ۔ تاریخ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

برمطابق ۲۱۔ اگست ۲۰۰۷ء۔ بروز منگل، بمقام نورانی مسجد منگورہ سوات، علی محمد غفر لہ والوالدیہ